

**PAGES MISSING
WITHIN THE
BOOK ONLY**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224009

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۴۲.۵

Accession No. ۱۰۸۶۲

Author

Title

تبرنگ خیال - ج ۱۱

This book should be returned on or before the date last marked below.

نیرنگ خیال جلد ۱۱ کیا اکبر بادشاہ ان پڑھ تھا؟

از جناب شجاعت علی صاحب اسسٹنٹ ناظم کتاب خانہ شاہی ریاست راجپور ۱۹۶۹ء

راہ پر دیر صاحب کا ذاتی خیال اس کی غماز ہمارے ہاتھ میں نہیں ملتا۔
بچہ کو بندہ نویس بنا کر حروفِ شناس کر پابند کرتے ہوں۔ یا اسٹیمنگ والیپرس
کی "بوسٹ" بنی فضا سے گزرتے جانے کے بعد لیکن موجودہ طریقہ تعلیم کے لحاظ سے
قواس عبارت سے یہ ضرور لازم آتا ہے کہ اکبر اس وقت کم از کم پڑھ لکھا تھا۔
اس کے بعد پروفیسر صاحب اسطرح حدیث کی روایت نقل کر کے لکھے ہیں کہ
"جس اس کا ذرا بھی شبہ نہیں کہ ہمارے باطنی مضمون نگار نے پڑھنے اور سننے
کو مترادف سمجھ لیا۔ کیونکہ انہوں نے تو اصل کتاب کو چھوٹا کر لیا۔ جو پوسہ
شعر لکھیں لکھا تھا۔ تہ نفل کر دیا۔ مگر حجت قواس پر ہے کہ موصوفی شمسی صاحب نے
ماثر الامراء کا حوالہ دیتے ہوئے یکس طرح لکھا کہ اکبر ان کے گھر جا کر حدیث
پڑھتا تھا۔"

میرے محترم دوست کو علامہ شبلی کے اس قول سے جبرئیل نقیب پور ایچے
اُس سے کہیں زیادہ آپ کے اس قتب پر نقیب ہے (خدا کرے کہ یہ قیامت نسلی
صورت اختیار کر کے دور کی حد تک نہ پہنچے جو علامہ شادانی کو میرا انجیل ہونا پڑا)
کاشکے ہمارے پروفیسر صاحب موصوفی طریقہ دیرس حدیث تاریخی کتابوں
ہی میں دیکھ لیتے۔ پھر شبلی مرحوم کو کلامت کا فائدہ نہ ملنے کی کوشش کرتے۔
حدیث کی تعلیم کا طریقہ بھی تھا کہ اُنکے شاگردوں کو حدیث پڑھ کر سنا تھا
اور اُس کے ختم ہو جانے کے بعد ساعت کی سند دیتا تھا۔ لیکن بعض حدیثیں نے
فرد اس کو نبض و وجہ سے ترک کر دیا ہے۔ لیکن اسی وقت تک بھی طریقہ رائج
تھا۔ اس بنا پر علامہ شبلی کا یہ کہنا کہ اکبر حدیث پڑھتے ان کے گھر جا کر کرتا تھا۔
بالکل صحیح ہے اور اس سے اکبر کی تعلیم کا بہترین ثبوت ملتا ہے۔
اس کے بعد فاضل مضمون نگار نے ایک اور دلیل قائم کی ہے جس کو سب
سے زیادہ مضبوط اور لا جواب خیال کر کے اس پر رونا تو قلم صرف کیا ہے۔
لیکن وہ "ان اوھن البیوت بیت العنکبوت سے زیادہ درست
نہیں کہتی۔ آپ حق پر غور فرماتے ہیں کہ۔"

مصرعہ بانا مغان کے تحت میرے فاضل محترم پروفیسر مزاجت حسین صاحب
غذایب شادانی کا ایک محققانہ مضمون رسالہ نیرنگ بابت ۱۱ ستمبر ۱۹۶۸ء میں
شائع ہوا تھا۔ اُسی وقت سے یہ خیال تھا کہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا
اظہار کروں۔ لیکن بعض دیگر علمی مشاغل کی وجہ سے اس کا موقع نہیں ملتا تھا۔
خدا خدا کرے کہ آج اپنے یکساں خیال کے اظہار کا وقت آیا۔ مجھے اپنے فاضل میرا
سے قوی امید ہے کہ وہ میری اس ناشائستہ جرات سے اپنے احساسات
کو متاثر نہ ہونے دینگے۔

پروفیسر صاحب مضمون کے مضمون کے بغیر ہر دوسرے میں۔ پہلے حصہ
میں آپ نے مولانا اشفاق حسین صاحب کے کمرور کر کے پڑھ کر دلی ہے
دوسرے حصہ میں مولانا موصوف اور شمر زیندارا کا اظہار کی تردید کرتے ہوئے
نمنشاہ اکبر کو ان پڑھ ثابت کرنے کی غیر واجب کوشش کی ہے۔ اور ثقت
مومنین اسلام کے ادا کرنے میں خوب سرگرمی دکھائی ہے۔
میرے مضمون کا تعلق صرف دوسرے حصہ سے ہے۔

پروفیسر صاحب موصوف نے آئین اکبری کی حسب ذیل عبارت نقل کر کے
اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے (ہر روز کو بدلتی رسد شمارہ آں بندہ
بقلم کو ہر بار نقش کنند الخ) معلوم نہیں کہ ہمارے فاضل مضمون نگار سے
کس نے کمپا کر یہ عام دستور نویسی حروفِ شناسی کے بعد بتائی
جاتی ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک میں کوئی ایسا نام و ادراج موجود نہیں کہیں اتفاقاً
ایسا بھی ہوتا ہوگا۔ مگر مولانا اس کے خلاف۔

پروفیسر صاحب کی اس محبت کے سنے میری کچھ میں نہیں آئے۔ معلوم ہوا
ہے کہ اس عوم میں کسی خصوص کو نقل ہے۔ اور اس سے مراد آپ کی اختراعی محبت
ہے ورنہ مشابہہ تو اس کی تردید کرتا ہے۔
ایشیائی طریقہ تعلیم کے لحاظ سے تو بچے کے ہاتھ میں قلم ہی اس وقت
چلا جاتا ہے۔ جب وہ کم از کم ابتدائی مراحل ابجدی کلمے چکاتا ہے۔

پڑھ رہا کہتا تھا یا نہیں؟

انا کہہ رہا ہوں یا نہیں جیسا غافل ذہن سمجھ سکتا ہے، اس قابل بھی نہ تھا کہ اس کو یہی کہا جاسکے، آگے چل کر مولانا عبدالقادر جوادی کے قول کے مطابق مولانا لکھتے ہیں کہ ”۹۹۲ھ میں ان کے میر عبد الطیف سے دیوان حافظ پڑھنا شروع کیا تھا اب ناظرین خود مدعا کر سکتے ہیں کہ ایک سمجھدار مسلم صلح جنس و راج دیوان حافظ پڑھنے کی حرمت کر لے رہا ہے کہ آگے چل کر ان پڑھ کر لے کر کبھی سختی ہو سکتا ہے؟ ہٹنے مانا کہ فارسی اس وقت سراج کمال پر پہنچ چکی تھی، اہل دیوان حافظ کے پڑھنے کے لئے کسی اعلیٰ جاہلیت کی ضرورت نہ تھی، لیکن کیا اس کے یہ سبب ہو سکتے ہیں کہ ایک بالکل بے پڑھا کمال شخص اس کو شروع کر دے؟ اس کو تو اٹھ تے تے یا زائد اسے زائد چھوٹے چھوٹے جوں کی کتاب پڑھا چاہئے۔ نہ کہ دیوان حافظ جیسی مسلسل اور وہ بھی نظم کی کتاب؟

اس حقیقت، بالکل آتش راہ گئی کہ اگر ۱۲۹۳ھ میں ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد پروفیسر صاحب موصوف نے ایک نہایت زبردست اور مستند شہادت پیش کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ”جائیداد اپنی حُرک میں لکھتا ہے:-
پدرین در اکثر اوقات ادا تالیاں مہر دین و مذہب محبت می داشتند بخصوصاً با ہندستان و داتا گیارہ ہندو با آنکہ اُنھی بودند“

حقیقتاً یہ شہادت نہایت مستحکم ہے۔ اور اس کی تردید سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ جائیداد نے کسی دوسری روایت سے ہی اس کو غلط ثابت کیا جائے اور یہ نہایت زبردست ہے۔ لہذا اس میں کامیابی کی کوئی امید نہیں ہوتی۔ کیونکہ جائیداد کا اپنے اس قول کے خلاف کوئی بات کہہ نہ سکتا اور خود اپنے آپ جوہر نہایت کرنا محال ہے۔ لیکن حقیقت بغیر ظاہر ہوئے نہیں رہتی۔ اور جھوٹ کبھی نہ کبھی کھل ہی جاتا ہے۔ جائیداد غریب کو یہ کیا معلوم تھا کہ کسی سمجھدار نے اپنے باپ کو پڑھا کھا کھچا ہوں۔ حال ہی میں میر صاحب دلیو آٹا لے کر نہاد کے دفتر میں شائع کی ہیں جو اس نے اپنے قلم سے غفرانہ میں بنائی تھیں غفرانہ کا نسخہ شاہجہان اکبر اور جائیداد کے کتاب خانوں میں رہ چکا ہے۔ اور آج کل سر ڈارٹر کیرٹ کے پاس ہے +

جناب مرتب نے اس غفرانہ کے انٹریل ریج کا مکس بھی واس ہے۔ جس پر شاہجہان اکبر اور جائیداد کے قلم کی لکھی ہوئی عبارتیں ہیں +
چنانچہ ایک جگہ ”خود دین“ نہایت صاف خط میں لکھا ہے۔ اس کے نیچے جائیداد کے قلم کی یہ عبارت تحریر ہے:-

”ابو الفضل جس نے اکبر کو انسانی سطح سے اٹھا کر دیوتاؤں کی صف میں لے جا کر کھڑا کر دیا، بلکہ اسے اومیت کے مرتبہ پر پہنچانے میں کوئی کمر نہیں اٹھا مگر اسے اس مرتبہ کو اکر کے اس کے بعد کی تعلیم بھی پائی ہوئی اور مصروف نوشتہ خوانہ پر بھی تاد رہا تھا (ابو الفضل) اسے دیکھتے نام غلام سے بڑھا دیتا لیکن اگر کہ اس نے ہونا، ایک ایسی عالم دشمنی را حقیقت تھی جس سے کسی طرح انکار ممکن نہ تھا۔ لہذا اس کو اس کی تاملوں کو پڑا کر پڑا کر“

مجھے نہایت افسوس ہے کہ اس غفلت منہویں بھرنے اس معاملہ میں بھی کچھ وقت نہ صرف کہ ہم نہیں لیا۔ ورنہ سرگزشتیہ افغانہ تحریر کرنے کی جرأت نہ کرنے +
میر سے خیال میں ابو الفضل کی یہ چالاکی دنیا دینے میں کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ اس نے اکبر کو اتنی ثابت کرنے کی نہایت کامیاب کوشش کی اور اپنے عقیدت گیش اصحاب کے دلوں پر اس نقش اس طرح جایا کر مٹانے انہیں چاہتا +

ابو الفضل کی اس غفلت کے کرنے سے یہ غرض تھی کہ وہ اکبر کو ایک نئے مذہب کا بانی اور اس مذہب کو اسی مذہب نہایت کرنا چاہتا تھا +
اور دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اس کے پیچھے نظر تھے۔ وہ یہ جانتا تھا کہ نبی آخر الزماں کو جس چیز نے سب سے زیادہ فائدہ پہنچا اودہ آپ کا اقی ہونا تھا۔ اور حقیقتاً ایک ان پڑھ شخص کا ایجاد مذہب کے بار کا حاصل ہونا، اس کا بہتوں ہجر اور تائید قبیح کا مسلم ثبوت ہے +
صرف اسی بنا پر ابو الفضل نے بھی بانی مذہب الہی (اکبر) کو بانی مذہب اسلام (محمد) کے مقابل میں ان پڑھ بنا کر پیش کیا۔ ورنہ حقیقت اس کے خلاف تھی +

اس کے بعد پروفیسر صاحب موصوف نے اکبر کی توجہ اور تبدل اساتذہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اکبر کے نہ پڑھنے کی وجہ سے چند آستاد پڑے گئے۔ مگر اس کو نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا +

اس میں بھی فاضل مضمون لکھا کہ نتائج ہوا۔ ایک شاہزادہ کے مستاد کو اس بنا پر بدل دینے کے کہ وہ اس سے پڑھتا نہیں یہ سنے نہیں جوتے کہ شاہزادہ تعلیم کی طرف سے بالکل گمراہ ہو گیا۔ بلکہ یہ سنے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے حسب وکھ اور اپنی تعلیم کو وسیع نہیں کرتا +

آمین اکبر کی روایت کے مطابق ہاؤس نے چار سال اکبر کو پڑھانے کی کوشش کی۔ ایسے روایت کرتا ہوں کہ اس چار سال کوشش کے بعد اکبر جیسا کہ فرماتا ہوں ان

”ابن کلثوم مبارک حضرت آستانیت و میر حلال الدین حسین ابن نسیر اور دارا خلعت اگرچہ پیش آنحضرت نمودے
یہاں جو گائیکہ نے خود اپنے باپ (اکبر) کو بڑھا لکھا جو تانا تاباں کیا ہے۔
اور شہوت میں خود کو ہار کا کھانا ہوا پیش کر دیا ہے +“

شجاعت علی



جذباتِ مادر

میر سے بچے! تو مجھے یاد آتا ہے۔
جب مرزا محمد علی دنیا کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اپنا بھی بجا سانسے۔ اور مرزا بنی نوش ایمان و عظمت کی نشانیں کھیلنے میں۔
آنکھیں کھلنے سے پہلے میرے اچھٹے کوٹھوتے میں۔ اور پائے کی کوشش کرتے ہیں لیکن نہ پاؤں نہ کھوسے۔ اگرچہ جلد پروا پس آ جاتے ہیں۔ میری
اپنا منہ کا لاکر کے رد پوش ہو گئی۔ اب دنیا کی ہر چیز نورانی ہے۔ میں اپنے اپنے بچوں کو دیکھ کر آنکھیں روشن کرتی ہیں لیکن میری آنکھیں گھٹی
ہیں ہر چار طرف تیری تلاش میں دوڑتی ہیں بچہ چار تھک کر رہ جاتی ہیں۔ اور تیری یاد میں جست کے چند آنسو باقی ہیں +
میر سے بچے! تو مجھے یاد آتا ہے +

جب بڑوس کے بچے اپنی بیماری پیاری باتوں سے اپنی ماؤں کے دل ٹھنڈے کرتی ہیں۔ آواز میں شہکار و دل بھین ہو جاتا ہے۔ دیوانہ وار
تیرے دیوانہ حسرت کو آغوش میں دبا کے کھڑکی کی طرف دوڑتی ہوں اور بٹھ کر کچا گلتی ہوں۔ کان تیری آواز سننے کے مشتاق ہوتے ہیں آنکھیں
اپنی پوری قوت سے نظر دوڑاتی ہیں۔ اور کچھ کو ان بچوں کی جماعت میں دیکھنا چاہتی ہیں جن کے ساتھ کبھی تو کھیلنا تھا۔ لیکن آہ! بہت جلد کام
اپنی جگہ پر آ جاتی ہیں۔ اور سانس اندھیرا چھا جاتا ہے +
میر سے بچے! تو مجھے یاد آتا ہے +

جب سرکاری اسکول کے ننھے ننھے بچوں کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہیں۔ میری آنکھیں تیزی سے جلی ہیں اور ہر سرگرم کو تھوکتی ہیں میرے
آنسو! وہ مسخرانہ داپیں آتی ہیں اور اپنی ناکامی پر آنسو بہانے لگتی ہیں +
میر سے بچے! تو مجھے یاد آتا ہے +

جب آفتاب دھوکہ دینا کیلئے شہابی کائنات سے اور جب گھڑی میں ”تین کا دقت“ ماؤں کے تھکاپ میں انسانی کیفیت متحرک کرتا ہے
بچوں کی آواز میں شکر میرا دل بے چین ہو جاتا ہے۔ آنکھیں جلد بھلے دوڑتی ہیں اور انتظار میں دروازے تک۔ مڑی تیزی سے جاتی ہیں۔ اور میری
دلیوی بن کر لگ جاتی ہیں۔ اسکول سے واپس ہونے والے ہر بچہ کو غوسے دیکھتی ہیں اور پچھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ آہ! ناکام و نامراد آنکھیں
خون حسرت کے چند آنسو ہار کا خاموش ہو جاتی ہیں +

اظہارِ فراقی

مردی فاضل، فاضل ادب و دنیا، و میر کامل، میرزا و سید بابا، باغ بندرس

(خاص)

”محدث کی دختر“

انرجناپ اہم۔ اسے وصیہ شیعلی۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ (کلاسک)

کب مل ہوگا۔ پھر زامرد کے دماغ کا دوسرے دماغوں سے فرق بتلائیے۔ دیکھ فرشتہ کی انتہائی دماغی عزلی ہے۔ کہ وہ شیطان بن جائے۔ عورت کی دماغی کمزوری یہ ہے کہ وہ چشہ طوائف اختیار کرے۔ جانوری دماغی چارہ یہ ہے کہ وہ اپنے کام سے باز رہے۔ لیکن ہماری عقل آجنگ مرد کے دماغ کی خواہ کو نہ بچان سکی۔ جب یہ بگڑا ہے تو عجیب عجیب پروردہ پر سرت لغار سے پیش کرتا ہے۔ قدرت نے فرشتہ کو نافرمانی پر اخراج جنت کی سزا دی۔ عورت اس کی نافرمانی پر عصمت فروش کی پاداش ملی۔ جانوری نافرمانی پر اس کے شہ کر لیںے کا حکم دیا۔ کہ فرشتہ نے مرد کی نافرمانیوں پر قدرت نے اس کے واسطے کو نہی تعزیر تجویز کی ہے ؟

(۲)

اب یہ بات سب کو معلوم ہے کہ عقیق کی محبت کا زیادہ وقت اجل بیہ عیاش مزاج لوگوں کی محبت میں کتنا ہے۔ لیکن عقیق کی محبت ان لوگوں میں محض ا شکار کی حیثیت سے ہے۔ وہ بذات خود شکار کا بیحد شوقین ہے۔ دوستوں کو بازاری تفریحات سے وہ بالکل بے تعلقی اور لا پرواہ ہے۔ نہ کسی کو یہ یقین ہو سکا ہے کہ وہ ان لوگوں کی عیاشانہ تفریحات میں حصہ لے گا۔ وہ یہ ہے کہ وہ بچپن سے نہایت سنجیدہ مذہب اور پاکیزہ ہے۔ تقریباً آئیں سال کی عمر میں انٹرنس یا کر لینے کے بعد اس کے ضعیف ہونے کے لئے اس کے حساب کتاب اس کے حوا کردیا ہے۔ زمینداری کی کل آمدنی اسی کے ہاتھوں میں آتی اور خرچ ہوتی ہے اس کے باپ خان بادل کبر الدین قصبہ کمال پور کے رئیس اعظم ہیں وہی وجہ ہے کہ غرض قیں کی عمر تیرہ ہے +

ایک انجیر کا راسانہ دنیا و مافیاسے بے غمراول مرتبہ کسی قسم کی پسو سوانحی میں شریک ہوتے ہوئے خاص لطف مناسبت ہے۔ گو اس کا یہ لطف علی ہ جی نہ ہو۔ وہ صرف سوانحی کی نہاں سے زبانی قلم نہاں ہے۔ لیکن جب علم

فتش و جنت کی پر لطف و پرخم داستانیں۔ ان مد جز و امثالہائی و انتہائی مالتیں۔ آپ نے اعلیٰ پڑھی بدھ سنی ہوئی۔ ہمارے خیال میں ہر ایک عاشق کا معیار عشق دوسرے سے جدا رہے۔ اگر آپ ایک راجا نواب ہیں تو آپ نے عورتوں کے چروانے میں کمی نہ کی ہوگی۔ اگر آپ ایک بڑے انگریزی دان عہدہ دار ہیں تو آپ وہاں کی حاضری سے حالت بجا میں بھی باز نہیں رہے ہوں گے۔ اگر آپ ایک کفایت شہا زمینی زمیندار ہیں تو اپنے گاؤں کے مقدم کی لڑکی ڈیرے میں آٹا پیسنے والی چارسی یا پانی بھرنے والی کماری پر دل جوڑا چھینک کر اس کو ایک قلعہ زمین ملا لنگن دینے کا وعدہ کر دیا ہوگا۔ اگر آپ بڑے زمیندار کے بیٹے ہیں تو خوب بے سرخ و تاج پر عیاشی کی ہوگی۔ اگر آپ کالج کے طالب علم ہیں تو زمانہ اسکول والی شرک پر غور فرماتے ہو گئے۔ اگر آپ ایک شریعت کے پیرو ہیں تو کسی نہ کسی دن اپنی خاوند کا باور چھان میں زیر کسی پیارے کر اس دنیا میں بادینے کا وعدہ کر دیا ہوگا۔ ہمارے ایک دوست کو جب کہیں موقع نہ ملا تو انہوں نے سفر میں اپنے متقابل بیٹھے والی کو وعدہ ایک سگریٹ کے دل چڑی کو دیا۔ گونا گونا سنا ہے۔ غرض یہ ہلکا خاک ہے۔ اس میدان کا جس ہر شخص ایک نہ ایک دفعہ گذرنا ہوا ہوگا۔ یہ تو بلاشبہ بات ہے کہ قواہل کو ان کی سوانحی زمینداروں کو چھائی کی چارسیاں۔ کالج کے طالب کو زمانہ اسکول کی لڑکیاں اور شریعت گھڑوں کے چرخ کو ان کی خادما میں موجودہ زمانہ میں کار و عشق کے ابتدائی مراحل ثابت ہوتی ہیں بلال قدم میں سے برعیا جاتا ہے۔ اور آخر کار رہا ہی کے عین گڑھے میں جا پڑتے ہیں +

افسان کیا ہے ؟ کہ کثرت قدرت کا بستیوں نمونہ۔ ذرا اس کی دماغی کیفیت کا دوسرے افراد سے متقابل کیجیے فرشتہ کی دماغی رجعت صرف عبادت خالق پر ختم ہیں۔ جہاں فوٹو کا مقصد دنیا میں پیٹ بھر کر انسانی ضروریات کو پورا کر دینا ہے۔ لیکن انسان کی دماغی کیفیت ایسی کچھ ہے کہ ہر شخص اپنے دماغ میں ایک جہلا تنہا ہی دنیا کھتا ہے۔ نہیں معلوم انسان کے اس دماغی راز کا مسئلہ

میں جیسا ہی مجالس کے مالک جراثیم سے فنا ہو گئے +

(۳۱)

عصہ چند ماہ کا گذر جاتا ہے۔ آج محلہ میں ایک شادی ہے۔ اور اتفاق کے شنی بانی ہی مہمان کے واسطے بلائی گئی ہیں۔ گیارہ بجے شب کو عقیق اپنے دوستوں کے پاس بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کر رہا ہے۔ اتنے میں مہمان کی آواز سنائی پڑی۔ مہمان نے کہا: "اے کانا سننے کا سے بالکل شوق نہ تھا۔ بلکہ اب تک وہ اسے بیکار وقت کی تفریح بھی خیال نہیں کرتا ہے۔ مہمان نے کہا: "اگر وہ سن کر لوگ خاموش سے ہو گئے۔ عقیق کو نیند آ رہی تھی۔ اس نے کہا: "اب سو جاؤ"۔ اہل نے کچھ دیر خاموش رہ کر جواب دیا: "آؤ ڈراما مانینگے"۔

عقیق - نہیں بھائی مجھے تو نیند آ رہی ہے۔
اجل - بس آدھ گھنٹے میں چلے آئیں گے +

دوستوں کے مدد سے وہ چلتے پرتیار ہو گیا۔ جب یہ لوگ ٹھیکیدار صاحب کے مکان پر پہنچے۔ فوراً اگلی نشستیں خالی کرادی گئیں۔ اور ہر شخص ہر معزز مہمان کو فوری دیکھنے لگا۔ کشتی نے بھی ایک دفعہ اس کی جانب گہری نظر سے دیکھا۔ گانا ہوتا رہا۔ عقیق سنار ہاتھ پر بٹا دو گھنٹہ بعد کشتی بٹھ گئی اور یہ لوگ اٹھ بیٹھے +

عقیق اپنے کمرہ میں آیا اور سو گیا۔ مگر غلاف معمول آج اسے چند باکرشتم کو خواب میں دیکھا صبح کے وقت بیداری کے بعد تھوڑے عرصہ تک اس کو کشتی کی مہمان والی صورت اور خرابی حرکات کا خیال رہا۔ اور پھر اپنی روزانہ زندگی میں شب کی تمام تفریحات کو بھول گیا۔ بات یہ ہے کہ اوّل اجل کی تفریبات دوم عرس کی دید اور تیسرے گمشدہ شب کے نظارہ نے یکجا بی طور پر کشتی کی صورت اور حرکات کا ایک بڑا فوٹو اس کے دماغ میں کھینچ دیا تھا۔ دوسری شب جب وہ سونے کے لئے جاتا ہے تو شب سے قبل کشتی کی دھندلی صورت اس کی آنکھوں کے روبرو ہے۔ وہ اپنے خیالات کو دوسری طرف پھیرنا چاہتا ہے مگر دماغ اس مرکز سے ہٹا پس نہ نہیں کرتا۔ اسی حالت میں اس کو نیند آ جاتی ہے۔ مگر کیسے جب کشتی بھی اپنی دنوں از صدائوں کے ساتھ اس کو سوجھ کر دی تھی۔ وہاں ذرا دیر بعد اٹھ کھلتی ہے اور عقیق سوچتا ہے۔ لیکن مسلمانوں سے وہ کشتی کی خیالی صورت اور رنگا تانوں سے۔ اسی کی حرکات کے پرتان کن خیالات۔ ایک دفعہ اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کی شادی کشتی سے ہو رہی ہے۔ وہ اٹھ پڑا اور پھر سو گیا +

۱۰ اراج پر پہنچا ہے تو اس کو دیکھی ہو جاتی ہے۔ عقیق اپنے شکری دوستوں کو زمنداری کے لئے سنا تا اور وہ لوگ اپنی ذہنی حالت کے مطابق بازاری عیاشی کی کھالیاں سناتے۔ وہ ان قصوں میں براہِ عملت لیتا۔ خوب ہنستا اور ہنسنے ہنستا۔ شکرا بازی بے تعلقی کا بہترین آلہ ہے۔ اگر آپ کو کسی سے بے تعلقی کرنا مقصود ہے تو ذرا اس کے شکریں مانیے پھر دیکھئے کتنی جلدی دوستی ہوتی ہے جب تک شکرا نظر نہیں آتا۔ راستہ کی مسافت جھوٹی پتی یا مسخری باتوں سے طے ہوتی ہے۔ اس کے نزدیک ان کی زندگی ایک نئی زندگی تھی۔ ایک دفعہ اجل نے سرسری طور پر دورانِ صحبت میں ایک فوٹو طواف کے حسن و جمال کی خبر سنائی اگرچہ اس خبر نے عقیق کے دماغ پر کچھ اثر نہ کیا۔ نہ اس کے دل نے یہ رغبت ظاہر کی کہ وہ اس طواف کو دیکھے +

خانہ خفا، کمال پور گو ایک قصہ ہے مگر کثرت آبادی اور آزادی تجارت نے اس کا شمار شہروں میں کر دیا ہے۔ خوارات کے لئے تو بالخصوص مشہور ہے۔ آج کل میاں فاضل شاہ کا عرس زور پر ہے۔ دور و نزدیک کی زبڈیاں نہ صرف بغرض زیارت بلکہ برائے شامت بھی آئی ہوئی ہیں۔ خوار مقدس کے گرد ہر وقت مجالس قوالی کا سلسلہ ہے +

عقیق ایک شام کو بغرض فاتحہ خزار پر جاتا ہے مہمانے والیوں کے راگلوں کو بھی سن رہا ہے۔ میں پر شکری دوستوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ ذرا دیر بعد سب لوگ گھر کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔ راستہ میں مہمانے والیوں کے گافوں پر ہر شخص اپنی تنقیدانہ نظر ڈالتا چلا آ رہا ہے۔ دورانِ گفتگو میں عقیق کہتا ہے "وہ حسین طواف جو خزار کے مغربی حصہ میں گا رہی تھی خوب گاتی ہے نا، اجل اسکی تشریح یوں کرتے ہیں۔ "ارے بھائی یہ تو وہ فوٹو دیکھ کر کشتی بانی ہے جس کے حسن کا چرچہ کر والے کی زبان سے لیکر کشتی کے بابوؤں کی زبان سے ہے۔ آج یہ پہلا موقع تھا کہ عقیق کی زبان سے ایک طواف کے لئے لفظ "ار" نکل گیا۔ اس کے حسن و جمال کے گزشتہ تذکرات اراج عقیق نے دیکھنے کے دماغ کو کچھ دیر غور کرنے کا موقع دیا۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ اسے خوبصورت معلوم ہوئی۔ اب یہ لوگ ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے اور عقیق بھی اپنے گھر آیا حقیقت پوچھتے ہو تو یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں مجالس عرس عیاشی کے کہنی گھڑیں جہاں ہرقم کے گاہک اور مال مانتا ہے۔ غصہ مخالف گراشت عفت حسن کے لئے جاتی ہے تو بعض مرد شان سے شانہ ہی لانے پہنچ جاتے ہیں۔ یہی ہیں وہ خواراک نیلے جہاں صد مسلمان اپنے ہزار بار دہر کی بربادی کرتے ہیں۔ کتنے شریف لڑکے

میں ہر تصویر کو دیکھنا ضرور ہے۔ مگر سمجھنا کچھ نہیں۔ کتاب کے اخیر حصہ میں ایک تصویر دیکھ کر خوف کے ساتھ ایک پڑتا ہے۔ وہ سمجھا کہ اس کو کوئی دیکھ رہا ہے۔ مگر نہیں۔ فریب خیال تھا۔ وہ تصویر کو پھر جلدی سے دیکھتا ہے اور اس کی جی ہوئی تپیل میں اپنی نظر کو تپاتا ہے۔ سلوم ہوا تصویر میں اس کی آنکھوں کو اپنے چند رنگیں مسالوں سے سورا کر رہی ہے۔ کیا کاغذ کے چندا پچھلا بنے کٹڑے میں کوئی قوت ہے جو اس کی سمجھ کو نہیں پہنچے دیتی۔ وہ بار بار دیکھتا ہے ہاتھ کو خود بخود حرکت ہوتی ہے اور تصویر کتاب کے باہر نکال لاسکتا ہے اٹھتا ہے کہ اس کو جب کے اندر رکھ دے۔ گویا ہی رنگ جاتا ہے۔ کوئی دیکھ رہا ہے۔ کیا یہ ایک دوست کے ہال کی چوری نہیں۔ مجھے اس کا کرنا کیا ہے۔ لیکن اپنے کمرہ میں خاموشی اور تنہائی میں! ہاتھ کو ایک ایک حرکت دیتی۔ تصویر کو کٹ اندرونی جیب میں جا کر سو گئی نہیں تین تین کے پُر اضطراب دل کو شکنیں دینے لگی۔ دماغ نے اس وقت تصویر کی چوری نہیں کرائی بلکہ تین کے دل کو چور ہوا اب اس کو کوئی شہرہ نہ تھا +

اب ایک جگہ قوت گذاروہ غلاف معمول کام کی مشغولیت تھی۔ چند منٹ کے سکون نے دماغ کو پھر اصلی حالت پر لا دیا۔ اس نے اب کی مرتبہ جیب سے تصویر قصداً نکالی اور اس کو ابہر میں لگائے لگا۔ گردن نے کما آخری نظر اور گردن لگا۔ ہاتھ تصویر کو آنکھوں کے سامنے کھینچا ہے۔ اور نمبر اور ابہر کی جانب۔ اس ادنیٰ مہم کا کھنی قطعی فیصلہ نہ ہوا تھا کہ ایک آنے والے شخص کی کابٹ قدم نے اس کے جسم میں ہتھ پیرا کر دیا۔ تصویر گری اور تین تصویر کو اٹھا رہا ہے۔

کشتی۔ (کو میں داخل ہوتے ہی)۔ آداب +

اجل۔ تین ہی تصویر تو انہیں کی ہے +

کشتی۔ کیا آپ کے ہاتھ میں میری تصویر ہے +

تین۔ جی ہاں۔ یہ اس بات سے عمل کر گئی +

اجل میں اب ہر دو صاحبان کا تھرا کر کے نیچے چلے جاتے ہیں۔ اب کہ وہ میں حرف تین کو کشتی دو کہیں پر بیٹھے ہیں۔ اجل کے جاتے ہی تین کے دماغ میں قوی فرق ہوتا ہے۔ آج تک کسی ٹوٹ سے ملاقات کا موقع تو نہ کئی بات کرنے کا اتفاق بھی نہ ہوا تھا۔ تصویر کو جمل گیا اور اپنے آپ کو فراموش کر بیٹھا۔ بدحواسی کا یال ہے کہ اپنے جسم تک کی خبر نہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ کوئی شخص مجھے یہاں دیکھ کر کیا خیال کرے گا۔ لاؤ باہر چلے۔ اتنے میں کشتی نے کہا۔

کشتی۔ شاید وہاں گئے تھیک لار صاحب کے یہاں آپ بھی تشریف لائے تھے +

سورج نکلتا ہے۔ دن ہوتا ہے۔ تین اپنے گھر کے کاموں کو بستور دیکھتا بھالتا ہے۔ دونوں کے ہتھے اور ہتھوں کے بیٹے بن جاتے ہیں۔ تین میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ راتیں، دوستوں کی صحبت میں کٹی ہیں۔ اگر کبھی کبھی شہنشاہ کا ذکر ہوتا ہے وہ کبھی سے سنتا ہے۔ واقعوں سے کہ انسانی دماغ کے لئے بڑی تعلیمی تربیت اس درجہ خطرناک نہیں تھی کہ ضرب علی تربیت۔ وہ یہ ہے کہ کلمی تربیت شخص خیالات پیدا کر دیتی ہے۔ مگر تعلیمی تربیت پردہ ساز بنا کر بہت دھڑات کے میدان میں کامزنی کا موقع دیتی ہے۔ اور انسان ایک جالاک باڈی گریک چالیں دکھاتا ہے۔ ہالانکہ ہے کہ خیالات کے ناول انسانی سوسائٹی کو اتنے متفرق نہیں جتنا کہ جاس قس یا مڈو پڑوس۔ اول الذکر ممکن ہے صورت اصلاح کر دے۔ لیکن موفر الذکر ایک مامک چارہ ہے۔ سوسائٹی کا رخ ملاحظہ ہو تین طبقہ ملو اٹھان کو نہیں سمجھتا ہے۔ مگر کشتی کا کوئی اس کی روح کو تازہ کرتا ہے +

(۴)

دنیا میں انسان کی تباہی کا کام بیابان آلودستی ہے۔ وہ یہ ہے کہ دوست کی محبت اس قدر پیچیدہ ہے جس کی تعریف ابھی تک ناممکن۔ اس کا راز فاش کرنا اپنے کو اخلاقی اور مجرم ٹھہراتا ہے۔ اس کی سیرت بیان کرنا اپنی سیرت کا انکار ہے۔ اگر کسی سے ہم اتنا کلام کر دے دوست چوری میں گرفتار ہو گیا کہتے تھے رک جاتے ہیں۔ کیوں۔ اس لئے کہ دوستوں کو ہر سہرے چور ہونے کا شبہ نہ کرگز جاتے۔ ہمارا بیٹا ایک بڑا کام کرتا ہے۔ تو اس کو آدمیوں کے روبرو خوب دانتے ہیں۔ بھائی ایک بھرم کا مرکب ہوتا ہے اس کی مصداقیت خود ماں باپ سے کریتے ہیں۔ لیکن آہ! دوست کی شکایت کس سے کی جاتے ہیں جس کے سامنے اپنے گھر تک کی شکایتیں اور عیب بیان کئے جاتے ہیں۔ جوانی زندگی کا رہبر ہے۔ جو ہمارے دماغ پر عادی ہے۔ اس کی خطا میں کس کے دوبرو بیان کریں۔ آج شام اجل کے لڑکے کی خدمت ہوئی ہیں۔ رات کو اس خوشی میں گانا بوجھا۔ تین اپنے دوست کے صحن پر شام ہی سے چلا گیا تھا۔ اس نے تین کے گمانے کا شہرہ چھینا۔ بلکہ بسلا انخطا مات۔ اجل نے دروازہ پر بعد اپنے موز صحن کو اوپر لے جا کر کہہ میں بھلا دیا اور کہا میں تین کو رکھنے۔ ہم لوگ ہمیں پرکھا نہ لکھیں گے۔ اجل کسی کام سے نیچے چلا گیا۔ تین کو میں ایک لکھنا بطور اوقات گذاری کے ملا رہوں ہے بے ترتیب پڑی ہوئی کتابوں کو دیکھ رہا ہے۔ ایک دفتر اس کا ہاتھ تصویروں کے ابہر پر گیا یہ تصاویر کا نمونہ ان مادہ پرست ملکوں کی جیسا سوزنی کشتی کا بہرہ ثروت رکھتا ہے۔ جہاں قدرت کا ملک بہترین صنعت یا صنعت سازنگ کی بے ودی سے پائمالی کی جاتی ہے۔

عقیق - جلدی سے جچی +

کشتی - (ڈوبے کھولتے ہوئے) لیجئے پان حاضریہ +

عقیق - میں پان نہیں کھاتا ہوں (یہ الفاظ کا بیتی ہوئی آواز سے نکلے)

کشتی - خیر اس وقت تو کھا ہی لیجئے +

عقیق - وہی میں پان نہیں کھاتا ہوں +

کشتی - (ہنسکر) جناب پان کوئی نقصان کی چیز نہیں +

مجورائیں نے پان کھایا۔ اسے کچھ خیر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے اور کس سے

بات کر رہا ہے۔ چاہتا رہے کہ کمرہ سے باہر چلا جائے۔ مگر حرکت بھی نہیں کرتا

کشتی کے سوالات کا جواب دیتا ہے۔ لیکن یہ میں معلوم کیا +

کشتی - آپ خاموش کیوں ہیں +

عقیق - نہیں تو +

اتنے میں اہل جیاں موکھانے کے آجاتے ہیں۔ سب لوگ کھا کھانے

لگے۔ کھاتے وقت گنگو ہوتی جاتی ہے۔ اہل کے آئے سے تین کی ڈھارس

بند ہو گئی تھی۔ اور اب وہ خوب باتیں کر رہا تھا۔ نصف گھنٹہ بدکشتی محفل میں

جانے کے لئے اٹھی۔ عقیق سے اتھ ملایا اور کہا "مجھے اُمید ہے کہ آج آندہ

بندی کو موقع ملاقات پائیں گے۔ آپ سے مل کر بوجھ سڑت ہوئی +"

عقیق نے بھی مناسب جواب دید یا کشتی کے جانے کے بعد عقیق نے اہل

سے کہا "عورت بات کرنے میں گفت و سماع ہے" اہل نے کہا "بہت سنجیدہ

اور مذہب عورت ہے۔ اس گنگو کے بعد یہ لوگ آٹھ گھرے ہوئے اور عقیق

تین گھنٹے کا مانٹر مکان چلا گیا +

رات ماہتابی سے اور چاند کی کرنیں چوہوں کے مانند کھل رہی ہیں نصف

شب سے زیادہ چمکی۔ لیکن عقیق کو نیند نہیں آتی۔ کیا آج اس کے جسم میں کسی جدید

عصر کا اضافہ ہو گیا۔ ہاں وہ مادہ جو اس کے دماغ میں گھومتی تین کیفیٹوں سے

پیدا ہو گیا تھا۔ آج چوتھی دہائی ملاقات میں پک گیا۔ چاہتا ہے کہ نیند آجائے

دماغ کتاب سے اور سوچ +

وقت کی روانی خدا معلوم کس درجہ سریع حرکت ہے۔ چوہا ہنڈ گڑ گیا شب

کو سوتے وقت کشتی کا خیال بندھا۔ عقیق امر ہو گیا ہے عشق ہمارے خیال میں

دیوانام ہے اور پھر خیال کا۔ اگر عشق سے ان اجزاء کو جدا کر دیا جائے تو

کچھ نہیں +

(۵)

خرب کی نازیں ہو گئیں اور شب نے چناسناہ دامن پھیلانا شروع کر

ہے۔ اہل کئی دن سے عقیق کو اندازے جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر وہ اپنی عات

کے موافق انکار کرتا ہے۔ آج کام کی کثرت نے اس کے دماغ کو تھکا دیا تھا

اہل کی فرمائش پر ریتا رہ گیا۔ بازار جا کر کچھ سامان خریدیا کیا۔ ساڑھے

آٹھ بجے شب کو واپسی ہوئی۔ دونوں باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ اہل

کیا رگی میں کئی میں ڈرا چاں شاہان بازاری اپنی ہمت تک زندگی کے چند

ایام ثابت ثمود شب کی حالت میں گزارتی ہیں۔ عقیق جھکتا ہے۔ مگر اہل

یہ کہہ کر اسے سیدھا حائل جانے لگا۔ بلا لیتا ہے۔ اس کئی میں تھتے ہی تھوڑے

جلدی جلدی چلنے لگے۔ شاید اسے کہ اس کو کوئی شخص جیسا نہ دیکھ لے

ایک مکان کے سامنے پہنچے ہی ایک میٹھے ہوئے شخص نے برابر آن کر کہا عقیق

صاحب یہ انسانی آواز بھی یا صدائے موت۔ وہ ڈر گیا اور کہا "ہاں" کے

ساتھ ہی وہ سمجھ گیا کہ خطا طلب کرنے والا شخص کون ہے۔ اس کا کوئی رشتہ

دار نہیں +

"آجئے پان کھاتے جاؤ۔ کشتی نے کہا +

کشتی کی فرمائش کا بغیر جواب دیئے ہوئے وہ اس کے ساتھ تیزی

سے اندر چلا گیا۔ کیونکہ وہ سراخو طوائف سے باتیں کرتے ہوئے کسی کے

دیکھ لینے کا تھا۔ مگر خلاف اُمید وہ اہل کو اپنے پیچھے نہیں پاتا۔ اور محض

میں پہنچے ہی یہ سوال کرتا ہے "اہل میاں کہاں رہ گئے؟" کشتی نے کہا

"آ رہے ہونگے۔ تم تو آپ کے پیچھے ہی +"

کشتی نے جلدی جلدی پان بنا کر پیش کیا۔ عقیق نے کہا رکھ دیجیے

کھاؤ گھا +

کشتی ساپ گھر اکیل رہے ہیں شاید آپ کو یہ خطرہ ہے کہ کوئی شخص

اور نہ آجائے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور آٹا خانہ دروازہ کی کدھی لگا کر

واپس آگئی +

عقیق - ہر بانی فرما کر اہل کو بلوا دیجئے +

کشتی - ہاں ہاں ابھی آجائیں گے۔ آپ خوف کیوں کرتے ہیں +

عقیق صاحب مجسٹریٹوں اور ججوں کی عدالتوں میں اس درجہ بدحواس نہ

ہوئے۔ بڑے بڑے نوابوں کی ٹیموں میں بھی جا کر اس درجہ عورت کے ختم

نہ بنے ہونگے جیسا کہ اس مکان کے اندر وہ انکھیں پھاڑ پھاڑ کر مٹا رہے ہیں

ہمت کی مانند نہ صرف ساکت بلکہ بے حس کھڑا رہا۔ جس شخص کے اشارے پر دوسرے آدمی چلا کرتے تھے۔ آج وہی شخص ایک عورت کے حکم پر ہلاج رہا ہے۔
 اُس نے گھبرا کر ایک بار پوچھا ”آپ چاہتی کیا ہیں“
 کشنی۔ صرف یہی کہ آپ آدھ ٹکڑا اور بیٹھیں +
 عقیق۔ اچھا چلئے +

یہ کہتے ہوئے وہ پھر غرض پر آن بیٹھا +
 کشنی۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے معاف کر دیں گے۔ میں اپنے دل سے مجبور ہوں جبیں وقت سے کہ آپ کو ٹھیکیدار صاحب کے مکان پر پہنچ میں دیکھا ہے۔ آپ کی محبت میں از خود رقت ہوں +
 آخری جملہ کہتے کہتے کشنی قہقہہ پھڑکت گئی۔ اب عقیق کی پریشانی کم ہو چلی تھی، انسانی خواہشات کے لئے خوف و ڈر ایک دہوار کا کام کرتے ہیں۔
 گویا یہ ہٹ جاتے۔ جذبات میں بیجان آ جاتا ہے۔ اب عقیق از خود رقتہ تھا +

(۶۱)

مذکورہ کام پر اور طالب علم اسکول چاچا دیکھ عقیق ابھی تک نیند میں ہے خان بہادر کے مکان پر کام والے آدمی آتے ہیں اور عقیق کو دریافت کرتے ہیں بالآخر خان بہادر خود اٹھے اور عقیق کو اس کے کمرہ میں جا کر بیدار کیا +
 ”میاں کیسی طبیعت ہے۔ رات جاگے معلوم ہوتے ہو۔ کہاں گئے تھے؟“
 خان بہادر نے دریافت کیا +
 ”جی ہاں اہل میاں کے یہاں بیٹھ گیا تھا“ عقیق نے کہا۔ یہ سن کر خان بہادر چلے گئے +

اسے دینا ایک تیرا خیر خراب و دغا کے ساتھ گوندھا گیا ہے ہم کہتے ہی چالاک بنتے ہیں اور کسی کی بات کا یقین نہیں کرتے۔ مگر بیٹے کے سامنے نہایت بیوقوف اور اُس کی ہر بات کو صحیح سمجھ لیتے ہیں۔ کیلہ جہے مگر ایک باپ اپنے بیٹے کی جانب سے نیک گمان رکھتا ہے۔ اسے تلوار سے زیادہ خوفناک لفظ ”دوستی“ بتانا اور اس کا سبب بیان کر کے باپوں کو تیرا نام نہنی اپنا قلب کیوں دگانی سے صاف کر لینا پڑتا ہے۔ آہ! ایک باپ بیٹے کی زبان سے یہ الفاظ ”سکر“ میں اپنے دوست کے پاس بیٹھا تھا“ بیٹے کے جراثیم سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ وہ تیری جانب سے حسن ظن رکھتا ہے۔ اور تو اپنی آڑ میں اسی کے بیٹھے کو غلام گناہوں کا مرگب ٹھہراتی ہے +

عقیق اٹھ بیٹھا۔ مگر کس حالت سے۔ دل میں خوشی ہے نہ رنج۔ چہرہ نمیشا

بہر اداں ہے۔ وحشت کا یہ عالم ہے۔ کہ چتے کہ صدا اداں ہے۔ مکان کی مجموعی حالت اُس کی نظریں سے اس لئے ایک بھیاں تک نظارہ کے اور کچھ پیش نہیں کرتی۔ حالانکہ کشنی کا مکان بھی اُن ہی اینٹوں اور ماسی مصالح سے بنا ہوا ہے جن سے کہ عدالتیں اور کونٹیاں اور خود اُس کے ذاتی مکانات۔ پھر کوئی بات ہے جو ڈر فتنہ کو طواف کے گھر میں اول مرتبہ آنے پر حالت تخیل میں ڈال دیتی ہے۔ بات یہ ہے کہ عدالتوں میں فریادوں کی دادرسی ہوتی ہے۔ یہاں مظلوموں پر اگر ستم توڑے جاتے ہیں۔ وہاں بربادوں کو تباہ و دلایا جاتا ہے۔ یہاں لٹے ہوئے انسانوں کو اور کھسکا جاتا ہے۔ کوٹھڑیوں میں سے عزت کے ساتھ کچلے کر آتے ہیں۔ یہاں کچھ دیکھ کر عقیق کے ساتھ نکال دیئے جاتے ہیں +
 عقیق (کچھ دیر خاموشی کے بعد) مجھے ایک فردی کام ہے۔ اب اجازت دیجئے +

کشنی۔ واد حضرت کبھی نہ کبھی تو آپ آئے ہیں۔ اور اس قدر جلدی۔ میرے نصیب کہاں اور آپ کہاں۔ (یہ کہتے ہوئے کشنی عقیق کے بالکل قریب آ گئی۔ اور اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔)
 عقیق۔ میں پھر کسی دن آؤں گا (یہ الفاظ اُس وقت نکالے جبکہ اُس کا جسم خود بخود کا پ رہا ہے +

کشنی۔ یہ میچ ہے۔ افسوس کہ آپ کو میرا زرا خیال نہیں +
 عقیق۔ خیال کسا اگہ گہرا تے ہوئے +
 کشنی۔ آپ ابھی تک نہیں سمجھے +
 عقیق۔ نہیں۔ بالکل نہیں +
 کشنی۔ میں آپ سے بھر محبت کرتی ہوں +
 عقیق۔ (ہاتھ چھڑاتے ہوئے) اچھا اب جانے دیجئے +
 کشنی۔ سنئے تو سہی۔ پتلے (اب کشنی ہٹ جاتی ہے)
 عقیق۔ (جلدی سے علیحدہ ہو کر) بس اب معاف کر دیجئے۔ کل آؤں گا (اٹھ بیٹھا ہے)

کشنی۔ آپ ابھی جا نہیں سکتے +
 عقیق (دھڑک دھڑک کر جانب چلتے ہوئے) میرے والد اختلاف کر رہے ہوئے۔ کشنی۔ (اُس کے بڑھ کر) اگر آپ کو جلدی ہے تو میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔ یہ اختلاف تو میری رو جس نے ان فی صدم سے روح کو سلپ کر لیا۔ وہ

مواہف مکان عالی تھا۔ آج مکان کی کوئی چیز اس کو خوف نہیں دلائی کشتنی دیکھتی
ہی اٹھ بیٹھی۔ اور اپنے مکان کا ان الفاظ میں خیر مقدم کیا:-

کشتنی - آ آ آئیے +

علیق - وعدہ غلطی کی معافی چاہتا ہوں +

کشتنی - ارے آپ کیا فرماتے ہیں کیا گھڑی والے معاہدہ کو سچا سمجھے +

علیق - نہیں نہیں میں خود آیا ہوں +

اس گفتگو کے بعد کشتنی اٹھی اور دروازہ بند کر آئی +

کشتنی - ممکن ہے کہ گزشتہ شب میری کوئی بات ناپسند آئی ہو معافی مانگتی ہوں

مگر محبت میں انسان اندھا ہوتا ہے +

علیق آپ کیا باتیں کرتی ہیں کبھی کبھی بات کا حال نہیں جو ہونا چاہیے ہو گیا +

کشتنی - میرے پیار سے شاید تم محبت کی لذت سے ابھی تک واقف ہو۔ کیا

تم بھی مجھ سے محبت رکھتے ہو +

یہ کہا اور کشتنی نے علیق کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چمکے لگی یقین لے دیکھا +

اس کے ہاتھ پر آخر تو سسپک رہے ہیں +

علیق - آپ روتی کیوں ہیں میں کیا کر دوں گا +

کشتنی - مجھے اب فلاں خوش تو نہیں کرے گا +

علیق - نہیں +

کشتنی کے رونے کا علیق پر کھڑا ہوا اور اس نے یہ وعدہ کر لیا کہ وہ اپنی

زبان پر تنہا رہے گا آج دو گھنٹہ کی محبت کے بعد وہ مکان چلا گیا اور تمام شب

آرام کی نیند سویا +

(۶)

اب یقین لگاؤ انہیں تو دوسرے دوسرے دن کشتنی کے ہاں جاسے گا۔ اور اہل

میاں کو بھی انا راز دار نہ بنالیا۔ اہل میاں کی مہمیں برائیں۔ خاص بات یہ بھی ہے

کہ ایک ناکتہ انسان طوائفوں اور ہائشوں کے چنگل میں جلدی اور بری طرح بھٹتا ہے

وجہ یہ ہے کہ اس کو غلامی شدہ زندگی سے تعلق ہے غمیری ہوتی ہے۔ اس فرق سے

واقف نہیں ہوتا جو ان دونوں گھٹیوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ

جائزہ و محبت میں کیا لذت ہے۔ جب ایک غلام دے لے ابھی تک اپنی بیوی کو نہیں سمجھ

ہے تو وہ طوائف ہی کا پی ہو جاتا سمجھتا ہے۔ ایک الداد جتا ہوتے ہوئے۔ اگر ایک

نیک بیوی کے اخراجات کا اندازہ ہی نہ کر سکا ہو۔ تو وہ واقف کی قیمتیں فراکشوں کو

سمجھ بھٹتا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ باپ کے لئے کوئی سے گناہ خرید کر جائزہ دینا کی ہے

ہے نہ پشیمردہ۔ دن پہلے بھی نکلا کرتے تھے اور نکلیں گے۔ لیکن آج کا دن اس

کی زندگی میں ایک نیا رنگ کھلا کر چکا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ کوئی خواب

دیکھ رہا تھا اور اب چاہئیں۔ کبھی وہ اہل کی طرف سے بدگمان ہوتا ہے۔ کہ یہ اسی

کی سادوش کا نتیجہ ہے۔ وہ مجھے کشتنی سے بھینسا جاتا ہے۔ متعدد خیالات کے بعد

دماغ سے جو تصدیق کیا وہ یہ تھا کہ اب کبھی باز آری نہیں جانا چاہئے +

دوسری شب سہل کے موافق اہل آیا علیق سے گفتگو ہوتی رہی۔ ایک دفعہ

علیق نے چاہا کہ گزشتہ شب کی حرکت آرائی کے متعلق کچھ کہے۔ مگر یہ سوچ کر

مکن ہے اہل کو یہ واقعہ نہ معلوم ہو تو کیوں خواہ مخواہ راز افشانی کی جاسے۔ غارت

ہو رہا +

برغض اپنے دماغ کی ترسیدہ بات کو صحیح سمجھا کرتا ہے مگر کبھی نہیں

سوچتا کہ اس کے دماغ کے پاس بھی تو اس قدرت کا دیا ہوا دماغ ہے۔ علیق باز

نہ جانے کے ارادہ پر مضبوطی سے قائم ہے +

چار دن بعد ایک شخص آیا اور علیق صاحب کو دریافت کر کے ان کے ہاتھ

میں خود پایا اور سلام کر کے نصرت ہو گیا۔ علیق نے لفظ کھولا تو کیا پڑھا:

” وعدہ غلطی کی بھی مدد ہوتی ہے۔ دوسری شب ہی نہیں آج تک ادھر نہ

نہجھا نکا۔ اگر آج نہ آئے تو آپ کی جیسی گھڑی آپ کے والد صاحب کے پاس

بجھدی جائے گی۔ ک“

علیق نے خط پڑھا۔ مگر ہوا کیا۔ دماغی سکون پھر غائب ہو گیا۔ تو آخر خیالات

کے دوران نے اس کو سوچنے کا عادی غور کر دیا تھا۔ وہ کمرہ میں ٹپکنے لگا۔

کیا کروں۔ اہل سے کہوں۔ غصہ ہو جائے گا۔ گھڑی سے بھی انہیں

کی۔ ہوں۔ میں خود۔ اس کے بعد وہ سو گیا +

رات کے نو بجے علیق تنہا بازار کی روٹ پر فریغ موی لاس پہنچے جا رہا ہے

عجیب بات ہے کیا آپ کا خیال ہے کہ غصہ گھڑی کا خوف اس کو باز نہ لے چکا ہے

کیا آج سے چار روز قبل گھڑی اگر کشتنی کے پاس پہنچ جاتی اور وہ اس کا خوف دلا کر

بلائی۔ علیق چلا جاتا؟ یہ کیا بات ہے کہ ایک انسان اگر پہلی شب دو خاتون کی مجبوری

سے چوری کرنے میں ہزاروں کا مال لے آتا ہے تو دوسری شب کوئی قوت اس کو

چوری کی جانب رغبت دلاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پہلی شب وہ مجبوری سے گیا تھا

دوسری شب اس کو جہت اور جرأت ملے گئی۔ پہلی شب علیق کے واسطے مجاہد تھی

دوسری رات حقیقت +

کشتنی کے دروازہ پر پہنچا وہ مجھتا۔ مگر بہت سے ساتھ دیا۔ اس کی امید کے

انہی طبیعت کے موافق جہاں کہیں تم چاہو کسی طریقت خاندان میں شادی کرو۔ مگر شخص لذت شادی سے واقف نہ ہو۔ اس پر ان باتوں کا کیا اثر۔ خان بہادر کی متواضعانہ نے اس پر خلاف اثر کیا۔ اور ان باتوں نے اس کو ایک نڈر پیش کی صورت دیدی۔ بالآخر وہ دن آگیا جس کا شخص منظر تھا۔ تانی کئیائیاں خان بہادر نے قیقت سے چھین لیں اور اپنے پیچھے جتا رہا بلکہ گھبراہٹ کا دم حوالہ کر دیا۔ اب یقین میاں ایک ننگ رہ گئے۔ پہلے جو کچھ ہاتھ لگ جاتا تھا وہ بند ہو گیا۔ اغرامات کثیر اور ردیہ کی کمی کے سوال نے سخت پریشان کیا۔ فعل کچھ کام نہ کرتی تھی۔ جب کہیں موقع نہ نکلا۔ ایک دن چار ہزار روپیہ کی رقم حوالے مالگنداری کے واسطے گھر میں کبھی قیقت کو ذکر چہالے بھالے۔ اس حرکت پر خان بہادر نہایت متعجب ہو گئے۔ اور حکم دلا بھیجا کہ اگر آئندہ گھر میں گیسے تو نہایت ذلت کے ساتھ پتھر لٹکوا دیے جائو گے۔ جہاں چاہو جاؤ یا رہو اور آنے کی ضرورت نہیں +

(۹)

بڑے شہرؤں کی سیر میں۔ جو ملکوں کی رہائش۔ جو نہروں کی سواہی شہر آب کے جلسوں نے پانچ ماہ کے اندازہ پر کثیر رقم بھی نکالنے لگا دی۔ اب وہ قطعہ لگیا جس کے لئے تیز فیش نہایت بنیانی کے ساتھ منتظر رہتے ہیں۔ یعنی اوصاف خریدیمینہ کے اختتام پر دو کا اندازوں نے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ اور قرض خواہوں کے قاتلے شروع ہو گئے۔ شروع شروع میں دو کا اندازہ جوئے و دعوں کو بھی پتا کچھ ہیتے ہیں۔ مگر یکب تک۔ ایک دن لالہ برداری لال پانچ فریبش کا نیم جوتھا نہ کرنے آیا میاں جی نے نقشہ میں مار پھاڑا نیم لالہ جی کے سامنے بہت دعا۔ لالہ جی نے سنت ویرنہ پر مل کرتے ہوئے ناقص ٹونک دی۔ میاں کے پردہ۔ ڈھائی سو کی ڈگری بھی ہو گئی۔

نہروں کے قیقت صاحبہ کھنی کے کمرہ میں بیٹھے بارونیم کا فضل کر رہے

جی۔ یکبارگی چند آدمیوں کے آنے کی آہٹ ہوئی +

یقین - کون +

نوار و شخص خاص - یقین آپ ہی کا نام ہے +

یقین - کتنے +

نوار و شخص خاص - یہ آپ کا وارنٹ گرفتاری ہے +

یقین - جی.....

یہ لفظ جس لفظ زبان سے نکلا اور یقین صاحب بیٹھے کے پیچھے رہ گئے۔ ان کو یہی خبر نہ ہوئی کہ ان کی مشکلیں سپاہیوں نے کس کس میں جہاں سپاہیوں نے اپنے سہارے سے اٹھایا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے جسم میں دل نہیں ہے۔ سپاہیوں نے

آہ! اسے فیر شادی شدہ شخص تجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ طوائف کے گھر گولے بلوں میں مصالحوں کا ہوا تین دن پاک خوشبو نہیں دیتا۔ چار ایک باعصمت بیوی کے سر میں سرسوں کا خالص تیل۔ اس کا چھوٹا شیشین میں اس کو بھونکھونکھونے سے عاجز ہے جو اس کے جسم میں لاتعداد مردوں سے مل کر پیدا ہو گئی ہے۔ اس کا گھٹنوں سے بچا ہلکا سا وہ کمر اس لئے ہے کہ وہ پاکبازیت کی بو سے نہ کر تجھے وہ لطافت دکھلا دے۔ جو کسی اور عورت میں نہیں مل سکتی۔ اس کی آنکھیں نہایت نوکنتی ہیں اور وہ تیری متغیر ہے۔ اس کے دماغ کا مرکز سنکڑوں بالدار شخص ہیں۔ اس کے دماغ کا مرکز صرف ایک تو ہے۔ یہ انہی تکلیف پر روتی ہے۔ اور وہ تیری تکلیف پر۔ اس کے ہاتھوں میں روپیہ کی جھٹکا رے آہٹ ہوتی ہے۔ اس کے ہاتھوں میں تیرے قدموں کی آواز سے اس پر تپے۔ اس کے منہ کی سے رنگے ہوئے ہاتھ اس لئے ہیں کہ مصیبت کے وقت تجھے اور زخمی کر کے بالافانہ سے نیچے پھیل دیں۔ اس کی آواز نہ سننے والی آنکھیاں اس لئے ہیں کہ کٹھن وقت میں تیری حریم ٹی کر دیں۔ یہ اپنی بندہ سوتی ہے اور وہ تیری بندہ۔ یہ نہ رنگی بندہ ہے اور وہ تیری بندہ +

رفتہ رفتہ ناف کی عادت بھی جاتی رہی اور یقین متقل طور سے کشنی کے گھر حاضری دینے لگا۔ اب اس کو کسی کا قریب خوف اور جبر نہیں لگتا ہے۔ بلکہ اس کی دلچسپی پہلی مرتبہ دوست کی سوامتی قریب دے کر لے آتی تھی۔ دو کو پہلپ کی گھڑی کا خوف اور بہت۔ لیکن اس کے بعد ذہنی رقت۔ اب وہ ایک زہرت قیامش ہے +

(۱۰)

یقین نے اس عرصہ میں ہزار ہا نقد و پرتیاشی کی ننگہ یا کشنی کا مکان مولی مکان نہیں ہے۔ بلکہ ایک بڑے رئیس کی کوٹھی۔ قیقتی فریقہ اور برتنوں کے سیٹ کے سیٹ موجود ہیں۔ ملازمین کی تعداد میں بھی اضافہ ہے۔ سونے بھر کرسم کے زیورات سے کئی صندوق چھپیں۔ کون کون ساں چلے ہے جو یہاں مینا نہ کیا گیا ہو؟ قیقت کی فانی زندگی کشنی کا محبت کا کیا اثر پڑا۔ وہ غراب و کوکین کا شوقین ہو گیا۔ اب گھر کے فردی کام اس کی نظر میں نہایت نہیں رکھتے۔ بیکار پڑا رہا پند کرنا ہے۔ اس کا پوتھو شوق ہے کہ قیقت کو بولایا۔ رفتہ رفتہ خان بہادر کو چہرہ میں گیا کہ صاحبزادے شوق کے ڈسے بنے ہوئے ہیں۔ اور گھر کی اندی کے زیادہ حصہ سے کشنی طوائف لطف اڑا رہی ہے +

شریعت ہاپ نے قیقت کو بہت کھمایا۔ جو کچھ نہ کرنا تھا کر کے۔ اب بارے جاؤ

(۱۰۰)

میں کی گرفتاری معمولی گرفتاری نہیں تھی۔ یہ خبر شام تک ہر شخص کے کان میں پہنچ گئی۔ پبلک بڑی دلچسپی سے اُس کی حیا شان زندگی کے چرچے کر رہی ہے۔ ہر شخص کی زبان اُس کے کارنامے دہراتی ہے +

انسانی دلچسپیوں کا بھی عجیب عالم ہے۔ ہم ایک تماشہ بن کے قہقہے دہرائے میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ اس دلچسپی کی بنیاد کیا ہیں۔ ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ دلچسپ قہقہے کتنے خطرناک واقعوں کا مجموعہ ہے۔ جب ایک انسان ریل سے کٹ جاتا ہے تو ہم جلدی سے آدھیوں کو ہٹا کر بس سے پہلے اُس کی شکستہ لاش کو دیکھنے میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں مگر کبھی ہم نے یہ سمجھنے کی کوشش نہ کی ہوگی کہ ہماری دلچسپی کا سامان اس وقت مہیا ہوا جبکہ ایک شخص کے کٹ جانے سے اُس کی بیوی بیوہ ہو گئی۔ اُس کے بچے یتیم ہو گئے۔ اور ایک ماں کی گود خالی ہو گئی +

گرفتاری کے دوسرے دن شام کو عتیق کے والد نے زور ڈاگری ادا کر دیا۔ عتیق حوالات سے نکل کر اپنے آپ کو دائرہ انسانیت سے باہر سمجھنے لگا۔ گرفتاری کے وقت سے اب تک اُس نے کچھ نہیں کھا یا تھا۔ تین خاقوں کا مارا ہوا ہے۔ مگر بھوک محسوس نہیں کرتا۔ اُس کا دماغ اُس باپ کے گھر کو باطل قرار دے کر چکا ہے۔ کیا باپ اور دیگر عزیزوں کی غفلتوں نے اُس کی اصلاح کر دی۔ نہیں۔ بلکہ ان کی غفلتوں نے اُس کے دماغ میں سینکڑوں غفلتوں کا جنم افول میں ہزاروں غمراہوں کا جو جس اور بھر دیا تھا۔ حوالات سے نکل کر وہ سیدھا کشنی کے گھر آتا ہے۔ رات ہو گئی ہے۔ کشنی کو دیکھتے ہی اُس کی آنکھیں خون آلودہ ہو جاتی ہیں اور کہتا ہے :-

عتیق کیوں حرامزادی میری محبت کا بھی صلہ تھا میرا سامان
کشنی - حرامزادہ تو ادھر اپنا (مذکورہ اور اجمل کی طرف دیکھتے ہوئے) اس پر ماضی کو میرے مکان سے باہر نکال دو +

کشنی کی زبان سے کیا اس سنگین عتیق کو قوت برداشت نہ رہی۔ اُس نے محبت کا کشنی کا گلا پکڑ لیا۔ مگر اجمل اور دیگر ملازمین نے اُس کو زبردستی ایک طرف دھکیل دیا۔ وہ جھوٹا ہنگامہ اُس کا سرکاری کے نل سے مڑا کر تھکی ہو کر آتا تھا تاہم اُس کو مکان سے باہر نکال کر کشنی نے دروازہ بند کر دیا۔ پڑھی دروازہ ہے جو اُس کی آہستہ قدم پر کھٹکھا تھا +

باہر کی تیزی۔ سرسے خون کا ہٹا اور تین خاقوں کی کڑواہٹ نے اُس کو

شریف صورت دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر تم روپیہ کی ادائیگی کا انتظام کرو تو وہ اس مکان سے باہر نہیں لے جائیں گے +

ایسے وقت میں انسان کی نظر کہاں جاتی ہے۔ اس باپ پر۔ مگر ماں باپ سے تو آپ بے لاف ہو گئے ہیں۔ پھر دوستوں پر۔ ہاں دوست موجود ہیں اور جن دوست ہی نہیں بلکہ جاں نثار شہیدانی کشتی جس نے ہزاروں روپیہ اُس سے لئے کو جمع کر لیا ہے اور جس کی خاطر وہ آج یہ دن دیکھ رہا ہے کشتی کا خیال آئے ہی اُس نے کہا +

عتیق - ان لوگوں کو ڈھائی سو روپیہ دیدو +
کشنی - میرے پاس کہاں ہے +

عتیق - تمہارے پاس بالکل نہیں اور ہزاروں روپے کہاں گئے +
کشنی - کیا تم کو خبر نہیں +

عتیق - تو کیا میں جبل خانہ چلا جاؤں +
کشنی - میں کیا کر سکتی ہوں +

عتیق - (غم سے) میں نے جو سونے کا زیور گھر سے لاکر دیا تھا۔ اس کو ادھر لاؤ +

کشنی - (دہا بیوں سے) آپ لوگ میرے مکان سے باہر جا کر جھگڑا کیجئے۔ (سپاہی باہر کو بھیجا چاہتے ہیں)

عتیق - میں تجھ سے آوصار مانگتا ہوں +
کشنی - بڑی آوصار کا حساب نہیں رکھتی ہے۔

عتیق - (آہستہ ہو کر) میں تجھ سے بھیک مانگتا ہوں +
کشنی - بھیک سے تم وہ غریبوں کو دی جاتی ہے۔ خان بہادروں کے بیٹوں کو نہیں +

عتیق - حرامزادی تو مجھ سے محبت کا دعویٰ کیا کرتی تھی۔ میرے ہزاروں روپے جنگ میں اپنے نام سے جمع کر لئے +

کشنی - مجھے تجھ سے نہیں بلکہ تیرے روپے سے محبت تھی۔ جنگ میں جمع شدہ روپیہ اس لئے ہے کہ بڑھاپے کی عمر میں جب تم جیسے بیوقوف نہیں پھینکے میری آخری زندگی کے ایام آسانی سے کٹ جائیں +

اب کشنی کا درجہ حرارت بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ اُس نے سپاہیوں کو اپنے مکان سے نکل جانے کا حکم دیدیا +

عقیق - اس کی فکر نہ کیجئے میرے پاس آجائیے +

عورت مسہری پر آنی چننی ہے۔ اوپر وہ پرمسکراہٹ کے ہمارے ہوئے ہیں +

عقیق - میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں —

عورت - (مسکرائیں) میں آپ کی خادمہ ہوں +

عقیق - بس تو میرے پاس لیٹ جاؤ +

عورت - آپ آرام کیجئے میرے سونے سے آپ کو تکلیف ہوگی +

عقیق (اٹھ کر غصہ سے) نہیں تم کو میرے پاس لیٹنا ہوگا +

عورت - اچھا میں ابھی آتی ہوں۔ (کھڑے ہوتے ہوئے)

عقیق - نہیں تم یہاں سے نہیں ہٹ سکتیں +

بازوں سے پکڑ کر عورت کو گرا ۱۲۱ چاہتا ہے۔ مگر عورت بجائے ہانگ کے

زمین پر گری اور اس کے بائیں ہاتھ کی چار انگلیاں برابر رکھی ہوئی انگلیٹھی کے

تیز کنارے سے کٹ کر لہو لہان ہو گئیں۔ گرنے کی آواز پر ایک ضعیف اصرار سفید ریش

فخس لپیٹ پڑتے ہیں۔ جسے منتقل مزاجی کے ساتھ اندازا ہے +

بوڑھا - بچی ذکیہ کیا بات ہے +

عورت - (دعائے کے ساتھ) مغز زمان زیادہ ہو چکا ہے۔ جلدی سے سب

ترانے میں چاقولے اٹھائیں کاٹ دیں +

بوڑھا - خون کو صاف کر کے سبب جلدی ہو۔ مہمان بھوک کی تکلیف زیادہ

نہیں اٹھا سکتا +

یہ کہتے ہوئے بوڑھا تاپیں چلا گیا +

عقیق نے نظریہ بھر کر درخت سے گھس کر دوکھا اور پچان لیا۔ اس کے جسم پر پیرینہ

نمودار ہوا اور لڑکھ بڑا نام ہو گیا۔ دوسرے گھوس اٹھکھڑا ذکیہ کے قدموں پر ہے۔

اور کاجیتی ہوئی آواز سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں :-

”مجھے معلوم تھا آپ مولانا محمد شمس الدین کی بیٹی ہیں +“

مولانا صلاح الدین شہر کے مشہور محدث اور فقیہ کمال کا در پر رکھتے تھے۔

عقیق نے مولانا کا بہت قدر سمجھا جس میں نماز پڑھانے دیکھا تھا +

(۱۲۰)

عقیق نے کشنی کی محبت سے جو نظریہ تیار کیا تھا۔ وہ آج غلط ثابت ہو گیا

ایک وہ عورت کو خود غرض محبت فروخ اور غلام سمجھا تھا۔ مگر آج یہ یقین ہو گیا

کہ شریف عورت حمان فوازی۔ پاکبازی اور رحم کا مجسمہ ہوتی ہے۔ **عقیق** کو والدین کی

سختی، جیل کی محبت کشنی کی بے شرمیوں سمجھی جا خانہ زندگی سے نفرت نکلائی

بالآخر ذکیہ کی شادی ہوئی۔ خانہ بھاری بیٹے کو خانہ نکلائی

اجتماعی طور پر جو اس بنایا۔ پریشانی کی حالت میں جدھر نہ آٹھا چل دیا۔ ایک

دوکان نے بارش سے پناہ دی۔ رات کے بارہ بجے ہوں گے۔ دوکان سے پھر

آٹھا۔ اور ایک کھجکی کی طرف چل دیا۔ مگر جیسو اب دے چکا تھا۔ بالآخر ٹھوکر کھا کر گرا

اور ہوش بہر گیا +

(۱۱)

بھوک کی شدت نے جب ڈیڑھ گھنٹہ بعد اس کی آنکھ کھولی۔ تو اس نے

اپنے آپ کو ایک کمرہ میں پایا۔ اس کی کمرے آج دو دن بعد اپنے پیچے نرم بستر

محسوس کیا۔ اس کے عقب کی کوئی اٹھنا نہ رہی جبکہ ایک نہایت حسین لڑکی نے

یہ کہتے ہوئے ہاتھ بڑھا دیا۔

”جناب اب انقباض تکلیف کم معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ دودھ حاضر ہے +“

اس نے فوراً دودھ فٹ فٹ پنی لیا۔ وہ سخت حیرت میں تھا کہ اس کے سر پر

کس نے پھی باندھ دی۔ مگر وہیں عورت کی حاضری اس کے دماغ میں صدمہ

خیالات پیدا کر رہی ہے۔ ذرا دیر بعد اس کی صربان تیار دار نے کہا ”آپ گھبرنا

نہیں۔ تمام کیجئے۔ میں نماز پڑھ کر ابھی آتی ہوں“ اور چلی گئی +

تو اتر مصائب کی سختیوں نے اس کے دماغ کو بالکل پرانہ کر دیا تھا۔

ڈیڑھ گھنٹہ کے آرام و سکون اور غذا سننے سے اب وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

اور خیال کرنے لگا۔ چونہ وہ یہ کوئی مالدارنا حشر ہے۔ یہ مجھے چھٹنے

کے لئے میری خاطر کر رہی ہے۔ ممکن ہے مجھ پر عاشق ہو گئی ہو۔ ورنہ عورت کو

کیا ضرورت کمزوری کا مظاہر کرے۔ دماغ کے اس زبردست فیصلے دل کو بھی

یقین ملا دیا +

اتنے میں عورت پھر واپس آگئی اور مسہری کے برابر دلی کرسی پر بیٹھ کر

اس کے پیر دبانے شروع کر دیئے۔ اس نے سچی پلکوں کو حرکت دی اور فورے

عورت کی جانب دیکھنے لگا +

عورت - میرے خیال میں اب تکلیف بہت کم ہے +

عقیق - اہ۔

پیروں کے دبانے سے رہا سمجھا بھی جاتا رہا اور ہلکی آواز سے کہا

پیر زما اوٹ پٹک دیا ہے۔ فرما جہاں عورت اپنے اٹھوں کو اس کی کمر تک لانے

لگی۔ یکبارگی عقیق کے اٹھوں نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر جھٹلانا آغاز میں مسہری

پر کھینچنے کی کوشش کی +

عورت - جناب کہا بات ہے۔ آپ کی تکلیف میں اضافہ نہ ہو جائے +

”کماں کی راہ نکلی ہے کماں سے!“

از جناب جہانگیر صاحب ایم اے علیگ۔ لکچرر شری کالج۔ ڈربن

میں یہ جانتا ہوں کہ ”آپ بے بہرہ ہے جو معتد میر نہیں“ (غالب)
میں اس کا قائل ہوں کہ ”ہے پرے سرحد اور اک سے اپنا کھو“ (غالب)
میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ ”جھللاتے ہوئے مارے کیا ہیں
گھبے پھول ترے بستر کے“ (راش)
میں اس پر بھی ایمان رکھتا ہوں کہ ”لیک آف نیشنل بیسویں صدی کا سب سے زیادہ متم بالشان
ڈکھو ہے“
لیکن ان عقائد اور چھڑائے ایمان کے باوجود وہی مرنے کی ایکٹانگ
”صبح کو ناستام کا لاٹا ہے جوئے سفیر کا“
دن کا جقدہ حصہ کالج میں بسر ہوتا ہے۔ وہ تو خیر جوں توں کر کے ختم
ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن فرصت کے اوقات میں اپنی کم نامی اور افسانہ صاحب
کی کار سازی و دونوں پر کساں نظر دیتی ہے۔ سہ پہر کو تین بجے نہایت خوشی
کی حالت میں کالج سے فارغ ہو کر فلیٹ پر پہنچنے اور دیوانہ پنکھا ہوں سو
کر کے دی دو دیوار کو دیکھنے لگے بستر صاف تنہا اور نہایت مرتب ہمسز پر
کتابیں قرینہ سے لگی ہوئیں۔ ایک طرف ٹریک ادھوٹ کس ترتیب سے
رکھے ہوئے، مگر ہر شے سرمد مردہ ہے جس کی کوکہ ان اشیا میں جس قدر
ترتیب بڑھتی جاتی ہے۔ اس بستر دان میں بے حسی کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔
اسی لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ اس ترتیب میں کبھی نہ کبھی تو مہمان پیدا ہو۔
کبھی نہ کبھی تو ان میں جات کے آنے پائے جائیں مگر موجودہ صورت میں
اس مہمان کی توقع فاصل ہے۔ دست کشیں، انگشت خانی، دونوں گودھن

میں پیوست ہیں۔ لیکن حقیقت سے دور۔ پانچزار میل دور۔۔۔۔۔ منہ ہاتھ
دھو کر چار بجے کے قریب سرپہر کی چاء سے دو چار ہونا پڑا۔ پابندی رسم کے
خیال سے چاد نہر مار کی ڈربن کا باد چلی سب کچھ جاتا ہے۔ لیکن چار بجنا
نہیں جاتا۔ کسی بوٹی کسی کیتے میں پلے جاتے۔ چائے کا آؤر کچھ گنگنا
شریت فدا آپ کے کام و دہن کو سیراب کرنے لگیں۔ گنگنا بھی کیا؟ جیسے
محترم کا شریت و صوبہ میں رکھے رکھے سبیل پر گنگنا ہو جاتا ہے اس کے
علاوہ ہندوستان کی فضا نے پن کی چاء کا خوگر کر دیا تھا۔ یہاں دوسرے
مار کے کی چائیں رواج پذیر ہیں۔ اس لئے اب تک چاہتے وقت اس کا احساس
نہیں ہوتا کہ ہم چاہی رہے ہیں۔ ہر حال چاء کے سسٹے یہاں نہایت
اندہنک صورت اختیار کر لی ہے۔ مار دھاڑ کو اپنے خود اپنے مکان پر گرم
چاء کا انعام کر رہی ہیں۔ لیکن پھر آپ کو قیدم کے ساتھ یہ دعا مانگنا پڑے گی۔
”مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ“ آپ کسی اپنے دوست کے پاس گئے تو فیفا
وہ سرزد کھڑا ہو جائے گا۔ اور نہایت مخلصانہ انداز سے آپ کا خیر مقدم کرے گا۔
مگر مزاج شریف کا جواب دینے سے قبل پھر آپ کے کام و دہن کو گنگنے شریت
سے طوٹ جونا پڑے گا۔ ہر لطف یہ ہے کہ آپ بیک وقت پانچ جگہ تک تو باپوں
ہی جلد آپ کے ساتھ یہی سلوک کر دیا جائے گا۔ ناممکن ہے کہ آپ کا عذر
قبول ہو جائے +

میرا ذاتی خیال ہے کہ چار تیار کرنا ایک مستقل اور نہایت اہم آرٹ ہے۔
جس میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مشق کی اس قدر ضرورت ہے جس قدر غور
فلوکی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس آرٹ کے مختلف ممالک میں مختلف نصب العین
اور پیمانہ ہوں۔ لیکن جوینی افریقہ کا نصب العین کچھ انوکھا معلوم ہوتا ہے۔ اسی
لئے اس کا خوگر ہونے کے لئے ایک مدت دراز کا سہہ۔ ہر حال چاء کا ذکر اس
سلسلہ میں آیا تھا کہ شغلِ امرت کے اوقات میں غصہ ہوتا ہے لیکن غصہ

اور سیاسی اقتدار باچکا۔ مذہب جبہ دوست، رکی نذر ہوا۔ مگر اب بھی
 اپنی حالت میں مگن ہیں +

اپنی حالت میں گمن ہیں +
پھر جہانی لے کر غم کرتا ہوں۔

برادرانِ وطن کی سلطوت اور جاہ و جلال کو دیکھ کر کسی بلند پرواز کی
جانب مائل ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں؟ ہر قسم کی ترقی ان کے قدموں
سے لگی ہوئی ہے۔ . . . اور کیوں نہ لگی ہو؟ ان کے اخلاق اچھے۔
ان کی عاقبت پاکیزہ۔ ان کے دماغ روشن۔ ان کے بازوؤں میں
قوت۔ ان کے اشاری کی مثالیں بے نظیر ان کی کوششیں لامتناہی۔ . .
اسی اشتیاق میں گھر گھر ہٹ کی آواز مٹی ہے۔ اور ایک ہر گھر کا ہر ماسافر وہ کچھ
بھری ہوئی نگاہوں کے سامنے سے گزر جاتی ہے۔ مریہ کار میں اکثر فرنگی خزاں
مسافر فرتے ہیں۔ ان کی جستجو اور مصروفیت ان کی تندرستی اور اشتیاق میرے
دل پر ایک گہرا نقش چھوڑ جاتی ہے۔ ان کی صورتوں کو دیکھ کر انگلستان کی زندگی
نفس انکھوں کے سامنے چر جاتا ہے۔ کائناتی صاحب کے خطوط یاد آتے ہیں۔
خیال کر لیتے گشتا ہوں کہ کائناتی صاحب ایک تو ہندوستان پہنچ گئے ہونگے
خداوندِ ندرچران کو خوش رکھے۔ وہ کچھ قدم کا پتہ جاسکیں آئیں +
اس کے بعد ہندوستان کی ڈاک کا انتظار کر لیتے گشتا ہوں۔ آئے! اے
خضوع کے مضامین کو
پردہ جی دل میں تبصرہ کرتا ہوں۔ اور کبھی کبھار دی زبان سے یہی کہتا ہوں کہ

”گرچہ کس کس بُرائی سے ولے یا میں ہر
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس مَصل میں ہے

سہ پہر کو تین بجے سے شام کے چھ بجے تک ایک وقت نہایت مہربانہ و نوازش
تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اول تو غریب سے گھنٹہ سوا گھنٹہ قبل ویسے ہی روح پر
غیر معمولی پتھر دوٹی ہوئی ہے۔ پھر صحت نامیض، کالج کی کنواری بے معنی سیاست
جس کہ میں نے ہمیشہ استحقاق کی نظر سے دیکھا، مزید برآں مرید کی گھر گھر مکان
کی لاری کی۔ وطن سے دوری، آسان کی کپڑی، زمانہ کی "امواری" غرض کہ
وہ جذبہ میں کا بقیع باوی سے ہے، اس وقت دل پر تسلط ہو لے۔ چنانچہ
سچا ہوں کہ لاؤ مکین جلدیں۔ کہیں سیریاں ٹانگ آئیں، لیکن جانیں تو کہاں جانیں
بازار؟ لا حول و لا قوۃ، آدمی بازار جائے تو نہ پانگ لے سکے، گھر رہنے
بازار شام کے پانچ بجے تک سب بند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بازار کے خیال

بھی مانتے چلے آئے ہیں کہ خود اپنی ہی ذات کے لئے تنہائی میں جاو چکا، مگر خود ہی غمخوار ہوئی، لیکن تنہائی پر غنائی ہے۔ جیسے آپ شراب کا دوا لے آئے فروز کو، "سو گئے، اور صبح اٹھ کر اس بات پر ناز کرنے لگے کہ مجھے تشریف ہی

”غیب“ کی ہر حرکت کو نہ دستان کے شعرا، ”یار کی زلف“
 ”شیطان کی آفت“ اور ”روز قیامت“ سے تشبیہ دیتے ہیں، مگر میراب یہ خیال
 چلا ہے کہ ”یار کی زلف“ کو کچھ واکر ”شبِ حجاز“ ”شیطان کی آفت“
 اور ”روز قیامت“ دونوں سے بڑی ہوئی ہے۔ اسی لئے تنہائی کے اوقات
 کو گزرنے کے لئے مختلف طریقے تجویز کئے جاتے ہیں۔ مثلاً پان کھانا، سگرت
 پین، سگرت کے دھوئیں کے ملنے بنانا، سگرت کو چھینک کر اوارام کریم کی پر
 لیٹ کر سٹکا سٹکانا، کتابیں پڑھنا۔ اخبارات و رسائل کا مطالعہ کرنا، مگر جب
 دردِ فراق کی ٹپ میں زیادہ ہوتی ہے تو یہ ساری تجویزیں نقشِ رآب ہو جاتی ہیں۔
 مثلاً ”شبِ باکلمی میں کتابیں، اخبارات، سگرت، سٹکارا، ایش ٹریسے یا تھان
 سب کو کوٹھے اور شب کے نوچے آپ نے بیک وقت سب تجاویز پر ناخام
 کے دھوئیں مل پیرا ہوا شروع کیا۔ سارے دس بجے تک سگرت پان۔
 چائے، سٹکارا سب ختم ہو جائیں گے اور پھر اویس بوکر آپ ہی بڑبڑانا شروع
 کریں گے۔

”صبح کرنا شام کا، نا ہے جوئے شیر کا“

میں نصرت کے اوقات میں نہایت غور و خوض کے ساتھ کتابیں پڑھتا ہوں۔
 نوٹس لیت جاتا ہوں۔ مجلس انگریزوں اور پبلک تقریریں کر کے اہتمام سے تیار
 کرتا ہوں۔ دوستوں سے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملتا ہوں۔ لیکن
 پھر بھی انہی گھر میں آجاتی ہیں جب میں اپنے آپ کو نہایت شدت کے
 ساتھ تنہا اور بے کیف پاتا ہوں۔ اُس وقت بالکنی پر بیٹھ کر دوسرے عالم میں
 پہنچ جاتا ہوں۔ اور سوچنے لگتا ہوں۔

ہم اصل کے زمانہ میں ہندوستان میں خوب دیکھی رہے گی۔ مسلمان
 اکثر اب گراں سے اب نہیں اٹھنا چاہتے تو انھیں... بن حالات
 میں تو تیار رہی چوڑا چمکا... مگر بار بار مسلمانوں کو خواب گراں
 بھی کیا حسرت دکھ ہے۔ ان کی کیا کیا ذلتیں نہیں جو رہی ہیں یخ
 اس سے زیادہ تباہی اور کیا ہوگی؟... کیا اس کا انتہا رہے کہ
 مسیح موعود نہیں اور دوسے مار مار کر ٹھکانے کا تعلیمی معاشرتی۔

بازار کے علاوہ یہاں دو مقامات اور ایسے ہیں جہاں شام کی دہلیس گھڑیاں بسر کی جاسکتی ہیں۔ ایک تو ساحل اور دوسرا فورٹ (قلعہ) لیکن وہ خوش نصیب و جذبات مولانا سیدنا مولوی اشفاق علی صاحب قیصر کے قلعہ میں دلی کا فورٹ دیکھ چکے ہیں اُسے دُربن کے قلعہ میں بُنا لطف حاصل ہو سکتا ہے۔

تاجوں کی دلکشی تو صرف ہندوستان کا ہی حصہ ہے۔ اور عجائب خانہ کی بونق ہند کے مسلمان کی جوتیوں کا طیف ۱۰۰ لے چکا ہوتا ہے۔ دُربن کے قلعہ کے ساتھ دھونا بھی پڑتا ہے۔ علاوہ انہیں شام کے وقت جذبات میں ایک حد تک نرمی رقت اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے جن کی تابعداری کے لئے قلعہ کی فصاحت و ادب نہیں ہو سکتی۔ قلعہ میں جانے کے لئے دُن کے دس پیسے سے سہ ہر کے تین پیسے تک کا وقت مناسب ہے۔ صبح کا وقت شوالوں میں اور شام کا وقت اُردھو توغین اور سودا دونوں دسے تو چربی پر گزارنا چاہئے۔ چھٹی موسمی کی تابناک لہروں میں رنگ و بو کی جانفزامو جوں میں شمع کی دھڑکیوں میں پھولوں کا بھرپور اور تیز کی دلکش خوشی میں.....

”سراڑھتے بیابان پر تلواروں سے
کوئی کہتا نہیں کہ یہ کیا ہے؟“

فرض کریں کہ یہ دینی (کٹھری) ٹیٹ ہے، مگر تمہیں یہی کٹھری گیت میں کوئی
شدت کے ساتھ نفل و فساد لگ رہی ہے جس کا مصروف ہے۔ دنیا انگشت ہر ماں ہے لیکن
کسی کو ہت نہیں کہ یہ کہہ کہ بندہ خدا ہے یہ کہہ عوام پر پا کر نہ مانتے۔ اب جا جائے
دیگر۔ لوگ تباہ ہو چکے ہیں۔ اب ہر مملکت تخت و عرش اور مہر و چکر کی حالت میں

محشرستان کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ہری گویا جاگر، زمین آف سوختہ فزقہ کے دوزار سے ملوں، اور کسوں کو بندہ نواز آپ کے "ملک" میں اچھا اہل ہے! اسی لئے تو داغ غریب کتا تھاٹھ

"منصفی دینا سے ساری آٹھ گئی"

مکن کیا مجھے یقین ہے کہ ڈربن کے تخیل نے دماغ سے بغزل کھلائی تھی۔ کیونکہ ہندوستان میں خصوصاً وائی کی ٹھیکوں میں قیاس تراشی تو ضرور ہوتی ہے لیکن دن دماغ کوئی راہ زنی نہیں کرتا۔ گواس کا احوال فردوسہ کے قریب متقبل یا دہاں بھی امن عامہ میں منسل پیدا ہونے لگی ہے۔

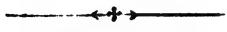


اس کے بعد کہ آپ رن بادا (۱) کا سوال پیدا ہوتا ہے

مگر خود "تکلفیت حلقے" سے کیا رن بادا کی سرور تفریع مشکل ہے۔ خاص کر ڈربن میں کیونکہ بادی انظر میں ڈربن کو جیشوں کا ملک ہے۔ لیکن پر جلد کی سپیدی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ بانغا تو دیگر بیچ پر جانے کے لئے بعض فطری اور غیر فطری اوصاف سے تصف ہونا اسیقت ضروری ہے۔ جس قدر کہ ریل میں سفر کرنے کے لئے ٹکٹ خریدنا رشتہ آپ بے تکلف مٹھ کی مسجد سے لے کر انگریز، مسیح، اور بعض اوقات خود اسمٹیشن تک پیدل جاسکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیچ پر جانے کے لئے ٹوٹا ہوا ضروری ہے۔ اور ٹوٹ بھی "ٹیکسی" یا "ٹو" ہو، بلکہ لینڈ دوس کی چٹکی دیکھی اس کے علاوہ ٹوٹ نہایت پر تکلف، مافی مناسب رنگ، اچھی طرح استری فہ۔ کارلا شفت بندہ میں مگر۔ اور ہرچہ وہ تھوں کی جلد یا کپڑے یا کپڑے نہ ہو تو مرید لیکن اس سے ذرا بھی آئیں نہیں۔ ڈربن میں کا لے گورے کے امتیاز کا سخت غلبہ ہے۔ اس لئے یہاں کی فضا میں حسین جوانانہ ضروری ہے۔ آپ کا رنگ ذرا میلاد جوا، یقین کیجئے کہ آپ تقریباً ہر تفریع کے مقام سے نکال دیئے جائیں گے۔ بالخصوص بیچ کی نزہت نگاہوں سے خواہ آپ کی نگاہوں سے گنتی ہی

"انوار کی باریش جو" اسراوی کی ریش ہو

اس لئے خدا کا شکر ہے کہ میں کس تہی کا وہ فطرتاً دور رہنے پر مجبور ہوں۔



ڈربن کے نظام تعلیم پر کوئی مکمل مقالہ لکھنا ایک نہایت اہم کام ہے اس لئے فی الحال اس کی جرأت تو نہیں کرتا لیکن اپنے کالج کے تھوٹے بہت ظاہری حالات لکھے دیتا ہوں تاکہ تعلیم کے شائقین مضمون کو سہولت یابندی کا

ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کتنے والی کی آواز نہایت پرورد۔ رقیق اور دل میں آواز جانے والی تھی۔ اس کے علاوہ وہ رانگ راگنی کے اصول سے بھی واقف معلوم ہوتی ہے۔ گواس کی جاگ میں انڈیا صحت کے ساتھ نہیں کر سکتا مگر ہری ساری تو جیو طر کے مضمون، شاعر کی بلند پروازی اور الفاظ کے دروہیت پر بھی ہوتی تھی۔

کوئی کتا نہیں سسرکار! یہ کیا؟

اس شعر کو شیری گیت سے نسبت دے کر مجھے "نادر خاں" کا اداری حکم یاد آگیا جس نے دلی جانوں کو سخت ابتلا کی حالت میں گرفتار کر دیا تھا۔ لیکن شاعر سب کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر موثر نہیں جو سکن شاعری کی بلند پروازی اور سورج کی صحت پر زہمی دھنوں میں بعد الشرقین ہے۔ اس لئے چار دہا چار نادر خاں کے اداری حکم کو نظر انداز کر دیجئے۔ اور اس شعر کی باطنی خصوصیات سے لطف اندوز ہوجئے۔ اردو اور فارسی کے شعرا کا دستور رہا ہے کہ جہاں شعر کے مضمون میں کچھ تنقید یا گھٹا پیدا ہوا شاعر کا شاگرد کہہ اٹھتا ہے "استاد! کیا عارفانہ نکلام ہے!"



اس شعر کو سنتے ہی مجھے ڈربن کی ڈیٹ اسٹریٹ یاد آجاتی ہے۔ ڈیٹ اسٹریٹ کو ڈربن میں ہی خصوصیت حاصل ہے جو نندن میں پکڑتی کو، لکھنؤ میں حضرت گنج کو یا لاہور میں مال کو۔ مٹرک نہایت کٹا دہ اور ہموار۔ دو سے آئینہ معلوم ہوتی ہے۔ دونوں جانب ڈربن کی بڑی سی بڑی عایشان دو کا نہیں تقریباً سب مٹھ منزلہ۔ دوکانوں کی آرایش اور زیبائش و جم و اور اک سے فزوں تراش پر فرنگی نژاد آدم کے بچوں اور حقو کی بیٹیوں کا انڈیا م، ہر فرد نہایت مصروفیت کی حالت میں چلا جا رہا ہے۔ کہیں خدا خواستہ آپ کسی دوکان میں داخل ہونے کو گیا خود آپ نے اپنی تباہی قبول لے لی۔ جب میں ہمسفر راقم قہی وہ فرنگی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت دل بھی جانتے رہے۔ سو خداوندیکہ آپ کو سسرکار چاہئے لیکن آپ زہر و نگاہوں سے زمین پر ادھر ادھر دیکھتے جاتے ہیں۔ اور گردن بھی کھاتے جاتے ہیں۔ اور خداوند فریب سے فراٹینی قہر لگایا۔ آپ چاروں سو کر گرتے پڑنے بھاگے۔ مگر پھر یوں ویدار سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ آپ خوش نصیب ہی ہوں گے۔ اگر آپ اس دار و گیر سے صحیح سالم نکل سکیں۔ اسی لحاظ سے میں کہتا ہوں کہ مجھے اردو کے اس شعر کا خیال ڈربن میں انگریز مضمون معلوم ہوا۔

سب کچی باگ کے کردوں میں تھے۔ مجھے باہرے کا حافظ صاحب میرے ہمراہ تھے۔ اور میں ان کی سیت میں داخلہ کے مراض سخت بدحواسی کے عالم میں ملے کر رہا تھا۔ ٹول صاحب کی سبیت اس زمانہ میں کیا، آج کل دل پر بیٹھی ہوئی ہے۔ ان سے غلط سلطہ انگریزی میں ”گھین پن“ ”گھین پن“ ”لوکے باورنیش“ ان گھناؤں صاحب قبلہ کی خدمت والا میں حاضر ہوا۔ باوصاحب قبلہ کی دھڑکی ان بان اب تک نظروں کے سامنے ہے۔ میرٹھ کی کشتی نہ ٹوٹی۔ ایک محال میں چار پانچ پان دسے ہوئے۔ آنکھوں پر سفید مال کا چشمہ لٹکا کے پائے پر رکھا ہوا۔ چہرہ پر غیر معمولی مصوفیت اور اہمیت شان، آواز میں ڈٹ ڈٹ ان کے سامنے دو زاروں کا ایک اور کلرک بیٹھے تھے۔ ان کی نشست کچھ ایسی تھی کہ میرے میں داخل ہونے والے کی نظر سب سے پھٹے ان ہی پر پڑتی تھی۔ اونیا طالب علم ان کو دیکھتے ہی سہم جاتا تھا۔ سر گھٹا ہوا۔ داڑھی بکشت و دو انگشت لیکن بہت چھدری چھدری۔ راز شب زندہ داری کی طرح کے خوشک لب، دانت خوشک، طریقہ سے خوشنک، آنکھوں پر دھری باوصاحب قبلہ کا سافید مال کا چشمہ، ان کا نام میرٹھس الدین تھا۔ اب یہ بزرگ اشاعت اسلام لاہور کے سفیری حیثیت سے فورین میں موجود ہیں۔ اور مجھ خاک کریم زانی کا شرف عطا فرما رہے ہیں۔

چندہ کے سفیر سے اور صاحبان ڈرتے ہوں، میں خود نہیں ڈرتا لیکن اردو کو اس سے ڈرتا رہتا ہوں۔ مگر خرابی یہ ہے کہ ہمارے پیر صاحب جن کی میں حقیقتاً دل سے قدر کرتا ہوں صرف سفیر ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مبلغ بھی ہیں، اگرچہ پوچھتے تو میں سب سے بھی نہیں ڈرتا۔ کیونکہ مبلغ اسلام کے خیالات سے میں خود اس پانچ قدم آگے ہی رہتا ہوں، لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ اس کے باوجود پیر صاحب اپنی روزانہ کی تبلیغ صبح صبح مجھ ہی سے شروع کرتے ہیں گویا شہر زبان کی باڑھ مجھ پر تیز کی جاتی ہے۔ یہ سہ وہ درناک پہلو جو کو میں اب تک ہمت کے ساتھ برداشت کرتا ہوں۔ دور پیر صاحب توفیر میرے دیرینہ کرم فرما ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور بھی اگر علی گڑھ کا نام لےوا یا اس آجاتا تو اس سے سسر آنکھوں پر ہی چھٹاتا۔

پیر صاحب آجکل پر دسے کے خلاف سخت پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ میں نے قبل اس کے کہ بڑے کمزور صحت میں آئے نہایت صداقت ادا بد اندازی کے ساتھ عرض کر دیا کہ پیر صاحب! نعوذواہ سے۔ میں آپ کا بھرپور شہم خیال ہوں۔ بلکہ میں تو خدا کی قسم مولانا مسٹر رحوم کی طرح ایمان رکھتا ہوں کہ مسلمانوں کی

پچرس ٹریننگ کالج ہے جس کے ساتھ ساتھ ایک ماڈل ہائی اسکول بھی ملتی ہے۔ ہائی اسکول مکمل نہیں ہے۔ بلکہ ساتویں، آٹھویں، نویں، دسویں چھ پرشٹل ہے۔ کالج صبح ساڑھے آٹھ بجے سے لے کر سہرے کے تین بجے تک ”چالو“ رہتا ہے۔ درمیان میں بارہ بجے ایک بجے تک کالج کے لئے چھٹی ملتی ہے۔ کچھ طلباء اور اساتذہ قریب کے ہوٹلوں میں جا کر رنج کھاتے ہیں۔ اور باقی اپنا من و سلوی اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اور کالج ہی میں کھاتے اور غراتے ہیں۔ کالج کے نصاب میں اردو، ہندی کے بجائے فرنچ و لٹن داخل ہیں۔ انگریزی ادب کا معیار درجوں میں عام طور سے بہت اونچا ہے دسویں جماعت کی کتاب میں ہندوستان کے اہل اسے کے کورس سے کسی طرح کی تمس نہیں ہوتیں۔ مگر طریقہ تعلیم وہی ہے جو ہندوستان میں رائج ہے۔ یہاں کے مدارس میں پڑی خوبی یہ ہے کہ طالب علم غیر حاضر ہونا نہیں جانا اگر کوئی غیر حاضر ہو گیا تو کچھ لکھنے کو اس کا خاندان کسی آفٹ ناگمانی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ تعطیلات کی ترتیب اور سال کا ”ٹرمس“ میں منقسم ہونا یہاں کے تعلیمی اسکیم کا حسین ترین پہلو ہے۔ ہمارے یہی حال چھوٹا سا کا ایاں ہے کہ مسلمانوں کی تنہا ہی کے دو نمایاں ترین اسباب ہیں، ایک تو یہ کہ علی گڑھ کا تعلیمی سال ”ٹرمس“ میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔ دوسرے یہ کہ جمعہ کا تہجد عربی میں دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہندوستان کے مسلمان عرصہ ہوا عربستان سے کوسوں دور نکل آئے۔ شیخ صاحب کے اخلاص اور سرگرمی سے جو صاحب واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان سے اختلاف کرنا ناقصوں سے گتے کھا نا ہے۔ اس کے علاوہ ہفتہ، اتوار دونوں دن ہمیشہ مدارس بند رہتے ہیں۔ چنانچہ تعطیلات منظور شدہ ہیں جن کی تعداد بہت کم ہے۔ ان کے علاوہ کالج کا تھوڑی دیر کے لئے بھی بند ہونا اک امر محال ہے۔ ہندوستان میں جوتن، ہاکی سسل، فٹبال کلاں جوتی ہے اس کی چھوٹے چھوٹے ٹیموں میں ٹرمس کے ختم پر چھپاں کر دیتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ میری ضروریات کے لئے یہ نظام پسندیدہ نہیں ہے۔ لیکن میں اس کے حسن و خجل کی مشرق ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں بھی اس پر عمل ہونے لگے۔ حالانکہ وہاں کی مقامی، مذہبی، معاشرتی اور بھی ضروریات اس اسکیم سے ٹکرا جائیں گی اور دل کی آرزو دل ہی میں رہے گی۔

ٹول صاحب کے زمانہ میں ایم۔ او۔ کالج کے پرنسپل سے متعلقہ فائز

افکار کی نذر کرنا پڑا۔ اس سے زیادہ قیمت اپنی فطرت شناسی کی کیا ہو سکتی ہے؟
میں ایک جذبہ کے تحت اس تقریر کو کر رہا تھا کہ
پیر صاحب کرم میں آموجو ہوئے اور بولے
”شکوہ صاحب! ولایہ دین زینت الاماظر منہا“
میں نے عرض کیا ”پیر صاحب حق ہے“



آخر ان کے موضوع کے متعلق میں علیحدہ ایک مآل اور مفصل مقالہ سپرد قلم کرنے والا ہوں۔ اس لئے افراط فرمانے والے حضرات ذرا تھوڑا صبر فرمائیں۔ مگر اس کے بعد مجھے ایک اور موضوع چھیڑنا ہے۔ جس میں مجھے عرصہ سے دلچسپی ہے۔ وہ موضوع یہ ہے: ”اردو کی زبان کی موجودہ شاعری“
دربن میں سوائے نیزنگ خیال کے اردو کوئی اردو کا رسالہ مجھے دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اس لئے اردو کی تازہ غزلوں میں سے قطعاً تو محروم نہیں ہوں۔ لیکن ایک بڑی حد تک محروم ہوں۔ اس کے علاوہ بدایوں والے سبطین صاحب کا احساند ہوں جو سال میں ایک آدھ مرتبہ اپنی ”ماذہ فکر“ مجھے بھیجتے ہیں۔ باقی سراسر سرخسلا ہے۔ اس لئے دل کی آرزو دل ہی میں رہ جاتی ہے۔ اس کے برخلاف ہندوستان میں دوسری حالت تھی۔ مولانا سیدنا سید علی حسن صاحب قبلہ۔ جناب حاذق صاحب۔ جناب فیاض صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ان کی غزلیں سننا بھی تھا اور شائع بھی کرتا تھا۔ اس کے علاوہ دنیا بھر کے اردو رسائل دیکھنے کو ملتے تھے۔ کبھی کبھار قبلہ استاد خندان اور قاضی صاحب بھی اپنا کلام سناتا دیتے تھے۔ شاید مولانا فیاض شاہ صاحب بھی کرم فرماتے تھے۔ ذوق اور جمیل حدودانی سے بھی برابر راہ نمائے ہو جاتی تھی۔ سال میں ایک مرتبہ شاعری بھی ہوتا تھا۔ اصغر گوٹروی۔ گلرود آدوی۔ دلال۔ آفریقہ۔ صاحبان بھی آتے رہتے تھے۔ باب یہ حال ہے کہ اردو کا شرف سننے کو ترس گئے۔ جتنے یاد تھے وہ بھول گئے۔ میدان صاف ہو گیا۔ باقی رہے نام اللہ کا قریشی صاحب قبلہ کا مشاہیر میں صدر ہونا۔ عتیق سید۔ رشید اور مولانا حسن صاحب قبلہ کا شاعر۔ کے انظام میں ہلکے بھلے جتنا۔ حاذق صاحب کی چوٹ پر پوری صاحب کا توفیق کے ساتھ غزل پر سنار۔ علیک لکھنؤ پہلے آموجو ہوتا۔ اور جیل کا سامین پچھا ہوتا۔ یہ سب خواب خیال کی باتیں ہیں۔ اب تو زبان پر یہی ہے: ”ولایہ دین زینت الاماظر منہا“

کی ساری معاشرتی اور سیاسی تباہی اسی غیر نظری دہم کا نتیجہ ہے۔ بلکہ میں نے بنا نظر یہ بیان کرتے ہوئے مولانا کو اس کو بھی یقین دیا کہ جب تک مسلمانان عالم اس پرورے کے مت کو نہیں توڑتے۔ ان کی فلاح سراسر ناممکن ہے۔ پیر صاحب سے میں نے یہ سب کچھ انسانی صداقت کے ساتھ کہنا تھا۔ لیکن اس قدر کہنے کے وجود وہی تکرار ”ولایہ دین زینت الاماظر منہا“ وہی آئینے جیسے ایک ہی بٹ ہے۔

”اپنی زینت کو نہ دکھائیں سوائے اُس زینت کے جو کھلی رہتی ہے۔“
جس کو پیر صاحب انتہائی جوکشل و خروش کی حالت میں بار بار بہن مبارک میں جھاک جبر بھر کر دھراتے جاتے ہیں۔ مگر صرف پیر صاحب موصوف کی موجودگی یہاں کے مسئلوں کی معاشرتی خرابیوں کو دور نہیں کر سکتی۔ چنانچہ میں نے پیر صاحب سے تجویز کی ہے کہ وہ لاہور کو لکھ کر مولانا محمد رالدین صاحب یا خواجہ صاحب تاج کو سمجھتے دیں۔ یہاں جنوبی افریقہ میں شاخ قائم کریں، اور بہت استقلال اور استحکام کے ساتھ تبلیغ کام شروع کریں۔ خواجہ صاحب قبلہ یہاں دورہ فرما چکے ہیں۔ اور ان کی صداقت اور فصیح البیان کا انہیں لوگوں کے دل پر گہرا اثر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اشاعت اسلام لاہور کو آہستہ آہستہ دینے کی ضرورت ہے۔ اور دو تہہ اصحاب کو چاہئے کہ وہ اس مشن کو چارٹک ہو سکے کامیاب کریں۔ اس اثنا میں وہ کتابیں میری نظر سے گزریں جن کے مصنف پاوری ہیں۔ دونوں کتابوں میں اسی خیال کی اشاعت کی گئی ہے کہ اس زمانہ میں مسلمان (دنیا بھر میں) اپنے مذہب سے ایک حد تک بد دل اور غیر مطمئن ہیں چنانچہ جبکہ جلد ملے ہو سکے ان کے کانوں تک یہاں تک کہ عالمی پیام پہنچا دینا چاہئے۔ ان میں سے ایک کتاب کے مصنف پاوری زمیور ہیں جن سے لاہور میں خواجہ صاحب کا مشافروہ ہو چکا ہے۔ یورپ کی تہذیب خواہ اچھی ہے یا بری اقصائے عالم پر اس کی مصلحہ ہے۔ مگر مذہبی کچھ چڑا جبکہ دوسرے مارا لکھنؤ۔ ان میں سے کوئی بھی ایسی روش آج اپنی جگہ پر قائم نہیں۔ علاوہ انہیں روزمرہ کے خیالات اور عقائد کی نئی تعبیریں آج دنیا میں مانجی ہیں۔ قوم کی فلاح اس میں نہیں ہے کہ آپ صحرائے عرب کے اونٹوں کو بیل کے انجن پر ترجیح دیں حدیثی فرقہ پروردہ کریں اور انجن کی سیٹی پر لا حول پڑیں۔ یہ سوال ترکوں کے سامنے دوسو سال تک پیش رہا۔ مگر خود ان کی ذہانت اس عقیدہ کو بیل کی سیٹی پر انکی پستی تھی کہ سلطان احمد ابراہیم خاں جیسے فرمانروا ان کو ملے۔ جنہوں نے قومی زندگی کا ہر جانور اور نامہ ان کے قلع قمع کیا۔ یہاں تک کہ ترکوں کو اپنی سلطنت کا پہرہ پہن

رَوِ عَمَل

حضرت قیسی کے نام سے

تادم سرزمین نسیان اور پرخطر تھی۔ اور اپنے دل کو وہاں جانے سے باز باز کئے کی جرأت میں پاتا تھا۔ لیکن ذی ہمیش انسان ہوتے ہوئے میرا فرض تھا کہ سبھی خطرناک جگہ اپنی حفاظت کے لئے ضروری چیز اپنے ہمراہ لے جایا کریں۔ مگر چونکہ وقت مجھے ملت دینے بارگاہ تھا جس کے تعلق میں اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ کہ سمجھتا ہی طرح حوادث و واقعات سے محفوظ رہے۔ اس پہاڑی پارک کی تفریح کی اجازت دینے جانے لگے۔ میں نے کبھی کوئی شے اپنے ہمراہ لے جایا نہ کیا۔

ایک دفعہ جبکہ میں واپس آ رہا تھا تو شخص حلاف معمول اپنے پیچھے — تعاقب میں نامعلوم دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ مانگوں سے چل رہے تھے۔ جب اپنی رفتار دیکھی کہ میرا توجہ ہی اسی رفتار سے چلنے لگتے۔ یہ جی دو درجہ سے مجھے شبہ ہوا کہ تعاقب کیا جا رہا ہوں +

دوسرے دن میرے لئے حسب معمول روانہ ہونے کے قبل میں نے اپنی عادت ستمبر کے خلاف غامبی ہاتھ پلٹنے پڑنے کے ساتھ ہی ایک چنانچہ کے چل کا چا تو سمجھا لیا۔ دھا۔ پر انگلی پھیری تو فوجی جھک آیا۔ نگراں کی یہ قرب کاری کیا مجھے یقین دلا سکتی تھی کہ وقت ضرورت بھی یہ اس طرح "فوجی" رنگاں کے بجائے کچھ کام کر سیکے؟ جہاں تک چاقو کی ذات کا اس امر سے تعلق تھا وہ جو چاہئے کا تھا۔ میرے حواس ہی ساتھ نہ دیں تو علاج نہیں۔ خیر چا تو میری جیب میں تھا اور میں جنگ میں +

آفتاب کی زورور دھمکی شناس میں پہاڑی حصار کی بندریوں پر اب بھی بڑبڑی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سودیہ برف و بھینک دنیا کی رنگا رنگیوں پر دن بھر لٹکائی نظر آتا ہے کہ بداب اس خطہ ویران کی جانب ایک سرسری نظر میں اس کے لئے کوئی کچھ نہ تھی ڈانٹا اور افسوس سے رخصت ہو رہا تھا۔ اپنے مشکل کی پر علاج نفسا سے متاثر ہو کر اپنی آواز نکالی۔ جبکہ موسیقی سے اس کا تعلق نہ تھا

بارش کی گھٹاؤ گھٹائیں میری نظرت پرست طبیعت کو کتنی دوسے پاس کو بہستان جانی حصار کے گشت کی دعوت دے رہی تھیں جس کے حسب مناظر گویاں بخش نمایاں تھے ایک سرے سے یقین دلا رہی تھیں کہ ان کے لطیف پردوں میں عام کی دولت اور تخیل پر واز شخص کے لئے گواہ دہاؤ موجود ہے۔

تین گھنٹے تک میں مسلسل بارش کے قطر جانے کے انتظار میں اس کو بہستان کی سلا کی کچھ پسینہ کا خیالی لطف اٹھا رہا۔ میرا ہاتھ تک خیال ہے یہ حالت گریز یا تین اوقات کے ہم معنی ثابت ہونے سے تعلق محفوظ تھے۔ اس عارضہ فزیت میں میں نے ان تمام سرسبز بھاریوں سے دیکھتے ہوئے مقامات کی بھی طرح میر کرینے کا مقول پروگرام بنالیا تھا۔ جن کی ناہری عیساک ہیئت مجھے اب تک یہ خوف دہائی رہی تھی کہ ببادا وہ درندوں کا مسکن ہوں +

میرا پارک جس کو ایک وقت میں پارک بھی کہہ سکتا تھا اور جنگ بھی شہر کے ان حصے سے بالکل قطع تھا جہاں سیر و تفریح کے عام متوالے اور زہت کاجوں کے بسا کچھ بغرض تفریح اور چندہ بنائے — تحریض میں جو جایا کرتے ہیں۔ اگر میں سے کبھی کسی شخص کو اس نسیان خطہ کی بادیہ پیمانی کرتے دکھاتوں اس کے لئے بجز ایک شور و مدھر غارتن یا صیغہ افور و انسان کے اور کوئی اسے قائم نہ کر سکا۔ کبھی اس نسیان سرزمین پر مغربی قریب بھی نظربا کرتی تھیں۔ جو معلوم نہیں کبھے وحشی انسان یا بچل پسری کا بے انتہا دلدادہ تصور کرتی ہوئی گذر جایا کرتی تھیں۔ ایسا بت کم اتفاق ہوا جو ہوا گو کہ میں نے ماہ میں ایک بار بھی وہاں کسی شخص کو اپنی طرح مصروف تفریح پایا ہو۔ افسوس اس خطہ ویران کو میں اپنی فکر و تصور کرنے لگا تھا۔ اور اپنے اندر یہ نظم پیدا کر چکا تھا کہ ہر شخص کو جس کے احساسات لطیف مردہ اور تخیلات غلطی فحش ہوں۔ کوئی حق نہیں کہ اس کو بہستانی زمین کے ذرات کو جانے اندر سینکڑوں ٹکڑے اور دہشتاؤں چہستانوں کی لطافتیں پھانں رکھتے تھے اگر آپ سے بیروں میں پامال کرے +

ایک دفعہ اور کوشش کی۔ طیش میں آکر بے تحاشہ دونوں ہاتھ اندر بڑھا دیئے
پہنچنے کو تھم سیدہ جانور تک پہنچ تو گئے۔ مگر سمجھ سے دریافت کیجئے پھر کسی گندمی
بس اپنا بیچ بن کر بیٹھ گیا۔ سلام ہوتا تھا کسی نے دونوں ہاتھ کھینچ لئے۔ جسک کتا
اپنی راہی قریب سمجھ کر خوشی میں ان کو جھانسنے لگی۔ مگر اس کو کیا خبر تھی کہ وہ
اس کی پیٹھ کے شریک ہو گئے ہیں۔ اوجھو یہ آپ کیا کر بیٹھے! یہ افغان
اس وقت اور کئے گئے جب میں اس زبردستی کی سرلی موٹی نصیبت کا درجہ
مجھ پر عادی سا ہو چلا تھا۔ غریب لڑکی پریشانی میں مریزہ کھجے لگی۔ میں دل میں
اپنی حماقت پر ہنس رہا تھا۔ لڑکی نے میرے کوٹ کی آستینیں نیچے کر دی تھیں۔
ناک کلاٹیاں زخمی نہ ہونے پائیں۔ جب چند منٹ اس حالت میں گزر گئے۔ تو
ایک بات میرے ذہن میں آئی۔ جیسے بے جا توں کو ایسا اور لڑکی سے اس پاس
کی شائیں کاٹ ڈالنے کی استدعا کی۔ گو وہ ہاتھ اس جاتو کے لئے موزوں
نہ تھے۔ خدا خدا کر کے ایک دوش میں کٹیں۔ مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ صرف
ایک ہاتھ کی رہائی میں اگر شائیں اسی رفتار سے کاٹی گئیں تو رات تو یہیں
ہو جائیگی۔ رہا دوسرا ہاتھ تو اس کا نفاذ افغان!

ازراہ عقارت نہیں بلکہ ترس کھاتے ہوئے میں نے اپنی بساط سے
بڑھ کر سرگرم کار ہاتھوں کی مصروفیت پر نظر کی پھر اس تنگ اور ناہیار
جگہ میں نا محرم کے جسم سے اپنا کوئی عضو منسوب ہونا سے بچائے کھنے کی
ریکا، احتیاط پر خیال کیا۔ اس کے بعد ان بڑی بڑی آنکھوں کو دیکھنے لگا جو میرے
ہست قریب گھٹی پلکوں کی غفلت میں روشنی میں اور جن میں کسی شاخ کے
جلد کٹ جانے سے اپنی کامیابی قریب کی مسرت جھلکنے لگتی تھی۔ میرے ہاتھ
استدرا نصیبت میں گرفت رتھے حقد راہ کو رہائی دلانے والے ہاتھ تھے۔ آخر
مجھے اپنی کمزوری پر جوشن سائیا اور میں نے پھر اسی ہست کے ماتحت زور
سے باہر کھینچ لئے۔ گوشت میں کانٹے ٹوٹ رہے کا تو تشار ہی نہ تھا۔ اس کے
علاوہ چند بڑی بڑی خراشیں بھی آئیں۔ ہاں نصیب کیا اپنے "تم نہیں" کے ٹھکر
جانے سے پھر یا بوسانہ چوں چوں کر بنے لگی۔ میں نے اس کو چھکارا اور آزاد
لڑکی سے اس کے رومال طلب کیا۔ اس بار دونوں ہاتھوں پر دودھ رومال
لیٹ کر پھر اس خوشحال بھاری کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ کانٹے ابھی
لگے۔ کپڑے کو جید کر جلد میں گس گئے۔ مگر اتنا تک کی ناکامیوں سے مجھے منفعت
جوش سا آ رہا تھا۔ بے اختیار کیا کو دونوں ہاتھوں میں دبا کر باہر کھینچ لیا۔ آس
لے لاکھ جوں بھان چائی۔ مگر میں نے تو اس بار باہر کھینچ ہی لیا۔ اور پتے

حقدہ روستی کو اس سے۔ اور جس کے بلند کرنے کے لئے میں اس مقام سے بہتر
اور کوئی جگہ نہ پاتا تھا۔ کیونکہ یہاں کسی کی سرخ خراش کا خوف نہ تھا۔ نہ اپنی نصبت
کا خدشہ۔ اسی طرح انہی طور پر چلا جا رہا تھا۔ سرسبز بھاریاں۔ بلند خوش
پاڑی چھریاں۔ ناہار دار راستہ۔ خاموش غذا۔ یہ تمام وہ وحشت خیز مناظر تھے۔
کو میرے علاوہ اور کوئی شخص ایک منٹ کے لئے بھی ایسے جہانک مقام کو
اپنی قریب کچھ دیکھنے کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ کبھی کبھی خاردار درختوں میں میرے
کوٹ کا دامن اٹھ جاتا تھا۔ مگر میں کمالی استقامت برتتا چلا جاتا تھا۔ اس میں یا
تو کبھی دامن کا نقصان نہ جاتا تھا یا خار کا +

آس پاس کی چھاڑیوں پر چھریاں اڑتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ موثر ختم ہوتے
ہی فاصلہ پر ایک تنہا سا بیسی نظر آتی۔ میں نے اس طرف نظر میں کھڑی اور
چند سیکنڈ کے لئے جا رہا تھا۔ میں آکر خود سے دیکھنے لگا۔ حقدہ میں اس کے
قریب ہوتا جا رہا تھا۔ اس قدر رواہر تنگیں تبدیل کرتا جا رہا تھا۔ پتے توں بھا
کر کوئی گنجان بھاری ہے۔ جو دوسرے حرکت کر رہی ہے۔ اس کے بعد خیال
ہوا کہ سبز گھاس کا چھوٹا سا ڈھیر ہے۔ جس میں ہوائے جان ڈال دی ہے اس
کے بعد کوئی بیٹھا ہوا انسان سلام اور اخیر میں ایک ٹوٹا ہوا عورت ہی تھی جو ایک
بھاری کی جانب استدرا متوجہ تھی کہ میرے قریب پہنچ جانے پر اس نے اس کے منہ کی
خلل نہ آیا +

ایک لڑکی تھی جس کا کون سا جسم بیکہ بزرگ کی ساڑی سے چھپا ہوا تھا۔
اور جس نے کس شولہ پر ہونے والے بیٹے ہونے کے۔ وہ بھلی ہوئی ایک گھٹی خاردار چھاڑی
میں سے اپنی خوبصورت کشیا کر نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ غریب تنہی ہی جان
بڑی طرح کا ٹوٹا ہوا اٹھی موٹی تنہی جینڈن اس کا ہنرمو کوشش نے اس کے
ہاتھوں میں جا کر خراشیں پیدا کر دی تھیں۔ غریب کتا بھاری سے کھنے کے لئے
اس طرح تڑپ رہی تھی جس طرح چمڑے میں پھر پڑا ہے۔ اس کا منہ اور جسم
کاٹوں سے لہلہاں ہو رہا تھا۔ سرسبز پیروں کی زور کی آواز نے لڑکی کو چوکھا دیا
مٹا میری جانب اس کی نظریں آئیں۔ "آہ براہ کرم میری کشیا کو
بھال دیکھ" یہ افغان اس کی زبان سے اس طرح ادا ہوئے گئے۔ اس کا طلب کرنا
یہاں آیا تھا اور وہ جیسے ہی نہایت متینے کا بہت دیر سے عزم کے مجھے تھی میں
نے فوراً آستینیں چڑھ لیں۔ اور استدرا آکر بھاری میں ہاتھ پھیرا۔ دوتین
کاٹوں نے میری ہست بوسی کر کے اس جسم کی مشکلات سے مجھے آگاہ کر دیا۔
ہاتھوں کا کتا بیکہ تنگ کھانچا سا سفر آ رہا تھا میں نے ہاتھوں میں ہونے سے قبل

آپ کی کہیں؟ کتا ہو ایک قاتل خانہ سے اٹھ کھڑا ہو +

چو غرنا تائی کی پسین پکی تھی۔ اس وقت یہ مقام اور بھی مہیا تک معلوم سے رہا تھا۔ میں نے وہ مال داپس کرتے ہوئے کہا "سیر کا وقت تو اب ختم ہو چکا میرے خیال میں اب آپ بھی شہر کے گھر کو اپنا پسند کر لگی؟" اور آپ؟ سوال اس طرح کیا گیا۔ گویا میرے پہلے پر بھی اصرار کیا جا رہا ہے +

تھام راستہ ہم نے بالکل خاموشی سے طے کیا کبھی کبھی کتیا کے پیہ رہ جانے سے اس کو بکالنے کے لئے ایک ہلکی سی خوشگوار سسکی کی آواز جھل کی خاموش نفس میں تھوڑی دیر پہل کر گم ہو جاتی تھی۔ میں نے اپنی رفتار مت سبھی کر لگی تھی کبھی کبھی میں دائیں بائیں مڑ کر بھی دیکھ لیتا تھا مگر حسینہ لویا تو اپنی لٹیا کی خوشبو پر متوجہ پایا یا بالکل بیچ نظر سے قدم اٹھاتے ہوئے۔ مار بے باطنی طور پر ہم دونوں آزاد نہ تھے۔ دو! ہمیں — بالکل اجنبی باہم غفاقی اتصال کے حواش اثر محسوس کرتے ہیں وہ مختلف سے خواہ کتنے بری ہوں لیکن ان میں ایک ناگوار اٹھل ضرور ہوتا ہے جس کا ازالہ یا بھی بے تعلقی ہی کر سکتی ہے +

میں یقیناً اس آنے والے وقت کے مقابلہ میں جس میں ہم دونوں کو جا رہا ہو جانا تھا موجودہ لحاظ کو بہت ہی خوشگوار پارا تھا۔ مگر جذبات کی کشش وہ ایک بے معنی دار دیگر طبیعت پر بار گزر رہی تھی۔ اور اس وقت تک گذشتہ ہونے والی تھی۔ جب تک ہم دونوں مبادیہ ہو جائیں۔ میں ہر ہر قدم پر اس مقام کے قریب آ جانے کا خوف دل میں لئے چلا جا رہا تھا۔ جہاں پہنچ کر مجھے بھستی الفاظ سننے تھے میرے دل میں قسم قسم کے خیالات آرہے تھے کیا ہم شہر میں سیر طرح پہنچ جائیں گے؟ کیا مکان آتے ہی یہ لڑکی اس میں داخل ہو کر گم ہو جائیگی۔ اور میں یونہی وداعی الفاظ تبدیل کرنے کی توقع کو فریب دیتا ہوا آگے ہی آگے چلتا رہا جاؤں گا۔ ان خطرات کی تاویل کرنا میرے لئے ناممکن تھا۔ ان شکوک کے ساتھ میں نے ایک جیل سے گردن موڑ کر اس بے راہ راہ بھولی جہاں نکل کر دیکھا جو تاریکی کے تسلا سے انفسوس اچھی طرح نظر آسکتی +

مزدوروں کی جمہوریتوں کے چراغ نظر آنے لگے خیف سے کمر کے نیچے ہوا ان دیکر سانبان کی طرح جمہوریتوں میں چھپا ہوا تھا۔ ایک دو کتے تھکی سہی لیتا کو دیکر زبان چاٹتے دم ہاتھ دوڑے — اور یہاں پہنچ کر اب وہ شکر نگہاری کے گھر سے احساس کے ساتھ مجھ سے رخصت ہوتا چاہتی تھی۔ لڑکی اور

میں بالقابل کھڑے ہوئے تھے۔ اور پھر وہی بے معنی اور ناگوار خاموشی طاری تھی۔ جس نے تمام راستہ ہمارے بوں پر تھوڑا دور میں ایک بچہ چڑھی بیٹا کر لگی تھی اس وقت وہ اپنی پوری قوت سے ہم پر مسلط تھی۔ کیونکہ یہ وداعی گھڑیاں تھیں یعنی اس کی قوت آزمائی کا آخری موقع میں نے پھر در بالفت کیا "کیا آپ شہر سے باہر جاتی ہیں؟" "جی ہاں" پھر خاموشی۔ آخر میں زحمت ہو جانے کے تمام ارادہ سے ذرا اطمینان اس کو اسی جگہ کھڑا دیکھ کر اپنی امن تبدیلی مقام کو صرف دفع کسل کی کوشش ثابت کر کے کھڑا رہ گیا۔ مجھے سے سوال کیا گیا "کیا آپ یہاں روزانہ سیر کرتے ہیں؟" اس کے جواب میں "اکثر" کے ساتھ ہی میں نے رضی سلام کیا اور جلد بائیں کو کمر آزمائی توغ ضرور تھی میں چلتے وقت اس کو ایک بار نظر دور گود میں لے کر چھپا کر رکھا۔ اور وہ اس امید پر میرے پیچھے چند قدم دور ہو گئی۔ مگر تب اس کو لید میں خیال آ گیا کہ اس سے زیادہ پیار کے قابل اس کی ماکو تھی + بعض دفعہ دو تین کا بج سے سیدھا اپنی کوہستانی قلمرو میں چلا جاتا تھا۔ او جیک کا تو غروب نہ ہو جاتا تھوٹے کا نام نہ لیتا۔ غلطی سے روناؤں کی تبدیلی ہو جاتی تھی اس روز میرا دماغ لڑکی کے پاس چلا گیا تھا اور اس کا میرے پاس آ گیا تھا۔ ایک خوبصورت زمانہ بیٹھی رہا تھا۔ جس کے ایک کونہ میں "سنگھٹا آؤکے" رجب کے لٹھی دھاگے سے کڑا تھا۔ اگر سنگھٹا اس لڑکی کا تھا تو وہ مال کا استعدا خوبصورت ہو گا کوئی تعجب نیز بات تھی۔ اس کے بعد مجھے یہ فیصلہ کرنے میں بڑی دقت پیش آئی کہ آیا وہ مال داپس کر دینا یا اسے دونوں اہم دل کے توغافل پر اتفاق سے کر رہے تھے۔ اور مگر تمیر سنجیدگی سے اس کے خلاف رائے دے رہا تھا لیکن جس سستی کے متعلق یہ بھی یقین سے نہیں کر سکتا تھا کہ آیا اسی فانی دنیا کی رہنے والی تھی یا کوئی سماوی مخلوق تھی۔ اس کی تلاش میرے لئے ناممکن تھی۔ "کیا آپ روز سیر کو اس طرف آتے ہیں؟" اس سوال سے یہ نتیجہ نکال کر کہ اس نے بھی کبھی اس طرف آ نکلتا ہے میرا ہی کام ہو سکے۔ اسی قیاس کی بنا پر میں وقت اس کے وہ مال کو لید میں رکھنا تھا۔ معلوم کب ملاقات ہو جائے +

جود تھا۔ رات کو سنینا جانے کا پروگرام تھا جب میرے سوہو نہ آیا تو میں تنہا ہی چلے یا۔ میں اسی بچہ بھڑاؤ کی جگہ بھی تنہائی حاصل کرنے سے باز نہیں رہتا۔ بدوڑ میں ذرا کم آ جی تھے۔ میں نے ایک کمر جس کے باؤ دار ناگیں سنبلی کی جنتی ہوئی سنبلی سے بھی زیادہ لرزاں تھیں گھسٹ لی اور علیحدہ جاکر چھپ گیا۔ انار کی کاغذ تھا مضافات تماشہ کے قریب جب اکبر نے اس نادر عاشق کو دھار میں چنوا دیا تو باوجود دیکھے اچھی طرح علم تھا کہ یہ تماشہ ہے غفقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مگر غریب غفقت +

نہیں دیکھنے والوں کے دہرے پھوڑ سکھاتا۔ اپنے سچمیں کو خاموش کر سکتا تھا۔ میرے قابو میں صرف یہ تھا کہ فوراً تباہ سے چل دوں۔ میں خوب سمجھ رہا تھا کہ وہ لوگ ہمارے ہی متعلق کا نا پھوڑ کر رہے ہیں۔ اور میں اس امر سے بھی بے خبر نہ تھا کہ ایسے مواقع پر بصیرت و درستی میرے اس کی نہیں رہتی۔ ذرا استعمال انسان تھا۔ اس کے علاوہ ایک عورت کی افانٹ کی تاب نہ لانا میرے لئے قطعی ناممکن تھا۔ چنانچہ میں پھر اسی سرد مہرے برسر و مہرے توڑ۔ کچھ غیر شرعیانہ طریقہ پر کادب کر کے رخصت ہوا۔ شکر تھا کہ جواب میں پہلے وقت صرف امداد کر دیا۔ ایک یہ غم میرے لئے تھا کہ اسی سبب ہمارے (رواں) کو اپنے سے جدا کر دیا۔ کیا اس پر افسوس کے دور آسویں نہ نکلے؟ "میسٹر میوں تک پہنچے پہنچے" وہ میری دوسری کوشش تھی جو میں نے اپنی کمزوری پر غالب آکر اسی جگہ گھڑی ہوئی ششما کو دیکھنے میں صرف کی تھی۔

شکر تھا میرے تخیل کی تاملی۔ میں اس کے آگے سپر انداز چوکا تھا۔ مجھے اعتراف کرنے میں قطعی تذبذب نہیں کرو۔ میرے خوابوں کی تعبیر اور بیاداری میں ہمہ وقت پیش نظر رہنے والی تصویر تھی۔ لیکن میں نے یہ معلوم کر لینی مطلق کوشش نہیں کی کہ میرے اس کیفیت کا جو مشغلہ ہے مجھ پر طاری کر رہا تھا اور جس کو میں محبت کے ہم معنی خیال کرنے میں مطلق غلطی نہیں کر رہا تھا دوسرا پہلا بھی روشن ہے یا نہیں۔ ہمہ اوقات میرے سینہ میں یہ آرزو موجزن تھی کہ میری روح کے تمام دلفریب نقوش جن کے مجموعہ کا نام ہی شکر تھا میرے ہر سے سامنے رہیں۔ یہ "خطر عشق" کا اتفاق تھا۔ دن بھنے اور بیٹھے گزر رہے تھے۔ لہذا میں اس کو ہستمانی نصاب میں اعلان کرنا پھر تھا کہ میں گم ہو گیا ہوں۔ مجھے کوئی تلاش کرے ایسے ہی شخص کو لوگ غلطی سے جنوں کہنے لگتے ہیں۔ اس کا مجاہدہ انداز جنوں اور اس کی سرگزشت میں تاثرات عقل انسان کے حرکات سے تعبیر کی جاتی ہیں۔ باج میکرو وکٹر کے ان افلاس کے قابل ہیں "اگر عشق صلاقی اور بے لوث محبت حاصل ہو جائے تو عاشق کی خدا کی مقابل میں دنیاوی آلام سپر انداز ہو جاتے ہیں" ہر شے مجھے اپنے وجود میں اپنی سی خاص کیفیت میں میرے جذبات کی رہیں کرتی نظر آتی تھی۔ میں ہر دلکش جنس کو دیکھ کر فریب کھا جاتا تھا کہ اس میں شکر تھا کا عکس بغایت موجز ہے اور پھر اپنے اس

کی جانب پلٹتا تھا۔ مگر صرف یوں ہونے کے لئے۔

پروہ فیر گوش تھا تو ایک ہر دھوا آوی۔ مگر بعض اوقات اس کی فہمی زوڑ

آج چوکیا سچمیں حقیقت عریان کے رنگ میں دیکھ رہی تھیں۔ آنر فیلڈ ذکر کا جذبہ قوسے نکل آئے جن کو میں نے بلا کسی خاص خیال کے شکر تھا کے رونا لیں میں جذب کر لیا۔

مجمع کم ہو جانے کے منتظر میں بیٹھا ہوا میں سگریٹ کا دھواں اڑانے لگا۔ حرام نصیب! مارکلی کی محبت کا سستی خیر انجام سہما غلم سے متعلق ہو کر میری سلع و مانع پر آ کر آیا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ انارکلی دیوار میں جواڑی جا رہی تھی۔ اور آفری اینٹ رکھ دی جانے کے بعد وہ اس شخص کو دنیا کی مہم جو میں سانس لینے کو نہ دے رہے والی تھی۔ میں چونک پڑا کسی نے مشرطاً توں کہنے ہوئے میرے شانہ پر ہاتھ رکھا۔ اگلے ذہنی نقوش اکھوٹا کے سامنے سے تا مثر میں بہت گئے تھے۔ میں نے سمجھنا سا ہو کر اپنے شہ دو انسانی قد دیکھے پھر آواکسی "ہیں! آپ تو ہر کو ایسے حیران حیران دیکھ رہے ہیں۔ گویا بالکل پہلی بار ملاقات ہوئی ہے۔ یہ نفور بہت صاف و سلیس انگیزی میں ادا کیا گیا تھا۔ میں نے فوراً اپنے سینہ منجم سے صدمت کرتے ہوئے کہا "صاف دیکھئے۔ میرے خیالات معلوم کہاں تھے" اس کے بعد میں دوسری عورت کے سامنے ان الفاظ سے پیش کر گیا۔ "یہ میں وہ مہراں جنوں نے اس روز میری کنیا کو از سر نو زندگی بخشی" جب میں نے دیکھا کہ گذشتہ ملاقات کے واقعات پر کشیدہ نہیں رکھے جا رہے ہیں۔ تو رونا لیں کرنے کا موقع میں نے یہ نصیحت جانا۔ "یہ آپ کا رونا لیں غلطی سے تبدیل ہو گیا تھا۔" حاضر ہے۔ اور مجھے افسوس ہے کہ میں اس کو پوری غفلت کے ساتھ واپس نہیں کر رہا ہوں۔ اس میں میرے دو عقیر آنسوؤں کی پوندیں جذب ہیں۔ "روکی کے چہرے سے پہلے استعجاب اور بعد کو ایک پرتو نارشان استعجاب نمودار ہوئی اور اس نے سہارے ہوئے کہا "رونا لیں کی واپسی اگر بھول جاتی ہوں مرام کی ادالگی سے آپ کے نزدیک اس قدر قریبی تعلق رکھتی ہے۔ تو لایئے میں اس کو سامنے دو۔ یہ خطرات انٹیک کے شکر ہے کے ساتھ واپس لیتی ہوں" "مگر میں۔" تم نے کیسے یقین کر لیا کہ وہ "قطرات انٹیک" ہی ہیں۔ یہ ایک نہ بہ شوق کے ساتھ اس کی کہانی کے منہ سے الفاظ نکلے۔ فقرہ جربستہ تھا۔ میرے جی میں بھی آ کر دل کھول کر تھک گیا ہوں۔ مگر شکر تھا کہ جو خوبی اس شخص پر اپنی تنیدگی کو غالب کرنے میں بار بار کام ہوئی جا رہی تھی بات کا پہلو ہلنے ہوئے تھا۔ "اے تو تائیے آنسوؤں نے اس وقت آپ کے ساتھ کس معاملہ میں انہما ہر دی کیا تھا؟" ہم پر چند لوگوں کی نظریں پڑ رہی تھیں

ترجمانی کرتا ہے؟ اس ذہنی گفتگو کو خدا جانے وہ بھی یا نہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔

میں نہ اتر ہوں +

بہنے اور بہنے لگنے سے جا رہے تھے۔ اور میں اپنے جذبات کی کشتکش میں
اُسی درجہ جھلکا تھا۔ شکستہ کا قیام ایک لمحہ میں ہوا تھا۔ اس کی یاد کی کاوشوں
اور یہ کہ آرزوؤں کو فرو کرنا میرے امکان سے باہر تھا۔ چند روز بعد ہی میں اپنے
لئے ایک اسی کیفیت — ایک ایسے وقت کی پیش بینی کرنے لگا جو مجھ کو
دنیا و انہما سے بے خبر کر دینے والا تھا +

ایک اور پروفیسر گھومش سے معلوم ہوا کہ وہ ہفتہ عشرہ کے لئے نکلتے جا
رہے ہیں۔ میں نے وجہ دریافت کی۔ آہ! کاش میں معلوم کرنے کی کوشش
نہ کرتا۔ شکستہ بھی ان کے ہمراہ جا رہی تھی۔ کسی خوش فہم کے
قبضہ میں دائمی طور پر دی جانے کے لئے۔ اس صدمہ کے جاں کشا اند میری
روح کو گھٹا دینے کا کافی تھے۔ میں کے چلے جانے کے بعد میں عرصہ تک اپنی حالت
کا صحیح اندازہ کرنے سے قاصر رہا۔ قرن و دلال کی میرے لئے اٹھنا ہو چکی تھی۔ اس
گوہر گم گشتہ کے لئے ممبران قلمی ماکن نفوذ آ رہا تھا۔ لیکن اور چارہ نہ تھا۔ عکس
ہے غم و آلام اپنی ممبران امتحان کے ساتھ انسانی دلوں میں منتقل ہونے کے لئے
کے عادی نہیں ہیں۔ خارجی موشرات ان کے شدا کو ہلکا کیسے بہتے ہیں۔ ورنہ
انسان کے لئے زندہ رہنا ہال ہو جائے +

ایک سال بعد شکستہ کے خوش نصیب شوہر سے میری بھی ملاقات ہوئی۔
شکستہ اس کے ساتھ کلکتہ سے نہیں آئی تھی۔ پروفیسر صاحب نے ہماری تقریب
کرائی۔ میں اپنے جذبات صبا و اسحاق سے مطلوب ہو کر اس شخص میں اس غیر
کو کاشش کرنے لگا جس کے ذریعہ مجھ پر مابقت کر کے شکستہ پر قابض ہو گیا
تھا۔ میں رشک کے جذبات اور کینہ کی باطنی تحریکات کو فیل کرتا ہوا اس خاصہ
لہار سے شکر ہے۔ اپنے رقیب کی پیروی میں زیادہ دن تک مجھے روحانی
اذیت نہیں اٹھانا پڑی۔ وہ چلا گیا +

۱ ممبر کا تقرر کرنے کے بعد طمانیت و تسکین جن کا بحال مجھ پر آجودہا
یقینی بات ہے۔ مجھے وہاں بندھنا ہے۔ اور میں نے کچھ مرد ہوا اپنے
اندرونی قوت پیدا کر لی کہ اپنے انجام مقدر پر صرف ایک پردہ و آہ کھینچ کر خاموش
ہو جایا کرتا تھا +

شکستہ کا شوہر بھی دنیا میں بالکل بے ہودہ و کا شخص تھا۔ خدا جانے کن
وراثی سے وہ لکھنے پچھو پر مشروری پس کر رہا تھا۔ انھیں تا ستر ستر دکھ ملتی اس

بنادیا۔ مجھے یاد آ رہی میں نے جواب دیا "جی ہاں میں ہوں" +

شکستہ یہ کہ ستر شب میں نے آپ کو خواب میں دیکھا تھا۔ گویا آپ
ہمارے مکان میں آئے ہیں۔ آخر آپ کس کس طرح آ گئے؟ اور —
اس کو میرے اس طرح آجانے پر یقیناً تعجب ہو رہا ہے۔ آخر میں نے اس
کی رنج حیرت کے لئے کہا "میں بائش میں بھیگ گیا ہوں۔ پروفیسر صاحب
میرے غناوت فرما میں کالج سے اس طرف اپنے ہمراہیئے آئے +

شکستہ "ابھا تو آپ ان کے کوئی شاگرد ہیں؟ واقعی آپ تو تمام تر رہ
رہے ہیں۔ پھر بیٹے میں کپڑے منگوائی ہوں" +

میں "تجلیت نہ کیجئے۔ پروفیسر صاحب کے کپڑے میرے جسم کے لئے
بیکار ہیں۔ شاگرد فوراً لینے چلی گئی۔ میرا ہاں مایا نکل رہا تھا۔ فیض کو کوٹ کی
وجہ سے محفوظ تھی۔ مانگوں میں خارش ہو کر مرنے والے نشانہات ہو گئے تھے
دو منٹ بعد ایک لڑکا سفید فیض و صوفی کے لئے کرایا جس کا طول و عرض ایک
مول القامت اور فیض اقامت دونوں کی ستر پوشی کر سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے
مجھے اس صحیح استعمال آتا تھا۔ ورنہ تہہ کی طرح پیش پڑتا بعد میں ہمد
شکستہ نے مجھے دعوتی میں آدیکھا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ کے
آئنا رہنا ہی تھے۔ اس تبدیلی اس پر حرارت افزا لہجہ میں ہوتی آپ دعوتی
ہی استعمال کیا کیئے۔ غاص سے چھتری مندم دیتے ہو +

میں "اگر اس کو استعمال کرنے کے بعد اپنی تعریف آپ کے یوں سے
سننے کو میں آئندہ آپ کو کہاں سے مانو گے؟ ایک جہد تھا کہ لہار وہ میری
زبان سے نکل گیا۔ اور جس کے اثرات کا رنج کو دینا میرے امکان میں نہ تھا۔
چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ میں نے کھڑکی میں سے دیکھا کہ بانی قلم تھا۔
اپنے نیلے کوٹ کو ہٹاتے ہوئے اٹھ کھڑا اور بہت پزیری سے بولا "آپ کا
اور پروفیسر صاحب کا میں بعد مضمون ہو گیا۔ آپ ان کی مساجد ہی ہیں؟"

شکستہ "جی —"

میں نے چلنے کے لئے ہفت موڑی قودہ پھرنی :-
"آپ کا نام کا لون ہی ہے نا؟"

میں (مسکراتے ہوئے) یہ میرے ہوال کی مشہرت معلوم ہوتی ہے۔ اگر میرا نام
یہی ہے تو آپ اس میں — میرا مقصد ہے اس کے اگلے روز میں ایک
عجیب بات دیکھنی گی۔ ان کو جس طرف سے لوٹ کر آدیکھے "آہ" یا "ہا" ایک
غم کی آواز دہرا ہوئے۔ میں نہیں رہی۔ میں سمجھتا ہوں وہ میرے جذبات کی کچھ کچھ

وقت اس کے حصہ میں آئی ہوئی تھی •

مکان تک پہنچ گیا۔ ایک بڑے سے پھاہک کے سامنے گاڑی جا کر رکھی۔ اور
 بن ایک دس محلی جس کو صرف ایک لائٹیں روشن کر رہی تھی۔ ٹے کو کے
 اندر پہنچا۔ سیریلوں پر سے جوئی پر آگے میں قدم رکھا تو میں نے سفید ساڑی
 میں کسی عورت کو آہستہ آہستہ اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا۔ اس کی رفتار
 سے ایک افسردگی سی عیاں تھی۔ قریب پہنچ کر میں نے بے اختیار نگاہ اٹھا لی۔ کون
 شکنتلا؟ اس نے میرے ہاتھ سے سوٹ گیس لینے کی کوشش کی، مگر میں
 نے لاپرواہی سے اس کا ہاتھ تھام کر دو انگلی کے عالم میں دریافت کیا کہ "میرے
 صاحب کون ہیں؟" اس نے بے پرواہی سے آگے قدم بڑھاتے ہوئے گویا
 میرے الفاظ سننے ہی نہ تھے۔ اور کہیں داخل ہوئی۔ میں ہی پروفیسر صاحب
 کی مزاج پر کسی کے لئے اچھے اپنے لفظوں پر غور کرتا ہوا۔ اس کے ساتھ
 ہی اندر پہنچا۔ مگر وہاں بجز ایک بڑی میز اور چند کرسیوں کے کچھ نہ تھا •

شکنتلا نے کھڑکی کھول دی اور آہستہ سے ایک کرسی میری جانب
 بڑھا دی۔ اس کی ایک ایک حرکت سے انتہائی حزن و ملال عیاں تھا میں
 نے ایک چند جھجکی میں بیٹھ کر کے اس سے "میں کون ہوں پھر دریافت کیا۔
 "بتائے تمہارے والد کہاں ہیں؟" میں نے دیکھا کہ وہ جیسے شکنتلا کے نزدیک
 لب قہارے اور اس نے ایک بہت بڑے پھندے کو حق میں اُتارتے ہوئے
 کہا کہ تم بیٹھ جاؤ اور اُن گریں ایک ایک کرسی کے قریب پہنچا۔ اس نے ہلکے
 اس انماز میں مجھے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ جیسے اصرار سے بہت زیادہ قوت
 موجود تھی۔ میرے بیٹھے ہی وہ عیسیٰ اور میں جرت سے اس کو دروازہ
 میں سے گزرتے ہوئے دیکھنے لگا۔ آخر یہ کیا فی تھی۔ چار طرف بھیا بٹا جی
 میز پر ایک میپ رکھی تھا۔ مگر وہ ایک نفیس فرش بچھا ہوا تھا۔ جس کے
 وسط میں بے پرواہی سے کالین پڑا ہوا تھا۔ میں اپنی حیرت و دلچسپی میں
 مبتلا تھا۔ کہ آہٹ ہوئی اور ایک عورت تعالٰیٰ ہاتھ میں لئے اندر داخل ہوئی۔
 وضع متع سے وہ جگہ کالین میں ملوم دی تھی۔ اس نے میرے ہاتھ دلائے۔
 اور کہا "اسانے لکھا۔ بھوک بھوک تو کھا۔ چند لئے لے اور خان بڑھا دیا۔"

بند رہنٹ اب جب شکنتلا آئی تو وہ اس بار کچھ مطمئن سی نظر آ رہی
 تھی۔ وہ بھی نہیں سیدھی اس کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اور نگاہ پر
 جھانکنے لگی۔ چند منٹ بعد بلا میرے سوال کا انتظار کئے اس طرح بولی گویا
 مجھ سے نہیں ملے گی میں سے کسی سے بات کر رہی تھی۔ آپ پروفیسر صاحب
 کو دریافت کر لے میں یہ وہ روز آپ کو اس وقت اسی روز صلیت کو لے گا •

میں گلاسپہ جذباتِ جنت کے مہجور کو ایک گراف کے ذریعہ ظاہر کروں •
 زیادہ مناسب ہے۔ اگر گلاسپہ مجھے کسی خیال نے استعداد بنا رکھا تھا کہ اپنے ہم
 ماحول سے بغیر غصہ۔ تنہا میں اگر کسی کے بعد فنا ہو جاتی تو میں بھی اپنے
 کو محروم دائمی تصور کرنے لگتا تھا۔ میری آرزو میں مت پکی تھیں۔ یا یوں سمجھا
 چاہئے کہ میں جو راست سے ماپوس ہو کر اُن کے کسبِ صلاب کو قبول کرنے میں
 کامیاب ہو گیا تھا۔ یہی محبت! اس کو اپنے دل سے نکال کر بھیج کر بنا بشوگر
 پس کی بات نہیں •

افلوئز کا استعداد و شور تھا کہ اندک پنہ "و بارہ" اس کا سہاں تھا اور ہا
 تھا جس طرف دیکھو لائیں۔ جاز سے۔ ہر مکان میں نالہ ہو رہا تھا۔ ایک شہر
 میں تھی حکومت ہندوستان پر چھائی ہوئی تھی۔ میں موت سے ڈرتا تھا۔
 بقول حضرت عمرؓ "تقدیر آتی سے تقدیر کی کسی حرف بھانڈی فروی بھانڈی"
 منتر گھومش یا جو میری مزاحمت کے ایک ہنر کے لئے بھگت پلے گئے
 تھے۔ روزانہ کا خیال بد بخت تھا۔ دس روزہ ہو گئے۔ نہ تھی آئی کوئی تار کا۔
 پندرہ روزہ — ایک اہ لڑ گیا اور وہ لاپتہ۔ پرنسپل کے علاوہ اوتھام
 لڑکوں کو سخت تشویش تھی۔ انہوں نے بھی اسی کا پتہ پانہ تھا۔ دندہ جلاجاتا
 کئی روز اس پریشانی میں گزر گئے۔ اس کی وجہ سے مجھے بھی تشویش کا غم مزید
 کرنا پڑا۔ اور حضرت ابو عبیدہ کے اعتقاد کے مطابق اپنے کو تقدیر کی کھینچ
 کر دیا •

کارنگ کی گیلری میں کھڑا تھا کہ راکہ بائیسکل اڑاتے نظر آیا۔ میں نے
 معلوم کس اندرونی تحریک کے ماتحت اس کی جانب اس طرح بڑھا گیا وہ مجھے
 بلا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے ایک لٹاؤ دکھا یا اور کتب الیہ کو دریافت کیا۔
 میرا ہی ہمارا تھا۔ ڈنٹائی سے کو جو پڑھا ہوں تو بس چار لفظ تھے :-
 "فوراً چلے آؤ" شکنتلا

شکنتلا کا نام دیکھ کر اس نے تھکے پر پہنچ جانا اور اشارہ تھا کہ یا پروفیسر صاحب
 سخت بیمار ہیں۔ یا اسے عدم ہوتے۔ خیر میں نے اس کا پتہ نہیں لیں کہ مکان
 کی راہ کی اور سوٹ کس ہتھ لکھ سب سے پہلی ٹرین سے کلکتہ روانہ ہوا۔ تمام سفر
 میں تھکے کے خیالات آتے رہے •

شام کو سات بجے منزل مقصود پہنچ گیا۔ اس غلم الفان سبھی پر بھی اُن
 دنوں وہ خواست برس۔ ہی تھی کہ دل و ہمت تھا۔ میں تلاش کرنا تھا شکنتلا کے

سے کم کرنا چاہا۔ تم اسقدر پریشان کیوں ہوتی ہو شکنتلا! تم دنیا میں ہرگز نہیں بارہ
 دھڑکا نہیں ہو۔ ابھی تمہارے لئے اس پرچہ زمانہ کا متناظر کرنے کے لئے میں زندہ
 ہوں۔ میں۔ میں۔ میں ایک حقیقی بھائی کی طرح تمہاری زندگی کے آئندہ دنوں کا
 شریک رہوں گا۔ تو اس صاف کر ڈالو اور مجھ پر متناظر کرو۔ میں ہوں تمہارا سرپرست
 — تمہارا غمخوار — تمہارا بھائی — اور — مگر دوسرے لمحہ شکنتلا بیٹا
 اپنی اہمائی بے چارگی کے اعتراف کے لئے میرے پیسے سے پٹ گئی۔ اس کی
 گرم گرم تھمر تھمراتی ہوئی! اب میری گردن میں تھیں اور اس نے حقیقتاً اپنے جسم کا
 تمام وزن اپنے ہاتھوں پر لے کر میری گردن پر ڈال دیا۔ اس کے بعد ایک س
 مصیبت زدہ انسان کی طرح جس کو تمام مایوسیوں کے بعد بھی غیر متوقع و غلامش
 کن خیال نے زندہ رہنے کی امید دلادی ہو وہ میرے پیسے پر سر رکھ کر اس قدر
 روٹی اسقدر روٹی کر میری قمیص کے علاوہ بنیان تک تر چوگا۔ اس وقت میری
 کیا کیفیت تھی؟ انفس میں اس کے انہار میں عاجز ہوں۔ وہ دوسری تھی اور سوسے
 جاری تھی۔ میرے خیال میں اس گریہ نگیں کھل کے امداد تمام غم غمخیزا حوات
 کا باعث تھا انفس میں کر تھیں بھا جا رہا تھا۔ بلکہ میں اس سوز کا بھی بہت بڑا زو
 شامل تھا جو ہماری ملاقات اولیں کے۔ دوسرے ہی جانیوں کے دلوں میں پیدا ہو
 گیا تھا۔ اس پر ایک بچہ دی سی غاری تھی۔ او۔ مجھ پر ایک رقت! ایسی رقت جسکے
 تسلسلے اندر موت پھانا لگ رہی ہے۔ وہ میری گردن سے جھول رہی تھی۔
 اور میں اس کا تمام وزن اپنے ہاتھوں پر لے کر اس کو اپنے دل کے بہت
 قریب پہنچ رکھا تھا۔

جب میں بکھرے سے رخصت ہوا تو بالکل ایک جدید انسان تھا۔ میرے
 ساتھ اسباب و آلات تھے۔ مگر مجھے اپنی آرزوؤں کے لئے تمام کام کر دینی پڑی تھی
 نظر آرہی تھی۔ وطن پہنچ کر طبیعت مطلق نہیں لگی۔ انفلونزا ایک انتہائی بینوں کو
 دیران کرنے پر تیار ہوا تھا۔ مجھے بار بار خوف کے ساتھ خیال ہوتا تھا کہ شکنتلا
 ایک ایسے مکان میں تھی جہاں دوسری واقع ہو چکی تھیں۔ تعدیہ عرض کا فطرہ
 اس عرصہ میں لے آئے متعلق بہت سے پریشان خواب بھی دیکھے۔ ایک وحشت
 سی اٹھی اور پھر کلک پہنچا۔ مکان میں داخل ہونے ہی تا ملا نظر آیا۔ دھڑا پھر آدھ
 کھانا میرے پیروں میں آکر ٹپ گئی۔ بس کے کچھ ہی لمحوں میں آئی۔ بے نظیر شکنتلا
 دریافت کیا تو اس نے روتی موت بنا کر کہا کہ گذشتہ ہفتہ وہ انفلونزا کا شکار ہو گئی
 میں یقین نہ کر سکی شہید کشش کے اوجہ نمونہ نہ کر سکا۔ ایک ہفتہ تھوڑے روز میں ہرگز نہ لگنے
 گرنے بے ایسا معلوم ہو کہ شکنتلا میرے لئے لکھی ہوئی سکر رہی ہے۔

میں

اس خبر بد کو سننے کا یقین موجود تھا کہ نہ دلتے رہتے تو میں حیرت و
 انفس سے پیچ اٹھتا۔ تب بھی ایک غم کی آہ کو ضبط نہ کر سکا جس میں شکنتلا نے
 بھی چند فطرت ایک کے ساتھ شرکت کی۔ چند لمحہ بعد اس کی طبیعت ذرا
 ٹھیک تو ہوئی۔ میں اب بالکل — لیکن میں نے کسی خیال کے ساتھ قطع کام
 کرتے ہوئے اس سے اسی اندہ و گہیں بعد میں دیانت کیا۔ اور تمہارے شہر
 کہاں ہیں؟ شکنتلا کے دھڑب چہرے پر جس میں سراسر اندازہ جا بھیت
 کم قنیر پیدا کر سکی تھی۔ ایک دم رنگ سادو لگا اور پھر فوراً ہی سفید ہو گیا۔
 اس نے چند سسکیاں ادا بہت سے غم کے آنسو بہ کر کے لڑکھاتی ہوئی
 آواز میں عجیب اٹکا کیا۔

وہ والد سے جس روز پیشتر انتقال کر گئے؟

”آہ! یہ آہ تھی بلکہ ایک فوری صدر کی چیخ تھی جس کے ساتھ میں
 دو اندازہ کر رہا تھا۔ دوسرے لمحہ بہت سے خوفناک منظر میں اپنی
 آنکھ کے سامنے پارہ تھا۔ کئی شے تک میں جس وحشت کھڑا رہا اور نہ معلوم
 کب تک کھڑا رہا اگر شکنتلا کی سسکیوں کی آواز مجھے نہ چوکا دیتی۔ اس کا
 چہرہ سفید ساڑی کے داہن سے چھپا ہوا تھا اور یہ سرفروخت اس وقت
 ہو گئی کی جسم تصویر نظر آرہی تھی۔ میں چند قدم بڑھا اور سولہ سے اس کے
 شانہ پر ہاتھ رکھا اور بولا ”شکنتلا! کیا تم نہیں جانتیں کہ یہ تمہارے قیمتی آنسو
 ان دونوں عزیز ہستیوں کو پھر زندہ کر دینے سے قاصر ہیں۔ اس غیر متوقع مدد
 کے باعث بیشک یہ اموات بہم ہیں۔ لیکن یاد رکھو اگر تم نے اسقدر پناہ دل نہ دے
 رکھا تو یہ صدر تمہاری بیش بہا زندگی کا بھی خاتمہ کر دے گا۔ غم غمات خویش
 قدر حال گل نہیں ہوتا جب تمہاری ہستیت اس کو اپنے لئے مدح فرما نہایتی بین
 میں جا جاتا ہوں اس وقت تم بھی موت کی شدید آرزو اپنے دل میں محسوس کر رہی
 ہو گی۔ وہ اسقدر جمل نہیں ہے کہ تمہاری ممتا کا ایسے موقع پر غیر متقدم کرے“
 شکنتلا سسکیوں کے بے انتہا طوفان کے دریاں بولی ”آہ! دون! میں دنیا
 میں بالکل بے یار و مددگار رہ گئی۔ مجھ سے آلام نے اسقدر خوفناک انتقام لیا جس
 کے لئے میں بالکل تیار تھی۔ دنیا میں — میرا نہ — کوئی غمخوار نہ رہا — وہ
 بالکل سچ کر رہی تھی۔ ایک میں شفا تھا اور چند لوگ اور تھے۔ مگر اس کی یہ
 نصیب زندگی ایک مخلص قربات دار کی مرتبہ تفسیق کی محتاج تھی۔ انفس میں
 کسی اس قسم کی ذمہ داریہ حیثیت سے اپنے کو پھینک دینے کے قابل نہ تھا۔ تاہم
 میں نے ایک خدا ترین اور مددگار انسان کے مانند اس کے غموں کو ان الفاظ سے

معنی بیگانہ

از حضرت میرزا یحیٰٰ نیکانہ گسنوی

کیوں کسی سے ملکر کرے کوئی دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی
 نہ دوا چاہئے مجھے نہ دعا کاش اپنی دوا کرے کوئی
 ہنس بھی لیتا ہوں اوپری دل سے جی نہ بہلے تو کیا کرے کوئی
 موت بھی آسکی نہ منہ مانگی اور کیا التجا کرے کوئی
 عشق بازی کی انتہا معلوم شوق سے ابتدا کرے کوئی
 کوہکن اور کیا بنا لیتا ! بن کے بگڑے تو کیا کرے کوئی
 درد ہو تو دوا بھی ممکن ہے وہم کی کیا دوا کرے کوئی
 درد دل پھر کہیں نہ کروٹ لے اب نہ چوتھے خدا کرے کوئی
 کون سا دل ہے درد سے خالی کونسے دل میں جا کرے کوئی
 اپنے دل کی ہے روشنی ساری چشمِ بینا تو وا کرے کوئی !
 شمع کیا شمع کا اُجالا کیا ؟ دن چڑھے سامنا کرے کوئی !

غالب اور میرزا یحیٰٰ نیکانہ کا
 آج کیا فیصلہ کرے کوئی ؟

شاعر و تاریکی

اف۔ جناب خان شاعر غزنوی۔ مدیر رسالہ چیلستان۔

سمندر نور سے تھک کر سوا آفتاب اُترا
منافط پہلے لپٹے زرد سی باریک چادر میں
اندھیرے نے چھپالیں روح پروردایاں ساری
سوار آئی جہاں میں دوشِ ظلمت پر سیاہ کاری
جہاں پر اپنے پر پھیلائے ظلمت کے فرشتوں نے
چڑھی رہو تاریکی پہ ہیبت ناک خاموشی
زمین کی سستیں گم ہو گئیں ظلمت کے طوفاں میں
ہوا گم نبرد میں وہ زندگی کا شور باؤ ہو
درندے اپنے مسکن میں پرندے اپنے مامن میں

شفیق کا عارضِ مغرب سے وہ رنگیں نقاب اُترا
چھپے پھر رفتہ رفتہ شام کی باریک چادر میں
ہوئیں بوکوشِ فطرت کی حسین شہزادیاں ساری
بھڑک اُٹھے دلِ شیطان میں جذباتِ گنگاری
سکوتِ شب کی چادر بوڑھی انہی ہشتوں نے
فسوں انگیز خوف آمیز دہشت ناک خاموشی
فلک کی غلطیں گم ہو گئیں ظلمت کے طوفاں میں
جہاں میں چل گیا آخر شبِ تاریک کا جادو
پڑے ہیں دم بخود انسان تاریکی کے دامن میں



مذہبی بن خوف سے گو فطرتِ مجبور کی آنکھیں
اُسے معلوم ہے اچھی طرح فطرت کی مجبوری
وہ تاریکی میں جلوے دیکھتا ہے نورِ قدرت کے
نیچے فکر سے روشن کئے ہے اپنا کاشانہ

گلی میں اب بھی شاعر کے دل پر نور کی آنکھیں
یہ تاریکی ہے اس کے واسطے اک شمع کا فوری
وہ اندھیرے میں نقشے کھینچتا ہے صبحِ عشرت کے
شرابِ آتشیں سے بھر رہا ہے اپنا پیمانہ

وہ مے جلوہ فگن تقدیس کے انوار ہوں جس سے

وہ مے فطرت کے خوابیدہ قوی بیدار ہوں جس سے

شاعر

شیراز

زمرہ تغزل

”سان المندوبلانا عزیز لکھنوی

بکیتی ہے عالم خود غور نشہ بھگا نہ غش
 نہ ہوا تھی نہ مراد نہ عادت تھے وہ تھے
 پائے زنجیر خنک وہ شعلہ فصل بہار
 مندے اس سوز کے جو زبان کی کیا چہ
 کیلئے دالے کی جھلک بھی جو بیت سارا
 شمع گھر سے محفوظ الٹی تا حشر
 لوگ کہتے ہیں کہ نہ ہوتا نہیں باقی

حشر اک حرفِ خدا کی مرے لاف نے کا
 حالِ شب کو نہ کھلا تھیں کچھ جانے کا
 اور نہ دال سے تھکا کسی دیوانے کا
 شعلہ کو گلاب پر ہوا نہ ہے پروانے کا
 دیکھنا منہ مجھے انوار کے ہوا نے کا
 نام روشن ہو اک آجڑے بٹنے تھما نے کا
 رند تھتے ہیں اس چور ہے میٹھا نے کا
 (امضیہ)

سبیل میں سب سے زیادہ مستقل خریدار رکھتا ہے اس لئے ہمیشہ اس میں اشتہار دو

اشاعت ۵۰۰

بابت فروغی پانچ سالہ

نیرنگ خیال عید نمبر

میرد فیروزی ایک روپیہ

سالانہ تین روپیہ چھ آنہ معرکھول ملک فیرتہ شنگل فی چھپہ ہر

نیرنگ خیال عید نمبر کے دیکھپ مضامین

حضرت خواجہ حسن نظامی دظلالی	مولانا حضرت راشد الحیری ایم سر حضرت	مولانا سید نجیب اشرف ندوی ایم - اسے -
انجمنی عزرائیل کے دس ناموں نے (چھٹون وہ ہے)	آمنہ کلال	اشفی کی بوسنت زینجا اور اردو شہ پارے
اورنگ نجیب مالگیر	خان شمیم	عابد اللہ فست
ہمد فیروز شاہر نظامی	از جناب سید حسن برنی بی۔ اسے۔ ایل۔ ایل بی	کی دو لاجواب نظمیں
شاہچان کی رحلت	نقشا ادیب	والنیر (کلیک کا مشہور ناغی)
حضرت ظفر قریشی زادو نامہ شہر کار کا نام روشن	از جناب صوفی صفوۃ اللہ بیگ دہلوی	از جناب ریاض مین صاحب بی۔ اسے
میر جیسے	جناب شہباز سید دلال صاحب باجر	نہم ہی جیسے ہوئے حال پر
راہی پشادی	جناب افتخار ملک صاحب	سنتان عورت کے خطا ہوا جس نے بھی کھیلے
یہ سدا کی ناز	جناب مولانا عبدالباری صاحب آسی	از جناب کوٹھوڑی بن علیخان
تین تیر کی قصو ہے	سید فیروز صاحب نو آراہی	ایک بھویدی سید مدعا
سب بہارک	انجمنی	پوٹو نیرنگ خیال کی تصویر حضرت خواجہ حسن نظامی دظلال
پیرنگ خیال کی تصویر	فاضل مشہور علمی ڈرامہ کا مسل افغان	قصا ویر
حفظہ نظم	نارنگی کی کلیاں	بخت کا پھول رنگیں
جنگ اسلام	از جناب مرزا محمد نظامی اسلام آباد	باغ مددن
از طالب آزادی	ڈراما	دستار کی یاد
سہ نایس بچہ نہ لکھوئی	فروغی کا نامہ	فرشتہ کی آواز نامی پورنگ
عشر ہال بریلوی	اولی مضامین	اطلع فرت نازی اور شاہ صاحب نے جھانکوں کے وفروہیر
نیرنگ	عزیز مد سلطان کلکتہ	اسٹریات

کشمال کی ایک خوبک سے اٹنا فائدہ ہوتا ہے۔ جو دوسری دواؤں سے ایک دو تیس گنی میں ہو سکے۔ خون سے سخت دورہ ہندوئوں

ہست مدد دھڑکھول میں سے جو کھیل شراکھیلے دو گھنٹہ اور دوا ہی کت کا انور لہر ہا میں پر بھیجا ہے خوش کردہ

پتہ :- نیچر کشمال فارمیسی پلا ڈکھ پیر پارک شہر نہ

دیوان صاحب معلوم ہر مئی قیمت تین روپے۔ شہر نما ہا

بزم خیال

از ایڈیٹر

چوری کے مضامین

معزز مہتمم انقلاب نے افکار و حوادث کے کالم میں ایک دلچسپ و اچھا تذکرہ کیا ہے۔ مگر افسانہ والیا جو محزون کی کسی کد شائع ہوا تھا۔ آج سے ستر سال پیشتر جناب پیارے لال شاگر میرٹھی کے کلمے سے شائع ہو چکا ہے۔ اور ان پندرہ سالوں میں سے غفلت کے غلے ہو چکے ہیں۔ معزز مہتمم محنت نے بھی بعض لڑکیوں کی شکایت اپنے رسالہ میں لکھی ہے کہ وہ مطلوبہ مضامین نقل کر کے محنت میں مسجد تہذیب میں سے کچلا نام ہے۔ نیز نگ خیال کو بھی بعض کرم فرماؤں نے خود مشق بنانے کی جو بڑی کٹی تھی چنانچہ اس وقت تک وہ افسانے نیز نگ خیال میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ انہی مصنفین کی وجہ سے اتنا موقع نہیں ملتا کہ ہم تمام رسالہ کا بغور مطالعہ کر سکیں۔ اس لئے ہم آسانی سے ان کا شکا ہو گئے۔ ایسے مضمون جہاں نیز نگ خیال کو تو کیا کریں گے وہ خود اتنے بدنام ہو جائینگے کہ کوئی رسالہ ان کا بچے سے اچھا مضمون بھی شائع کرنے پر تیار نہ ہوگا۔

اسد اللہ | اور پھر یہ بھی غلطی سمجھانے سے بھول گیا۔ یہ نام دراصل اسد اللہ خاں تھا۔ ناظرین درست کریں +

سالنامہ کی تصویر و ادب قلب | سالنامہ نیز نگ خیال میں ایک تصویر شائع ہوئی تھی جس میں مغزانی کے ایک کچھ کے ساتھ ایک سرخ اور ایک سیاہ چہرہ ہے۔ نیچے ایک آٹھ نکلا ہوا کچھ لکھ رہا ہے۔ اس کا مطلب بیشتر ناظرین نہیں سمجھ سکے۔ اس تصویر کا نام وارادت قلب ہے۔ انہیں کدول پر خیالات بالکل مغزانی کی طرح سے واراد ہوتے ہیں۔ اس لئے مصور نے مار کے کچھ پر چٹخیں بنائی ہیں وہ دل سے شابت رکھتی ہیں۔ دل میں بھی دو کیفیتیں ہیں۔

ایک سیاہ ایک سرخ، ایک دوسرے کو نہیں یاد دہانے پر جو صاف ہو کر سرخ ہو جاتا ہے۔ انسان کا چہرہ بھی جو ظاہر سیاہ ہے وہ باطن سرخ اڑ رہا ہے اور وہ تحلیل کی دنیا میں ساتویں آٹھ تک پہنچ جاتا اور خیالات کو کاغذ پر لکھنے کرنا جاتا ہے۔ ہندوستان میں جوںہیں نغموں پر لکھنا وہ بیجا نام و بیجا نام وارادت قلب کے فوائدات دیکھے جاتے ہیں یہ تصویر اس کیفیت کی جہیز منظرہ شاہنامہ اسلام | پنجاب کے فردوسی حضرت ابوالافریختہ جاندھری نے شاہنامہ اسلام لکھ کر پانچ اسلام پر ایک احسان عظیم فرمایا ہے۔ شاہنامہ اسلام کا دوسرا حصہ پتا سے بھی زیادہ مقبول و معروف ہوگا۔ اور پہلک اسے باقوں ہاتھ خرید لی جتہ دویم کی ایک نظم ہم سالنامہ میں شائع کر چکے ہیں، مغزوب اس کے بغیر دلچسپ متن کو بھی ہم مغزوب کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کر گئے۔ ناظرین اس عظیم الشان کام کا اندازہ کر سکیں جسے حضرت ابوالافریختہ کاوش سے سرانجام دے رہے۔

حضرت جغتائی کا دوسرا کا نامہ | مرتع جغتائی دیوانی غالب کی کامیابی اور پہلک کا اسے باقوں ہاتھ خریدنا حضرت جغتائی آرٹ کی کامیابی ہے۔ لکھا ہے پہلک میں حسن ذات پیدا کرنے اور ملک میں اچھی اچھی طبقات شائع کرنے کے لئے میدان بنانے کا بھی +

مرتع جغتائی کی حقیقی قد و منزلت درپہر ہوتی ہے کیونکہ انھوں نے گیتھر مشہور رسائل میں جو آرٹ سے تسخیر رکھے تھے مرتع جغتائی پر پہلے ہاتھ پر یوسف علی مرابی آفندہ اشاعت میں پیش کرینگے مرتع جغتائی کی بہت کم جلدیں باقی رہی ہیں۔ اس لئے ناظرین کو چاہئے کہ یہ کتاب سترہ روپے میں خریدیں کہ کوئی تیرا لاشی شائع نہ ہوگا۔ جس کا مطلب ہے کہ جغتائی کی صاحبزادی کی بیوی تیار کر رہے ہیں۔ اس کے متعلق ہیں اس سے زیادہ کم معلومت حاصل نہیں کہ آپ کی اور اناب مصورہ انعام کر رہے ہیں، جس کی تصاویر پر +

کے فنون طبع کے ماہرین میں نہیں پڑ جائیگی۔ اور جغتائی کو وہ ہیں، الا تو ای شہرت حاصل ہوگی جس کے وہ ہر طرح سے مستحق ہیں۔



عزیزام کی ایک باعی — محبت کا پھول

۲۰۱۵-۱۴۰۵

ہمعصر روزنامہ زمیندار اور نیرنگ خیال کا سہ ماہی نیرنگ خیال پر جو رپورٹ لکھا ہے اس میں اردو کے عروج و ارتقا کے جدید دور کا افتتاح کرنے کا سہ ماہی نیرنگ خیال کے سربراہ صاحبے اور صفا صاحبے کی طرف سے لکھا گیا ہے کہ علم ادب کی اشاعت اردو کی ترقی اور مشرقی آہستہ کی ترویج کے سلسلہ میں نیرنگ خیال کا کافی مثیل نظر نہیں آتا۔ اس مفید کتب خانہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔

» نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان میں اردو کے عروج و ارتقاء کے جدید دور کا افتتاح کرنے والوں میں حکیم ابوسعف حسن اودان کے رسالہ نیرنگ خیال کا نام اہم ترین ہے۔ جروت میں لکھا جاتا ہے: نیرنگ خیال نے نئی زندگی کے سات سال کی تخلیق مدت میں علم و ادب کی اشاعت، اردو کی ترقی، اور وسطی اثرات کی ترویج کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی ہیں ان میں اس کا کوئی شبہ نہیں ہے۔ مگر کے شیخ صحافت المظفل کے مدیر الحکم کے باوجود عربی صحافت کے جدید دور کا افتتاح کرنے والے اگلی تہذیب و فکر، لغوبہ صدف نے لکھا تھا: حکیم ابوسعف حسن اودان کی نام ترویج کا افتتاح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ رسائل اپنے میں نوع اور رنگینی پیدا کریں۔ اور عوام کے ساتھ تمام کی دیکھی کو بھی ملو دیکھیں۔ جو حضرات نیرنگ خیال کا اقتباس مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ وہ اس امر میں یقیناً ہمارے ہم خیال ہوں گے کہ حکیم ابوسعف حسن نے بھی ہمیشہ اسی نظریہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور نیرنگ خیال کو پورے دیکھوں کا مرتب بننا ایک بہت بڑے طبقہ کو ادبیات کے مطالعہ کی جاہل نگاہ دی ہے۔ اور اگر میں ایسی تضاد پیدا کر دی ہے جس میں اب اردو کے ہر ادیب رسالہ کی بنیادیں کا اسکاں پیدا ہو گیا ہے۔

اور جو کہ رسالیں میں خاص بہرہوں اور سالانہ نامہ کی اشاعت کی بہت جاری کر سنے کا سہرا بھی ملے کہ پوسٹ حسن کی جسے سرب سے اور واقعہ جسے اس میں دانا میں بھی نیرنگ خیال کا ایک کوئی مقابلہ نہیں کر سکا اور کوئی مقابلہ کر سکتے تو گویا خود نیرنگ خیال کا ہر خاص و غیر خاص پچھلے فیروں پر فائق ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حسن نامہ ۱۹۳۱ء میں اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ پچھلے سال ناموں سے ہجرات میں برصا ہوا ہے اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اسے یورپ کے کسی بہتر سے بہتر امر کے مقابلہ میں فروغ و فوٹو کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔ درود چٹیل تعادیر پر مشہور ترین ارباب قلم کے افسانے۔ ڈراما، نغمیں، غزلیں، راجیات، بیسویں علمی ادبی مینا خانہ، ارجو، اگر لوپ میں شاعری جو مافوق اس کی قیمت پانچ سو روپے سے کم نہیں ہوتی۔ مگر جیت سے کہ مکمل صاحب ہر سال نامہ صرف ڈیڑھ دو تو صرف اس کا پانچ نامہ اور صبح سے زیادہ جیسے دو صرف نہ مانا نہیں بھی رازاں ہے جو مکمل صاحب کو ان کی قیغ سے تیر اور قارئین زندہ دار سے سفارش کر سکتے ہیں کہ وہ علم و ادب کی ہرگز تقدیر انجمن یا دیگر اعداد کی داد دیں۔ سالانہ ۱۹۳۱ء کی قیمت پڑ ہے۔ اور منجور صاحب سالہ

کا خاتمہ سمجھنا چاہئے اور صرف نیرنگ خیال کے ناظرین

۱۰۔ کامیاب شدہ کہ نمبر ہے اس لئے اس میں

آپ اس مجموعہ کو پسند فرماتے

ذات الصاومين

جنگ نامہ اسلام

فتح قسطنطنیہ

آمد آمد محمد

(دفعہ نیرنگ خیال میں ایک کتاب جنگ نامہ اسلام کے نام سے زیر ترتیب ہے جس میں دینا سے اسلام کا شعور ترین لڑائیاں غلام کی صورت میں شائع کی جائیں گی۔ فتح قسطنطنیہ کی شعور ترین جنگ کو حضرت طالب الہ آبادی نے نکلوا ہے ہنایا ہے جس کا ایک حقیر مدبر کی زینت ہے۔ جنگ نامہ اسلام مغرب شائع کیا جائے جو امید ہو کہ ملک میں بعد مقبول ہوگا
ایڈیٹر]

آج پھر سینہ قلم جنگ پر آمادہ ہے	روحش دامن مقل ورق سادہ ہے
ساقیا آج زرا بھر کے چھکا دے ہم کو	جوش جہزت سے ہیں مدہوش پلا دے ہم کو
میکدہ میں ہے بہت زور سے اک ستانا	جام ملگرائیں تو شمشیر کا ہو جھٹاٹا
تو دہ گرد بنے منزل قسطنطنیہ	غیرت برق تپاں ہو دل قسطنطنیہ
ہر ورق مہر کہ رزم کی تصویر بنے	ہر سطر جنگ کی چلتی ہوئی شمشیر بنے
آج پھر فوج ہے سلطان محمد کی رواں	بادہ جوش سے سرشار ہے ایک ایک جواں
گوںج جاتے ہیں جو بگیہ کے نعرے پیہم	ڈر سے ہو جاتا ہے شیرازہ لگیتی برہم
افسر فوج جو پیغم ہے وہ ہے ابن مراد	اسی رستم کے تو پہلوں میں ہے قلب فولاد
سر پہ لہراتے ہیں رہ کے ہلالی جھنڈے	اوج اسلام دکھاتے ہیں جلالی جھنڈے
بید لرزاں ہے آؤھر پیکر قسطنطنیہ	شیر قاتلین ہے مگر قیصر قسطنطنیہ
بانی شہر کی اولاد میں ہے سیر زخم	ڈر سے سلطان محمد کے مگر ہوش ہیں گم
آمد آمد کا جو شہرہ ہے تو گھبراتا ہے	سن کے اخبار وہ بے موت مرا جاتا ہے
حال سلطان کا سن سن کے لرز جاتا ہے	شکل مخمسہ نظر آتی ہے تو تھراتا ہے

ایک خبر نے ابھی آکے سنائی ہے جسے
یوں تو فوج ان کی نہیں باد صبا آتی ہے
دعیاں لشکر دشمن کی ہوا دیتے ہیں
یہ خبریں کے ڈراخوف سے تھرانے لگا
عصر کے بعد ہی وہ برج پہ اکر بیٹھا
منتظر آید سلطان محمد کا تھا
چرخ پہ جب شفق شام کی چادر پھیلی
سرخ آمد سی سی کھی تھی گرد نہ تھا
نوکس نیزوں کی جو رہ کے چمکاتی تھیں
جلوے اپنے جو دکھاتے تھے ہلا لی پٹے
رفتہ رفتہ جو قریب آکے پھٹی وہ آمد سی
اسلے جسم پہ ہر باز ٹرپ جاتے تھے
لہریں لیتا ہوا لشکر تھا کہ بڑھتا آیا
تو بچانے جو دکھائی دیا ہزاروں میں
جب قریب آکے ہلال اور تارے چمکے
سبز علموں کے ہلالوں سے ملیں گانیں
متصل آکے جوانوں نے علم گاڑ دینے

روز بڑھتے ہی چلے آتے ہیں ہزار ادھر
ٹوک دیتے ہیں جو شیروں کو قضا آتی ہے
صفت شکن اینٹ سے بس اینٹ بجا دیتے ہیں
صورت آفنی پر بیچ وہ مل کھانے لگا
تھے سبھی ساتھ اعزاز نقا اور دوزرا
موت تھی دوزخ خون گھاٹا جانا تھا
آفنی مشرق پہ گنگوڑ گھنسی چھائی
دھندلا دھندلا کسی مثل کا کھینا تھا نقش
آنکھیں ہر صاحب مردم کی جھپکاتی تھیں
دل دشمن کو سلنے تھے خیالی پٹے
سرخ بجلی کی لہجہ ہوں میں گھٹا کو نہ گئی
سپر مہر کو بے ساختہ تر پاتے تھے
یا انشدنا ہوا فولاد کا ور یا آیا
ایک لرزہ سا بڑا شہر کی دیواروں میں
برق خاٹف کے نظر سوز شراے چمکے
آخر بخت بھی کانپے جو جنینیں کانپیں
آج تک رہ گئے قائم وہ قدم گاڑ دیئے

محاصرہ اور نماز

عیسوی چودہ سو تریں تھی کہ سلطان بچے
مورچے بیٹھ گئے فہر کے در بند ہوئے
عصر کا وقت تھا جب حصر کا آفساز ہوا
آئی اپریل کی چھتیس کہ آفت آئی
نیچے گھاڑے گئے ہزاروں کہیں کہیں
قلب میں شاہ کا بیچو بگڑا بدر مثال
اپنے بستر سے سحر ہوئے ہی ہزار آئے

دین اسلام کے پر جوش گھمبیاں بچے
جنگ سے پہلے ہی نام و لفظ بند ہوئے
ستعد جنگ پہ ہر سلم جانباز ہوا
گھر گئے رومی بد بخت قیامت آئی
جھوم کشیروں نے تلوائیں نبھالیں تو لیں
جاں نثاروں کی بڑیں راڈیاں شکل ہلال
یا علی کہتے ہوئے ٹیک کے تلوار اٹھے

اردی و درسی صوف
موجود علامہ محمد

اسی زنجیر کے حلقے میں تھا کل بند درگاہ
بحر سے ترکوں کے حلے کی دھبی کوئی بسیل
گردیواروں کے تھیں خندقیں سوٹ گری
بندشوں سے نہ ہوا کچھ بھی خطر سلطان کو
نعرے بکیر کے ہونے لگے میدان میں بلند
سر بکھ مرنے پر ہر مسلہ جانب از ہوا
پہلے دن آگئے خندق میں اتر کر رومی
خود بخود آگئے وہ کچھ کے فضا کے تند میں
چھوٹ سکتا ہے بھلا صید شنگھ سے کہا
تیر مسلہ کے نہ چلتے تھے فضا چلتی تھی
صاف دے عیب تھی ترکوں کی فدا نرازی
جب یہ حالت تھی تو دشمن کے قدم کیا رکھتے
فوج اسلام ادھر جوش میں آکر جھومی ہا
پھر تو خندق میں قیامت کی ہوئی اک بل چل
ہر نصیب ساریہ کو بھی اپنے سرو جاتا تھا
بھاگے جاتے تھے عجائبان سے مشاق سوار
ذبیحان کیسے چیتے تھے اور سمجھتے تھے لگام
پس کے برباد ہونے سیکڑوں ٹکڑا کے مرے
بھاگے میں وہ پابھی تھے غیب کے ہر شیا
دم لیا شہر کی دیوار کے پیچھے جب کر
افسروں پر تو پیادوں نے کیا گل پاشی
جم کے حلے کئے ترکوں نے کئی بار ادھر
گویاں کھاتے تھے مسلم بھی ادھر نہیں ہکر
جو شجہ جرات میں وہ جانا باز رہے جاتے تھے
نہر کا وقت جب آیا تو نسا زنی پٹے

کثرت ایسی تھی کہ اسس بار نہ جاتی تھی بھاہ
دھری دیواریں تھیں خشکی میں ادھر چھ پھیل
جیسے دل جہم میں مٹھنا تھے ایسے شہری
حق سے ہاتھ آیا تھا رستم کا جگر سلھاں کو
سینے منقل ہوئے دُرسے دل دشمن تھے پسند
تیر چلنے لگے اور جنگ کو آغ از ہوا
اختر بخت نے دکھائی سدا سر شومی
دین گوریں تھے اور بلا کے تندہ میں
خاک کے جاتے ہیں ہرن شیر کے پنجے سے کہا
یا کر لکتی ہوئی سادوں کی گٹھ چلتی تھی
جیسے پتے جھڑپوں ہوں ہوتی تھی سدا نرازی
موت کے سامنے باقی رستم کیا رکھتے
تیجھے بیٹھے لگے اس سمت داک کر رومی
بھاگنے والوں میں بڑھ بڑھ کر تھا پیل بسیل
باپ بیٹے کو آجائے میں نہ پہچانتا تھا
آن کا منہ غرب کو تھا شرق کو روئے ہوار
سو جتا ہی نہ تھا وحشت میں کچھ آغ از انجام
جوش جشت میں غرض ٹھوکریں کھا کھا کے مرے
گرتے پڑتے ہوئے بنتے ہی گئے وہ جہنم
بڑھ گیا جوش شجاعت پس پردہ آکر
ایک کو ایک نے بڑھ بڑھ کے دیا شا باشی
پس دیوار جو تھے من پہ ہوا کچھ نہ اثر
پتھر آتے تھے تو کر دیتے تھے سینے کو سپر
موت کے تندہ پر سرفراز چڑھے جاتے تھے
سن کے آواز اناں کمیت سے غازی پٹے

علم سبز کے جس وقت پھر پرے کھولے
ہاتھ منہ دھونے لگے لوگ نہ مرنے لگے
خوش گلو چند دوزن جو چڑھے ٹیلوں پر
ان کی تکبیر کے نعروں سے بیا باں گونجنے
جب اذان ختم ہوئی ہو گئے غازی کیا
دور سے آئے آئے وہ رات کے جاگے ہوئے
اپنی تحقیق بتاتی ہے کہ تھے ساٹھ ہزار
منقسم ہو گئے اب ساٹھ صغویں دیندار
شان اسلام و اخوت کی نظر آنے لگی
تھے کھڑے پہلوئے حاکم میں برابر محکوم
شیخ اسلام کے جانا زودہ پروانے تھے
جلوہ افشانی اخلاص تھی با حسن و جمال
"ایک ہی صفت میں کھڑے ہو گئے محمود و لیا ز
میں کہاں اور کہاں آنکی نمازوں کی ثنا
صاف تھی ان کی جو قرأت نور ان تھی تیل
یہ قدم وہ ہیں جہاں کیمت میں پڑ جاتے ہیں
سر رہے دوش پہ یاقن سے آئے وقت حال
ہے جہیں خاک پہ اس وقت تو دینداروں کی

صاف ظاہر ہوا اوس نے شہر تو لے
رنگ تصویر عبادت میں جری بھرنے لگے
بلبل قدس چکنے لگے گلہ ستوں پر
صوفیہ بے لگا شیریں ستاں گونجنے
بس امام آگے تھا اور سب جمع نمازی کیا
ابھی پیچھے ہیں لڑائی میں سب آگے ہوئے
پر کئی لاکھ پہ بھاری تھے وہ نجات جزار
ایک اک صفت میں کھڑے ہو گئے ایک ایک
عرش تک ملت بیضا کی ضیاء ملنے لگی
نہ تو خادم تھا کوئی اور نہ کوئی مخدوم
کیوں نہ ہو ایک ہی تسبیح کے سب نے تھے
جاہ اسلام ہو یا تھا بقول اقبال
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
"سمع اللہ وہ کہتے تھے خدا سنا تھا
بے ریا انکی دعائیں تھیں تو عاقل تحسین
مثیل دیوا پر سکندر وہیں گڑ جاتے ہیں
پانوں ایک رنج سرگ جائیں نہیں ہر یہ جمال
سجدے کرتے ہیں بھی چھانوں میں تلواروں کی

اسف از جنگ

تھی بس اک نام کی سلطان کی بکری وقت
موقع موقع سے رسد ان سے پہنچ سکتی تھی
بیڑا قیصر کا قوی اور مرتب تھا تمام
بحر اسود سے جو آتا تھا تجارت کا ہزار
سانے بیڑے کے فولا کی تھی اک زنجیر

رسد ی اور ندی کشیدیوں کی تھی کثرت
وقت پڑنے پہ مدوان سے پہنچ سکتی تھی
جتنا ہو سکتا تھا موجود تھا حساب استحکام
اپنے بیڑے میں ملا لیتا تھا وہ جیلہ ساز
جو کہ تھی سد سکندر کی بعینہ تصویر

ہجرت

کئے کا آقا، کئے کا والی، کئے سے جانے والا ہے
ابر سیاہ رنج و الم پھر کئے پہ چھانے والا ہے
نادان بھی ہیں، جاہل بھی ہیں، فاسق بھی ہیں، ظالم بھی
کٹ نہ مر میں یہ سارے قبیلے کون بچانے والا ہے
کئے کی گلیوں کے یہ مسافر، پوچھنے کس سے راہ کہہ رہے
تو ہی تو بھولے بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانے والا ہے
دکھ ہوگا تو کس سے کہیں گے دکھ کی کہانی کون سنے گا
تو ہی اکیلا اس بستی میں رنج بٹانے والا ہے
دنیا بھر کو آج مدینے رشک نہ ہو کیونکہ تجھ پر
وہ جو دنیا بھر کے لئے ہے تجھ میں آنے والا ہے

عابد اللہ افستر

(خاص)

برق اور تاریکی

چمک اے برق ہاں اک بار پھر تو با دم تازہ
بھپک سے تیری تاریکی کا ہو جاتا ہے اندازہ
منظر پر ہو گئیں قصر الم کی ظلماتیں روشن
خوشی کی اک جھلک کے واسطے کھلتے ہی دروازہ

عابد اللہ افستر

(خاص)

رُبَاعِیَاتِ آسِی

از حضرت مولانا عبدالہاری صاحب آسِی

گو شوق نے کر دیا ہے حالت کو تباہ
پھر بھی وہ کمر باندھے ہم مشت گیاہ
دیدار کی اُمید ساجِ اُوروں کو ہے
کافی ہے ہمارے واسطے ایک نگاہ

سماں طرب فزا جیتا کر کے
دنیا سے صفائے دل کا دعوا کر کے
وحدت کو بنالیا ہے کثرت ہم نے
آئینہ میں اپنے عکس پیدا کر کے

پھر چاکِ دلِ عزیزین کو سینا نہ پڑے
پھر خونِ جگر کسی کو پینا نہ پڑے
اُس حشر کی جستجو ہے مجھ کو آسِی
مرنے والوں کو جس میں جینا نہ پڑے

بیکار ہے وہمِ قربِ ساحل کا سرور
بیکار ہے عالمِ مسرت کا ظہور
دریائے بلا میں جوشِ طوفاں نہ سہی
یہ دل ہے اگر تو ناؤ ڈوبے گی ضرور

پھیلا ہوا سوزِ اکِ ترانے کا ہے
دیکھا ہوا بابِ اکِ فسانے کا ہے
اے اہلِ زمیں فلکِ فلک کو نہ کہو
اُلٹا ہوا اکِ ورقِ زمانے کا ہے

مستی ہو شباب ہو تو سب کچھ ہے وہی
مطرب ہو رباب ہو تو سب کچھ ہے وہی
یہ کچھ بھی نہ ہوا اگر نیستِ آسِی
ساقی ہو شراب ہو تو سب کچھ ہے وہی

غالب کا غیر مطبوعہ کلام

مرید حضرت آجی

غزل

نہ پوچھ حال اس انداز سے عتاب کے ساتھ
 لبوں پہ جان بھی آجائے گی جواب کے ساتھ
 ”مجھے بھی تاکہ تم سے ہو نہ مایوسی ✓
 بلور قیب سے لیکن ذرا حجاب کے ساتھ“

نہ ہو ہسرزہ روادار سخی بیہودہ
 کہ دور عیش ہے مانا خیال و خواب کے ساتھ
 بہر منط غسیم دل باعث مسرت ہے
 نمونے حسرت دل ہے ترے شباب کے ساتھ

لگاؤ اس کا ہے باعث قیام ہستی کا
 ہوا کو لاگ بھی ہے اک مگر حجاب کے ساتھ
 ہزار حیف کہ اتنا نہیں کوئی غائب
 جو جلتے کو ملا دیوے آکے خواب کے ساتھ

(خاص)

چاندنی رات

حامد الہ افتر کی ایک نظم

چاندنی افسردہ بھی ہے زرد بھی
دل کی دھڑکن گویا دل کو چھوڑ کر
کچھ پریشانی ہے ایسی ماہ میں
چاندنی میں کوئی کئے بیتاب ہے
چاند ہے اشکوں سے منہ دھوئے ہوئے
یسکوں ہے آج کچھ آشفستہ حال
خاشی جو ہر ہمتاب ہے
چاندنی کا حسن اس کے دم سے ہے

افتر

(خاص)

نذر عقیدت

محمد علی کی یاد میں

اے کہ تو تھا چین آئے وطن جہاں وطن
اے محمد علی اے شمع شبستان وطن
اے کشمیر وطن اے روح وطن بان وطن
قوم کے واسطے کی جان بھی کسہاں تو نے
رہبر کامل اے بیجا مہر حریت
کوئی ثانی نہیں تدبیر سیاست میں ترا
کون وطن آج ہلا دنیا سے

تیرے ہی دم سے تھا سرسبز گلستان وطن
آٹھ گئی ساتھ تیرے رونق ایوان وطن
ذات سے تیری تھے وابستہ صد ارمان وطن
ہو گیا آج سے تو فخر شہیدان وطن
تیری تعلیم کا ہر نکتہ ہے ایمان وطن
کون تھا تجھ سے جو بڑھ کر تھا نگہبان وطن
مکڑے ٹکڑے نذر آسمان سے گر یہاں وطن

دین و ملت کے فدائی اے خوش انجام جات
موت ہے تیری ترے واسطے پیغام جات

سید شبیر احمد فتح آبادی

(خاص)

نشاطِ عید

اثر: جناب قنظر صدیقی اکبر آبادی - مدرسہ اکرہ

ہر روز نئی کشید ہوتی ہی ہی ۱) روز اک بطے شہید ہوتی ہی ہی
ہر جام ہلال عید بنتا ہی رہا روزوں میں بھی اپنی عید ہوتی ہی ہی

— (۲) —

قسمت سے نصیب دید ہو جاتی ہے سرسبز مری امید ہو جاتی ہے
تم جانتے ہو آتے ہیں محرم گھر میں تم آتے ہو میری عید ہو جاتی ہے

— (۳) —

تم آگئے اب کوئی طرب ہو کہ نہ ہو ظاہر کوئی عشرت کا سبب ہو کہ نہ ہو
رویت ہے ہلال کی جمال روشن ہو جائیگی عید چاند اب ہو کہ نہ ہو

— (۴) —

اک سال ہوا شراب ڈھالی نہ گئی بھولے سے بھی ہونٹھ تک پیالی نہ گئی
تشریف وہ لائے ان کو تکلیف ہوئی میں خوش ہوں کہ میری عید خالی نہ گئی

— (۵) —

جو ذریعہ التفاتِ جاناں نہ ہوا وہ شخص کبھی فائزِ اراں نہ ہوا
وہ خاکِ حقیقتِ وفا کبھی گماں جو عید کے دن بھی تجھ پر بال نہ ہوا

— (۶) —

روزے پہنچے رسید آئی ساقی پیسا نہ بکت امید آئی ساقی
میخانے کے در کھول دے پی - اور پلا بیسہ کہ مع عید آئی ساقی

منظر

(خاص)

تبسم حمید

ماه نور فلک نمایان شد
دوره ذره ز نور رخشان شد
گوشه گوش جلیل تابان شد
سینه صیقل شده ز تاب جمال
گوشه قلب زار تابان شد
قطره طهره منور زان شد
چپه چپه جنین زرافشان شد
ظلمت قلب نور عفاف شد

(۲)

غنچه صبح عید خندان شد
گل امید می چکد غنچه
بهر موج کاکل سنبل
بر جبین سیمین سپهر رخ
موج صد چرخ و تاب فرماید
ماه در آب عکس می ریزد
مبلبله نغمه سرانند چون
بونه گل عطر پاش شد یکسر
آفتاب طرب طلوع شده
عشرت عید در جهان آمد
صائم کشنده لب چنین سیراب
هر لب مسلم جهان شیرین
طفل شوخ و اشریری قصد
نوع و سن حسین بهار فرود
صد جوانان به قفسه ریزند
یک گروه طرب بعد عشرت
کز هر نقش پا یکدختر
که زلفان نضا تبسم خیزد
چون جوانان قدم مست زدند
رنج پوشاک به گوناگون
شود و غوغا چنین بلند شده
این جاکه که بلبل مندی
پیش سحر گل مبارک باد
بلبل روح نغمه افشان شد
چون نسیم سحر فراوان شد
عکس شبنم ز ناز قصاں شد
تاب ماه طرب فروزان شد
یا نمش ناز عشق بچایان شد
تیغ در دست ناز لرزان شد
که بنگار شگوفه قصاں شد
که مشام شمیم بیزان شد
دوره ذره سرور افشان شد
برگ نخل مراد قصاں شد
که لبش آبگون چو ان شد
عید شیرین که شکرستان شد
چو شش عشرت قلب بچاں شد
لب لعلش تبسم افشان شد
چو شش خنده به عام اوزان شد
سوسن مسجد چنین نغمه امان شد
که غبار ریش گشتان شد
که زبیران جهان رخشان شد
ذره گرد راه رقصاں شد
حسن قوس و قزح نمایان شد
شود محشر تحب افشان شد
با سرت چنین غوغاں شد
نغمه صبح عید خندان شد

بلقیس جمال
بریلوی

(خام)

”صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ“

(از جناب الامام محمد صاحب قیس)

اے کہ ترا وجود ہے وجہ قرارِ دو جہاں اے کہ تری نموش ہے لطفِ خدا ئے لامکاں
اے ترے درود پر عہدہ گزرا آسماں اے کہ ترا درود ہے درِ دُعاں انس و جہاں
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

تیرے ہی دم قدم سے ہے زینتِ بزمِ کائنات کون و مکاں ہے نور سے آئینہ تہلیات
دہریں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات بھیج رہا خدا بھی ہے تجھ پہ درود اور صلوات
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

آنکھ میں تیری مستتر شانِ جلالِ عز و جل رُخ پہ ترے ضیا فگن نورِ جمالِ لم یزل
فرق پہ تیرے جلوہ ریزا فسرِ خاتمِ رسل قلب میں تیرے موجدِ جنِ کبرِ فضیلتِ عمل
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

جلوہ فگن خدا کا نور تیری جبینِ ناز پر جھک گئے جسکے روبرو دیکھ کے کافروں کے سر
تو ہی خدا کا آخری دہریں ہے پیامبر تیرا عمل خدا کا حکم تیرا وطن خدا کا گھر
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

آج ہمارے حال پر لطف کی اک منظر بھی ہو یعنی یہی شبِ الم پیشِ روحِ سر بھی ہو
تیرا غلامِ نعمتِ خاص سے بہرہ ور بھی ہو حلقہِ بخششِ مصطفیٰ حایلِ مال و زر بھی ہو
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

امرِ چند قیس

تیرا ہی آسرا ہے

اے رہنمائے اعظم سنبھلے عظم
سب کے دلوں کے محسوس تو خوب جانتا ہے
تیرا ہی آسرا ہے

ہے پاسبان دشمن ہے ہر مہربان دشمن
سارا جہان دشمن دل تجھ کو ڈھونڈتا ہے
تیرا ہی آسرا ہے

اوبار سے بچالے افکار سے چھڑالے
اے دو جہان والے تو جان مڈھا ہے
تیرا ہی آسرا ہے

آفات اور بلائیں ڈرے کہ کھانا جائیں
دکھنا کبے سنائیں دل تجھ کو ڈھونڈتا ہے
تیرا ہی آسرا ہے!

شیام سند لال باصر

رباعیات

مٹا ہی نہیں قسار تو بہ توبہ اے ہستی مستعار تو بہ توبہ
گرداب بلا ہے اور کشتی اپنی اے رحمت کردگار تو بہ توبہ

چشم ترا شکب نول نہ روتی یارب دل کی کیمیت میں غم نہ روتی یارب
کیون نہ آرام سے گذرتی اپنی تیری رحمت جو ساتھ روتی یارب

ہمدرد دل زار کماں سے لاؤں ہر دکھ کا خیرہ ارکماں سے لاؤں
ہو نیکو تیری بزم میں لاکھوں ہیں ہر میں اپنا طر فدا رکماں سے لاؤں

خوں ہو گیا دل صفتی میں بولتے بولتے ہم تھک گئے غم سینے میں بولتے بولتے
کرب تو کرم اپنے گلا پر یارب تقدیر بھی تنگ آگئی سوتے سوتے

افتخار ملک

خاص

رسالہ ادبی دنیا کی ترقی و ترقی

از احمد حسین

اخلاص، سرعت اور تقویٰ سبھی اور قوت مروجہ کی ادبیات کا ذکر جو تیسرے۔ پہلے سال میں تقریباً نو سو ہزار روپے خسارہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ اور اب جنوری نمبر میں ہونا تھا حال و حال کے نیرنگ خیال کہتے ہیں کہ سال ادبی دنیا موجودہ صورت میں یا سونے پر ہمارا خسارہ آٹھ لاکھ ہے۔ یا سونے روپے ہمارا خسارہ موجودہ صورت کی قیمت خاص طور پر توبہ دلائے والا ہے جس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ یعنی سونے میں سے ۶۰ روپے ایک مضمین کو لکھا دینا مجموعی سمیت یا پھر روپے چندہ بڑھالیا اور ایک مضمین کی نصف کے برابر کی کر کے ۲۰ روپے کر کے اور مشتتات چھاپنے کے باوجود خسارہ ابھی باقی ہے۔ انٹ پانک بنا کر کرے اور رسالہ ادبی دنیا کو قائم و برقرار رکھے پھر ہزار روپے سالانہ خسارہ موجودہ صورت میں ہی پیشکش سے خالی نہیں ہیں چاہتا ہوں کہ رسالہ ادبی دنیا بیش از حد نہ رہے۔ اس لئے میرا رسالہ ادبی دنیا کو تباہ نہ ہوں کہ وہ مجھ پر غریب آئی اور کی پیدا کر میں جس سے یا پھر جو روپے ہمارا خسارہ آٹھ لاکھ تا پڑے اور سالانہ بیش از حد نہ لے دینا ہے اور اب کی ابھی بڑی خدمت بجالاتا ہے میرا رسالہ ادبی دنیا میری اس خدمت پر بہت ناک کیوں چڑھائیں گے۔ لیکن انہیں ایک تو اپنے بلند ہانگ دعاوی پر غور کرنا چاہئے اور دوسرے مارکٹ میں رسالہ کا جو شہرہ چور ہے اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ مجھے ایک عزیز نے ابھی ابھی اطلاع دی ہے کہ پشاور کا مشہور رسالہ ادیب پورے ایک سال کے بعد بند ہو گیا جو صوبہ سرحد کے صدر مقام سے ایک ادبی رسالہ جاری جو ناکسود و قوت افزا تھا۔ ادیب کتنا اچھا شائع ہو رہا تھا۔ اس کے اعلانات کی کثرت، اخبارات میں پورے گنڈا ہار پاراضاں نمبروں کی اشاعت، سب کچھ ہونہار بردا کے چکنے پکنے بات کے ساتھ ساتھ عظیم انظر الہو انگریزی کو نافذ کرنے والے تھے۔ لیکن جو قدم انہوں نے نعلت میں اٹھا اور مارکٹ میں داخل ہوتے ہی مقابلہ کی ٹھانی اس سے جو ناکسود و قوت افزا تھا نہ ہوا۔ کہ آج ہم ادیب ادیب کی رونق سے خالی ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں اس سے بہتر تھا کہ وہ اپنے اخراجات اس حد تک کم کر دیتے جس سے رسالہ نیرنگ خیال انٹرنیشنل ملے اور رسالہ کے اوپر ذکر و مبالغہ مانے سبق حاصل کرنا چاہئے جو ۵ سال سے چل رہا ہے۔ اور نہ وہ اپنے عقائد میں اردو کی خدمت کر رہے۔ اگر وہ مطلقاً

اگرچہ نیرنگ خیال اور ادبی دنیا میں باہم کسی قسم کی جھڑپ نظر نہیں آتی۔ اس لئے یہ امید رکھنا کہ ایڈیٹر صاحب نیرنگ خیال اس مضمون کو شائع فرمائیں گے ایک امید موجود ہے لیکن اس اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ اردو کی ترقی اور اردو رسائل کے بقا اور قیام کے لئے اگر اس قسم کا مضمون لکھا جائے جس سے ایسے حقائق کا انکشاف ہو جس سے مدیران رسائل کو کھانا نہ پہنچے تو ایڈیٹر صاحب نیرنگ خیال سطور ذیل کو شائع کرنے میں کسی قسم کی غرائی محسوس نہیں کریں گے۔

میں ادبی دنیا کا بطور مطالعہ کرنے والا ہوں۔ اس کے پہلے نمبر سے لیکر ایک لکے تک ہم بطور مطالعہ کر چکے ہیں۔ اور مجھے نہایت انصاف کے ساتھ اعلان کرنا چاہتا ہے کہ رسالہ ادبی دنیا ترقی و ترقی محسوس کر رہا ہے۔

سب سے اول ادبی دنیا کے پہلے نمبر میں جس پالیسی کا اعلان کیا گیا تھا وہ ایک ادبی رسالہ کے لئے کسی حالت میں بھی موزوں قرار نہیں دی جاسکتی۔ ایک ہندو ہندو سکر اور ایک مسلمان مسلمان، راجہ علم ادب کی خدمت بھی کر سکتا ہے اور داور وطن کی خدمت بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اس قسم کا وہ خط رسالہ میں کرنا جس سے مذہب یکتندی بنیشت میں رہ جائے مذہب پرست ہندوستانیوں کو اپیل نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ فرنگ شال کر کے جوڑی پلیدی کی گئی تھی وہ بھی میرے خیال میں ایک بے معنی حرکت تھی جو خدا کا شکر ہے کہ ادبی دنیا نے اب چھوڑ دی ہے۔ لیکن ادبی دنیا کا انقلابی پروگرام اور اس کے بلند ہانگ دعاوی نقش و نقوش پر ثابت ہو رہے ہیں۔ سال سو سال کی تعلیل مدت میں چندہ کا تین روپیہ بارہ آنے سے بڑھا کر مجموعی سمیت پانچ کر دینا اور مضامین کے ایک سو صفحات کا لکھنا لے لکھنا ۶۰ تک لے آنا۔ رسالہ کی ترقی و ترقی محسوس کو نافذ کرنا ہے۔ چندہ بڑھانے کے ساتھ ضرورت تھی کہ رسالہ کے حجم اور ذخیرہ ہری ٹیپ مپ میں اضافہ ہو جائے لیکن ہر اس کے مناسبتاً صرف ۵۰ صفحات میں۔ جو ان کی صورت میں بھی گوارا نہیں کیا جاتا۔ کاغذ چھپنے ۲۴ پونڈ کا ہوتا تھا اب صرف ۲۰ پونڈ دیکھا ہو ٹائٹل اور تھمب ویر کا غرضی نسبتاً بلکا معلوم ہوتا ہے۔ پہلے سال ایک آنے کے ٹکٹ میں ۲۰ تھا۔ اب صرف دو پیسے کے ٹکٹ میں موصول ہوتا ہے۔ پہلے اشتراکات کے خلاف نوٹ لکھے جاتے تھے۔ اب ایسے اشتراکات منع کئے جاتے ہیں جن میں جبران

اسی جنوری نمبر میں ادبی دنیا کی غموں کے متعلق اشعار ہو سکتے۔

”خفا خفا ہو کر ادبی مجلسوں میں ایک اچھے شاعر کی میثت سے، روشناس رہ چکے ہیں۔ لیکن ادبی دنیا کا فخر جس جاہ و حلال سے اس میدان میں اُترا ہے اُسکے طور و کیفیت حریفانِ فن میں کھلبلی مچا رہی ہے۔ فخر جس ہندی پرکھڑا ہو کر انظومِ اہام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے کچ تو یہ ہے کہ جوشِ ملیح آبادی کی نگاہیں بھی وہاں کھلبلی پکڑ گئیں۔ یہ ہے ادبی دنیا کی تخیلیاں اور دوست و احباب کے برا بھلا کا ڈھنگ۔ فخر واقعی ایک اچھا شاعر ہے لیکن وہ ادبی دنیا کی اس چوٹی پر جسے ہمالیہ کی سونے اور ست سے بھی زیادہ ایندھن ہونے کا فخر حاصل ہے اور جہاں سے وہ دور سری دنیا تک اپنا اہام لے کر نکلتا بھیج سکتا ہے۔ کسے راجہ دھیمی ملک میں آنا مشہور ہر دعوتِ بھٹوں کو ہوا سے حضرت جوش ملیح آبادی ہیں۔ فخر کے کام سے حریفانِ فن میں نہ اسی کھلبلی مچے ہے نہ ان کے جاہ و ہلال کا تذکرہ ہے۔ انشور ختم کرے۔ فخر صاحب کو سو کر کے لے لے ایسے ہی ہونے کی خبر پہنچی کہ انہیں جواب دہی دنیا کو توجہ دلاتے ہیں (۱) وہ ادبی دنیا کے لطافتات کی تلی کی اور کر جس سے پانچویں نے ہمارے گوشہ ہاں کی ذریعہ غور کر کے کہتے ۲۵ کی درجہ میں ۳۰ سال حال میں ہندو ملک دعوتی اور اعلیٰ درجہ کی پرکھ کر کے ۳۰ سال کی دنیا کی ۲۵ سال کے تراجم نہ شایع کیے جائیں کیوں کہ اس پر زیادہ سے بھی چیز رنگ حال میں ہیں کی۔ ادبی دنیا کی سوسالہ زندگی کی حقیقت اگر انہیں نیرنگ خیال معلوم کرنا چاہیں تو اس شعر میں ملاحظہ فرمائیں۔

خشتِ اول چوں نہ دستار کرکے تاثیرِ مایِ دود دیوار کچ

احتمال

کے قریب بھی ہو سکتا تو یقیناً اپنی تعداد ان ذکر کرتا۔ ادبی دنیا کے شعلہ جو کچھ بھی میں نے لکھا ہے ملحق سے نہیں لکھا۔ بلکہ میرا مقصد و مبادی صرف یہ ہے کہ کتب موجودہ موجودت میں بھی پانچ سو روپے ہوا اور ان کے نقصان ہر دہائی کے فوسا کو پکارا اور مضبوط بنانے کے لئے اس کے اشراجات میں اتنی کمی اور کثرت کی چاہیے جس سے یہ غلوں نقصان باقی نہ رہے۔ ادبی دنیا کی ایک بات مجھے ہمیشہ ناگوار گذرتی ہے وہ حال و حال میں اسکا ایسے چیز ہیں۔ اپنی خدمات کا ذکر کرتا ہے جو حقیقت سے کوسوں دور ہوتی ہیں۔ میرے خیال میں اس رابوش کو بھی ترک کر دینا چاہئے تو رسالہ کی تذکرہ منزلت اور وقار میں اتنا نہ سیکرے میرے سامنے اس وقت جوں کا رسالہ ہے جس میں اہم ترین صاحب فرماتے ہیں۔ ”ادبی دنیا کے ادب سے عریانی کیا سوزی اور بے باکی سے کلیتہً پاک و بیگناہ“ انہیں انمول عزت و امتیاز اور انسانیت آموز ہوتے ہیں۔ ان الزامات اسکا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی ادبی دنیا سب سے پہلا رسالہ ہے جس نے حسن و عشق کے عریاں انسانوں کے محتالہ میں ہندیا یا اخلاقی انسانوں کو عالمِ ہندوستان کو ذوقِ عام کی اصلاح کی جڑ ڈالتی ہے۔ یہ دعویٰ اور اس حقیقت کے باوجود ان دھڑلے سے لکھ دیا گیا ہے کہ ادبی رہنمائی، کتب فروش اور ان کے فرائض کے خلاف ان خیالات میں زیرِ تامل پنجاب اور ٹیبلٹ میں کتب فروش کو جو دلائل پوچھ چکی ہے۔ اور ہندوستان کے سرے بڑے دل الزام سے ادیب حضرت خواجہ رحمت علیؒ نے مظلوم ادبی جبر سال ادبی دنیا کے معاون خصوصی میں کی اسے بھی چھپ چکی ہے کہ افغانہ زیرِ بحث واقعی تباہ اعتراف تھا۔ حال و حال کے زیرِ عنوان اس قسم کے مقال کے ساتھ حال واقعی کو بھی ملاحظہ کر لیا چاہتا تھا زیادہ بہتر ہوتا۔

جنت کے خطوط

مرنے والی کیفیت اور نیت کی نگہداشت پڑھ لیجئے یہ خطوط یہ خطوط انسان کو نیکی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ خطوط طوطی کھائے ہوئے دلوں کا علاج ہیں۔ اس کے علاوہ انسان کو مرنے سے خوف سے اطمینان دلانے کے لئے ایک بہترین مجموعہ ہیں قیمت ۸۔

تذکرہ اولیائے ہند

اس کتاب میں ہندوستان ہجرت کے اولیاء اللہ کے سوانح حیات تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ اس میں قریباً تین سو اولیاء اللہ کا ذکر ہے جبکہ کثمت و کرامات و درو وظائف اور احکام و فضائل وغیرہ سب کچھ درج ہے۔ کتاب مجلد ہے۔ قیمت چار روپیہ (دلہا)

مضامین پطرس

قیمت دو روپیہ (۵) علاوہ محصول ڈاک نیرنگ خیال بک ڈپو سے طلب فرمائیے۔ آج ہی آرڈر دیجئے گا۔

انتخاب و دھنچ

مشہور ظلیف اخبار کے مزاحیہ مضامین قیمت عیر حکیم محمد یوسف حسن بہتر دارالتجارب کی تصنیف ”فن کشتہ سازی“ قابل سے قابل خط بھی صحیح طور پر کشتہ سازی فن سیکھ سکتا ہے۔ کتاب کا نام صفت اکبر ہے۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت دو روپیہ (۵) رعایتی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (۸) محمولہ ڈاک علاوہ

پتہ: میجر رسالہ نیرنگ خیال بک ڈپو لاہور

پطرس کے مضامین

{ پطرس کے مضامین مصنف نے سائیس - بخاری بی اے - (کینیڈا) ایم اے - گورنمنٹ کالج لاہور }
{ ملبورہ دارالانشاعت پنجاب - ر - حجم ۱۵۵ صفحات - سائیز ۱۱x۱۷ - قیمت (دو روپیہ دس) }

ان میں کوئی مرکزی خیال کوئی تنظیم ملکر کسی قسم کی ہم آہنگی نہیں ہوتی
پطرس کے مضامین میں (اچھے سے اچھا - اور برے سے برا) اور
خوبی ہونہ موہم آہنگی جو آرٹ کی جان ہے - ضرور ہوتی ہے - ایک
ماہر موسیقی دال کی طرح وہ ادھر اُدھر بیٹھے لگا کر اصل رنگ کی
طرف لوٹ آتا ہے - سرحد سے باہر نہیں جاتا

ان مضامین میں ایک خاص بات یہ ہے کہ لکھنے والا اوروں پر
ہنسنے کی بجائے اپنے اوپر ہنستا ہے - یہ الگ بات ہے کہ اس کا میں "اس
روح انسانی کا ترجمان ہے - جو جن تو نئے فرقے سے نا آشنا ہے -
اس لئے جہاں کہیں وہ اپنے سے گزر کر آپ پر چوٹ کرتا ہے تو آپ
اس طرح ہنستے ہیں - بلکہ سکرانے ہیں" - کیونکہ پطرس کے مضامین عقیدہ
کی بے ہنگامی کے حریف نہیں - جس طرح آپ "میں" پر ہنستے ہیں
دیباچہ ہی کو لیجئے گو مختصر سی چیز ہے گویا بی جگہ پر کھل ہے
فرتا ہے :-

"اگر یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت بھیجی ہے تو مجھ برا حسان کہتا ہے
اگر آپ نے کہیں سے جرائی ہے (گو یا آپ جو رہیں - مگر گھبراہٹ
نہیں تلافی ہوئی جاتی ہے) تو میں آپ کے ذوق کی داد دیتا ہوں
اپنے پیسوں سے خریدی ہے تو مجھے آپ سے ہمدردی ہے - (لو
برابر ہو گئی - اپنے آپ کو کمی دھریا) اب بہتر یہی ہے کہ آپ
اس کتاب کو اچھا سمجھ کر اپنی حاکم کو حق بجانب ثابت کریں - جو
صاحب اس کتاب کو کسی غیر ملکی زبان میں ترجمہ کرنا چاہیں (وہ
مصنف سے نہیں بلکہ اس ملک کے لوگوں سے اجازت
حاصل کر لیں)"

کہ وہ اس مصیبت غلطی کو اپنے سر لیتا چاہتے ہیں - یا
نہیں !

کتاب زیر تبصرہ حضرت پطرس کی دس بارہ سال کی کوششوں کا
نتیجہ ہے - اس میں وہ مضامین بھی ہیں - جو مصنف نے طالب علمی کے زمانے
میں لکھے - وہ بھی ہیں جو پروفیسری میں لکھے گئے - وہ بھی ہیں - جو کنوینشن
دوران میں سرزد ہوئے - اور وہ بھی ہیں جو شادی کی حالت میں لکھے گئے
اگر پطرس کو کوئی شکسیر ہی انداز کا نفاذ میسر آیا تو کچھ عجیب نہیں -
کہ وہ "سویرے جو کل آنکھ کھیر رہی تھی" (طالب علمی) میں ایک مینا ہوں
(شادی) "انجام بخیر" (پروفیسری) "میل اور میں" (ولایت رنگی)
وغیرہ مضامین سے مصنف کے صحیح سوانح حیات مرتب کرنے میں کامیاب
ہو جائے - (صحیح سے تاریخی صحت نہیں بلکہ نفسیاتی صداقت مقصود ہے)
خدا کرے کہ ایک ایسا نفاذ جلد تیار ہو جائے - ورنہ مجبوراً میں تیار کرنا پڑیگا
مگر یہ تو محض مزاح تھا - اور نتیجہ تھا - اس اثر کا جو ہم پر کتاب زیر تبصرہ
کے مطالعہ سے ہوا - (محلول سے علت کا اندازہ کیجئے) حقیقت یہ
ہے - کہ یہ کتاب ایک نہایت ہی ذکی - اعلیٰ تعلیم یافتہ اور راسخ
ادب کی عمر کے بہترین حصہ کی تراوش ذہنی کا مجموعہ ہے - اردو میں
اس قسم کی کتابوں کا فقدان ضرب المثل ہے - اور یہ کتاب ایسی ہے
کہ اس کی مطالعہ کی بنا پر ہم بحال طور پر دوسری زبانوں سے عمدہ برآ
ہو سکتے ہیں -

مزاحیہ مضامین لکھنا کوئی ہنسی کھیل نہیں - ہنسا آسان ہے - ہنسانا
خون جگر روتا ہے - انگریزی کے ایک مشہور ادیب کا مقرر ہے (جو خود
اقتصادیات کا ماہر اور ظریفانہ مضامین لکھنے میں یرغلے لکھتا ہے)
کہ ایک ظریفانہ مضمون لکھنے میں جتنی شکلات پیش آتی ہیں - وہ اقتصادیات
ایک کتاب لکھنے میں پیش نہیں آتیں اور پھر پطرس کی قسم کی ظرافت!
ہمارے بہت سے مزاح نگار محض فقرہ بازی پر اکتفا
کرتے ہیں - ادھر ادھر کی باتوں کو بیوند لگا کر مضمون تیار کر لیتے ہیں

گدگدی اور ظرافت میں کیا فرق ہے ؟ اور پطرس کیونکر ہر دوی
نقائی وغیرہ سے یہ کیفیت پیدا کرتا ہے ۔ اس کے لئے غریب
درکار ہے ۔
حالت یہ ہے کہ عید نمبر تیار ہو چکا ہے ۔ کاتب رورہ ہے
اور ہم قلم ہاتھ میں بلکہ منہ میں لئے بیٹھے ہیں :
ادارت

ہم نے خطروں و سدائے کی جبار میں آپ کو سمجھانے کے لئے سیر
لکھیں ۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ آپ ہم سے بہتر سمجھ سکتے ہیں ۔ ان کا
مقصد محض مصنف کو جڑا کرنا ہے ۔ اسے اس جڑا کی جزا مل جائے
جو وہ انسانی فطرت پر اس لئے ور دی سے عمل میں لاتا ہے ۔ باقی
رہی یہ بحث کہ سنہی پسید اس طرح ہوتی ہے ۔ اور

انتخاب اودھ پنچ
مشہور ظریف اخبار کے مزاحیہ
مضامین کا مجموعہ
قیمت عہر علاوہ محصول لاک

مضامین پطرس
مزاحیہ مضامین کا لاجواب موقع
قیمت عہر - علاوہ محصول لاک

شہریریوی
قیمت عہر محصول لاک معات
۹۲ صفحات مجلد

المشہر شہریریوی بک ڈپو شاہی محلہ لاہور

دولت غزنویہ بالتصویر { مدارس میں اچکل تاریخ ہند کے متعلق جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ۔ ان میں شاہن تہیم کے متعلق سوائے جگہوں اور لڑائیوں کے
متعلق نندھمیاں ہی زیادہ ہیں ۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی کے متعلق سبھی بہت سے ایسے واقعات تاریخوں میں ہیں جن کی کوئی نیا نہیں ۔ حال ہی میں کتب خانہ
دارالادب (بھائی دودھنہ لاہور) نے دولت غزنویہ کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں سلطان محمود اور اس کے جانشینوں کے متعلق متعلق صحیح تاریخی واقعات
جمع کئے گئے ہیں اور جا بجا مستند تاریخی حوالات سے غلط واقعات کی تردید کی گئی ہے ۔ اور دکھا دیا گیا ہے کہ سلطان محمود کے حلوں کے باب کیا تھے اور ان کے
کیا کیا نتائج پیدا ہوئے ۔ اس سلسلہ میں خاندان غزنویہ کے بھی کئی تاریخی واقعات جمع ہو گئے ہیں ۔ اور کتابت و طباعت عمدہ ہے ۔ سلطان محمود کی سہ رنگی اور سیرکاریاں
کی دور نگاہی تصاویر کے علاوہ موضوعات کا مختصر غزنی کی مہم اور سونات کی تصاویر بھی شامل کتاب میں ۔ سرورق نہایت خوبصورت ہے جس پر ہر ایک نقشہ دیا گیا ہے جس پر وہ
تہم مقامات دکھائے گئے ہیں جہاں کتاب میں ذکر کیا ہے ۔ یہ ضخامت چار سو صفحات قیمت چار علاوہ محصول لاک ۔ ہتم کھانا اندرون بھائی دودھنہ لاہور سے طلب کریں ۔

سوزن کاری

سوزن کاری زمانہ دستکاری کا ایک اہم صنعتی حصہ ہے جس کی جاننے والی خواتین اپنے گھر کے سامانوں کو خوبصورت اور دیدہ زیب بنا سکتی ہیں ۔ اس موقع میں
سوئی دھاگے سے کپڑوں پر کاڑھنے کے وسیع وسیع ہیں جو بڑے اچھا کج اوقات غولے دے گئے ہیں ۔ کران کی وجہ سے کتاب بھائی دودھنہ لاہور سے
حروف تہجی بھی لکھ دیئے گئے ہیں جن کے خاکوں پر سوزن کاری کر کے اپنا نام یا کوئی اور عبارت لکھی ۔ مستقیم قیمت ۱۲
سے تا ہزار ۔ بھائی دودھنہ لاہور ۔ کو جسے کائنات انزل ۔ رنگ مل ۔ لاہور

آمنہ کالال

انمولانا حضرت راشد الخیری ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ

زمین و زمان تجھ پر قربان ہو ملائک سے ارفع تری شان جو
تو دنیا کا بے مثل انسان ہو خدا تیرا حافظ و نگہبان ہو
خدا تجھ پر ہاں جلد آج جلد آ

حیات انسان کی تاریخ ان واقعات سے محروم نہیں۔ جب قدرت کے
زبردست ہاتھوں نے اپنی طاقت پر نفاذ کیا ہے۔ صالح حقیقی نے اپنی سنت کو پڑا
اور احسن الامین نے اپنی خلقت پر نفاذ کیا۔ آج کتاب زندگی کا یہ باب بند ہوتا ہے
اوصاف انسانیت ختم ہوتے ہیں۔ اور آدمیت کی تمام منتیں جمع ہو کر ایک ذات
میں رہنا ہوتی ہیں۔ مگر کرم کی حسین دیوان فنی و مروت کے ترنہ تانے لگتے ہیں
میں نے خدا المطلب کے گھر میں خودار ہوئیں غلوس و صداقت کے کفن پر دار چتر
رکستی و انبار کے جواہرات سے مزین ہو کر سامنے آئے۔ عبادت و ربانیت کے
علیہ دار شرک و بت پرستی کو تاراج کرتے ہوئے خانہ کبر پر توحید کے چھنڈے
گھانٹنے لگے۔ آسمان فرط مسرت سے اچھل پڑا۔ زمین اپنی خوش نصیبی پر فخر کرنے
لگی۔ اور وہ وقت قریب آگیا۔ جب دنیا کے اتھ اس بچہ کو اپنی آغوش میں لیں
جس کو روئے زمین کی اصلاح کرنی ہے۔ انبی و سلوی کائنات کی نظریں
اس حال پر پڑیں جو ایک عالم کو منور کرے گا اور وہ فرمودات نمودار پر ہوں
جس کے مبارک قدموں میں سرکش گردنیں جھکیں گی۔ اور عدل حقیقی اس کے پاؤں
چومے گا۔

آمنہ کے لال اتیری پیدا لائیں ایک نعمت ہے۔ جو خدا ہم کو عطا فرما رہا ہے
تیرا وجود جس نے کا رغنا حیات کو زور دیا۔ تیری مقدس ہستی جس نے دنیا کی
تاریکی میں تمکد مجاہدائی انعام عطا۔ رسالت کے سنے تو نے بتائے۔ نبوت کی
تفسیر تو نے کی۔ انسانیت کا عقدہ تو نے گھولا۔ اور بندگی کا راز تو نے بتایا۔ جمہوریت
کا مصلحتی شان تھی۔ اب تو جید کاؤ کا تیری زبان۔ آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہونے
والے بادشاہ ہم کو نئی ملامتوں کا سلام قبول فرما۔ چھٹان ٹھیل کو اپنے دم سے

آمنہ کے لال پر زمینی کائنات تیار ہونے کو آگے بڑھی۔ بار آور شاہوں نے
افس جھانک کر دیکھا۔ نسیم نے ہزار جان سے قربان ہو کر سیاہانی کو چھوڑا۔ ہوائے
اس مقدس نام کی تسبیح پڑھی۔ خوش رنگ پھولوں نے نگہ کی خاک اپنی آنکھوں سے
مٹی۔ اور ملک کا چہرہ چڑھ اور ڈرہ ڈرہ اس مسرت میں لہلہاتی ہوئی کپلوں کا ہم ہنگامہ
آسمان عرب نے عید المطلب کے گھوڑا راہیں پوست کے در و دیوار پر رکھتی
کی باش کی چنگار تار سے عید الشکر کے تخت جگر پر قربان ہوئے۔ اور مخلوق ٹھکی نے
شادمانی کا فغاں بند کیا۔

آتش نرود کے ذرات پھولوں کا لباس پہن کر زہر جاکر کشتی میں دعاء
ابراہیمی کو سر پر رکھے۔ المطلب کے گھر پر نمودار ہوئے۔ دارا میں پوست کی
دیواریں تنظیم کو جھکیں۔ فرمت کی جھڑپاں برسیں۔ ہوا مٹھوئی اور زمین و آسمان
مبارکباد کے نعروں میں سرگرم ہو گئے۔

یہ بزم عرب اور خوشی کی گھڑی مسرت کی ہر سو گئی ہے جھڑی
عقیدت ہے یاں دست بیکھری گرا کھ تھکے ہیں ہے سوئی پڑی

خدا تجھ پر سو بار ملے

غلام اور تھوڑی سی یہ لوٹیاں بعد مجھ زمنت میں حاضر ہوں
کرم ان پہ بولے خرم مسلمان بنا کی مجلس کو رشک چٹان

شہ دو جہاں اپنا جلو دکھا

گنگا ر اکھو نہیں طاقت نہیں یہ دو جہاں میں تھ سے بہت نہیں
ترے سامنے ہوں یہ جرات نہیں گنگا جھکے دیکھیں یہ قدت نہیں

شہ دوسرا جلد آج جلد آ

دلی مضطرب پڑی ہے نبی نظر آسمان پر ہے اس کی لگی
یہ بزم کزبان ہے خالی پڑی اسے گنگا آج ہے یہی

سما جان آنکھوں میں آج جلد آ

ماہر تلاش کے قدموں سے آگے بڑھے ہیں اور تحقیق کی آنکھیں تیز ہوا
کے گھر کو کا طواف کر رہی ہیں۔ آفتاب نصف النہار پر ہے اور عرب کی قیامت
گرمی نے آفت بپا کر رکھی ہے۔ یہ کوشل کے دیو سودی توبیت و نورو کے عالم کے
دلوں کو آیات ربانی نے تعجب و دگرورت سے صاف کیا تھا۔ مگر کی سرزمین پر
داخل ہوئے۔ اور اپنے ایک ہم شرب و ہم مذہب یہودی بھال کی دوکان پر
ٹھیک کر کما۔ وہ شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کہاں ہے؟

میزبان بھال اپنے ہماروں کے شوق کا استقبال بند قدم کی صدا میں
کر رہا تھا کہ غل غبار کو انکانوں میں آئی اور ابھی بیابان کی آنکھوں نے دیکھا
کہ آدھوں کا غل پھینچا جاتا ہوا اور کتا چلا رہا ہے۔ چشم زند میں مجمع سریر پہنچا
تو معلوم ہوا کہ سیاہ بکل میں بٹا ہوا ایک انسان بیچ میں ہے۔ جس کے قدموں کو
نبوت اور رسالت جوڑ رہی ہے۔ سر سے خون کے قورسے جاری ہیں۔ روئے او
چپے۔ بڑھے اور جان چاروں طرف سے اس کے اوپر پتھر برسائے ہیں اور سرنیز
دار سے ہیں۔ بیوی دل ٹوٹ چکے۔ ہمدی کا جذبہ بلند ہوا۔ اضطراب کی لہریں
چہروں پر دوڑنے لگیں۔ اور گردنوں کے ان مظالم پر سنت کی بدچال کرتے ہوئے
آگے تو جال نے کہا ”جس کی آرزو تم کو سیاہ کتا کھینچتا رہی ہے وہ ٹھہری ہے؟
ذوق حیرت سے بدلا اور توجہ کے آثار نمودار ہوئے۔ اور دل نے جس کی ہمدی
میں رحم شامل ہو چکا تھا۔ فیصلہ کیا کہ آواز مائش کا بہترین موقع ہے۔ یہ مگر غرض اش
مظالم خالی جانے والے نہیں۔ یہ خون رنگ لائے گا۔ اور اگر دعویٰ بچا اور رسالت
برحق ہے تو اس کی بدعا مگر کیا عرب کا گلیو توڑ دے گی۔ اور غلاب آسمانی ان ظالم
کا ناس کر دے گا۔

یہودی مجمع کے ساتھ آگے بڑھے۔ چند قدم چلے گئے کہ ایک پتھر نے مگر
کی پیشانی پر جمی۔ اور خون کی تیلی جاری ہوئی۔ دونوں اس لئے زمین کی آرزو کرنا
رہی تھی اور دل مظالم پروردہ تھا۔ قریب پہنچ گئے۔ پتھر ”دراکب“ رہے۔ گئے۔ کہ
ان کے سامنے ایک عجیب سا آقا۔ عہد اللہ کا چہرہ کے تین تہوں میں جا چکے
تھے۔ اور جس کا کوئی والی وارث زندہ نہ تھا۔ ٹھٹھکا۔ کھلے۔ نہ تو رستہ پیشانی کا خون
پونچھ کر آسمان کی طرف اٹھ آئے اور کہا:-

”موجود حقیقی میری قوم کی غیلوں کو مٹا کر چھوڑ۔ بے گناہ ہے۔ اس نے ابھی
تک مجھ کو بچایا نہیں۔“

استعجاب کا خون رگوں میں بجلی کی طرح دوڑا اور عقیدت نے جسم میں لرزہ پیدا
کر دیا۔ فضا رشود و شنب میں ایک شفق پرچم یہودیوں کی بلند ہوئی۔ اور دونوں سر کھینے

تہہ تازہ کر ہوا۔ پتھر کو اپنے دم سے اور اپنے کمر سے۔
خدا کے نام سے نا آشنا ہوا کہ انسان تھا نہ قانون عبادت تھا۔ تعلق تھا نہ رستہ تھا
وہ جو پاک نے تیرے خدا کا رنگ دکھلایا۔ زبان پاک نے تیری خدا کا نام بتلایا۔

دروہے تجھ لے مولا۔ سلام ہے تجھ لے آقا
قیامت خیز گمراہوں کی گھڑی اٹھنے لے۔ ستم کے سلسلے جاری خدا کی عاقبت لائے
مذہب تو نے دکھلانی بنایا رستہ بیا۔ خس و خاشاک کو تو نے ہٹا دیں پہنچا

دروہے تجھ لے مولا۔ سلام ہے تجھ لے آقا
خدا نے زندگی دی۔ آدمیت تو لے آقا۔ قیاس زندگی کو دروہوں کو تو نے دلایا
فرانسیسیت ہو کر نبیت کا دور تھا۔ ہدایت تو لے گی اور ایمان نیک و بد بخت

دروہے تجھ لے مولا۔ سلام ہے تجھ لے آقا
دعا کا دروہہ تھا گھڑی آت کی تھی۔ جو بارش تھی تو طوفانی گھاخوت کی چھائی تھی
خوبو خدا کا نام قوت کی خدا کی تھی۔ مگر سستی تھی نام خدا ساتھ لے لائی تھی

دروہے تجھ لے مولا۔ سلام ہے تجھ لے آقا
جناہ خلق و ایمان سب جتنے تھے تھے قیامت۔ زمینی مگر ذوق کی عزت نہ چھوڑتے ہی کی بقیت
جسے کھفت و آفت۔ کہ وہی آتش و رات۔ غلامی تو لے گی نصرت تو ہی عزت کو نصرت

دروہے تجھ لے مولا۔ سلام ہے تجھ لے آقا
ایمان کی عزت تو لے لڑا۔ ہاں الفت کا۔ دیو سرسروں پر آئے تھے۔ جو غفقت کا
دکھایا رنگ انسانی تھا ہر ذلت کا۔ غیبوں کیوں پر لے گئے۔ کہ تہ حیرت کا

دروہے تجھ لے مولا۔ سلام ہے تجھ لے آقا
خدا کا فضل تھا انعام تھا اور خدا تو تھا۔ شمع توجہ داری کی جو چھوڑ دیا۔ تو تھا
تیرے احکام نے ختم رسل مساکت زبان کرنا۔ ذہن فضل کر نہ پر تو بتلائے کہ کیا تو تھا

دروہے تجھ لے مولا۔ سلام ہے تجھ لے آقا
زبان احسان اخلاقی کہ ناک تیرے گزرتے۔ کعبے میں جو تھیں کھول کر لگا کر چھوڑے
تیرے احسان کا دنیا میں پہلے تو اب یہ۔ کہ نہ کر تیرے خوشے آور۔ نہ کو ٹھوٹے

دروہے تجھ لے مولا۔ سلام ہے تجھ لے آقا

انبیاء کا اعتراض۔ صرف مسلمان نہیں ہر انسان نگاہ بند کرے اور سامنے
دیکھے موسوی علی گزرتے۔ سبھی دو خیم ہوا۔ نبوت رسالت کے جلوے اپنے اپنے
رنگ دکھا کر فنا ہوئے۔ اور وہ وقت آگیا کہ آسمان کے لال پہلی مرتبہ خدا کا پیام نازل
ہوا۔ اعلان نبوت کو سن الملک کی طرح دنیا میں گونج رہا ہے۔ آسمانی کتاب ہوئے

ہوئے قدموں میں گرے۔

دردِ رب تو رسولِ بخت سے

زندگی کے اس خوشنودار میں اس علمِ دستِ پرغس کو مطلوب کرنا ایسا معجزہ
جس کا جواب دینے میں غنودہِ قلم کے خروستے خاموش ہیں یہ رحم و کرم یہ ایشا ر یہ
درگزرِ عظیمِ انیسر ہے جو اپنے حقیقت دیا سے تاریخ میں لاکھ غوطے کھائے مگر یہ وہ
شہوارِ بے سیر نہیں آتا۔ اور قلمِ سلیم گردن جھکا کر عزت اتنا کتنی ہے :-

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(براءِ راست)

راشد انیسری

چاند

(محترمہ مہر سلطان کے قلم سے)

~~~~~

دو سو گرامی ایک رات تھی۔ اس وقت ایک کوچ پر لڑی ہوئی تھی۔ اور رات کی تاریکی میرے سیاہی مائل سنہری بالوں کو اور زیادہ سیاہ  
کر رہی تھی۔ وقتِ مغرب کی جانب سے کچھ روشنی نمودار ہوئی۔ دیکھتی کیا ہوں کچا نہ اپنے منوڑ چرے کو بادلوں کے سیاہ دامن میں چھپاٹے  
کچھ کبیدہ خاطر لڑکھڑاتا چلا آتا ہے۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے پوچھا اسے بے چین دلوں کو اور زیادہ بے چین کر دینے والے چٹاٹو  
نوا سقدہ بچیدہ خاطر کیوں ہے؟ تیرا ننگت چہرہ آج اس طرح کھلایا ہوا کیوں معلوم ہوتا ہے؟ تجھ میں ہیں بوقتِ عظیم الشان انقلاب محسوس  
کر رہی ہوں۔ بتاؤ کسی تو کہاں سے آیا ہے؟ اور کہاں جانے کا قصد ہے؟ سچ کہنا تجھے کس کی تلاش ہے؟ آخر کس لئے تو اس طرح سرگردان  
نظر آتا ہے؟

چاند نے مجھے تسکرا کر دیکھا۔ یہ میرے سوالات کا شاید جواب تھا +

آہ تجھے جس کی جستجو ہے مجھے بھی اسی کی تلاش ہے۔ تو مجھے دیکھ اور افسوس نہ کر کہ تو میں بھی تیری ہی طرح مبتلائے گردش ہوں۔ تجھے زندگی کی  
آرزو ہے اور میں بھی اسی کے حصول کیلئے صحرا نورِ دی اور بادِ بیانی میں مشغول ہوں۔ اگر کو اپنے خیالات کی تہ میں ڈوب جاتا ہے تو مجھے بھی نسیمِ سحر کا ایک  
جھونکا بخود و سرشار کر دیتا ہے۔ تو سکت ہے تو میرا دل بھی خاموشیوں کا مسکن ہو رہا ہے +

پیارے چاند تیرے لئے خوشیہ پڑھتا ہوں اور اہلِ کربلا کا بیجاں ہے۔ اس وقت تیری زندگی میں فطیم انقلابِ واقع ہوتا ہے۔ ازلِ بیری حالت بھی تو ایسی ہی  
ہے کسی کی روشنی نے میری آنکھوں کو جیرہ کر دیا ہے۔ میں اس کی نورانی شہ عیوں میں کھو گئی ہوں۔ لیکن اے چاند تجھ میں اور تجھ میں ایک بہت بڑا  
فرق ہے تو نقشِ کھلمبرایِ اظہار کے باوجود دراصل گہری محبت سے غالی ہے۔ لیکن میں اپنے دل میں ایک انقلاب اور پہلوں ایک دردِ محسوس کرتی ہوں جو مردہ و مگر  
آٹھنا ہے اور مجھے بے چین کر دیتا ہے +

مہر سلطان کنبوی

(خاص) پیارے چاند تو میری ہستی کے راز سے واقف نہیں لیکن ہائے نفوس سچ تو ہیں ہے کہ میں خود بھی اسے ایک نہیں جانتی +

## ۴۔ تم بھی ہنستے ہو میرے حال پر...

از جناب شرف الدین احمد صاحب فہم آبادی

دل اور وہ بھی ایسا دل جو لذت و سوز و گداز سے لاسرشتا نہیں۔ بہت ہی نازک ہوتا ہے۔ ترقی نظریوں یا شوخ ادائیں تو ہر ایک طرف بعض وقت مضیہ خیال کا پناہ کوئی طریقہ کسی کی ناگواری خاطر کا سبب ہوا ہے۔ بس کچھ نہ پوچھئے آنکھوں کے سامنے کیسا تکلیف دہ نقشہ پیش کر دیتا ہے +

مجھے تم سے ————— اہل صرف تم سے محبت ہے، لیکن کیوں؟ یہ میں نہیں جانتا۔ تمہاری خوشی سے مجھے ایک خاص مسرت ہوتی ہے۔ لیکن تمہارا رنج ————— منافقانہ۔ اس سے خدا بچائے، تمہارے بعض انداز ایسے بھی ہیں جو حقیقتاً خدا جانے کیا ہیں۔ لیکن وہ خشم آلود ضرور ہیں۔ پھر تم ہی بتاؤ، کیسے ممکن ہے کہ میں اس روح فرسا نقشہ کو دیکھوں اور نہ زکڑوں؟ اس تکلیف دہ منظر کی پیچیدگیوں میں الجھوں اور حرج شکایت زبان پر نہ لاؤں —————؟ اے کاش تمہیں میری بھولہ بول کا احساس ہوتا!

میں قدر تا قدر شوخ و طعنے دیتا ہوں اور نہ وہ دلی میری فطرت کا بہترین جزو ہے۔ میرا انداز کلام بعضوں کو ہنسنا دیتا ہے۔ لیکن میری غیر معمولی شوخیاں بعضوں کے لئے اکثر تکلیف دہ بھی ہو جاتی ہیں۔ دوسروں کے ہنسنے پر میں خوش ہوتا ہوں۔ اس طرح بعضوں کی تنقید میں اپنی شرارتوں کی بہترین کامیابی سمجھتا ہوں۔ لیکن میری کسی غیر لادبی شرارت پر تمہارا آنکھیں بدل لینا، پتہ کتنا ہوں میرے لئے ایک ناقابل برداشت صدمہ ہے۔ اس ساتھ سے میں پریشان ہو جاتا ہوں۔ میری آنکھیں آسو تو نہیں بہا تیں۔ اس لئے کہ انعام غم کی یہ کوئی اچھی صورت نہیں لیکن میرا دل اس منظر کی تاب نہیں لاسکتا۔ اور میں ان آنکھوں سے رونے ہوں جو میرے دل میں پنہاں ہیں۔ لوگ میری فطری شوخیوں کے ایک نمونہ کی شکل سے بدل جانے پر شجب ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو میرے حال پر ہنستے ہیں۔ شاید اس لئے کہ وہ میری دلی کیفیتوں سے پوری طرح واقف نہیں۔ میں ان کے اس انداز گفتگو کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ کیونکہ مجھے ان سے واسطہ ہی کیا —————؟ مگر ان 'میری فطرت کے اس حسرت ناک انقلاب پر تہا' ایک عکاس دینا اپنی شوخی سے نہیں بلکہ میری بے وقوفی پر اور کس طرح —————؟ قصداً ————— ہاں ہاں بالکل قصداً ————— جس کچھ نہ پوچھو، خیر! اس کی ذمہ داری شاید میری قسمت ہے

سر خندہ اہل جہاں کی مجھے پروا کیا تھی تم بھی ہنستے ہو میرے حال پر روزا ہے ہی

(خاص)

شرف الدین احمد

۴۵۵۵

کیا آپ شرمیر بیوی خرید چکے؟ اگر آپ شرمیر بیوی خرید چکے ہیں تو امید ہے کہ آپ نے اسے بے حد مل کر دیا ہو گا۔ اور آپ دوست احباب سے اس کے خریدنے کی سفارش کر رہے ہونگے۔ اگر آپ نے ایسی ہنگام نہیں خریدی تو ستمبر ۱۹۳۱ء کی اس دلچسپ اور سبق آموز کتاب کوئی غور خریدیے۔ پڑھئے اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جائیے۔ حجم ۱۹۴ صفحہ قیمت ہر معمولی دکان معاف لئے کا پتہ:۔ نیچر سائنس نگر خیال شاہی محلہ لاہور

# نیرنگ خیال عید نمبر ۱۳۹۳ء



عمر خیام کی ایک رباعی



# دریا پار شادی

از: بلیغ تفسیر سدا بادی

بجسم کی شادی نہ ایسی نہ تھی جس میں کوئی دوست "بلا دعوت کے" شامل نہ ہوتا۔ دوست تو دوست ہر ایک شہناشاہ اپنہند تھا۔ لکھنؤ میں ضرور شریک ہو۔ اور ہر فرد بشر کی خواہش بھی یہی ہوتی چاہئے تھی کیونکہ بجسم کو ہر وہ شخص خوش اور شہیم دیکھنے کا آرزو مند تھا جس نے اس کی سابقہ رفیقہ حیات کی وفات پر اس کو کچھ نہ بچوں کی طرح ہلکتے ہوئے دیکھا ہو +

بجسم بار بار یہی کہتا تھا کہ اب اس کی شادی کیا خاک ہوگی۔ اور کہتا تھا کہ اقیہ زندگی جو ان جنت کی امید ملاقات اور اپنی چاہتی ہوئی کے فراق میں ہی بسر کر دیکھا۔ لیکن مدت مدید کے بعد اس کی رگوں میں خون نے جوش مارا اور ہر سب سے ملحق ہو کر اس کی جدید رفیقہ حیات تلاش کرنے میں مدد ملے۔ لیکن اپنی ہونے والی بیوی کا "مدد و ارباب" وہ ایسا پیش کرتا تھا کہ سوچا جاتا تھا کہ جس وقت اس کی بات دلائل سے اپنے جوش و حواس کی تانگی میں کبھی نہ دیکھی ہو۔ صاحب محبت ایسی ہو کر اس کو فکر و سائنس سے بے نیاز کر دے۔ اور وہ نہایت امیرانہ بلکشاہانہ زندگی گزارے۔ صاحب فہم ایسی ہو کر کسی معاملہ خود اس کو رائے دینی کی ضرورت نہ پڑے۔ یا مگر جو کچھ بھی بول بھی اٹھے تو یقیناً اس کی بات دلائل سے غلط ثابت ہو اور اس کو استراحت کم منتفی کرنا پڑے۔ "و فیض الک"۔ القصد وہ ایسی بیوی چاہتا تھا۔ جس کے درود مسعود کے بعد وہ شخص (فہم کی کمی کے) گھٹو کی طرح کا ملانہ زندگی بسر کرے۔

"ایام بیوگی" یا "رڈ اپ" میں وہ ایسا مقبول ہوا کہ ہر مقبول اور نامستقل شخص اس کے خاندان پر تحفہ بھی اپنا پاتا۔ تو رفتہ رفتہ گذارنا چاہتا تھا۔ اور احباب کے لئے کو اس کا مکان اچھے خانے کلب گھر" یا "رائزنگ ہاؤس" کا کام دیتا تھا جہاں کسی شخص کی بیوی گھر سے گئی اور وہ رسیدہ صاحبہ جسم کے یہاں پہنچی گیا۔ غرض تمام

بجسم کی شادی نہ ایسی نہ تھی جس میں کوئی دوست "بلا دعوت کے" شامل نہ ہوتا۔ دوست تو دوست ہر ایک شہناشاہ اپنہند تھا۔ لکھنؤ میں ضرور شریک ہو۔ اور ہر فرد بشر کی خواہش بھی یہی ہوتی چاہئے تھی کیونکہ بجسم کو ہر وہ شخص خوش اور شہیم دیکھنے کا آرزو مند تھا جس نے اس کی سابقہ رفیقہ حیات کی وفات پر اس کو کچھ نہ بچوں کی طرح ہلکتے ہوئے دیکھا ہو +

بجسم کی شادی نہ ایسی نہ تھی جس میں کوئی دوست "بلا دعوت کے" شامل نہ ہوتا۔ دوست تو دوست ہر ایک شہناشاہ اپنہند تھا۔ لکھنؤ میں ضرور شریک ہو۔ اور ہر فرد بشر کی خواہش بھی یہی ہوتی چاہئے تھی کیونکہ بجسم کو ہر وہ شخص خوش اور شہیم دیکھنے کا آرزو مند تھا جس نے اس کی سابقہ رفیقہ حیات کی وفات پر اس کو کچھ نہ بچوں کی طرح ہلکتے ہوئے دیکھا ہو +

بجسم کی شادی نہ ایسی نہ تھی جس میں کوئی دوست "بلا دعوت کے" شامل نہ ہوتا۔ دوست تو دوست ہر ایک شہناشاہ اپنہند تھا۔ لکھنؤ میں ضرور شریک ہو۔ اور ہر فرد بشر کی خواہش بھی یہی ہوتی چاہئے تھی کیونکہ بجسم کو ہر وہ شخص خوش اور شہیم دیکھنے کا آرزو مند تھا جس نے اس کی سابقہ رفیقہ حیات کی وفات پر اس کو کچھ نہ بچوں کی طرح ہلکتے ہوئے دیکھا ہو +

بجسم کی شادی نہ ایسی نہ تھی جس میں کوئی دوست "بلا دعوت کے" شامل نہ ہوتا۔ دوست تو دوست ہر ایک شہناشاہ اپنہند تھا۔ لکھنؤ میں ضرور شریک ہو۔ اور ہر فرد بشر کی خواہش بھی یہی ہوتی چاہئے تھی کیونکہ بجسم کو ہر وہ شخص خوش اور شہیم دیکھنے کا آرزو مند تھا جس نے اس کی سابقہ رفیقہ حیات کی وفات پر اس کو کچھ نہ بچوں کی طرح ہلکتے ہوئے دیکھا ہو +

بجسم کی شادی نہ ایسی نہ تھی جس میں کوئی دوست "بلا دعوت کے" شامل نہ ہوتا۔ دوست تو دوست ہر ایک شہناشاہ اپنہند تھا۔ لکھنؤ میں ضرور شریک ہو۔ اور ہر فرد بشر کی خواہش بھی یہی ہوتی چاہئے تھی کیونکہ بجسم کو ہر وہ شخص خوش اور شہیم دیکھنے کا آرزو مند تھا جس نے اس کی سابقہ رفیقہ حیات کی وفات پر اس کو کچھ نہ بچوں کی طرح ہلکتے ہوئے دیکھا ہو +

بجسم کی شادی نہ ایسی نہ تھی جس میں کوئی دوست "بلا دعوت کے" شامل نہ ہوتا۔ دوست تو دوست ہر ایک شہناشاہ اپنہند تھا۔ لکھنؤ میں ضرور شریک ہو۔ اور ہر فرد بشر کی خواہش بھی یہی ہوتی چاہئے تھی کیونکہ بجسم کو ہر وہ شخص خوش اور شہیم دیکھنے کا آرزو مند تھا جس نے اس کی سابقہ رفیقہ حیات کی وفات پر اس کو کچھ نہ بچوں کی طرح ہلکتے ہوئے دیکھا ہو +

مکرانکر کا جانوں کی طرح ہو گئے۔ اور اس پر راستہ کے گرد ہمارے "دو بک پاشی" کی کرکچے دو۔ چلنے کے بعد ایک دوسرے کو بالکل شناخت نہ کر سکا۔ اور نفسی نفسی کا عالم طاری ہو گیا۔ "ارے میرے پیٹہ! میں دزد ہوا ہے۔ ایک ہونا۔ دوسرے نے شناخت کی؟" آرمیاں اس سے تو پیدل ہی اچھے تھے۔ وہ میل کجھت تو خود ہم سے کھینچنے کے متمنی معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی نیچے اترتا تھا تو گردوغبار میں دفن ہو جانے کے خوف سے فوراً پھٹکے پر ہارو جاتا تھا۔ اور جھکڑے کی سواری پر بھر کے اٹنا ہوں کا کفارہ وصول کر رہی تھی۔ ایک صاحب بیلے "سنگ آدنت آدنت" دوسرے نے تاشیر کی "بھائی پھنس گئے تو پھر نکال دیکھ" تیسرے معزز نے کج کر فرمایا "ارے یہ کم ہتھوڑا کیوں مرے جاتے ہو؟" شان مردوں کی نہیں کام ادھور کا کرنا! اتجو گھر سے بے قاعدہ دوا ہو کر آئے ہو۔" وہ لوہن کو ضرور قبضہ میں لانا ہے۔ زندہ رہے کو خاخی بن کر واپس چلے جائیں گے۔ ورنہ "بڑے مولانا کے قدموں میں ہی جان دیدیں گے۔ اور شہادت کا زینت میت میں حاصل کر لیں گے۔" دوا صاحب زبان مثال سے لکھتے تھے "ہو جائیں دفن سایہ دلوار کے تلے" دوا بک "نہہ دلوں نے دریا کے گھٹے جھگوں میں پیٹ بھرنے کے لئے قسمت آزمائی شروع کر دی۔ آخر اس دوزخ کو تو بھرنا ہی تھا۔ کسی نے پیچ کما ہے "نخت کا بچل ضرور لانا ہے۔ بیٹھا ہوا کوٹا دو تین گھنٹوں کے متواتر حملوں کے بعد وہ ہارو بیٹھ دودھ "میرٹھو" جان سے مار لینے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن ان کے بنائے کے طریقے سے معزز سفر و نشان میں سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ آخر کار فیصلہ ہوا کہ ان ہارو غیب و غیب شکار کو اپنے مرکب کے دونوں طرٹ لٹکا دیا جائے۔ تاکہ "عربستان" مرحوب ہو کر دلیں کو رخصت کرنے میں ٹال مٹول کر سکیں کی جرأت نہ کر سکیں کہ "پھر اگر بچا جائے" بعض معقول آدمیوں کو کہتے ہوئے ہم نے غوا چنے کا لون سنا ہے کہ وہ یا کاجور کا پانی پر سے آسان ہے۔ مگر اس بات کے معزز شکر کا اس بارہ میں دوسری شہید کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ اس میں لوگوں نے انہی آنکھوں سے ایک "نہیر" موٹر ایک "نفر" انجیر صاحب "ایک راس" لیڈی انجیر صاحبہ کے اس بی بی میں اس طرح دھنا ہوا پچھلے دلدل میں قشر پٹنے کے جاسم ہوں۔ ان بزرگ کی اس حالت کو دیکھ کر معزز باقانی اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھے کہ شکر ہے ہم "موٹر میں لادکر" نہیں لائے گئے۔ ورنہ آج موٹر کو شکر خاب ہے۔ موٹر والے صاحب پل والوں پر پہلے بڑے تھے کہ ایک ساتھ دو لگاؤ لیکن باوجود تمام ماسی کے موٹر نہ ٹھکان تھا نہ نکلا۔ باراتیوں پر عجیب کرب کی کیفیت

نے بھی کندیا کر بھی وعدہ تو ہم نے بھی "بڑے موٹی صاحب" سے کیا ہے کہ بارات میں ضرور آئیں گے۔ غرض اسی طرح دن اور دنوں کے بعد بیٹھے گزرتے گئے۔ آخر کار وہ وقت آ پہنچا۔ جبکہ تمام احباب اپنے ہستے ہستے بڑے زیب تن کئے ایک دوسرے کو مت کر کے ہوئے پھرے گئے۔ کہ "بھئی چلو! موٹر بالکل تیار کھڑی ہے۔" بھئی جلدی کر دے ہر ایک بات میں مٹنے کی فکر کیا کرتے ہوئے "نہہ بھئی چلنا ضرور ہوگا۔" کلیف تو جینک ہوگی۔ کیونکہ سفر دیر ہوگا۔" "اگرچہ آرام کے محل ذرا طے کیا۔ لیکن جائیں گے۔ لیکن اس گھٹے جھگوں اور ناہموار راستوں کا کیا بندوبست ہو سکتا ہے۔ جن پر سفر کرنا کسی حاملہ عورت یا دائم المرض یا ناک مزاج مرد کے لئے خالی از خطرہ نہیں ہو سکتا۔ بزدل تو ان محلات سے ڈر کر شرکت بارات کا ارادہ ترک کر بیٹھے لیکن اکثر بے ہرے سر رکھتے اپنی جان جو کون میں دانے کے لئے "مرگ" نہہہ ہٹے دارو کے مصداق بالکل تیار ہو کر ساتھ ہوئے۔ اور فریاد اطمینان کے لئے "آتشیں اسلحہ" ساتھ لے لئے۔

تمام راستے کوئی کتنا تھا کہ "بھئی! اندل کا حلوہ کھانا ہے۔ تمام مکان دور کر دے گا۔" کوئی کتنا تھا کہ "بھئی یہ ہندو قیں کیوں ساتھ لی ہیں۔ کیا وہ ہندو کے سایہ میں آئے گی؟" غرض ہند ب احباب کی پادری جمع ہو کر جاتے روانگی پلاس شان میں پہنچے۔ جیسے عطاء الدین غلی موٹی فوج غفر موج کے "پدمنی" کے حصول کے لئے سر بکٹ میدان میں جا رہا ہو۔ رات بھر آرام کے بعد وہ سفر دیر ہوا تھا جس کے خیال سے بھی آجک "سرباری" سفر خرچ پر بڑے مولانا کی زیارت کرنے والوں کے لئے کھڑے ہو جائے ہیں۔ موٹی لوگ وہاں میں کرا رہے ہیں کہ سفر آخرت میں نہ کوئی بھائی کام آئے گا نہ باپ نہ جو رو نہ بچے۔ غرض کوئی متنفس اس سفر میں مسافر کا ہونا نہ ملا نہیں کر سکتا۔ البتہ یہی حالت اس سفر میں درپیش آئے والی تھی۔ جس پر یہ ہارو جانا نہ مہارن ہونے والے تھے۔

ان لوگوں نے جواپنے آپ کو بارات کی سوجھا خیال کرتے تھے فیصلہ کیا کہ ہم آخر وقت تک ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ اور باقی ہزات سے پہلے آہستہ آہستہ چل چڑیں گے۔ تاکہ منزل مقصود تک نہایت آرام کے ساتھ پہنچ جائیں۔

"اچھا! کچی ٹرک اور چھکڑے کی سواری۔ خدا کی پتلا۔ سربا پلس میں





# سیاح عورت کے خط کا جواب

## اُس کے فوجی محب کی طرف سے

(طبعی اور)

از جناب کنور محمد حسین علی خاں صاحب

(یورپ کے ایک سروراصل سے - مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۰۷ء)

حسین دنواڑ و سب تازا

میر سے لئے محبت کا تہم پہنچنے لگوں پر تھماں ہے!

عرضہ دراز کے ہند جگر میری امیدوں کا چار "اسیدی کی شگاف چنان سے  
نکڑ کر تباہ ہو چکا تھا۔ اور تمہاری جہاں نور دی کے شوق نے مجھ کو تمہاری  
نفل و دولت سے بلے کر کر رکھا تھا۔ تمہارا "مناقت یکایک پنچا" دشت  
ریگزار کے ایک پیاسے مسافر کو آب سرد کا ایک لبب جام اسقدر مسرت و  
فرحت نہیں پہنچا سکتا جسقدر تمہارے محبت نامہ اور تمہاری خیریت دریافت  
ہونے سے مجھ کو پہنچائی ہے

نامہ آیا گویا میرے آبا تن ہمار میں جی سا آیا

فیضان اب بھی پوچھا تو میرانی کی، فضا خدا کا دوسال کا طویل عرصہ اسقدر  
تاہی کی میں گذر گیا کہ تمہارا کوئی خط آیا اور نہ خیریت دریافت ہوئی۔ ہر گز ڈاک  
کا انتظام میرے تھرا اور رس دوسال خطو کا سلسلہ موجود رہا۔ خط لکھ سکتی تھیں  
لیکن ہی کہو کہ میری محبت پر شوقی سفر غالب رہا۔ آدہ مجھ کو اس پر بھی رشک  
ہو تا ہے

شرکت غریبی نہیں جاتی میری فیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری  
ہاں صاحب کسی کی جان جاسے یا رہے آپ کی بلا سے غم مفارقت کسی کا کام ہی  
کیوں نہ نامہ کر دے مگر آپ کی پیرا سے بہت اچھا ہے

سننا! جتنا سرتایا جاسے مثلاً جتنا سرتایا جاسے

بلا سے نہ جانے جاسے پھر اپنی دم نہ چھوے ہماریں گے ہم

تو یہ تو یہ کیسی کیسی بولیں اٹھتی تھیں۔ خوفناک تو سمات گھیرے رہتے تھے۔  
تمہارے یکایک غائب ہوجانے اور غلط آنے سے کبھی خیال ہوتا تھا کہ انیسب  
اعداسفر میں کہیں نازک حبیبیت تو ناساز نہیں ہو گئی یا خانہ بدوش وحشی اور عالم  
بادیہ نشینان دشت کے ہاتھوں میں گرفتار تو نہیں ہو گئیں۔ خیالات کا سلسلہ  
اگر اس سے بھی آگے بڑھتا تو وہ روح فرسا و ہم پید ہوتا کہ جس کو لکھتے ہوئے  
قلم بھی لرزتا ہے۔ اور جس کا نتیجہ ہی ہوتا کہ میری نظروں میں عالم فانی کے چپ  
منشاغل مبدل بہ رنج و الم ہو جاتے اور خست بستی کا نفرت انگیز بارگراں ناقابل  
برداشت ہو جاتا ہے

گھوٹا کا شکار ہے کہ تم زندہ و سلامت واپس آگئیں۔ میری دراز شہمائے  
فراق مسرور و معشوق میں تبدیل ہو گئیں۔ کیا تم یقین کرو گی اگر میں کھوں کروٹی  
لہو ایا نہیں گذرنا تھا جس میں تمہاری یاد نہ آتی ہو! ہر وقت میری آنکھوں میں  
تمہاری حسین و جمیل شکل و صورت نور موسیقی میری ہر ماتم کو خواب میں دیکھنے  
کے لئے جب کبھی سپید و سحر کی ہلکی روشنی ہفتی مشرق میں پھیلتی ہوئی نظر آتی تھی  
تو تمہارا دلغریب نورانی ہستم (جو خاص میرے لئے وقف تھا) یاد آ جاتا۔ طالع ہو  
والے آکھاب پر تمہارے خساروں کا گمان ہوتا۔ اور شام کو غنیمت دیکھیں گی طلالی  
تخرید کچھ تمہارے سہا ہائے نازک کی سرفی آنکھوں میں پھر جاتی۔ ہاں میں  
تمہاری یاد سے کبھی غافل نہیں تھا۔ حتی کہ جب ملک اور پیار سے وطن گئی خدمت  
کا مقدس فرض، نمک طلالی اور وفاداری کا پاک جذبہ، اس حشر انگیز مفرکہ دار و گیر میں  
پہنچا دیتا جہاں موت کی دہلوی ان فی استخوان ہوتی خون اپنے قدموں میں، ہما  
دیتی ہے تو دل بھی میں تمہاری شکل کھوں میں اور تمہارے خیال کو دماغ میں

وطن میں پہنچنے سے جو خوشی تم کو ہونی وہ حیرت انگیز نہیں ہے شک -  
 / محبوبا وطن اذ ملک سبیلان خوشتر خار و عن انہیل مریکان خوشتر  
 لیکن وطن کی قدیم پیرس کی معیتیں اور مکالیف اٹھانے کے بعد یہی جوتہ  
 ہر چیز کی تھوہیت اپنے مامن سے علیحدہ ہونے کے بعد معلوم ہوتی ہے جو  
 کان سے نکل کر راج شاہی میں جگمگاتے ہیں - موتی دریا سے باہر اگر کسی ماہر  
 کے گھلوے مصطفیٰ کی زیب و زینت ہوتا ہے اور گن ذخیرہ گن چین چھوڑنے -  
 بعد گئے کا ہار ہوتا ہے +

ایک زمانہ میں جب تک میری خدمات اپنے پیارے وطن کے لئے وقفہ  
 نہیں ہوتی تھیں - میں نے بھی براعظم یورپ اور افریقہ کا سفر کیا تھا جس کے حالات  
 بروقت ملاقات تم کو سنائوں گا - میں یورپ کے معروف شہر اور شہرلوں کے مشہور  
 مقامات کو دیکھتا ہوا فرانس سے لے کر کوہسار پیرزہنر کی مدہا ہار اور ہری بھ  
 گامیوں کو جو کر کے اسپین پہنچا - وہ اسپین کس حد کا ذرہ اپنے ملک کی فضا  
 شہرت اور اس میں حکومت کرنے والے جلیل القدر اور اہم مقاموں پر فائز ہوا  
 کشتورستانی اور آئین جہاں باقی کی داستانوں سے سوس ہے - غرناطہ، طلیطلہ  
 قرطبہ جیسے شہروں کی سیر کی جہاں شاہان اسلام کے بنائے ہوئے عظیم  
 محلات دیکھے جن کے خوبصورت نقش و نگار اور دست و پائی مہرٹن اور جوتہ  
 متاعوں کی دشمنی کا علی گوند ظاہر مور سے تھے میرے پاس سب کی تہ  
 موجود ہیں جو تم کو دکھاؤ گا اور تم سے مشرقی ممالک کا حال سنو گلا +

تم نے ہندوستان بھی دیکھا ہوگا - وہ ہندوستان جو عمومی اعتبار  
 اعتدال پسند واقع ہوا ہے - سنا ہے وہاں گرمی بھی ہوتی ہے اور سردی بھی  
 موصلا و سحر بارش بھی ہوتی ہے اور آسمان بھی چلنا ہوا لگتا ہے - اور ماہتاب +  
 خندہ نیا بارے اس حد زہن کو منور کرتا ہے - تم نے راجپوتانہ کے چیتے ہوئے  
 رگستان باویم کی بنیاد آدھریوں کے طوفان بھی اٹھتے ہوئے دیکھے ہوئے  
 ہو کر شہریت لفر کی پرفضا اور ارباب، فرخاک باغات - اوصفی ایشادوں کی بھی سیر کا  
 ہوگی - دہلی کا لال قلعہ اور جامع مسجد - اگرہ کا جامع محل اور ایسی ہی بہت سی عمارتوں کا  
 بھی دیکھا ہوگا - اور وہاں کے باشندوں کی بود و باش، تمدن و ارتقا کا بھی بہت  
 مطالعہ کیا ہوگا - باشندگان ہند کے متعلق عجیب روایات سنیں کہ چونکہ وہاں عطا  
 افرام مخلقت مذہب کو ماننے والی آباد ہیں - اس لئے ان کی مذہبی اختلافات جلد  
 نیرنگ کشش اور منافرت کا سبب بن کر ایک دوسرے کو خون کی پیاسا مائدہ  
 اور ذرا ذرا سی بات پر حسدات رانما ہو جاتے ہیں - اور کبھی یہ بھی سننا جا طبع ہے کہ سپہ

لئے ہونے جا تا +

میدان جنگ کی بہادرانہ سرگرمیوں اور سرخروش کا رنگہادیوں میں  
 بار بار ایسا ہوا ہے کہ کوئی جمال خیز صورت میں دو برکھڑا ہوا ہوتا ہے جس سے میری  
 ہمت دگنی ہو جاتی اور انفل کا ایسا پستان نشانہ لگتا کہ دشمن خاک و خون میں دم  
 توڑتا نظر آتا - دست بدست لڑائی میں بھی یہی خیال میرا زمین نہ دگا رہتا  
 تھا - میرے پیچہ کی گرفت قبضہ پر اور زیادہ مضبوط ہو جاتی اور شیر و شمش کے  
 کا سر سے گذرتی ہوئی درمیان میں سے اس کے دو ٹکڑے کر دیتی اور میرے  
 خار و اسنگین کے ایک ہی زہر مت حملے سے پیش کی آلاش باہر آ پڑتی اور  
 بالآخر میں غلغلو منصور حسن آفرین کے غلغلہ شادمانی کے درمیان اپنے وطن  
 کے پر استقبال بازاروں میں خیر مقدم کے پرچش لہروں کو سننا ہوا وہاں پہنچا -  
 میری سدا بہار گھستان حبت کے خوبصورت چولہے آہم سمجھ سکتی ہو کہ  
 میری اس خوب تحریک کا حاصل سوائے اس آرزو کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ میں  
 عرض گذارش اور انکسار جیسے عاجزانہ الفاظ میں تم جیسی ملک حسن کی بارگاہ میں  
 درخواست پیش کروں کہ آئندہ تغافل کو خیر باد کہہ جاں کہیں بھی ہوا اپنی خیریت  
 کے مختصر غفلتوں سے یادداشت کر تی رہوں - میں اس محضرہ و غلو رکھوں کہ وہاں پہنچے  
 ہی دست اولین میں سب سے پیشتر تم کو اس دور افتادہ کا خیال آیا - اور تمہارا  
 ان اشارے جو فوجیان خط کو زیب دے رہے ہیں میری تمام جگر کی کلفت ہو  
 فراق کے آلام کا خاکہ کر دیا +

اگر خدا کو منظور ہے تو حبت کے پروں پر آؤ تا ہوا - ہمت جلد تمہارے  
 پاس پہنچے گی کہ کشش کرو گلا - تم سمجھ سکتی ہو کہ میری خدمت کی اہم ترین ذمہ داریاں  
 بہت کم کہاں سے بھر کر طبعہ کو کرتی ہیں +

میرے اشتیاق کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے - اور ان مسرت آگیں لمحات کا  
 بلے تابانہ منتظر ہوں کہ جب تبدیل ملک کی لفرنی روشنی کے سیلاب میں ہم دونوں  
 دست بدست باغ میں خواہ کے پاس بیٹھ ہوئے ہو گے اور تم اپنی سادہ نواز آواز  
 میں سیاحت کے افسانے سننا رہی ہوگی - اور اختلافات سے بریک فضا کی اس  
 بہادر افروز ہر ایک شام کا جس میں گل افروز مجلس کے نزہت آگیں کیج جا رہی گشت  
 سے لبریز ہوں اور تمہارے کابل جنس میں روئے تاہاں کے گود ایک آنسو سی ملتے  
 بنائے ہوئے ہوا کی شہزادوں سے دوشیں توبہ پر نشتر ہوں اور ہر ایک صبح  
 خدا کو صبح اللہ اور ہمارے استقبال کے واسطے گل جاماں نظر آئے اور ہر ایک  
 دوسرے سے آیام جدائی کے تعص بیان کرتے ہوئے ہمدردی میں مصروف ہوں -

کسیں ایسا تو نہ ہوگا کہ اس مرتبہ بھی دن بھنوں میں اور رات میں عینوں میں اور تینے سال میں تبدیل ہو جائیں۔ اور اس خط کے جواب کو تمہاری طرف سے جواب ہو جائے۔ اور میں عالم وحشت میں چلا تا پھر میں ۵  
ہم ان کو تاسے ہزار لکھتے جو کچھ ہمیں چشم امید ہوتی  
جواب تقدیر روپکی ہے۔ جواب ہم ایسے کیا کرینگے

(کنور محمد سلیم علیاں)

(خاص)

منطق اور باہم شہر خوشکر موبائے میں۔ اور اتفاق و اتحاد کی ایک ایسی روح اس  
میں سرایت کر جاتی ہے کہ یہ سمجھنے والا بن کر تاسے کہ یہ وہ بھائی بھائی ہیں جو آپ  
میں ہر سب جگہ ہونا چاہتے ہیں۔ مہلتا تو ایسی ذہنیت کو کیا ہوگی؟  
جی تو نہیں چاہتا کہ اسے نامہ شوق کو ختم کر دیں۔ انما دعا اور عرض  
مطلب کے ذریعے دفتر سے پائیاں۔ ہمارے۔ لیکن خیال ہے کہ کہیں یہ طویل  
تحریر قلماری طبع نازک کو کھڑا کر دے۔ ہر خط کو ختم کرنا ہوں۔ اور جواب کے  
انتظار میں آنکھیں براہرہ کارہ فلک کی طرف منگراں رہیں گی۔

## ”وہ واپس کیوں نہیں آتے“

”اے ہوں نے دینی اور میں تمہا۔ میری پیاری! شہ۔ نو اونچی کرو“ میں نے کثرت لہجہ میں جواب دیا۔  
”بس یہاں سے چلے جائیے“ لیکن وہ قلب از جانی جنید کا مصداق بنے میرے سامنے کھڑے تھے۔ میرے دونوں اٹھ ان کے  
ہاتھوں میں تھے۔ میں نے کہا ”مجھے چھوڑ دو“ لیکن انہوں نے نہ چھوڑا نہ اتھا نہ چھوڑا اور نہ جانا اتھا نہ گئے +  
وہ اپنا چہرہ میرے کانوں تک لائے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا اور کہا ”تم کو کوشم نہیں آتی؟“ لیکن ان کے ہونٹوں  
کو جنبش نہ ہوئی +  
ان کے ہونٹوں میرے رخساروں کو چھوا۔ میرے روٹنگے کھڑے ہو گئے۔ بدن میں مجھ بھری پیدا ہوئی۔ اور میں نے ان سے  
کہا ”تم بڑے بڑے“ لیکن ان کو کوشم کماں +  
انہوں نے میری پوئی میں پھول گوندے۔ میں نے کہا ”یہ سب بیکار ہے“ لیکن اب وہ ..... وہ نہ تھے +  
انہوں نے میری گردن سے پھول کا مارا تار لیا اور چل دیے۔ میں دل ہی دل میں بچھتا ہوں۔ آٹھ آٹھ آنسو روتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ  
”وہ واپس کیوں نہیں آتے؟“

انظر فاروقی افسانہ پتھاپاک راج بارس

(خاص)

(میکور)

## بچوں کیلئے مفید کتابیں

|                 |         |                 |         |                       |         |                    |         |
|-----------------|---------|-----------------|---------|-----------------------|---------|--------------------|---------|
| قرآن کے سبق     | تیمت ۶۶ | بچوں کی کہانیاں | تیمت ۶۶ | اولیا اللہ کی کہانیاں | تیمت ۶۶ | بچوں کا کتب        | تیمت ۶۶ |
| قرآن کی کہانیاں | ۶۶      | بچوں کی کہانیاں | ۶۶      | بچوں کی تعلیم و تربیت | ۶۶      | بچوں کی خط و کتابت | ۶۶      |
| بچوں کی کہانیاں | ۶۶      | بچوں کی کہانیاں | ۶۶      | بچوں کے اخلاقی سبق    | ۶۶      |                    |         |

نیرنگ خیال: مجسمہ نمبر ۱۰ پتھاپاک راج بارس

# اس میں میرا کیا قصور ہے

از جناب محمد حکیم جعفری۔ بی۔ اے۔ ایڈووکیٹ۔ جوپور

خدا کی پناہ۔ اس معلوم ہوتا تھا کہ سارا جہوم اسی ایک درجہ میں بھرنا چاہتا ہے۔ بہت بہت لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ بھائی اس ڈیڑھ میں بجائیں، آگے دلا دو جب بالکل خالی پڑا ہے۔ مگر کون سنتا ہے۔ ایک صاحب نہایت چرخ پا ہو کر کہ جناب! آپ ہی اس خانہ میں چلے جائیے، اس سمیکٹ جواب کے بعد کسی سے کچھ کہنے کی ہمت مجھ میں باقی نہ رہی اور ایک کونے میں خاموش بیٹھ رہا اب کیا تھا وہ طوفان برپا ہوا کہ الامان، گویا انگریزی خندق میں جرمن گھس پڑے یا دوبارہ سے کھنڈر میں گرا گیا۔ کٹاری تھی کہ ناب چلنے کا نام ملتی تھی۔ نہ تب۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ انجن ڈرائیور انیم کھار جنگ میں آگیا یا گاڈ نوکی سے بلکھ کر دیا گیا۔ یا شاہ سو راج ہو گیا، انتظار کرتے کرتے میں عاجز آ گیا۔ بارے خدا خدا کر کے گاڑی چلی۔ باہر کی دیریں بند ہوئی اور اندر کا ماحول کم ہوا تو اس نے اپنے کی جنت ملی، جو میں نظر پڑا اس کو دیکھ کر ہوش و حواس رد ہوا تو اس صاحب ہو گئے۔ کم دیش وود جن اور کئی درجن کس۔ بستر پہاڑی لانیوں کے بندل۔ سب اس طرح تلے اوپر دھرے ہوئے تھے کہ سوار یوں اور اسباب میں فزق کرنا مشکل تھا۔ اور سب پر طرزیہ کہ میری بیٹی پرنسپل ہی میں ایک ذات شریف موجود +

ذرا حضرت کا حلیہ ملاحظہ ہو۔ چیٹ کے تو آپ خود۔ اس پر کم از کم ایک فٹ کے بال جو سر پر بالکل کھڑے کھڑے تھے (میں نے کچھ نہیں میں ایک نمونہ کہیں دیکھی تھی۔ جو شیطان کی کہی جاتی تھی، اس کی خصوصیت صرت اتنی یاد ہو کر اس کے سر کے چادوں طرف لیے لیے بال عمو کی طرح کھڑے تھے۔ جتنا میرے ذہن میں شیطان کی یہی صورت قائم ہے اور میرے نزدیک اس کی پہچان بھی یہی ہے۔ کسی شخص کے سر کے بال اگر کھڑے ہوں تو میرے دل میں فوراً خیال گزرتا ہے کہ کہیں یہی شیطان نہ ہو) نہایت پتلی اور لمبی مانگیں جس میں آپ نے ہلکا سا رنگیری وضع کر رکھا تھا۔ اور نہ (بالا مرزا پن رکھا تھا۔

ہماری بھی عجیب عادت ہے۔ جہاں کسی ایسے شخص کو دیکھا جس میں نہایت کے چارچم موجود ہوں۔ فوراً اس سے بغض نشتر ہو جاتا ہے اور عواذ و عیاذ اس کی صورت دیکھ کر خون کھولنے لگتا ہے۔ قسمت بھی ہم نے وہ پائی ہے کہ جہاں ریل کا سفر ہم نے کیا چاہے ایک ہی اسٹیشن جانا ہو۔ ایک نہ ایک ایسا شخص مل ہی جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ یہ راقصو ہے۔ اور جو مجھے بھی شہرہ ہوا ہو چلا ہے جس کی درجہ میں نے سفر کا ہی چھوڑ دیا ہے۔ اور بالکل "فیئر فو" ہو گیا ہوں۔ مگر تھانسا نے بشریت کبھی قطبیت کو ہلائے طاق رکھنا ہی پڑتا ہے۔ مگر ایسی صورت میں بھی کسی ایسے شخص سے بڑھ کر ہو جائے تو آپ ہی انصاف فرمائیے کہ آپ میں میرا کیا قصور ہے +

شامت اعمال سے مجھے سہارنپور سے بنارس کا سفر دپیش ہوا۔ لاکھ لاکھ لاکھ کوشش کی کہ نہ لانا دوں۔ مگر ضرورت بھلا کیوں مانتے تھی۔ مجبوراً سنگ آمد و سخت آمد سمجھ کر تن بہ نقد پر چل کھڑا ہوا۔ اور یہ تہیہ کر لیا کہ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو میں کسی ایسے شخص کا خیال بھی دل میں نہ آنے دوں گا جس سے مجھے نفرت ہو۔ چنانچہ سارا زور صرف کر کے ذہن کو ہر طرف سے خالی کر لیا۔ اور ڈیوڑھے درجے کے ایک چھوٹے ڈیڑھ میں جس میں صرف تین نیچیں ہوتی ہیں۔ جا کر بیٹھا کہ نہ زیادہ آہی آہیں گے کسی ذات شریف سے ملاقات ہوگی۔ اس ڈیڑھ میں پہلے سے ایک بیچ پر ایک بنگالی بلوہو اپنے زمانہ کے جلوہ فرما تھے۔ دوسری بیچ پر ایک سکھ صاحب رونق افزہ تھے۔ صرف ایک بیچ خالی تھی۔ جس پر فاکسار نے ڈیڑھا والا۔ اللہ اللہ کہہ کر کے گھس کر راستہ بخیر و خوبی کٹ گیا۔ مگر گاڑی کا گھس اسٹیشن پر پہنچا تھا کہ ایک جم غفیر پڑا۔ میری بدقسمتی سے صاحب لوگ منصوری پہاڑے آتر رہے تھے اور اپنی اپنی جگہ والیں جا رہے تھے۔ میرا اٹھا دیکھتے ہی ٹھٹھا کہ یہاں سے۔ خبر بہت گڈ نہ ہوا کہ اس خیال کو آٹھا تھا کہ وہاں یہ ایک عینہ سا رنگیری اور نہ (بالا مرزا پن رکھا تھا۔

وہی۔ کہاں +

میں (اپنے جی میں - اسوقت تو جہنم میں) لکھنؤ میں +

وہی۔ لکھنؤ میں ہمارا آدمی ہوگی +

آپ ہی بتائیے اس میں کیا قصور تھا۔ اگر میں نے بیٹھے بیٹھے انھیں  
بند کر لیں اور سونا بن گیا۔ ذات شریف نے اپنے سوال کو دہرایا۔ مگر بیاں سنا  
برخواست - پھر آپ ہی آپ یہ کہہ کر کہ ”اچھا آپ سو گئے“ دوسری طرف مڑ  
گئے۔ اور میری جان میں جان آگئی +

حضرت کی قبل میں دوسری طرف ایک بیچارے صورت شکل کے بھلے  
آدمی بیٹھے تھے۔ لیکن کسی تہید کے آپ نے ان سے فرمایا +

وہی۔ آپ کیا کام کرتے ہیں +

بھلے آدمی۔ میں ریلوے میں انجنیر ہوں +

وہی۔ اٹھا۔ آپ بھی میری طرح گورنمنٹ سروس میں ہیں +

انجنیر۔ جی ہاں یہی سمجھ لیجئے +

وہی۔ کیا خزاہ پاتے ہیں +

انجنیر۔ میں ابھی حقوق ہوں۔ ساڑھے چار سو پاتا ہوں +

وہی۔ کہاں سے آپ نے پاس کیا ہے گورنمنٹ سروس میں تو باقاعدہ ڈگری  
کی ضرورت ہوتی ہوگی +

انجنیر۔ لندن سے +

وہی۔ کس درجہ میں +

انجنیر۔ اول درجہ میں +

وہی۔ اسی وجہ سے گورنمنٹ سروس میں لئے گئے۔ کہاں جا رہے ہیں +

انجنیر۔ بنی تال +

وہی۔ کیوں +

انجنیر۔ سرکاری کام سے +

وہی۔ یعنی گورنمنٹ سروس پر جا رہے ہیں۔ تو آپ کیس پاس تو دیوے

کاپاس ہوگا +

انجنیر۔ جی ہاں +

وہی۔ تو آپ کو اسباب بک کر ان کی زمتوں کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے +

انجنیر۔ خوش قسمتی یا بد قسمتی سے اس وقت میرے پاس زیادہ سامان

نہیں ہے +

جس سے آپ کی لمبائی میں مستندہ نشانہ معلوم ہوتا تھا۔ قابلیت آپ نے یزرائی  
تھی کہ باوجودیکہ اکتوبر کی شام تھی اور اندھیرا ہو چکا تھا۔ مگر عینک جناب نے وہ  
لگا رکھی تھی جی جوں میں دھوپ سے مخالفت کے لئے نکائی جاتی ہے۔ گویا  
جبئی روشنی اس وقت تھی جس سے وہ بھی آپ کے لئے زیادہ تھی۔ پھر آپ  
ہی بتائیے کہ مجھے ان بزرگوں سے کیسے چڑھ نہ ہوئی اور اس میں کیا قصور  
تھا +

حضرت کا قرب ہی سہاں روح تھا۔ مگر ماما ہمیں بڑھم ہو جاتا۔ تو  
میں ان لپٹا کر میل می می قصور تھا۔ حضرت نے حرکتیں وہ شروع کیں کہ ہر شخص  
بیٹا نہ سہر لہر نہ ہو کر چمک جائے۔ میری جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ بھی  
یقیناً وہی کرتا جو میں نے کیا +

وہی (نہایت کزخت اور حکمتانہ لہجہ میں) کتنے صاحب کہاں جانیے گا +  
جی میں تو آیا کہ ان کے لہجہ کا خیال کرتے ہوئے کچھ میٹر حاسا جواب دوں۔

مگر اس دوسرے کہ میں میری تصویر نہ ہو بہر سہولت جواب دیا :-

میں۔ مجھے بخار بن جانا ہے +

وہی۔ آہ۔ خوب۔ تو آپ بھی میرے ساتھی ہیں +

بتائیے اس میں کیا قصور تھا۔ اگر میں نے اپنے دل میں کہا کہ  
”خدا نہ کرے میں آپ کا ساتھی ہوں“ اور اس سلسلہ میں خفا مانفدم کی جتنی  
دعا میں یا تھیں سب پڑھ ڈالیں اور آفات و ملبات سے بچنے کے جتنے ٹوٹے  
معارف تھے سب کر ڈالے +

وہی۔ (آپ ہی آپ) مجھے جانتا تو وہ اصل ہے کہ وہ کھوڑا مگر چونکہ راستہ معلوم  
نہیں تھا میں نے اپنا سارا اسباب بنائیں کو تک کر ڈالا ہے +

مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے فکر کر لیا: ”بہتر تو یہ ہونا کہ آپ اپنا اسباب  
ہوڑا کشیش کے لئے بک کر دیتے؟“

وہی۔ مگر اس میں دقت یہ تھی کہ ہم لوگ گورنمنٹ سروس والے بڑے جمہور ہیں۔  
اُسے دن تبادلہ ہونا رہتا ہے۔ اور اسباب کے لئے کوئی ہمیشہ

نا کافی ملتا ہے۔ اس لئے ہم لوگ سب سے قریب کا راستہ اختیار  
کرتے ہیں۔ میں سب درجہ ہوں میرا تبادلہ مسعودی سے کر دیکھو

کو بہ گیا ہے۔ اسباب میرے ساتھ بہت ہے۔ آپ کے ساتھ بہت  
شعور اسباب ہے۔ آپ کیا کام کرتے ہیں +

میں۔ واکٹ کرتا ہوں +

شاہجہانپور کے اسٹیشن پر ایک کر دین (گٹ کھلنے والے انکرکٹ نامک اندازاً رات کے تین بجے ہوئے) میں نے اپنا ٹکٹ جالے کر دیا۔ جب ذات شریف سے ٹکٹ نکلا تو گے بھاگ کر گئے۔

وہی۔ آپ لوگوں کی یہ کیا عادت ہے کرات ہی کو اگر جگاتے ہیں +

کرومین۔ میں مجبور ہوں میری دوٹی میں سے شرع ہوتی ہے +

وہی۔ تو آپ کو معلوم نہیں کرات کو جگاتے کا حکم نہیں ہے +

کرومین۔ یہ قاعدہ عزت اپنے درجہ کے مسافروں کے لئے ہے +

وہی۔ کیا معنی، ج آدمی نہیں۔ آپ جانتے نہیں کہ میں گورنٹ سروس میں ہوں + کرومین۔ تو آپ اول یا دویم درجہ میں کیوں سفر نہیں کرتے کرات کو جگاتے نہ جگاتے اس کے ہمد میں سو گیا۔ مگر جھگڑا جاری رہا +

کیا رگی کان میں ایک ہونٹ کی آواز آئی جیسے کسی نے گھونٹہ چلایا جو اور وار خالی گیا ہو۔ آٹھ گھول کر دیکھتا ہوں کرات شریف کھڑکی میں سے نصف سے زیادہ جسم نکالے کر دین سے ٹکڑی بازی کی مشق کرنے کی سعی لینا فرما رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ چلتے بھی جاتے ہیں۔ مگر جو خالی گیا تو آپ نہایت تیزی سے باہر چلے اور دین ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ شروع کیا کہ "چلو گاڑے تمہاری شکایت کرتا ہوں۔

کس نے ساڑھے پانچ تھیں دینے اب تم ساڑھے تین ہی واپس کر رہے ہو

کرومین۔ آپ گاڑے شکایت کریں یا جس سے بھی چاہے۔ جتنے ٹکٹ اپنے مجھے دیئے تھے میں نے اتنے ہی واپس کئے۔ بھلا میں آپ کا ٹکٹ لیکر کیا کرتا +

وہی۔ میں نہیں مانگتا نہیں چلنا چوگا +

غرض کہ نہایت شد و سد سے بزرگوار کر دین کو گھسیٹ کر لیگے۔ اور تھوڑی دیر بعد اپنے ہونے گاڑی میں اگر پھر بیٹھ گئے اور گاڑی روانہ ہو گئی۔ میں پھر بیٹھا ہر دوئی کے اسٹیشن پر جب گاڑی رکی تو وہی کر دین پھر آیا۔ اور کہہ کر "جناب اپنی جیبوں میں پھر تلاش تو کیجئے شاید کوئی ٹکٹ رہ گیا ہو۔ ہائے بزرگوار نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور نہایت زور سے انگریزی میں چیخ کر کہے +

"آئی بگ پور پارڈن" (میں آپ سے معافی مانگتا ہوں)

بتائیے اگر ایسے شخص سے بعض لٹہ ہو جائے تو

اس میں کیا قصور ہے

"مظلوم"

(خاص)

وہی۔ (درجہ کے سارے اسباب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) مجھے دیکھئے کہ اتنا سامان تو ساتھ ہے اور مال گاڑی کا ایک پورا ڈبہ اسباب بک کر اچھا ہوں +

انجینئر۔ تو آپ اتنا سامان کیوں رکھتے ہیں کہ رحمت ہو +

وہی۔ جی۔ ہم لوگ گورنٹ سروس والے اتنا سامان رکھنے پر مجبور ہیں۔

انجینئر۔ (مسکرا کر) میں تو ایسا کوئی قاعدہ نہیں جانتا +

وہی۔ (نکایت منانے سے) کوئی سرکاری قاعدہ نہیں۔ بلکہ اپنا رعب قائم رکھنے کے لئے +

جب غریب انجینئر ہر جرح ہو رہی تھی۔ میں بار بار ارادہ کرتا تھا کہ حضرت سے کدو کر ایک سوال پتائی رہا جاتا ہے۔ یعنی انجینئر صاحب بدھ کے دن انڈے کھاتے ہیں یا نہیں۔ مگر اس دور سے کہ میں میرا ہی قصور نہ ہو خاموش ہی ہو رہا۔ ایک گھنٹہ سر کھپانے کے بعد جس میں کم از کم سیکڑوں مرتبہ گورنٹ سروس کا لفظ ذات شریف نے استعمال کیا ہوگا۔ انجینئر صاحب خاموش ہو رہے۔ اور ان کی خوش قسمتی سے بریلی کا اسٹیشن بھی آگیا۔ جہاں بیٹی تال جاتے کے لئے نہیں گاڑی بدلتی تھی۔ اس طرح ان کی گھلو خلاصی ہو گئی

ذات شریف نے دو ایک محلے سارے والی سکھ بچے کے سکھ سا فر پڑی کے

گراؤں نے سستی آن سستی ایک کر دی۔ شاید اس اثنا میں وہ ان سے واقف ہو گیا تھا۔ بیگمائی بابو حضرت نے غائب کرنا چاہا۔ مگر خوش قسمتی سے وہ ان کی زد سے باہر تھے اور اپنے "زنا دے" باتوں میں اس قدر مہمک کہ ہمارے ذات شریف کو مداخلت بجا کرنے کی ہمت نہ پڑی اور اپنا سامان لے کر گئے +

کوئی اور ٹکٹا بیٹھتا نہ دیکھ کر باکسی اور کو لائق خطاب نہ پا کر ہمارے بزرگوار نے سونے کی اور پھر آفت دھانے کی نصیحتی کرنی آئی اس چوٹی میں بیچ پر جس پر صرت ایک آدمی سو سکتا ہے۔ باوجود کہ دو آدمی آپ کے سرانے ابھی بیٹھے تھے اور میں باقی کو نے میں بیٹھا تھا۔ آپ نے بسنی تانی۔ جوں جوں گاڑی آگے بڑھتی گئی۔ آپ کا پاؤں بھی پھیل گیا۔ یہاں تک کہ آپ تقریباً سب بچ کے مالک تھے میں سکرٹے سکرٹے کو نے میں اس قدر چپک گیا تھا کہ میرا قدم اللہ وجود دونوں برابر تھا +

لوگ کتھے ہیں کہ سولی پر بھی زندگانی ہے۔ پہلے اگر مجھے اس میں کچھ شبہ ہو تو وہ دور ہو گیا۔ اور اس دن کے بعد نہیں چوگا یعنی باوجود اس کوفت کے بھی میری آنکھ ٹپکتی گئی +

# ننھا ادیب

ارنشاہ سو فی صفوۃ الازلیک صاحب وادی

(۱)

لئے خوبصورت تصویروں والی کتابیں بھی بڑی ہیں۔ ہمارے ماسٹر صاحب بڑے اچھے ہیں۔ کد رہے تھے کہ بڑے ہو جاؤ گے تو تمہیں ہم رسالہ منگا دیں گے۔ دیر سی مہینا آیا پاس آتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ تمہیں اردو پڑھنی آ جائے تو ہم بھی اپنا کی طرح کتابیاں لکھ کر تصویروں والے رسالے میں بھیجیں۔ کیوں نا کیسی اچھی بات ہوگی۔ میں نے ایک کتاب ادیب۔ ت کی لکھی ہے۔ اس میں اپنا سبقتی۔ بندے۔ نام سب لکھا ہے۔ اسے چھپا کر دکھا دوں گا۔ بڑا ہو جاؤں تو چھپوا دوں گا۔ سب کہیں گے۔ بھئی وہاں، ارشد تو بڑے چھپے رستم تھے۔ چھپے ہی چھپے کتاب چھپواؤ۔ پھر کیا مزا بیچو۔ ہاں جی ہاں؟  
”میں تو، کتاؤ“  
”اچھا“

(۳)

ارشد آج صبح سویرے اٹھا۔ اب وہ ساڑھے چھ برس کا ہے۔ آج اس کا دل کسی آنے والی خوشی کا انش رکھ رہا ہے۔ اس کا چہرہ اس بات کا ثبوت دے رہا ہے۔ کہ وہ انتہائی خوش ہے۔ وہ ادھر ادھر چتا پھرتا ہے۔ وہ خود تھیرتا ہے۔ کہ وہ کیوں اتنا خوش ہے۔ اور اس نے اس کی خوشی خود ایک منہ تھی۔ ڈاکیر وذا تھا اور کتنا تھا ”خط منکا بیچے صاحب“ لیکن آج جب وہ آیا تو ارشد کو اس کی آواز موسیقی سے زیادہ دلکش معلوم ہوئی۔ وہ دھڑا ہوا گیا۔ اور اس سے ڈاک لے لی۔

”آہا! بھول آگیا“ اس نے ہلکی سی کد بھول کو کھول کر وہ فوا خوشی سے چلا آٹھا۔ اتنی سری کمانی بھی چھپ گئی دیکھو کسی اچھی معلوم ہوئی جو تنہی کی کمانی تنہی کی زبانی اور آگے میرا نام بھی لکھا ہے۔  
وہ خوشی سے تاج رہا تھا۔ اس ہاتھوں میں کد اٹھانے کی آنکھوں میں دنیا خوشی سے لبریز نظر آ رہی تھی +

میرے دوست ارشد کا گھر آجکل خوشی کا منبع اور مخزن بنا ہوا ہے۔ ہر ایک شخص کے چہرے پر انتہائی خوشی کے نشان چھو رہے ہیں۔ دیکھنے والوں کو اشتباہ ہوتا ہے کہ ان کا کونسا ننگ ان کے گھر کو اپنی فہرست میں درج کرنا بھول گئے ہیں۔ یا ان کے دل میں بھی اتنا دم پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اس خوشی کو جو ننھا ارشد اپنے ساتھ لے کر اس دنیا میں آیا ہے۔ انہی بے جا دست درازوں سے لیا میٹ کر نا نہیں چاہتے۔ بچے سب کے ہاں ہوتے ہیں۔ بچے سب کو پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ننھا ارشد جس دھڑکی اور کشش کا مالک ہے۔ وہ فہرست میں شامل ہے +

دن گذر گئے اور گذر رہے ہیں۔ ننھا ارشد اب خاصا بڑا ہو گیا ہے۔ اس کی صحت نے اس کی خوبصورتی کو اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔ وہ اپنے چنگوڑے میں لیٹ کر اپنے انگوٹھے کو اپنے منہ میں لیکر جب ادھر ادھر غور سے دیکھتا کرتا ہے تو میں محسوس کیا کرتا ہوں کہ وہ اس دنیا کا جائزہ لے رہا ہے جس دقت و دہائی بڑی بڑی گول آنکھوں سے مجھے دیکھتا ہے تو میرا دل خروچ ہو جاتا ہے۔ جب میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے خود بخود ہے کہ کیوں میرا دل انتہائی خوش محسوس کرتا ہے +

(۲)

آج ارشد کی پانچویں سالگرہ ہے۔ تمام گھر بھی ایک خوشی کا مخرج بنا ہوا ہے۔ آج اس کے دوست جو کہ بہت ہی ننھے ننھے سے خوبصورت بچے ہیں۔ جمع ہو رہے ہیں۔ ارشد کی میزحفوں سے بھری ہوئی ہے +  
وہ خوش ہے اور اپنے کھلونوں اور تحفوں کو کنکلیوں سے دیکھ رہا ہے اس نے اپنے ایک دوست حمید کے محلے میں باہن ڈال دیں اور کتنا شرمو ع کیا۔  
”تم ہر سہ جانتے ہونا۔ ہماری اتنی تو ہمیں کہیں نہیں سمجھتیں کہتے ہیں ہمارے میں کھلوٹے ہوتے ہیں۔ اچھے اچھے دوست ہوتے ہیں۔ پڑنے لگے

مبارکباد دے رہے تھے کہ اب اس کو ان کی طرح خوف خزاں نہیں ہوتا  
اب دنیا کی کوئی طاقت اس کو بردہ نہیں کر سکتی۔ اب وہ حیاتِ جاودانی کا  
مالک ہے۔ میں آگے بڑھا۔ ہاتھری سے چل رہی تھی۔ میری نظر کتبہ پر پڑی۔  
اور میرے منہ سے بے اختیار ایک جھنجھل نکلی گئی۔

”ننھا ادیب“

ارشاد

۱۹۲۸ء

میرے اوپر پھر جنون غاری تھا۔ آہ! میرے پیارے۔ میرے دوست۔  
میرے ————— توہاں اس قدر آرام کی نیند سو رہے۔ جبکہ تمام دنیا  
عید کے مزے لوٹ رہی ہے۔ لیکن تیرا دل مجھے یقین سے اُن سے زیادہ خوش  
ہو گا۔ اے بے لوث فرشتے! اے مسمویت کے سراج! اے اعلیٰ ملکوں  
کے بادشاہ! اے سوا آرام سے سو لیکن میرے دل۔ اُن دو گیسوں کا نیاں  
رگہ ————— لانا تجھ پر دونوں ————— پھول یہاں کہاں سے ملاؤں۔  
آہ! تو خود پھول تھا۔ پھول سے زیادہ نازک تھا۔ کبھی سے زیادہ جوان تھا۔  
تیری لمحہ جنت کے پھولوں سے بھری ہوئی ہوگی۔ ————— پھر تو اس دنیا  
کے مر جانے والے پھولوں کی کیوں تیرے مرنے لگا

آج

عید ہے۔ ————— عیدِ نبرہاں رہے ہیں۔ توگ خوش ہیں۔ بقیہ ہیں۔  
اسلامی دنیا میں چل پل ہے۔ لیکن تو گواہ ہو کہ میری آنکھیں تیرے  
سگ میں خوب چکاں ہیں۔ ————— ننھے ادیب! اب نصرت ————— پھر آؤ گا۔ تو  
خود آج! تو کسی عیدِ نبرہ کے لئے جسے حال سے زیادہ کی کوئی چیز خوش ہو سکتی ہے!  
صفوۃ الشدید (خاص)

(۴)

میرا تبادلہ ہو گیا۔ اس لئے میں اپنے دوست ارشاد اور اپنے ننھے مٹے  
عزیز ارشد سے وداع ہو کر چلا گیا۔ کبھی کبھی اٹھا دتا ایک اوجھڑا آجاتا اور  
میں خوش ہوتا کہ اب تک ارشد مجھے یاد کرتا ہے۔  
مجھے آئے ہوئے کوئی چھ سات مہینے ہو گئے ہیں اپنے آفس میں بیٹھا  
تھا کہ ڈاکٹر ایک کارڈ لایا جس میں لکھا تھا:۔

پیارے دوست صوفی

آہ! کیسے لکھوں۔ کس قلم سے لکھوں۔ کہ تمہارا دوست۔ تمہارا عزیز اس  
دنیا میں نہیں ہے۔ اور وہ ہم سب کو داغِ مفارقت دے چکا۔ آہ! اُس نے  
کیسے پیار سے مرنے وقت تمہارا نام لیا۔ میرے کبوتر منہ کو آ رہا ہے۔ قلم کا نپ  
رہا ہے۔ آہ۔ نصرت +

غزوہ ارشاد

میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ میں نے قلم رکھ دی میرا سر جھک رہا  
تھا۔ اور مجھے اس دنیا کی خبر نہ تھی +

(۵)

دن۔ دن سے مہینے۔ اور مہینوں سے سال گذر گئے۔ اب کے عید پر  
میں دہلی گیا۔ شام کو جبکہ تمام شہر جامع مسجد پر عید کی سیر کرنے لڑکے پھرے  
پہنے جمے اندر تھا۔ میں شہر سے باہر ٹمٹاں ملتا چلا گیا۔ میں جا رہا تھا۔ اور بہت  
تیز جا رہا تھا۔ میں ضرور کوٹھاکو میں ایک کشش محسوس کر رہا تھا۔ جو کہ مجھے کھینچ  
رہی تھی۔ میں قلعہ کے پیچھے دور تک غیر آبادی اور گھاس میں چلا گیا۔ وہاں ایک  
تیرہ کھائی دی۔ حوادثِ زمانہ نے اُس کو توڑ دیا تھا۔ یہ نہایت چھوٹی  
سی قبر تھی۔ نیم کے پتے اُڑا کر گواں پر پڑ رہے تھے۔ اور آرام کرنے والے کو

## تاریخ اسلام پانچ ضخیم حصوں میں

اسلام کی سیاسی و تمدنی ترقیوں کی دلچسپ تاریخ اُتدائے اسلام سے لے کر موجودہ زمانہ تک پانچ ضخیم جلدوں میں تیار ہو چکی ہے۔ پانچ حصوں کے  
مکمل سیٹ کی قیمت پانچ روپے (۵) ہے۔ ہر اسلامی اور تاریخ و تمدن سے دلچسپی رکھنے والے گھر میں یہ کتاب موجود رہنی چاہئے +  
لئے کا پتہ:۔ میجر رسالہ نیرنگ خیال شاہی محلہ لاہور



# ”شاہجہان کی رحلت“

## پروفیسر جادو ناتھ سکر کا ایک تاریخی مقالہ

ترجمہ جناب فخر قریشی دہلوی - تسلیم ہئی ۱۰۷۱ھ

جب ۸ جون ۱۶۵۸ء کو شہزادہ محمد سلطان اپنے باپ کے ایام سے معزول شاہجہان سے قلعہ آگرہ میں ملے آیا تو چوڑھے دادا نے بہت انکساف اور محبت سے استقبال کیا اور مشورے کر کے اسے اس نوجوان کی تعریف و توصیف کے بدلے سے درغلانے کی کوشش بھی کی تاکہ وہ شاہجہان کے نائب کی حیثیت سے تخت پر بیٹھ جائے اور اورنگ زیب کے خلاف علم بغاوت بلند کرے جس کی امداد کے لئے شاہجہان اپنے شاہی وقار کو کام میں لانے کی کوشش کرنے کا وعدہ کر رہا تھا۔

نہیں کیا جا سکتا کہ فی الحقیقت ایسی کوئی تجویز نوجوان شہزادہ کو پر جانے کے لئے پیش کی بھی گئی تھی یا نہیں لیکن اگر فرض کر بھی لیا جائے تو یہ ظاہر ہے کہ شہزادہ نے اسے فوراً رد کر دیا ہو گا کیونکہ اورنگ زیب کے اچھی امداد باپ بیٹے کے درمیان ذریعہ پیام رسانی کے علاوہ شہزادہ کی علیحدہ کوئی حیثیت نہ تھی۔ اس کا کام صرف یہ تھا کہ قلعہ کی ایک ایک منٹ کی حالت سے اورنگ زیب کو باخبر کرے۔ شاہجہان کی ہر نقل و حرکت اور گفتگو اور ارادہ سے باپ کو خبردار کرتا رہے۔ اس کے علاوہ اسے کچھ اختیار نہ تھا۔ فوج کا مکمل اختیار اورنگ زیب کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے کسی بغاوت کا خیال لامحالہ حاصل نہ تھا۔ علاوہ انہیں قلعہ کے کھن یا نکل بے دست و پا تھے۔ کیونکہ کوئی شخص اس میں داخل نہ ہو سکتا تھا جب تک اورنگ زیب کی اجازت حاصل نہ کر لی گئی ہو اور وہ قلعہ کی آمد و رفت پر سخت احتساب قائم کے ہوئے تھا۔ اگر اس کا لڑکا باغی ہو بھی جاتا تو باپ کا عتاب ادا اس کی سزا بعد از مرگ ہی ہو جاتا۔

اس وقت کی بعض قرائن میں جن کی بحیثیت دوم درجہ کی بھی جاتی ہے

## باب اول

### بادشاہ اور زندان کی سلاخیں

فقہدینے کی قیادت میں جب شاہجہان نے آگرہ کے دروازے کھول دیئے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عمر کے بقیہ حصہ کے لئے ایک ”شاہی قیدی“ بنادیا گیا۔ ”بادشاہوں کے بادشاہ“ کے لئے یہ فوری انقلاب بجد صبر آزمایا اور سنج تھا اور گواہی دینا اس نے ”شرف“ سے احتراز کرنے کی انتہائی جدوجہد کی۔ مگر بیٹے کے آہنی ارادہ کے آگے ایک نہ چلی اور مجبوراً معینہ ہونا ہی پڑا۔ ابتدائی سے حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی تھی کہ شاہجہان کے لئے فرار یا آزادی بالکل ناممکن ہو گئی تھی۔ پورٹھا تھا۔ ضعیف و خجست تھا۔ امرا و اکابر خارج سے جاملے تھے۔ اب سوائے حرم کی عورتوں۔ اور خواجہ سراؤں کے اسکا نہ کوئی مشیر تھا اور نہ صلاح کار۔ چاروں طرف مظہر بیٹے کی فوج گھیرے پڑی تھی۔ اور بارہ درگاہا سوسوں کی نگرانی دن رات ہو رہی تھی۔ وفادار لڑکوں کا دلہاؤ بھی اس سے دور تھا۔ علاوہ ازیں خطوط اور بیانات پر بھی اورنگ زیب نے سخت محاسبہ کر رکھا تھا۔ اس لئے بیرونی دنیا سے اسے کسی امداد کی توقع نہ تھی۔ نہ بازوؤں میں دم تھا کہ میدان میں نکل سکے۔ اور نہ پشت پناہی کے لئے جانا زاد و فادادہ امرا تھے۔ جو آڑے آسکتے۔ غرض ایک ”محل اعظم قدرت کی ستم خیزی کا مرکز تھا۔ اور قدرت تھی کہ وہ شیخ سے اب رحمت ہو جائے۔ مگر وہ اس قانون کی بنیاد کی کو محسوس کرنے میں بہت سہل انداز سے کام لے رہا تھا۔

## باب دوم قید کی سختیاں

آزادی کی یہ تمام کوششیں کوئی نتیجہ پا نہ کر سکیں۔ اس یہ ضرور ہو گا کہ نیک نیتیاں اور پابندیاں بڑھتی ہی چلی گئیں۔ قلعہ آگرہ کا محاصرہ کرتے ہی اورنگزیب نے چاروں طرف ایک زبردست حفاظتی فوج منتقل کر دی تھی۔ شہزادہ محمد سلطان کو قلعہ میں بھیجا تھا۔ تاکہ اندری دم دم کی خبریں ملتی رہیں۔ قلعہ کے اندر دو گروہ کے تمام مکانات اور عمارتیں گورنٹ کے حکم سے خالی کرادی گئی تھیں۔ تاکہ فوج قلعہ سے قریب تر رہ سکے اور ہر وقت گولیاں رکنے میں آسانی ہو۔

غرض شاہجہان اب بالکل گھیر گیا تھا۔ ہر طرف دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے دوستوں سے مل بھی نہ سکتا تھا۔ فیروزنگ زیب کی اجازت اور محمد سلطان کی حمایت اور موجودگی کے شاہجہان کسی نوادہ سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ قیدی کے ہر جملے کی پورٹ اورنگ زیب کو بھیجی جاتی تھی تاکہ وہ ملاقات کی فوجیت سے باخبر ہو جائے۔ غرض آخر تک شاہجہان کی نقل و حرکت گفتگو اور خط و کتابت پر سخت محاسبہ ہوا۔ ہر چیز کو شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا۔ چنانچہ مشہور اطالوی بندوق ساز ”منوکی“ اپنی ڈائری میں صفحہ ۷۷ پر لکھتا ہے کہ ”میں جب کبھی قلعہ میں گیا شاہجہان کی سخت نگہبانی ہوتی دیکھی۔ اس قدر احتیاط رکھی جاتی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ شاید ہی کوئی دن ہوتا جو گا کہ میں بادشاہ سے گفتگو کرنا ہوں۔ مگر میرے واپس ہونے سے پہلے ساری رپورٹ خواجہ سرائوں اور جاسوسوں کے ذریعہ سے اورنگ زیب کو پہنچ جاتی تھی“

اورنگ زیب نے باپ کو بار بار لکھا کہ وہ بیرونی دنیا سے خط و کتابت کرنا بے ضرر دے۔ کیونکہ اس سے ملک میں بے ثباتی اور بد امنی پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ جس پر شاہجہان قلعہ میں جبر کر رہا تھا۔ ”کیوں؟ میں اس کا حکم کیوں مانوں؟ کیا میں اس کا بیٹا ہوں۔ ہرگز نہیں میں اس کے حکم کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اور اس فعل سے ہرگز بازنہیں آ سکتا“

چنانچہ اورنگ زیب کو ایسی تدابیر اختیار کر پڑیں کہ ”ملک میں امن و امان قائم رہے۔ اور خواجہ سرائوں (جو اس قسم کے خدائی خطوط کی ناجائز ترسیل کا واسطہ بنتے تھے) استعمال کر دیا جائے۔ اور شاہجہان کے جلاوطن اس قسم کا آڑ کا کوئی نہ رہے۔“ ”وفا“ نامی ایک باغی خواجہ جس کی سزا کے متعلق پرتو رنگ زیب نے

یہی واقعہ درج ہے کہ شاہجہان نے قلعہ آگرہ میں لٹنے کے لئے اورنگ زیب کو بلایا اور ایک سازش تیار کی کہ جب وہ آنے تو تاناری عورتوں سے (جو رحم کی حفاظتی فوج ہو کر کئی تھی) اسے قتل کر دیا جائے لیکن یہ محض افواہ سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اس نوعیت کی کسی سازش کا خیال اور اس کے نتائج سے لوگ پہلے ہی سے واقف ہو کر تھے اور احتیاطی تدابیر اختیار کر لی جاتی تھیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے مشیر ملک شیر اور شاہین شاہ سے مشورہ کے بعد اس دعوت کو رد کر دیا۔ اس سازش کا بھانڈا ”نامرول“ نامی ایک غلام نے چھوڑ دیا۔ اسی سلسلہ میں شاہجہان اور دارا کے درمیان ایک نچھیلنے لڑائی کا بھی سراغ چلا۔

شجاع کا موت جو مستحکم جو اس زمانہ میں بنگال میں قائم تھا۔ اور قلعہ کی اونی اونی خبریں بھی کبھی سن پاتا تھا ایک واقعہ لکھتا ہے جو بڑاری گپ سے زیادہ وقت نہیں رکھتا۔ وہ لکھتا ہے کہ شاہجہان نے مراد کو خط لکھا کہ وہ محمد سلطان اور اورنگ زیب کو ایک سفارت میں بلائے اور قتل کر دے۔ مشہور ہے کہ لا پھر وہ مراد نے اپنے خط کتابت میں چھوڑ دیا اور بھول گیا۔ اس کے کتب خانہ کے نگراں نے جسے یہ خط لکھا تھا خود آوازنگ زیب کے ہاتھ ایک بڑی بھاری رقم کے عوض بیچ دیا۔ چنانچہ اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو قید کر کے اس خط کے امکان کو فوراً ختم کر دیا۔ جہان فخر نے ان کو روک کر کہے ہیں۔ کیونکہ کوئی قابل قبول تاریخی ثبوت ہم نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن اس حقیقت سے تو یقیناً انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاہجہان زندان کی سلاخوں سے سسر ٹکرا رہا تھا۔ اور آزاد ہونے کی انتہائی جدوجہد کر رہا تھا۔ وہ دارا کو اپنے تخت آئینہ خط واد و مشورہ سے برابر مدد دے رہا تھا۔ خواجہ سرائوں ان خطوط کو دھوکے کے تلوکے کے ہاں لے جانے میں کامیاب ہو جاتے تھے اگر اورنگ زیب کے آدمیوں کے ہاتھ میں پڑ جاتے تھے۔ تو بہت ہی سرعت تک سنا پاتے تھے۔ مگر شاہی قیدی برابر پیام و سلام کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ آزادی کی ایک آخری کوشش شاہجہان نے اس وقت کی جب اسے یہ معلوم ہوا کہ شجاع پٹنہ سے آگرہ کی طرف چل کر نکلے لئے روانہ ہو گیا ہے۔ یاد رہنا ہے۔ بادشاہ نے اس فعل کی بہت بہت افزائی کی اور شجاع کو بہت دعائیں دیں۔ اور تمام وفادار رعایا سے درخواست کی کہ وہ شجاع کی مدد کرے اور فاصبت کی اعانت سے احتراز کرے۔ لیکن جب بیٹھ (ہندی میں لکھا ہوا) شجاع کو پہنچا تو وہ لکھا کہ وہ کے مقام پر پہنچ چکا تھا۔ جہاں اس شہنشاہ کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔

سے بالکل غائبانہ حرکت سمجھتا تھا۔ اس کے لئے ان جواہرات کو جو اس کے جسم پر تھے باقلمہ آگرہ کے شاہی خزانہ میں تھے ہرگز نورنگ زیب کے حوالہ نہ کرنا چاہتا تھا۔

شاہجہان کی اس دلیل کے جواب میں اورنگ زیب نے لکھا کہ چونکہ شاہی املاک و خزانہ پر کوئی "عشر" مقرر نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال ہونا چاہئے۔ زمین پر بادشاہ خدا کا نائب بنکر آتا ہے۔ اس لئے اسے مال و دولت پر بجا نصرت نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ دلوں کی اصلاح و فلاح کے کاموں میں صرف کرنا چاہئے۔

لہذا نصرت شاہجہان سلطنت سے بے دخل کر دیا گیا۔ بلکہ قلمہ آگرہ کے خزانہ پر بھی اس کا کوئی حق باقی نہ رکھا گیا۔ اور چونکہ اب وہ ایک گوشہ نشین اور عداقتناہی کی مطنین زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس کے لئے اس کے جسم پر بھی کسی قیمتی شے کا ہونا اور دنیاوی مال و اسباب کی محبت اس کی مذہبی زندگی اور آخری ایمان کے پیر سکون لمحوں کو براہ کسر نہ دانی ثابت ہو سکتی تھی۔ اس لئے اسے اپنے تمام جواہرات اورنگ زیب کے حوالہ کر دینا چاہئے تھے!

گھپ باز موزع معصوم کھتا ہے کہ نورنگ زیب نے اپنے لڑکے محمد سلطان کو شاہجہان کے پاس دوتخت ملاؤں لینے کے لئے ایک دفعہ پیر بھیجا۔ پیر شاہجہان نے ایک آخری بچہ اس پر ڈالنے کے بعد اسے دو تختے اس میں سے نکال لئے جن میں پیش قریب نعل اور تیر سے بکثرت چڑھے ہوئے تھے جو تخت کی جان سمجھے جاتے تھے۔ مگر پیر میں دو تختے بھی محمد سلطان کی درخواست اور کچھ اورنگ زیب کے خوف سے واپس کر دیئے۔

دارائے قلمہ آگرہ سے فرار ہونے سے پہلے عاتیس لاکھ روپے کے جواہرات جو اس کی بیویوں کی ملکیت تھے حرم کے ایک محفوظ کمرہ میں بند کر دیئے تھے۔ اورنگ زیب نے ان کی داپھی کا مطالبہ کیا۔ مگر شاہجہان نے دینے سے انکار کر دیا۔ اور حصول زر کی کیش کشک عرصہ تک جاری رہی۔ بالآخر شاہجہان کو بارہ ماہی پڑی اور وہ جواہرات اورنگ زیب کے حوالہ کئے گئے۔

مشہور موزع مفتی خان اور اعلیٰ تاج منو کاٹی کے بیانات کے بموجب ہم یہ مانتے پر مجبور ہیں کہ اس تمام باہ و خردت کے مسئلہ کے باوجود اورنگ زیب کی جوش نہ رہا۔ ہر جرمہ رہی قوم۔ اس کی جڑیں نکلی ہیں اب اس بارہ پر نہیں ہیں جس میں تسوئل ایک ہی جامت ایک ہی ذوق اور ایک ہی رنگ اور صف کے تسلسل تھے اور جن کی مجموعی قیمت پانچ لاکھ روپے تھی۔ پھر اس سیرے کی آری کا کیا بیابوہم

تمام خواجہ سراؤں کے نام ایک نمبر جاری کی کہ "اگر انہوں نے وفا کی طرح کوئی حرکت کی تو انہیں سبھی وہ سزا بھگتنی پڑے گی جو وفا کو ملی ہے!"

بادشاہ کو نوش و خور کا سامان بھی نہ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب اسے کوئی خدا لکھتا ہوتا تھا تو ایک خواجہ سرا جو اس کام کے لئے مخصوص تھا اور عموماً لوگ کام کرتا تھا بلایا جاتا تھا اور شاہجہان خط کا مضمون پویل دیتا تھا۔ قلم و دوات اور کاغذ شاہجہان کے ہاتھ میں نہیں دیئے جاتے تھے۔

ہر خط شاہی جیلر کے ہاتھ میں سے گذرتا تھا۔ اس لئے شاہجہان کے لئے بیرونی دنیا سے امداد حاصل کرنے یا اپنے رفیقوں سے اپنی بھائی کے لئے کوشش کرانے کے لئے کوئی پیغام رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ بالکل بے بس تھا۔

یہ تاریخ کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہے کہ چالیس سال بعد بالکل اس ہی قسم کی نگہبانی اور امتیازی تدابیر کا رخ اورنگ زیب نے اپنے ہی پیشے کی طرف پھر رکھا تھا! چنانچہ واقعہ ہے کہ جب شاہ عالم نظر بند تھا اور کوئی بادشاہوں کے ساتھ ساز باز کرنے کے جرم میں کئی سال تک مقید رہا۔ اس کی ایسی ہی نگہبانی کی جاتی رہی۔ جیسے شاہجہان کی ہوتی تھی۔ اور جب وہ رہا کیا گیا اور ملتان کا حاکم بنکر بھیجا گیا تو اسے اپنے حرم میں قتل خان لیمائے کی اجازت نہ تھی۔ قلمہ آگرہ کو سخت تاکید دی کہ وہ شہزادہ کی خط و کتابت اور ترس پیام و سلام پر سخت اعصاب و نگہبانی رکھے!

## باب سوم حصول دولت کیلئے جدوجہد

خدا نے اعظم کا میل القدر اور پُر شوکت شہنشاہ اورنگ زیب کی قید میں اپنے تمام دنیا دار شاہان و نصوص کو کھو بیٹھا تھا۔ تاریخ شاہ ہے قلمہ آگرہ اور شاہی خزانہ کے بیش قیمت جواہرات کے حصول و تحفظ کے لئے باپ اور بیٹے کے درمیان ایک مسلسل جدوجہد ہو رہی۔ شاہجہان گو بے بس اور مقید تھا مگر بے غرض کسی طرح گوارہ کر سکتا تھا کہ اس کا بیٹا نہ صرف سلطنت کو غصب کر لے۔ بلکہ اس کے ذاتی جواہرات اور خزانہ پر بھی دست تصرف دما ز کرے یا سلطنت کے خزانہ پر بیجا مداخلت و تجسس جائز سمجھے۔ شاہجہان اب ملک اورنگ زیب کی اس تمام دستبرد و سلطنت کے مفاد کے منافی اور قانونی نقد نظر

اور اقتنا کاسلوگ کرنے لگا۔ اعلیٰ کیستیاج متون کا اپنی دائرہ کی  
کے دوسرے باب کے صفحہ ۷۰ اور ۷۱ پر مندرجہ بالا درج کرتا ہے :-  
" یہ خواجہ سلاشا جہان کے ساتھ بہت بڑی طرح بیٹا تھا۔  
بالکل اس طرح گویا یہ بادشاہ کوئی علامت گوبش تھا۔ .....  
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس نے اپنی شاہجہان (نے) خواجہ سلا  
سے ایک پویشوں کی چوڑی کے لئے کلا کر بھیجا۔ اس بیعت  
اور حرام خواجہ سلا سرنے نہ آئے وہ چلے والی نہ چار روپے والی بلکہ  
معمولی چوڑی کے خراب سی پویش باوٹہ کو بھیجوا دی۔ اور اس  
فضل پر بہت مسرور ہوا۔ گویا کہ اس نے کوئی بہت بڑا کام انجام  
دیا تھا۔ ..... ایک دن اس نے اپنی شاہجہان (نے) دو ستر جنس رہ  
استعمال کرتا تھا۔ خواجہ سلا کو بھیجوائے تاکہ ان کی حرمت جلد ہو جائے  
اور جلد ہی اندھ بھیجوا دی جائیں۔ مگر اس خواجہ سلا نے ان ساروں کو  
ایک طرف لا پر داہمی سے ڈال دیا۔ اور انہیں کہ کچھ پھل نہ لے کر  
جب تین دن بعد شاہجہان نے ان ساروں کو منگوا یا تو وہ فحش  
میں آپسے باہر ہو گیا۔"

جب سابق شہنشاہ کے ہوشاک خانہ کے افسر اعلیٰ خواجہ مامور کا افعال ہوا تو پتہ چل  
کے تمام کرے منتقل کر دینے لگے اور تبدیل لباس کے لئے شاہجہان کو کوئی دن  
تک وقت ہمیش آتی رہی۔ اور یہ اس وقت تک رہی جب تک ایک نیا افسر متین  
ہو کر نہ آیا۔

## باب چہارم

### "باپ بیٹے کے درمیان تلخ خط و کتابت"

تئید کے اولین سال کے دوران میں باپ اور بیٹے کے درمیان ایک تلخ خط و  
کتابت ہوئی ہے۔ اس تمام بحث و تہمید کے دوران میں او درنگ زیب نے اپنے  
آپ کو ہمیشہ اسلام کا شہداء کی مذہب خفیہ سے پتہ پیر و ظاہر کا ہر ایک فیض کو خدائے آسمان  
وگوں کی اصلاح اور تلاح کے کام سر انجام دینے کے لئے مامور کیا تھا۔ اور وہ جو  
کچھ کر رہا تھا خدا کی مرضی اور جن اسلام تھا کر رہا تھا۔ وہ شاہجہان کی حکومت کو  
درخیز "الاس" "نیر" "جمہ" تھا کہ "شر" سے کبھی کر رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کی حکومت  
کو غیر متغیر اور آزادانہ برداشت سمجھتا تھا۔ اور اپنے تمام افعال کو پرہیزگاری۔ العاف

وقت اس کے باپ کے الگو تھے میں رہتی تھی۔ اور یہ سب مطالبات اس ویل  
کے دن پر تھے کہ چونکہ شاہجہان اب گوشہ نشین ہو گیا ہے۔ اس لئے مال و دولت  
کی حرص چھوڑ دینی چاہئے۔ شاہجہان کو اس مطالبہ کو بھی پورا کرنا پڑا۔  
پھر حکم ہوا کہ دارا کی دوستیوں کو بھیجا جائے کیونکہ یہاں کوئی عورت  
استدراہ نہیں کر اپنے کانوں سے مجھے محفوظ کر کے اور چونکہ ان آیام میں تمہیں  
جانے بجائے کی طرف کوئی رغبت نہیں۔ اس لئے ان کا بدل آجنا بہت مناسب  
ہو گا۔ شاہجہان اس حکم پر آگ بگولہ ہو گیا اور رنگ زیب نے جواب دیا یہ اگر  
آپ کا اصرار ہے اس پر ہے کہ وہ دارا کی عورتیں ہیں تو یہ فحش ہے۔ جب سیکر  
پاس اس کی حکم کی عورتیں آگئیں تو خدا و مالوں کے آئے میں کیا بیچ ہو گا؟  
"رجن" کو جب قتلہ اگر مھسور کیا گیا۔ اور رنگ زیب نے فوراً  
شاہی محلات کے ان تمام کمرؤں پر ستریں لگا دیں جن میں قیدی کشیدہ جواہرات  
قائم۔ سامان آرائش وغیرہ محفوظ تھے۔ خواہ وہ دیوان خاص میں تھے یا اندر  
حرم میں۔ تمام جواہرات اور خزانوں کی حفاظت کے تاکید سی احکام جاری تھے۔  
جواہرات اور مرصع غوث "فضل خانہ" کے کمرؤں میں بند کر دیئے گئے تھے۔  
قتل سہمہ ستر تھے۔ اور اورنگ زیب کا ایک خاص خواجہ سلا "متین" نامی ان  
پر مشتمل تھا۔ یہ جواہرات اور ظروف بہت کم کھائے جاتے تھے۔ اور اگر نکلتے  
بھی تھے تو "مختار" کی اجازت۔ "دار و فر" کی نگرانی اور "تحویلدار" کی ذمہ  
داری پر جمنا عطا طے کا تھا!

ابتداء میں شاہجہان کو اس کے جذبات کی رعایت سے ان جواہرات کو  
(جہی کی اس اقساط کے ساتھ حفاظت ہو رہی تھی) دیکھ سکنے کی اجازت دیدی  
گئی تھی۔ شہزادہ محمد سلطان کو حکم تھا کہ جب کبھی شاہجہان جواہرات کے  
صندوق چنے دیکھنا چاہے تو اسے دھکا دیئے جائیں۔ لیکن تہہ یہ تھی کہ خزانوں  
کو کھولنے وقت جواہرات کی حفاظت اور اقساط کی کوئی تدبیر ضرور گذشت  
نہ کی جائے۔ مگر یہ بھی آج بھی تھی کو کوئی پہلو یا اختیار نہ کیا جائے۔ جس  
سے شاہجہان کے جذبات مجروح ہونے کا احتمال ہو۔ چونکہ شاہجہان اب  
حرم کی چار دیواری میں ہی اقامت گزریں ہو گیا تھا۔ اس لئے اندرونی کمرؤں  
تک اس کی رسائی اب بہت آسانی کے ساتھ ہو سکتی تھی۔ یہیں اس کے آلات  
میںوشہ بھی رکھے ہوئے تھے۔

شہزادہ محمد سلطان کے چلے جانے پر تھکے ہوا واحد مختار "مستعم" نامی خواہر  
(جس کا پور ذکر چکا ہے) بن گیا تھا۔ اور وہ شاہجہان کے ساتھ بہت سخت گیری

چنانچہ لکھتا ہے:-

”گو مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ مجھ سے سخت ناراض ہیں اور سلطنت میں امیری اور چھٹکارہ کا زور دار مجھے ٹھیکہ جارا ہے۔ اور یہ کہ میرے بھائی آپ ہی کے ایسا سے میرے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن میں ان خبروں سے بھی متعلق متاثر نہ ہوا۔ اور اس وقت تک آپ کا فرائزہ دار ہر ایک مجھے یہ یقین نہ ہو گیا کہ آپ میری بجائے کسی اور بھائی کو طاقت پسند کرنے والے ہیں اور مجھ سے آپ کو بالکل محبت نہیں۔۔۔۔۔“

”اگر آپ اپنے بڑے لڑکے کی بیجا حمایت نہ کرتے اور اس پر بھروسہ نہ کرتے ہیں اس قدر ٹھوکار کا اٹھارہ نہ کرتے۔ اور اسے اس قدر اعلیٰ مراتب پر نہ اُترتے۔ تو ہرگز کی بیباکی نہ ہوتی (اور) تو غالباً اس کی ہڈی اترتی اور نیچو کا زور نہ سیرت کا اٹھارہ آپ کو بھی ہو گیا ہوگا۔۔۔۔۔“

اگر میرے دوسرے بھائیوں کو آپ غواہ غواہ اشتعال نہ دیتے اور میرے خلاف نفی نہ پیداکرتے تو ہم سب بھائی صلح و دوستی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے۔ اور یہ خانہ جنگی ہرگز نہ ہوتی۔“

اور بزرگ زبیر کو یقین کامل تھا کہ ملک میں اس وقت تک امن و امان نہیں ہو سکتا جب تک دارا اور شجاع ملک بدر نہ کر دیے جائیں یا حرا کی طرح مقید نہ کر دیے جائیں چنانچہ مجبوراً اسے ایسی پالیسی اختیار کرنی پڑی کہ ”خدا اور عامۃ انسانوں کے نزدیک“ سرخرو ہو۔ اور جس باگراں کو اس نے محض انسانی ہمدردی اور صلاحِ عوام کے لئے اٹھایا تھا کامیابی کے ساتھ تکمیل تک پہنچے۔ چنانچہ اس نے افسروں کا انتخاب خطابات اور عدلوں کی تقسیم اور اس قسم کے دیگر شایانہ کام شروع کر دیے۔ اور اپنے آپ کو ملک کا واحد مالک اور حقیقی محسن کی طرح ظاہر کیا۔

سچ و حقیقت کے قبول کرنے کے متعلق ایک جگہ لکھتا ہے:-

”سچ و حقیقت کی گراں ذمہ داریاں حصولِ جاہ کے لئے نہیں محض اشد ضرورت سے مجبور ہو کر اختیار کرنا ہوں۔ تاکہ ملک میں امن و امان قائم ہو۔ اسلام کا قانون ملک میں جاری ہو۔ تاکہ وہ شہر کو میں جو اب وہ ہو سکوں۔ عامۃ انسان کے جان و مال کی حفاظت سے۔“

فون کی صلاح اور میری آبائی سلطنت میں امیری اور ہنگامہ پیدائے چنانچہ ایک بادشاہ کی ذمہ داریوں اور فرائض کے متعلق بزرگ زبیر کا خود بخود یہ عقیدہ تھا

اور ایک سچے مسلم کی صحیح اسلامی پالیسی پر عمل کرتا تھا۔

جب اس پر ایک باغی اور غیر متلطیف بیٹا ہونے کا الزام لگایا تو اس نے جواب دیا ”جب تک عین حکومت آپ کے ہاتھ میں تھی میں نے کوئی کام بغیر آپ کی مرضی کے نہیں کیا اور نہ کبھی اپنی قانونی حدود سے تجاوز کیا۔ خدائے عالم انیب اس حقیقت کو ابھی طرح جانتا ہے۔“

وہ سب دھوکے اور کھلی باتیں جانتا ہے۔ آپ کی علالت کے دوران میں دارائے انجمن ہر طرف سے نرف میں گھیر لیا تھا۔ آپ بالکل پیسے بس ہو گئے تھے اور وہ ہر چیز پر تسلط صانع کے بعد ہندو مذہب کی ترویج و اشاعت کی کوشش کر رہا تھا۔ تاکہ اسلام کا استحصال ہو۔ اس نے آپ کو ایک طرف کر کے بادشاہی کوئی شروع کر دی تھی۔ سلطنت میں امیری پھیل گئی تھی۔ تمام حکومت میں اتنی حرمت نہ ہوتی کہ آپ کو اصل حالت سے باخبر کر سکتے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ (خاکم بدین) اگر اس کا شر (دارا) کے ارادے کامیابی کے درجہ تک پہنچ جائے اور دنیا پر کنٹرول کی علت چھا جاتی۔ اور اسلام کا آفتاب نادر پڑ جاتا۔۔۔۔۔ تو قیامت کے دن کیا ہوا دیتے؟

اس کے بعد ذکر کرتا ہے:-

”اگر میری چڑھائی کسی بغیانہ جذبہ کے باعث نہ تھی بلکہ اس کا محرک یہ جذبہ تھا کہ دارا کی غاصبانہ حکمت کو فرائزہ کر دیا جائے۔ اور اس کے نفرو اتحاد کی برہنہ ہو کر جلد روکا جائے پس اس جہان کا خیال کر کے میں نے اس کو بھجوا دیا۔ کہ میں نے اس کو بھجوا دیا ہے۔ اور اس میں متحرک یہ جذبہ ہے کہ مراد میں اور عالمیابی ہو دی اور بھائی ہوا۔“

برادرانہ غایہ جنگیوں کے متعلق اور بزرگ زبیر کے لئے کہ اس نے یہ روائیاں طاقت حاصل کرنے یا جاہ و ثروت کے حصول کے لئے نہیں لڑی تھیں بلکہ اس کی وجہ یہی کہ شاہجہان اپنے بڑے بیٹے کا بیجا پارٹ لے رہا تھا۔ اور اس کے بھائیوں کو اس سے خاص مائدانہ اور منتقا نہ ملتی تھی۔ اور اسے خواہ مخواہ جنگ میں گھس گیا تھا۔ ورنہ وہ خود بروکشی کے خلاف تھا۔ اسے حالات نے مجبور کیا تھا۔

اس کا اندازہ خود اسی کے الفاظ سے ہو سکتا ہے :-

”بادشاہت سے مراد عادت انسان کی بیہودہ اور ان کی بیہودہ اور انکی  
جہاں دہاں و عزت کی حفاظت ہے۔ ملک میں امن و امان قائم رکھنا  
ہے۔ نہ کہ جہاننی خواہشات اور نفسانی آرزوں کی تسکین و تکمیل“

## باب پنجم اورنگ زیب کی نیکو کاری

اورنگ زیب اپنی کامیابی اور فتوحات کو خدا کی مہربانی اور اپنی نیکو کارانہ  
زندگی سے منسوب کرتا ہے۔ اور ان کامیابیوں کو اس ثبوت میں پیش کرتا ہے کہ  
اُس کا تمام رونا نہ خدا کی نگاہ میں برگزیدہ اور قابل تائید رہا تھا ورنہ وہ کامیاب نہ ہوتا  
چنانچہ ایک جگہ لکھتا ہے :- ”جو کہ میرے ارادے تھے۔ اس وجہ سے ابھڑ  
قلیل القند اور ہونے کے بجائے دونوں لڑائیوں (یعنی دہلی و دہلی) میں خدا  
کے فضل سے فتح نصیب ہوئی۔ اگر خدا کی مرضی شامل حال نہ ہوتی تو مجھے کامرانی  
کیونکر نصیب ہو سکتی تھی۔۔۔۔۔ اور فتحمدی تو صرف خدا ہی کا انعام ہے۔ جسے  
چاہے وہ!“

اس حکم خداوندی اور مرضی اسی کے سامنے شاہجہان بیٹے دانشمند بادشاہ  
کو سوائے سرب تسلیم خم کرنے کے اور کئی چارہ نہ گیا تھا۔ اس سلسلہ میں اورنگ زیب  
کا نظریہ دیکھئے :-

”خدا کے حکم کے بغیر کچھ بھی ہو سکتا۔ اس لئے آپ اپنی موجود  
زندگی کے تغیر اور انقلاب کو کونسی کسی مادی طاقت اور انسانی حکم  
سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ یہ تو بکچھ خدا ہی کی مرضی سے ہوتا ہے۔  
اور وہی بڑا جانتا اور رکھتا ہے۔ خدا کی پرہیزگاری اُس نے جو فیصلہ  
کر دیا ہے اور جو چاہے اُس پر ٹھنڈے دل سے غور کر دے۔ یہ  
طبیعت کا اختیاریہ ذہنی افکار اور غم و ملال سکون قلب میں مبتدل  
ہو جاتا تھا۔ اگر تم اس کے فیصلہ کو ”امر واقعہ“ سمجھو۔“

معزول شدہ بادشاہ نے اسے ”امر واقعہ“ سے بھی زیادہ سمجھا۔ بلکہ اپنے بیٹے کا اسے  
شکر گزار ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ خود اورنگ زیب کے الفاظ میں :-

”وہیں آپ کو ایک بڑی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا ہے  
اگر آپ انفرصات سے دیکھیں تو میں نے آپ کے اندازہ و کام میں کمی

کر دی ہے۔ اب آپ کو حوادث اور پریشیاں نہیں رہ سکتی ہیں  
مجھ جیسے آزاد ماروئے بے فکر انسان نے آپ کی ذمہ داریوں کو قبول کر کے  
آپ کو ایک گونا گونی و بڑی سے۔ اور اپنے لئے اٹھارہ پریشانیوں  
کا ایک بارخود خواہ مول سے لیا ہے۔“

شاہجہان ان تمام نظریوں کو شخص ظاہر داری سے تعبیر کرتا ہے۔ اور اورنگ زیب  
کو غاصب جانتا ہے کہ باوجود اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور اسلام کے احکام پر اس  
شدت و فک کے ساتھ مل بیٹھا ہونے کے وہ ”دوسروں کی ملکیت پر جابرانہ اور غاصبانہ  
تغلب کرتا ہے۔ اس کے جواب میں اورنگ زیب دوسری اعجاز اختیار کر کے لکھتا ہے :-

”آپ مجھے غاصب و جابر جانتے ہیں۔ میرے دور کو غلبت  
تعبیر کرتے ہیں اور دوسروں کی ملکیت پر غلبہ کرتے ہوئے اسلام کے  
علاقہ بناتے ہیں۔ لیکن آپ کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سلطنت کے  
خزانے اور ملک کی دولت مائتہ انسان کے لامعہ کے لئے ہے  
نہ کہ عیش و عشرت کے لئے۔ ایک بادشاہت موروثی الاملاک نہیں  
ہوتی کہ آپ کے بعد بیٹا یقیناً ملک ہو۔ بلکہ یہ خدا کی امانت ہے۔  
جو میں ہوتا ہوں اسے ملتی ہے۔ یہ مال و دولت لوگوں کی غلامی میں  
صرف ہونی چاہئے“

جب نوبت یہاں تک پہنچی تو شاہجہان اورنگ زیب کو تنبیہ کرتا ہے کہ جو سلوک  
اُس نے اپنے باپ کے ساتھ کیا ہے۔ وہی اُس کی اولاد اُس کے ساتھ نہ دہرائے گی۔  
لیکن اس پر بھی اورنگ زیب پرہیزگارانہ سپرٹ اور اپنی پالیسی کی مداخلت سمجھا دی  
جواب دیتا ہے :-

”جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ میں جو کر رہا ہوں وہی  
میرے اگلوں نے بھی کیا تھا۔ پھر تعجب کی بات کیا ہے۔ اگر خدا  
کی مرضی ہی ہوگی تو میرے بیٹے بھی تخت پر اسی سلوک کر سکیں  
میں خدا کی مرضی اور اُس کے حکم سے سر موافقت نہ کر دوں گا۔ میری  
تخت بفرے اور ایک نیند پر خدا کی سرکاری ہوتی ہے۔ اس  
لئے مجھے توقع رکھنی چاہئے کہ میرے بیٹے میرے ساتھ چھاری  
سلوک کریں گے“

یہ دھار بادشاہ اورنگ زیب کے ان خطوط سے بتایا جاتا ہے کہ جہاں میں وہ اپنے بھائیوں  
شہد اور دار کاہل بار حوالہ دیتا تھا :-

بادشاہ مل کر اور ملک زیب کو نسبت مکتبہ است لکھتا جس کے جواب میں :-

بھی ایسی جہاں استعمال کرتا اور لکھتا

”ہم کچھ کیوں نہ لکھتے ہیں۔ کیا آپ اپنے بھائیوں خیر خواہ بہت  
کو بھول گئے۔ باوجود کہ انہوں نے آپ کو گزرتھیں بھیجی تھیں  
مگر باوجود کہ آپ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا!“

لیکن اس سلسلہ میں شاہجہان کی پیشین گوئی اور رنگ زیب کی تحفین سے زیادہ صحیح  
ثابت ہوئی۔ کیونکہ جب سترہویں اُس کے جوتے بیٹے محمد اکبر نے بنا دت  
کی اور یہ اُس کے تنزل کا باعث ہوئی۔ ان دونوں کے درمیان بھی وہی سچی  
تعلیق نظر آتی ہے جیسی اورنگ زیب اور اُس کے باپ کے درمیان ہوئی تھی  
ان خطوط میں ہمہ جہہ اپنے باپ کو ملکی انتظام کے ناقابلِ ستائش ہے۔ اور ذخروہ دینا  
ہے کہ اپنے باپ کے عزال اور بھائیوں کے قتل کا کفارہ ادا کرنے کے لئے بہترین  
ہے کہ وہ سلطنت سے سبکدوش ہو جائے۔ اور باقی عمر یاد اسی میں بسر کرے۔  
جب اورنگ زیب نے اپنے بڑے بیٹے شاہ عالم پر خاص احاطہ و کرم کی باش  
کی اور دوسرے بیٹوں کو یکسر غلام یا نوٹہ زندہ اکبر نے بھی وہی کیا جو اُس کے باپ  
نے کیا تھا۔ اُس نے بھی اپنی بنا دت کو بالکل قرین انصاف بتایا کیونکہ بغیر اُس کے  
اورنگ زیب کی خواب حکومت کا خاتمہ نہیں ہو سکتا تھا اور ملک بھر چور تھا!!  
وہ بھی اپنے رویہ کو یمن اسلام بتاتا ہے۔ اور حکومت کی ذمہ داریاں محض سفاد عام  
اور ملک کی بھلائی کے لئے اٹھانے کو تیار ہوتا ہے۔ فرضِ تاریخ اپنے آپ کو ہر  
بحرِ ہولاتی ہے۔ اور ایک ہی سٹیج پر وہ معمولی تبدیلیوں کے ساتھ ایک ہی ڈراما  
کھیلا جاتا ہے۔ جب اورنگ زیب اپنے بیٹے کو باغی اور بے وفاکتا ہے۔ تو  
وہ بھی پلٹ کر یہی کہتا ہے کہ تم نے اپنے باپ کے ساتھ کیا کیا تھا؟!!

شاہجہان اور اورنگ زیب کے درمیان خداداد محبت کی نفی اور بھڑکی  
بڑبڑتی ہی چلی گئی۔ اب اورنگ زیب نے باپ کو خود گھناہل جھوڑا یا گناہ  
محض منشیوں سے کچھ لکھو کر سمجھ دیا تھا لیکن بعد میں یہ سلسلہ بھی محض اُس  
بیکار جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے ”بند گردیا گیا“

شاہجہان اورنگ زیب سے نہ تو تلوار کی جنگ میں عمدہ برا ہو سکا  
اور نہ قلمی جنگ میں۔ کچھ عرصہ کے بعد قمار دے کے پھسلے آگے جھک گیا کیونکہ  
اُس کے فیکر کوئی چارہ نہ تھا۔ اب قسمت کا بھی گلہ نہ کرتا تھا!

## باب ششم ”شاہجہان کا مذہبی شغف“

شاہجہان کے لئے اب سوائے اللہ کے کوئی چارہ نہ تھا کہ خدا

کی بھیجی ہوئی ”مصیبت“ پر صبر و رضا کے ساتھ تسلیمِ غم کو ہے۔ اور نگریز نے  
پہلے دارا شکوہ۔ پھر مراد بخش۔ اور پھر سلیمان شکوہ کو قتل کیا جس سے پورے  
باپ کا دل بالکل ٹوٹ گیا۔ شجاع اور اُس کے بال بچوں کو گدھے کے خوفناک  
جنگلوں کی خاک بھائی پڑی اور پورے صاحبانِ ان تمام صاحب و آلام کو اپنی آنکھوں  
سے دیکھنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اس پر تہ بہ تہ ہوا کہ وہ بے بس عقیدہ و محسوس کر دیا گیا +  
لیکن ان تمام صبر و زاجراحتوں کے باوجود شاہجہان کا دل خدا کی تسبیح و  
تحمید کرتا رہا۔ وہ شاکنی نہ تھا۔ اُسے خدا کی مرضی پر بھروسہ خدا سات سال تک  
مجبور رہا۔ مگر ابتدائی ایام کے بعد اُس کی زبان پر حرفِ نصیحت نہ آیا۔ اُس کے  
رفقا اور ملازمین پر پلے پلے مصیبتیں پڑیں۔ مگر گھر لے اُس کی آنکھوں کے سامنے  
برباد ہونے اور وہ ان تمام مصیبتوں کو سننے کے لئے مجبور کیا گیا۔ ان تمام مبت  
مشن مصیبتوں اور عداوتوں کے باوجود آخر وقت تک شاہجہان کا دل خدا کی محبت  
سے لبریز اور صبر و رضا کے جذبات سے مملو رہا۔ استعمال کو آخر دم تک جھوڑا +  
عمر کے آخری ایام میں اُس کا مذہبی شغف بہت بڑھ گیا۔ صرف مذہب  
بھی ایک ایسی چیز تھی کہ جس کی آغوش میں وہ ٹھیکن پا سکتا تھا۔ ایک نیک پارسا  
فرشتہ سیرت بزرگ جناب سید تھک تو جی ہر وقت اُس کے پاس رہتے تھے۔ یہ  
بزرگ اخلاق نکلتا۔ مذہبی روایات اور احادیث کے درس سے ناکام رہا یا دنا  
کے دل کو ڈھارس دیتے اور اُس کی طبیعت کو پریشان اور پرگنہ ہونے سے کاتے  
تھے بادشاہ کو سائلِ اسلام سکھانے اور سکونِ قلب پیدا کرنے کی کوشش  
کرتے تھے۔ قرآن کی تلاوت اور حروف کے درس سے شاہجہان بہت خوش  
ہوتا تھا۔ اور ایک گونہ تسلی پاتا تھا۔ سید صاحب شاہجہان کی خیرات ہمارے جاکر  
غرا اور سالین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ایصالِ ثواب کی دیگر تدابیر بھی کرتے تھے +  
اب سابق بادشاہ کا زیادہ وقت عبادتِ الہی میں گزرتا تھا۔ قرآن اور  
حدیث یا تو غور پڑھتا تھا یا سننا تھا۔ قرآن کی آیات لکھنے و خلافت و درود کی تلاوت  
کرتے اور دیگر مراسمِ مذہبی میں شاہجہان کی طبیعت بہت سکون پاتی تھی +  
تاہی محاورہ اور مذہبی شغف کے علاوہ شاہجہان اپنی چھٹی لڑکی جانِ آ  
سے بہت محبت کرتا تھا۔ جہاں آرا اپنے ضعیف باپ کی خدمت بڑی تندہی  
اور محبت و شفقت کے ساتھ کرتی تھی اور شاہجہان کے لئے اُس عمر میں قیامتاً عسا  
پیری تھی۔ بلکہ دوسری اولاد کے تلخ تجربہ کا ازرا کر رہی تھی +

جان آرا۔ ایک نیک سیرت خاتون جو میاں میر جیسے ولی کی مرہی لینے  
نصیحت باپ کی اس شفقت اور محبت کے ساتھ خدمت کرتی تھی۔ کہ وہ اپنے تمام مسئلہ

سے زندگی کی اس جست گئی تھی۔ اور اب ہر شخص اس جلیل القدر بادشاہ کی مجلس کے لئے دست دعا تھا۔ جب شاہجہان کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی زندگی کے آخری لمحات پورے ہو رہے ہیں اور اب اس کے بچنے کے کوئی امید نہیں ہے۔ تو اس نے سب کے سامنے خدا کا شکر ادا کیا ان افام ذکر اہم پر جو خدا نے اسے زندگی میں بخشی تھیں +

مرنے سے پہلے بادشاہ نے اپنے ہوش دھاس جمع کئے اور اپنی بیویوں کو جو اس وقت زندہ تھیں سامنے بلایا۔ اکبر آبادی محل اور فتحپوری محل میں بیٹھ ہوئیں۔ اہم بربلب بادشاہ نے بہت فنی و تسکین دی۔ جہاں آراء دیگر حرم کی عورتوں کو بھی جو اس کے بلنگ کے گرد غری ردد ہی تھیں بہت تسکین دی + جہاں آراء کو ہست کی کہ اپنی سوتیلی بہن پر شہر بانو اور محل کی دیگر عورتوں کی جو اس کی موت سے لاوارث ہو جائیں گی پر روشش اور ان کا خیال رکھے۔ اس کے بعد اپنی وصیت تیار کرنی۔ محل کی تمام عورتوں اور ملازمین کو اپنے باقیہ آخری افام بخشا۔ اور سب کو بدلہ ناخوستہ رخصت کر کے اپنے سر ہانے ملاقات قرآن کا حکم دیا +

بستر مرگ کے گرد عورتوں کی چکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ کنیزیں اور خادیمیں ردد ہی تھیں۔ غرض محل میں ایک گرام بیچ رہا تھا۔ شاہجہان۔ جسکے اوسان آخری لمحہ تک برقرار رہے۔ اس ہنگامہ نے وہیں پڑا ہوا اپنی جائیداد بیوی ممتاز محل کی خروس قشتال آراء کا کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ زبان پر لگ رہا تھا۔ اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا "اے میرے خدا! دینا اور آخرت دونوں میں مجھ پر رحم اور عذاب نار ختم سے بچا"۔

وفا ختم ہونے کے ایک لمحہ تاج کا ٹکڑا دی سکون میں پہنچ گیا + رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔ شاہجہان مسن برج میں ایک خواب گراں میں عمو تھا۔ سامنے تاج محل کا پورا نقشہ ہوا تھا۔ اس کی وصیت تھی کہ مرنے کے بعد اسے تاج میں اپنی آرام جان کے پاس ہی سکایا جائے۔ چنانچہ جہاں آراء کے حکم سے قلعہ دار "عدا داد" اور خواجہ سرا بھلوانے بلائے گئے۔ جنہوں نے حرم میں اگر مسن برج کی کھڑکی کو حل کر باہر حکم بھیجا کہ شہر کے قاضی قربان اور سید محمد قزوینی کو جلد بلایا جائے تاکہ تجیز و تکفین کے مراسم جلد شروع ہوں +

یہ دونوں بزرگ رات کو ۱۲ بجے کے قریب آئے۔ کچھ خیرات و کفارہ دیا گیا۔ شاہجہان کی مدح کو ایصال ثواب کو کہنے اور اس کی تعجبی ہوئی نازل اور نودہ کے عوض میں۔ پھر مسن برج میں پہنچ کر جہاں آراء کو کوئی شکی اور شاہجہان کی نفس کو

آلام کو بھول گیا۔ جہاں آراء قلم میں ایک پاکیزہ راہب کی سی زندگی بسر کر رہی تھی۔ راز اور مدائے تہمت پتوں کو بھی اپنے ہی سایہ عاطفت میں لے لیا تھا۔ اور ان کی پرورش بھی بڑے انہک سے کرتی تھی +

غرض شاہجہان ایسے مذہبی اور پر سکون ماحول میں اپنے پچھلے مصائب کو بالکل بھول گیا۔ اور آخر غریب دنیا داری اور افکار زندگی کو بالکل فراموش کر دیا۔ وہ اب ایک دوسری دنیا کے لئے اپنی راہ صاف کر رہا تھا۔ موت اس کے لئے کوئی خطرناک چیز نہ تھی۔ بلکہ وہ منتظر تھا جندہ جلد دنیا کے افکار اور جھگڑوں کی بکھیروں سے اسے نجات مل جائے اُنہا میں اچھا صلاحاک اس کی آخری زندگی تمام ایسے افکار سے چھڑا رہا تھا جتنی وہ اکثر موت کے سلسلہ پر گفتگو کیا کرتا تھا اور عالم بالا کے حالات وغیرہ تو اس کی گفتگو کے خاص موضوع تھے +

## باب ہفتم وفات کا منظر

افکار و حوادث زندگی سے نجات حاصل کرنے کی یہ خواہش جس کا عرصہ سے بلے تابی کے ساتھ انتظار ہو رہا تھا۔ بالآخر جنوری ۱۶۵۷ء میں مل ہی گئی اس سال کی جنوری کا سوا دن تھا۔ شاہجہان نے ایک ادویات آمیز تیل اپنے جسم پر ملوایا تھا۔ جس سے اسے بجائے فائدہ کے نقصان ہوا۔ ہمارے چڑھا آئے۔ اور شہنشاہ دور و مدد بھی ہو گیا۔ عارضہ کے توین دن ایک وید جندہ رابن نامی نے شہنشاہ کے جوار امراض دور کر دیئے اور شاہجہان کو تب سکون ملا۔ مگر ضعف و عافیت کسی طرح دور نہ ہوئی۔ زندگی کے جو بہتر سال پورے ہو چکے تھے۔ اس عرصہ میں فتح و ظفر بھی دیکھی تھی۔ ناکامی و نامراد سی سے بھی ساتھ پڑا تھا۔ تخت پر بیٹھے سے پہلے جنگوں کی ناک جھانی تھی۔ بلے بے سفر کے تھے مشتاقین برداشت کی تھیں۔ تکفین مٹھانی تھیں اور اب آخر عمریں آکر یونانی کے چرکے بھی سے تھے۔ غرض زندگی میں ہر قسم کے نرم گرم تحریات آتھا چکا تھا۔ اب وہ راضی برضا تھا +

سردی ہلاکی پڑی تھی۔ شہرت پیتے پیتے بون پر پڑیاں ہم گئی تھیں۔ ضعف و ناتوانی کی کوئی حد نہ رہی تھی عرض برطہ رہا تھا۔ ادویات و اغذیہ کوئی فائدہ نہیں کر رہی تھیں +

دوشنبہ - ۲۲ جنوری ۱۶۵۷ء کی رات کے ابتدائی حصہ



دیا پرلے جاکر جنازہ ایک کشتی میں رکھ دیا گیا۔ اور تاج محل کی طرف پہنچیں  
روانہ ہو گیا۔

تاج میں کشمر کے عمارید قاضی القضاۃ، علما و مشائخ اور دیگر اکابران شہر  
پہنچے ہی سے جمع تھے۔ دوسرے قریب نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ اور جنازہ متاعیل  
کے گنبد میں بجا گیا اور شاہجہان کے جد غامی کو متاعیل کے پہلو میں بٹھایا  
تمام محو اس راحت کرو گیا۔

شہر میں شاہجہان کی موت ایک ایسا سانحہ غم انگیز تھی کہ بچ بچ چشم پر غم  
تھا۔ کوئی زبان نہ تھی جس پر شاہجہان کے اوصاف حمیدہ کا ذکر نہ ہو۔ لوگ اس کی  
اچھائیاں ایک ایک کر کے یاد کرتے تھے اور دہاتے تھے۔ اس کی چند غلطیوں کو  
لوگوں نے جلد بھلا دیا تھا۔ وہ ایک ایسا حکمران تھا جس نے رعایا کو اپنی اولاد بھکر  
ملکوت کی تھی۔ ان کے لڑکے درویش ہو کر ان کا اٹھار کرنا تھا۔ ان کی خوشی اپنی  
خوشی ان کی تکلیف اپنی تکلیف سمجھتا تھا۔ وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔  
اس نے ہر ایک اس کے لئے آپیدہ تھا۔ اس کا زمانہ حکومت ایک پُر امن زمانہ  
تھا۔ وہ رعایا پر کسی قسم کا غلبہ نہ دیکھ سکتا تھا۔ اگر کمین ٹکس کاٹو مارا تو زائل  
ہوتا تھا اور اسے خبر ہو جاتی تو اس کو سزا دینے میں مطلق نرمی کا اظہار نہ کرتا تھا۔ شخص  
اس کے طرز حکومت کے مدافع تھا۔ بھڑک جاتا تو اسے مار دیتے؟ اس کا درباروں کا  
ایک پر شوکت دربار تھا۔ اس کی تعمیرات و بنیادیں لائیں تھیں اور اپنے زمانہ کے  
لئے باعث فخر۔ غرض یہ وہ اثبات تھے جو شاہجہان نے اپنے مرنے کے بعد  
لوگوں کے دلوں پر چھوڑے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر گنجی کوچہ اور ہر مکان سے آدھو بھا  
کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر وہ کبہر گھر میں کوئی موت ہوئی  
ہے۔

## باب نہم

### ”اورنگ زیب کاروتیہ اور رائے عامہ“

سانحہ کے تقریباً ایک مہینہ بعد اورنگ آگرہ میں داخل ہوا۔ اور جہان آمار سے  
بہت خوش و اعلانی اور خود بخوبی سے ملا۔ بلکہ اسے یقین دلایا کہ آپ کے زمانہ میں اسے  
جو مراعات اور آسائش حاصل تھیں ان میں سرسوزی نہیں آئے۔ بلکہ  
یہ جان آراہی کی سانحہ نہ مافی تھیں کہ دفات سے چند روز قبل اس نے  
مفت بہت کر کے شاہجہان سے ایک ایسے کاغذ پر دستخط کرائے تھے جس میں اس نے  
لے خرچ کا خالص موزنہ کا متعلق جو ضروری نہیں۔

باہر کونسل و باہر کچن ہنگام ایک مندی تابوت میں رکھ دیا گیا۔

## باب ہشتم

### ”شاہجہان کا جنازہ“

جہان آرا کا ارادہ تھا کہ شاہجہان کا جنازہ تاج محل تک اس شان و شوکت  
کے ساتھ جائے جو ایک شاہ دہلی کے شایان شان ہو۔ جس کی صورت یہ ہوتی کہ  
دو آگرہ اور تاج آگرہ کے تمام اہل رواسا علما و مشائخ و دارالافتاء کے ساتھ مل کر  
اکابر و مشائخ جنازہ کے گروہوں میں ہوں۔ تابوت ان کے کندھوں پر باری باری جا رہا ہو۔  
اس کے پیچھے پیچھے شہر کے لوگوں کا اڑھام جو ہر ایک ننگے سر آہستہ آہستہ جا  
رہا ہو۔ آدھو بھو ہری ہو۔ کلن پڑھے جا رہے ہوں۔ فقیر۔ یتیمی پر سیم و زور  
کی بادشہی ہو۔ ہر طرف ہی چرچا ہو۔ اور پھر یہ پر شوکت شہنشاہ سپرد خاک  
کر دیا جائے۔

مگر ایسا نہ ہوا۔ اورنگ زیب باپ کے سرے کی خبر نہ سنا آیا اور جنازہ پر  
ہی آیا۔ بلکہ شہزادہ عظیم نے اسے اپنا نائب بنا کر بھیجا تھا۔ وہ بھی جب پہنچا جب  
جنازہ روانہ ہو چکا تھا۔ سارے کام ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تھے جو جہان آرا  
کی مرضی کے مطابق کچھ کر رہے تھے۔ اس نے وہ سوائے کتب افسوس نے  
کے اور کیا کر سکتی تھی۔ اس کے میں میں نہ تھا۔ ورنہ وہ شاہجہان کا اپنا جنازہ تیار  
کراتی جو اس کے شایان شان ہوتا۔ اس کے خاندان کی ناموس کے سامنے نہ ہوتا۔  
مگر ہوا وہی جو ہونا تھا۔ ”شاہجہان کا جنازہ نہایت معمولی حالت میں تیار ہوا۔ چند  
لوگ شریک ہوئے۔ معمولی حیثیت کے آدمیوں اور خواجہ سراؤں کے اوٹلا کے  
درمیان منلوں کا یہ جلیل القدر بادشاہ! یہ پر شوکت شہنشاہ! یہ ”دینا کا بادشاہ!“  
یہ تاج کا خلیفہ! معمولی مراسم کے ساتھ (جو نہ اس کے شایان شان تھیں اور نہ اس  
کے آبا و اجداد کے) سپرد خاک کر دیا گیا۔ اور ستر! عبرت! عبرت! اے عبرت!!!  
مسن برحق کی بیشریوں کے پیچھے کا زمانہ جس پر شاہجہان کی تہ کے زمانہ  
سے فیصلہ ہوا تھا۔ افسوس نے توڑا۔ اور جنازہ باہر نکال لایا۔ بیرونی احاطہ سے  
نقل کر جو اس روانہ کے آگے واقع ہے۔ جنازہ قلعہ آگرہ کے دروازہ سے باہر  
ہو گیا۔ اور اس میدان میں رکھ دیا گیا جو فیلو کے سامنے ہے۔ اس موقع پر آگرہ  
کا صوبہ دار ہوش ارباب بھی اپنے افسروں کے ساتھ آگیا اور یہ مختصر مجمع صاف  
کے وقت جن کی بے پناہ آہستہ آہستہ روانہ ہو گیا۔

# والیٹر

## کلیسا کا سب سے بڑا باغی

ارنباب ریاض حسین صاحب بی۔ اے

کے اندر صرت امرا اور پادری ہی مقدس اور پاکیزہ تھے۔ عوام تو بائی جراثیم سے زیادہ قابلِ نفرت تھے۔ بیکار میسر پیش پرستیوں میں مگن تھے۔ اور محنت کش مزدور سوکے کھڑوں کوتیس رہے تھے۔ انفرضِ فرانس میں انسانیت اپنا شرف و مجد کو بکلی بھی اور اپنی بے بسی و مظلومی پر کوہِ گری بھی ۶

### پیدائش

اس عداستِ باد میں ۱۲ نومبر ۱۸۹۱ء کی تاریخ یکشنبہ کے دن فرانس کے ایک معمولی قصبہ میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ نہایت نجف و نزار۔ سانس بکھوٹا ہل رہی تھی۔ والدین نے جھٹ باغی کو بلا یا اور بلا ہستی کے اس نودار کو پستیمہ دلایا۔ ڈرتے تھے کہ کہیں پستیمہ لٹے بغیر ہی نہ چل بسے۔ ورنہ اس کی ننھی سی روح دائمی عذاب میں گرفتار رہے گی۔ پادری نے پستیمہ دینے کے بعد بچے کا نام فریڈک میری اروٹ رکھا۔ اس وقت کے خیال ہو سکتا تھا۔ کہ یہ کمزور اور نجف بچہ جس کی روح کو ابدی عذاب سے بچانے کے لئے کلیسا کے ایک خادم نے پستیمہ دیا۔ بڑا ہو کر کلیسا کے ہی خلاف بغاوت بکسرشی کا مجتہد المذکر سے لگا اور قہرِ کلیسا کی بنیادوں کو متزلزل کر دے گا ۶

### تعلیم و تربیت

یہ بچہ طبعِ عوام میں سے تھا۔ وہ کسی نامور خاندان سے نسبت کا فخر نہ رکھتا تھا۔ اسی وہ سات سال کا بچہ تھا۔ کہ اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کا ایک بڑا بھائی آرتھڈ تھا۔ جو مذہبی رجحان رکھتا تھا۔ لیکن یہ بڑا کمزور بیمار تھا۔ مذہب میں ایک بھلے ڈالنے والا تھا۔ مذہب سے یکسر بیگانہ نہ رہا۔ نیز جہاں تک صوم

سٹر میں صدی کے وسط میں سرزمینِ فرانس پر استبداد و مطلق العنانی کا دور دورہ تھا۔ عوام کے جسم اگر حکومت کے جور و جفا کا شکار نہ ہوتا رہے تھے۔ تو ان کی رو میں کلیسا کے پادریوں کے ظلم و ستم کی آماجگاہ بن رہی تھیں۔ حکومت کلیسا کی حفاظت کا میرا اٹھائے ہوئے تھی۔ اور کلیسا حکومت کی جاوید حمایت کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھی۔ حکومت محصوروں کی جبراً و اصولی سے اپنے خزانے بھر رہی تھی اور پادری تحویل و تمزیب کے ہتھیاروں سے نڈالے و موصول کر رہے تھے۔ بادشاہ قانون بناتا اور کلیسا مذہبی اعتقالات وضع کرتی۔ بادشاہ قوت سے حکومت کرتا۔ اور پادری دلوں کے اندر نفوذ پیدا کر کے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے حامی و مددگار تھے۔ اگر کسی کے دل میں آزادی کی تڑپ پیدا ہوتی۔ تو فوراً اُس کا گھلا گھونٹ دیا جاتا۔ انفرضِ رعایا مظلومی و بچارگی کی تصویر تھی۔ جمالت نے ہر طرف دیرسے ڈال رکھے تھے۔ نہ صرف جموں پر غلامی کی لعنت چھا رہی تھی۔ بلکہ دل و دماغ بھی اس کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ حکومت اور کلیسا جلی کے دو پاٹ تھے جن کے درمیان عوام دانوں کی پس رہے تھے۔ مصنفینِ ادب اہل قلم بادشاہ اور پادریوں کے رحم پر تھے۔ ان میں سے اکثر تیندو بند کے مصائب جھیل رہے تھے۔ یا جلا وطنی میں زندگی کے دن گزار رہے تھے یا قیاد کے ہاتھوں ستر لڑکھڑا چکے تھے۔ آنے والے خوفناک انقلاب کے بیچ نامعلوم طور پر شاہی امیروں اور کلیسا کی پادریوں کے ہاتھوں بوئے جا رہے تھے اور وہ مظلوم رعایا کے دلوں میں ڈکھ اور درد کے آنسوؤں سے سیراب ہو ہو کر نشو و نما پا رہے تھے۔ فلاکت زدہ کمزور لوگ جب خوشحال امر کو دیکھتے تو دل ہی دل میں دانت پس کر رہ جاتے۔ اُن کے ہاتھ بے اختیار جھنجھکتے۔ کہ ان امرا اللہ ان کی منورہ بیگمات کی سفید گردنوں کو مروڑ دیں۔ فرانس

کہ باتو کس سند پر اچھے جاؤ۔ روز تمہاری جگہ قید خانہ کے اندر ہوگی۔ دائیٹر نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا۔ والد سے معافی مانگی۔ اور اُس کی رضا جوئی کے خیال سے وکیل بننے پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ تھوڑی مدت ایک قانون دان کے ہاں کام بھی کیا۔ لیکن پھر اسے قانون سے نفرت ہو گئی۔ اب اُس نے شاعری کی طرف توجہ کی۔ اور ایک ٹریجڈی کے لکھنے میں مصروف ہو گیا +

## شعرو شاعری کا شغل

اگرچہ اس وقت ذہب اور حکومت کے بیسیوں مسائل پر مہر کیا اٹا رہا ہے جو رہے تھے۔ لوگ اعتقادات کے جرم میں قید و بند تو درکنار دوسروں کے حوصلے کٹے جا رہے تھے۔ لیکن دائیٹر کو ان واقعات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ ذہب یا سیاست کے متعلق بہت کم واقفیت رکھتا تھا۔ اس کا تمام توجہ شعرو شاعری کی خیالی دنیا میں گذرتا تھا۔ اس کے رگ و پے میں زندگی کی روح دور رہی تھی اور اس کے خیالات تخیل کے بازوؤں پر صرف پرواز تھے +

## جلاد وطنی

اسی دوران میں اس پر الزام لگایا گیا۔ کہ اُس نے ایک طنزیہ نظم لکھی ہے اس کی بادشاہ میں اُس کو تین سو میل دور مقام ٹلے جلا وطن کر دیا گیا۔ یہاں سے اُس نے ایک خط میں لکھا :-

” میں یہاں ایک قھر میں اقامت رکھتا ہوں۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے کہ اگر میں جلا وطن ہو کر یہاں نہ آیا ہوتا تو دنیا میں قابل دید ہوتی۔ اور اس کو مجھ کو ملنے کی اجازت کے سوا جو میسر نہیں۔ یہاں عیش و راحت کے مولد اس باب مہیا ہیں۔ یہاں رہنا میرے لئے بے انجام مسرت بخش ہو اگر مجھے یہاں سے چلے جانے کی اجازت مل جائے +

کچھ مدت بعد اس کو وہاں اُس نے کی اجازت مل گئی۔ لیکن پھر جلد ہی گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس دفعہ اس کو زندان میں بیٹھل میں ڈال دیا گیا۔ یہاں وہ ایک سال تک رہا۔ اسی قید خانہ میں اُس نے فریڈک کے تیسری اور اوت کی بجائے دائیٹر کا نام اختیار کیا اور اُس وقت سے لے کر آج تک اسی نام سے مشہور ہے +

## فرائض سے فراری

قید خانہ سے نکلنے کے بعد دائیٹر کو دل نئے نئے خیالات سے ایسا بھرا ہوا

ہو سکا ہے اس کے آبا و اجداد میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا۔ جسے ادبیات سے فہمت رہا ہو۔ اصفت ڈاجوہو اس کا روحانی باپ بنا۔ لیکن وہ بھی ذہب کا زیادہ پابند نہ تھا۔ والد کی نیت تھی کہ اپنے بیٹے کو قانون کی تعلیم دلائے۔ لیکن بیٹے کا مذاق اس سے مختلف تھا۔ دس سال کی عمر میں وہ کوئی لاگراڈ کا کج میں حاضر ہوا یہاں وہ سات سال تک تعلیم کا سارا دھار اس کے بعد کسی اور جگہ باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کی۔ اس کا کج میں جو کچھ اس نے حاصل کیا اس کے متعلق اس کا اپنا بیان ہے کہ ” یہاں میں نے تھوڑی سی یونانی۔ کافی لاطینی اور بہت زیادہ خواندگی کی تعلیم پائی +

سترو سال کی عمر میں اس نوجوان نے جو دائیٹر کے نام سے عالمگیر شہرت حاصل کرنے والا تھا۔ ارادہ کیا کہ ادبیات کو اپنی زندگی کا مشغلہ بنائے۔ باپ کو پرستند نہ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کا کران غفلوں میں کیا ” میرے بیٹے کیا ہیں۔ احمقوں کا ایک جوڑا ہے۔ ایک نغم میں دوسرا ترسین“ پس والد نے کوشش کی۔ اور سٹڈیوں میں دائیٹر کو ہیگ میں فرانسیسی و زیر کے ماتحت لازم مل گئی +

## داستان محبت

یہاں ملازمت کرتے زیادہ مدت نگہداری تھی۔ کہ دائیٹر کو ایک لڑکی سے محبت ہو گئی۔ لڑکی کی والدہ کو یہ تعلق پسند نہ آیا۔ اُس نے روکا۔ دائیٹر نے اپنے کپڑے لڑکی کو بھیجے۔ اور کہا۔ کہ یہاں کر مجھے ملنے آؤ۔ راز کھل گیا۔ اور دائیٹر کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ اُس نے اپنی محبوبہ کو ایک چٹھی لکھی جس میں اقتباس ذیل دائیٹر کی ذہنیت کی عکاسی سمجھا جاتا ہے :-

” منحن میں اپنی والدہ کے غم و غصہ کا نشانہ مت بنو نہیں تو معلوم ہے کہ وہ کیا کچھ کر سکتی ہے۔ تمہیں پہلے ہی اس کا کافی تجربہ ہو چکا ہے۔ منافقت اختیار کرو۔ میں ہی کامیابی کا گڑبے۔ اسے صاف صاف بتاؤ کہ تم مجھے بالکل بھول چکی ہو نہیں بلکہ مجھے سے نفرت کرتی ہو۔ اور اس کو یہ بتانے کے بعد مجھے سے بیش از بیش محبت کرو +

اس واقعہ کی اطلاع جب اُس کے والد کو ہوئی تو اُسے بھاری ہنچ ہوا۔ یہاں تک کہ اُس نے، دائیٹر کو باقاعدہ طور پر بدانت سے محروم کر دیا۔ اور اُس کی گرفتاری کا حکم بھی ماسد کر لیا۔ اب اس نے صاف غفلوں میں دائیٹر سے کہا

معم خیاں کرنا تھا جو یہ اختیار ماسرورہ نے کئے لئے مذہب کی اعانت کے محتاج تھے۔ وہ ان باتوں کو محض بہم پرستی سمجھتا تھا۔ اب اس نے تیرہ کر لیا کہ اپنے زمانہ کے لوگوں کو اوہام و سوادس کی زنجیروں سے آزاد کرے۔ اس کے بعد جو جو اختیار اس کی غیر معمولی قابلیت اور دماغی قوت اُسے دے سکی۔ اس نے اس مقصد کے حصول میں استعمال کرنے سے دریغ نہ کیا۔ وہ کسی کی کمزوریوں کا خاکہ اُڑانے میں کمال لکھتا تھا۔ قدرت نے یہ وصف خاص طور پر اُسے بخش رکھا تھا۔ اور اُنٹیر نے بھی اس کو کمال بے رحمی سے بڑا کئی سال تک اُسکی بے چین اور مضطرب طبیعت نے یورپ بھر میں اپنے مضامین نظموں، ڈراموں، تاریخوں اور افسانوں کے ذریعہ مجاہدہ ہائے رکھا۔ ان انصافیت میں اُس نے قلب انسانی کی ہر کیفیت کو نمایاں طور پر لے نقاب کیا۔ ساٹھ سال تک وہ اپنے مخالفوں کے ساتھ مصروف رہا۔ کبھی کھلم کھلا میدان میں اور کبھی موقد کی آٹ سے۔ لیکن اس تمام مدت میں وہ تمام انسانوں سے بے نیاز اور متغنی رہا۔ اور اپنی گردن کو کسی کے بارہا سان سے جھکنے نہ دیا۔

کئی سال تک وہ خدا کی ہستی کا قائل رہا اور اسی کو دین فطرت کہتا رہا۔ خدا تعالیٰ کو وہ آسمانی باپ۔ سرچشمہ انصاف، منبع ادراک اور مصدر رحم و کرم تصور کرتا تھا۔ لیکن اس کے خیال میں ایسا کی تعلیم خدا کو علم و حکم کا خوفناک مجسمہ اور بندوں کو مذہب و دے دے کو خوف ہونے والی ہستی ظاہر کرتی تھی۔ اور اسی لئے وہ عیسائی خدا کا قائل نہ تھا۔ وہ بائبل اور کلیسا پر تو بے مگر ہی سے حملے کرتا اور اُن کا ٹھکانہ اُڑاتا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس خدا کی تعریف کے فتنے کا ماحول بھی بامش اور روشنی دیتا ہے۔ خدا نعمتیں اور خوبصورت پھول بخشا ہے۔ صحت مند ہستی اور خوشی و تری عطا فرماتا ہے۔ وہ خدا جو اس عالم رنگ و بو کو شباب و خشن کی بیش بانیہ بخشا ہے۔

ہر طرف سے اس پر حملے ہوتے تھے۔ لیکن وہ کبھی سر اس اختیار سے جو خرافات، مطلق یقین، نفرت، حقارت، تنگنا، جوش، رقت، غیظ و غضب اسے دے سکتے تھے۔ ان حملوں کا جواب دیتا رہا۔ وہ کئی دفعہ اعتذار کرتا۔ لیکن اس کا اعتذار اور زیادہ تو بین آئینہ ہوتا۔ وہ اپنی کئی ہونی بات واپس لیتا لیکن اس سے زیادہ سنگین اور بگڑا شکات چوٹ لگا تا مقصد کہ کہہ اپنے مخالفت کی دھجیاں اُڑاتا۔ اس کی تعریف میں نہر بھرا ہوتا۔ اُس کی پسپائی میں پیش قدمی منظم کرتی اور اُس کا اعتراض غاصت نذر نفع کے مترادف ہوتا۔

تھا جیسا محکم بہار پھولوں سے۔ اس کے اندر ایک جوش اور دلول سا تھا۔ وہ ہر موضوع اور ہر مسئلہ پر اپنے خیالات بے کم و کاست بیان کرتا پھرتا۔ اس کی طبع و اس کی تلوار سے زیادہ شہ پچا نہ پادری۔ اور اس کی اصناف بانی جلد ہی رنگ لائی۔ اور اسے فرائض کی خوبصورت اور انتہائی گزوں سے چلی جونی مسرتیں کو خیر لکھنا پڑا۔ اور اس کی بجائے گھر اور دھند کی سرزمین لینے انگلستان میں پناہ پلنی پڑی۔

یہاں دوران قیام میں وہ انگلستان کی بلند ترین اور برترین شخصیتوں کو متعارف ہوا۔ وہ شاعر پوپ سے ملا جو اغلوں سے مصنوعی پھول ایسے اعلیٰ تیار کرتا تھا کہ اعلیٰ معلوم ہوتے تھے۔ صرف خوشبو کی کسر نہ ہاتی "خیالات شہی" کے مصنف بنگلہ تیزواری کے پٹے گرافٹین سے معز جستر فیلا۔ شہر آستانہ بچو بچو سو فٹ۔ اور کانگریز و غیرہ مشائیر سے متا رہا۔ اور ان کے ساتھ اعلیٰ ادبی مذاکرے ہوتے رہے۔

## توہم پرستی کی مخالفت

اسی زمانہ میں دلائل کے دل میں مذہب کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوتے رہے۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ مذہب کی صورت پادریوں کے ہاتھوں مسخ ہو چکی ہے۔ اور اب وہ فقط جموہ اوہام و رسوم رہ گیا ہے۔ اور اس نئی مذہب نے دنیا کے اندر غلو و ستم اور خوف و دہشت پھیلا رکھی ہے۔ اعمال کی نیکی اور پاکیزگی کو کوئی نہیں پوچھتا۔ ان سے زیادہ لباس اور وضع قطع کو اہمیت دی جا رہی ہے تصویریں اور برت۔ جلیبیں اور گرم خورہ ہڈیاں انسان کی زندگی اور اُس کے حقوق سے کہیں زیادہ قیمتی سمجھے جاتے ہیں۔ اب اُس نے اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اپنی فطری استعداد سے اس صورت حالات کا مقابلہ شروع کیا۔

وہ عقل عامہ کا پیرو تھا۔ ناقابل فہم امور کا قائل نہ ہوتا۔ خرق عادت کو محض دیکھنا سمجھنا۔ اس کا ایمان تھا کہ دنیا کا کارخانہ مقصدہ اصولوں پر چل رہا ہے۔ اور ان میں کبھی سرخسوزی نہیں پڑ سکتا۔ وہ علم کیمیا کو بھی بے نیا دجھوٹ سمجھتا تھا۔ اندر یہ کہ کراس کا مذاق اُڑایا کرتا۔ کہ بوسے کو بوسے میں تبدیل کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ پہلے بوسے کو نابود کرنا۔ دوسرے بوسے کو پیدا کرنا۔

وہ نہایت مذاق و خوش طبع اور سرد انسان تھا۔ وہ ان لوگوں کو قابل

کارلائل کو بھی جو بوجہ رقابت بہت کم اپنے ہم عصروں کی تعریف میں کوئی لفظ کسا پسند کرتا ہے۔ یہ اعتراض کرنا چاہا کہ والٹیر جو عداوت کے ادبام و سادس کے رفیع المزلت شعری انٹ سے انٹ بجا دی +

ان کے ساتھ جی لاؤ میکلے کی رائے بھی قابلِ ملاحظہ ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ میکلے نے خود بھی تھا۔ اور والٹیر سمجھتے تھے کہ وہ مکمل ہے کہ والٹیر نے تھا رہا۔ صدی کے علم ادب میں انقلابِ تعلیم پیدا کر دیا۔ نیز کتابت ہے۔ کہ

”یہ ایک حقیقت ہے کہ والٹیر نے علم ادب کے دور اور عالم نہ تھا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کے دل میں کسی چیز کا ذوق نہ تھا۔ محض قلم نہ تھا۔ علمِ فن کے مسائل۔ مذہب کے سنجیدہ ترین موضوع۔ قبر اور حیات بعد المات کے مباحث۔ ہر ایک میں وہ اپنے فطری مسخرین سے کام لیتا۔ اور ہر بات کا مشکوک ڈالنا۔ اس کا جھگڑا موضوع زیادہ سنجیدہ اور اہم ہوتا۔ اسی قدر زیادہ وہ ہند کی طرح مسخرچڑا اور اس کی ہنسی اڑاتا۔ اور غرض وہ مسخر کا بادشاہ تھا۔ وہ غصہ سے کام نہ لیتا۔ بلکہ چھوڑ دیتا۔ دانت نکالتا۔ کولے مٹکتا۔ آٹھنگی اٹھاتا۔ ناک چڑھاتا اور زبان کو باہر نکالتا۔ اور ان ہتھیاروں سے اپنے مخالفت کو ذلیل و رسوا کرتا“

اگر رسول اور میکلے اس امر میں متفق ہیں کہ والٹیر نے اپنی زندگی کے بہترین سال غریبوں اور ضعیفوں کی امداد و اعانت میں بسر کئے۔ وہ بے گن ہوں کو کھانا دینے کے سچے سے راہی دلاتا۔ بیسیوں کی دستگیری کرتا۔ زیر دستوں کو بر دستوں کے قلم سے چلانے میں داسے۔ درے۔ تھے۔ ہر طرح تیار و مستعد رہتا۔ چنانچہ ذیل کے دو واقعات شیعہ نمونہ از خرد و کار کا کام دیں گے +

## والٹیر کی رحمہلی اور انسانی حسد رومی

تو اس ایک متدین شہر تھا۔ اس میں بہت سی باکرت یادگاریں تھیں۔ لوگ چال کے پتلے تھے۔ مگر ان کے ہند میں ہیرو دیس کے ہاتھوں قتل شدہ بچوں کی ہڈیاں حضرت مریم کے لباس کا کھڑا۔ اور بہت سے اولیاء کی کھوپڑیاں اور ڈھانچے تھے۔ ان رومن کیتھولک پساٹیوں کے درمیان چند دمن پرالٹسٹ بھی خاموشی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ کیونکہ تو اد میں کم تھے۔ ان میں سے ایک جین کلاز ممولی دو کا نام تھا۔ وہ چالیس سال سے یہاں بود و باش رکھتا تھا اور اس کا چال بہن ہر قسم کی بدنامی سے پاک تھا۔ وہ رحمدل۔ دانتدار اور خدا ڈوئی

## دہریت و اکساد

سہ ماہی پر تھکا ل کے دارالحکومت آرتین میں ایک خوشنماک نزل لایا۔ اس مصیبت خیز تباہی و بربادی نے والٹیر کے دل میں خدا کی بہستی کے شعلہ شک و شجب پیدا کر دیا۔ وہ دل ہی دل میں سوال کرتا۔ کہ جب زلزلہ آیا اس وقت آسمانی باپ کی بارگاہ تھا۔ اس نے کیوں اپنے ہزاروں بچوں کو اس طرح تباہی کے گھاٹ اترنے دیا۔ اور پھر اس وقت جبکہ وہ اسی کے حضور گھٹنوں کے بل گر کر اس کی تعریف و ثنا کر رہے تھے! یہ ایک ٹھوک تھی جس نے والٹیر کے قدم ڈھنگا دیئے۔ شک و شبہ کے تاریک بادل اس کے مطیع دل پر یکسر چھا گئے۔ اور امکان کی آتری کر ان کو اپنی غفلت میں چھپا دیا۔ وہ دہریت و احمادی تاریک ناز میں گر گیا۔ اور اگر پہلے صرف تکس سے منحرف تھا۔ اب خدا تعالیٰ سے بھی باغی ہو گیا +

قرآن مجید میں آیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کئی سعید و موحوں کے لئے ہدایت کا موجب ہوتا ہے۔ اور وہی واقعہ کئی بد بختوں کے لئے گمراہی و ضلالت کا سبب بنتا ہے۔ یہ زلزلہ بھی کئی لوگوں کے لئے باعثِ عبرت ہوا ہو گا۔ والٹیر کے لئے ضلالت و گمراہی کا پشام لایا +

## بعض مشاہیر کی والٹیر کے متعلق رائے

اس بلند پایہ ادب اور قابلِ شخصیت کے متعلق دنیا کے مشہور فلاسفوں اور مصنفین نے بالکل متضاد خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک کی رائے ناظرین کے لئے خالی از حجبی نہ ہوگی :-

جینی کے بے مثال شاعر اور گراں پایہ فلاسفر گوئیے نے اپنے پرستشکوہ طرزِ تحریر میں والٹیر کو ان لفظوں میں خراجِ تحسین ادا کیا ہے :-

”اگر تم نہ تھے، ہی ہی غیر معمولی ذہانت، تخیل۔ ذوق۔ عقل۔ حکمت۔ فطرت۔ اور ادب۔ خیال۔ فنی حقیقت۔ ملامت۔ لکھ۔ محبت۔ کمال۔ فن۔ کثرت۔ متنوع۔ زرخیزی۔ حدت۔ علم۔ دلکشی۔ ناز۔ قوت۔ تعجب کی بنیادی۔ وسعت۔ فہم۔ پر زہنت۔ تعلیم۔ بہترین لہجہ۔ حشراتِ خیر کی ادائی۔ نزاکت۔ پاکیزگی۔ معافی۔ فصاحت۔ دیانت۔ ہم آہنگی۔ نیر۔ برق زخاری۔ غرض۔ طبیعت۔ باہر رفت۔ عالمگیری۔ اور علاج۔ تکمیل۔ تکمیل۔ چاہو۔ تو والٹیر کو دیکھو“

اڑا رہا۔ پھر اسے صلیب پر لے کر وہاں پہنچا۔ اور جلاوطن ہو کر  
سلاخ سے گیا۔ خبریں لگائیں۔ اور اس کی بڑی بڑی ہڈیوں کو دو دو گولوں  
سے توڑ ڈالا۔ اس کے بعد اس کو سبکدوش کر کے لے کر پھر دیا  
گیا۔ قریباً دو گھنٹے تک وہ زندہ رہا۔ لیکن اخیر دم تک اپنی بے گناہی کا اظہار  
کرتا رہا۔ چونکہ میرے میں زیادہ برائی تھی۔ اس لئے جلاوطن لے کر اس کا قصہ  
پاک کیا۔ بعد ازاں اس کا خون میں لتھڑا ہوا۔ شکستہ اور مجروح جسم کو کھڑکی کے  
ساتھ باندھ کر جلا دیا گیا۔

یہ تمام کارروائی ٹولوس کے ”خدا پرست“ یا سندنوں کے لئے قابلِ مذمت  
نظارہ اور وہ کچھ تاشہ تھا۔ لیکن یہ معاملہ ہمیں پریشان نہیں ہوا۔ مین کلان کی تاشہ  
جائداد قبضہ کر لی گئی۔ اس کے پیشہ کو صرف اس شرط پر ہائی کی کردہ مومن کیلئے  
ہو جائے۔ دونوں لڑکیوں اور ملازم کو غلافہ میں داخل کر لیا گیا۔ مین برابریا  
گیا اور غریب آنت بیدہ کی وہ کو آوارہ پھرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

والٹیر نے جب یہ پورٹلانک داستان سنی۔ تو اسے آگے ہی دھکیلی۔ اس  
نے ایک لڑکے کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اور اس تمام مقدمہ کی تاریخ لکھی۔ باندھنا  
اور جدا شدہ لڑکیوں۔ امراء اور وزراء کے ساتھ خط و کتابت کرتا رہا۔ جس روپے  
کی ضرورت پڑی وہاں وہ پیر خراج کیا۔ اور کئی سال تک یورپ کی فضا کو مین کلان  
کی دردناک بچوں سے مہمور رکھا۔ انجام کار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا  
جو کہ فیصلہ منسوخ کر دیا گیا اور مین کلان کو بے گناہ قرار دیا گیا۔  
اس نے اسے آگے دھکیلیاں کا پیشہاں ہونا

ہزاروں ڈالر کی وہ اور اس کے خاندان کی امداد کے لئے جس کے لئے اس  
تمام کامیابی کا سہرا والا اثر کے سر تھا۔

## خاندان سرون کی مظلومیت

ایک پروفیسرٹ عیسائی سرون نامی اپنی بڑی اور تین لڑکیوں کے ساتھ  
رہتا تھا۔ بپ کے لازم کی نیت تھی کہ اس کی ایک لڑکی رومن کیتھولک بنانی  
جائے۔ تانان نے بپ کو اجازت دے کر کچی کچی پروفیسرٹ کا بچہ کر کے  
روح کو جاننے کے خیال سے رومن کیتھولک بنائے۔ چنانچہ سرون کی ایک  
لڑکی کو جبراً والدین سے چھین کر خاندان میں داخل کر دیا گیا۔ وہ وہاں سے بھاگ کر  
اپنے والدین کے پاس آئی۔ غریب کے لئے جسے جسم پر کوئی کفن نہ تھا۔  
ہوئے تھے۔ والدین کی ہدائی کے علاوہ اور خاندان کی پرستش و مذمت کے لئے

تھا۔ مین کلان کی ایک بیوی۔ چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ اس کے بڑے  
لڑکے نے قانون کا مطالعہ کیا۔ لیکن اسے وکالت کی اجازت نہ مل سکتی تھی جب  
تک وہ مومن کیتھولک مذہب اختیار نہ کرے۔ اس نے پوشیدہ طور پر لائسنس  
حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن راز افشا ہو گیا۔ اس سے اسے صدمہ ہوا  
اور وہ استعفیٰ دے کر ایک خرقہ پوشی کر لی۔

اب ٹولوس کے متعصب لوگوں نے یہ کسان کی لڑکی۔ رومن کیتھولک  
ہونے سے روکنے کے لئے اس کے والدین نے اسے قتل کر ڈالا ہے۔ اس  
خونخاک الزام میں اس کا والد۔ والدہ۔ ایکسٹیا۔ ایک ملازمہ اور ایک عمارت  
خوار گھر خراب کر لئے گئے۔ مرنے والے کو شہید قرار دیا گیا۔ اور کھسٹا نے اس  
کی لاش کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ یہ سلاخہ کا واقعہ ہے۔ کوئی ثبوت نہ تھا۔  
لوگوں کی چمکوں کی بنا پر مقدمہ چلا دیا گیا۔

حالانکہ تمام واقعات و شواہد مزین کے حق میں تھے۔ لیکن جن بھار  
کے خلاف یہ فیصلہ ہوا کہ پہلے اسے عذاب دیے جائیں۔ اور آخر میں خونخاک پتھر  
پر اس کے اعضا کو کڑے مار ڈالا جائے۔ یہ ہر پیر پتھر کے فیصلہ ہوا۔  
اور دوسرے ہی روز اس کی تعمیل شروع ہو گئی۔

غریب باپ کو عقوبت خانے میں لے گئے۔ وہاں جلا دیا اور اس کے  
معاذین سے طعنت لیا گیا کہ وہ عذاب فیصلہ کے مطابق دیں گے اور کسی قسم  
کی نرمی نہ رکھیں گے۔ بعد ازاں ایک سنگین دیوار میں ایک آہنی حلقہ  
کے ساتھ اس غریب کے ہاتھ باندھ دیئے گئے۔ اور اس کے پاؤں ایک  
دوسرے آہنی حلقہ میں جکڑ دیئے گئے۔ جو فرش میں نصب تھا۔ پھر انہوں  
نے تینوں اور دس بچوں کو گناہ شریعت کیا۔ اور یہاں تک کہ اس میں کھانے کے  
بازوؤں اور مٹائیوں کے تمام جڑ بند اپنے اپنے مقام سے ہٹ گئے۔ تب اس  
سے صحیح حالات کے متعلق سوالات کئے گئے۔ لیکن وہ اپنی مصیبت کا اظہار کرتا  
رہا۔ پھر زنجیروں کو اور کس واسطی کو طائر روح اس کے شکستہ جسم میں پھرنے  
لگا۔ لیکن وہ اپنی بیگانہ بیگانگی کا اعلان کرتا رہا۔ اس کا ردائی کو اس وقت کی  
اصطلاح میں ”معمولی“ کہلاتا تھا۔ پھر جوں نے ملزم کو سمجھا یا کہ وہ  
اپنے جرم کا اقرار کرے۔ لیکن وہ برابر انکار کرتا رہا۔ اور اپنی بے لوثی کا یقین دلاتا  
رہا۔ اب ”غیر معمولی“ شروع ہوئی۔ پھر اسے ملزم کے منہ کے ساتھ  
ایک نل لگا دیا گیا جس کے ذریعہ قریباً پندرہ سو لیر ہائی اس کے پیٹ میں جوتا  
داخل کیا گیا۔ اس سے اس کو ناقابلِ بیان تکلیف ہوئی۔ لیکن وہ اپنی بات پر

کریں۔ اور سب وہ خاندان کو فراموش کر دیں۔ آؤ۔ اپنے دلوں کے اندر چھپتے  
ثبت کر لیں کہ تمام انسان برابر ہیں؟  
ہیں محسوس ہوئے کہ شاید والدین کو اسلام کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔ اور نہ  
یقیناً واقف ہے کہ وہ اسلام کا حلقہ گوش ہوتا۔ اور ہریت والہا میں مبتلا نہ ہوتا۔  
وہ نیک اخلاق اور رحم و انصافیت کے مذہب کا قائل رہا۔ وہ نہ تو شاہدوں میں سب  
سے بڑا اور نہ ڈراما نویسوں کا سرتاج تھا۔ لیکن انگریزوں کے خیال کے مطابق اپنے  
زمانہ کا سب سے بڑا انسان تھا۔ وہ آزادی کا سب سے بڑا حامی اور اسلامی کا بڑا ترین  
دشمن تھا۔

## پیرس کو مراجعت

ستائیس سال کی جلاوطنی کے بعد پیرس کو لوٹا۔ اس کی واپسی نہایت  
شادمانہ تھی۔ جابجا تہجد جنیل کی طرح اس کا استقبال کیا گیا۔ فرانسسیسی اکاڈمی کے  
ارکان جن میں بہترین ارباب علم و فن شامل تھے اس کے خیر مقدم کو آنے اور یہ وہ  
عزت تھی کہ جو کوشاہوں کو بھی نصیب نہ ہوتی تھی۔ اس کی ٹریجڈی "آزمین" تخیل  
کی گئی۔ تھئیٹر میں اسے سبھوں کا تاج پہنایا گیا۔ اس وقت وہ فرانس کا سب سے  
بڑا شاعر اور ادیب تھا۔ اعلیٰ ادب کا دھارمہ جوار۔ اس وقت فرانس میں تین طاقتیں  
کا فرما تھیں۔ بادشاہ۔ کلیسا اور والیٹر۔ اگرچہ بادشاہ اس کا جانی دشمن تھا۔ اور کلیسا  
کے پادری اس کے خون کے پیاسے لیکن والیٹر فرانسسیسی عوام کو اس قدر محبوب تھا  
کہ وہ اس کو کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے +

اب وہ چوراسی سال کا بڑھا تھا۔ زندگی کی تمام راحتیں اس کے گرد و پیش  
موجود تھیں۔ دولت اس کی دست بستہ کینز تھا۔ غالباً اس سے پہلے کسی معتمد  
کو اس قدر مال و دولت نصیب نہ ہوا تھا۔ اور ان آخری ایام میں فرانسسیسیوں نے  
اس کی عزت نہیں بلکہ پرستش کی +

## والیٹر کا انتقال

مستند و مٹی کے آخری دن تھے کہ پیرس میں سرگوشیاں ہونے لگیں کہ  
والیٹر بستر مرگ پر دم توڑ رہا ہے۔ اس کی موت سے دو روز پہلے اس کا صیغہ کیا۔ اور  
دو یا دو یوں کو بلا لیا۔ اور اپنے جنازہ کے کمرے میں لے گیا۔ والیٹر نے ان کی طرف  
دیکھا۔ اور جیسے ہی گما۔ ان کو میر سلام دو۔ اور میرا شکریہ ادا کر دیا۔ بڑے پادری  
نے آگے بڑھ کر کہا: نیک بخت انسان بنایا تو ہمارے خداوند نے کج کی الوہیت

جو اس نخل کو دیئے تھے۔ وہ یہ ایک غائب ہو گئی۔ چند روز بعد اس کی لاش ایک  
کنوئیں میں سے ملی۔ خود پتہ چلا کہ اس کے والدین نے اسے عورت مار ڈالا ہے۔  
کہ بادشاہ اور من کیتھونک نے موجود ہیں۔ یہ واقعہ نوویس سے تھوڑے فاصلہ پر ہوا۔  
اور اس وقت جب جین گلان قید خانہ میں محبوس تھا۔ لڑکی کے والدین کو یقین  
تھا کہ مقدمہ ہوا تو جان کی خیر نہیں۔ بچا رے بھاگ نکلے۔ ان کی عدم موجودگی میں  
مقدمہ چلا۔ اور فیصلہ یہ ہوا کہ جلاوطن کرنی جائے۔ والدین جلاوطن کے ہاتھوں  
قتل کئے جائیں۔ لڑکیوں کو والدین کے قتل کا نظارہ دکھانے کے بعد جلاوطن  
کیا جائے۔ سرکاری کام ختم تھا جب یہ صیغیت زدہ قافلہ گھر سے بھاگا۔ راستہ  
میں برقیاری ہوجی تھی۔ کہ بڑی لڑکی نے جو شادی شدہ تھی پہنچنا۔ ماں کا  
دہن انتہا مل گیا۔ اور آخر کار بڑے تیار بے سرو سامان قافلہ کو سڑک پر لٹکایا گیا۔  
مگر کھانے کو ان کے پاس سوکھی روٹی تک نہ تھی۔ انجام کار وہ والیٹر کے پاس  
گئے۔ اس نے ان کی حمایت کا بیڑا اٹھایا۔ ان کو اپنی حفاظت میں لیا۔ ان کی  
معاش کا معقول بندوبست کیا۔ اور اس کو شش میں لگ گیا۔ کہ اس کو ننانک  
فیصلہ کو مسوخ کرانے جو سو سال ہوئے ان کے خلاف صادر ہو چکا تھا۔ اس نے  
بادشاہوں سے روپے کے لئے اپیل کیا۔ روس کی شہزادی کی بیعت پر دوم کو  
لکھا۔ اور ان کے علاوہ سینکڑوں گویوں کو اس ظلم صریح کی جانب توجہ دلائی۔  
آخر وہ کامیاب ہوا۔ اس مقدمہ کی بابت اس نے لکھا ہے۔ کہ مشہور میں دو  
گھنٹے کے اندر دغا خاندان ہسٹون پر مقدمہ چلا گیا۔ اور فیصلہ کیا گیا۔ لیکن اب  
مشہور میں برسوں کے مسلسل کوشش کے بعد ان غریبوں کو ان  
کے بچے ہونے تفوق واپس لے میں ہے +

الفرض ایسے عیبوں و روزاک واقعات ہیں۔ جن میں والیٹر نے ہمیشہ  
گہر و رور اور مضیعوں کی دشگیری کی۔ ایسی باتیں سن کر اس کے رونگٹے کھڑے  
ہو جاتے تھے۔ اور اس کا خون اُبلنے لگتا تھا۔ وہ یہاں تک بڑا ہو گیا کہ ایک  
مرتبہ اس نے فرانس کی سرزمین کو جس کے اندر ایسے ایسے ظالم توڑے جاتے  
تھے جیسے کہ نے خیر یاد کئے ۱۸۴۷ء کو لیا۔ لیکن غریبوں اور مظلوموں کی حمایت  
کے خیال نے اسے باز رکھا +

## مساوات انسانی کا علمبرار

والیٹر ہمیشہ مساوات کا سرگرم مدافع رہا۔ اس کا قول تھا کہ انسان  
پیدا ہونے سے ہی ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔ اور صرف نیکی اور خوبی کا احترام

اقرار کرتا ہے؟ "والٹیر نے یہ سنا، اور ہاتھ بڑھا کر پادری کو پیچھے دھکیل کر کہا۔  
"مجھے آرام سے مرنے دو"۔ اور وہ پادری کی طرف منہ کر لیا پادری اوس پر کھلا گیا۔  
"ہر مٹی کو رات کے ساڑھے بیچے اس نے اپنے لازم خاص موئینڈ کا ہاتھ  
پنے ہاتھ میں لیا، اُسے دبا ہوا کہنا۔ اوداع میرے عزیز مورنڈ۔ میں اب جا رہا  
ہوں۔ یہ اُس کے آخری نغظ تھے۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔  
لیکن سبھیوں کے بیان کے مطابق اس کی زندگی کے آخری لمحات تبتا  
رب و درد میں گذرے۔ وہ کتنے کی طرح آواز نکالتا، اور عجیب زبان بکتا رہا  
ورکنی روڈ ٹرپ تڑپ کر جان دی +

## الٹیر سب فرانس

۱۲ جولائی ۱۷۹۳ء کو فرانس کے مصیبت زدہ عوام کے مہر کا بیانا چھلک  
گیا۔ وہ درخت باغیچوں کے ساتھ اٹھے، تخت حکومت کو الٹ دیا۔ امراد کی سرکش  
اور مغرور دونوں کو بچھڑھیں پھیل گئیں۔ زمانہ پیرس بدرو صا و ہوں  
دیا۔ میٹیل کے دروازے کھول دیئے۔ اور سالہا سال سے محبوب بیگناہوں کو  
آزاد کیا۔ اس وقت "والٹیر کی جگہ"۔ "والٹیر زندہ باو" کے نعرے جگ سے فرانس  
کے زمین و آسمان گونج رہے تھے +

## والٹیر کو خراج عقیدت

۱۷۹۳ء میں اجازت دی گئی۔ کہ والٹیر کی پڑیل کو پیرس کے شاہی قبرستان  
میں دفن کیا جائے۔ ایک وقت تھا کہ چوری آئے پیرس سے ایک سو سو میل کے  
فاصلہ پر دفن کر لیا گیا۔ بعد آج فرانسیسی قوم اُس کی میت کے جلوس میں شامل تھی۔  
ہر گاؤں ہر قصبہ ہر قریہ اپنے اپنے جھنڈوں اور نشانوں کے ساتھ اس فرانسیسی  
فلاسفہ کے استقبال کو نکلا۔ جلوس ایک سو میل لبا تھا۔ آخر میٹیل کے کندھڑا  
پر والٹیر کو پورے پورے عزت و احترام سے سپرد زمین کیا گیا +

لیکن پادری بھی تاک میں لگے ہوئے تھے۔ رات کی تاریکی میں ہڈیوں  
کو نکال لے گئے۔ اور گرچہ قبر خالی رہ گئی۔ لیکن دنیا اس کی شہرت سے گونج  
اُٹھی۔ ۷

مہاری خاک کی بریادیاں ذرا دیکھو  
کمان کمانے آؤی اور کمان کمان ٹھہری  
ریاض بی اے (خاص)

والٹیر کو زندگی بھر میں کسی خوف اور اندیشہ نے پریشان نہیں کیا لیکن  
نہ ہونے کے متعلق اُسے بہت فکر رہتا۔ وہ جانتا تھا کہ فلاسفروں اور غیر رسمی  
الہوں کو قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا جاتا بعض کو جلا جاتا اور اسی کی  
اکھ بکھیر دی جاتی، بعض کی فٹنوں کو ٹوٹ کر داغ و زخم بننے کے لئے کھلا چھوڑ دیا جاتا  
لیکن والٹیر کو یہ منظور نہ تھا۔ محض اس خیال سے اس نے خاموشی طور پر چچا ایک  
بائی رسومات بھی پوری کر دیں لیکن پھر بھی پادری جانتے تھے کہ یہ سب خاطر داری  
دریا ہا رہی ہے۔ اور والٹیر کو معلوم تھا کہ کچھ بھی کروں۔ مجھے پادری لوگ پیرس کے  
رستہ ناموں میں ہرگز دفن نہ ہونے دینگے +

اسی خیال سے اس کی موت کی خبر کو پوشیدہ رکھا گیا۔ اس کے ایک  
مدد پادری نے پیرس سے سویٹل کے فاصلہ پر دریا سے سین کے کنارے پر  
ن کے دفن کا انتظام کیا +

اسریشی کی شام کو والٹیر کی فٹن کو ایک لمبا کوٹ اور ایسے کپڑے پہنا دیے  
گئے جن سے معلوم ہو کہ کوئی مریض ہے۔ اس کو ایک گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ اور  
ساتھ ایک لازم سہارا دینے کے لئے بیٹھ گیا۔ گاڑی میں چھ گھوڑے جوتے گئے  
گردیختے والے خیال کریں۔ کوئی بہت بڑا امیر اپنی جاگیر کو جارہا ہے جیسے جیسے  
بل گاڑی تھی جس میں اس کے دوستیٹھ اور دو ایررشتہ دار بیٹھے تھے۔ تمام رات  
غر کرتے رہے اور دوسرے روز منزل مقصود پر پہنچے۔ جہاں ضروری کاغذات

شہر بیوی  
نتیجہ فیض

محمد عبد اللہ کھان

شہر بیوی  
سبق آموز

مجلد و نظر فریب

میںجبر سالتیرنگ خیال۔ شاہی محلہ لاہور

شہر بیوی  
دیکھ بچ

دیدہ زیب



# خاندان شہید

## قائدان ملک سلطان محمد

از جناب سید حسن برنی بی۔ ۱۰ سے ۱۱۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ علیگ ایڈوکیٹ بلڈ شہر

کے درجہ پرنسپل کوٹہ شاہ کی دامادی اور اعلیٰ خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۲ء)

ناصر الدین کا وقت زیادہ تر عبادت اور تلاوت و کتابت کلام اللہ میں صرف ہوتا تھا۔ سلطنت کا سارا کاروبار زمین ہی انجام دیتا تھا۔

جب ناصر الدین کے بعد بلین تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنی دانشمندی اور تجربہ کاری سے ہندوستان کی سلطنت کو جس میں ایل قش کے بعد کوہ بادشاہوں کی وجہ سے بڑی ابتری پھیل گئی تھی منجھان اور مضبوط کرنا شروع کیا۔ اس نے فتوحات اور لشکر کشی کے خیالات چھوڑ کر سلطنت کے استحکام اور مرنے پر صدی حفاظت کو اپنا کام قرار دے لیا۔ ہندوستان کو اس وقت سب سے بڑا خطرہ غلامی کا لگا ہوا تھا جنہوں نے دنیا میں

دل چاہی ڈال رکھی تھی۔ صدیوں کے تمدن ان کے انہوں غلام ہو کر گئے تھے۔ وہ ہندو کی خلافت عباسیہ کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر چکے تھے اور زمین اور دوسرے

سب ان کا تسلط ہو گیا تھا۔ ہندوستان بچا ہوا تھا اور اس پر ہر وقت ان کی نظر لگی رہتی تھی۔ وہ ایک عرصے تک یہ ملک بھی بڑے خطرے میں گھرا ہوا۔

انہوں کے استیلا سے ہندوستان کا کیا حشر ہوتا؟ اس کے خیال سے بھی روٹ گئے کمرے ہوتے ہیں۔ وہ جہاں جاتے تھے اپنے پیچھے کشتوں کے پستے اور لاشوں کے ڈھیر باقی درق میدان اور ویرانے چھوڑ جاتے تھے۔

ہندوستان کے تین نامور بادشاہوں آسے، بلکے، ایل قش اور بلین نے اپنی زندگی غلامی سے شروع کی آسے، بلکے کو محمد غوری نے غلام کیا تھا۔ (۱۳۸۷ء) ایل قش کو آسے، بلکے نے (۱۶۸۷ء) اور بلین کو ایل قش نے (۱۶۸۷ء) تینوں نے اپنی قیادت سے اپنی غلامیوں کے ورثے سے بادشاہی ملک پہنچ گئے۔ تینوں نے تجربہ کے مدرسہ میں تعلیم پائی اور تینوں حکمرانی کے شعور و فن میں بڑے کامیاب ثابت ہوئے۔

ان تینوں بادشاہوں کی شخصیت ہندوستان کی تاریخ میں نہایت بلند پایہ رکھتی ہیں لیکن ان کے کل حالات اور سیرتیں ابھی لکھی جانی باقی ہیں۔

بلین اہلری ترکوں میں پیدا ہوا تھا۔ اور اس کے آقا ایل قش کا خاندان بھی انہی ترکوں میں تھا۔ (۱۶۵۱ء تا ۱۶۵۷ء) میں شہاب کا زمانہ تھا کہ ترکستان پر مغلوں کی ایک فوج تھی وہ اپنے خاندان اور وطن سے بھاگ گیا اور ہندوستان کے بازار میں بیچ و بایا۔ وہاں سے بھاگ کر لے آئے جہاں خواجہ جمال اہلری نامی ایک ماجر نے اسے خرید کر اولاد کی طرح پالا اور ہونہار و دلکش کر سلطان شمس الدین ایل قش کے ہاتھ میں لایا۔ وہ اپنی جوانی و زینت اور دلچسپی میں کچھ نہ بھائی کوشش خاں اور ایک بچہ نامو بھائی شیریں بھی اسی بانی کی عرویس میں آ گئے اور تینیاں بکر بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہوئے (۱۶۵۷ء تا ۱۶۸۷ء)

بلین اپنی باقی عرویس سے دو بہنیں بڑھ گیا یہاں تک کہ ایل قش کے یکدل گوشہ نشین اور غلام پرست بیٹے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں شہزادہ نائب السلطنت

۱۷۵۷ء میں انہوں نے تاج تاجین و تاجین آغا طغات ناصر (۱۷۵۷ء) تا ۱۷۵۷ء (۱۷۵۷ء) اور ناصر الدین ناصر (۱۷۵۷ء) تا ۱۷۵۷ء (۱۷۵۷ء) میں بطور اختصار ہم نے بعض کے صفات کا احاطہ کیے "ط" اور تاریخ فرزند شاہی کے لئے "ف" بطریق علامت متروکہ دیئے ہیں۔

عہد ہندوستان کے ترک بادشاہوں کے بعض نام کا تلفظ صحیح نہیں کیا جاتا آسے، بلکے کا نام صحیح تلفظ مختلف طور پر کیا گیا ہے اور اس کے نام کے صحیح معنی اس وقت تک کسی نے بیان نہیں کئے جاری تحقیقات سے یہ نام آسے، بلکے اور ایک بھی چرچہ سے مرکب اور اس کا ترجمہ "ماہر و ڈاھن" ہوتا ہے اس کے لئے ہمارے پاس امیر خسرو کی سند موجود ہے جس پر منسلک کتب کسی اور وقت کجا سے آئے۔

ابتدائی زمانہ سلطنت میں سلطان محمود کو دل (جیسے اب مل کر دیتے ہیں) اور اُس کے قریب چاروں علاقے جاگیر میں سے ہونے تھے۔ وہ ۱۶۷۰ء لیکن کچھ ایسے حالات پیش آئے جن کی وجہ سے اسی علاقہ کو سلطنت کی سب سے بڑی اور سب سے خطرناک خدمت اپنے اس چھپتے بیٹے کو نبی پڑی + ہندوستان کی مغربی سرحد کی حفاظت ایشیائے اوسط کے لیے اس کے چچا زاد بھائی شیرخان کے سپرد تھی۔ اور ناصر الدین محمود کے وقت سے شہنشاہ، لاہور، دہلی اور مغلوں کی وراثت کے تمام علاقے سب امی کے سپرد تھے +

وہ ایک بڑا آزاد مزاج اور جری سپہ سالار تھا۔ اُس نے ۳۰-۳۵ برس سے مغلوں کے وراثت کے لئے لڑے گئے تھے۔ اور ہندوستان کی سرحد پر سترہ گری کی کھینچ رکھی تھی۔ اُس کے حسن انتظام، شجاعت، قوت، شجاعت، اور شہسوارانہ شہرے کے خوف سے مغلوں کی محبت نہ ہوئی تھی کہ ہندوستان کی سرحد پر خیال بھی دل میں لے آئیں اُس نے خزانہ تک سلطان ناصر الدین محمود کا خطیر پڑھوا دیا تھا۔

سلطنت کی طبع و نحو، غرضی، ہندوستان سے ہوشیار بادشاہ کو بھی شک و شبہ اور سبب اعتبار میں سرگشتہ کر کے بعض اوقات بالکل اندھا بنا دیتی ہے۔ شیرخان بہن کا چچا بھائی تھا۔ اور وہ ملی کی سلطنت کا بڑا قوی بازو سمجھا جاتا تھا۔ لیکن خون کا میل اور ذاتی ریاست، سلطنت کے مصالح میں جس بلوف کی اپنی فحش شامل ہو۔ بہت کم کام آتے ہوئے بلکہ اوقات

اسے روکشی طبع کو برہنہ ملاشتہ

کا مصداق ثابت ہوتے ہیں شیرخان، ایک گرگ بادشاہ میں تھا۔ ایل کش کے ہمدرد انقلاب تاج و تخت دہلی میں پیش آتے رہے اور اُن کی وجہ سے سلطنت کے صفد دارا پر جو خنداں پڑی ہیں، انہیں دیکھ کر وہ اپنی ولایت سے ہٹ کر دہلی نہیں گیا۔ اسے ڈر تھا کہ کسی بد زمانے سے اُسے بھی محمور کر دیا جائے گا۔ جب بہن بادشاہ ہوا تب بھی وہ اپنے سرگرمیوں سے نہ لاپرواہ کی سلطنت کو جب چار پانچ برس گزر چکے تو شیرخان کی فکر ہوئی، اُس زمانے کے متبرک لوگوں کا بیان ہے کہ اُسے بادشاہ نے نہ زور دیا +

بھٹنہ اور بھٹنہ کے حصار میں شیرخان نے ہوائے تھے۔ اور جھنپری میں ایک بڑا اونچا گنبد بھی تعمیر کیا (تخلات ۶۵-۶۶)

قدرت بھی انتہا میں نہ ہو کہ چوتھی بے خبری خیال کو مار کر بہن نے اپنی سلطنت اور اپنے خاندان کا استحکام و حفاظت چاہی تھی لیکن اُس خون ناحق نے اس کی سلطنت کی چڑیاں کھلی کر دیں۔ اور وہ عرصہ بعد اس کا خاندان بھی ہندوستان میں چھوڑ

۵۵ شیرخان کے حالات کے لئے ملاحظہ ۲۷۷ اور ۲۷۸

ایل کش نے خیر خیال کی دستبرد سے ہندوستان کو بچانے رکھا۔ اور اپنی بیگم خیر خاں کے جانشینوں سے بہن کے زمانہ میں مغلوں کا شمار اور کمال پہنچا ہوا تھا۔ اور اُن کے ہاتھوں سے ہندوستان کا بچاؤ کوئی کام نہ تھا۔ لیکن اُس میں اپنی انوشیوں سے کام لیا پڑا یہاں تک کہ اسی میں اُسے اپنی آنکھ کا تارہ اور سجدوں کا سہارا جینٹ چڑھا کر پڑا +

بہن کا وہ بڑا بیٹا تھا۔ زندگی میں اُس کا نام محمد سلطان اور خطاب تھا اُن کا مکہ تھا لیکن تاریخ میں وہ خان شہید کے لقب سے مشہور ہے (۶۷) بہن کے صرف دو بیٹے تھے۔ چھوٹے بیٹے کا نام محمد سلطان خطاب اور خاں اور لقب ناصر الدین تھا۔ اپنی زندگی میں بہن نے اُسے کشمیری (بھگال) لباس کم تنہا کر دیا تھا۔ بہن کے بعد اُس نے بھگال میں آزاد حکومت قائم کر لی۔ اور عرصہ تک اُس کا خاندان طاں حکومت کر رہا +

تمام تاریخی شہادتیں متفق ہیں کہ وہ دونوں لڑکے بڑے شہادت اور علم یافتہ تھے۔ بہن نے اُن کی تعلیم و تربیت میں بڑا اہتمام کیا تھا وہ منسوب شاہی و ملکی کے متعلق بڑے اویچھے خیال رکھتا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اپنے بیٹوں کو ہر طرح اُس کا اہل بنا دے۔ بڑا بیٹا اپنی خوبیوں میں یکساں نہ تھا۔ اور اُس کی ذات سے بادشاہ اور بادشاہ کا بڑی بڑی امیدیں تھیں۔ سو خرچ کیا ہے پر نہ لکھتا ہے +

وہ نہایت آرام سے و پیراستہ شخصیت رکھتا تھا اور جب باپ کی باریقت اُس کی چینی میں چلتی تھی۔ ایل کش کے کئی ذی اقتدار غلاموں نے جو خاندان کہا میں شمار ہوتے تھے۔ اپنے بیٹوں کے نام چھوڑے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو کچھ خاص ملائے ہوئے ہوئے مشغول تھا۔ اُن سے ملک علاقہ الدین بھی کہتے تھے۔ فیاض اور جہیز میں اپنے وقت کا حاکم ملتی تھا۔ محمد ارسلان خاں جیسے شہزادے کہتے تھے۔ اور بعد میں کشمیری میں بادشاہ ہو گیا تھا۔ عالی مرتبتی اسنادت اور بادشاہی میں مشہور +

لیکن سلطان بہن کا بیٹا محمد خان سب سے زیادہ باادب اور نیک تھا۔ سلطان اُسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا +

سلطان محمود کی مجلس دانشمندیوں معتبر لوگوں اور ہندوؤں سے بھری رہتی تھی۔ اُس کے مصاحب اُس کے سامنے شاہنشاہ۔ دیوان ستانی، دیوان نقاشی اور سب سے شیعہ نظامی چہرے اور اُن کے استاد پر بحث کرتے رہتے تھے۔ وہ ۱۶۷۷ء

ماں کی حرکت سے محمد سلطان اور اُس کے بھائی کا نسب سلسلہ ایل کش اور کشمیر تک پہنچا تھا۔ اور اُن کی رگوں میں تین بڑے بادشاہوں کا، جنہوں نے ملتی ملتی ذاتی ریاست سے تخت سلطنت حاصل کیا تھا خاں ہوتا تھا +

جس کے اور چاہا کہ وہ میں رہ جائیں۔ اور ان کے لئے اتنان میں ایک خانقاہ بنادی جاسے اور گاؤں دہیسے جائیں لیکن شیخ خان شہر کے لئے رضی نہ ہوئے +  
ایک دن خان شہید نے شیخ مذکور کو شیخ قدہ پسر حضرت شیخ بہا الدین دکنی کو اپنی مجلس میں بلوایا۔ اور عربی غزلیں سماع فرمائیں۔ وہ اور دو سکورویش غالب و جد میں رقص کرتے تھے۔ خان شہید بھی جب تک کہ دویش سماع و رقص میں مشغول رہے برابر دست بستہ کھڑا رہا اور زار و قطار روٹا تھا +

خان شہید کی مجلس میں لوگوں شرعاً لکڑتیا کہ کلام میں دخل انداختیں ہوں پڑھا جائے اور وہ اس کی سہمت کو دوسری مصحفوں پر ترجیح دیتا اور بڑے اعتقاد کے ساتھ مٹا اور بت داتا تھا۔ تمام حاضرین مجلس اس کی قوم و نرم دلی سے حیران و تعجب رہ جاتے تھے +

اپنی وفور دانش کے باعث اس نے دوسرے شیخ صدی کو بلائے کے لئے خان قاصد لکھا کہ بیجی۔ اور شیخ کے لئے شیراز میں بیجی بھیجا۔ اس کی تلقا بھی کہہ تھان چلے آئیں اور ان کے لئے ایک خانقاہ بنا کر بہت سے گاؤں وقت کر دینے جائیں خواہ صدی ضعف پیری کی وجہ سے نہ کہے اور دونوں مرتبہ اپنی غزلیں کا ایک ایک سفید اپنے قلم سے کھ کر مسجد اور اسے سے سعادت لکھ بھیجی (ت ۶۸-۶۹)

انفیر خرو اور امیر حسن کی لکڑتیا تھے "وا حسرتا اگر ہا ہی اور دنیا کے دوسرے جزو مندوں کی قسمت جتنی تو خان شہید زندہ رہتا۔ اور یہی کہ تخت پر بیٹھا اور تمام ہر دو اور بہتر مندوں کو اپنی یا رضی سے دالال کرتا (ت ۶۸)

موزع کے بیان کی تصدیق انفیر خرو کی کتابوں سے بھی ہوتی۔ اپنے تعلق کا تذکرہ دیوان غرہ الکمال کے دیباچہ میں اس طرح لکھا ہے کہ پہلے میں سلطان محمود گورکانی کے ہاں دوسرے ملازم ملایا جانے سے اسے لکھنؤ بلایا گیا۔ تو اس بھی اس کے ساتھ گیا لیکن اپنے عزیزوں اور وطن کی یاد سے مجبور ہو کر دلی لوٹ گیا۔ اسی زمانہ میں تاجی ملک فتح و مرہ کے بعد بادشاہ کی خدمت میں دلی آیا ہوا تھا۔ اور میرے کلام کی تحریک اس کے کانوں میں پہنچ چکی تھی میں بھی مناسب موقع پر کلام محمودوں کے اس مجلس میں جا پہنچا شاہزادہ نے اسے شکر بہت پسند فرمایا۔ اور شعلت و صلہ مل گئے۔ میں نے بھی کر تندی باغی ادا کلاؤ دینی سر پر رکھی۔ پانچ برس تک خان میں اپنے لطائف سے مجلس گرم رکھیں +

"ہم روز شہور بزرگ خان ملک از فتح و مرہ و صید و داؤد و صید کی شہرہ رسیدہ بود۔ رسیدہ از میوہ پختہ ختم برسد۔ خانہ پختہ جندال کہ بر دوہی (بردم) بکلمہ واقفان قبل از ہوا۔ بہر تشریف و صلہ و معلول شتم کر تندی بریاں بہم و کلاؤ دینا

کے لئے نیست و نابود ہو گیا +

فیروز خان کا بیل لٹا تھا۔ کا آدھا وہی بڑی شکل سے خلتا ہے۔ اس کے بعد اس کی ولایت کا اختتام کئی کئی ایسوں کے سپرد ہوا لیکن جن میں اس سے کسی کو خاصہ میں نہ لائے اور دیشوں پر پوشش کرنے لگے۔ اور سرحد کا سبھا لٹا پڑا کھن کام ہو گیا۔ (ت ۶۵-۶۶)

بلین بایک عرصہ تک تو ملک کے اختتام میں گزارا مگر جب اسے چٹکا دلا تو سرحد کی فکر پیدا ہوئی اور اس پر وار ہم کے لئے اس کی نظر اپنے بڑے بیٹے پر پڑی۔ چتر کوکڑ سے ولید مقرر کیا اور تمام سندھ کا ملک اس کی ہاگیر میں دے کر بہت سے عہدہ دار اور اہل کمال اس کے ساتھ گئے (ت ۶۷)

مٹان میں شاہزادہ کا مستقل قیام ہوا۔ تو اس کی زندگی نہایت مصروفیت سے گذرنے لگی۔ وہ نرم و نرم دونوں میں یکساں کمال رکھتا تھا۔ اور اس کی دونوں قسم کی مصروفیتیں اب میں اپنی یادگار بن چھوڑ گئی ہیں +  
مٹان میں پانچ برس تک اس کے مہمیں میں امیر خسرو اور امیر حسن بھی نوکر رہے۔ خیال سے برتی لکھتا ہے :-

"امیر خسرو اور امیر حسن اس کی خدمت میں ملازم تھے۔ اور پانچ برس تک مٹان میں اس کی خدمت کو تھے۔ شاہزادہ انہیں تنخواہ کے علاوہ انعامات و تیار ہوتا تھا اپنی دانشمندی سے اس نے جد ہی مجلسوں میں ان دونوں شاعروں کی خوب جوں۔ لطافت اور دانش و ہر کو خوب پرکھ لیا تھا۔ اور اپنے سب نیکیوں میں انہیں زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اسے ان کی شرف و نظم پسند تھی۔ دونوں کو اپنا مخلص بنالیا۔ اور ان پر سب نیکیوں سے بڑھ کر لطف کرتا۔ اور زیادہ انعامات اور بہتوں کپڑے دیتا رہتا تھا (ت ۶۷)

مٹان شاہزادہ کی کاویوں دونوں کےولی سے کبھی خوبیں ہوتی۔ موزع مذکور سے اس کے کوصات ان دونوں شاعروں نے اس طرح بیان کئے تھے :-

"ایا موزد اور مذتب شاہزادہ جیسے کہ خان شہید تھا۔ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ اگر تمام دن اور رات وہ مستان و منصب فرما دی پر پٹھا رہتا تو بھی زانوئے نوب نہ نہاتا۔ کبھی ایسے موقع پر ہم نے اسے بے تکلف ٹھٹھے نہیں دیکھا مجلس شریک کی مجلس میں ہونے کیے باگانی دیتے نہیں رہتا۔ شراب مروت اتنی چتا تھا کہ مست و دیو نہ ہونے پائے اس کی تم خذ "خا" تھی +

شیخ خان ایک بزرگ مٹان میں آئے۔ تو خان شہید اپنے مٹان افتاد کے باغی کن کے ساتھ انتہائی خاص سے پیش آیا۔ یہ بہت کچھ ان کی خدمت میں نہانے





تھے۔ بلین کو آرام لینے دیتے تھے۔ آخر شہزادہ میں ہلاک کئے گئے۔ انہوں نے اس کا ایک چھپے ہوئے امیر نے جس کا نام تھوڑا تھا۔ اور اس کے تحت میں اس وقت ہرات، قندھار، بلخ، بدخشان، غزنی، غور اور ہماہان کے علاقے تھے۔ میں ہر سال سوار لے کر لاہور اور دیالپور کے درمیان لشکر کشی کی۔

جو اندر سلطان کو خبر ہو کہ جب یہ خبر ملی تو فوراً دست کے لئے کر سکتے ہو گیا۔ اور اس بات کی کچھ برفا نہ کی کہ اس کے پاس اتنی فوج تھی۔ جو شلوں کے مقابلہ کے لئے کافی ہوتی۔

یہ حکم ہندوستان کی تاریخ میں پیش کیا گیا ہے گا۔ میں کی آواز باز گشتہ تاریخ اور ادب میں آج تک گونجتی ہے۔ گو ہندوستان کی حفاظت میں یہ فوجاں شاہزادہ کا آیا لیکن انہاں ایسا کام چھو گیا جس سے وہ ہادی تاریخ میں ایک نامور ہیرو کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس جنگ کے حالات مورخ ضیائے برنی نے تفصیل سے نہیں لکھے۔ اور صرف اتنا لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ یہ خسرو شہزادہ (صحیح آخر شہزادہ) میں خان سلطان کا جو کہ سلطان بلین کا بڑا بیٹا اور دوسرا بیٹا اس کے ٹک کے پشت و پناہ تھا۔ جو ہر (لاہور) اور دیالپور کے درمیان تھوڑے سے جو پھر غزنی میں ایک عجیب ٹک تھا مقابلہ و مقابلہ اور نقصانے۔ قدری تہائی سے خان سلطان اور امرا و سرداران لشکر اس طلب میں قتل ہو گئے۔ (ف ۱۰۹)

لیکن بہتوں واقعات امیر خسرو کی بعض نظموں سے جو انہوں نے اس حادثہ کے متعلق لکھی ہیں معلوم ہوتے ہیں۔

جو کا دن تھا اور ماہ ذی الحجہ شہزادہ کی اخیر تاریخ (مطابق و تاریخ ۷۵۷ھ) کہ سلطان میں اس پرورش کی خبر پہنچی۔ بہادر شاہزادہ فوراً دن چڑھے اپنے تھوڑے سے لشکر کو جو وہاں موجود تھا لیکر روانہ ہوا۔ اور وہ ہر کو رہا کے کنارے کا فخر کے وقت پہنچا۔ دوپہر سے شام تک یہی فوج لڑائی ہوتی رہی۔ اور فوج کی اُمیدیں نظریاتی میں ہمارا ٹک کہ دن چھب گیا۔ لیکن لڑائی ختم نہ ہوئی۔ شاہزادہ فوج کے ایک حصہ کو چھوڑیں چھوڑ کر اور ایک حصہ کو اپنے ساتھ لے کر غالبانہوں کے تعاقب میں دیالپور کو ہٹا تھا اور رات چوکی تھی کہ لڑائی کی میزان پلٹ کر نہ گئی۔ اور شاہزادہ بچ رہا میں زخمی ہو کر مارا گیا۔ اور اس کے کشاں بھی ماسے گئے۔

ضیائے برنی لکھتا ہے کہ اس واقعہ بلین کی سلطنت پر بڑا برا اثر پڑا۔ بہت سے تجربہ کار فوجی کام آئے۔ لہذا میں ہر حال میں مصیبت تھی اور قائم تھا۔ تمام لوگوں نے بیلا لباس اختیار کر لیا۔ لوگوں کا خوف و تشویش آسمان تک پہنچا تھا۔ دار السلطنت کی بھی

بادشاہوں کی بھیج ہفت لاکھ بجی رہی ہے۔ خلا کو ایک تفرق بلین نے فروری۔ غیاث الدین تعلق اور بارہ سے لگا کر ایک تک اکثر منسل سلاطین ایسے بادشاہ تھے جن کی ملک دہری بڑی تباہی کی حق ہے۔

یہ سب دیتیں بیکار تھیں بہت جلد وہ ساعت آنے والی تھی جب ہوتا شاہزادہ کا شمار دروں میں ہونے والا تھا۔

وہ باپ سے نصرت ہو کر سلطان چلا آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سرحد کی حالت بہت خطرناک تھی۔ بلین نے دوسرے بیٹے کو سامان میں ستیوں کر کے ہدایت کی کہ وہ بھی شلوں کی جواب دہی کے لئے ہر وقت مستعد رہے۔ چونکہ بڑا خان اتالیق نہ تھا جتنا کہ محمد سلطان۔ باپ نے اس سے ملک کاموں میں جلدی نہ کرنا۔ مشیروں اور کارداروں سے مشورہ کرتے رہنا۔ بلکہ مشکل کاموں میں مجھے مشورہ لے لیا کرنا۔ اور شراب پینا چھوڑ دینا۔ اطلاع سامان بہت بڑے ہیں اور وہاں بہت سی کار و فوج بھی موجود ہے اگر شراب نہ چھوڑی اور اپنے اطلاع اور فوج کی خبر نہ رکھی تو مغرب کی طرف کبھی کوئی جاگیر نہ ملے گی اور بیکاروں میں ڈال دینے جاؤ گے۔ بادشاہ نے خبر لگا دینے اور بیٹے کی جانچ میں بڑی کوشش کی۔ وہ بھی یہ حال دیکھ کر شکیں ہو گیا۔ (ف ۸۱)

اس زمانہ میں شلوں کے سوار دریائے بیاس سے گزر کر بلین کے علاقے میں پوشش کرتے رہتے تھے۔ سامان سے بغاوت خان لہان سے محمد سلطان اور دہلی سے ملک اختیار الدین بیک ترس بار بیک سلطان دریائے بیاس تک ان کا پھیلنا کرتے اور سلطنت کی سرحد سے باہر کر دیتے تھے۔ ان تینوں لشکروں کا اندازہ صرف سترہ اٹھارہ ہزار سے زیادہ نہیں تھا! (ص ۸۱)

بلین کی حکومت کو چندہ سولہ برس گزرے تھے کہ بنگال میں اس کے عامل فطرن نے بغاوت کی جس نے برطانوی بھیجا۔ اور اس کے فرو کرنے کے لئے آلاخر خود بلین کو جان اور سامان سے بڑا خان کو بلکہ بنگال کا حکم مقرر کرنا پڑا۔ (ف ۸۱-۹۲) بادشاہ نے اسے نصرت کرتے وقت بہت سی قیمتی چیزیں کیں اور دار السلطنت کو لوٹ آیا۔ (ف ۹۲-۱۰۶)

ضیائے برنی لکھتا ہے کہ اس ہم کے بلین کی سلطنت کو غیر معمولی استقامت حاصل ہو گئی۔ اور اس کا دل تمام کی محلوں سے فارغ ہو گیا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مخالفت باقی نہیں رہی (ص ۱۰۹)

لیکن ہر زوالے کا ایک لے۔ اندر کا خطرہ ٹپکا تھا لیکن باہر کا خطرہ بلین کے اختیار سے تھا۔ بڑا خان منسل ہندوستان پر آنے لگا۔ ٹپکے تھے۔ اور ہندوستان کی تسخیر کے خیال میں بہت کچھ نقصان اٹھا چکے تھے۔ وہ خود وہاں سے بیٹھا جانتے

(دوستوں کی مجلس دنیا کی ہوا کے تیز جھوکے سے ایسی اتر جوتی کو گویا باغ میں پت جھڑ  
ہونے لگی)

مردان بودند باقر قسریں را منتظر

ایک ایک خسرو آئنا آں آمد پدید

(لوگ ستاروں کے کجانی کا اثر دیکھنے کے لئے انتظار کر رہے تھے۔ دیکھا خسرو اب  
اس کے آئنا ظاہر ہو گئے)

من نخواہم جز ہاں جمیعت وایں کے شود

خود خاست ایں نہات نش پڑیں کے شود

(میں اس جماعت کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا لیکن یہ محض خیال ہے بھلا نہات انش  
کے منتشر ستارے پڑیں کی طرح یک جا کیسے ہو سکتے ہیں)

دوسرے بند میں شاہزادہ کی لشکر کشی کی یاد ہے :-

تا چہ جالہ بک شاہ از موتاں لشکر کشید

تبع کافر کش برائے کشتن لشکر کشید

(وہ کیا بڑی گھڑی جمعی جہاں شاہزادہ کے موتاں سے فوج کشی کی اور اپنی کافر کش  
تبع کو ایک فوج کے قتل کے لئے نکلا)

چوں تیر گردش از دشمن یان قوت کو دست

بلے مجاہد خرم رزمہ کو روایت و در کشید

(جب اُسے دشمن کی خرمی قوت کو جاننے کے فوراً وہ غضبناک ہو گیا۔  
اور اُس نے اپنا نیزہ اٹھا لیا)

اچھی حاضر لو لشکر کشے و گھر نہ جست

زا کمر رستم از نایب منتبش کشید

(جو کچھ فوج موجود تھی اُسی پر اکٹھا کر کے اودھ فوج تلاش نہ کی۔ رستم کو فوج کا احسان  
لینا شایاں نہیں)

یک کشش از موتاں میں مالدار و افتاد

یعنی اندر مہمن کا فروغ نہ سر کشید

(موتاں سے لاہور تک ایک پوش کر لکھی ہے تعجب ہے کہ میرے عہد میں کافر  
کو سر اٹھانے کی ہمت ہوئی)

من نہ آن شیرم کشمیر چو آب و آتش

از کشش ہر سال شاہ دغاغ کا کشید

(کیا میں وہی شیر نہیں ہوں کہ میری پانی اور آگ جیسی تلوار سے انہیں ہر برس خاک

یہ حالت ہوئی بلین کو جب اس حادثہ کی خبر پہنچی تو اُس کی کمرٹ کر رہ گئی۔ ہر چند اپنے بچوں  
سنبھالتا تھا۔ اور لوگوں پر اپنا مہر و ضبط ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ لیکن روز بروز حالت ترواب  
جوتی جاتی تھی۔ دن بھر ملکہ لاری کے کاموں میں لگے رہتا تو رات بھر آؤ و ناری میں بھرنا  
دیتا۔ کمرٹے پہاتا اور خاک میں تڑپتا تھا (ت ۱۰۹-۱۱۰)

اس اثراتی میں انیسر و بھی شریک تھے۔ اور غلوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے۔  
اور بڑی تکلیف اٹھائی۔ اور خوش قسمتی سے کسی طرح بھوٹ کر آ گئے۔ ان واقعات  
کا اُن کی بڑی اہمیت پر بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ انہوں نے متعدد نظمیں اس واقعہ کے  
متعلق لکھی ہیں۔ جو دیوان و مصلحہ میں درج ہیں۔ ان میں دو عجیب و غریب جہاں شاہزادہ کے  
مرثیوں میں گئے ہیں۔ ایسی نظمیں ہیں جن کی نظیروں بند و تان کے نام اسیلوب میں کیا  
شاید دنیا بھر کے ادب میں ملنا دشوار ہیں۔ کیسے کے لکھنے میں جو کاغذ کے صفوں  
پر یکجور دینے گئے ہیں بغلوں سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہیں اور غلوں چکنا ہے۔  
اس حادثہ کی یہ بہترین بلونی اور تاریخی یادگار ہیں میں بنیاد برستی نے سچ لکھا ہے  
کو اُن کی کیفیت میں امیر خسرو نے جاودہ گری سے کام لیا ہے۔ ان کا ایک ایک  
لفظ پڑے جانے کے قابل ہے۔ ہم نے جو انتخاب پر اکتفا کیا ہے وہ مرثیہ اپنے  
ضمیمہ کو مبالغہ سے بچانے کے لئے +

پہلی نظم میں گیا رہ بند ہیں اور اس کا نام امیر خسرو نے "نعت الغر" لکھا تھا۔  
"بس کہ از خون شہد انت نقش این سیر  
نام این نعت الغر اکتسہ فی نعت الغر  
پہلا بند میں طرح شروع ہوتا ہے :-

واقعہ است این یا ملاکر آسمان آمد پدید  
آفت است این یا قیامت در جہاں آمد پدید  
(یہ واقعہ ہے یا ملا ہے جو آسمان سے ظاہر ہوا ہے۔ یا آفت ہے یا قیامت ہے جو دنیا  
میں دکھائی دے رہی ہے)

راہ ورنیب د عالم و اوسیل نعت را  
رختہ کا سال در ہندوستان آمد پدید  
(ہندوستان میں اس سال جو رختہ نمودار ہوا ہے۔ اُس نے ایک ایسا سیلاب قندیل  
کو دیا جس نے دنیا کی بنیادیں خراب کر ڈالیں)

مجلس باران پریشاں شد ز باد تند و ہر  
برگ پرندی گوئی اندر گھمستاں آمد پدید

اور خون میں ملایا ہے]

آنکھیں نہیں کھنکھیں اسال خاک از خون نشان  
کرز میں یاد عشق را گونہ احر کشید

[اس برس ان کے خون سے زمین کو ایسا رنگین کر دیا گیا کہ زمین سے شفق کو سبزی کا  
آبنا انگلیا پڑے گا]

ادوریں تدبیر و اگر نے گرفتہ در فلک  
صفو تدبیر راختہ مشیت در کشید

[وہ اس قسم کی تدبیر سوچ رہا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ تقدیر سے بے خبر تھا کہ مشیت نے  
صفو تدبیر کو کاٹ دیا ہے]

قرۃ شد محترم نے برہم کل خلق  
چوں سلج اندر گلوئے دشمنان خیر کشید

[نیا جامہ اس پر کیا ہم دنیا کے لئے محترم ثابت ہوا جس وقت کہ اس نے ماہ  
ذی الحجہ کی اخیر تاریخ میں جس دن کہ نئے برس کا ہندو کھائی دے گا۔ یا دشمنوں  
کی پست کنی کے لئے، ان کے گلے پر پھری پھری]

آں چہ ساعت بود کہ فرسرد لشکر رسید  
جوئی بر جوق آب را گدشت و ناگر در رسید

[وہ کیا ابرا، وقت تھا جس وقت کہ فرعون پر چلا اور ہوا اور جوق در جوق رہا  
سے گزرتا آچینا]

تیسرے بندیں میدان جنگ کا نقشہ کھینچا ہے۔ شاہزادہ گھوڑے پر سوار فرج کو  
آجہا رہا ہے۔ فوجی باجوں اور گھوڑوں اور آدمیوں کے شور نے صحرا ہدشت کو کہہ

کر لڑنے برا نام کو کھلے گھوڑوں کی ہلچلوں سے چنگاریاں پیدا ہو رہی ہیں اس  
وقت کی محبت و دشت علماء دل کی چمک تیروں کی بارش ہمارے دل کی چل قدمی  
اور بزدلوں کی پانی کے لئے جلد جونی عجیب غیبی کے ساتھ بیان کی ہیں +

خنگ شد دیدی و برگردوں غبار را بچختی  
باد پاز کا فراں خاک را ایچختی

[شاہزادہ کے سفید گھوڑے اور اس کے آسمان پر گرا آئے کو دیکھا۔ اور تیز رفترا  
گھوڑا کا فروں پر دوڑنا دیکھا]

انفوخش کوس و با بگ اسپ و آواز سوار  
لڑہ و صحرا دشت و گبار ایچختی

[بھول کی آواز۔ گھوڑوں کی ہنسا ہنٹ اور مرداروں کے شور سے صحرا اور دشت

اور کس میں لڑہ پڑنا دیکھا]

فعل و نفس بنان و سنان گرم را  
وہم ہر آتش نعل سوار را بچختی

[بھڑکتے ہوئے گھوڑوں کی بے مینی اور ہر قسم کے گرم نس سے چنگاریوں کا اٹھنا  
دیکھا]

آں چہ بیت بود وقت کارزار استن  
و انچہ دشت بود گاہ گیر و دار ایچختی

[لڑائی کے لئے تیاریاں ہونے، وقت کی ہی بہت معلوم ہوتی تھی اور جب لڑائی پہنچنے  
لگی تو کسی دشت تھی]

بچدلاں در محل از ہر مخالف سوختن  
بے دلاں در جیل از ہر فرار ایچختی

[ہمارے مخالف پر چلا کرنے کے لئے بیٹھے تھے اور بزدل بھگنے کے بہانے  
ڈھونڈتے تھے]

کار شاہ مرد پر و در اندان میدان کار  
کار مردان کردن و مردن کار ایچختی

[اس میدان جنگ میں ہمارے سر پرست شاہزادہ کا یہ کام تھا کہ وہ مردوں  
کے کام کرے اور مردوں کو بچا کرے]

اندان میدان کو فریق از مرد تا مرد بود  
اے باکس را کہ با خنگ رو با زرد بود

[اس میدان میں جہاں مرد اور زمار کو فریق دکھائی دے رہا تھا۔ بہت سے گولی  
کے ہونٹہ سوکھے ہوئے تھے اور چہرے زرد]

چوتھے بند میں لڑائی کا محیب سین کھینچا ہے۔  
روزنا تاریکی آمد چوں ہم بر یا قند

زرد شد نور کشید چوں خیر بہ خیر یا قند

[جب دونوں فوجیں ایک دوسرے سے بھڑکی تو دن تاریک ہو گیا۔ اور جب تاریکی  
سے تلواریں میں سورج زرد ہو گیا۔ یہ واقعہ کہ لڑائی دن بھٹے سے شروع ہو کر  
رات کے وقت تک رہی تھی]

گشتن اُنشادہ در اطراف آن محملہ سبز  
بچو مورتا کرد و بیاباں خضر یا قند

[اس ہزم میدان میں سبزے اور طرے ہوئے تھے جیسے کہ سبز ویا میں چٹیں



بنی ہوتی ہیں]

کی نہان فطرت آتش ناسودا ز قتل از نعل روز و شب اندر دل روز و شب  
[اُس تباہی کسوں اُس کی قیال کی تلواریں دن رات سے رات تک ایک دم  
کے لئے بھی نہ ٹھہری]

پانچویں بند میں بھی لڑائی کا سین جاری ہے ۹

یارب آن خوں بود کا بیٹے صحرا می دوید یا بسوئے تشنگان موئے زوری می دوید  
[یارب وہ خون تھا جو صحرا میں بہ رہا تھا یا دریا کی ایک موج تھی جو بیابانوں کی  
طرف دوڑ رہی تھی]

تو ناں درخیز ہر سائے سوا راں می قناد مردار می دوید یا پاسبان با می دوید  
[گھوڑے اٹھنے سے اور سواروں کے سر گرے تھے۔ مردوں کے سر ٹوٹے  
تھے اور گھوڑوں کے پیر]

ہر کواز وقت دل باز اندر نہار بود راست کوہ تیر سوئے قلب اعلیٰ دوید  
[جس شخص کا دل ٹھکانے تھا اور ہاتھ کام دیتا تھا وہ تیر سیدھا کار کے فتنوں کے  
قلب کی طرف دوڑتا تھا]

واں کواز نعمت درونی بہت باکم کوہ بود گر سوئے آب و گچہ سوئے صحرا می دوید  
[جس شخص کا دل کمزور تھا اور ہاتھ پیر بھول چکے تھے وہ کبھی دیکھ لی طرف  
اور کبھی صحرا کی طرف دوڑتا تھا]

خان انشکر کش پرتیب صفت و آئین جنگ می دوید یا نایب اقبال راتا می دوید  
[سپہ سالار خان (اسلام خان) صفوں اور لڑائی کا نغمہ ٹھیک رکھنے میں  
مصروف تھا اور اپنے اقبال گھوڑے کو بھانٹتک ہو سکتا تھا دوڑتا تھا]

باز پس می برود و مگر فرستہ را فتح ہر چند اظہار میں جانب با می دوید  
[آسمان فتح کو بال بیکوں کا نشان کھینچنے لے جا رہی تھی۔ حالانکہ فتح مخالفوں کی  
طرف سے ہماری طرف در نہا چاہ رہی تھی ۱۰]

کا فرامد اختلاف شب کہ تابہوں شود ناگاہاں میزان مارا پد دیگر گون شود  
[کا فرامد کورات کا اظہار تھا کہ باہر کل کو فراموش ہمارے ترازو کا پتلا پٹ ہے]  
چھٹے بند میں رات کے وقت لڑائی کا تیر میں کھینچا ہے۔

تا چہ شب بود کہ از چرخ آفتاب افتادہ بود دل و کش در جہاں می ز شتاب افتادہ بود  
[وہ کسی (خون) رات تھی کہ سورج ڈوب چکا تھا اور شیطان دنیا میں آگ  
مچا رہا تھا اور شتاب گرجا تھا]

گوشین مکرلا وادہ بہ سبے آبی رفتاد کر محو بود کہ آتش آب آفتادہ بود

[اگر آتش میں کرکڑیں بے آبی سے واسطہ پڑا تو شعلہ ان کو بانی میں ٹھکانا ملا]  
فوجی اندر آب حوقاں بارا می گذشت فوج دیگر کشد و راہ مسراب افتادہ بود  
[ایک فوج بانی میں ہو کر حوقاں بلا سے گزر رہی تھی اور دوسری فوج پیاسی  
سراب کی راہ میں پڑی تھی]

جوز بند می پندش کردہ از شنگوف بود کشنگاں را سر کا دھواں آب افتادہ بود  
[مقتولوں کے خون آلودہ سر یاں میں پڑے ہوئے گویا جو زہندی (مار جیل)  
تھے جوئے شنگوف سے منقش کئے گئے ہوں]

از دواع جاں جو اٹھلے دل خوں گیر گشت در فراق زندگانی تن خراب افتادہ بود  
[جان کی مددائی سے دل کے زخم خون نہونے تھے اور زندگی کے فراق سے  
بدن خراب پڑے ہوئے تھے]

نئے فزع بود آں قیامت لعلین دیوم گری قیامت را ناں لیس تن بیدام  
[وہ بیتناک و احمق تھا بلکہ لڑائی کے واقعات قیامت تھی۔ اگر قیامت کی ہی حالت ہے تو  
میں نے اس کو دیکھ لیا]

ساتویں بند میں جنگ کے تباہ کن نتائج اور شہزادہ کی شہادت پر اظہار غم ہے  
دایات آسمان میں گردش پر کار کرد مرکز اسلام را س گشتہ جوں پر کار کرد  
[آسمان کے دایروں کو کچھو کچھو آگنوں نے کسی کاری کو گش کی ہے کہ اسلام  
کے مرکز کو پر کار کی طرح سرکش کر دیا ہے]

زورہ را دیدی کہ آب چشمہ خورشید پرود سنگ را دیدی کہ ہلوئے شہوار کرد  
[دیکھا کہ زورہ نے چشمہ خورشید کی روشنی چھپا دی اور شہر نے ہلوئے شہوار  
کو براہ کر دیا]

با مثل ہمال ہر وہن سر کا ریش بود عاقبت جان گرا می بر سر آں کار کرد  
[مثل سے آئے ہر برس دین کی خاطر رکھ رہا تھا۔ آخر کار اپنی قیمتی جان  
بھی اسی کام میں دیدی]

شیر زانہ پیش موئے خورشید صبح کرد و پیل مست از نوک نائے صد فداں نار کرد  
[شیر نے لہک چوٹی کے ٹوک سے سینکڑوں زندگیاں ضائع کر دیں اور ایک کا سٹے  
کی ٹوک سے پیل مست نے سینکڑوں بارشوں کو فدا کیا]

جہر بودہ سخ زدی مجر گرفت ایں کارزار آخر ہفت دوسرا غار شہداد چہار  
[مجھ کا دل تھا ڈی، الجھ کی آخر کار یہ تھی جس دن کہ جان بھگائی دیا اور شہداد چہ  
ختم ہو رہا تھا اور شہداد چہ شہر دہا کے لڑائی ہوئی]

آشوب بند میں شاعر نے بتایا ہے کہ اس حادثہ پر گویا تمام کائنات نے اقم کیا۔

(انہوں سے کہ چٹیاں (یا لوگ) سبکھوں میں ہیں اہلست انکھوں سے دور ہیں۔ دوسروں کو بدستوں کی بجائے کیسے بچھا جائے)

دوستان رفیقہ غریبے راگیرم در کنار  
[دوست تو پیچھے گئے غیروں سے کیسے تفکیک کروں ہر شخص کے جسم پر دوستوں کی قبا کیسے پہنا دوں]

گیارہویں بندیں دعا ہے :-

نفس چھلنے راگردنوازی بریشان دیراند  
[جو لوگ لڑائی میں مارے گئے اور ایک موت کی سختی میں سلاہتے انہیں اسے نعا جلاہ اور آسانی سے بخشش نصیب ہو]

بودن در دروہا خان اعظم مشرو  
[لڑائی کے دن محمد سلطان اب سب کو مشرو تھا اسی طرح جنت میں ہی ان سب کا ہیوار ہے]

مستجاب بندارے کہ اندر بند بود  
[جو لوگ دنیا کی مشقتیں اٹھا کر بھٹ آئے ہیں ان پر خدا کا فضل ہو اور بادشاہ کا احسان]

چون محمد عرف شہ عاقبت محمود باد  
[اب جبکہ محمد سلطان شہید ہو گیا۔ بادشاہ کے لئے محمد سلطان زندہ ہے]  
[یا بادشاہ کی طاقت بھی میری جو] اور کیقلو (پسر محمد سلطان) اور کھسرو (پسر محمد سلطان) مبارک و نیکام رہیں۔

دوسرے ترجیح بند کے معنایں پہلے ترجیح بندے بالکل مختلف ہیں۔ پہلے ترجیح بند میں تاثر جنگ کے حالات پر نظر ڈال کر قائم کیا گیا ہے دوسرے ترجیح بند میں شاہزادہ کے حالات و واقعات زندگی کو یاد کر کے اظہار ہے +

### پہلا بند

اسے دل بفر نہیں کہ نفاذی نشان نامہ  
[اسے دل بفر نہیں ہو کر مجھ سے خوشی کا نشان نہیں رہا۔ اور ابے عمران کو کیلے کر دنیا میں سرت باقی نہیں رہی]

قد سہر کید چو در شکن خفت  
[نفس کی قید کو کئی کر ڈالی لشکر شکن ہو رہا ہے کہ ہرستان میں رہا ایک آفت دنیا پر چھاری ہے +

مردم بروئے آن فرخ قمار گریستند  
[چاند سورج اس طرح ظاہر ہوئے اور روز و شب اس کم عمر کی زندگی پر روئے] شے کہ تاساں سر سبھی یزید خاک  
[شک انجم اہل آواز و سہا سب گریستند]  
[چشمہ کرم آسمان سے گرتی ہے وہست اہل کے آسمان میں جو آسمان کی اونچائی سے گریستے ہیں]

خلق نشان مردہ زدن گریہ زان و کولان  
[اہل نشان مردہ زدن و موت مارے کرتے۔ بال بچے۔ مٹی گلی اور جو جگہ روستے پھرتے تھے]

از غروش گرد و بانگ شبنم خفت  
[بکدور ہر غشاہل غزا بگریستند]  
[روئے کے شور اور اڑھول کی آواز سے رات بھر کوئی نہ سو سکا ہر نگہ میں آم دالے رہتے رہے]

دیدہ خون افشاں بگوں چوں مگوی کشش  
[آنکھ سے مٹیوں کے ٹھکوں کی طرح زمین پر خون بہایا] اسیران بلا کے لئے لوگ بہت روئے]

در ازان جگر ان ناگسیرے باز گشت  
[اور اگر کوئی شخص ناگ، اس بھاری قید سے لوٹ کر آیا تو اس کے منہ لوگ دیکھتے تھے اور ہر شخص روتا تھا]

فویں بندیں باقم ہے تمام گوں نے باقم ہیں نیلا باس اختیار کر لیا ہے اور ہر طرف نیل سیل نظر آتا ہے اور نہ دلا و سلطان اس غم میں یکساں شہید ہیں :- ہم سیاہی شد زہد ہم سفیدی شد زنگ  
[بندوں کی سیاہی اور ترک کی سفیدی جاتی رہی۔ اب ترک اور بند و نیلا لباس بکڑت پتے ہوئے ہیں]

دھویں بندیں دوستان رفتہ کی یاد ہے :-

وہ کہ دل گیا مگر آنوں شد چلے دوتا  
[آہ! دوستوں کے لئے دل سراسر عمن ہو کر رہ گیا] افسوس ہے دوستوں کی اُس رامت افزا جمعیت ہم]

نخنگان خاک را گرفتن مکن بود  
[اگر نخنگان خاک کے لئے جانا مکن جو تو میں اپنی باقی عمر دوستوں کی زندگی کے لئے وقف کرنے کو تیار ہوں]

جمع باشد مردان دچترم و بد از چشم دور  
[دیکھیں راجوں تو ان دیدن کیسے دوستوں

دینت ملک پاشیخ خلفہ شہنشاہت بر وفق و ہر سار اسن و اماں نسانہ  
[ادامہ سلطنت میں فتح و غلبہ کے پاؤں ٹوٹ کر رہ گئے اور دینکے سر پر اسن و  
ان کا سایہ نہیں پڑا]

چشم و چراغ خسرو دوسے نہیں بخت پشت و پناہ کشور بندوستان نہ اند  
[شہنشاہ عالم کا چشم و چراغ جا گیا۔ ملک ہندوستان کا پشت و پناہ نہ رہا]  
از ملک چہ کام بر آید چہ خان شد و نہ لہد چہ کا کشید چہ جاں نسانہ  
[شاہزادہ جہاگیر اب ملک سے کیا کام لے گا۔ اور جب جان جاتی رہی تو جسم  
کیا کام کر گیا]

دوسرے بند میں شہزادہ کی موت پہنچ گئی ہے۔

چشمے کی رو بخت جواں را بخواب رفت شمع کہ در بزم جہاں را ز تاب رفت  
[جو بخت جہاں کی آنکھیں تھیں سو کر رہ گئیں۔ اور بزم جہاں کی شمع بھی بج کر ہو کر گئی]  
پیرائے جلال لبش و قنچہ ب رفت سیارۂ کمال دیرائے آب رفت  
[جہاں کا لباس و قنچہ برفت میں رو گیا اور کمال کا ستارہ پانی میں ڈوب گیا]  
ساقی نہ کو طبع حریف از مزاج گشت مطرب مزین کا سازش از بار رفت  
[اے ساقی شہزادہ کی دوستی کو طبع حریف کا مزاج خراب ہے۔ اے مطرب  
مت بجا کجنگ میں سازش نہ کرنا]  
بر خاک ریزادہ کو گھوڑا طرب گذشت بر سنگ زن پیا لہ وقت شراب رفت  
[شراب خاک میں پھینک دیا کہ خوشی کا وقت کیا۔ پیا لہ کو پتھر پر دے مارو  
کہ شراب کا وقت گیا]  
خسرو ہنوز چن دو اماندین کتاب را ہم شہب آخرا ہم ناں بخواب رفت  
[اے خسرو کب تک کتاب پڑھتے رہو گے۔ رات بھی ختم ہونے آئی اور شاہزادہ  
بھی سو گیا ہے]

تیسرے بند میں شاہزادہ کے بعض مشاغل بد کہئے ہیں۔

اسہ گدشت و تصدیس داں نمی کند زبنت بوی و میں پوکھاں نمی کند  
[ایک مہینہ گزر گیا اور شہزادہ میدان کا ادوہ نہیں کرتا اور ہر کھیل کی بخت  
نہیں کرتا]

تغلی بیان معرکہ در مشتیں نمی دوہ جنگش میان کو کربت جولاں نمی کند  
[اُسکی تلوار میدان میں نہیں چمکتی اور اُس کا گھوڑا فوج میں نہیں دوڑتا]  
دہ بار خندہ چوں گل بہستان نمی شود در ہجہ جلہو چوں مسہ تاباں نمی کند  
[دوبارہ بے گل چلیں نہیں بہشت اور شاہزادہ ہرج میں چمکتے ہوئے

جان کی طرح دشمن نہیں دیتا]

درکت کتاب کوہ پناہ نشست اند آخر چہ شد گدگوش پیشاں نمی کند  
[مصاب کتاب اچھ میں لئے بیٹھے ہیں۔ آخر کیا سبب ہے کہ ان کی حرف  
نہیں ہوتا]

درد دل کھ اید بے بزرگھاں شادو اند چہست کار ملک با ماں نمی رسد  
[دل میں اُمید کی ٹٹھی باندھے بزرگ کھڑے ہیں۔ کیا سبب ہے کہ ملک با ماں  
رس نہ پھنچاں نہیں ہوتا]

نوروز عالم است جزا ز برائے جشن مجلس گلے چوہ رستم ز نماں نمی کند  
[نوروز عالم افروز ہے۔ کیوں جشن کے لئے نوروز رستموں کے غسل مجلس آراستہ  
نہیں کی جاتی]

عید مبارکت جزا بر سرین بار اند آجنگ نیزہ بازی میداں نمی کند  
[عید مبارک کا دن ہے کیوں دربار کو جاتے ہوئے راہ میں نیزہ بازی کرتا ہوا  
نہیں جاتا]

خان کو خبر کید کہ برجید رفت گرد کا خبر رسید و آب لہا در عسہ کرد  
[خان کو خبر کید کہ آسمان پر گرد پہنچ گیا ہے۔ کا فرائیج اور اسٹیل ہو سکے دیا کہ کوریا]  
چو تھانہ بھی اسلحد کو جاری رکھتا ہے۔

نیزید و بارگاہ صحیح را بروں برید و نیاں شاہ رایت والا بروں برید  
[اُٹھو بارگاہ کو کھل کر کھڑکیں لے چلو۔ رایت والا شاہ والا کے پیچھے جا رہے چلو]  
درسیہ نشاندہ دل را فزا زیند بافت و دامر سلم را بروں برید  
[نشان کے سایہ میں دھول بکاؤ۔ دھول کی آواز کے ساتھ علم اُپر لاؤ]

ست است شاہ خندہ تیغش رواں کیند چون یست آں چنان کہ سما بروں برید  
[شاہ مست ہے اُسے تخت پر سٹے ہوئے لے چلو۔ وہ اس وقت سما پر کراہر  
جانے کے قابل نہیں]

تھا آن ملک جانب و درمیت در وں دیائے قلب جانب دیارواں کیند  
[تھا آن ملک درمیت کی طرف معاذ ہو گیا۔ قلب کا دریا سمندر کی طرف روانہ ہو]  
شاہجان بے گستاخانہ و عزم لشکر کے چوکوہ ہمسرا بروں برید  
[شاہجان کو ہستان کا وارادہ ملتا ہے۔ شل پانے کو لشکر کا چوکوہ کی طرف لے چلیں]

لے نے کوسے حضرت افلاخ غلامہ اند رایت بسوے حضرت افلی رواں کیند  
[نہیں نہیں پاؤں لے اپنے پیادوں کو بل فرمایا ہے، اس طرف رایت کو  
روانہ کرو]

[علمی بحث میں مضمحل ہکتے سننا اور دل سے ہزاروں دیگر کلمات نکالنا]  
انہیں نہیں سلطان ملین محمود سلطان اور کوشیاؤں کی سرور کی زندگی اور شاہزادوں کی مغفرت کی دعا ہے +  
ایہ خبر سنے اسی جنگ اور حالہ کے متعلق چند باتیاں بھی لکھی تھیں جن میں سے حسب ذیل انتخاب کی جاتی ہیں :-

(۱)

و جنگ مغل کی تیر کیوں مشہد ہر تاب ہم تاب دروئے رفت ہم روئے کھسب  
ناں کشتہ و خست کا نہر آب افتادہ آں آب بحر خون شد و ابل غل جہ آب  
[مغل کی لڑائی میں جہ کی تیر چلے پیچھے کے حالات باقی رہی وہی چرو  
حالت سے چھپر گئی مگر وہ اور زخمی ہو پانی میں رُسے تھے۔ قتل سے پانی سب خون  
ہو کر رہ گیا اور خون سب پانی]

(۲)

قوسے کہ دریاں عرصہ کیس می خسبند فریاد کار ہر جہ نہیں می خسبند  
بر خاک نہادہ سر ہا گوئی در نام خوش بر زمین می خسبند  
[جو لوگ آس میدان جنگ میں سو رہے ہیں انہوں نے اس لئے ایسے سو رہے  
ہیں کہ یا خاک ہر سر رکھے ہوئے اپنے نام میں سو رہے ہیں]

(۳)

جسے ہر گروہ بر سن کردہ گرد بود چرخوں کشتن کان دور دو  
ہم خار ہی گرفت و امن کہ مپو ہم آبل می خستاد و در پا کو مرد  
[وہ لوگ جن کی گردنیں سیڑیوں میں بندھی ہوئی تھیں ایسے دور دور رہے تھے  
جیسے مقتولان جنگ کا خون دھڑا تھا بھانے دامن میں اٹھتے تھے (یاد رکھتے تھے)  
کوت دروڑ اور آبلے پیروں میں پڑتے تھے (پائنت ساجت کرتے تھے) کمت جاؤ]

(۴)

آں کیت کہ سوسے دفکانہ جوید مارو عزت حال اسیراں گویہ  
پائے کہ بیز مغل خاستیدہ شدہ یارب کہ میاں ناچوں می پد  
[کون ہے جو گئے ہوؤں کے پاس جا کر تیروں کے حال کی خبر لاوے۔  
جویر پھول سے زخمی ہو جاتے تھے آئی وہ کانٹوں میں کس طرح دھنکتے تھے]

(۵)

تار کشاں راہ عالم بالا گرفت دل رفت زباہم و درد ہوا گرفت  
سے آب چاہے بعد ازین دشتاں چوں جاسے تو آب دیدم اگر رفت

اساں بہت امید ثابت پریش تھخت [ایک شب ملک جہویش بردوں برید  
[اس برس وزارت کی امید ہے۔ اس لئے سلطنت کی تمام علاقہ میں اور  
نشانیاں تیار کر کے باہر لے جاؤں]  
پاؤں بندیں بھی وہی شہنشاہ جاری ہے۔

گما ہے بدے کراں شب سخت سرکسے خوشخبر یا فرمودہ مانگر برآمد ہے  
[کاشکس کبھی ہادی یہ شب سخت ختم ہو جائی اور ہارواؤ و اجا سوسے تاکہ وہ  
نظر آجائے]

آں شیر مرغ کوکہ پیردنی آمدے دوریر چتر لال بدلت و راکدے  
[وہ شیر مرغ کھڑے کوفتہ آسا اور لال چتر کے نیچے دوولت ہو گیا تھا آسا]  
کوگرہ چتر کوگرہ فامگان شاہ کا بچھ صفت گروہ اور ورا دے  
[وہ چتر کے چاروں طرف شاہزادہ کا فامگان لکھ رکھا ہے جو چاروں طرف  
چھتے ہوئے چاند کے گرد تار سب کی طرح آتا تھا]

نایب کجا کہ ہمتی پریش تھخت جلال ناز پریش بدلت شکر و کدے  
[نایب کماں ہے کہ ہمتی کی طرح تخت کے در و در و صفت لکھ کر سامنے آتا ہے]  
جاندار یک کجا است کہ از رایتناے شاہ بادور باش چتر در آمدے  
[جاندار یک کماں ہے کہ شاہی نیزوں اور دور باش کو لے کر ستر سے  
چتر کے ساتھ ساتھ آتا ہے]

شادی کشیدہ بھلاں ہی رسد قان ملک محمد سلطان ہی رسد  
[خوشی کو کہ شاہزادہ سلطان آ رہا ہے۔ قان ملک محمد سلطان آ رہا ہے]  
چھتے بندیں پھر شاہزادہ کی یاد ہے۔

کو آں جہاں گرفت و لشکر کش پریش براد و آفتاب علم بر کش پریش  
[وہ آں کی جاگیر کی اولش کر کشی کماں میں اور سورج ملک بھٹا بلند کر کے لکھا ہے]  
کو آں بگاہا رشتہ نشین صفائے صفت دریں ہوا دشت پریش  
[وہ دوبار کے وقت آں کا منہ پر بیٹھا اور وہ دواڑہ ملک صفوں کا قائم رکھنا  
کماں ہے]

کو آں مرغ گاندہ نشین اسپاں فوجی ہر دور دشت پریش  
[وہ مرغ گاندہ لگا تا اور شاہی گھوڑوں کو ستر سے زور پٹنا کماں ہے]  
کو آں لوگ خواندن دورے نشین و آں بنم راست گردن و ساغر کش  
[لوگ کو باکر کش میں شریک کرنا اور مجلس ہمارا فریاد کماں ہے]  
دو جھلمکتہ مضمحل کشیدہ نشین و نول ہزار کشتہ دیگر کشیدہ نشین



# چینی کی چوٹی

از جناب مرزا محمود نظامی، اسلام آباد کالج، لاہور

تیز کرنے لگی۔ اور کچھ عرصے میں فراتے بھرتی کیس سے کیوں پہنچ چکی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چونک کھڑی کیوں کی راہ اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس لئے میں نے دروازہ پھیر دیا۔ اور بیٹھے چڑھا دیئے کے بعد گدے سے برسوں کی نیت سے دروازہ ہو گیا۔ جب دو گھنٹہ کی خوشگوار نیند کے بعد آگے کھلی تو برسات بند ہو چکی تھی۔ لیکن مطلع بدستور غلط تھا۔ اور بجلی آتش کی کھنکھیرے کی مانند چمک رہی تھی۔ سیاہ بادل غیر متعین قطار میں دوش نیم پر اڑنے چلے جا رہے تھے۔ اگر تو اکی گھنٹہ نہیں منفر کو چنی لیا۔ تو رشتی میں مگر کھینچنا ک انسان و یار نہ دیکھا۔ یک پھیلا ہوا دکھائی دیتا جس کی بھیگی ہوئی بھر پماڑوں کے ٹھکانوں پر برسات کا جم شدہ پانی آہستہ آہستہ برہا تھا۔ اوکھیں سیاہ جھنگوں کے بڑے بڑے پتوں کے آگے تنکوں کی طرح بٹتے تھے +

آدھ گھنٹہ کے بعد گاڑی قاہرہ کے حکیم ارشان سٹیشن پہنچی۔ تو برسات دوبارہ شروع ہو چکی تھی۔ ہر گزٹ ٹھیک دو بجے ہم لوگ مشہور ہوٹل میں داخل ہوئے۔ ایک رشانی گندی رنگ کے عرصہ مصری نے موٹر گاڑی کو کھولا اپنے داپنے کو واٹھی تک بند کرتے ہوئے میری نقد ہیک اور سامان اٹھا کر میری رہنمائی کرتا ہوا ہوٹل کے اندر داخل ہوا۔ اسکی نیند کوٹے کرنے کے بعد ہم تھوڑی دیر تک سناں ہوٹل کے تنگ راستوں کے چکر کاٹتے رہے۔ پھر وہ ایک دروازہ پر پہنچ کر کا جب سے چابی نکالی۔ اندر دروازہ کھول کر اس نے میرا سامان میز پر رکھا۔ اور پوٹ اٹارنے میں میری مدد کرنے لگا۔ پھر قدرے ٹھیک کر مٹکراتے ہوئے بولا:-

”جناب والا! مجھے یقین ہے یہ جاگ آپ کے لئے بالکل آرام دہ ہوگی“

اور پچھلے بیروں ہٹا دروازہ کھل کر رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے پر دروازہ کے بند ہونے کی آواز آئی۔ پھر کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ باہر تند ہوا کھڑکیوں سے اپنا سر پھوڑ رہی تھی۔ اوبادش کے پٹ پٹ کر کے گرتے ہوئے پانی کی آواز آ رہی تھی۔ جس وقت میں شب خوابی کا لباس تبدیل کر چکا۔ تو نیند صوفت و سنبھل چلا۔ دروازہ

”سیر کا رسوزن آگیا“  
میں چونک کر اٹھ کھڑی ہو گئی تو تو بچکر کچھ منٹ ہوئے تھے۔ گویا ہمارا جہاز زمین کی روانگی سے پہلے ہی منٹ پہلے پہنچا۔ میں نے اطلاع دی شیور ڈکی جانب شمار آؤد انکھوں کے لئے بھا اور پھر کہا:-  
”بہتر سوئیں گے“

ہم چوٹی کے دروازوں کی راہ عرضہ جہاز پر آئے۔ مطلع اب آؤد تھا اور سیاہ گرہتے ہوئے۔ بادل دوش نیم پر اڑتے پھرتے تھے۔ تیز بارش میں بھیگتی ہوئی جہاز کا اجتماع جو چار گھنٹوں اور سات مردوں پر مشتمل تھی گنگ ٹے کے راستہ میں روٹ میں بیٹھی جو ہمیں ساحل سوئٹز کے جانے کے لئے ہوا کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر میں اگنیوٹ طبع سوئٹز کے پایاب پانیوں کو کھٹکا ہوا چاند کو چہرے پر سے ہٹے لگا۔ ہوا اندی سے چل رہی تھی طوفانی سمندر کی غصناک موجیں غیروں اچھل رہی تھیں۔ مغرب میں جس وقت بجلی چمکتی تو دور تک پھیلے ہوئے سونہر برداری کے جہازوں کا طبع پڑا جس کی متعدد جہیوں سے سیاہ دھوئیں کی کمرے نما پچ ہورہی تھیں کسی بیروانی تصویر کی طرح فضا میں نظر آتا۔ اور کچھ گھنٹہ گزرا۔ ساحل چوٹی اور بہت سی ریلے جانے کی کششیاں متلاطم موجوں میں تنکوں کی طرح ہتی کھائی دیتیں +

بندہ منٹ کے عرصے میں شیور و ہل کی بھاری اور دھشتکا آواز کے ساتھ جو رات کے سناٹے کو جیتی ہوئی تیل کی تانکیوں کے ساتھ ٹکر کر فضا میں میل گئی تھی ساحل کے ساتھ ہم لوگ مٹروں میں بیٹھ کر سٹیشن پر آئے۔ تو گاڑی روک گئی۔ کے لئے تیار تھی۔ لیکن دھوئیں کے سیاہ بادل اُٹار دیا تھا۔ اور ہمارے بیٹھے کے تھوڑی دیر بعد ایک لمبا پڑشود ہل دسے کردہ گھینوں اور شیور کی گرفت آواز میں پٹ پٹ خام کو قہقہے چھوٹا کر آہستہ آہستہ اُٹارنے اور رفتہ رفتہ رفتار

اس کے بعد حسب معمول اٹھا اور بیٹھ اس کے کہ میں اس سے کوئی سوال گھنٹے کے متعلق کرتا وہ دروازہ کھول کر چلا گیا۔ اور فاصلہ پڑا کے قدموں کی بجلی سی چاپ بھی بند ہو گئی۔ میں نے سگ کو کینہ پر رکھ دیا۔ اور سونے کی نیت سے اٹھا۔ اس وقت ایک ایک مشرک پر سے کسی شخص اسلام کی کسی دستی یا ہر کسی سے غرض آواز کے ساتھ ہو گئی۔ کچھ دیر مگر وہ یہی پہلے کی سی موت کی خاموشی طاری رہی۔ مگر رفتہ رفتہ ہمارے آواز میں آوازوں میں آئے گئے وہ عجیب دم شور و جرات کی سنائی سے مخصوص ہے۔ باہر مشرک پر کسی ساہرو کی بجلی چاپ۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز۔ ہوائی سائیں سائیں جہل کے کسی حصہ میں تختوں کا چرچا۔ یہاں تک کہ کھڑکی کی ایک ٹنگ بھی میرے لئے باعث اضطراب ہونے لگا۔ بہت دیر سی حالت میں رہا۔ آخر میں گھبرا کر اٹھا اور کمرے میں چلے گئے۔ نیند کو ناپ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ نہ معلوم کتنا عرصہ ملتا رہا۔ مگر مری بھیجی تو میں بچ رہے تھے۔ میں اس وقت اسی شیطانی گھنٹہ کی نصیب اور کثرت آواز ہو گئی ہوئی سنائی دی۔ خوف سے (مگر کڑا کر سن) بیچے ہٹا۔ لیکن کسی میں تحریک سے مرعوب ہو کر میں نے سامنے کی کھڑکی جلدی سے کھولی۔ ساتھ میں تیز ہوا کا تیز چاٹو کی دھار کے مانند کاشا ہوا داخل ہوا۔ برسات بند ہو چکی تھی۔ کچھ فاصلہ پر درختوں کے کمرے میں تیز ہوا کے آگے بکھڑے رہتے تھے۔ آسمان بار کے کھڑے سیاہ دیووں کی طرح ہوا کے ہمدوں پر ایک ایک سر کے قدامت میں اتر رہے تھے۔ اور ان کے اندر بھی کبھی نصف چاند کھائی دیتا تو اسی جھپکی سرور و خوشی میں درختوں سے پرے کچھ دھندلے صحن اور ان سے پرے شہر کا جھٹ خیزویرا نظر آتا۔ مشرک پر پہلوں کی روشنی مائل کی مانند چمکتی تھی۔ میں اس وقت جبکہ میں وہاں ہونا چاہتا ہی تھا کہ کسی سیاہ چیز کو دیکھ کر کا۔ آہ کیا؟

کوئی سیاہ پیش پیرا سرور میں چینی وضع کی ٹوپی لے۔ آہستہ آہستہ ٹوٹی کی جانب آتا ہوا دکھائی دیا۔ پہلے تو اس کی شکل اچھی طرح دکھائی نہ دیتی تھی۔ تاہم جب وہ برقی لمپ کے کچھ کے نیچے پہنچا تو میں نے فوراً اس کی جانب دیکھا۔ لیکن اس کے لباس سے اس کی قیوت حشر نہ ہو سکی۔ اور وہ بڑی سرعت کے ساتھ ٹوٹی میں داخل ہو گیا۔ کچھ دیر میں وہیں کھڑکی کے سامنے ساکت کھڑا رہا۔ پھر حالات کو تو ہر معمول کرتے ہوئے بہتر رہت گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد آگ لگ گئی +

آٹھاونوں پر چڑھا ہوا تھا

فعل کر چلا تو ٹوٹی کا دھڑکا ہوا بندھ کے تیار ہونے کی اطلاع دینے آیا۔ چنانچہ بتدین لباس کے بعد میں کھانے کے کمرے میں گیا۔ کچھ لوگ کھانا کھا کر آتے تھے۔ اور کچھ ابھی تک بندروں پر بیٹھے ہوئے کھا رہے تھے۔ میں آرام سے ایک خالی ناشٹ پر بیٹھ کر کانوں

بڑی آہستگی سے کھلا۔ اور دیر نہ ہو ہی بوڑھا مصری حاضر نمودار ہوا +  
”صاف کیچھو خباب والا!“ اس نے حسب معمول جھپک کر کہا۔ ”آپ کا بستر مجھے ٹھیک کرنا ہے۔“

اور دروازہ کھول کر گھومنے کے لئے اندر داخل ہوا۔ میں نے کوٹ کی جیب سے سکار نکال کر لٹکایا، اور ایک آرام کر سی پرستار کے لئے بیٹھ گیا۔ وقتاً فاصلہ پر سے کسی گھنٹہ کی خوفناک آواز کا مدھاشو رطوبانی سمندر کی غضبناک موجوں کی تند آواز سے ملتا ہوا۔ کانوں میں آیا۔ ایک ایسا دم شور و جہل سم آوازوں کے اشتراک سے چلے ہوا۔ جو رات کے تسائے میں روشن نسیم پر سنائی دیا کرتی تھی۔ اور رفتہ رفتہ بڑھ کر پھرنا ہو گیا۔ لیکن وہ اس قدر مقبول نہیں تھا کہ مجھ پر غیب طرح کا خوف طاری ہونے لگا۔ ایسے گھنٹے کی آواز ہوا کہ یہاں کے بد مذہبوں میں سنائی دیا کرتی ہے۔ یا اس قسم کا جس قرون وحشی کے زمانہ جاہلیت کی خوفناک مذہبی جاعتوں میں بجا کرتا تھا۔

میں نے مصری کی طرف دیکھا وہ بڑی خاموشی سے چادر کی سلوٹس درست کرنے میں مشغول تھا۔ اس کا چہرہ بالکل مطمئن اور بخیر تھا۔ معلوم ہوا تھا۔ اس نے کوئی خوفناک آواز نہیں سنی۔ کام سے فارغ ہو کر وہ جانا چاہتا تھا کہ میں نے اسے دکا۔ ”شعور!“ میں نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا ”تم کتنا سکتے ہو۔ آواز کس چیز کی تھی؟“

”جناب والا! کون سی آواز؟“ اس نے غیرت و استہجاب کے عالم میں دیکھا۔ ”تم نے نہیں سنا؟۔۔۔ وہی آواز۔۔۔۔۔“ اسی اُس کی پو۔۔۔ فیض میں جانا چاہتا ہی تھا کہ وہ اتنا دھم دھم سے کسی مڑھول کی تھرتھرتی ہوئی ہولناک آواز تھوڑے تھوڑے وقف کے بعد سنائی دیتی ہوئی ہمارے کانوں تک پہنچی +

ایک خوفناک تہرہ ہو کر میرے مصری کے خشک ہونٹوں پر نمودار ہوا +

”آہ! میں سمجھا۔ جناب والا!“ اس نے آگے سے زیادہ مسکراتے ہوئے کہا ”میں سمجھا تھا تو ذرا ہی کے مندریں نقارہ بیٹا جا رہا ہے۔ وہ نقارہ۔ وہ غلیظ و مبہم نقارہ جس کو دیکھنے کے لئے دنیا کے ہر کونے سے آئے دن لوگ قہر میں آتے ہیں۔ جناب والا! اس وقت وہاں کوئی مذہبی تقص خروص ہونے والا ہوگا۔ وہ کچھ بڑے کے لئے خاموش ہو گیا۔ جس کے دوران میں نقارہ کی تھرتھرتی ہوئی آواز بدستور آ رہی تھی۔ پھر بلا ”آہ وہ کیسا عجیب منظر ہوتا ہے۔ عربان و عجم کی ہونٹے جاں افزا میں اس وقت بھی یہاں کھڑے ہو گئے۔ جناب والا! یقین کیجئے کہ تقص و حقیقت قابل دید ہے۔“

لکھا تے دختوں کی ادٹ میں اہرام مصر اور اہراموں کا چھپا ہوا چہرہ نظر آتا تھا وہ  
موترو میں کھڑا کر دیا گیا۔ اور ہم لوگ اپنے گائیڈ (رہبر) جمین کی میت  
میں کھڑا رات کی طرف بڑھتے گئے۔ سامنے کھدائی کرنے والے مزدوروں کا سامع  
خوش خور و شنب شام کی آدمی کے در سے کم ہو گیا تھا۔ اور اسرہر جھوٹی ٹوپیا  
بنائے آفتی کی سرخی پر کچھ غلط انداز ڈالتے ہوئے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ قریب  
ہی (ایک کوشر) کا بڑا بھاری، نجی دن بھر کی تھکان کے بعد ساکت و صامت کھڑا  
تھا اور کچھ خیر مزہ و طول مزدور پر سے جھار جھار کر اس راہ پر ہر سے تھے جس  
سے ہم لوگ آئے تھے۔ و دست تک پیدل چلنے کے بعد ہم لوگ، اہرام کے پاس  
پہنچ گئے۔ چاروں طرف وسیع پشیل میدان خشک اور غیر مزدور مدھ تھا۔ جس میں  
کبیں کبیں تاریک گری کھدیں، اونچے اونچے پتیلے ٹیلے اور ناک سے ڈھلے  
ہوئے سفید پتھر نظر آتے تھے۔ انھیں کوئی دوسریل جھوٹی پرندہ اپنے گھونسلے  
کی جانب مراجعت کرنا ہوا (بحالت نباہ) ہم کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوا آدمی کا  
نام و نشان تک نظر نہ آتا تھا۔ یہاں تک اس وقت رہتے تھے مزدور بھی جا چکے  
تھے۔ اور ان کی شکلیں دور فاصلہ پر دھندلے اور تارکک سایوں کی طرٹ نظر آتی  
تھیں۔ نظارہ بہت بیتناک تھا۔ سنائی ہر قدم پر پریشانی جاتی تھی۔ دو گسی ہنصر  
سے قافلے کے اونٹوں کی صدمہ دے جس کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی +  
کچھ دیر ادھر ادھر گھومنے کے بعد ہمارا رہنا ہیں اس ندی کے پاس بے گیا جو  
معاہیں نیلے کوئی طرح خاموش بہتی تھی۔ اور جس کا گد لاپانی کنارے پراگی ہوئی سبز  
گھاس اور اس میں کھرے ہوئے پٹانوں کے سیاہ ٹکڑوں کے ساتھ ٹکڑا ٹکڑا کر  
بہ آہستگی بہ رہا تھا۔ سر دھجھائی ہوا۔ اسی درناک آواز کے ساتھ جھستہ قدموں  
میں سے ندی کے ساتھ گزرنے سے سنائی دیتی تھی۔ جیل رہی تھی۔ ہم لوگ کچھ  
دیر کھرے اس کے پانی کو دیکھنے رہے۔ پھر حسیں ندی کی طرف اشارہ کر کے بولا:-  
”سرکار! رہا میں غرق شدہ موتوں کی جمیت اور ناپاک دریں شام کو کیا  
آجودہ ہوتی ہیں۔ اور وہ رات کے اندھیرے میں آواز دھجھتی ہوئی ان گولوں کو  
جو اس پاس گزر رہے ہوں۔ ہلاک کر دیتی ہیں۔ چنانچہ اس وقت تک ایسی ہزاروں  
موتیں ہو چکی ہیں +“

مجھے تو دائمی اس وقت میں سلوم ہونے لگا جیسے نسا پر ہی۔ بے شمار  
نجیت رو میں ادھر ادھر بے آواز پھرتی ہوئی ہمارے سروں پر سنہلا رہی ہیں،  
گھر گھر حقارت اور جبرانی کے لہجہ میں بولا:-

”تم عجیب و غریب انسان ہو۔ کہ اس زمانہ میں بھی جھوٹوں کی ہستی کے کھال

کی فرست میں سے ہند ایک ہا انتخاب کرنے لگی کا ہڈ سے سدا تھا تو میری بہت  
سے دوسرے آدمی جو میری آمد پر موجود تھے اگر جھپٹے چکے تھے۔ چائے کی پیالی میں  
مشک کی ڈیلیاں ڈالنے کے بعد میں نے دودھ کے برتن کو میرے بتلاش کرنے کے کو مختصر  
نظر میں ادھر ادھر دوڑائیں تو کیا دیکھا ہوں میرے مقابل کی قطار میں تیرہ فرشت  
پر وہی پیرا سرار بیٹھا ہوا انٹے کو کاتے میں پھانے کی اکام کو کشش کر رہا جو  
جسے پھیلی رات میں نے مشرک پر سے ہونٹ کی جانب آتے ہوئے دیکھا تھا ہاں  
یہ دی تھا۔ دی گول گول آنکھیں۔ وہی زرد رنگ +

دل نے کہا ممکن ہے گھنٹہ کی آواز جو ہونے کے کسی کمر سے دودھ سنائی  
دی تھی اسی سے تعلق رکھتی ہو لیکن ان خیالات کو دل سے نکال کر میں نے کہا نا  
ختم کیا اور شمر کی سیر کے لئے تیار کی کرنے کی نیت سے آؤ کر اپنے کمر میں چلا آیا  
تیار ہونے کے بعد میں وقت موثر میں نے قدم رکھا تو میں نے دیکھا دو شخص میری  
آمد سے پیشتر اگلے گدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک کوئی ترک توجہ نہ ہوا۔ دوسرا وہی  
مرد پیرا سرار۔ راستہ میں ہم نے بہت کم باتیں کیں لیکن جب ہم پھر خود علی ذریعہ  
سیر کے بعد دوبارہ موثر میں بیٹھے تو باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ ترک سہنام مصطفیٰ منیر  
ہے اور مرد پیرا سرار کا آہ ننگ خوا +

آہ ننگ خود اس چین کا ماستنہ تھا لیکن کا دوسری احوال کی وجہ سے  
دو تین سال سے اس نے بیابان کے شہر لوساکا میں اپنی دودھ بائش اختیار کر لی تھی۔  
اور اب وہ تجارت کے سلسلہ میں انگلت چ رہا تھا۔ مصطفیٰ منیر ترکی افواج میں  
کسی ممتاز عہدہ پر فائز تھا۔ اور اس وقت مصر میں سیر و تفریح کے لئے آیا ہوا تھا  
— ان باتوں کا علم اس وقت ہوا جب ہمارا موٹر قہارہ کے کنارہ اور فراج بانارو  
میں سے گزر رہا تھا جہاں مشرق و مغرب کے ہر ملک و قوم اور ہر مذہب و دین کے  
مختلف انداز کے افراد اپنی قومیت کے چلا کاچا نہ پاس پہنے ایک دوسرے کے  
دوش بدوش چل رہے تھے۔ مسجد محمد علی۔ جہاں سارہ روز قند کی مشہور عمارت کو  
اجنبی طرح دیکھنے کے بعد ہم لوگ اہرام مصر کی جانب روانہ ہوئے۔ شام کے چھ  
بج چکے تھے۔ غریب ہونے والے سورج کی رو بہل کر میں نیلگوں آسمان پر کھرے  
ہوئے سفید رنگ بادلوں کو سنہری رنگ دے رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں  
ہم لوگ اہرام کے نزدیک پہنچ گئے۔ آسمان کی خضا اور مچھلا و امن آفتاب کے  
آخری اثرات سے تیرے اندر نہ ہو رہے تھے۔ دختوں کے قیمتی نفاے آسانی  
میں گوج رہے تھے۔ ہلکی ہوا سرسبز تپوں کو گد گد رہی تھی۔ سامنے درگھاہ تک  
پھیلا ہوا ریت کے پیشرا زدن کا ہوا میدان تھا جس میں بائیں جانب کچھوڑ کے



بنیے ہو

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی جس میں شاید جواب میں کچھ سوچ رہا تھا۔ کہ  
چینی زور سے ہنسا +

”اے اے اے - اے اے اے - ہو ہوا - ۔۔۔۔“ اس کی آواز آجک میرے  
کا فوں میں گونج رہی ہے۔ یقیناً اس طرح کا خوفناک شیطانی قہقہہ جو اس وقت اس  
چینی نے بھگایا بہت کم سننے میں آیا ہو گا۔ عجب کردہ آواز تھی +

پھر آہ فنگ خواتینے اپنا ہاتھ ترک کر کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا :-  
 ”میرے دوست بھوتوں کا وجود اتنا ہی یقینی ہے۔ جتنا آپ کے سامنے  
 اس ندی کی موجودگی“

ترک نے ایک روکھے لہجے میں جواب دیا:-

” ممکن ہے آپ اپنے کسی تجربہ کی بنا پر ایسا کہہ رہے ہوں۔ لیکن یہ امر ذرا  
 ہے کہ میں ان کا قائل نہیں۔“

تھوڑی دیر چینی اُس کی جانب دیکھتا رہا۔ پھر بولا :-

”ہو سکا۔ مگر میں بھوتوں کے ایسے ہوشیار واقعات دیکھ چکے ہیں۔ جسکی بغیر مشکل سے کسی کو دنیا میں میسر آئیگی۔“

اس کی آنکھیں خوفناک طور پر بند ہوتی اور کھلتی تھیں اور اس کے ہونٹ  
تھرم رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ بیڑا بھاری راز ہے وہ چھپانا چاہتا تھا۔  
اس کے منہ سے نکل گیا ہے +

”واقعی؟“ ترک نے حیرت و استعجاب کے انتہائی لہجہ میں دریافت کیا۔  
 ”آہ تو آپ ہیں ضرور کسی نیک العقول و واقف کی داستان سنا میں گئے“ اور سرفراہی  
 نظروں سے چینی کے لہجہ میں جہرہ کی طرف دیکھنے لگا۔

افنیاق میرلجھی بڑھا ہوا تھا۔ چنانچہ ترک کی تائید میں ضرور ضرور مدد دیا۔ میر  
نہ سے بے اختیار نکلا۔ اور ہم لوگ جیٹنی آؤہ پارک میں رات کے دشمن پر  
بڑھے گئے۔ دیکھتے ہوئے ٹوسے کی مانند سرخ آفتاب لمحہ لمحہ سحر کے ایک کونہ  
میں غروب ہوتا جا رہا تھا۔ اور تاریکی رفتہ رفتہ شروع نظروں سے کائنات کو کچھتی چلی  
نمودار ہو رہی تھی۔ چینی کچھ دیر غامض راہ چھر گرد آؤہ سبھی ہونی ابروؤں کے نیچے  
اُس کی چھوٹی چھوٹی دشمن اسکیں افسوؤں سے بریز رہی گئیں۔ اور اسے کہا۔

”یہ تپساراج حالات ہر چند پروردہ راز میں رکھے جانے کے قابل ہیں۔ مگر آپ لوگوں کو شٹلانے میں میں کوئی خطرہ نہیں دیکھتا۔ اور وہ حسب معمول کچھ دیر کے لئے دکانا۔ پھر آہستہ آہستہ لوٹا۔“

”اگر میرا حافظہ طبعی نہیں کرتا۔۔۔ تو ایک سال سے زیادہ عرصہ گزرا۔ ایک رات جب مکانی گھنٹا میں جھپٹا جوتی تھیں اور باقی زور سے برس رہا تھا۔ میں اوسکام میں اپنے مکان پر بیٹھنا چاہتا تھا کہ غدا تک ایک دیکھ جائے کہ کیا ہوا تھا۔ یادوں کی مہیب لکڑی اور ہر ہر گماز بہتیم برقی سے دل سینہ میں بیٹھا جا رہا تھا۔ اتنے میں ایک دفعہ بجلی کہیں اس زور سے گری۔ گویا توپوں کی ایک برسی باڑھ چھوٹی ہو۔ اس کے بعد تھریوین پر کسی کی بھاری چھاپ سنائی دی۔ جو کمرہ کے دروازہ پر کڑک کڑ گئی اوسا تھ جس کی کسی کے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ ”غرمیں آسے جوا کی سرتوشی سمجھ کر کھانا کھائیں بیٹھا رہا۔“

”کھٹ کھٹ کھٹ وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔ کوئی شخص زور زور سے میرے دروازہ پر دستک دے رہا تھا۔“

”میں اٹھا اور دروازہ کھول کر برستے ہوئے بانی میں دیکھنے لگا۔ باہر بالکل اندھیرا تھا۔ مگر کچھ سیڑھی سیڑھیوں پر کوئی شخص سیاہ پوش صاف طور پر نظر آتا تھا۔ وہ مجھ کو دیکھنے ہی چلا آیا۔“

”آؤ فنگ خوا اس بے وقت آمد کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔ لیکن تم سے ملنا کچھ ایسا ضروری تھا جو میں چلا آیا۔“

بد آواز میری بابت کی آہنی ہوئی تھی۔ لیکن اُس وقت میں اُسے قطعاً نہ پہچان سکا۔ بالآخر میں نے حیرانی کے عالم میں اُس سے کہا:-

”و اندر چلے آؤ یا ہر سردی اور ہوا تیز ہے“  
”مگر جس وقت وہ روشنی میں پہنچا تو اسے پہچان کر میں حیران و شہزادہ گیا۔“

”تم؟ بی فان! میں نے بعدِ دمت اپنی آنکھوں پر یقین کرتے ہوئے کہا۔  
کیا میں تمہاری روح کو دیکھ رہا ہوں؟

”نہیں، لی فان نے میری تردید کی، اطمینان رکھو میں تمہارے سامنے جسم کے ساتھ ہی آیا ہوں“

”لیکن تم اب تک زندہ کیونکر ہو“ میں نے بڑھتی ہوئی پریشانی سے کہا۔  
 ”عرصہ ہوا حکومت چین کی طرف سے تم کو سزائے موت کا حکم ملا تھا؛

”یہ ٹھیک ہے، اُس نے تسلیم کیا۔“ لیکن اگر حیات باقی ہو تو انسان جہنم کی آگ سے بھی بچکر واپس لوٹ سکتا ہے۔

”اس کے کیا معنی؟ مگر ٹھہرو! — تم سردی اور بارش میں آئے ہو۔ تم کو  
قبوہ کی ضرورت ہے۔ پہلے میں تمہارے لئے ایک دو پیالیاں نموہ کی بنا کر تیار ہوں

لیکن تم اپنا قصہ بیان کر سکتے ہو۔ اور میں نے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”میں نے دیکھا تو دھکی میں کہیں ایسی ایک خون کا کوئی کوئی داغ موجود تھا۔ باقی میں نے حیرت سے کہا۔“

”اگر یہ بات جیسا تم دعویٰ کرتے ہو صحیح ہے تو پھر تم تفسیر الارواح کا عمل کیوں نہیں شروع کر دیتے؟“

”تمہارا اعتراض ٹھیک ہے۔ لیکن جب تک وہ گھنٹہ جو قوف کو جی کے بت خانے کے بجاری کے پاس سے حاصل نہ ہو کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر میں آج میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔ اگر تم چاہو تو تم کو بھی اپنے ساتھ لے جاسکتا ہوں۔“

”پہلے تو میں نے انکار کیا۔ لیکن بالآخر اس نے مجھے راضی کر لیا۔ اور اس وقت گیارہ بج رہے تھے تو ہم لوگ گھر سے نکلے۔ بجلی کے تقصیر سے سسٹم ٹھیک ٹھیک کر رہا تھا۔ رات ٹھیک ہوئی تھی اور مطلع ایک صاف تھا۔ ہر ایک چیز پر چاند کی دلکش اور مدھم مدھم روشنی کی سرسبز گھنگھریاں تھیں۔ اور سمت مشرق میں تو بڑے فائنٹے پر آتش فشاں فوجی کی بادلوں سے ڈھکی ہوئی چوٹی نظر آتی تھی۔ رات زیادہ نہیں گئی تھی پھر میری برسات کی وجہ سے ابھی سے گھر پر ایک ستارہ اور سکون بھایا ہوا تھا۔ ہمارے گھر کے سرپٹ دوڑے جا رہے تھے۔ کیونکہ رات کی ”ایک بجی“ جتنی جا رہی تھی اور اندھیرے میں وہ ماسک جس پر ہم لوگ گھوم رہے تھے سخت خطرناک لگتا تھا۔ ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم شہر نارائن داخل ہوئے۔ پہلے وہ بار بار ایک گھنٹے کا تھا۔ اور سب سے زیادہ بڑا خطرہ محلوں کے اطراف و ان کے ممالک میں اڑتے پھرتے تھے۔ تو قوف کوئی کا مندر شہر سے تھوڑے

دور ہے۔ اس لئے میں وہاں پہنچنے میں ایک منٹ سے زیادہ عرصہ صرف نہیں کرنا پڑا۔ اس وقت ہوائیں تیز چل رہی تھی۔ اور سوسے ہوئے پتے کھڑکھڑاتے کہ خنک سنا رہے تھے۔ لیکن میری ہر طرف ماحول تھی۔ اس خوفناک ٹنگی عمارت کے اندر یا باہر کوئی شخص دکھائی نہ دیتا تھا۔ بیانیان نے گھوڑوں کو ایک محفوظ مقام پر باندھا اور دروازہ کے مقابل کھڑے ہو کر اسے زور سے کھٹکھٹایا لیکن باوجود احتیاط کے کوئی جواب نہ ملا۔ پھر دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ مگر کل پیشتر کے کوئی آواز سنائی نہ دی تیسری مرتبہ پھر کوشش کی گئی۔ لیکن جواب نہ ملا۔ آخر میں ہم باہر سے ہو گئے تو ایک تنگ دروازہ کھلا اور منڈا ہوا سر جس سے بہت لمبی چوٹی والہ ستی نمودار ہوا۔ اور ساتھ ہی آواز آئی۔

”وہ کون ہے؟“

”بہت خفیہ و ناخواند مسافر جو اس کی تلاش میں بے یار و مددگار آئے ہیں۔“ میری ساتھی نے عاجزانہ انداز میں کہا۔

میز پر جھک کر کہنے لگا۔

”مذہب اصل موت کا حکم تو حکومت نے خود ہی تبدیل کر دیا تھا۔ پھر وہ میری طرف مشکوک نظروں سے دیکھتا رہا۔ آہ وہ رات بڑی جیسا تک رات تھی۔ جس پر عیب کے خلاف موت کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا اور جس کو علم تھا کہ وہ دنیا میں صرف دو گھنٹہ کا مکان ہے۔ وہ چین و آرام کی تلاش میں اپنے قیمتی کچے کیڑے کیڑے کو سنا تھا۔ ہاں میں بیٹھا اس زندہ کو دھوکہ دیا تھا جس کے بعد ایک ایسی دھمکی بھیجی تھی کہ آئے والی تھی۔ جس سے کبھی کوئی سونے والا بیدار نہیں ہوتا۔ اتنے میں کوٹھری کا دروازہ کھلا اور جیل کے داروغہ نے اگر اطلاع دی کہ حکومت نے میری سزا کو عین میں تبدیل کر دیا ہے۔ آہ تم میری اس وقت کی خوشی کا اندازہ نہیں کیا کرتے۔ جب معلوم ہوا کہ مجھے دنیا میں زندہ رہنے کی دوبارہ مہلت دی گئی ہے۔ اس کے بعد رشوت۔ ایک بیسے کی انگوٹھی کی رشوت۔ آج میں ملام ہوئے میری خلاصی کا باعث ہوئی اور اس وقت میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔“

”وہ ہنسے لگے لیکن میں نے اس کی ہنسی کو روکنے کے لئے کہا۔“

”آخر کیسے ناکس جرم میں ہوئی تھی؟“

”وہ کچھ عرصہ ماضی رہنے کے بعد بولا۔“

”میں نے اس کے تقدس آب بچاری میں یقینی کو قتل کر دینے کے جرم میں۔“

”مگر تم نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے قوف کو بتایا تھا۔“

”آہ تم نہیں جانتے۔ وہ جھوٹا دینا موش رہنے کے بعد ہلا گیا۔ میں نے اسے ہلا کر کے کیا چیز حاصل کی۔ دیکھو وہ کچھ عرصہ عیبوں کو ٹھنڈا رہا۔ پھر اس نے میرے سامنے گوتم بدھ کا ایک چھوٹا سا کائنات بنا دیا۔ بہت بڑا رکھ دیا۔ تم کو تو یہ ایک بہت سہولت تھی۔ لیکن حقیقت یہ ایک بہت بڑے کائنات کا ایک مخفی خزانہ ہے۔ یہ عجوبوں کی سرسبز کرنے کا آکر ہے۔ اور وہ کچھ عرصہ کے لئے میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر ہلا گیا۔ یہ اتنا ہی سست نہیں تھا تم تعویذ کرو گے۔ سال بھر میں ایک دفعہ انسان کے دل کا خون اس پر منہ پڑتا ہے۔ وہ ترک گیا اور میری طرف مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔“

”اور بصورت دیگر میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔“

”بصورت دیگر جان نہی دو؟“ کا غضب اس کے دماغ کی جان لے لیتا تھا چنانچہ ٹینٹس کے بجاری پر میرے زور پر اس کا مقابلہ نازل ہوا۔ اور اس بوڑھے کو اپنی جان نیاں کرنی پڑی۔ تم دیکھ سکتے ہو اس کا خون اس کے جسم پر ابھی تک لگا ہوا ہے۔“

اُس کے بچے غائب ہو گیا۔ دُور سے دُور لڑنے کے لئے اُس کی تعلیم کی لیکن میں نے دیکھ لی خان کا چہرہ مسرور تھا۔ اندر ایک لمبا ریشاں محبت و مائتوں جینی جس کی عرانی سال سے کم نہ ہوگی ناک پر مینک چڑھائے اور سبز چرو روئیدگی سے اس طرح پاک تھامیے تروڑ ایک لمبی چوٹی شکلے طلائی مسند پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کا مکڑ و جہم ایک نہری رنگ کی ریشمین چادر میں ڈھپا ہوا تھا۔ اُس کا رنگ زرد تھا۔ گویا ہزار سال کی بیماری کے بعد چار پانی سے آٹھا ہے۔ اور اُس کے خساروں میں گرے پڑے ہوئے تھے۔ ہم کو دیکھتے ہی بولا:-

”دن کے سکون سوز بھگے۔ غیروں کے جرم و عیساں دیکھنے کے لئے اور رات کی تنہائی کا سکوت اپنے نیک و بد افعال کی پڑمال کے لئے ہے۔ پھر ایسے وقت میں اگر اُس نے تمہیں بیشتر ہی سے لئے کی اجازت نہ دی ہوئی تو تم اندر نہ آسکتے تم نے کچھ شک نہیں ایک تنہائی پسند بیماری کا سکون تو ڈھپے۔ لیکن تمہیں اسکی رعایت پہلے سے مل چکی ہے۔ مگر تلو د کیا چاہتے ہو۔“

”لی خان لڑہ برا زام آگے بڑھا۔ اور کہتے ہوئے ڈا جراث امیر الفاظ میں بولا:-

”سیدی! میں جان زی ہوتا ہے جس اور اُس کے کارہائے نمایاں کو دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ جس کی آپ نے مجھے کل اجازت دی تھی۔“

دو آدمی بھاڑے۔ بڑے جینی نے جس کا آواز سنا لیکن چہرہ بڑا خوشنک معلوم ہوتا تھا۔ ہاتھ سے پیچھے کا ہار دے کر بٹے گئے۔ اور سند سے آٹھ خود کر کے کولنے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھولوں کی بھیجی بھیجی محک اور عود و مہر کی تیز بو آنے لگی۔ اور اُس مقام سے جہاں جینی چٹائی پر بیٹھا ہوا تھا سرخ روشنی کبھی دم کبھی تیز مٹی تھی کوئی نصف گھنٹہ تک وہ اپنی اصل کرتا رہا پھر ذرا وقت حاصل کرنے کے بعد وہ ہمارے پاس آیا اور یوں بولا گویا تقریر کر رہا ہے:-

”د کوئی مخلوق ایسی نہیں جو ان کی طرح مصائب و تکالیف برداشت کرنے کی خورگ ہو۔ حیات کے ہمارے خارستان کو مود کرنے کے لئے اللہ عظیم و جان کے امتداد کو برقرار رکھنے کی کلکشن اور جد و جد میں انسان کی کتنی قوت صرف ہوتی ہے لیکن زندگی کی تمام تھیں اُس وقت کا فور ہو جاتی ہیں اور ہم اس جہاں کو ن و سادہ کو اُس کے دشوار گزار مہر اصل بہت خوشی اور سرت کا گوارہ سمجھتے ہیں۔ جب ہماری کوئی تحقیق یا پیچیدگی کو پیچیدگی ہے۔ دنیا بڑی ہے۔ اُس کے لازمہ اجزائے ہیں۔ ان کو ہستے ہوئے بھی انسان موت و حیات کی کلکشن میں بھی اُس کے خنا خوار نقش و نگار دے ملے محو نہیں کرتا۔ وہ مصیبت آٹھا ہے۔ دکھ سہتا ہے۔ تکلیف جمیل ہے۔ لیکن کوئی

”لیکن وہ قدس بندوں کے پاکیزہ سکون میں کیوں مغل ہوتے ہیں۔ جاؤ یہ وقت یہاں آنے کا نہیں۔ اور وہ دیکھو کہ بندہ کے واپس ہوا چاہتا تھا کہ لی خان بولا:-

”اگر مہر و پنے آتے تو ہونان سے ہماری نسبت دریافت کرو! اب اسے لہجہ بچکانہ تھا۔“

لیکن درجہ بند کردیا گیا اور جینی کے قدموں کی چاپ کچھ خاصہ پر جا کر بند ہو گئی نہ معلوم ہم لوگ وہاں کتنے عرصہ تک ٹھہرے رہے۔ پھر اندر کی طرف سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ مگر دیکھ کر ہی بجائے دروازہ کھلا اور وہی پسند قد محمد و کریمینی نمودار ہوا۔ ہم کو دیکھ کر بھگا اور بولا:-

”موجودہ عالی مقام کا ارشاد ہے۔ کہ سروسٹ مزین مہانوں کو خدمت نہ کیا جائے اس میں سے میں رئیس المرتبت نوادروں کو اندر آنے کی دینے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔“

”ہم لوگ اندر داخل ہوئے شمع کی جھلکی ہوئی روشنی حمارت کے اندھیرے کو دور کرنے کی بجائے اُسے اور تاریک کر دی تھی میں اُس پر سراسر عمارت کے

تھریے فرش پر کھڑا سو بھیا نیک دیواروں پر نظریں دوڑا رہا تھا۔ رات کی خاموشی اور مکان کی دیرانی۔ پھر تانہ اور تنہائی۔ اس پران بھیا نیک اثرات میں افٹ کرنے کی با دندیدہ ہر دونوں کو جو داروں پر پٹے ہوئے تھے۔ پھر بھرائی اور بول بان و مہر کی تیز بول و پھیلائی سائیں سائیں کرتی قبل رہی تھی۔ یہ وہ حالت تھی جو غوی سے قوی دل کو حراسا کر دیتی ہے۔ کہ بڑا دروازہ بند کرچکا تو اُس نے نہیں اپنے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا۔ جگہ جگہ پر مشتعل شمعیں جھلک رہی تھیں۔ اور ان کے کثیف و زہریلے دھوئیں سے پریشان ہو ہو کر بڑی بڑی چنگا دیں ہمارے سروں پر پڑ پڑھتی تھیں ہوتی سنڈلا رہی تھیں۔ اور کروں کا بادامی رنگ کا چوبی سامان دھندلی روشنی میں اٹھاروں کی طرح چٹکتا تھا۔ ہم ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ان سنگی بھروسے کے گز رہے تھے جو دھوئیں یا گرد و فبار کی وجہ سے سیاہ ہو رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد ہمارا ہٹنا ایک دروازہ پر پہنچ کر بند گیا۔ پہلے اُس نے مڑ کر ہماری جانب دیکھا۔ پھر ایک جھوٹا سا چہل کا گھٹکا پاس ہی پڑا ہوا تھا۔ ہسٹلی بھیا۔ اُس کی گونج ہو کا موش کرتی ہوئی ایک ٹوٹک سسکی بھروسوں کی خصوص دیواروں سے ٹکرا کر سنائی دیتی رہی۔ پھر وہی خاموشی چھا گئی۔ اس کے بعد دفعتاً کسی دور افتادہ مقام سے کس قدر شیریں کی دکلش و دل آویز صدا جس کے سامنے موسیقی کے روح گردانوں کی مٹنا ہیست اور جنگ و رہا ب کی سحر آفر بنیاد بھی مائد ہوں ایک طام کو خوار کر کے ساتھ ہو کا کو لڑائی جاتی ہے اس کے کافوں میں آئی۔ مگر رفتہ رفتہ تیز ہو کر تلخ اور خوشنک ہو گئی اور پھر کھٹک نہ ہو گئی۔ اس کے بعد ہمارے مقابل کا پردہ ملا اور ایک تباہ حال شکار کا ہم کو اندر آنے کا اشارہ کر کے

ملقوں میں اندر وحشی ہوئی تھیں۔ پھر اُس کے بڑمردہ چہرہ پر مختصر سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اور اس نے دیوار پر اشارہ کرتے ہوئے اُس نے میرے ساتھی سے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ دریافت کیا۔ لی فان دیوانوں کی طرح ساتنے اُس شیر کی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ جو دیوار پر بنی ہوئی انسانی ہنر کے کمال فن کا ثبوت دے رہی تھی۔ دفتا کسی نادیدہ مقام سے گھٹنے کی آواز کا وہ شور بیکامت خیز پیدا ہوا کہ الامان۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے بجلی گری اور مارت رنر بڑے ہوجر کا ہے۔ اُس کی گونج خانقاہ کے ہر حصہ میں پھیل کر دس گنا شدت اختیار کر چکی تو آخر یہ آواز دم دم ہوتی ہوئی بالکل بند ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک سکوت رہا۔ مگر صبر وہی گھٹھڑ بجا اور وہی ہی بمبائیک اور میب آواز پیدا ہوئی۔ اور کچھ عرصہ بند ریج تیز ہو کر گم ہو گئی۔

بسانک پنچکڑ یعنی رکھا۔ اور اُس نے پہلے ایوانوں کے خوفناک ہت کو باہر کے پاس کس کس سال خانہ کی طرح لیٹا ہوا تھا۔ پھر آسمان کو دیکھا۔ رات کی ٹھیکس نسب اور لی تنال شمزادی اپنی کسباہ فہری چادر بھلار ہی تھی۔ شفات نیلے آسمان پر تارے ایک ایک کر کے نمودار ہوجہ تھے۔ وہ تیز جگمگاتے ہوئے تھے جولاہا مشرق کے سوا کہیں نظر نہیں آتے۔ پھر کسائی کو باہر رکھتے ہوئے بولا:-  
”وہ آہ آج تہاں میچکر بھیجب اس منظر کا تصور کرتا ہوں تو روح کا پتی ہے اور خود بخود جان باری کی طرح جھپٹتی ہوئی شکل اس طرح واضح نظر آتی ہے۔ جیسے آپ لوگوں کے چہرے بغیر۔۔۔ گونج کے بند ہونے پر بڑھا بھاری بولا:-  
”فیصوں اور راہوں کے سوا کسی اور ضرورتیادار کا اس جگہ پر گذر محال و ناممکن ہے مگر تم نے جو کچھ تین ماہ تک اس جگہ رہا نہت کی ہے۔ اس نے یہ کلا ت نہیں دھتا جلتے ہیں۔“

”اور اُس نے ایک اونچے مقام سے کانے کا لنگٹا ہوا ایک برس آٹھایا میں نے دیکھا لی فان خفیف سا کانپا۔ اُس کے چہرہ کی رنگت پہلے سرخ۔ پھر ہلدی کی طرح زرد ہو گیا۔ اُس کے ہونٹ بے رنگ ہونے لگے اور وہی آواز میں اُس کے منہ سے سترت کی چیخ نکلی۔ سانس بہت تیزی سے آنے لگا۔ اوم۔ پدی ہو گیا کا ورد کرتے ہوئے بجاری نے ایک چھوٹی سی چھٹی چھٹی آنکھیں گھٹھڑ پر غریب لکھی ایک دھاشور رات کے سکوت میں بمبائیک اور میب گونج پیدا کرتا ہوا اٹھا اور ساتھ ہی خانقاہ کے ہر حصہ سے ایک عجیب غریب نالی بابا اور بہت سے گھنٹوں کے بجے کی آوازیں پیدا ہوئیں۔ پھر شور و غلہ قریب آئے گا۔ یہاں تک کہ کمرہ میں پہنچکر جہاں ہم تھے اس طرح کی خوفناک آواز پیدا ہوئی جیسے زور سے بجلی کھنکھاتی ہوئی ہو اور آواز

سے رخصت ہونا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ سب مصائب اُس وقت محدود ہو جاتے ہیں جب ہم کسی مقصد میں جیسے ہم اپنا لقب العین قرار دے لیں یا میاب ہوتے ہیں۔ دیوتا جان زنی کا گھٹھڑ نیکی کا مشکر روحانی طاقتوں کی لمبی جستجو پوش کا نتیجہ ہے۔ ابھل سانس کے اصولوں کی مدد سے ہر ایک چیز کی نقل تیار ہوجی ہے۔ فی الحقیقت نقلی چیزوں کو ہی بنا نا اگر کلا لالت انسانی میں داخل ہے تو اس میں شک نہیں سانس ایک شیطانی تحریک کا نام ہے۔ اور اسی شیطانی تحریک کو مضبوطی سے نیست دنیا بوند کرنے کے لئے یہ گھٹھڑ ساخت کیا گیا ہے۔  
وہ پھر صدمہ گئے لڑک گئی اُس کی آواز میں ایک عجیب علم پایا جاتا تھا۔ پھر وہ کمرہ کے دوسری جانب ایک اڑی کے پاس گیا جیسے بیخا جھوٹی چھٹی نشیماں۔ مفرد مرکب روا اُس اور لاقعد دیگر چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ اور اُس میں سے ایک زرد رنگ کی ضخیم کتاب نکالی جس میں معلوم ہوتا تھا اُس نے بہت سے مسودے لکھے اور یادداشتیں جیکر کھی ہیں۔ اور اُسے لیکر باہر ہی جانے لگا۔  
”یہ کتاب آج سے پانچ صد برس پیشتر خندشاہ نمیدار کے زمانہ میں لکھی گئی تھی۔ اس کو کھول کر اُس نے اُسے دہرایا تو وہ طائر نیم سہل کی مانند کانپنے ہی تھی۔ پھر کتاب کو کلفت بند کر بولا:-

”خیر میں ان فروعات کو نظر انداز کر کے اصل مطلب کی حوت متوجہ ہوتا ہوں یہ میری غلطی تھی۔ ابھی تیراں چیزوں کے کھنڈے کے اہل نہیں۔ اور میرے پیچھے آؤ“  
اور وہ ہمارے آگے آگے چلتے گئے۔ دروازہ سے گذر کر پہلوگ اُس جگہ پہنچے جہاں پتھر کا ایک دروازہ زمین تھا۔ اُس کو ملے کہ ایک چوڑے صحن میں پتھے جس کے چاروں طرف پتھر کے بنے ہوئے متحدہ حجرے تھے۔ اور وسط میں صافا بدھ کا ایک عظیم الشان دو صوف اونچا سنگی ثبت تھا جس کا ایک ہاتھ پہلوں رکھا ہوا اور دوسرا کھنٹی کے سہارے اوپر کو اس طرح اٹھا ہوا تھا جیسے چوک برادر یوں کی آمد و رفت کو قابو میں رکھنے کے لئے سپاہی کا ہاتھ اشارہ کے لئے اٹھا ہوتا ہے سر پر موٹے کا ستاج تھا۔ اور اس نے سونے کے شمعوں اور چاندی کے گلدان رکھے ہوئے تھے۔ اور اُس کے سر کے گرد گوارہ چینی ساخت کے بیشار چھوٹے چھوٹے ہتھ مارے ہوئے تھے۔ اُس اندھیرے مقام پر بیٹے بہت کے سر اور آنکھوں میں نصب شدہ مل اور باقوت اس طرح چمک رہے تھے جس طرح شب و بجور کی تاریکی میں چرخ چہری پر تارے مثل کی وضعدی روشنی میں ننہانی اور غرض کشی کی وہ تمام ایسی چیزیں جو ریاقت کی وجہ سے اُس بڑے بھاری خوجہاں نے گنہاری تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں سے صافا کہی تھیں جو صحن

اس رات کے ایک ماہر دیکھ کر اس سالہ کو باطل بھول گیا تھا۔ ایک بہت دیر گئے میں شہر کے ان تنگ اور غلط بازاروں سے جہاں گندے فقیر جن کی گھنٹائی سونتیں دیکھ کر طبیعت بے اختیار مائل کرتی تھی۔ قدم قدم پر بیٹھے اپنی مکروہ آوازوں سے گزرنے والوں کو اپنے بدوں کے فرضی اور ناشکی آزار دکھلا رہے تھے۔ گذرنا ہوا گھر آ رہا تھا۔ اُس وقت آسمان جو پہلے صاف اور نکھرا ہوا تھا اب رات کو ہوا تھا سیاہ یاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے بادل۔ کوتے کے یروں سے زیادہ سیاہ۔ چاروں طرف پھیلے ہوئے گرج رہے تھے۔ اور جانب بحر افق کی سیاہی میں کبلی تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کھینچ کرے کی مانند گرج رہی تھی۔ میں ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے اپنی جانب کھینچا مگر اتور دیکھا کہ وہ ان کی خان کھڑا ہنس رہا ہے۔ اُس کی آنکھیں روشن تھیں اور پسیدہ دانت چمک رہے تھے۔

”اگر تم نے پائیا، اُس نے مجھ سے کہا، میں نے پائی یا“  
”دیکھا“

”چان زی دیو کا گھنڈہ“

”تم نے؟ گزرو، کیسے؟“

”وہ اسے منہ کو میرے دہانے کان کے پاس لاکر میں آواز میں بولا۔  
”اسے قتل کرنے کے بعد“ اور پیچھے ہٹ کر اُسکا یا مسرت کامیابی کا خندہ زہر لب اُس کے خنٹ باطن سے بھی زیادہ بھیا نک تھا۔  
”مجھے دکھاؤ تو میں اُس سے کہا اور وہ کھلکھلا کر ہنسا۔ پھر اُدھر دیکھ کر کہنے لگا۔“

”یہ جگہ موزوں نہیں چندو شرک کے با شراب خانہ میں ہیں۔ اُس نے بھیڑ کو دیکھتے ہوئے سامنے کی دوکان پر اشارہ کیا۔ ”سر بازار کھڑے ہو کر گفتگو کرنا سہو ہے۔“

”اوپر ہم دونوں شرک جو کر کے شراب خانہ میں داخل ہوئے۔ اونٹ قیمت کی تلخ شراب کی بدبو اور تباہ و حال مکروہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ ایک جانب شرابیوں کی بیخوشی تھی۔ دوسری طرف کلوا اور اُس کے ملازم کھڑے تھے۔ شراب کے دو گلاسوں کو طلب کر دینے کے بعد ہم ایک میز پر بیٹھ گئے تو وہ بولا ”آہ بیت تم میری خوشیوں کا اندازہ تو کرو۔ میں دنیا کے کتنے بڑے خزانے کا مالک ہوں۔“  
”میں نے نفرت سے کہا۔ ”ای خان ابھی خدا شہ ہے تمہارے افعال تمہارے لئے جہنم میں ایندھن کا کام نہ دیں۔“

چٹ گئی جس پر شیر کا نقش تھا اور شیر کا دہانہ مار کر مجھ پر گویا۔ یقین کچھے آسوت میری حالت بہت خراب تھی۔ ”وگئے کھڑے ہو گئے۔ میں پتہ لگاؤ میرے حواس پر پونے پچھارے نے لی خان کے چہرہ کی طرف دیکھا جو فرو جرت و استعجاب میں مفلج ہوا تھا پھر اُس نے ایک خفیلی سے تھوڑا سا سیاہ سفوف چنگی میں لے کر نکلتے ہوئے کوٹوں پر بیٹھنا اور کیفیت دھوئیں کا ایک گہرا بادل کو کہ ہر طرف میں جھٹک گیا۔ تھوڑی دیر تک تو اس دھوئیں کی وجہ سے کچھ نظر نہ آیا۔ مگر رفتہ رفتہ جب دھواں منتشر ہوا تو ابھر کی رونق سنگی صورت افزا و قارسہ ملی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر آسمان کی طرف بلند کیا۔ پھر یہی ہی مثبت آواز سنائی دی اور بہت دیر لے کا لیا۔ پھر کہہ گیا۔  
”اس قسم کی دو تین اور کرامات دیکھنے کے بعد جب ہم لوگ گھر کو واپس لوٹے تو رات خاصی جا چکی تھی گھوڑوں کی پالوں کی حرکت آواز رات کی دیرانی اور سنائی میں بڑی مشتاکانہ گونجیں پیدا کر رہی تھی۔ اور خاموش وادی میں دوڑتے ہوئے مڑکوں کے قدم ہر تیز تر اور دھڑلے رہے تھے۔ میں نے ایک دفعہ لی خان کو تلبایا۔ گزرو، بالکل خاموش رہا۔ ممکن ہے میری آواز اُس نے سنی ہی نہیں یا وہ یہی جواب کسی سخت کی بنا پر نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی گھر سے معاملہ کو بڑبڑا رہا ہے۔ بڑی دیر کی خاموشی کے بعد اُس کے منہ سے بے اختیار جھج جھج۔ وہ کہہ کر اٹھا۔“

”میں نہیں چھوڑ دینگا۔ میں ہرگز نہیں چھوڑ دینگا۔“

”دیکھا؟“ میں نے جرات سے دوبارہ پوچھا۔

”دیکھنا۔ اُس بڑے مخصوص راہب کا مافوق الاوارک گھنڈہ۔“

”میں نہیں صبر اور طرز اگما“ لی خان اہم قدر سے یہ وقت بھی جو۔ شاید تھو

معلوم نہیں کہ اگر تم پر گئے تو قاری نظامی خبری کرے گا۔“

”اُس نے پہلے میری جانب عقارت سے دیکھا پھر جواب دیا ہر امر میں فتح و شکست کا امکان مساوی ہوتا ہے۔“

”تھوڑے عرصہ بعد ہم اوسا پہنچ گئے۔ پچھلی رات کا وقت اور ہر طرف مستان پھیا ہوا تھا کسی اکے ڈکے پائی یا گھر کو جانے رکنا تھی کے سوا راستہ میں کوئی شخص نظر نہ آتا تھا۔ میرے مکان میں بھی ہر طرف اندھیر اور گورستان کی سی بھیا نک خاموشی تھی۔ امداد کا پھانک کو لکڑیوں اندھا داخل ہونے لگا تھا لی خان مجھ سے محنت کر کے رخصت ہونے پر مصر ہوا۔ میں نے بہتر سمجھا یا اور اپنے پاس ٹھہرنے کی کوشش کی۔ مگر اُس نے نہ نہ کر کے گھوڑے کو اڑا رکھا دی اور تھوڑی دور نظر نہ آنے کے بعد رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔“



تھی مطالبہ کیا :-

’دید و نیز اسرودہ مال داپس دیدو۔ لاؤ لاؤ اُسے لاؤ۔ تم اُس امانت کے اہل نہیں۔ لاؤ میں تم سے کہتا ہوں لاؤ‘

”اُس کی بھاری آواز سے یوں معلوم ہو رہا تھا۔ گویا وہ کنوئیں کے اندر سے باتیں کر رہا ہے۔“

”لی فان بے حس و حرکت ثبت بنا کھڑا تھا۔ اور میری حالت اب اتنی بھ  
میں لہو کا دور ختم ہو چکا تھا۔ آنکھوں نے کچھ دیکھنے سے جواب دیدیا تھا لیکن  
کسی غیبی ترغیب سے متاثر ہو کر میں نے ہمدی سے اپنا ہاتھ سرائے کی جانب  
بڑھایا۔ جہاں رات کو سوتے وقت میں اپنا پستول بھر کر رکھا کرتا تھا۔ مگر معلوم  
ہوا وہ غائب ہے۔ خدا معلوم کسی نے چھرا لیا یا میں رکھنا ہی بھول گیا۔ بہر حال  
وہ چیز جو اس وقت بے زیاہ کا رآمد ہو سکتی تھی مغفوق تھی +

دو اتنے میں بڑھ جاتی دوبارہ بولا 'لاؤ۔' اچھا کیا تم واپس نہیں  
 دو گے؟ — بہتر بہتر اور وہ دو دم اچھے شاہ پھر نفردن سے غائب ہو گیا ہم  
 دونوں تیرہ بھوت کچھ عرصہ کے لئے خاموش کھڑے رہے۔ اور ہم دونوں  
 میں جو شخص پہلے بولا وہ لی فان تھا۔ کہنے لگا :-

”وہ حیرت-استعجاب-تیر-تعب اس معاملہ کے بعد دوبارہ کبھی اس قدر نہ ہوگا۔ ایک مردہ انسان اور میرا ہاتھ مل چکا ہے۔ انسان زندہ ہو کر آتا ہے۔ خیر اب آئے دو۔“

د. 'شرو' میں نے اس کا بازو در سے اپنی جانب کھینچ کر اسے ٹوکا۔ تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا کہ تم بڑے بھاری کو قتل کر چکے ہو؟

دور اُس نے حقارت سے میری طرف دیکھا۔ پھر بولا: 'آہ فنگ خونخوار! یہ دیکھو میں نے قتل کرنے کے بعد بد بڑے راہب کی چوٹی کاٹ لی تھی۔ اب اُسکے قتل کا تین آیا ہا' اور اُس نے مجھے وہی چوٹی دکھائی جو جو ہونان کے سر پر میں اُس رات دیکھ چکا تھا۔ پھر وہ مجھے وہیں جھوٹا کراپنے کر کہ کی طرف چلا گیا۔ اس کے جانے پر دروازہ بند ہوا تو میں بھی دروازہ چوکھا۔ اور بیٹھے ہی آٹکھ لگ گئی۔ مگر رات بھر متحش خواب آتے رہے۔ یاد نہیں کہ کتنے سوایکین جب آنکھ کھلی تو پہلی آواز جو میرے کانوں میں آئی وہ دیش چنترے کی فان کے چننے کی تھی،

دو تہہ فنگ خور۔ آہ فنگ خور کوئی اس کا کھانا گھونٹ رہا تھا۔ آہ فنگ خور۔ آہ فنگ خور کوئی اس کا کھانا دوزخ سے گھونٹ رہا تھا۔ آہ فنگ خور۔ آہ فنگ خور کوئی اس کو ملاک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی دردناک

جینیں رک رک کر میرے کمرے میں آ رہی تھیں۔ وہ مدد کے لئے مجھے پکار رہا تھا میں نے حاف کو گھبراہٹ میں اٹھا کر دوڑ بھینکا۔ اور بھاگتا ہوا فیضان کے کمرے کی طرف گیا۔ دروازہ کھول کر اندر گیا تو دیکھا فیضان پلنگ سے نیچے اذہا پٹا ہوا تھا۔ دروازہ پر ہی رک کر میں نے اُسے آواز دی۔ لیکن جواب نہ ملا۔ پھر بائیں جا کر اُس کے دل پر ہاتھ رکھا۔ تو معلوم ہوا

”وہ چھپکا تھا“

” واقعی دھرم چکا تھا۔ بڑے مبینی کی قطع کی ہوئی چوٹی جو اس نے مجھے کھائی تھی اس کے محلے میں پھیلی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا اسی کی وجہ سے اس کی موت ہوئی ہے۔ دوسرے دن میں اٹھا تو دیکھا خون کے میٹھا قطرے اسی جگہ بڑے بڑے ہوئے ہیں جہاں رات بڑھا بچا ہری لی فان کے سامنے کھڑا دیکھا گیا تھا۔ پھر یہ تیل بھی میرے سر ہانے کے نیچے چلدا ہوا مل گیا اور اسی دن لی فان کو دفن کر دینے کے بعد میں نے وہ چوٹی بھی آتشزدان میں جلا دی جرات اس کی موت کا باعث ہوئی تھی اتفاقاً اسی دن مجھے کسی کام کی وجہ سے ٹوکھو گیا پڑا۔ مگر دوسرے دن ہی علی الصبح میں مکان پر واپس آ گیا۔ صبح صادق کا وقت تھا چاروں طرف جن جن اور دور دور کے بلند قامت و رفیقوں پر میسر ہو چکا ہے تھے۔ تند ہوا درختوں کے گنجان پتوں میں سرسراہٹ کے ساتھ چل رہی تھی۔ اور گورگی پہاڑیوں سے پانی کی لمبی شورش کے ساتھ گرا رہا تھا۔ اور موجود کے ساحل کو بحر کو تعبیت کرنے کی سعی آواز میں آ رہی تھیں۔ مجھے سخت حیرانی ہوئی کہ میرا ملازم باجوہ میرے کھانے کے کیوں میرے استقبال کے لئے حسب معمول میز میوں پر نو دا رہیں ہوا۔ خبر میں خود او گر گیا۔ دیکھتا ہوں میرے سونے کے کمرہ کا دروازہ کھلا پڑا ہے۔ لیکن ان مقدم پر کھائی تھا کہ خوف سے بچھ مار کر کھینچے ہاں تجوی کا تالو ٹاٹا پڑا تھا۔ اور میرا نام اس کے پاس ہی بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ ورنہ تاجان صلی کا بت اس کے ہاتھ میں تھا اور ویسی ہی سیماہ چوٹی اس کی گردن میں پیوست تھی جس سے ایک روز پختری فان کی موت واقع ہوئی تھی۔ میں نزدیک گیا تو فور کے بعد معلوم ہوا وہ چکا ہے۔ لیکن وقت چھڑے پیچھے کا دروازہ کھلا اور میں گھبر کر کھڑا تو دیکھتا ہوں بڑھا بچا ہری آہستہ آہستہ باہر جا رہا ہے۔ وہی منڈامرو وہی لمبی چوٹی۔ وہی در چہروہ میں اسے کس طرح بھول سکتا تھا؟

آہ فنگ خوں نے اپنی ہوشربا داستان ختم کی۔ تو کچھ عرصہ کے لئے فغایاں  
کا دل سکوت طاری رہا۔ بالآخر ترک نوجوان، شتیاق آمیز نظروں سے چینی کی طرف  
دیکھتے ہوئے بڑھنے لگا۔

”مگر کیا وہ ٹھنڈا اور بت آپ کے پاس ہیں؟“  
 ”ہاں، لیکن خبر غوفان نے اسے مجھ سے واپس لے لینے کی کوشش نہیں کی“  
 چینی نے جواب دیا +

اس کے بعد ہم لوگ موٹریں سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں ہوئی کینٹر  
روانہ ہوئے اور تھوڑی دیر بعد قاسم کے ان ننگے پاؤں اور عجیب بٹا ہوا  
سے گزر رہے تھے۔ جہاں گیس کے لپیٹوں کی روشنی میں کہیں کہیں کوئی مریٹل کتاب  
بجائا حب نظر آتا تھا۔ کبھی کبھار کوٹے کوٹے کے بعد ہم شکر کے اس حقد میں جا  
پہنچے جو آبدی کے لحاظ سے دس برس گنجان ہے۔ لیے اور کٹا دہ بازاروں میں اقل  
لمپ گلیج رہے تھے۔ لیکن خلعت کا بجوم یا شور وغل زیادہ نہ تھا۔ پان سڑک فریٹ  
قود خانوں اور شولہاٹنوں کے آگے کچھ بھیڑ تھی یا کہیں کہیں جتا بہ عورتیں  
ادھر ادھر کھوم رہی تھیں۔

آٹھ بج رہے تھے کوئٹہ پول کے ایجنٹ میوزی کے نیچے بیچ کر رہا تھا۔ ایتنا تھا چنانچہ فوجی اس سے فارغ ہو کر ہماری مختصر سی جماعت جو قمار ہرو میں جیتا سیر کے لئے تھی۔ نو بجے کے ایک پرس ٹرین سے قاہرہ کو خبردار کر گیا۔ ہر بجے بند سید کے شیش پر آ رہی۔ جس وقت میں ٹرین میں سے اپنا مختصر سامان قلعے کے حوالہ کر کے نکلا تو دیکھا ایک لبا شخص جس کے سر پر ویسی ہی ٹوپی تھی۔ جیسی قاہرو میں، ذنگ خونے پہن رکھی تھی۔ کیلنڈر کلاس کے ڈیسے آ رہا ہے۔ گرائس کو ابھی طرح پہچان نہ سکا۔ کیونکہ وہ جلدی ہی اس ٹیبلر میں چھپ گیا جو ٹرین

سے انہر خرگاہر باہر جا رہی تھی۔ میں ایک گاڑی میں بیٹھ کر گھٹاٹ کی جانب روانہ ہوا لیکن جس وقت گاڑی ریڈ می کا سرس پہنچی تو پیچھے سے ایک موٹر شوٹر نکلتی ہوئی آئی اور ایک بمیچی کی دوکان پر آکر گھر ٹھکرائی جس کے آگے سے ہم گزر رہے تھے وہی شخص جسے میں نے سٹیشن پر کچھ عرصہ سوار سے انوار اوچھڑا دین میں دوکان کے اندر چلا گیا۔ ریڈ می کا ٹائیس سے سڑک کو جب میری گاڑی شارع سلطان میں پہنچی

تو دوسری مرتبہ بھی ٹوٹ پھوٹ پھول بھونک کر قاتی بائس سے نکل گئی۔ سامنے پرنسپل سنے  
 محاطی کو نصرت گیا۔ اور خود وہ جہاز کی جانب روانہ ہوا۔ گھاٹ پر برقی لمپوں کی کشتی  
 ناموں کی مانند چمک رہی تھی۔ سمنہ کی لہریں ساحل سے ٹکرائیں اور ایک دہ نواز  
 نفی پیدا کر رہی تھیں۔ اور سچ آب پر چلنے والی ہر دم جو اکٹارے کی جھوٹی چھوٹی  
 کشتیوں کو جھولا جھلا رہی تھی۔ چون کہ رات بہت جا چکی تھی۔ اس لئے پانی میں  
 سیر کرنے والوں کی آخری نشانیاں اس وقت ایک ایک کر کے فصحت ہو رہی تھیں  
 جب سب خانہ فرسوار ہو چکے تو شیک ایک بجے ہماری ادائیگی ہوئی۔ جہاز کے اگلے

اسی رات جبکہ وہ جاگتے ہوئے ناموں اور مطلب ہوا کے آگے چارہ پیاڑ سنڈ  
کی ماکت و صلاحت علیہ بریلنگ کی مانند تیز باد تھا۔ اور میں کھانے کے بعد ایک کوس  
پر بیٹھا ہوا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا کہ جانے کچھ کچھ شہ پر ہوا۔ انکے اٹھ کر  
چکا تو میں دیکھ رہا تھا۔ کوئی دماغ نامت سیاہ پوش عورت جس کے منٹے ہوئے سر  
ایک لمبی سیاہ چوٹی رنگ اور تھپی پانی میں غور اور اجنبی بات کو پکڑ کر جاز پر چڑھتا  
کھائی دیا۔ میں گھر کر کر رہی تھی۔ ایک کی بھر جو غور سے دیکھا تو وہ قابض تھا۔  
تیسرے روز جہاز میں پہنچ گیا۔ جہاز دو روز قیام کرنے کے بعد میری عرس پہلا گیا۔



پڑے ہوئے ہیں جہاں وہ پہلی نمودار ہوا تھا +

اُس رات مجھ پر کچھ ایسا خوف اُس بت کی وجہ سے چھا کہ دوسرے دن لندن پہنچے ہی میں نے اُسے ایک کہا دیکھ کی دوکان پر فروخت کر دیا۔ ایک ماہ بعد ایک رات میں ایٹ اینڈ کے تنگ اور غلط بازاروں سے ہوتا ہوا کریم ریل روڈ پر جہاں میں باکریاں اٹھا رہی ہیں، اٹھا اُس وقت آسمان پر اُودھنا اور سیاہ بادلوں میں چاند اور ستارے اکٹھے چھلی کھیل رہے تھے۔ لندن کے اُس حصہ میں جہاں جرم و مصیبت کی بڑی و بشتناک مثالیں ملتی ہیں۔ میں خیالات میں غرق جا رہا تھا کہ اُنہی میں سانس سے آہ تنگ خود ہی جینی وضع کی عجیب و غریب ٹوپی پہنے آنا دکھائی دیا۔ اور مجھے یہ جان کر دکھا کہ میں نے بھی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیے مگر میں نے دیکھا اُس کی حالت بہت زیادہ خراب تھی۔ اُس کا رنگ دق کے مرض کی طرح بالکل زرد ہوا تھا۔ اور آنکھوں میں گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ بالآخر میں نے کہا :-

”دیکھئے امید تھی کہ یہاں آپ سے ملاقات ہوگی۔ لیکن آپ کون سے جہاز پر یہاں آئے ہیں؟“ کیونکہ میں پتہ لینا چاہتا تھا کہ اُس رات جہاز پر میں نے کسے دیکھا تھا۔ سو میرا خیال ٹھیک نکلا +

”میں پریمریڈنٹ ولسن پر آیا تھا“ اُس نے آہستہ سے کہا +

”معاذ اللہ کچھ عجیب“ میں نے انتہائی حیرت کے عالم میں کہا ”اُمی جہاز پر آیا ہوں لیکن آپ کو میں نے کہیں نہیں دیکھا“

مگر میری اس بات کا اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ نہ ہی اپنے بت کی نسبت کچھ بات کی۔ اور میں نے بھی میری اس بات کو غور کرنے کا تذکرہ نہیں کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں سے نصرت ہوا۔ تو رات آدھی سے زیادہ جا چکی تھی۔ لندن کے بازاروں و برائیاں اور سٹاپا چھا ہوا تھا۔ جو ٹولوں، تنہو خانوں، ٹیشٹروں اور دوا فروشوں کے سوا اکثر دکانیں بند تھیں۔ مگر ابھی صبح آہ نکلی تو کئی درجنائی ہوئی شکل یوں نظر آتی جیسے ہر موڑ پر سے بھاگتی ہوئی میری جانب آرہی ہے +

سردی کی شدت کی وجہ سے لندن کی تمام گلیاں مانند بڑی چکی ٹھنکیں اس لئے میں پانچ چھ روڑ زبردست سے ہوتا ہوا حوٹ کارو چلا گیا۔ ایک شام میں وہاں ایک سبز دھار پر چھا ہوا تھا جہاں پام کے پیڑوں کے سایہ میں سبدا بھجوں کے ہریاے پودوں کے پاس زنگارنگ کی چھتریوں کے نیچے خیمے مغرب کے بہترین نمونے مردوں کے دوش پوش بیٹھے ہوئے تھے۔ یا پیرس کی ختیاں انگریزی پرلا سے مٹی ہوئی عوام تھیں اور افسانہ و فسر کی اس دنیا میں گونڈا ہوا کے تخت سبز سے اپنے منکر بن ٹھنوں سے راگ اور موسیقی جالغزات میں اُڑا رہے تھے۔ کسی نے

پیرس میں میرے مجھے پانچواں روز تھا۔ اور اسی رات مجھے لندن جانا تھا کہ ہول کا شوق اُس دن شام کے وقت میرے پاس آیا اور کہنے لگا :-

”موسو آج آپ جا رہے ہیں لیکن جانے سے پیشتر کیا آپ مجھ پر ایک نو اکشن کر سکتے ہیں؟“ وہ تھوڑی دیر میری جانب مشکوک نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا :-

”آپ ہندوستان کے رہتے والے ہیں۔ چنانچہ آپ یقیناً اہتمام کے متعلق ضرور کوئی واقفیت رکھتے ہوں گے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں یہ کس قسم کا بت ہے؟“

اور اُس نے ایک چھوٹا سنہری بت نکال کر میرے دکھایا۔ میں نے اُسے اٹھا کر غور سے دیکھا۔ دل میں ایک ایسی ہیال سا لگاؤ کیا یہ جان نہی دیتا تھا ہی جی تو نہیں۔ پیرس نے ضبط سے کام لے کر پوچھا :-

”مگر تم کو یہ کہاں سے دستیاب ہوا؟“

کہنے لگا ”آپ کے آنے سے پیشتر ہول میں ایک جینی اگر تھوڑا تھا اُس کی دعا گئی کہ بعد میں اُس کے کمر کو مصافحہ کرنے کے لئے لایا و اسے پڑا ہوا پایا لیکن موسو یہ یقین کیجئے ہیکل اس کی وجہ سے مجھے جب متوش خواب نظر آئے ہیں۔ کل رات جب میں نے اپنے کمر کی گھڑکی کھولی تو دیکھا ایک دراز قد چینی جس کے منڈے سر پہ بیچی ہوئی تھی ایسی تھرائی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور پھر خود بخود غائب ہو گیا +

میں کچھ دیر سوچا رہا۔ پھر کہا ”میرے کوئی خاص قسم کا بت نہیں بلکہ معمولی چٹل کا بنا ہوا ہے لیکن اگر تم اسے فروخت کرنا چاہو تو میں اسے پچیس فرانک کمرل لے سکتا ہوں + چنانچہ تم جیسب میں ٹالنے کے بعد وہ بت مجھے دیکر چلا گیا +

جب رات کے سیر کے بعد میں واپس آیا تو چنانچہ ڈیوولا کا بت دستوریز پر پڑا ہوا تھا میں نے اُسے اٹھا کر کٹھن کے پاس اتار دیا۔ پھر دیکھا میں اس بات کا حلقہ اٹھا سکتا ہوں کہ اُس وقت میرے اور سانے کی دیوار کے درمیان کوئی شفق نہ تھا نہ غماض نہ محاسن نہ ایک دُعا نہ لاس نہ زمین سے اُٹھ کر میری جانب آ رہا ہے۔ پاس آکر اُس نے واضح صورت اختیار کر لی۔ تو میں نے دیکھا کہ اُس کے منڈے سر پہ بیچی ہوئی رنگ رہا ہے اور گول گول پتھرائی ہوئی آنکھوں سے خون بہہ رہا ہے۔ اُس کی شکل بالکل اُس جینی سے متاثر تھی جسے میں نے جہاز پر رنگ پڑا کر جیتے دیکھا تھا۔ پھر بلکھٹ وہ غائب ہو گیا۔ مگر ہے یہ میرا وہم ہو گیا میں نے دیکھی میں دیکھا کہ دیوار کے پاس میں اُس بکرے کوں کے چھوٹے قہرے

”افسوس دو دن ہوئے وہ مر گئے، اور مکے نے بھرتی ہو کر کھانا کھا۔“  
 ”اُن کی سزا کا نہ موت بڑی دردناک اور حیرت خیز ہوئی ہے؟“  
 ”آئے گا۔ اُن کی گردن پر سیاہ بالوں کی ایک گندھی ہوئی رہی ہو سکتے پائی گئی جس سے اُن کی موت واقع ہوئی۔“  
 یہ سنتے ہی ہم دونوں ٹھٹھک کر رہ گئے۔ کچھ دیر دوکان میں خاموشی رہی پھر آہ فنگ خوابو سانا انازا میں بولا:-

”آپ کے والد کے انتقال کا میں سخت صدمہ ہے۔ لیکن اُن کے پاس چھٹا سا ایک پیتل کا بت ہے۔ میں وہ درکار ہے۔ کیا آپ اسے بتا کر سکتے ہیں؟“  
 ”مجھے افسوس ہے کہ آپ کی آمد سے ایک روز پہنچتوہ ایک پتلی کے اُتھول فروخت کر دیا گیا۔“ اس بایوس کن جاب کو سنکر آہ فنگ غوطی ٹھٹھک بت بھیا نک بن گئی۔  
 اور اُس نے پاس آمیز لہجہ میں کہا +

”نہیں نہیں یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے فوسہ میں رکھا ہو گا۔“  
 ”مکے فو غا کر آٹھا اور بہت دیر کی دیکھ بھال کے بعد اُن کو لکھا۔“ پتلی میں افسوس کرتا ہوں۔ وہ چیز واقعی بک چکی۔“  
 چینی نے حسرت بھری آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ الماریوں تصویریں اور اشیاء سے برصندوقوں پر ایک نابوسا نہ نظر آئی۔ پھر افسردگی سے گئے نگاہ آہ معلوم ہوا ہے۔ اب قسمت یاد نہیں +

”ہاں سے ٹھکراؤس سے دوسرے دن ٹٹنے کا وعدہ کرتے ہوئے میں چوٹ میں لوٹ آیا۔ دوسرے دن علی الصبح چاء کے بعد مائز کا سا زہر چڑھ اٹھا۔ سب سے پہلے جس خبر پر میری نظر پڑی وہ یہ تھی ”ایک چینی کی پراسرار خودکشی“  
 کل رات بارہ بجے ایک چینی جس کا نام آہ فنگ خود اپنے مکان واقع ایسا اینڈیا ڈاک روڈ میں مردہ پایا گیا۔ سیاہ بالوں کی ایک رسی اُس کے گلے میں بھی ہوئی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی نامعلوم وجہ سے خودکشی کر کے مر گیا۔ پولیس نقش کش کر رہی ہے اور اُس کا سامان جو چند کپڑوں اور ایک پیتل کے گٹھنے اور ایک سیاہ سوف کی تبدیلی پر مشتمل ہے۔ سکاٹ لینڈ یا رڈ والوں کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔“

مرزا محمود نظامی

(خاص)

ایک بازو میرے شانے پر رکھا۔ اور ایک بھائی ہوئی آواز میرے کانوں میں آئی۔  
 چونک کر بچھے ٹھٹھا۔۔۔ تو آہ فنگ خود!

وہ جراسر سب معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے ہونٹ نیلے۔ لب بند اور کمال چپکے ہوئے تھے۔ آنکھیں اندر دھنسی ہوئی اور آنکھوں کی پٹیاں باہر نکل رہی تھیں۔ میں حیرت سے نکلے لگا +

”میرے دوست“ اس نے دلی ہوئی آواز میں کہا ”خدا را میری مدد کرو۔“  
 میں ابھی ابھی انگلستان سے آجکی تھلاکش میں آیا ہوں۔ پیرس کے قیام کے دوران میں چوٹ کے کسی غام نے میرے کمبوں سے وہ عجیب و غریب موتی جس کا تذکرہ میں نے بار بار آپ سے کیا تھا۔ ایک نادر شے مجھ کو جرانی تھی۔ پہلے دوسرے سے ہی اس کی نسبت وہ اپنی ظاہر کرتا تھا۔ لیکن لاچ اور بارڈ کے اثر سے اُس نے مجھے بتایا کہ ایک ہندوستانی کے پاس جس کا سامان لندن کے فلاں پتے پر روانہ کیا گیا تھا۔ فروخت کر دیا گیا۔ اُس کے دینے ہوئے پتے سے مجھے آپ کا نام ملا ہے اس لئے میں بیدا آپ کے پاس آیا ہوں۔ اب کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ آپ اسے اندازہ کم اتنی ہی یاد دہانی قیمت لے کر مجھے واپس کر دیں گے۔ آپ جانتے ہیں میرے لئے یہ موت و حیات کا سوال ہے۔“

میں نے کہا ”بیک میرے پاس ایسا ہی بت فروخت کیا گیا تھا۔ لیکن مجھے علم نہ تھا کہ وہ آپ کا مسوقہ مال ہے۔ اس لئے اُسے معمولی شے سمجھ کر میں نے لندن میں ایک کپڑے کے ڈال فروخت کر دیا تھا۔“  
 اس جواب نے اُس پر صافہ کا اثر کیا اور اُس کا رہا سہا رنگ بھی زرد ہو گیا بڑی دیر زمین کو دیکھتے رہنے کے بعد وہ بولا:-

”میں ساری عمر آپ کا جین منت رہو گا۔ اگر آپ مجھے اُس کپڑے کی روکا کا پتہ دیں یا خود میرے جہاز چلیں +“  
 چنانچہ دوسرے ہی دن لندن پہنچ کر ہم دونوں پراسرار موتی کی روکا پر کپڑے سے اُسے آہ فنگ خود نہ تھا۔ اُس کا لڑکا کھڑا سامان کو ٹھیک کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا:-

”آپ کے والد کہاں ہیں؟“ اُس کی آنکھیں پر غم ہو گئیں۔ شاید میرے سوال نے اُس کے جذبات کو گھروں لایا ہو +

# نارنگی کی کلیاں

مشہور ہندوستانی ادیب جس صاحب کمال کے قلم سے

نہیں جانتی تھی کہ انھارٹ کر کے کیا طریق ہوتے ہیں۔ میں نے زوناٹس سے ان صاحب کا شکر یہ ادا کرنے کو کہا۔ مگر بوڑھی اٹانے مکر کر کہا کہ یہ کام میرا ہے۔ اس وقت میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ میں اٹھی اور اپنے عمن سے پٹ لگئی۔ اس زمانہ میں میرے خیال میں یہ بہترین انھارٹ تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ ہر شخص اپنے عمن کا شکر یہ اس سے ایک دفعہ بھگایر ہو کر ادا کرنا ہے۔

(۲)

آج اس واقعہ کو گیارہ بارہ سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ مگر میرے ختمے دل میں اپنے عمن کی قدرا تک ایسی جوش و خروش کے ساتھ موجود ہے جیسے پہلے لمحے میں تھی۔

جس شہر میں میں اور میرے والد رہتے تھے۔ اسی شہر میں کرنل مہاذب بھی کئی سال سے رہتے تھے اور رفتہ رفتہ ہمارے خاندانی طبیب بن گئے تھے۔ اور نہ صرف طبیب بلکہ میرے والد کے دلی دوست اور رفیق تھے۔

اگرچہ میں کرنل مہاذب کو اپنا بزرگ تصور کرتی تھی، پر ہماری بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ اکثر اوقات باتوں باتوں میں ہم ہم سنوں کی طرح ایک دوسرے سے لڑ پڑتے تھے۔ پھر عرصہ ملاپ بھی ہو جاتا تھا۔ وہ بھنے خوش مزاج خوش مذاق اور ظریف الطبع ہیں۔ اتنے ہی مہربان اور رحل بھی۔

مجھے جانتا تھا کہ علم تھا۔ ان کی کوئی شادی نہیں ہوئی تھی، بلکہ ان کے گھر میں ان کے ساتھ کبھی کسی خاتون رفیق کو نہیں ملا تھا۔ آج سے گیارہ بارہ سال قبل جب میں نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو اس وقت بھی وہ اکیلے تھے۔ بولاب

بھی وہ تنہا ہی رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے مزید اطمینان کے لئے ان سے پوچھا کہ ”کو کون آپ کی بیوی تھیں؟“ تو کہنے لگے ”نہیں ہیں!“

”کیوں نہیں ہیں؟“ میں نے سوال کیا۔

بے ساختہ شہن کر کہنے لگے ”کوئی نہیں ملی۔“

(۱)

اتنی دلت تو کسی کا عشق پنہاں دل میں تھا

اب سرے باز میرے راز کی شمشیر ہے

میری عمر چھ سال کی تھی۔ اس وقت میرے والد بھگے اور میری بوڑھی اٹانہ واماٹس کو لے کر ایک سمندری سفر کیا تھا۔ دراصل یہی سفر ہمارے اور ہمارے دوست ٹنٹ کو لے کر ایک عذاب آئی۔ ایم۔ ایس کے دوستانہ تعلقات کا باعث ہوا۔ ایک خوشگوار صبح میں کھیتی جوتی عیشہ جناز پر آگئی اور ٹنٹ ہی دیر میں بوڑھی اٹانہ کی غفلت کئے یا شدنی اور کوسندہ کے تصویروں میں میرا نازک اور ننھا سا جسم تر پتا ہوا نظر آیا۔ اللہ! عجب وقت تھا!

مجھے آنکھ ابھی طرح یاد ہے کہ اس وقت ایک خوشرو جوان نے جس کی عمر تقریباً پچیس سال ہوئی۔ بڑے جان کو کھوں کا کام کیا تھا۔ یعنی بڑی دلیری سے سمند کی بے پناہ موجوں میں کود کر مجھے ظالم موت کی سزا اور ڈراؤنی آغوش سے فرودستی نکال لیا۔ میں ہوش ہو گئی تھی۔ بڑی دیر بعد جب مجھے ہوش آیا۔ تو ایک طرف میں نے اپنے والد کو دیکھا۔ جو قریب ہی اک جھوٹی سی کرسی پر بیٹھے مجھے تنگ رہے تھے۔ دوسری طرف میرا ہی کمر اٹھتے ترم امیر زفر سے دیکھ رہا تھا جس نے میری جان بچائی تھی۔ اٹانہ واماٹس میرے لئے دودھ لے کر قریب آگئی۔ اور دودھ کا کٹورہ میری طرف بڑا کر رکھا۔

”جان من کچھ پی لو“

میں نے کٹورہ ہٹا دیا۔ والد سے سوال کیا ”کیوں صاحب ہیں؟“

میرے والد نے مکر کر کہہ کر تیر لہجہ میں ان سے تعارف کرایا۔ بوڑھی پیاری! یہ تمہارے عمن ٹنٹ کو لے کر ایک عذاب آئی۔ ایم۔ ایس ہیں۔ ان کا ٹکڑہ ادا کو؟ اس زمانہ میں میری حیثیت ایک چھوٹے سے کپڑے کی تھی۔ لہذا میں یہی

”کیوں؟“ میں نے متحیر ہو کر پوچھا۔

”تاہم کی کیاں کہاں ہیں؟“ انہوں نے اوجھڑا صراحت کرتے ہوئے

پریشان لہجہ میں پوچھا۔

میں حیران ہو کر بولی: ”بھلا، اس میں پوچھنے کی کوئی بات ہے؟ تیرا دل کس  
میں بھر گئی ہے؟ کسی اچھی ہو ہے! وہ دیکھئے۔۔۔ درپچ کے پاس  
گھڑان میں۔“

کرنل صاحب نے مڑ کر دیکھا اور پھر ایک عجیب لمبے میں بولے: ”خداوند! انیس  
نکال نکال پھینکو، نکال پھینکو، میں انہیں ہر دانت نہیں کرسکتا!“

انہوں نے غصے کی طرح چہرہ پھیر لیا۔ ایک دیر بعد کے آگے کوچ پر بیٹھ  
گئے۔ ان کی سفید پیشانی پر دریچے میں سے ہو کر ایک قسم کی اودی روشنی ناچ رہی  
تھی۔ وہ صبر کی کسی قدیم جمی کی طرح ساکت بیٹھے دریچے کو گھور رہے تھے +  
میں ڈر گئی۔۔۔ اللہ! سفید ہو گئی اویسے میں کچے پادہ مضہ عدوی کی توتہ  
نہیں ہوں۔ وہ تو جھلا ہو کر اسی وقت زونا ہنس قہوہ سے اندر آگئی۔ ورنہ میں مار  
دہشت کے ہچکچا کر کرے سے باہر جھاگ جاتی!

کرنل نے انتہا کے پیرائے میں دوبارہ کہا: ”روحی! ان بھولوں کو درپچ کے  
سے باہر پھینکاؤ!“

”پیارے کرنل! کیا بات ہے؟ میں نے پوچھا۔

”پہلے ہمیں باہر پھینکاؤ!“

زونا ہنس نے میرے کہنے پر گھڑان خالی کیا۔ تب کہیں جا کر ہائے  
ڈاکٹر صاحب بیٹھے بخار تو اب طوف رہا۔ اب ڈاکٹر صاحب کی تیاری ہو رہی تھی۔  
ابک میری سمجھ میں کوئی بات نہ آتی تھی +

آخر میں نے پوچھا: ”کیا ہو گیا تھا؟“

کرنل جاذبِ انک باپ رہے تھے۔ ان کی صورت دردوں کی سی ہو  
رہی تھی۔ میرے اصرار پر کہنے لگے:۔

”بچی! مجھ سے اس کے متعلق کچھ نہ پوچھو! میں واقعی داکہ جانور بن گیا تھا“  
”جانور نہیں“ میں کہنے لگی ”بلکہ ایک پراسرار عجیب روح! جھلا جانوروں کی  
زندگیوں میں ایسے پراسرار واقعات بھی ہوتے ہیں!“

”تو آفاخانہ گارڈوں کو اور آسا کیا ہے؟“ انہوں نے سگارسلا لیا اور میں  
کے دھوئیں کو شہم چاہوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگے: ”اپنے دوستوں اور اہلکاروں  
لا قاتلوں کی زندگی کو نقصان نہ پہنچانے کے آگے پیش کرنا تم لوگوں کا محبوب فعل

میں بہتر خاموش ہو گئی۔ ان کی تنہائی پر اکثر میں متانت جو کرتی تھی  
مگر اس کا کیا علاج کر وہ خود بخود زندگی کو پسند کرتے تھے۔ سمندر کے کنارے  
ایک شاندار وسیع نیلے جنگلے میں شرفاؤں دنگی بھر کر کھڑے تھے۔ وہ سوسائٹی  
سے اڑیں منتظر تھے۔ مگر مفت میں ایک دفعہ شہر کے روپ میں لہری کلب کو  
پہنچتے ہی مہربان نہیں جانا ہی پڑتا تھا!

(۳)

برسات کے دن تھے۔ اکثر گھٹا آٹھ بجی اور زون کی بارش ہو کر تھی۔  
ایک دن شام کے وقت میں کاج سے جھلک کر گھر آئی۔ سوپوں کے  
دن تھے۔ راتے میں مجھے سمندری ہوا لگی۔ گھر پہنچتے پہنچتے طبیعت گڑبگڑ گئی۔  
اور ضعیف بخار محسوس ہوا۔ میں نے زونا ہنس کو قہوہ لانے کے لئے کہا اور کرنل  
جاذب کو بھی فون کر کے بستر پر لیٹ گئی۔ اس شام میرے والد کا کتب ایک  
ممبر کے چہرہ گھوڑ دوڑ میں گئے تھے۔ اس لئے میں تنہا اپنے کمرے میں پڑی  
گھبراہٹ تھی۔ بخار سے آنکھیں جل رہی تھیں اور ڈاکٹر جاذب کا بے چینی سے  
انتظار کر رہی تھی +

میں جچ کھتی ہوں! ایک ٹمب کے لئے اپنے محبوب کا چہرہ اتنا جاں نواز  
اس قدر روح پرورد نہ ہوتا ہو گا! جتنا ایک مریض کے لئے حالت مرض میں اپنے  
طبیب کا!!!

خدا خدا کر کے روانہ کھلا۔ اور کرنل جاذب مسکراتے ہوئے ہاتھ میں  
آؤ سینہ بن لئے اندر داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔  
بستر پر اٹھ بیٹھی +

”میری چھوٹی دوست! تم کو کیا ہو گیا ہے؟“ انہوں نے اپنے چھوٹے  
لہجہ میں مجھے مخاطب کیا +

”بخار! میں نے جواب دیا +

انہوں نے پیرائے کر اپنی تین سفید انچلیں میری نبض پر رکھ دیں مسکرا  
کہنے لگے:۔ ”آج شاید کئی تھکی ماز گیاں کہاں ہیں۔ اسی کا سبب ہے!“  
میں چر گئی۔ ”میں نے ناہنگیاں نہیں کھائیں۔ آپ کو بھی مذاق اچھے  
وقت سوچتا ہے کرنل۔ آخر ناہنگیوں کا کہیں خیال آیا آپ کو؟ زونا ہنس نے  
آج وہ ہر گھڑان میں ناہنگی کی چند کھلیاں سنواری تھیں۔ شاید اسی کی بو آ رہی ہے“  
”کہاں سے؟“ کرنل صاحب نے عجیب مبہمتی سے سوال کیا۔ وہ  
گھڑان کہاں ہے؟“

لغنت کرنل جاذب کوئی دہشتوں سے "اور سے ہمارا دل" پر گئے ہوئے تھے۔ میری خواہش تھی کہ چھ دن کے لئے ڈاکٹر صاحب کے پاس چلی جاؤں۔ اتنے میں زوناٹن نے ایک تاریخ پیش کیا۔ میں نے لکھ لاکھ دیکھا کہ کرنل کا ہے "دل را بدول راہست" کچھ کرم خوب مسکرائی، وہ مجھے دعوت دے رہے تھے +

"آج شب یہاں جلیٹ کھلا جا رہا ہے۔ تم ضرور آؤ۔ جاذب" ہلٹ! — وہ عجیب و غریب جادو جھانک رہا تھا جس نے ایک فنکار کو استعد مقبول و محبوب بنا دیا کہ وہ سب کی آنکھوں کا تار بن گیا! ایسے کھیل کو نہ دیکھنا لغزان نعمت ہے!

یہ سوجھتے ہوئے میں نے دقت دیکھا۔ دس بج رہے تھے منٹ ہو گئے تھے۔ اور میرے لئے کافی وقت تھا۔ کیونکہ آدو سے ہمارا دل "کی آپس پر بارہ بجے نکلنے والی تھی + سائے چار گھنٹوں کا سفر تھا +

(۵)

جس میں کرنل جاذب کے گھر پہنچی تو ایک بڑا سا ستارہ مجھے بادلوں میں سے جھانک رہا تھا۔ موسم بہت سرد تھا۔ اور ہوا تیز چل رہی تھی۔ پورے گھنٹوں میں دھواں دھواں سا سفر آ رہا تھا۔ کرنل جاذب اپنے مختصر سے دارالمطالعہ میں بیٹھے ایک جلیق ہانڈر سالہ دیکھ رہے تھے +

مجھے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ بولے "مجھے تمہارے آنے کی مطلق امید تھی۔ میرا خیال تھا کہ تم بوسے دوست کی دعوت قبول نہ کر دو گی! مجھے خبر ہوئی تو میں خود کشیش پر موجود ہوتا +

مجھے ہنس آگئی "اور میں کیا اندھی ہوں؟ کہ تمہارے گھر تک پہنچ سکوں؟"

(۶)

او مالک! میں اس عجیب و غریب رات کو کبھی نہ بھولوں گی! اپنی زندگی بھر نہ بھولوں گی۔ بات اصل یہ ہوئی کہ شب مجھے کمانی لکھنے کے لئے بہت سامانوں مل گیا! ایسے موقعے عموماً کمال نصیب ہوتے ہیں!

کھیل کے اختتام پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا جو انسان سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوتا ہے! میرے ہاتھوں کے لمبے آؤ گئے! انہی تیری پناہ! اس شب لوگوں کی غیر معمولی آمد رفت تھی۔ میں اور کرنل صاحب ہال کے ایک دروازے سے انسانی تنفس کے جھونکوں سے بھل جھک رہے تھے کہ دفعتاً ایک خاتون جو لباس ایک نئی دامن معلوم ہوتی تھیں۔ سینے پر نارنگی کی

زندگی سنہ۔ مگر وہی اس وقت پختہ ہوا۔ اس ذکر کو چھوڑ دو (جھوٹی آہ بھر کر) گنداری میں کوئی کی ضد گھڑوں انہیں کی یاد میری زندگی ہے! یہ کہتے ہوئے ان کا چہرہ بے حد افسانہ اور سفید ہو گیا۔ انہوں نے پھر ایک دفعہ گھلایا کہ دیکھ کر کہا: "خالی کرو یا تم نے؟"

"ہاں" — میں نے جواب دیا "کرنل! آپ کیا رنگ کی کلیوں سے ڈرتے ہیں؟" "ڈر؟ ہاں ذرا جھٹ ہوتی ہے! یہ کہہ کر انہوں نے اپنے سگہارے لکھ جھانک +

"آفر کیا بات ہے؟ جھٹ کیوں ہوتی ہے؟" وہ تنگ آ کر کہنے لگے "میں استعد! صرا کہیں سے ۱۹ میں کسی قسم کا مانہ افلا نہیں ہے۔ میری بی بی! تم نے انہیں دیکھا ہو گا کہ بعض لوگ جھینگر سے خوف کھاتے ہیں۔ دور کیوں جاؤ۔ تمہارے پرانیہ سر صاحب کرنل سے کانپ جاتے ہیں۔ بعض سانپ سے ڈرتے ہیں۔ بالکل اس طرح ناگہی کے بھولوں سے میں خوف کھاتا ہوں؟" "نہیں! تعجب!"

میں رات بھر اس پر اس پر اس "افلا نیلوی" واقعہ پر غور کرتی رہی پر کسی تجربہ پر پہنچ سکی۔ اور ذرا خیال تو کیے کہ جلا جھ جیسی عورت جس کی تمام زندگی افلا نیلوی اور شعر و شاعری میں گذر رہی ہو۔ کیونکہ اس افلا نیلوی واقعہ کو ذرا موش کر سکتی ہے!

بچار کم ہو گیا تھا! اور خیال! سر زمین خواب کی طرف گھومنے چلا گیا تھا۔ رات تارک تھی۔ پرتسنان! میں نے الماری سے تعبیر کے کی ایک شکستہ مضمون والی کتاب نکالی۔ اور رات بھر لٹی لٹی پڑتی رہی +

(۷)

کاج میں چھ دن کی تعطیل تھی۔ صبح کا وقت تھا۔ میں برآمدے میں ایک کرسی پر دھوپ میں بیٹھی تھی۔ اور سوچ رہی تھی کہ تعطیلات کس شکل میں بسر کروں۔ والد اپنے کسی دوست کے ہمراہ شکار کو گئے ہوئے تھے۔ مگر آپ جانتے تھے جیسی خواب و خیال کی کشیدائی۔ رحمد عورت کو شکار جیسے موذی مشغلے سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ میں نے انکار کر دیا تھا۔ اور گھر پر رہتا تھی +

دوستوں پر غنا ہر کرنے کا عادی نہیں۔ مقررہ کتاب ہے کب تھا مارا شمارے سینے میں نہیں سا سنا تو دوسرے کے سینے میں کیوں کر رہا ہے گا؟

میں ذرا کھائی ہو کر رہی۔ نہ ٹھیک ہے، تم بہت اچھا کرتے ہو کہ اپنا راز کسی پر غنا نہیں کرتے۔ مگر تم نے یوں ایوں کے چشمہ چراغ دیاں داؤہ تول بھی سنا ہے؟ وہ چشمہ کھا کر اٹھا کر "ہر گس واکس کو اپنا راز دار نہ بناؤ" اس سے دیاں کا یہی مطلب تھا کہ سو اسے اپنے نہایت محبوب و متبر دوست کے کسی غیر پر اپنا راز افشا نہ کرو۔ اس کے رہنے تو جیوں کے کہ اپنا راز اپنی قبر میں لجاؤ جلا کر "دوست دنیا میں پھر کسی مرض کی دوا ہیں؟"

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "روحی، معلوم ہوتا ہے وہ وقت قریب آ گیا ہے کہ میں اپنی زندگی کے عظیم ایشان راز کو افشا کروں میں نے آج تک اس کو اپنے سینے میں چھپائے رکھا۔ مگر اس وقت مناسب ہی معلوم ہوا۔" اسے اپنے فتنہ حیات کو تمہارے آگے من و عن بیان کر دوں؟ یہ تعذیب نہیں تم جس کو فتنہ خواں سے مل رہا؟

مرے خاندان کو میری زبان سے سنا؟

"زبہ نصیب" میں نے کہا۔

وہ کہ کسی سے کچھ نہ بولا، نہ مگر یہ جلد موزوں نہیں ہے۔ چلو ہم دوسرے کھانے تک، پیچھے میں بیٹھیں۔"

باغ میں سرور آگیاں ہوائیں چل رہی تھیں۔ زیتون کے درختوں پر سرخ چوچ والے پرندے گھبراہٹ سے تھے۔

ہم دونوں باغ کی ایک چھوٹی سی دیوار کے قریب ایک بانس کی کوچ پر بیٹھ گئے۔ کوئل نے ایک سگریٹ سلگایا، کچھ دیر سوچا، بار پھر کھٹکے لگا۔

(۸)

"میں یا نہیں جانتا کہ عورتیں محبت میں صداقت اعلیٰ ہوتی ہیں یا نہیں۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ محبت کے متعلق عورتوں کے کیا خیالات ہوتے ہیں یا میں جانتا ہوں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ عورتیں جب کسی سے کسی خوش قسمت سے واقعی محبت کرنے لگتی ہیں۔ تو وہ کائنات کو ایک جزیرہ عشق خیال کرنے لگتی ہیں۔ اور اگرچہ وہ خود نہایت کمزور ہوتی ہیں۔ مگر ان کی محبت کی طاقت کا مقابلہ خدا اگر مجھے صاف کرے تو میں یہ کہنے کو تیار ہوں کہ وہیت کی قوت بھی نہیں کر سکتی!" ایک ادب خنک کی زبانی ان عشقہ افلاکوں کوں تو شش درہ گئی؟

"کوئل نے تم نے کہا اپنی عمر میں کسی عورت سے محبت کی ہے؟"

کیوں کا مجھ سنوارے ہمارے قریب سے گزریں۔ ان خاتون کا گذر نا ہی تھا کو کر کے چہرے کا رنگ روت کی مانند سفید ہو گیا اور ایک عجب اضطراب کی حالت میں اس نے اپنے ہاتھ اور اصرار پھینکے شروع کئے۔

"وہ ایک سوئے پر بڑھ گئے۔ میں نے چوکر دیکھا تو رخ کی مانند سر دھتے اور کسی قدر کانپ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد بے اختیار پیچ اٹھے۔

"آجیو! وہ نارنگی کے پھول۔۔۔ یہاں بھی موجود ہیں!"

مجھے برآمدی سے نہ ہی کراہت بہت! مگر اس موقع پر میں نے تھوڑی سی کرنل کے لئے میری تھوڑی دیر بعد ان کی حالت کچھ سنبھلی مگر قدم لڑکھارچھے تھوڑی دیر بعد ہم دونوں باہر نکلے۔ سردی خوب تھی۔ شہر میں سب دھواں دھواں سا نظر آ رہا تھا۔ شہر میں شمع کے پردوں میں تاب بجوتی تھیں۔ شیرازہ سب بھونپا، ایک طرف تھیں سب سے بڑی تھیں یہ تھی کہ مجھے اب خود کرنل صاحب سے ڈر لگتا تھا۔ اسی کرنل دراصل کہیں شیطان تو نہیں! بھوت تو نہ ہوگا کیا عجب کوئی یہ روح ہوگی! جو مجھے دھوکا دے رہی ہے!

وہ شہر مجھے کبھی نہ دھمکے گی! اگرچہ پتلا ڈالنے مجھ سے کہا: "بیاری ملی! تم جلدی طرف کے کمرے میں سو۔ جو۔ میں آج رات صفا لعین گذاروں گا۔"

طبیعت۔ بے چہرے اور داغ بہت تھا ہوا۔

خاندان سے نوم تہی میرے ہاتھ میں دیدی اور میں ڈاکٹر کے بتائے ہوئے کمرے میں چپ چاپ سو رہی۔

(۹)

دوسری صبح گرم اور خشک اور تھپی۔

مشتے کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب اپنے ایک نعین صندلی تلا میں ٹھہرے تھے اور سرور سے تھے: "آداب روحی! مزاج خریف!"

"اور آپ کا مزاج کیا ہے؟"

کرنل نے مسکراتے ہوئے کو کسی پریشہ کو کہا: "بہت اچھا رات نہیں پڑ سنا۔ مگر باجی بچے سو گیا تھا۔ وہ ابست تیز اور سرور چل رہی تھی!"

"میرے بیٹے تو نیند نہیں آتی" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"وہ کہتا تھا رات کے دو اوقات نے میرے خیالات کو پرگندہ کر دیا تھا! اولاً کیوں نہ ہو سستی تھی!"

کرنل نے ایک دھڑکی کے انداز میں مسکرا کر کہا: "میں اپنے راز اپنے

اور میرا بہت سادقت میڈیکل کالج میں گذر جاتا تھا۔ میری نوجوان بھادوچ کھان  
پر تیار رہنا پڑتا تھا۔

ایک شام سات بجے کے قریب میں کالج سے تھکا ماندہ واپس آیا جو بی  
میں نے اپنے کمرے میں قدم رکھا۔ میری نظر میز کی طرف پڑی جہاں میری کس  
بھادوچ بیٹھی وہ شاید کچھ لکھ رہی تھی۔ "ابا! اسے میرے آنے کا علم نہ تھا، اس کو  
اپنے کمرے میں دیکھ کر مجھے کبھد ریت ہوئی +

آج عمر میں پہلی دفعہ میں نے اسے فوراً سے دیکھا تھا۔ وہ کچھ دے زیادہ  
میں وہیں نظر آ رہی تھی۔ پیاز کی رنگت کا لباس پہن رکھا تھا، سیاہ ریٹم کے رومال  
سے سر پٹا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ چلند ہی سے واپس آئی ہے۔ کالوں میں  
موتی کے آویزے تھے! آج زندگی میں پہلی دفعہ مجھے ایک عورت کی دل کشی کا احساس  
ہوا۔ اور اس قدر گہرا اثر میرے قلب پر ہوا کہ میں اس زادہ فریب نظر کو جھوڑ کر تنہائی  
پسند نہ کرتا تھا۔ دو لکے میں اسی حالت میں کھڑا رہا۔ عالم بے اختیاری میں میں نے  
زور سے اپنا کمر تیز سے پیر رہا۔ وہ چونک پڑی۔ اور کاغذ اس کے ہاتھوں سے  
نکل کر رہ چلا گیا +

"اُس کو آٹھ لاؤ" اُس نے بیل کے سے لے لیے میں کہا۔ اُس کی آوازیں  
کسی قسم کی جھجک یا شرم مطلق تھی +

میں مقناطیسی ہینے کی طرح فوراً تعمیل حکم میں مصروف ہو گیا۔ اور کاغذ لے  
کر اُس کی طرف گیا +

آٹھ کو کرکٹل نے چونک کر میری طرف دیکھا "ابن روی! کیا کیا میری  
زندگی کا فائدہ لکھ رہی ہو؟"

میں مجھوس کی طرح کرنل ماذب کی طرف دیکھنے لگی +

قصہ پھر شروع ہو گیا +

"مگر اس نے یہ کیا نہیں کیا۔ کہنے لگی "ماذب! یہ تو تمہارے ہی لئے  
لکھا گیا ہے۔ اس لئے مجھے واپس نہ کر دو۔" ————— وہ عربی زبان میں  
تقریر کر رہی تھی۔ اور میں عربی کچھ سمجھ سکتا تھا۔ موی اپنی مرتبہ اس لڑکی کی زبان  
سے اپنا نام سن کر مجھے والٹر پٹا پیرا آیا۔ میں نے کاغذ کو دیکھا جس پر میرا نام عربی  
دھند نہایت خوبصورت حروف میں لکھا ہوا تھا

ماذب 'ماذب' جاذب

میں بہوت رو گیا 'میرے جہم سے اک گرم بھانپ مطلق ٹھوس ہو رہی تھی۔ اور پیر  
دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اُس وقت کی دلی کیفیات کو میں الفاظ میں ظاہر

وہ ایک غمزدادہ سرکراہٹ سے کہنے لگا "میں اور نہ صرف میں نے کی ہے  
بلکہ ایک عورت کی طرف سے چاہا جا چکا ہوں +

بیشک میں نے کرہن پر ایک اٹھانہ لکھ ڈالی۔ واقعی وہ اپنی جوانی میں  
ضرور قابل محبت ہوگا۔ اب بھی اُس کی حرکات سے ایک دل کشی مطلق تھی شوق  
عورت بھی بڑی نہیں تھی۔ یعنی بھوٹی گدی نیلی آنکھیں مختصر سی سنہری موچک  
دراز قد اور سرموں جسم +

اُس نے پھر کتنا شروع کیا: "مجھے وہ رات کبھی نہ بھولے گی! آج کو  
چکیں سال قبل کا واقعہ ہے۔۔۔۔۔ میں ستمبر کی ایک وصند کی شام اپنے  
دارالطالعہ میں بیٹھا اپنی بہت دوسری کتابوں کا مطالعہ کر رہا تھا۔ ماہ کے اعتقاد  
پر میرا امتحان تھا۔ میں مکان میں تنہا تھا کیونکہ میرا بھائی زر تاش تجارتی سلسلے  
بصرہ اور بغداد کی طرف گیا ہوا تھا۔ دفعتاً کسی نے باہر اطلاع ملنی بجائی۔  
میں: "ہاں! میرا بھائی موٹر سے آ رہا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک نوجوان  
خاتون سیاہ برتنہ اڑے کھڑی تھی۔ ایک خاتون کو ساتھ دیکھ کر میں متحیر و  
جواہر کی قسم کا اظہار نہ پھر زر تاش کے پاس چلا گیا۔ میرے بھائی نے مجھے  
بہور دیکھا پھر یہ کہتے ہوئے:۔

"یہ میرا بھوٹا بھائی جاذب ہے +"

مجھے اس نوجوان خاتون کے آگے پیش کیا۔ پھر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ  
رہی جب میرے بھائی نے مجھ سے کہا:۔

"یہ تمہاری بھادوچ ہیں"

نوجوان خاتون نے سب سے پہلے جواب دیا۔ رسم تعارف  
کے ادا ہوتے ہی اُس خاتون نے اٹ پڑنے سے کبھی استعدار چہرہ نہ دیکھا  
تھا۔ بشر فیول کا حسن تھا۔ سیخ و سفید چہرہ ایشیائی حسن سے محو و سبھا، آنکھیں  
سیاہ چمکیلے لمبے لمبے بال چھوٹا سا قد۔ اور شریف مسلم خواتین کی فطری نرم  
و دیا نظر کوئی عربی لڑکی معلوم ہوتی تھی +

میں نے حیران ہو کر اپنے بھائی کو دیکھا۔ اور میری زبان سے بے ساختہ  
"بھائی صاحب! آپ نے کیا برویں میں شادی کر لی ہے؟"

میرا بھائی ایک بہت ہی خشک مزاج آدمی تھا۔ اُس نے میرے سوال  
جواب میں صرف "ہاں" کہا اور اس خاتون کا ہاتھ پکڑ کر اندر چلا گیا +

(۹)

دن گذرتے جاتے تھے۔ میرا بھائی تجارتی سلسلے میں اکثر سفر پر رہا کرتا تھا

محض وہابیات! شیریں میری بہن ہے، میری بھانج ہے! میرے بڑے بھائی کی بیوی! اس نے اس کی تنقید و تکریم کچھ بڑھ کر ہے۔ سننا ہوں محمد بن اکثر بشرطہ کا شکار ہو جائی کرتی ہیں اور اس مرض میں مبتلا ہو کر جنونی حرکات کا مرتکب ہوتی ہیں +

میں واپس اپنے کمرے میں آگیا۔ جیب میں سے وہ جان بخش تحریر نکالی۔ چراغ کی روشنی میں پڑھنے لگا۔ مسکراہٹ بے اختیار میرے ہونٹوں پر کھیلنے لگی۔

”بی بی بڑی، آہ عجب ہے۔“

”کتے ہیں جس کو فحش نفل ہے، دماغ کا!“

بے قراری لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی۔ میں باغ کے در پہنچے میں جا کھڑا ہوا۔ سامنے چاندنی کا فرش بچھا ہوا تھا۔ میرے دل میری روح سے اک آواز آ رہی تھی، ایک نغمہ ربا تھا اور وہ نغمہ یہ تھا کہ اگر واقعی وہ مجھ سے محبت کرتی ہے — کور ہی ہے — کرنے پر مجبور ہے، تو انکار میرے بس کی بات نہیں!“

اسی سوچ و فکر میں بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے میرا ہاتھ نہ چھوا اور نہ ہانکنا اور غول کی سی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر دیا

”تم اسقدر حیران کیوں ہو؟“

میں نے مڑ کر دیکھا تو راحت جان شیریں کھڑا مسکرا رہی تھی۔ چاند کی زد و روشنی میں اس ناخوش عورت کا سفید اور دلیرا چہرہ اسقدر محبوب اور خوبصورت نظر آ رہا تھا کہ اگر اس وقت دنیا کی ساری عورتیں بھی مجھے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتیں تو میں متوجہ نہ ہوتا۔ خدا یا کیا واقعی یہ نہ قرب عورت مجھ سے محبت کرتی ہے، اس کے چہرے پر ایک عجیب قسم کا جھوٹا اور فرشتوں کی سی سادگی برسر رہی تھی +

”میری پیاری شیریں!“

بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔ وہ بھو میرے چہرے اور میری حرکات کو دیکھ رہی تھی۔ اور میں — کبھی کے تائب کبھی بے قرار ہو کر اس پر گرا پڑتا تھا۔ تو پھر شعل ماما تھا +

بیاک کسی خیال نے مجھے جو کھانا — میں نے شیریں کی طرف دیکھا — وہ میرے بھائی کا خیال تھا، بیاختہ میری زبان سے نکلا، میری بھانج!“

”بھانج!“ — ”اُس نے خفارت کے لہجہ میں کہا“ بھانج! تمہاری بھانج! بھلا ایک فریاد شدہ عورت کسی کی بھانج کو نہ بوسکتی ہے، مرد و قریبی بڑے کم فہم ہوتے ہیں!“

توبوں گئے! یہ ہمارے بھائی صاحب کی کارستانی تھی! یہ امی کی بیوی

روحی ہا کرے کی ہر چیز ارگن معلوم ہوتی تھی جس سے وہ کچپ اور محبت آمیز رنگ نکھل رہے ہوں۔ میں نے اس جان کش تحریر کو دوبارہ دیکھا، میری پیاری روحی! تم یقین کر دو میں شدت مسترت سے باگلی ہو رہا تھا، میری زندگی میں پہلی دفعہ ایک عورت مجھ سے اظہار محبت کر رہی تھی۔ تم فحش و بخت کی پاشنی کو کیا جان سکو گی تم اس کو جسے نادانقت ہو۔ بھلا کسی نے تم سے کبھی اظہار محبت و شوق کیا بھی ہے؟ — — — — — نغمی لڑکی! یہ

لطیف نے تجھ سے کیا کہوں زاہد  
ہائے کجبت تو نے پائی ہی نہیں!

نادولوں میں اگر کب مجھے عشق گنگو پڑنے کا اتفاق ہوا تھا۔ سنبھلے پردوں پر میں نے بہت سی شوق محبت میں ڈوبی ہوئی حرکتیں دیکھی تھیں، پر مجھے کبھی زبانی نہ کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں دل ہی دل میں کہتا تھا، ایہ لڑکی — — — — — یہ کس سیاحہ چشم لڑکی! ہاں یہ میری بھانج مجھ سے محبت کرتی ہے — — — — — محبت! وہی — — — — — غلیظ اہلی جو آدم و ہنؤ کو نیچر نے طعنا کیا تھا! آج وہی مجھے ملنے والا تھا! اسے خوش بخت! — — — — — کیا اسے زرتاش سے محبت نہیں ہے! ایچھے زرتاش پر ترجیح دے رہی ہے! ایچھے! — — — — — نہ بے نصیب! نہ بے نصیب میرے! ایسے شک! کوئی دیر نہیں کہ دنیا میں خوبصورتی اور مست میرے بھائی کے حصہ میں آئے۔ اور میں اس سے محروم نہ رہا ہوں! میں دُور شوق میں دوڑا ہوا ہوں۔ اور میں شیریں کے لئے ایک دیر سے محبت میرے سینے میں موجزن تھا +

کہہ تا رہا ایک بڑا تھا۔ کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ چاند کچھ کی سبز نورنا رنگ ٹہنیوں پر مسکرا رہا تھا۔ اور میں کمرے میں تنہا تھا۔ وہ باہر چلی گئی تھی — — — — — شیریں! میری جدہ! گاہ آرزو میری مرکز زندگی! میری پیاری شیریں! باہر چلی گئی تھی! کمرے سے باہر!

اب ایک لمحے کے لئے بھی مجھ سے اس کی جدائی برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔ واللہ کیا دن تھے! نئے نئے دلوں نے نئے نئے خیالات میرے دماغ کو چھین کر رہے تھے +

شیریں! راجت جان شیریں! گناہ میں دروازے تک بھاگا۔ خدا چاہتا میں شدت جھٹ میں کیا کر گذرتا! اجا تک مجھے یاد آ گیا کہ شیریں میری قابلِ نغم بھانج ہے!

میں ایک کستوں کا مہار لے کھڑا ہو گیا۔ دل سے کہنے لگا، ”وہابیات!“







تم ہر ایک کی دعا لینے کی کوشش کیا کرو اور جیسے دل کی بددعا سے ڈرو +

(۱۴)

میں نے ایک چوٹی سی آہ بھری کر سن کر دیکھ کر کہنے لگی "آہ سندر دو گزیر ہے تمہاری داستان! تقدیر نے تجھ گل کھلائے!"

"ہاں ————— یہ سب نوشتہ تقدیر تھا! اچھا تو میری بیٹی! اب بیہ کما فی بھی من لو" اس نے دوسرا سگریٹ روشن کیا اور کہنے لگا:

(۱۵)

"جیسے معلوم ہوا کہ میری شیریں مجھے اس مصائب: آلام کی دنیا میں تنہا چھوڑ گئی ہے تو میں غش کھا کر بیٹھے گر پڑا +"

مجھے اس کی خبر نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ مختصر یہ کہ

جہاں جہاں بھی کوئی زندگی کی ٹھوکہ کھتی!

لے بھری مری قسمت وہیں وہیں مجھ کو!

نشنا ہوں کہ پاگل ہو گیا تھا۔ میرے دوستوں نے میرا بیٹی سنا کر کہ مجھے شہر کے پاگل خانہ میں بھجوا دیا — اس سے زیادہ وہ کہہ کر ہی کیا کہتے تھے! کسانیا! کچھ یقیناً بہت دیکھ رہے! غور سے سنو!

مجھے یہ ٹھیک ٹھیک معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے سال پاگل خانہ میں رہا۔ اور کتنی مدت محبوس رہا! بسنا ہوں چھ سال!

ایک شب کا واقعہ چند دیکھ اور حیرت انگیز ہے! میں پاگل خانے کے ایک کمرے میں بستر پر پڑا تھا۔ چاندنی ہر طرف چھلکی ہوئی تھی۔ رات گرم اور نم تھا۔ نسان تھی۔ آوازوں پر چنچ رہا تھا۔ اور میرے جنونی خیالات سمندر کی موجوں کی طرح اوجڑا دھڑک رہے تھے۔

شب کے گیارہ بجے ہوں گے — مجھے کچھ ٹھیک یاد نہیں —

بہر حال رات کچھ زیادہ ہو گئی تھی — کمرے کے شمالی طرف کا دروازہ کھلا۔ اور ایک نرس ادھر میری نگہداشت پر مقرر تھی، سفید لباس میں اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں تین تار دھاتی اور مجھے پانا تھا۔ یہی تھی وہ مجھ پر بھکی +

اس کا تھکانا تھا کہ میرے منہ سے ایک پیچھ صلی گئی۔ لود میں پلنگ سے کود کر نیچے جا گرا۔ دفعتاً میرے خیالات نے اپنا رخ بدل دیا۔ کہیں سے کہیں جا پہنچے۔

— اب میں دیوانہ تھا! مجھے ہوش آیا تھا! اب میں دوسروں کی طرح ہر بات سمجھ سکتا تھا! رچی! تم نے دیکھا خدا کے ارادے؟ +

نہ آخر کیا ہوا؟ میں نے سوال کیا +

چاندنی خوب نکھر رہی تھی۔ زرد چاند کو ہماروں سے جھانک رہا تھا۔ پہاڑی درخت ہوا کے سرد جھوکوں سے ہل رہے تھے۔ میں برآمدے کے زینے پر کھڑا رات کی کسی چڑیا کا دھندلا زلف سن رہا تھا۔ جو اس ہی ایک شمشاد کے درخت پر بیٹھی تھی +

دفعتاً ہوائیں مٹھ مٹھیں۔ خوشبو کی پٹیں آنے لگیں۔ نارنگی کے پھولوں کی تیز بو نے جو عموماً عرسی خوشبو کہلاتی ہے میرے دماغ کو سٹھکڑا دیا۔ میں جلد صر جاتا تھا! مکان کے جس حصہ میں جاتا تھا یہ جلد بخش عرسی خوشبو میرا مقابلہ کر رہی تھی +

میں بے بات ناہنجی دھن کے کمرے کی طرف چلا۔ اور بغیر کسی قسم کی اطلاع یا اجازت کے دیوانہ دار اندر چلا گیا۔ میری شیریں نارنگی کے پھولوں میں بیٹھی ہوئی درپچے کے آگے آرام کر رہی پریشی چاندنی کی سرگردی جیسی۔ سفید بیٹی لہر لہر کر رہی تھی۔ نارنگی کی خوشبو نے اس وقت چاند کی عتاش و شفاف نشی، دیوانوں کے سنسن و عیش کی دیوی معلوم ہوتی تھی۔ یہیں شدت شوق میں پاگل ہو رہا تھا۔

"شیریں! دیکھ تو کیسی اچھی رات ہے! ایسی ہی دھنیں ہیں زندگی سے محبت کرنا سکھاتی ہیں۔ نارنگی کے پھولوں کی یہ خوشبو مجھے مدت، عمر تمہارے زمانہ عرسی کی یاد دلایا کرے گی! شیریں! میری پیاری شیریں! خدا کا شکر یہ ادا کرو۔ اس نے تمہیں کسی کسی تعین عطا کی ہیں!"

مگر اس کی بے وقت کی خاموشی نے میرے غریب آرزو پر بجلی گرائی۔ میں نے جھک کر اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا +

پر ————— میں نے ایک پیچ کے ساتھ اس کا ہاتھ چھو دیا۔ میرے منہ سے بے اختیار چھین نکل رہی تھی۔ ہاتھ حج کے مانند سرد تھا +

میں نے جھک کر اس کا چہرہ چھوا +

پر آہ دھنی! وہاں کیا تھا ————— ہاتھ دھکیا ہی کیا تھا — دھنی نوواں دھن ————— جیسے کہ اس کیفیت دنیا سے رخصت ہو گئی تھی!

کیا کون فانی تڑپتا چھوڑ کر کیوں چل دیا؟

دار بھی پورا نہ تھا اور بیچ بھی پوری نہ تھی +

بہر طرف موت کا سا سکوت تھا — بس صرف نارنگی کی کیلیوں کی ٹوکری میں مگر رہی تھی +

ہاتھ دھنی! اب تم کو معلوم ہوا کہ بددعا کی ہوتی ہے؟ ممکن ہو سکے تو

تھی۔ میں نے سوچا اپنی آزادی سے کیوں نہ فائدہ اٹھاؤں! یہ سوچ کر میں گلا  
پھاڑ پھاڑ کر روئے لگا۔ اور اپنی دامن کو نام لے لے کر جو تھیں مارنے لگا۔ پھر پھر  
شیریں!

نادہنگی کی کلیوں کی یہ جان بوا خوشبو بھجے ماضی کے دل گزارنا فائدہ  
دلا ہی تھی! اوپر در و گار! غلب سا جیتیں تھیں!

دوسری صبح ڈاکٹر آیا اس نے مجھے رکا کر دیا۔ مجھے اپنے کمرے میں لیگیا  
اور دوستانہ بات چیت کی۔ میں نے اپنی کہانی سن و سن اس سے بیان کر دی۔  
اُس نے مجھے صبر و سہاگت کی رائے دی۔ اسی کے حضور سے میں جنونی  
افریقہ کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ تم کو یاد ہو گا جب تم جہاز سے سندھ میں گر پڑی تھیں  
تو سب سے پہلا شخص میں ہی تھا جو سمندر میں لوگوں کو تھری تھا۔ بت  
اصل یہ بھی کہ میں اپنی جان نالوں سے پرآلود تھا۔ مگر جسکو تھار کئے اسے کون بے  
میں نے تمہیں بھلاقت پانی سے نکال لیا اور جہاز پر لگایا۔ نہ چھوڑا۔ نے مجھ اس  
مصائب و آلام سے بھری ہوئی دنیا سے چھڑا یا نہ سمندر کو خوفناک موجوں نے۔  
بس یہ ہے میری داستان!

اب تو تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کیوں نادہنگی کی کلیوں "کو دیکھتا تھا  
خوفزدہ ہو جا کر تھرا ہوں!"

اصل یہ چاک کیا جب سے اس کا دامن زبیر

نہیں نیرنگ خیال و آستین بھٹکے

میں حجابِ شعیل

(خاص)

"ہوا یہ کہ کرنی چوٹی مجھ پر بھگی! اس کے سینے پر سنوارے ہوئے نارنگی  
کے پھول میرے چہرے پر گر پڑے! میں نے ان پھولوں میں شیریں کی روح  
ملوث و تخی میں نے آتھیں اٹھایا۔ سینے سے لگا لیا اور چلا کر لے لگا۔"

جسم فانی ہے! وہ فنا ہو جاتا ہے! پر روت و خست نہیں ہوتی!

غشی خواہشات فانی ہیں! وہ فنا ہو جاتے ہیں!

پر عشق فنا نہیں ہوتا! عشق ایک اکتی صفت ہے!

اسی لئے میری روح کو بھی اس سے عشق ہے!

میں پیچھے چھوڑ کر لکھتا اور پھول کو چھوٹا جاتا تھا۔ میرا جنون دھیرے دھیرے کم ہوتا  
جاتا تھا +

میں میری ان حرکات کو انتہائی بوجھائی پر معمول رہی تھی۔ مگر اس کم بہت  
کو کیا خبر تھی کہ اب میں اس سے کہیں زیادہ بوجھتا اور بالاک ہو چکا تھا!

وہ دہ بھی جب ستم انگیز تھی! میں نے نہیں کہ نہیں لکھا کو تھیں لیا

کر میں پاگل نہیں ہوں۔ مگر اس خدا کی بندی نے ایک رشتہ ہی جی چاہتا تھا کہ

اس کے مکر سے مکر کے اس آواز کو لکھی کے باہر پھینک دوں جو ہر روز

رات کے وقت میرے سر ہانے ہوا کے لئے کھلی رہتی تھی۔ اور جہاں اتو تھیں

مارا کرتا تھا۔ چاند کی شفا میں دھس کر تھیں اور میں اپنی قسمت پر رونا کرتا تھا!

ہاں اس کو لکھی کے باہر —

نادہنگی کے پھولوں کی تیز رو کو میں پھیل گئی تھی۔ میں ٹھوڑی دیر بعد

بے حاشہ نہیں مارا کر دے لگا۔ مجھے تھیں مارنے میں کسی قسم کی شرم نہیں

آتی تھی۔ کیونکہ دنیا مجھے پاگل سمجھتی تھی۔ اور وہ رات میری آزادی کی آخری رات

## تصنیفات مصور غم علامہ اشد انجیری

|              |         |                      |         |
|--------------|---------|----------------------|---------|
| شام زندگی    | قیمت ۵۰ | منازل السائرہ        | قیمت ۵۰ |
| صبح زندگی    | ۵۰      | بنت الوقت            | ۵۰      |
| شب زندگی     | ۵۰      | سراب مغرب            | ۵۰      |
| امت کی مائیں | ۵۰      | سات دو حوئے اعمان سے | ۵۰      |
| الزمرہ       | ۵۰      | لئے کا بہت۔ ۱۔       |         |

نیرنگ خیال نیرنگ خیال نیرنگ خیال نیرنگ خیال نیرنگ خیال

# عید مبارک

از ادیب۔ اے۔ آبادی

تو پاس ہو تو ہے مرا ہر روز روزِ عید

تیرے بغیر عید بھی یومِ انشور ہے

اگر شمع نے کئے والے کی طرف سے خواہ وہ کوئی ہو اور خواہ کہیں ہو اس  
کب سے غائب کرے شمع لگا گیا ہے۔ عید مبارک!

کیا خوب کہا۔ غالب و دہلی نے کیسویا رہے والے نفع پھانی کیا  
گویم، رہا رہیں ستم! اے روزِ نور  
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

نیرنگ خیال کے مستقل خریداروں کو (یعنی ان کیم انشع) اصحاب کو جو سالانہ  
وی پی وصول کرنے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں اور غیر مستقل خریداروں کو (یعنی ان  
گوں کو جو انجنوں اور ریوے بک سٹالوں سے خرید کر سال پڑھتے ہیں) وہاں  
مستقل مزاج ناظرین کو جو ہمیشہ رسالہ پڑھتے ہیں۔ اور پیشہ چاکر یا آرٹاکریا  
ابگ کو پڑھتے ہیں (اور ایسے گوں کا ام بیچ ہندوستان میں نہایت ہے) عید  
مبارک!

ان رسالوں کے مستقل خریداروں اور مستقل مزاج ناظرین کو کبھی میڈیٹر  
شائع نہیں کرتے۔ اور عیدِ نیرا کوئی اور خاص غیر شائع کو انشاد اسلامی کے شائع  
خیال کرتے ہیں اور اسے بدعت بتاتے ہیں۔ باوجود ایسے رسالوں کے مستقل  
خریدار۔ غیر مستقل خریدار اور مستقل مزاج ناظرین ہونے کے۔ عید مبارک!

ان رسالوں کے مستقل خریداروں غیر مستقل خریداروں اور مستقل مزاج  
ناظرین کو کبھی تصاویر شائع نہیں کرتے (کیونکہ اسے ضررِ شرین کے فلاح  
سمجھتے ہیں) یا صرف تبصرے جو تھے سال ایک آدھ تصویر شائع کرتے ہیں کیونکہ  
اسے اسراف بجا خیال کرتے ہیں) باوجود ایسے شرعی رسالوں کے اور باوجود ایسے

کثایت شمار رسالوں کے مستقل خریدار غیر مستقل خریدار اور مستقل مزاج ناظرین  
ہونے کے عید مبارک!

ان دو خزانہ الذکر کثایت شمار رسالوں میں سے ایک رسالے نے جو ہر چہ تھے  
یا پانچویں سال ایک تصویر شائع کرنا ہے۔ مدت ہوئی ایک تصویر شائع کی تجویز  
سے معلوم ہو کر یہ رسالے کے ایڈیٹر کی شبیہ مبارک ہے۔ اسے دیکھ کر حیرت لانا  
جائی کا ایک لطیف یاد دہنگیہ

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ملا ساغری نے اپنا یہ مطلع مولا ماجی کو جا کر سنایا۔  
تاشقندیم کہ تو ان ملل ترا جاں گفتی  
آتش در دلم افتاد کہ تو ان گفتی

مطلع خوب تھا اور پھر ملا ساغری کا مطلع تھا۔ مولا نے خوب داد دی اور بہت تحسین  
آفریں کی۔ ساغری نے خوش ہو کر کہا کہ آپ حکم دیں تو اس مطلع کو کھڑک چوک  
پر لگا دیا جائے۔ مولا نے فرمایا ہاں ضرور اور بہتر ہے کہ تمہیں بھی ساتھ ہی لگا  
دیا جائے۔ تاکہ مسامحہ کے کہ یہ مطلع کس کا ہے

اس رسالے کے مستقل خریداروں غیر مستقل خریداروں اور مستقل مزاج  
ناظرین کو عید مبارک!

انہی رسالوں میں سے ایک نے ابھی تصویر کی مدت ہوئی کہ تین ادیبوں کی  
تصویریں شائع کی تھیں۔ ان ادیبوں نے غلامیوں سے ایک ادیب کا ادبی شاہکار  
(یعنی عدالتی ہشتہار) اسی رسالہ میں شائع ہوا تھا۔ لیکن باقی دو ادیبوں کے  
ادبی مقالات اس رسالے میں یا کسی اور رسالے میں باوجود تحقیق و تفتیش کے ابھی  
ملک ہماری نظر سے نہیں گذرے۔ لیکن ہے گناہ مکتھے ہوں۔ اس رسالے

کے مستقل خریداروں غیر مستقل خریداروں اور مستقل مزاج ناظرین کو۔ عید مبارک!  
ان رسالوں کے مستقل خریداروں غیر مستقل خریداروں اور مستقل مزاج ناظرین  
کو جو آج بوڑھے ہو کر بھی اسی لباس میں میوس نظر آتے ہیں جو انہوں نے پیدا

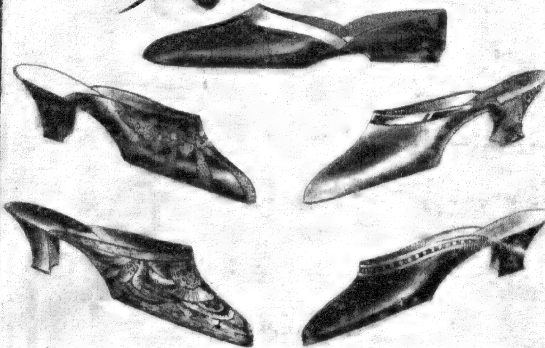
# نیرنگ خیال عمید برسر ۱۹۳۱ء



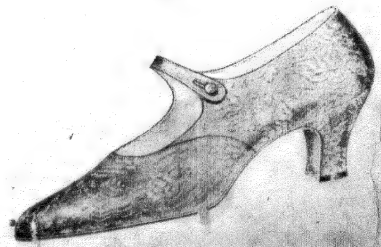
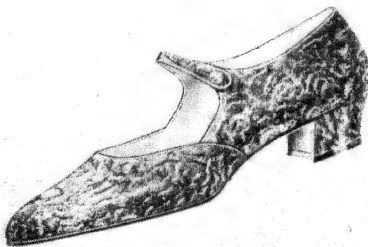
میر ولی اللہ بی بی ایڈووکیٹ ایسٹ آباد



خوش وضع لکھنؤ کے  
زنا سلیپر



کرناٹک شاپنگ کلی لاہور



پانچ سو روپیہ ماہوار کے خوارہ پر ان رسالوں کو جاری رکھنے میں اور محض اس لئے اُرامت مرحوم کے افراد میں کھٹنے پڑنے کا شوق پیدا کریں۔ گھر کا اثاثہ بچا کر سالے چھپواتے رہتے ہیں۔ عید مبارک !

پھر اس کے بعد ان مضمون نگاروں کو اور ان مضمون نگاریوں کو جو رسالوں میں غریب مفید کیاں لکھ کر رسالوں کے ادبی مہر کو اور ناظرین و قاریوں کے اخلاقی معیار کو بلند سے بلند تر بنانے کی کوشش میں دن رات سرگرداں رہتے ہیں۔ اور ان اور ہوں کو جو ضروریات کو مشرقیات میں مبنی انگریزات کو ہندو تنابات میں ملکر ہمارے ہندوستان کے لئے سچوں مرکب تیار کرتے رہتے ہیں۔ اور ان بزرگوں کو جو قلم طرم میں محققانہ نوٹ لکھ کر دور کی کوڑی لاتے ہیں اور دلوں کا حافہ کو دلوں میں امن کا جزو مودت ثابت کرتے ہیں اور باہیات علم خدام کی مقدار کو کبھی بڑھاتے بڑھاتے بندہ سو سے اوپر لے جاتے ہیں اور کبھی گھٹاتے گھٹاتے دس بندہ سے بھی نیچے لے آتے ہیں اور دلوں کو سچی کے مضیعت کو کبھی مذکور جاتے ہیں اور کبھی موصوف (خدا کا بڑا جزا) بشکر ہے کہ اسی ملک محبت میں کہاں اور فروسی کی عین جات میں شا بنامہ فردوسی کے چودہ ہا چودہ آئینہ نکلا چھپ کر شائع ہو جاتا یہاں کہنے میں نہ لازمہ اور زبان کو سحریت کی باں اور کبھی ہندی کی، چینی اور کبھی پنجابی کی ہی نہ حاجت کہنے میں نہ اور ہوں اس بکھاری کو مل شاہ جہاں کے سرنگر کی ہیں چھوڑی بناتے تھے آج راجہ کو رعایت کے حرم سرا کی لائڈی کہہ رہے ہیں۔ اور ان آستانوں کو جو نیکو کویچ مضمون میں ماضی کر کے تنقید شعری کو ان کی کمال پہنچا رہے ہیں۔ اور غالب کے بعض شعروں کو بے معنی اور دون کے بعض شعروں کو باغی بنا رہے ہیں۔ اور ناسخ و آتش کا مقابلہ کر کے ایک دوسرے کو ناسخ و ضو بخ بنا رہے ہیں۔ اور مومن کی غزل کو غالب کی غزل سے بہتر اور غالب کی اردو قرآن کی عربی سے بہتر کہہ رہے ہیں عید مبارک!

ابھی تصورِ اعراض ہی گزرا ہے کہ نویبانِ اردو کے ایک گروہ نے ادبیات میں سے ادبِ لطیف کو پسند کیا اور ادبِ لطیف کو شاعرانہ تفریق میں ایک نئی بحر کی طرح ڈالی یعنی آ۔ آ۔ آ (خ۔ خ۔ خ) بکریاں ہر سو بھڑبھڑاتی کہ چاروں طرف سے آ۔ آ۔ آ کے فربہ بلند ہوئے تیرے سر پہ۔ ان مستانِ عیون میں سے چند جو دہن میں محفوظ رکھے ہیں یہی جاہلِ جاہلست کہ ظہن تک پہنچا دیتے جاہلست۔ آ۔ آ۔ آ اپنے مرتبہ میں شکستے عاشق کے توجہ میں کہ جو کچھ چھوڑا دینے

والی۔ آ +

ہونے پر زب تن فرمایا تھا۔ اور تہنہ کر لیا ہے کہ مرکز بھی اسی لباس میں مدفون ہو گئے۔  
عید مبارک !

ان رسالوں کے مستقل خریداروں فیئر مستقل خریداروں اور مستقل مزاج ناظرین کو چیدہ ہوئے۔ جو ان ہوئے۔ بوڑھے ہوئے اور مرگے یا جو چیدہ ہوئے اور جو ان ہوئے اور عین عالم جوانی میں مر گئے یا جو چیدہ ہوئے ہی مر گئے یا جو چیدہ ہوئے سے پہلے ہی مر چکے تھے۔ لہذا اور باوجود ایسے رسالوں کے مستقل خریدار فیئر مستقل مزاج ناظرین ہوئے کے۔ عید مبارک !

ان سہ ماہی رسالوں کے مستقل خیر اداروں غیر مستقل خیر اداروں اور  
مستقل مندرجہ ناظرین کو جو باوجود سہ ماہی ہونے کے آٹھ روپے سالانہ سے  
ایک برس کے نہیں لیتے۔ یا جو برسہ ماہی ہونے کے ایک روپے بارہ آنہ سالانہ  
سے ایک برسہ زیادہ نہیں لیتے۔ اور جو صرف عالمانہ اور محققانہ مقالات شائع  
کرتے ہیں (جن عالمانہ اور محققانہ مقالات کو پڑھنے والوں کی تعداد ان عالمانہ  
اور محققانہ مقالات کے لکھنے والوں کی تعداد سے کبھی زیادہ نہیں ہوتی) یا جو جو  
عالم اور محقق ہونے کے باوجود عالم اور محقق ہونے کے۔ عید مبارک !

اُن رسالوں کے منتقل خدایا رسل فیہ منتقل خبریہ رسل اور منتقل خراج  
ناظرین کو جو جواسرأت کو ٹیڑیوں کے مولیٰ پیچھے ہیں یعنی بارہ آئینہ سالانہ میں بیکر  
بارہ رسالے مذہب ناظرین کرتے ہیں۔ ٹیم ٹیم اپنے جواسرأت کو شیخ محمد اسفر  
جوہری سے بھی ارزاں تر قیمت پر فروخت کرتے ہیں ٹیم ٹیم کی کوٹری کیتھن تین  
مضان میں کوئی مضمون ایک کوٹری پر فروخت کر کے اہل ملک کی طلبہ (دینی -  
سیاسی - برقی - معاشرتی - مذہبی - اخلاقی - تاریخی اور فلسفی خدمت کرتے ہیں۔  
جو ہر جموں مظلوم اور مظلوموں جو نے کے عید مبارک !

اما بعد ان تمام مذکور ٹائٹلس کے جائزہ لیں گے اور ان کے بارے میں سوچیں گے۔



آ آ۔ اسے رقیب رو سیاہ کے قید خانہ کی چار دیواری میں دن رات بند رہنے والی۔ دفعہ ۹۰م تقریرات ہند کی مطلق پروانہ کرادے۔ وطنی باغیچہ سے یہ بیماری آنے والیاں جب کبھی بھول کر گھر سے باہر قدم رکھتیں تو چاروں طرف سے ہی آ آ۔ آ کے نعرے سنتیں اور دل ہی دل میں تعجباً۔ بیوہ کیواس نہ کر جائے کہتے ہوئے چہر گھروں میں جا چھپتیں نتیجہ ہوا کہ ان آنے والیوں نے گھروں سے باہر نکلنا مطلقاً بند کر دیا۔ اور یہ آ آ کہنے والے درد فراق میں ایسے مبتلا ہوئے کہ جہاں برتہ ہو سکے بعض پکارے برداشتہ معجزہ ہو گئے (خداوند کریم ان کی خواہجہ ہوں گوگر میوں میں سردا و سردیوں میں گرم کرے) اور بعض نور اللہ بر قودہ بن گئے (اللہ تعالیٰ ان کی آرام گاہوں کو شہر میں ہوں تو جہاں کی روشنی سے اور گڑبڑ میں ہوں تو روشنی کے تیل کے دیووں سے روشن کرے)

ان مرحوم مدفور دیووں کے امام ایوان اب بھی اگر باقی ہوں تو انہیں عید پاک! نیرنگ خیال کے عید فیر کے کتاب کو شرفیادہ ہمارے اس علمی ادبی اصلاحی اخلاقی مذہبی انتہیدی صوفیانہ خلیفہ زاد اور محققانہ مقالے کو ہمارے گذشتہ علمی اور ادبی مقالے (یعنی دال کی زلیلا) کی طرح کتابت کی غلطیوں سے کہیں کہیں بے مزہ اور کہیں کہیں بے معنی بنا کر نہ دکھائے عید پاک ہمارے کوئی بستر خالی نہیں اگر دیووں کی تعجب نہ بجائے تو اس کا علاج بہت خوب کا ہے

غلام غلام اللہ کا تہہ کر شعر مرا جہاں کچھ بود نوشت نہ نہ خواست  
اگرچہ شعر ذوق اندازد شاعرے گیرد مریخ دراست درمہرچہ دولت

عید ہر سال آتی ہے اور بعض محققان نسبت عرب فطرس کی زبانی سننا کہ ہے کہ اسے عید اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ ہر سال آتی ہے تحقیق کی اس رائے کی خامی ظاہر ہے۔ کیونکہ روزے بھی (عید سے ایک مہینہ پہلے) ہر سال تشریف لاتے ہیں۔ اور یاد ہو کہ ہر سال تشریف فرما ہونے کے عید نہیں کھاتے۔ ہمارے ذاتی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ عید کو عید صرف اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ عید ہے اگر عید نہ ہوتی تو اسے عید کون کہتا۔ اور اگر کوئی کہتا تو یہ تو قوت کلاماً اسطرح روزے بھی روزے اس لئے کہلاتے ہیں۔ کہ وہ روزے ہیں۔ اگر روزے روزے نہ ہوتے تو انہیں کون عید روزے کہتا +

فحقی نے رسبہ کو ہر سال دو عیدیں آتی ہیں۔ ایک چھوٹی عید یعنی عید الفطور اور ایک بڑی عید یعنی عید الفطر (جیسے رسالوں اور اخباروں کے مدیران سنسٹوں اور فزیشنوں کو آمید راضی کہتے ہیں) چھوٹی عید سے پہلے روزے رکھنے پڑتے ہیں اور تراویح میں چڑھتی پڑتی ہیں۔ بڑی عید سے پہلے نہ روزے رکھنے پڑتے ہیں۔

آ آ۔ اسے اپنے جلال ابرو سے عاشق کے اقل تخیل پر ہلال عید نمودار کر دینے والی آ۔

آ آ۔ اسے اپنی گریہ، فطرسے عاشقوں کے کڑوا دل کے کچھ بھوشانی و کھر منہ بھوشانی کو بجا بجا بنا کر آواز دینے والی آ۔

آ آ۔ اسے اپنے ہونٹوں کے لعل ذباب کی سیال سرخی سے میرے آنکھوں کی شمع کی رنگینوں کو تاریکی میں تبدیل کر دینے والی آ۔

آ آ۔ اسے اپنی ہرگز نہ خارا آنکھوں کی گریہ شمس سے بزم حجت کے باد خواہ کوہ ہوش بیوقوف بخت اور بھولا خواہ اس بنا دینے والی آ۔

آ آ۔ اسے اپنے ترکش شرکاء کے ایک ایک تیرے سو سو دیوں میں ہزار ہزار چھید کر دینے والی آ۔

آ آ۔ اسے اپنا خدائی انگوٹھا دکھا کر اپنے آوارہ مزاج چلتا دیوں کے خرم و شرم کو الگ لگا دینے والی آ۔

آ آ۔ اسے حسن کی دیوی جس نے باوجود اپنی تاثیرت کے عشق کے دیو کو باوجود اس کی تذکر کے مغلوب و مقہور کر لیا ہے۔ اپنی اس فتح پر اور درخشاں ثانی کی اس شکست پر ہرگز نہ زبردستی کیونکہ شکست و فتح فیصلوں پر ہے۔ دیکھ کر غلاب قویہ ہوا ہے۔ اس غرقت پر نظر کرادے آ۔

آ آ۔ اسے نشوونما کی متوالی۔ نشوونما آنے والا ہے۔ اور بڑھاپا آجائے والا ہے۔ دیکھ کر میں بھی آج سے چالیس سال پہلے جان تھا۔ اب بڑھاپا ہوں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون پر غور فرما اور آ۔

آ آ۔ اسے حسین قتالہ۔ قتل معجز ہے۔ اور اس جرم کی سزا بجا منسی ہے۔ مضافات محل سے غافل نہ ہو اور ضرور آ۔

آ آ۔ اسے حسین و جلیل ساحرہ۔ تو جانتی نہیں کہ کونسا کیرہ ہے اور اسی گنہ کی پاداش میں سماں زہر اور آس کے دونوں بھائی مسمی باروت و مسمی باروت چاہا بل میں قید کر دینے گئے تھے۔ ان تاریخی واقعات سے عبرت حاصل کر اور آ۔

آ آ۔ اسے دختر ترسا۔ دیکھ کر میں تیرا پڑوسی ہوں اور انجیل کا حکم ہے کہ اپنے پڑوسی سے محبت کر (اور اپنے غاوند سے نفرت) اس مقدس حکم کے سامنے ہر سبیل غم کرادے آ۔

آ آ۔ اسے مسیحائی کا دم بھرنے والی اور ساتھ ہی بلغات عشاق میں دہ سسر و دہول۔ دہ و مدہ۔ بجا۔ نمونہ۔ وجہ حاصل۔ تپ محرقہ۔ تپ لڑنے بیہ اور طاعون پڑنے والی۔ خدا سے ڈر اور آ۔

ہیں اور رسالوں کے مضمون نگاروں کو منطقی ہونے کی ضرورت ہے۔ نہ مولوی بڑی کی حاجت۔ صرف رسالوں کا مضمون سمجھ کر جانا کافی ہے +

آج عید قسم کی عید ان لوگوں کی عید ہے جو سید حساسے مسلمان ہوتے ہیں۔ نہ روزے کی طاعانی پر بحث کرتے ہیں اور نہ اس کے طبعی اغراض و مقاصد کچھ واسطہ رکھتے ہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ روزے آئے۔ بڑے اہتمام سے سیکے آئے۔ بھر خوشی مٹا دیتے ہیں۔ دن بھر نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں (پینے میں حق باتی دونوں شامل ہیں) اشام کو افطاری کا انتظام کرتے ہیں۔ اور بڑے میلے سے روزہ کھاتے ہیں۔ مینہ بھرا سی پروگرام پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ مینہ گزرنے پر (یا ایک دو دن پہلے ہی) بڑے شوق سے ہلال عید کے لئے افق مغرب پر آنکھیں سی دیتے ہیں اور چاند دیکھ کر ہانسی کر کے کسی نے چاند دیکھ لیا ہے۔ عید کی تیاریوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دوسرے روز صبح سویرے آٹھ گھنٹہ دھوکہ (یا بعض صورتوں میں نہا کر) سنے یا سٹلے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں۔ اور عید گاہ میں جانے کے لئے بارگاہ ہوئیٹے ہیں۔ جب عید گاہ میں پہنچے مین سیدی کریشے ہیں دہمینی انہی سیدی قسمی ان سے توقع ہو سکتی ہے تو نڈا تکیوں کے لئے مین نڈا میں ادھر ادھر دیکھتے جاتے ہیں کہ خطی نہ ہو جائے۔ نڈا ختم کر کے باقی تمام نڈاؤں سے بنگلہ پڑا ہیں اور اس عید کا گمانا بخشتا ہے۔ پھر گھر آتے ہیں اور دہمینی کے ہوئے تو تینیاں اور دنا ہور کے ہوئے تو سیدیاں لگاتے ہیں۔ اس قسم کے کام پورے سادے مسلمانوں کو بہت مبارک!

دوسری قسم کی عید ان لوگوں کی عید ہے جو پہلے مسلمان ہوتے ہیں۔ روزے اس لئے رکھتے ہیں کہ روزے رکھنا فرض سمجھتے ہیں اور عید اس لئے نہیں کرتے۔ کہ عید کا سامان کرنے کی توقع نہیں ہوتی۔ سنے کپڑے تو غیر پڑائے کپڑوں کی تھلائی بھی نہیں دے سکتے۔ عید گاہ میں جاتے ہیں لیکن کوئی ان سے بنگلہ نہیں ہوتا۔ بچارے دڑتے دڑتے دوسری سے لوگوں کو عید مبارک کہہ دیتے ہیں اور چونکہ انکی عید مبارک کے جواب میں عید مبارک کہہ دیتے ہیں وہ گویا نئی نوع انسان کے لئے بڑی قربانی کرتے ہیں۔ اور اس قربانی پر دل ہی دل میں اذان رہتے ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ گھڑو یا زانیک ہی عید میں گھر سے تو ہوجاتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ کوئی وقت ایسا آئے کہ یہ بات بھی داستان پارینہ ہو جائے۔ ان کے ہر گز دنا مسلمانوں کو بہت بہت عید مبارک!

تیسری قسم کی عید ان مسلمانوں کی عید ہے جو سب سے زیادہ اسلام کے خواہاں ہوتے ہیں۔ گویا نہ صرف محمد یا بوجہ دیگر وہ روزے نہیں رکھ سکتے لیکن عید بھی

نہ تو رکھیں نہ پڑھتی ہیں۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ چھوٹی عید کو چھوٹی عید اور بڑی عید کو بڑی عید کہتے ہیں۔

دولت آں است کہ بے خون دل آید کینار

ورنہ باسی و مل باغ جناں ایں حسہ نیست

بے شک ایں ہمہ نیست۔ تیس دن روزے رکھ کر ایک دن کھینک لینا بھی اگر عید ہی سہے تو اس عید کو زیادہ سے زیادہ چھوٹی عید ہی کہہ سکتے ہیں۔ زیادہ نہیں + نیزنگ خیال واسے ہمیشہ چھوٹی عید کے موقع پر عید غیر نکالتے ہیں۔ معلوم نہیں دن کو روزے رکھ کر اور رات تو تراویحیں پڑھ کر یہ لوگ کون سا معجزہ کھاتے ہیں کہ دن رات ایک کر کے نیزنگ خیال کے عید غیر جیسا ایک غیر کھاتے اور بے حد کھینچتے غیر مرتب کر کے تیار کر لیتے ہیں۔ غالباً جہاں تک روزے اور تراویح کا تعلق ہے ان بزرگوں کی چھوٹی عید کسی طرح بھی بڑی عید سے چھوٹی نہیں ہوتی +

ایں سعادت بنور بازو نیست  
سا نہ بخشہ خدا سے بخشندہ  
اندریں حالات میں غالب یہی ہے کہ نیزنگ خیال وادوں کی عید (یعنی چھوٹی عید) عید کے مندرجہ ذیل اقسام میں سے تیسری قسم کی عید ہے۔ اگر چاہا میں مین اذین نہ ہو۔ تو یہ صاحبان ہمیں اعلان دے سکتے ہیں۔ ہم نہایت محنت دل سے مزید شایع کرنے پر تیار ہوں گے۔ اگر اس پر بھی ان کی کسبئی نہ ہو تو وہ ہم پر ازار و اثبت عرفی (یا اگر چاہیں تو ازار و اثبت نفی) کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ خرچہ عدالت و خرچہ وکیل وغیرہ کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے +

ناظروں کرام پر ہوا حق ہو کہ جہاں ابتدا سے اسلام میں مسلمانوں کی صرف ایک قسم ہوتی تھی۔ وہاں اسلامی تیو بار بھی صرف ایک ہی قسم کے ہوتے تھے۔ بچا ہوا زمانہ ترقی کرنا گیا اور علم و تمدن کی برقی روشنی نے انسانی آنکھوں کو خیر و خیرہ کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کی کئی قسمیں ہوئیں اور ساتھ ہی اسلامی تیو باروں کی بھی کئی قسمیں بن گئیں۔ چنانچہ چھوٹی عید، بچاری بھی اس قسم سے نہ بچ سکی۔ اور چار قسموں میں منقسم ہو گئی +

(۱) ان لوگوں کی عید جو روزے رکھتے ہیں اور عید کرتے ہیں +

(۲) ان لوگوں کی عید جو روزے رکھتے ہیں اور عید نہیں کرتے +

(۳) ان لوگوں کی عید جو روزے نہیں رکھتے اور عید کرتے ہیں +

(۴) ان لوگوں کی عید جو روزے رکھتے ہیں اور عید کرتے ہیں +

اس تقسیم پر اگر کوئی منطقی متغیبات اعتراض مولوی یا کوئی مولوی اعتراض کرے یہ اس کی حاجت ہے۔ کیونکہ ہم بہرہ تعالیٰ نہ منطقی ہیں۔ نہ مولوی۔ صرف مضمون نگار۔

برہنہ کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ اگر نیرنگ خیال کے پڑھنے والوں میں بھی کئی صاحبِ مجدد مذهب مسلمان ہوں۔ تو وہ ہیں اس امر میں مضبوط کھینچیں +  
تقسیم اصولی تھی۔ اگر فروعات کا خیال کیا جائے تو ان کو کئی قسمیں ہیں: عید گاہ، عید کرنے والوں کی موجودگی، مشغلوں کو جو کھری کھاتے ہیں اور روزے نہیں رکھتے۔ اس صنف کے بدلہ لایا پرانے زمانے کے ایک بزرگ تھے۔ رمضان آیا اور آپ نے بیگم صاحبہ کو تاکید کی کہ سحری کے لئے یہ چیز بھی تیار جونی چاہئے اور وہ چیز بھی۔ یہ کھانا بھی ہو اور وہ بھی۔ اسی طرح کئی عید عہدہ کھاتے ہیں تاکہ انے کا انتظام فرمایا۔ اور سحر کے وقت ان کا ہون پر خوب ہاتھ صاف کیا۔ دو چار دن یہی برزگرم چلتا رہا۔ ایک روز جوی کو معلوم ہوا کہ میاں کھری کو کھاتے ہیں لیکن روزے نہیں رکھتے۔ کھری کے اس جبر ترد پر نا راض ہوئی اور میاں سے شغایت کی کہ کب آپ روزے نہیں رکھتے تو آج رات کو کچھ کھری تیار کرنے کی تکلیف کیوں دیتے ہیں میاں نہایت خفتے ہوئے۔ یہ بوقتِ اتم نے مجھے اتنا ہی کا فر کھ لیا ہے کہ کون سے بھی نہ رکھوں اور کھری بھی نہ کھاؤں +

سبحان اللہ کیا استغفار واجب ہے بغضت بھی ہی ہے کہ جہاں مسلمانوں کو روزے رکھنے کی تاکید ہے وہاں کھری کھاتے ہیں یہی حکم ہے۔ اگر وہ توں ملکوں کی تعین ممکن نہ ہو تو ایک حکم کی تعمیل ہی کسمی۔ اسی صنف کے ایک اور مسلمان کی روایت کرتے ہیں کہ وہ نہایت بڑھا کر تھا۔ ایک دوست نے گھوٹا کر تم سمنان جو کر نماز نہیں پڑھتے۔ اس نے جواب دیا کہ قرآن کے حکم کی تعمیل کرنا ہوں۔ دوست نے حیران ہو کر پوچھا کہ قرآن میں نماز نہ پڑھنے کا حکم کہاں ہے۔ اس نے کہا قرآن شریف میں آیا ہے۔ فاتحہ باریعہ الحمد للہ۔ (یعنی نماز باسجد کے لئے مذکور مت جائی دوست نے کہا کہ اگلی عبارت بھی پڑھئے (دائم سحری) یہاں لکھتے ہیں (جو) اس پر وہ شخص جھنجھلا کر بولا کہ اس سے قرآن پر تمہارے باپ نے عمل کیا ہوگا۔ ہم سے تو جنابن پڑھا ہے کرتے ہیں +

اس قسم کے تمام مسلمانوں کو چونکہ وہ کھری بھی کھاتے ہیں اور عید بھی کرتے ہیں اگر وہ روزے نہیں رکھتے، اور نیز جو لوگ ان کے پاس ایسا کرنے کے متحمل نہ لایا ہو موجود ہیں۔ عید مبارک!

اس فریضہ کی تعمیر میں ان گلوں کا ذکر بھی غالباً چھانچا ہوگا جو روزہ رکھ کر اور روزہ انانیت سے خارج ہو چکا تھا تاہم یہی نہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ روزہ رکھ کر دن بھر اپنے لئے نہ پرتیا رہتے ہیں۔ اگر کسی کو اس بات بھی ان کے خلاف ملے جو گئی تو وہ فوراً خفت میں آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ کو پشیمان کیا ہے کہ میں نے

زیادہ شان و شوکت کے ساتھ مناتے ہیں۔ عید گاہ میں سب سے پہلے تشریف لے جاتے ہیں اور سب سے پہلی صفت میں کمرے سے ہوتے ہیں۔ اور غریب مسلمانوں کے ساتھ شان و شرفان نماز میں شامل ہو کر دنیا کو بجا دالغض کی تعلیم دیتے ہیں۔ عید گاہ سے نکل کر سب سے پہلے گھر آتے ہیں۔ اور آرام کر کے پڑھ لیتے ہیں۔ دو چار قسم کے خٹک ہو سکتے ہیں اور کچھ شریفی وغیرہ رکھ دیتے ہیں۔ یہ تمام شہر کے لئے خوان بیا ہوتا ہے۔ لوگ آتے ہیں سلام کرتے ہیں۔ عید مبارک کہتے ہیں اور دو چار دانے کسی چیز کے کھا کر دالغی کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ یہ پانا با نادو تین گھنٹے کا رہتا ہے۔ آپ کر سہی پڑھیں دل ہی دل میں بڑی احتیاط سے ان لوگوں کی فرست تیز کرتے جاتے ہیں جو ان کے پاس سلام کرنے کو آتے ہیں اور صحیح سنوں میں مسکن کھلانے کا حق رکھتے ہیں۔ جو بچہ کسی مقبول یا غیر مقبول وجہ سے عید کے سلام کے لئے حاضر نہیں ہو سکتا وہ ایک سنت میں درج کرتے جاتے ہیں۔ یہ سیاہ فشان بھی دل ہی میں مرتب ہوتی ہے اور اسل بیان بڑھتے بڑھتے ان صاحب کے دل کو بالکل سیاہ کر دیتی ہے۔ یہ لوگ چونکہ اسلام کے حیر خواہ ہیں اور لیکن انہوں میں میں منت پھیلنے لگے۔ انہیں بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو بھی عید مبارک!

چوتھی قسم کی عید ان لوگوں کی ہے جو عید عہدہ عہدہ یا سنت مسلمان ہیں۔ نئی تہذیب کی روشنی سے ان لوگوں کے دل کو اس درجہ متاثر کیا ہے کہ وہ ہر ایک چیز کے عقائد و معارف پر نگاہ ڈال کر دیکھنے لگے۔ ہر گھنٹے میں وہ دوشہ کی فلاحی پر غور کرتے ہیں تو کم از کم موجودہ زمانے میں روزے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس لئے وہ روزے نہیں رکھتے۔ وہ روزے کے طبی پر غرض پر نظر ڈالتے ہیں تو اسے کبھی صورت میں ضروری نہیں سمجھتے۔ جب کبھی عید ادا بہار پڑ جاتے ہیں تو ان کے اشرکہ مشورہ پر ایک اور دھت کھانے کا فائدہ کرتے ہیں عید یہ لوگ اس لئے نہیں کرتے کہ اس میں انیس اسراف نظر آتا ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ اگر اکل مسلمانوں کے لئے کفایت شکاری ایک ایسی ضروری چیز ہے جس پر تمام توبہوں کو قرآن کیا جاسکتا ہے۔ عید گاہ میں وہ اس لئے نہیں جاتے کہ وہ ہمیشہ (یعنی دن رات) انگریزی لباس میں ملبوس ہوتے ہو اس لباس میں رکوع سجود اور تہجد کا رے دارو۔ ان تہذیب یافتہ مسلمانوں کو اگر کوئی آدمی (خاصی سید) عید مبارک کہہ دے تو وہ اسے بوقت سمجھتے ہیں۔ لہذا ہم چونکہ بوقت نہیں اور اگر دالغی نیرنگ خیال کی رائے میں ہم بوقت میں بھی تو بوقت کھلا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے ہم ان چند متدب مسلمانوں کو عید مبارک کہنے سے

دوسرے مہفعات سے روزہ کھونے والے روزہ داروں کو عید مبارک !  
 اور سچ پوچھتے تو عید صرف ان بچوں کی عید ہے جن پر ابھی روزے فرض  
 نہیں لیکن شوق سے روزے رکھتے ہیں۔ دن بھر کی بھوک پیاس اور پابندی  
 ان کے بھول جیسے چہروں کو سر جھاتی ہے۔ ابھی روزہ کھانے میں دو تین  
 گھنٹے باقی ہوتے ہیں کہ وہ گھر گھر کو ہر پانچ منٹ کے بعد گھر کے برہوں سے  
 پوچھتے ہیں کہ افطاری میں ابھی کتنی دیر ہے۔ ماں باپ انہیں دن میں کئی  
 دفعہ روزہ توڑ دینے کے لئے کہتے ہیں۔ لیکن وہ نہیں مانتے۔ ایک دو تین کئی کئی  
 روزے اس طرح رکھ کر دیتے ہیں اور پھر عید بھی اسی شوق سے مناتے ہیں۔  
 ایسے تمام بچوں کو عید مبارک !

اما عید تمام مولوی صاحبان کو خواہ وہ "مولوی امام مسجد ہوں" خواہ  
 مولوی فیہرام مسجد (یعنی خواہ وہ نماز اچھا پڑھتے ہوں خواہ نادان) اور تمام  
 مولوی صاحبان کو خواہ وہ دیوبندی ہوں خواہ فرقہ گری علی خواہ مقلد ہوں خواہ  
 غیر مقلد۔ خواہ خفی ہوں خواہ غیر خفی۔ خواہ چشتی ہوں خواہ غیر چشتی۔ خواہ سی سائی  
 ڈی ہوں۔ خواہ فیہری آئی ڈی خواہ بچے خواہ دارہوں خواہ صرف و لطیف خواہ  
 خواہ مسجد کے پڑھے ہوں خواہ مدرسہ کے (یعنی خواہ نازعہ پڑھنی پڑھانی آتی  
 ہوں خواہ نہ آتی ہوں) خواہ ندوی ہوں خواہ غیر ندوی۔ خواہ مکہ پڑھ سکتے ہوں خواہ  
 مطلق ان پڑھ ہوں۔ جو اس کے کہ انہیں روزے کھاتے ہیں نہ کبھی نہیں  
 دیکھا اور جو اس کے کہ وہ تاسر ٹاڑا ہی دار ہوتے ہیں (خواہ وہ ڈاڑھی مختصر  
 ہو خواہ طویل) عید مبارک !

پھر ان تمام واعظ صاحبان کو جو رمضان شرعاً منہ میں مسجد و کھڑکیاں  
 سمجھ کر متاع و مغنیہ بننے کے لئے شہر شہر پھر کر گئے ہیں اور ہر وعظ میں بالآخر  
 یہ بتایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی (امیر) آدمی کسی مفصل وجہ سے یا کسی ضرورت سے  
 سے روزے نہ رکھ سکے تو وہ فی ہفۃ کہ قدر لکھی سخت کو (یعنی غنیۃ اعطایا صاحب کو)  
 دے۔ نیز ان تمام حافظ صاحبان کو جنہیں تراویحوں میں قرآن سنانے کے لئے  
 کوئی مسجد ملے گی جو یا جنہیں باوجود دو کے قرآن سنانے کے لئے کوئی  
 مسجد نہ ملے ہو۔ خواہ قرأت ان کی بصری ہو خواہ سمعی (کیونکہ یہ دونوں کا برابر  
 ہے) عید مبارک !

سب سے بعد (لیکن سچ پوچھتے تو سب سے پہلے) خود وہیں کہ ہم رہتے  
 سب کو عید مبارک کہی۔ اور کسی نے میں عید مبارک نہ کہی۔ عید مبارک !  
 (خاص) ادیب اے آبادی

روزہ رکھا ہے (گویا عام اولاد آدم پر احسان کیا ہے) اگر دوسری طرف سے جواب  
 میں ذرا بھی اونچ نیچ ہوئی تو یہ صاحبان ایک دوسرے کے ٹھوگر بن گئے۔ اور تحفہ متوق  
 شریعت کو کہا خشک بچھا یا کہ پکڑی جا پیئے۔ اس قسم کے واقعات رمضان میں عام  
 پڑھتے رہتے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو آخر روزہ رکھا ہے۔ اور اگر روزے سے  
 طبیعت پر اتنا اثر بھی نہ ہو تو وہ روزہ روزہ ہی کیا۔ جو لوگ روزے اس شدت  
 سے رکھتے ہیں۔ لہذا ان اصحاب کو بھی عید مبارک !

اسی تقسیم میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو رمضان میں سختی اور افطاری کو ملا کر  
 روزانہ انا لکھا جاتے ہیں۔ جتنا وہ رمضان سے باہر نہیں دن میں بھی نہیں کھا سکتے۔  
 نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عمدہ کام کرنے سے جواب دے بیٹھا ہے۔ انہی لوگوں کی برکت  
 سے رمضان میں اگرچہ بعضی اور بیسہ کی شکایت ہو جاتی ہے۔ دن بھر ان لوگوں کے  
 منہ سے سوہنم کی دوسرے بول آتی رہتی ہے اور ان کے پاس بیٹھا ایک اچھی عامی  
 مصیبت بن جاتی ہے۔ مگر یہ لوگ اس بات پر بھی فخر کرتے ہیں۔ اور فخر کیوں نہ کریں۔  
 مولوی صاحبان ان کو رمضان کے حلق میں ہمیشہ جابا کرتے ہیں کہ عمدہ دار کے منہ  
 سے جو بول نکلتی ہے۔ اُسے نکلتے ہی فرشتے منہ میں ڈال کر آسمانوں پر چلے جاتے ہیں۔  
 ممکن ہے یہ بات درست بھی ہو۔ ورنہ یہ لوگ تمام کڑواہی کی نوک و تیغیں کر دینے کے  
 اہل ہوتے ہیں۔ بہر حال صرف پرخوری کے الزام پر ان صاحبان کو عید مبارک سے  
 محروم رکھنا قرین انصاف معلوم نہیں ہوتا۔ لہذا ایسے تمام مدوہ داروں کی خدمت میں  
 بھی عید مبارک !

اگر دیکھا گیا ہے کہ وہ روزہ دار جنہیں تمباکو پینے کی عادت ہوتی ہے۔ تمام  
 دن حقہ نہ پینے کی وجہ سے شام کے وقت بالکل بے صبر ہو جاتے ہیں۔ افطاری سے  
 ایک گھنٹہ پہلے حقہ کے کھینچتے ہیں اور اسے تازہ کرتے ہیں اور پھر تازہ کرتے ہیں  
 افطاری سے چند منٹ پہلے چلے چلے خشک پٹا دوسری تمباکو بھر کر دیتے ہیں اور باسلامی  
 ہاتھ میں لے کر کھانے کا انتظار کرتے رہتے ہیں جب اور دوسرا ٹم ہوئی انہوں نے  
 تمباکو کو باسلامی دکھائی۔ اور دو تین وہ زبردست کش حقہ کے لئے کہ لا ان لا ہا  
 بکاس فیصدی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ کش لگاتے ہی لیٹ جاتے ہیں۔ اور بیچوش  
 ہو جاتے ہیں۔ بوش آتے ہیں کہ فشان لگا ہیں زبان حال سے حقہ کو محالہ کہے  
 کتنی ہیں سہ

میں شمع جاں گزارد و صبح دل کشانی سوزم گرت نہ نیم ہر دم جو مرغ نسائی  
 نزدیکیت میں چنینم و دما چنان کہ گنغم نے تاب وصل دام نہ طاقت جدائی  
 غلبہ آقا کو نسواں چرس چند و ملک گاہا ایمنو شراب بنگ اور اسی قسم کے

# ہاشمی کی یوسف زلیخا اور ادوشہ پاپے

از جناب مولانا نجیب الشرف صاحب ندوی ایم اے

پھر بھی ان کے صفحات کے مطالعہ کرنے والے کو یہ صاف نظر آتا ہے کہ ان کی بھی یہ کوشش ہے کہ جہاں تک ہو سکے تمام قدیم مصنفین کو اپنی ثابت کیا جائے۔ اور یہی لئے وہ ان تصانیف کے متعلق جو اردو کی گزشتہ شکل میں لکھی گئیں اور جن کی ایک بھی تعداد موجود ہے۔ یہ توضیح کرتے ہیں کہ ان کیوں نے نوادہ گجراتوں کے اثرات کے باعث اپنی دینی زبان کو بھی گجری، گوجری، گجری یا گجراتی لکھنا شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ قدرے کہ یہ گوجری تصانیف ان لوگوں کی ہیں۔ جو گجرات سے کسی کسی وجہ سے دکن گئے یا ان کی تصانیف دکن تک نہیں۔ اور یہ لفظ ان کے ہاں اس وقت تک جاری رہا جب تک ان کی زبان اپنی نہ بن گئی۔ دوسرے فاضل ڈاکٹر صاحب نے لکھی ہیں اس بات کا حوالہ دیا ہے اور نہ ذکر کیا ہے کہ وہ کون کون سی تصانیف ہیں جن کے مصنفین نے اپنی زبان کے لئے گجری، دکن کا لفظ استعمال کیا ہے مثلاً ابن نے اپنی ثنوی یوسف زلیخا کو گجری زبان میں لکھا ہے۔ لیکن فاضل مرتب نے نہ صرف یہ کہ اس کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس غریب کی تقریباً ۴۰۰ اشعار کی طویل ثنوی سے ایک سطر بھی نہیں دی گئی۔ یہی حال ان تمام دوسرے مصنفین کی کتابوں کا بھی ہے جن کو فاضل مرتب نے گجراتی تسلیم کیا ہے۔ مثلاً شیخ خولہ، علی حیدر کام وطنی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن چونکہ بیان پر ہم کو اس تصنیف کے اس پہلو پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں اور انشا اللہ کسی قریبی محنت میں اس کے متعلق عرض کریں گے۔ یہاں پر ہم اردوشہ پاپا سے کے مرتب کو ہاشمی کی تصانیف کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں +

خوش قسمتی سے مجھے اپنے ایک دوست جناب سید عبداللہ بدیع اللہ بن الدین حماد بی۔ اے کے کتب خانہ میں متعدد گجراتی مصنفوں کی اردو یا گجری یا گجری تصانیف کے کچھ نمونوں کے ساتھ ہاشمی کی یوسف زلیخا کا ایک قدیم نکل ملی تھا۔ یہ بھی مل گیا ہے۔ اردو ہاشمی کی ذات اُوس کے عقاید اور اُوس کی تصنیف ہے ایک بڑی حد تک روشنی ڈالتا ہے۔ ہمارے فاضل مرتب اردوشہ پاپا سے نے

جامعہ عثمانیہ کے قیام آنجن ترقی اردو کے اجراء اور سالہ اردو اور ادب کے آباد کے اجرا سے اردو زبان کو جہاں دوسرے بہت سے فائدہ سے ہوئے ہیں وہیں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ اہم فائدہ یہ ہوا ہے کہ ان اداروں نے اردو کی تدریجی تاریخ و ارتقاء کی تحقیق کا ذوق و شوق پیدا کر دیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہے کہ پڑانے تدریس کے قدیم اردو کے محفوظہ متعذر مشہود پر آسے ہیں۔ بلکہ یہ کوشش کی جارہی ہے کہ اردو کو صد سالہ بلکہ اگر ہو سکے تو چار صد سالہ تاریخ کا مسلسل و مربوط طریقہ سے مرتب کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی چار صدوں کے گذشتہ تاریخ صدی میں خاص اہمیت، وسعت اور اثر حاصل کر لی ہے۔ اس لئے ایسے مصنفین کی ایک بڑی جماعت اس کوشش میں مسرور و نشاط آتی ہے کہ وہ جس صورت سے بھی ہوا اپنے اپنے صوبہ کو اردو کا اہم وطن نہیں تو کم از کم اُس کی ارتقاء کا مرکز ہی ثابت کرے اور اس صوبہ کی تعصب و تجزئہ جہاں ذہین محققین سے بہت کچھ قیمتی چیزیں لکھوالی ہیں وہیں غلط بیانی یا کم از کم مخالفت سے کام لے کر مرتب کے دوسرے بہت سے صوبہ کے مصنفین کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ اردو کا قلم دکن میں اردو بہادر میں مدہ پنجاب میں اردو وغیرہ اسی قسم کے سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔ لیکن حال ہی میں ان کے علاوہ ایک اور کتاب اردوشہ پاپا سے کے نام سے حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے +

اس کے مرتب اس جدید جامعہ کے فاضل تحصیل اور جامعہ لدن کے سند یافتہ ڈاکٹر جناب سید محمد امین قادری صاحب زور ایم اے بی ایچ ڈی ہیں۔ جناب ڈاکٹر اپنی دوسری تصانیف اور فقہی مقالوں کی وجہ سے اردووں طبقہ میں محتاج تہارت نہیں ہیں۔ ان کی یہ کتاب جو اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے ایک بڑی حد تک صوبہ کا تعصب سے پاک ہے اور دست خیال اور آزادادی راستے سے کام لے کر انہوں نے بہت زیادہ غیر جانہارا و مزہدہ کا قلم رکھا ہے لیکن

ہے۔ اس حساب سے اس مخطوط میں ۱۴۰۰-۱۶۰۰-۲۰۰۰-۲۸۹۰۰ اشعار ہیں۔ ایک قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ یہ عنوانات اردو و فارسی میں ہیں۔ حالانکہ اس ممد کے بہت بعد تک اکثر شاعری نویس شعرا کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ سرخیاں فارسی میں لکھا کرتے تھے۔

جناب آدو نے ہاشمی کے حالات میں مندرجہ ذیل چیزیں بتائی ہیں۔ اس کا نام سید میراں تھا۔ سید شاہ باختم کا پیر۔ بونے کی وجہ سے اسے اپنا تخلص ہاشمی رکھا۔ وہ بچاپور کا باشندہ تھا۔ وہ بالکل اندھا تھا۔ وہ علی عادل شاہ (۹) ۳۰ درباری شاعر تھا۔ اس کی تین تصانیف ہیں (۱) ترجمہ احسن القصص (۲) یوسف دلیخا (۳) خزل کا دیوان۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے ہاشمی کے رباعی دیوان کا بھی تذکرہ کیا۔ اور اس کا انتخاب دیا ہے۔ ایک مرتبہ کا بھی ذکر ہے اسے

مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں ایسی جگہ ہوں جہاں تاریخ کوئی ونگہ کی کوئی کتاب بھی میرے پاس نہیں ہے۔ اس لئے میں ہاشمی کے متعلق جو کچھ لکھ چکا وہ اس کی اس نامکمل شاعری تک محدود ہوگا۔ البتہ اس کے عقائد کے سلسلہ میں نے ریاست پٹن پور کی فوجی تاریخ سے مدد لی ہے کہ اس ریاست کے فرمانروا اور وہاں کی مسلم آبادی کا ایک اثر جسے اسی سمت اور اسی بھائی کا پیر ہو ہے ہاشمی کے اصلی نام کے متعلق اس مخطوط سے کچھ نہیں چلتا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہ تخلص اس کے پیر جناب سید باختم نے دیا تھا۔ چنانچہ وہ خود لکھتا ہے

سکت کاں ہے اتنی جان دار میں کروں وصت باختم کا اطلب ار میں  
اوسے کیچہ گھر کا ہوں میں سہ فرزاں اوئی ہاشمی جسکوں بویس نواز  
یہ سید باختم اس جوعت سے تعلق رکھتے تھے جناب سید محمد چوہدری کی کومدی مودود تسلیم کرتی ہے۔ اور ہاشمی اسی کا پیر ہے۔

جناب سید محمد چوہدری کے کہنے میں جو چوہدری پیدا ہوئے وہیں تعلیم حاصل کی اور وہیں ولایت کے تمام مدارج طے کئے۔ اس کے بعد گجرات و دکن کی سیاست کے بعد وہ ج کو گئے اور وہیں اپنے مدی مودود کے اعلان کیا۔ اس کے بعد گجرات آئے۔ اور یہاں بھی اپنا اعلان دہرایا۔ لیکن زمانہ کو مخالفت پاکر مختلف مقامات سے ہوتے اور اپنی تعلیم بھلائے فرح ملک بیچے اور وہاں کا

بجز اس مختصر رباعی دیوانوں کے جو جناب آغا محمد حسن کے ذاتی کتب خانہ کی زینت ہے۔ اس کی کسی دوسری کتاب کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ان کا خود بیان ہے کہ

”معلوم ہوا کہ آغا محمد حسن صاحب دہلوی کے کتب خانہ میں بھی اس کا مخطوط محفوظ ہے۔“

بھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک محقق جو جدید آباد میں رہتا ہے اسی شہر ان ہی آغا محمد حسن صاحب کے کتب خانہ کی ہاشمی کی ایک کتاب کا صرف مطالعہ کر تا بلکہ اس کا انتخاب اپنی کتاب میں درج کرتا ہے۔ اور پھر بھی ہاشمی کی اس اہم ترین تصنیف کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ایک فنی تحقیق کا یہ کیا فی اصول ہے؟ اگر فاضل مرتب اس تکلیف کو گوارا کر لیتے تو شاید ان کو اس اعتراف کی فہمت نہ آتی کہ

”اس کا (یوسف دلیخا) ایک نسخہ جرمنی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

لیکن چونکہ ان کو اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس لئے وہ اس کے متعلق قطعی حالات پیش کرنے سے مجبور تھے۔“

پس اگر ہم جرمنی اور آغا صاحب کے نسخوں کا وجود تسلیم کر لیں۔ اور اس سے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ تو ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ اس شاعری کا تیسرا مخطوط ہے۔ اور اس لئے نامکمل ہونے کے باوجود خاص اہمیت رکھتا ہے۔

اس مخطوط کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے شروع و آخر کے چند ہی اوراق ضائع ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ نامکمل نسخہ ہندوستان کے پڑنے والی مودود جناب سید محمد چوہدری کی تعریف سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے خیال ہے کہ اس کے پہلے زمانہ از زمانہ حمد و ثناء اور شاید مناجات بھی کا حصہ ہو۔ اس طرح آخر میں فاتحہ کا پڑھا ہوا ہے۔ اور شاید دو چار ہی ورق کم ہوں۔ لیکن یہ اوراق ہاشمی کی ذاتی حالت اور قابلیت کی واقفیت کے لئے بہت اہم ہونگے۔ کیونکہ آخری صفحہ کے آخری چند اشعار وہ ہیں جو ہاشمی کے پیر کی زبان سے اسکی حالت کو بیان کرنا شروع کرتے ہیں۔ اور ان سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ اندھا تھا اس مخطوط میں ۱۴۰۰ اشعار ہیں اور ہر صفحہ پر اشعار ہیں۔ لیکن بیچ بیچ میں سرخ ریشہ نانی سے تقریباً ۲۵ سرخیاں بھی لکھی ہوئی ہیں۔ اور ہر سرخی دو سطروں کی

شعرہ اردو کے شعر پر اسے جلد اول ملاحظہ ہو۔ یہاں پر یہ بات بھی قابل ملاحظہ کہ فاضل مصنف نے اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں یورپ کے مختلف کتب خانوں میں جانکوائی ملاحظہ کا مطالعہ کیا ہے۔ لیکن پھر بھی انھیں ایک ایسی نام تصنیف کو نہیں دیکھتا اور اس کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے۔

اُس کے گھر پر نہ تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اسے یہ تو کیا اس بیعت سے پہلے وہ شاعری کرتا تھا۔ اگر کرتا تھا تو اس کا کیا مقصد تھا۔ اس کا وہ کلام کس نام سے پایا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ چونکہ اُس نے یہ فتویٰ پیر کے علم سے لکھی ہے۔ اور انگوٹیاں بھی ہے تو ایسی صورت میں وہ اسی عمر کی حیثیت سے مرید سے زیادہ بڑے قابلِ ملاحظہ ہیں۔ ان چیزوں کو نظر انداز کر کے یہاں پر ہم اُس غلطی کی طرف توجہ دلا نا چاہتے ہیں جو مرتب اردو شہ پار سے سے حضرت اس لئے ہوئی ہے کہ انہوں نے اصل کتاب کا مطالعہ کرنے کی بجائے دوسروں کے بیانات پر بھروسہ کیا ہے۔ اُن کا بیان ہے :-

”ہاشمی پر نہیں تھا کیونکہ اس زمانہ میں بھی اُس کی یہ خیم کن ہوں کے متعلق پتہ چلتا تھا۔“

یہ تین خیم کن ہیں یہ ہیں :-

۱۱) مترجم جس قصص (۲) یوسف زلیخا (۳) دیوان المظاہر مرتب کا بیان ہے کہ اول الذکر و آخر الذکر کتابوں کے محفوظ موجود ہیں۔ لیکن باقی اہل احوال صلابہ کے مصنفین نے ترجمہ حسن القصص کا ذکر کیا ہے۔ اور دیوان کا ذکر صرف باریں سلیکا اور اسی کی رائے پر بھروسہ کر کے کا منسل مرتب نے بھی اپنی رائے ہاشمی کے نقل کے متعلق دی ہے۔ مترجم حسن القصص کا حال تو میرزا خاں ہے کہ اس نے ہاشمی یوسف زلیخا کو بائیں کے مصنف نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ وہ ایسی غلطی نہ کرتا۔ اور

نہ دوسروں کو اس میں مبتلا ہونے کا سامان کر دیتا

واقعہ یہ ہے کہ کو سو فیصد یوسف کو خود کلام محمد حسن ”حسن القصص“ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور اسی داستان یوسف کو یہ لقب حاصل ہے، ہاشمی نے اپنے پیر کے حکم سے حضرت یوسف کے قصہ کو منظم کیا اور شاید اس کا نام بھی حسن القصص یا اس ترجمہ رکھا ہو۔ بعد میں لوگوں نے بلا دیکھے دو نام مسکندر دوکان بن سلیم کریم اور بائیں کے مصنف نے ذہانت سے کام لے کر یہ توضیح بھی کر دی کہ روضۃ المعبود کا دوسرا نام حسن القصص ہے۔ اب ہم اپنے دعویٰ کے ثبوت میں خود ہاشمی کا بیان اپنی کہانی میں

ملک کو ہاشم کیسیوں دعا کا سے ہاشمی محمد فواز یاد

اب لگ رہے گا یونہی کا نو تو مشہور جوئے عالم میں تھا تو تھا نو

بجلی کو کڑوں کا ر ہو کا تم کے لئے تو انسا ر ہو

وٹا گنہ گنہ زبان کھول توں مجھ یک قصہ عشق کا بول توں

اچھی کا خبر جس کا فرقان ہیں کیا جس کی قرین سکان نے

کہ یوسف توں بول فرقان میں کھا ہوں کاب و لکھی کاں میں

انتقال ہوا۔ اُن کے پانچ خلفا تھے۔ اور ہاشمی نے اپنی فتویٰ میں ان سب کا حال لکھا ہے۔

یو خاتم دہی رب نے پید کیا، دیاں میں تو ساری بڑائی دیا  
یو مہدی میں ہے سب پیر کا نشان یو مہود رب کا وہی ہے نشان  
نفتائیاں تو کینا اچھی اس میں سب یوسف تھو ہے جس کا لقب  
نہی اور مہدی کو اچھے پچھکان یو یک ذات دو یک دنا ہے جان  
نبوت ولایت کا یوں یک ہے جمید کرجوں ایک موتی کے تین دوں جمید  
فرض جس کی تصدیق ہے کر کہ مان یقین کفر انکار ہے اس کا جان  
یو مہدی خلیفہ ہے رحمان کا بیان جن کی جگہ پر فرقان کا  
زین ہوا نہ کرے ریاں دعا ہے مہدی کا تھا دعا دیکھا نا خدا  
تو آئے مہدی اسی کام کوں دیکھانے خدا خاص جو عالم کو  
او کینا دیکھا ہے خدا ہے نقاب خدا بخش مہدی ہے جس کا خطاب

ولایت مگر کا یو سلطان سانچہ تو اصحاب یعنی وزیراں ہیں پانچ  
۱۱) میرزا سید محمد نسر زخم ہے جسے سب نے مدیحہ ثانی کے  
اوصدق ہے جو بلند جہد کا شان جس نے سبس لیا ہے اول ایمان

۲) دوسے پیر ہوا ہے سو فخر سیر نام صفت قانتوا ہوا خیلو اتنا م  
او صدیق کینا اچھے نام دار کہ آیا ہے جس پر ولایت کا ہمار

۳) تیمار موشادہ قسمت رہے بداعت کی متقاض مہدی کے  
بلند کیوں نہ اس کا اچھے کا سوتا سوتاں پر نعمت رکھیا جس کا مہدی نے نا نو

۴) دوسے بار جو تھا ہے شہابی نظام خدا کن تھیں ملی ہے زمین جس دام

۵) پنجم ہولہ اور ہے مہدی کا یار لدنی رہے مسلم جس دن خیمار

ابن کے بعد ہاشمی اپنے پیر شاہ ہاشمی قرین کی ہے اور پھر لکھا ہے کہ اُس نے یہ فتویٰ ہی ہی کے حکم سے لکھی ہے۔ ہاشمی کے اولین بیان کو پیش نظر کہ کو ہم کو دوس سے ایک تہہ پر پڑنا پڑا ہے۔ اُس کا بیان ہے کہ ہاشمی کے شخص سے ”سکو

”یعنی اُن پر مشہور قول سوم۔“ ۶۶۶ ج نے بیعت کے خیال سے سلسلہ شائیں نہیں لگے ہیں بلکہ غالب رہا ہے۔ مثلاً یہاں ایک شاعر نے کہہ دیا ہے کہ اُس نے قرین سے پہلے بیان کیا تھا۔ یہاں بھی صحیح ہے کہ اُن کا یہ بیان صحیح ہے۔

اُس کے زور بیان، اُس کی دستِ نغز و غیرہ پر کبھی اندازِ خیال کیا جائے گا۔  
البتہ یہاں پر انا تنہا دینا چاہتے ہیں کہ شہری کی اندرونی شہادت ہم کو اس نتیجہ تک  
پہنچنے پر مجبور کرتی ہے کہ یہ کتاب دکنی اردو سے زیادہ گہرائی اردو کے قریب تر ہے۔  
نجیب اشرف

کیا احسن القصص میں کون خدا  
کتابوں میں اس کا ترجمہ ابتدا  
میں مضمون لکھنے سے ہمارا مقصد صرف اسی غلط فہمی کو دور کرنا تھا، کیونکہ  
ایسی مستند کتاب کے دامن پر یہ دماغ بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اگر فرصت  
نصیب ہوئی تو نفع مشنوی اور اس کے سلسلہ میں باقی کے حالات۔ اس کی شاکر

## مسلمانوں کی سب سے پہلی بیمہ کمپنی

۸ سال سے ۵۵ سال تک ہر مرد و عورت ممبر بن سکتا ہے۔ شرائط بالکل آسان ہیں۔ باقاعدہ اقساط کو کوئی نہیں  
دینی پڑتیں۔ بڑھاپے کی مصیبت بیٹے بیٹی کی شادی۔ اولاد کی تعلیم سے بیفکر ہو جائیے۔ یعنی ہماری سب سے آسان  
مفت بیمہ کی سکیم کے ممبر بنجائیں۔ قواعد و فارم داخلہ ایک کارڈ لکھ کر مفت طلب کریں۔  
ضرورت ہے کمپنی کو ہر شہر ضلع۔ قصبہ میں دیا نندار بار سوخ ایجنٹوں کی جلد ضرورت ہے کمیشن متعول دیا جاتا  
ہے۔ صرف ایسے اصحاب درخواست کریں۔ جو بار سوخ، محنتی اور دیا نندار ہوں۔ تھوڑی آمدنی والے اور بے  
روزگاروں کے لئے موقع ہے۔ ایجنسی فارم ۲ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔  
پتہ دی بغداد پراویڈنٹ انشورنس کمپنی لمیٹڈ۔ لودھیانہ۔ (اپر انڈیا)  
ایجنسی آفس :- بھوپال۔ لاہور۔ سرسینگر۔ پونا۔ ناگپور۔ تھانسی۔ برہما۔ کراچی۔ ایڑہ۔ فیروز پور۔ جکاد۔ کشمیر۔

## عمل ہمزاد کا مکمل اصلی عمل

اگر حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہماری کتاب عامل کامل خریدیں۔ اس نادر و نایاب  
کتاب میں ہر مقصد پر خواہش اور ہر دلی مطلب کے پیرا کرنے والے نقشِ توحید  
مشرقیہ، فخر، طہا، اور مجرے ایسے ایسے لاجواب درج ہیں کہ جیسے چاہو اپنا  
بنالو۔ روحانی دنیا کے عقیدت مند اور اسرارِ الٰہیہ و معجزاتِ معنوی کے لئے یہ کتاب  
واقعی لاجواب تحفہ ہے۔ آٹھ لکھوں سے حامل دیکھنا۔ فائز شاہ مرداں و فائز  
سلیمانی سے سوال کا جواب دیا نندار کرنا۔ خواب کی تصویر دیکھنا اور ہر قسم کے تعویذات  
درج ہیں قیمت محمد علی محمد ۱۰۰ روپے طلب کریں۔ البتہ ہر کوئی وہاں کر دیں۔  
پتہ :- صفوی میڈل پور نمبر ۱۰ لدھیانہ

## کامل دینی یا لیدی واکٹر باتصویر

اس فنِ حکمت کی نادر و نایاب کتاب میں ہر دور و نکی نام پر شہید ہماروں  
کا علاج معنیوں کے درج ہے۔ دینی جنائی کا مفصل کام باتصویر دیا  
گیا ہے۔ دوسرا لائیشن ختم ہونے کو ہے۔ جلد طلب کریں۔  
اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا اہم مرد و عورت، سکیم، ڈاکٹر اور دینی کو مدد  
کرنا ضروری ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ آج تک ہندوستان میں ایسی مکمل کتاب  
اردو میں شائع نہیں ہوئی۔ آج ہی منگوائیں، لکھائی چھاپی عمدہ۔ ضخامت ۲۰۴  
صفحات۔ جلد بندی ہوئی قیمت فی جلد ۱۰۰ روپے۔ محصول ۱۰۰ روپے۔  
پتہ :- منیر احسان اینڈ کمپنی بستی کوٹھی رائے لودھیانہ (اپر انڈیا)



# سیر کشمیر

## کشمیرِ حُبّتِ نَظیر

کبھی صرف سلاطین کی سلفت کی سیر گاہ۔ آرام گاہ اور شکار گاہ تھی۔ مگر آج صلائے عام ہے کہ ہر اہل دل و ہر اہل ذوق آئے۔ اور اس فردوسِ ارضی کی سیر و تفریح سے بہرہ اندوز ہو +

## کشمیر میں

باجا بکھوش وادیوں کی بہاریں۔ نظارے۔ قدم قدم پر شقائقِ حشمتے۔ اور گوہر بار آبشاریں پھولوں میں بسی ہوئی مشکبار و عطر بیز ہوائیں۔ لالہ زاروں کی گھلا ر و جلوہ ریز فضا میں ہر باغ و راغِ قدرت کے معصوم و دلاویز کرشمے۔ ڈل (جھیل) کی آئینہ پوش سطح پر عروسی کشتیوں کی حسین قطاروں کا لطف اٹھائیے +

## کشمیر کے

آبشاروں کے شیریں نئے آسمانی الہام کی طرح دل کو نور و سرور سے معمور کر دیتے ہیں۔ ان آبشاروں میں پانی کی بجائے آبِ حیاتِ مستِ خرام ہے۔ کشمیر کے چشموں کا پانی دلوں سے کہرت اور دامنِ زندگی سے جسمانی کوفت کے داغ و صوڈا لٹا ہے۔ زندگی میں ایک بار کشمیر ضرور آئیے اور اگر ایک دفعہ اس فردوسِ صفت وادی کو دیکھ چکے ہیں۔ تو دوبارہ دیکھنے کی آرزو پوری کیجئے + آپ جب کشمیر دیکھیں۔ جتنی بار دیکھیں۔ ہر بار کشمیر میں زندگی و زندہ دلی اور تفریح و تندرستی کا نیا لطف اٹھائیں گے +

سفر کے متعلق تفصیل۔ کتب اور دیگر معلومات پبلیشی آفیسر نار تھ ولسٹرن ریلوے۔ لاہور سے طلب فرمائیں +



# اٹھ مرے کالی کھلی والے

(از حضرت میرزا غلام لکھنوی)

اے آئینہ انوار ازل      اے جہلوہ گدہ ہرمن مل  
ہے دیر سے تھنڈا دل کا کنول      دیدار دکھا پردے سے محل

میرے اندھیرے گھر کے آجائے

اٹھ مرے کالی کھلی والے

جان جہاں مقصود دو عالم      فرشتے نشین اور عرش کا محرم  
اشرف انساں - افضل آدم      خاک کا پتلا - نور مجسم

میرے اندھیرے گھر کے آجائے

اٹھ مرے کالی کھلی والے

شیخ جمال کے پر دانے      تیری طلب میں دیوانے  
تنتے ہیں کیا کیا افسانے      کس روپ میں تو ہے خدا جانے

میرے اندھیرے گھر کے آجائے

اٹھ مرے کالی کھلی والے

آشفۂ بیانی سن تو سہی      کچھ درد نہسانی سن تو سہی  
ہاں میری نہ بانی سن تو سہی      یہ رام کہانی سن تو سہی

میرے اندھیرے گھر کے آجائے

دیوانہ ہوں لیکن مست ہوں      گم گشتہ منزل سو و فلا  
کچھ دھیان نہ کر جو سو ہوا      گمراہ کو شیع جمال دکھا

میرے اندھیرے گھر کے آجائے

اٹھ مرے کالی کھلی والے

روشن کو دے چراغ امید      مار نہ ڈالے حسرت وید  
جہلوہ ترا سو عید کی عید      دید کوئی جن کی نہ شنید

میرے اندھیرے گھر کے آجائے

اٹھ مرے کالی کھلی والے

# فوجی کارنامہ

انجانباشی کنیالال صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایڈوکیٹ۔ ایڈیٹر تاجانہ الر آباد

**منظر** [ مختصر مکان کا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ ایک بس رہی ہے اور کھانا پک رہا ہے۔ انتشاران کے اوپر ایک فوجی آدمی کی ایک بھٹی تصویر لگ رہی ہے۔ ایک طرف اخبار کا ایک کپ جو اکٹرا اور ایک تختہ بچھا ہوا آدھی کے پاس ٹنگا ہوا ہے۔ ایک چھدار روئے کا چولہا دسلیز پر رکھا ہوا ہے۔ کھڑکی میں ایک چھوٹی میز پر بائیں ہے۔ کھڑکی کی گڈ سے دارآرام کرسی رکھی ہے ]

جون ۱۸۸۱

پردہ اٹھتا ہے اور خالی کمرہ نظر آتا ہے۔ دروازہ کھلتا ہے اور فردہ بریڈر ایک دیباچی لڑکی اٹھلا سباب لئے داخل ہوتی ہے اور وحشت زدہ نظر چاروں طرف ڈالتی ہے۔ اس کے بعد دروازہ بند کر دیتی ہے۔ جھکڑی ایک چھوٹے صندوق پر اور بیٹ اور کوٹ آٹا کر بائیں جانب یعنی تختہ پر رکھ دیتی ہے۔ جھکڑی پر سے اوپر کا کپڑا اٹھاتی ہے۔ اور اسے جانب کرسی پر رکھ دیتی ہے +

**نورہ** :- بچا گر گوری کی تصویر ہے (آتشان کے پاس جاتی ہے) آواز بات کیا۔ بالکل آتشان کے اوپر کیوں لگائی گئی ہے۔ یہ تو بالکل وہی جی ہے جسے ایک ہارس گھر پر موجود ہے۔ اچھا اسی کے پاس تختہ بھی لٹا ہے۔ آہ کتنی میرٹ کی بات ہے کہ سارے گھر کا اختتام میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔ اب دوسری جگہ ڈی کرنے کی ضرورت ہی کیا میرا خیال ہے چچا ابھی تک نہیں آئے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ دس بجے پہلے نہیں آئے۔ او جو یہ تو بڑا اچھا ہو اگر خامرہ جانے سے پہلے آگ۔ دوش کر کے گئی۔ اچھا دیکھتیا چاہئے کہ بچا کے آنے پر سب چیزیں تیار رکھیں یا نہیں۔ مجھے دیکھ کر ان کو سخت جھوٹ ہوگی میری آدے کے عشق میری ماں کو خط لکھ کر ان کو خبر دیا گیا ہوگا۔ لیکن ان کو اس کا خیال نہ ملے گا میری اس قدر جلد آ جاؤ گی۔ اڑی میز کے دائیں طرف تنہا ہے دودھ کھینچنا نظر آتا ہے (بڑی میز کے پیچھے اندر ہی پر) اور دو گوری کا کھن۔ بالکل وہاں تھا۔ اچھا چھوٹا کھن کھن اپنے شاہی آئی تو پیٹ سے کھن کی گولی اٹھاتی اور جھکڑی میں رکھ دیتی ہے۔ اند کھن کی گولی جھکڑی سے کھاتی ہے اور بیٹ میں رکھ دیتی ہے (اچھا اب گوشت کو تو دیکھو۔ اور نہ بہت خراب کھان۔ کھان ہمارے پاس کا گوشت اور کھان۔ یہ تو بہت پر گوشت کے پاس ہے کپڑی

میں رکھتی ہے اور کڑی ای کو آگ پر رکھتی ہے۔ (دبلی کو دیکھنے ہوئے) اگر بانی گرم ہو گیا ہو تو میں چائے تیار کر لوں۔ میں اس میں پانی تو ابھی ٹھنڈا ہی ہے۔ جگر کوئی ہرج نہیں ہیں ابھی گرم کرتی ہوں (آگ پر چڑی ہوئی دبلی کا بانی ایک دوسرے برتن میں اوندھیتی ہے اور برتن کو میز پر رکھ دیتی ہے) پیار سے بڑھے چچا۔ (تصویر کی طرف دیکھ کر) وہ کتنا بدلو اور جری نظر آتا ہے۔ بیشک ان کو بہت ہی زیادہ دلیر بنا چاہئے تھا۔ جو اس کے خلاف اڑنے آئے تھے۔ مجھے امید ہے کہ میں اس کو بہت آرام پہنچاؤ گی۔ اور وہ مجھے بہت خوش رہے گا۔ (دستک کی آواز آتی ہے) آہ پیارے! دستک! تمہارے کہہ کون ہے (پھر دستک کی آواز آتی ہے) مجھے دیکھنا چاہئے آخر ہے کون (دہ اندھ کو دیتی ہے)

[ سرخٹ بیکٹا، غلغلہ اٹھاتا ہے ]

**سرخٹ** :- (سلام کر کے) میں تمہیں دینے کی سمانی چاہتا ہوں مس۔ کیا کام پھل کر گیا ہے برادر میں رہتے ہیں؟

**نورہ** :- (دشست زدہ ہو کر) جی ہاں +

**سرخٹ** :- وہی تاجو اسات مس۔ تو میں تھے؟



کو مرے ہونے میں برس ہو گئے ۛ

**کاریٹول** : (بہت نامی ہوئے) بہت خوبصورت کتے کے بچے تھے۔ بہت نرم و لطیف

(سپر سٹرک کے چار پینا ہے۔ فورہ دوسری پیالی بھرتی ہے) راشن نہ ملنے کی

دوب سے مجھے سردی معلوم ہو رہی ہے۔ گرم گرم ہے اور دوسری شہاب

میں گرم ہے۔

نوٹ ۵ - میں آپ کے لئے کچھ کھن اور انڈے اپنے ساتھ لیتی آئی ہوں اور بائیس

سلام کما ہے اور مزاج بوجھا ہے۔ انہوں ایک زمین بالائی بھی آپ کے لئے

دبا تھا۔ وہ راستے میں اٹ گئی، آگ کی بائیں جانب کی کرسیوں کی تھارنگ

۱۰۰ (۱۰۰)

کامربہلول (جلہی جدی کائناتے مونے) یہ ایک درمیانی عمرہ طریقہ ہے کہ

کل مجبور و ناچار +

نور و کیا چیز چھا؟

بکار پویل - دی گاڑی جس پر تم آئی ہو +

نورہ - نہیں میں صبح کی ٹرین سے آئی ہوں +

**کار پویل** - خدا یا ذرا اس کو سوچو تو۔ ریلے سے ترین اہم اس بڑے بڑے خوفناک

پچھوالی چیز سے خائف نہیں ہوں۔ یہ پلوے ٹرین سے ٹھارا آنا خیال کر کے

نور محمد بن ہوتا ہے چتر چتر کرے ہوئے خدا یا۔ اب دیا میں کیا ہو رہا ہے۔

(ایکے کو بھلا کر بار بار پھیلنے کی کوشش کرنا ہے) کے آگے آج بھلائی کے نام سے

نور و شگ مجھ کو اپنا کھانے کے بعد آپ کو مضبوط معامہ سروسے میں لا سکرے اور

سے حضروں کو مشافی ہے)

کارل لویا - غذاؤں سے آگ کے کوندے کے مثال معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مڑکی میں ہیں

پس نہیں گیا ہوں +

نور ۵۔ (میز کو صاف کرتے ہوئے) آپ نے تو بہت عمر پایا ہے۔ چچا آپ کو ایک

زمانہ دراز معلوم ہونا چاہئے +

کارپورل - نہیں بہت زیادہ نہیں میری عمر نوے برس سے کچھ زیادہ ہے لیکن

سارے واقعات معلوم ہونے میں کل کی بات ہے۔ جب بگے انعام لانا تھا

اور لڑائی ہوتی تھی۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب عظیم کے بارود کی خوشبو ابھی تک

میری نال سے ہیں لئی +

نورہ - اُس چچا میں کے پر صاف ہے۔ میں بھی ہوں اچھا اس پر بہت غور ہوا۔

(یہ ایک انجی ران کو پٹھ کو) میں سمجھا ہوں کچھ دال میں کھلا ہے +

نورہ - کہاں چھا؟

کارپول - میں سب بیوس کے لئے کھڑا ہوں۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے وہ اپنا موزہ  
جی پینٹا بھول گئے ہیں۔ ایک سب بی بھی موزہ نہیں پہنے ہے (منہ چڑچڑاتا  
ہے) اگر تو کچھ ہوتا تو کچھ نہ ضرور کتا +

(دروازہ کھتا ہے اور سر ہٹ لٹا رہا ہے)

نورہ - (دروازہ کی طرف دیکھتے ہوئے) چھپا یہ وہی سب بی ہے جو جگ آیا تھا۔ نیناکوٹ  
ہے اور اس میں سنہری لپیٹ لگی ہوئی ہے +

کارپول - وہ کیا چاہتا ہے؟ لڑکی کٹری دیکھتی کیا ہے۔ دروازہ پر جادو اس سے  
دریافت کر +

(دروازہ اوپر سے پر جاتی ہے جو نصف کھلا ہوا ہے۔ تو بچا نہ کر سکتا)

سینکڑا لٹا رہی ہندو کے لئے ہونے دروازے کے نزدیک آتا ہے اور

سلام کرتا ہے)

سرہنٹ - میں دوبارہ قلعہ عرض کرتا ہوں۔ بڑے مشنٹیں سے اب ملاقات ہو سکتی ہے  
نورہ - جی ہاں وہ موجود ہیں۔ مجھے امید ہے آپ کو کچھ بہت خوش ہونے چاہیے  
شخص آپ سے ملنا چاہتے ہیں +

سرہنٹ - آپ کو کچھ بہت خوش ہوئی خوشی اور غور دونوں ساتھ ساتھ +

(اگے بڑھتا ہے ہندو کو زمین پر نیک کرفوجی قاعدہ سے سلام کرتا)

ہے۔ نورہ کچھ غور فرمادو کچھ اشتیاق آمیز نظروں سے آنے والے کو دیکھتی

رہتی ہے۔)

کارپول - (سرہنٹ کی طرف دیکھ کر) بیٹھ جاؤ سرہنٹ بیٹھ جاؤ سرے اٹاؤ کتا

ہے، بے حاصل کرنے کے لئے تم بالکل جوان ہو۔ میرے زمانے میں تو ایک

بلا بھی حاصل کرنا بہت مشکل تھا۔ آج تو میں حاصل کرنا کوئی بات ہی نہیں ہے۔

ہندو بی پرانے فسطہ سبای رکھے جاتے تھے۔ اور وہ لوگ بہت جلد ہی بے حاصل

کر لیتے تھے +

(سرہنٹ لڑکی کے پاس ہندو کٹری کرتا ہے۔ نورہ ہماؤن اٹھا کٹتی

ہے اور اس کو چٹائی میں رکھتی ہے)

سرہنٹ - ملازمت کرتے ہوئے مجھے آٹھ برس ہوئے۔ سینکڑا لٹا رہی سلام ہے۔ اپنے

اتھوں کی طرف سے آپ ملاقات کرنے آیا ہوں۔ جو شہر میں آپ کی ذات کو قیمت

مجھے ہیں +

کارپول - (کھڑا ہو کر اس کو دیکھتا ہے، میرے لئے بہت بڑا دل تھا بہت بڑا

شہر اور بڑا ہی تھا۔ بڑا خوبصورت اور سڈل جم پایا تھا۔) پاپ میں

تباہ ہو چکا ہے) وہ کتا تھا "فوج کو تم پر فوج ہے" اور میں کتا تھا "مجھ کو

فوج پر فوج ہے" اور وہ لارڈ میں سے کتا تھا "کیسا مستقل جواب دیا۔ اور

دونوں شکست ہو جاتے تھے (کتا ہے اور منہ چڑچڑاتا ہے اور آواز دیتا

کے اور پر والے حشر کی طرف اشارہ کرتا ہے)

نورہ - چھپا کیا مانگتے ہیں؟ کیا چیزیں؟ (آتش دان کے اوپر سے پتوں اور

چھوٹا ہے)

کارپول - اس بڑے سے ایک چھوٹے لڑکی (اس کو چیتا ہے) یہ بہت مفسد

دوا ہے (وہ بے کی آواز دیتی ہے) اور بلغم کو خارج کرتی ہے (نورہ کٹری سے

بھاگتی ہے) تم کٹری سے کیا دیکھ رہی ہو؟ (نورہ کٹری کھاتی ہے۔ اور

بے کی آواز صاف آتی ہے)

نورہ - چھپا اس سڑک سے فوج کا ایک رسالہ آ رہا ہے +

کارپول - (اٹھ کھڑی کے پاس جاتے ہوئے) رسالہ! ایسا میرے گلاس

کہاں ہیں؟ میں ان کو ان میں لگا بہت صاف سن سکتا ہوں۔ پتلے کی طرح

اب بیٹھ نہیں بیٹھا کٹری سے دیکھ کر کچھ بھیج دو میرا سب موجود ہیں۔ لڑکی

دیکھ تو ان کو نہیں گریا ہے؟ (اس کی آنکھیں چل اٹھتی ہیں۔ چھری اور

بے کی آواز برکت کرتا ہے)

نورہ - ان کو تو کوئی خبر نہیں معلوم ہے۔ شائے پر اب کچھ لکھا ہے۔ غالباً

ان کو نوٹس دے گا +

کارپول - ہاں ٹھیک ہے میں نے سنا تھا کٹری آدیا گیا ہے۔ اور ان کے لئے

طرز کام رکھا گیا ہے۔ (سر ہٹا ہے) اگر وہ کتا کے لئے کیا گیا ہو تا تو

کچھ کچھ ضرور دیتا۔ وہ چاہے ہیں۔ وہ سب کے سب فوج میں ملتی مارچ

کرتے گئے قاعدہ سے خوب واقف ہیں۔ (بے کی آواز بھیج دیتی ہے)

اس وقت وہ گھوڑے چاہتے ہیں (وہ دیکھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ سب ثابت

ہو جاتے ہیں)

نورہ - (نورہ مدہ دیتے ہوئے) اب اپنی کرسی پر چکر پیٹنے +

کارپول - اچھا وہ بڑا پیر لاؤ۔ اس سے بہتر فوج ہوتا ہے۔ جرات کتا ہے

کریمہ رکھنے کے لئے بہت مہینہ چھوڑے۔ وہ بہت جلاک آدمی ہے۔ اور میں

اس کے کلب میں ہوں۔ دیکھو وہاں اونٹنی کا، ڈوگ کا ہوا ہے۔ بیٹھ بیٹھ

{ فوریہ میزماں کر چکی ہے اور میز پوس پٹا ہوا لاری میں رکھا ہوا ہے }

ہے لیکن وہ گر چڑھا ہے۔ اور ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ہول پھول کی طرح لمبی لمبی چکیاں بھر کر رونے لگتی ہے }

**کارپول**۔ میرا پاپ۔ میرا پاپ۔ ٹوٹ گیا میرا پاپ +

**نورہ**۔ (دودھ گڑس کے پاس جاتی ہے اور اس کو نکسین دیتی ہے) چھانہ روسیہ نہ دیتے ہم دوسری منگوا لیں گے +

**سر جنٹ**۔ اسے دل کو رنجیدہ دیکھ کر (پاپ دیتے ہوئے) لیجئے یہ لیجئے اُمید ہے کہ آپ قبولیت کی عزت بخشیں گے۔ یہ لکڑی کا پاپ ہے اور مکر باکی منال لگی ہوئی ہے +

**کارپول**۔ (رونے میں ہنسر۔ سر جنٹ اپنی بندوق لانا ہے) واہ واہ بہت نفیس پاپ ہے۔ لڑکی ذرا میرے سے پاپ کو دیکھ۔ جارجی کو ایسا پاپ نصیب بھی نہ ہوا ہوگا۔ اس میں مکر باکی منال لگی ہوئی ہے (منہ سے لگاتے) تم کو یہ بندوق وہیں سے ملی ہے سر جنٹ +

**سر جنٹ**۔ جی ایں میں بارگ سے واپس آ رہا تھا کہ آپ سے ملنے پہلے آیا +

**کارپول**۔ ذرا مجھ کو دو۔ دیکھوں تو +

**سر جنٹ**۔ (بندوق دیتا ہے)

**کارپول**۔ یہ تو پورے ہی زمانہ کی بندوق کی طرح ہے! ایک ہاتھ کندھے پر رہے۔ اچھا اپنے بندوق کا گھوڑا چڑھاؤ۔ لاؤ مجھ کو دو۔ اسے سر جنٹ +  
{ بندوق کا کٹہہ دیکھنے سے کل گیا۔ فوریہ میز پر سے دیکھ رہی تھی } آہ۔ یہ کوہ کمار۔ تو ٹوٹ کر دو ہو گیا +

**سر جنٹ**۔ (چلتے ہوئے) یہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیورہ بنے سے بچا حقد کل گیا یہ وہ جگہ ہے جہاں سے بندوق بھری جاتی ہے +

**کارپول**۔ ہیں۔ اس غلطی سے بھرتے ہو۔ اچھا مسلم ہوا اس میں گر گئی ہو نہیں ہے۔ میں نے تو گوں کو کہتے ہوئے سنا تھا لیکن مجھ کو نفیس نہیں آتا تھا۔

**سر جنٹ**۔ دکھڑا ہو کر میں نے آپ کو بہت تعظیم دی۔ اب کچھ کچھ روز ملا کر دنگا۔ اور اسے ساتھ دو ایک آدمیوں کو بھی لینا آؤ گھا۔ کیونکہ آپ سے ملنے کے بہت لوگ شائق ہیں (سلام کرتے اور جاتے ہوئے) اس میں تسلیم غرض کرتا ہوں +

**نورہ**۔ بچا کیا وہ ایک شریف آدمی نہیں ہے؟ (دروازہ تک جاتی اور اس کو بکیتی رہتی ہے)

**کارپول**۔ (ہنسنے ہوئے) لڑکی وہ بنے حاصل کرنے کے لئے بہت کم سن ہے

**کارپول**۔ (چڑچڑکتے اور ہاتھ پٹتے ہوئے) ریٹھ نے جھکا تھا وہی بات ہے وہ کتنا تھا "نوج کو تم پر فخر ہے" اٹھ میں کتنا تھا "مجھ کو فوج پر فخر ہے" وہ لارڈس سے کتنا تھا "دیکھو کیا مستول جواب دیا" اور دونوں ہنستے ہنستے ٹوٹ جاتے تھے +

**سر جنٹ**۔ اگر آپ یہاں سے تھوڑی دور کی تکلیف گوارا کیا کریں تو تبا کو سے بھرا پاپا پناہ اور ایک مٹاس کو میسر اب اپنا خطر پائیں گے اور ادنیٰ دور کے کلان میں آپ کی تشریف آوری کو باعث فخر تصور کریں گے۔  
**کارپول**۔ (کھانستے ہوئے ہنسر) وہ کتنے مجھ کو دیکھنا پناہ نہ کرتے ہیں۔ اچھا مارا مگر پڑنے لگے تو میں آؤنگا آج میری حیثیت کچھ خراب ہے۔ اور سردی معلوم ہو رہی ہے (پینے کو تھمتھا کر) تم کسی روز مجھ کو بارگ میں دیکھو گے +

**سر جنٹ**۔ تو ن کیشی مس کو دریافت کر لیا۔ رنجیدہ +

**کارپول**۔ آن +

**سر جنٹ**۔ ن کیشن مس +

**کارپول**۔ او خدا افسروں کی طرح اس کے بھی ساتھی ہیں۔ فوجی شرانڈلنے کے لئے یہ بہت جی علیم انشان بات ہے۔ اگر وہ نوک کے لئے کیا جاتا تو وہ کچھ نہ کچھ ضرور کرتا +

**سر جنٹ**۔ (غلیظاً) آپ تو محافظ دستہ میں تھے نا؟

**کارپول**۔ ہاں میں ایک محافظ ہوں۔ وہی تھوڑا گارڈ جو اب اسٹارٹ کر کے تمام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اس میں جتنے سب مر گئے۔ ایک پنجابی زندہ نہ رہا بجز مجھ آوارہ گرد کے۔ میں اپنے کو اسی نام سے یاد کرتا ہوں۔ اور یہ میرا تصور نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی تک میری جلی نہیں ہوئی۔ اور بغیر جلی کے میں اپنی جگہ کیسے چھوڑ سکتا ہوں +

**سر جنٹ**۔ (سر ہلکے جھٹکتے ہیں) ایک دن ہم سب لوگ وہاں جمع ہوں گے۔ لیجئے ذرا میرے تبا کو کا تو مزہ چکھئے۔ (تھمتھی دیتا ہے)

**کارپول**۔ آن +

**سر جنٹ**۔ لیجئے تبا کو سے شوق کیجئے +

{ کارپول ریوڑ پر اپنے مٹی کے پاپ کو بھرنے کی کوشش کرتا }



سے اور کہتا ہے نبی اسرائیل بہت مبادیہا ہی تھے +

**نورہ** - لیکن چچا جان دوسری دنیا میں تو بالکل اس ہے +

**کارپول** - نہیں لڑکی نہیں +

**نورہ** - ہاں چچا جان سبب +

**کارپول** - (کچھ ناراضگی سے اپنی چھتری زمین پر گر کر) میں تو کتا ہوں لڑکی

نہیں میں نے پادری سے پوچھا تھا +

**نورہ** - پھر اس نے کیا بتایا تھا +

**کارپول** - وہ کتا تھا کہ وہاں ایک آخری جنگ ہوگی +

**نورہ** - جنگ ہوگی +

**کارپول** - ہاں ہاں لڑکی اس نے اس جنگ کا نام بھی تو بتایا تھا - دیکھو - آ

**نورہ** - آرگنڈن +

**کارپول** - ہاں ہاں یہی نام تھا کچھ سوچتے لگتا ہے (مجھے امید ہے کہ غفر

نہاؤ بھی وہاں موجود رہے گا۔ اور ڈوک - ڈوک کو کچھ نہ کچھ گناہ گار

کر کسی میں کچھ لیٹ جاتا ہے۔ نورہ کو بکری بند کر کے بائبل رکھ دیتی ہے +

**نورہ** - آج طبیعت کیسی ہے چچا جان؟ آپ کچھ خستہ معلوم ہوتے ہیں +

**کارپول** - (ناقوانی سے) ہوا کافی ٹنگ گئی ہے۔ اور ان کمبلیوں سے لڑنے

کی طاقت نہیں رکھتا +

**نورہ** - چچا جان میں ان کو دور کھو گئی +

**کارپول** - اس موسم میں یہ بہت ہی تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ اچھا آؤ ذرا لاس

کر کسی کو اٹھاؤ تو (اس تک) کریاں اس قدر زنی بنائی جاتی ہیں کہ گناہ

میں دقت ہوتی ہے +

(اٹھنے وقت زنجیر لٹکانے کی آواز آتی ہے اور کرنیل

مذہب شری باس میں داخل ہوتا ہے)

**کرنیل** - کیا گرگوری بریوٹر آپ ہی کا نام ہے؟

**کارپول** - ہاں جناب میرا ہی نام ہے +

**کرنیل** - تو آپ وہی شخص ہیں جس سے میں لٹے آیا ہوں +

**کارپول** - وہ کون ہے جناب؟

**کرنیل** - گرگوری بریوٹر ان کا نام ہے +

**کارپول** - تو میں وہی آدمی ہوں جناب +

**کرنیل** - آپ وہی بریوٹر ہیں جن کا نام اسکاٹ سمیٹ کے رجسٹر میں درج ہے۔

نہد و جہیوں کے سر جٹ کو سن رسیدہ ہونا چاہئے معلوم نہیں آجکل یہ

کیا صاف ہو رہا ہے زچہ پڑھ کر کرتے ہوئے لیکن نورہ اس نے مجھ کو ایک

پاپ واسے بہت نفیس پاپ جس میں کربا کی ممال لگی ہوئی ہے۔

بھائی جانی کو ایسا پاپ کبھی نصیب نہ ہوا ہوگا +

**نورہ** - (پیشہ دروازہ کی طرف اشارہ کر کے) وہ ساتھ برس میں چپا کی طرح ہو جائے

اور کسی زمانہ میں چچا اس کی طرح لڑا ہوگا (بائیں جانب بڑھ کر) وہ بہت

ہی غلیظ معلوم ہوتا ہے۔ مجھ کو "مس" اور چچا کو "جناب" کہہ کر خطاب

کرتا ہے۔ ایسا نفیس آدمی تو آجکل میری نظر سے نہیں گذرنا +

**کارپول** - لڑکی تو کیا ادھر ادھر کر رہی ہے۔ ذرا کسی کو دروازہ تک

لے جانے میں مجھے مدد دے۔ یا تو یہ خیال کر رہی ہے کہ کسی خود بخود

چلی جائے گی۔ یہاں گرمی ہے اگر اسے کھیاں اور اڑھکا تو مجھ کو

تکلیف پہنچے گی۔ اس موسم میں یہ بہت ناگوار معلوم ہوتی ہیں +

**نورہ** - کیا چیز چچا؟ کھیاں؟

[وہ بہت آہستہ آہستہ اس بولچا بتا رہی ہے جہاں سورج کی

روشنی دروازے سے کسے میں آتی ہے اور وہ صوب میں بیٹھا

ہے۔ نورہ اس کو پٹنے میں پکڑ رہی ہے]

**کارپول** - یہ بہت عمدہ جگہ ہے۔ سورج کی روشنی دیکھ کر مجھ کو ہمیشہ عزت

اور ناموری کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ پادری آج آیا تھا؟

**نورہ** - چچا جان وہ تو نہیں آیا (بائیں جانب تکیلی ہے)

**کارپول** - تو پھر وہ کل آیا تھا۔ مجھے بڑھ کر شگفتہ ہے +

**نورہ** - چچا جان میں بھی سن سکتی ہوں +

**کارپول** - تم بھی پڑھ سکتی ہو؟ میں نے تو ایسی لڑکی نہیں دیکھی تم ریکو

ٹرین سے سفر کر سکتی ہو۔ تم پڑھ سکتی ہو۔ یہ دنیا میں کیا ہونے والا ہے؟

پادری آتا ہے تو مجھ کو بائبل پڑھا کر سناتا ہے (نورہ دوڑ کر جاتی

ہے اور بائبل لاتی ہے۔ اس کے بعد جھپک جاتی ہے)

**نورہ** - (بائبل کھینک کر) کونسا بیان آپ سننا چاہتے ہیں؟

**کارپول** - آن۔ (نورہ پھر انہیں الفاظ کو نہ جانتی ہے)

**کارپول** - (لڑائی کا بیان +

**نورہ** - لڑائی!

**کارپول** - ہاں لڑائی کا بیان۔ پادری جب آتا ہے تو یہ لڑائی نہ لگتا

**کارپورل** - داغ میں کوئی غرابی نہیں ہے۔ میں فوج کے ہر شخص کا ہم ہوتا سکتا ہوں  
**کرنیل** - اور جنگ کے واقعات یاد ہیں؟

**کارپورل** - بالکل جو ہو ویسے ہی۔ آنکھیں بند کرنا ہوں تو مارے واقعات  
سانے اُٹھاتے ہیں اور اس قدر صاف اور واضح کہ آپ یقین نہیں کر سکتے

اچھا دیکھئے وہ دو اکا بوتل جہاں رکھا ہے۔ اُس کے داہنی طرف ہماری  
فوج ہے۔ آپ دیکھتے ہیں نا۔ اور جہاں ہماری فوج ہے اُس کے داہنی

طرف گولے وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔ اچھا جناب یہ ہو گیا۔ اب دیکھئے دوسرے  
اٹھا کر اطمینان سے بوتل کی طرف دیکھتے ہیں، یہاں ہماری ہند فوج ہے۔

اور یہاں پر ہماری ہندو فوجیں بیٹھیں ہیں۔ اور وہ اُس مقام پر جہاں میگزینا  
پاؤں رکھا ہوا ہے فوج ہیں۔ اور وہ ٹھوک کی جگہ پر بیٹھیں ہیں جو ہمارے

میز پر رکھے آ رہے ہیں۔ اُن کی بندھنوں کو دوسریں کا نظارہ پڑا دلوں کو  
تھا۔ (نورہ اُس کو کرسی پر بیٹھنے میں مدد دیتی ہے)

**کرنیل** - اچھا آپ کی زندگی میں کس بات سے آپ کے دل کو صدمہ  
**کارپورل** - مجھے جو صدمہ رہا تو تین روپے کا جو میرے ہاتھ

تھیں اب جھکنا ہی نہیں ہے تو اُس کا غم کرنا بہ  
میں عاجز سمجھتا ہوں کہ قرض دیا تھا۔ اور آج

وہ دیکھا۔ فرق نہ پڑے گا۔ لیکن آج  
وہ مارا گیا۔ میں اُس تین روپے

**کرنیل** - ہنسنا ہمارے  
پیش کرنا چاہتے ہیں

اور اُن کے بغیر  
(کار

**کارپورل**  
-

کرنیل

اور جو داغ لڑکی جنگ میں شریک تھے؟

**کارپورل** - وہی بریوٹر جناب۔ میرے زمانے میں وہ تھوڑا روکے نام سے  
میسوم کیا جاتا تھا۔ وہ بہت اچھا رسالہ تھا۔ اب صرف ان کو میری اس  
لئے ضرورت ہے کہ آپ ایک جگہ پر جو جائیں +

**کرنیل** - خوب۔ خوب۔ مابقی ان کو عرصہ تک انتظار کرنا پڑے گا۔ مجھ کو آپ سے  
کچھ بات کرنے کی ضرورت نہیں اُس لئے حاضر ہوا کیونکہ میں اس کاٹ  
کا روکا کر نیل ہوں

(کارپورل جلدی سے کود کر کھڑا ہو گیا اور فوجی تاجہ سے سلام  
کیا۔ وہ گرنے کے لئے ٹوٹ پھوٹا اور کرنیل اور نورہ نے اس کو سمجھایا۔

نورہ اُس کے بائیں طرف تھی)

**کرنیل** - منجھلو منجھلو (بریوٹر کو دوسری کرسی کے پاس لجا رہا ہے۔ آرام  
اور اطمینان۔ . . . . .)

**کارپورل** (بیشمار کہتے ہوئے) میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جناب  
مجھ کو جو آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے تھا۔ میں فلینک کمپنی کا ایک  
سولی حیثیت کا کارپورل ہوں۔ اور حضور فوج کے کرنیل ہیں مجھے ناچیز  
کی ملاقات کے لئے تھکیت گوارا کرنا میری عزت افزائی کرنا ہے +

(نورہ میز کے داہنی طرف اس کو بیٹھنے میں مدد دیتی ہے۔ اور  
کرنیل آفتان کے پاس بیٹھتا ہے)

**کرنیل** - ہم لوگوں کو لندن میں آپ کی ذات پر بہت غور ہے +  
**کارپورل** - یہی بات تو ریجنٹ نے بھی کہی تھی حضور کو تم پر غور ہے +

**کرنیل** - آپ تو جی مونٹ فچی میں یقینی شریک تھے؟  
(نورہ چکنڈی میں سے سوئی دھاگہ لے کر میز کے بائیں طرف

بٹنے کے لئے بیٹھتی ہے)

**کارپورل** - جی ہاں میں شریک تھا +  
**کرنیل** - میں امید کرتا ہوں کہ آپ بہت آرام سے اور خوش ہو گئے +

**کارپورل** - جب موسم ٹھہر جاتا ہے اور کمیاں شانے کے لئے نہیں جوتیں  
تو میری طبیعت اچھی رہتی ہے کہ ان کی اہمیت رہتی ہے۔ بغیر غایم

ہونے کی وہ دہا دیتا ہوں۔ اور جب کھانا نہیں کھاتا تو سرسری پڑا ان کو پتی ہے  
اب مضبوطی کا دم کر کسی کام کے نہیں رہے +

**کرنیل** - دماغ کی کیا حالت ہے؟

## کتابت کی غلطیاں

(۱) حضرت منیر صدیقی کی جو زبان خیال عید نمبر میں شائع ہوئی ہیں ان میں سے ایک رباعی یوں شائع ہو گئی ہے  
تم جانتے ہو آتے ہیں محرم گھر میں  
صحیح یوں ہے - تم جانتے ہو آتے ہیں محرم گھر میں  
پانچویں رباعی کا پہلا مصرعہ یوں شائع ہوا ہے

جو ذریعہ التفات جاننا نہ ہوا

صحیح یوں ہے - جو ذریعہ التفات جاننا نہ ہوا

(۲) جنوری کے نیرنگ خیال میں نیرنگی کی ایک غزل شائع ہوئی ہے

کیوں کسی سے وفا کرے کوئی دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی

اپنے دم کی ہے روشنی ساری دیدہ دل تو وا کرے کوئی

پتے شعریں وفا کی جگہ لگا اور دوسرے میں اپنے دم کی جگہ اپنے دل چھپ گیا تھا جو غلط ہے: ناظرین تصحیح فرمائیں +

(۳) نیرنگ خیال عید نمبر میں جو نعتیہ نظم بنو ان صلی علی محمد شائع ہوئی ہے وہ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب تیس شروانی کی ہے جناب امیر خدیجہ صاحب تیس کا نام غلطی سے چھپ گیا ہے +

(۴) سید نجیب اشرف صاحب ندوی کے مضمون میں ایک جگہ اول الذکر و آخر الذکر کے غلطے "نہیں" لکرا لیں "ہیں" چھپ گیا ہے +

نیرنگ خیال کے محسن خصوصی جناب سید تاجو حیدر صاحب یدرم جو پورٹ بلیر میں بسنسٹ کھتر ہے۔ اب پھر فازی آباد میں ڈپٹی کلکٹر کی پوسٹ پر ہندوستان تشریف لے آئے ہیں +  
فوری و مارچ کار سالہ - چند اصحاب نے فوری اور چند نے مارچ

کا پرچہ علیحدہ طلب فرمایا ہے۔ حالانکہ فوری اور مارچ کے مشترک نمبر کا نام عید نمبر تھا +

پشاور کا رسالہ ادیب بند نہیں ہوا۔ نیرنگ خیال عید نمبر میں کسی مضمون کے سلسلہ میں پشاور کے مشہور رسالہ ادیب کے متعلق شائع ہوا تھا کہ وہ نقصانات کی وجہ سے بند ہو گیا ہے۔ الحمد للہ کہ بیخبر غلط تھی۔ ادیب کی اشاعت میں جو التوا ہوا ہے وہ عارضی ہے اور عنقریب رسالہ ادیب ہفتہ عزیز دوست حضرت ابوالاثر حفیظ جان صری مصنف شاہنامہ اسلام کی زیر لواری بڑی شان و شوکت سے شائع ہوگا۔ صوبہ سرحد سے لکھنؤ سے ایک بلند پایہ رسالہ کا شائع ہونا ترقی اردو کے لئے اشد ضروری ہے۔ اب ادیب ایسے ہاتھ میں آ گیا ہے جو اس کی ترقی کے ضامن ہیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ جدید اشاعت کے تحت پہلے سے بھی زیادہ مقبول و معروف ہوگا +

ناظرین نیرنگ خیال کے نام { نیرنگ خیال کو سب سے زیادہ محرک و انگیزہ بننا چاہئے نیرنگ خیال کی مآثر و مقاصد یاد رکھیں اور سب سے زیادہ بھینے بھیجیں یہ بھی تنبیہات سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ ہر ڈاکٹو غلطیوں میں اضافہ کرتی اور سب کو بے خبر کر دیتی ہے۔ اگر نیرنگ خیال کے پہلے کوک میں چوری نہ ہو تو بلاشبہ نیرنگ خیال کی اشاعت دس ہزار روپے جاتی۔ اس لئے ہم ناظرین نیرنگ خیال کی خدمت میں اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس معاملہ میں ہمارے ساتھ تعاون کریں اسکی تدبیر یوں ہو کہ وہ خیال رکھیں کہ رسالہ لاہور سے ۴ تاریخ کو روانہ ہو کر انیس تاریخ تک مل گیا ہے یا نہیں اگر رسالہ ۱۰ تاریخ تک نہ ملے تو ایک لکھنؤ کو روانہ دوسرے طلب کریں اور ساتھ ہی ایک لکھنؤ کو روانہ کر دیں۔ اس قسم کے صحابی خط و پرکٹ نہیں لکھنا چاہئے۔ پورٹ مارچ کے نام گھم گئے ہوں، مگر پانچ پانچ تبدیل ہو تو اسکی اطلاع دینے کے لئے

# تحفہ

انسان

از جناب سید خیرات علی صاحب زیدی - جد رازاہ وکن

پر اس جگہ اگر ختم ہوتی تھی۔ جہاں سے قوما دھوتی باندھی جاتی ہے +  
رشدید بھائی نے اُن کے ہاتھ میں پیسے رکھے اور اپنا ہاتھ آگے بڑا دیا۔  
تمہارا ج نے بھائی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کمنا شروع کیا :-  
”تمہاری قسمت کی لکیر سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا راستہ اب تک پتھر میں ہے  
تمہارے اوپیشیں پڑی ہیں۔ اور ابھی تھوڑے دن ہو رہا راستہ مارہا خوش  
میں رہے گا۔ تمہارا دل ایک عورت پر ہے۔ اور اس عورت کے باعث تم کو تکلیف  
پہنچی ہے۔“

رشدید بھائی نے آہستہ سے میرے کان میں کہا اس طرح کہ بہن بھی  
سُن سکتا تھا :-

”الطیفت۔ بہن رشیدہ کو کہہ رہا ہے!“

”اُس عورت کا نام (ر)۔ سے شروع ہوتا ہے“

”میں رہے ہو؟“ رشید بھائی نے مجھے نئی طرف کرتے ہوئے کہا +  
”وہ تم کو کس سے دوستی پیدا کرنا پڑے گی۔ اگر وہ کو تکلیف پہنچائیں گے۔  
ایک سالہ آدمی اور ایک بھروسے والی عورت سے دور رہو۔ وہ دونوں تم کو  
افسان پہنچائیں گے۔ تم بہت جلد اپنی پتھر پڑو گے اور مالی نقصان اٹھاؤ گے مگر  
اس کے بعد تمہارا راستہ مارہا چمکیگا۔ اور ایک ٹھری جوتی تک والے آدمی سے تمکو  
نفع پہنچے گا“

”میں آدمی کا نام کیا ہے؟“ بھائی نے تصویر ہرمت بنکر سوال کیا +  
”نوجوی نے ذرا سوچنے کو مجھے جواب دیا :-“ تمہارے ہاتھ سے اُس شخص  
کے نام کا ٹھیک پتہ تو نہیں ملتا۔ مگر اسی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا نام ناہا ہے  
اور اُس میں حُر (دس) بھی شامل ہے۔ پس اب کہہ باقی نہیں۔ آداب عرض ہے  
راستہ رو کر کسٹ کھڑے رہنے۔ آنے والوں کو تکلیف دیتی ہے“

”حُرمت ہے یہ نوجوی کیسا چمکتا ہے؟“ دوکان سے جھٹے ہوئے رشید

بھائی نے مجھ سے کہا +

”میں بھی رہے تھے کہ ایک مارہا میرے بازو سے گزرا۔ جس کے ہاتھ

رشدید بھائی اور میں دونوں مل کر اڑا کر سیر کر چلے۔ اس لئے کہ آج  
عید کا دن تھا۔ اور ہمارے پاس کچھ روپے بھی تھے۔ اور رشید بھائی کا دل  
بھلا نا بھی ضروری تھا۔ کیونکہ اُن کی سنگت سیر کشیدہ کا خیال رہا کہ اُن کو  
شارٹ تھا۔ جب سے دہن ماہ ہونے دو سو روپے اپنے اور ایک سو روپے  
رشدید بھائی کے لئے کر۔۔۔ جو انہوں نے اپنی جائیداد خرچ کر کے اُسکو دیئے  
تھے۔۔۔ اپنی اُن کے پاس چلی گئی تھی۔ اور یہاں رشید بھائی اُس کے فراق  
میں گھلے جا رہے تھے۔ اُن کے نام مال میں اُس کا ایک خط آیا تھا کہ وہ چل  
چکی ہے اور قریب قریب یاد آ رہی ہے رشیدہ سے نکاح کر لینی۔ پھر اُن کے بعد سے  
اُس کا پتہ ہی نہ تھا۔ غنا ماہ لے کر اُن تھی۔ رشید بھائی انتظار کرتے کرتے تنگ  
آ گئے اور رشیدہ کا کہیں پتہ ہی نہ پتلا تھا +

پھر اس پر غصہ ہو کر آج فیضان۔ رشید بھائی اُس کی صورت  
کو خیر سے رہے تھے۔ اس لئے میں انہیں بازار لے گیا۔ میں نے سوچا کہ اُن  
ہا کر گھر منے اور کھانے پینے کی چیزیں کو دیکھنے سے اُن کو دل چل جائے گا۔  
مگر رشید بھائی کا دل بہت مضموم تھا۔ اور وہ کسی طرح خوش نہ ہوئے تھے۔ جو چیز  
بھی اُن کے سامنے آتی وہ غصے سے اُسے دیکھنے لگتے +

اس لئے میں انہیں صبح سے نکال کر علیحدہ کھانے مقام پر لے گیا۔ ایک  
دوکان پر ہمارے دوڑک۔۔۔ اور کس قدر نرمی۔۔۔ مجھ سے کہنے لگے :-

”یہاں البتہ میرا دل بدلے گا۔ چلو مجھ کو ہاتھ دکھاؤ۔“ دیکھیں کیا کہتا ہے“

رشدید بھائی ایسی باتوں کے بڑے متفقہ تھے +

فرض وہ اور میں مل کر دوکان کی طرف چلے۔ دوکان پر ایک تختی لگی تھی

نوجوی برہمن  
دل کے معاملے ہرمت کے کھیل

ہم دوکان میں داخل ہوئے۔ ایک چٹائی پر دھوتی باندھے ایک برہمن  
ہمارا ج پیٹے تھے۔ جن کے گلے میں ایک ڈوری پڑی تھی جو ان کے برہمن ہیٹ

روپے جو چوری گئے؟

میں نے خیال کیا کہ رشید بھائی اپنی مصیبتوں کو ایک ایک کر کے گنا رہے ہیں۔ تا کہ قسمت میں آنے کے لئے کوئی چھابا نہ مل جائے۔ جبکہ عام طور پر لوگ کیا کرتے ہیں۔ مگر میں نے انہیں سمجھا یا کہ ایسی باتیں موزانہ ہوتی رہتی ہیں۔ انکا خیال دکرا چاہئے؟

”سنو“ رشید بھائی نے جواب دیا ”تم کو دراصل نجومیوں پر اعتبار نہیں تمہارے سامنے یہ رہن میں میرا ہاتھ دیکھ کر کیا کہا تھا؟ دیکھو لفظ بلفظ وہی درست ثابت ہو رہا ہے یا نہیں؟ کیا اُس نے نہیں کہا تھا کہ ایک سال آدمی اور ایک بھورے بال والی عورت سے دور رہو۔ یہ دونوں تم کو نقصان پہنچانے کی فکر میں ہیں۔ تم اُس سیادہ نام کو بھول گئے جس نے سگریٹ سے میرا کان جلا دیا تھا؟ اور کیا تمہارے نزدیک اُس جوان عورت سے زیادہ بھورے بال والی کوئی اور عورت ہے؟ جس کی وجہ سے میری ٹوپی پانی میں گر پڑی۔ اچھا اور گھر سے چلتے وقت چروپے میری جیب میں تھے وہ کہاں ہیں؟“

رشید بھائی نے یہ سب کچھ اس انداز سے کہا کہ معلوم ہوتا تھا نجوم واقعی ایک سچا علم ہے۔ مگر پھر بھی مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ایسے واقعات کتنی شخص پر بھی گذر سکتے ہیں جو رشید بھائی کی طرح بے انتہائی سب سے بھاری پھر رہے۔ اور ہرگز داکس اس قسم کی پیشین گوئیاں کر سکتا ہے۔

بھائی پھر اٹھ کر کشتی پر نکلنے لگے اور اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے کشتی پر کے ہر ایک آدمی کو دیکھتے جاتے تھے۔ میں نے اُن سے اس حکمت کی وجہ پوچھی۔ جب تک رشید بھائی اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنا لیتے اُس وقت تک کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ وہ کیا کرنے والے ہیں۔ میرے سوال کا اُنہوں نے یوں جواب دیا۔

”تم کو معلوم ہے میں نجومی کی ڈیشینگوئیوں پر عمل کر رہا ہوں۔ اب میں اُس مڑی ہوئی ناک والے آدمی کی تلاش میں ہوں جس سے مجھ کو نفع کی امید ہے جس اب اسی آدمی سے میری ساری توقعات وابستہ ہیں۔ کیونکہ میری جیب میں جو کچھ پونجی تھی۔ چوری ہو گئی۔“

ات ہو گئی تھی اور کم کشتی میں سے آخر ایک کٹا دھلکی میں سے گزر رہے تھے۔ رشید بھائی برہنہ سر تھے۔

”لطیف! کبھی تم نے اس سامنے والے آدمی سے زیادہ مڑی ہوئی ناک کسی اور کی دیکھی ہے؟“ بھائی نے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

میں سگریٹ تھلا۔ اتفاقاً، جلیسا ہوا سگریٹ رشید بھائی کے کان سے چھو گیا پھر کیا دیر تھی۔ ایک منٹ پر ہو گیا۔ رشید بھائی نے اُس شخص کا گلا پکڑ کر خوب گھونٹا۔ اور اُس کی نامور تین خوفزدہ ہو کر جلائے لگیں۔ مگر میں نے دل کرا کر کہے بھائی کو پولیس کی آمد سے پہلے وہاں سے ہٹا لیا۔

اب ہم گھر واپس ہونے کے لئے کشتی پر سوار ہوئے۔ وہیں پر ایک نئی زور زور سے پکارا رہا تھا۔ ”آئیے آئیے اس ہوٹل میں آئیے۔ عمدہ نفیس کھانے امیروں کے مافوق وجود ہیں۔ رشید بھائی نے خوب گھور کر اسے دیکھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ سب سے پہلے ہوٹل میں ہی داخل ہوں گے۔ مگر جب اس دعوے کا ثبوت دینے کے لئے اُنہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ سپے مارا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب رشید بھائی اُس سگریٹ والے آدمی کو بھجور رہے تھے۔ تو کسی نے چالاکی سے اُن کی جیب سے روپے نکال لئے۔

بھور ہو کر وہ میرے قریب ایک تختہ پر بیٹھ گئے۔ اُن کی حالت بے حد تباہ تھی۔

ہمارے قریب ہی ایک بھورے بال والی عورت سرخ سرخ کپڑے پہنے بیٹھی تھی۔ ادھر سے گذرتے ہوئے رشید بھائی نے بے خیالی میں اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ چونکہ حنفی مذہب کے ساتھ اُن کا سلوک نہایت شریفانہ ہوتا تو اس لئے وہ فوراً جھک کر اُس سے معافی مانگنے لگے۔ جھکنے کی دیر بھی کہ اُن کی ٹوپی جو سر پر کبھی نہ دھیلی ہو گئی تھی بچے کو تپتی اور تیز ہوا کی وجہ سے تڑپتی ہوئی جا کر پانی میں ڈوب گئی۔ رشید بھائی واپس آکر میرے پاس بیٹھ گئے۔ اور میں سمجھ گیا کہ اب اُن کی نگرانی کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ دن کے لئے ضرورت سے زیادہ محسوس ثابت ہو رہا تھا۔ جب اُن پر زیادہ مصائب پڑتے ہیں تو وہ آپلے سے باہر ہوجاتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں اگر وہ کسی شریف آدمی کو مارا نہیں تو کوئی تعجب نہیں۔

یاد رہے رشید بھائی نے میری آستین پکڑ کر کہی اور کہنے لگے۔

”لطیف! تم کو معلوم ہے ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہم بانی پر سفر کر رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا ”بھائی اب خاموش بھی رہتے۔ میں کوئی دس منٹ میں ہم گھر پہنچ جائیگا۔“

مگر وہ خاموش نہ ہوئے اور کہنے لگے۔

”دیکھو اُس بھورے بال والی عورت کو دیکھو جو ہمارے قریب بیٹھی ہے تم اُس آدمی کو بھول گئے ہیں نہ سگریٹ سے میز لان جلا دیا تھا؟ اور میرے

ہی کریں گے۔ اب تک بخوشی نے جو جو کما تھا اب درست نکلا؟

مُڑی ہوئی ناک والا سارے پیٹے ٹک گیا اور میری طرف دیکھنے لگا۔

”آپ! ایس کچھ ترسنا بیگے یا آپ بھی اپنے دوست کے بھال ہیں؟ آپ کے چہرے تو حلقہ ہوتا ہے کٹا پٹ زیادہ بھلا رہوں؟“

”میں اپنے دوست کا بالکل بھال ہوں؟ میں نے جواب دیا نہ آپ کی شکل بالکل دلیسی ہی ہے۔ یہی بخوشی نے بتائی تھی۔ اور اگر آپ وہی آدمی نہیں ہیں تو رشید بھائی کی پرستش ہے؟“

”اچھے دیوانوں سے سالتے؟“ مُڑی ہوئی ناک والے نے ادھر ادھر پوچھیں جن کو تلاش کرتے ہوئے کما کچھ آپ صاحبوں سے ل کر بُری خوشی ہوئی خدا خانہ؟“

یہ کہہ کر اس نے سگڑا پھراپنے غنم میں رکھ لیا اور تیز تر آگے بڑھنے لگا۔ رشید بھائی نے اوس میں سے لکڑا سے اپنے بیج میں لے لیا۔

”اے! وہ تو بی کو پھٹانی سے سرکاتے ہوئے کٹے لگاتے آ رہے؟ دو نو کھا مطلب کیا ہے؟ آپ ملک جھے جانے دیتے ہیں یا نہیں؟ میں عرض کر دیا کہ آپ دونوں سے ملکر مجھے واقعی لے اٹھا خوشی ہوئی۔ اور میں آپ دونوں کا حد درجہ متون ہوں۔ لیکن اب میں آپ صاحبوں سے بچھا پھڑا نا چاہتا ہوں۔ مجھے گھر جانا ہے۔“ رشید بھائی نے اس کی آستین پکڑ لی اور بڑی منت سے کہنے لگے۔

”جانیے جانیے۔ ضرور دے جانے۔ اور میں دولت خانے پر جناب کے سب پر آم ہوئے ملک بیچارہ ہو گا۔ کیونکہ میری قسمت میں لکھا ہے کہ آپ ہی ان نقصانات کی تلافی کرینگے جو مجھے کالے آدمی اور جوہر سے ہل والی عورت کی وجہ سے پہنچے ہیں۔ اور نیران دیو میں کی بھی جو میری جیب سے چوری گئے؟“

”عجب شخص ہے! مُڑی ہوئی ناک والے نے رشید بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زہرے سے کہا: اس طرح کہ جیسے دو دیوانوں میں سے میں کیتھہ بکھلا تھا۔“ آپ انہیں گھر کیوں نہیں لے جاتے؟“

”دیکھئے جناب! میں نے جواب دیا۔“ رشید بھائی کچھ دیوانے نہیں۔ ان کے حواس بالکل بجا ہیں۔ وہ صرت بخوشی کی بتائی ہوئی ہوشیگاریوں پر مل کر رہے ہیں۔ جنہیں آپ بھی سن سکتے ہیں؟ یہ کہ کوئی نے رشید بھائی اور بخوشی کے سارے واقعات کا اعادہ کیا۔ وہ اتنا کہ وہ وہی شخص تھا جس سے بھائی کو کٹھ پتلی کی پیشین گوئی کی گئی تھی اس کے بعد میں نے کہا۔“

”اب سارے واقعہ میں میرا جو حصہ ہے وہ یہ ہے۔ میں اپنے خیال کے

گھلی کے موٹ پر سرسڑک کے ایک چراغ کے نیچے ایک شخص کھڑا چاند کو دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک دوازدہ آدمی تھا۔ اور نہایت نفیس لباس پہنے تھا۔ اس کے ہاتھ میں سگڑا تھا۔ اور ایک سرسری نظر میں مجھے معلوم ہو گیا کہ اس کی ناک دو جگہ سے مُڑی ہوئی تھی۔ رشید بھائی اس طرح اپنے رہے تھے جیسے زین اُتارنے کے بعد گھوڑا اُپٹا ہے۔ وہ یہ ہے اس آدمی کے پاس گئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔

”سلام علیکم“ رشید بھائی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس شخص نے اپنے منہ سے سگڑا نکالا اور نہایت دتیب طریقہ پر جواب دیا۔

”ذرا اپنا نام تو بتائیے“ بھائی نے کہا۔ ”وہیں کتنا لانا ہے۔ شاید آپ سے دوستی پیدا کرنا ہماری قسمت میں لکھا ہو گا۔“

”خاکسار کو ابوالبیان نصیح الزماں فصیح الدین صلیقی کہتے ہیں؟“ ”ٹھیک۔ ٹھیک۔ بالکل ٹھیک۔“ آپ کے نام میں کہیں (س) بھی آتا ہے؟“

”جی نہیں“ ”کیا آپ اسے (س) سے لکھ ہی نہیں سکتے؟“ رشید بھائی نے دل گرفتہ ہو کر دریافت کیا۔

”ہاں۔ اگر آپ کو زبان سے اتنی ذرا نفیت ہے کہ (س) اور (س) آپ کے نزدیک ایک ہیں تو ہمیں آپ کی مرضی آپ چاہیں تو اس (س) سے بھی کہہ سکتے ہیں؟“

”ہاں نہیں کافی ہے۔“ بھائی نے خوشی سے اچھل کر جواب دیا۔ آپ اس وقت طلیعت اور شید کے سامنے کھڑے ہیں؟“

”یہ میری بین خوش قسمت ہے۔“ مُڑی ہوئی ناک والے نے فُرم ہو کر جواب دیا۔ ”اور اب چونکہ میں آپ دونوں کے اس طرح اچھا لکھا پکڑنے کا مطلب نہیں سمجھا اس لئے مجھے امید ہے کہ اس کٹھ پتلی کو تو اُٹھادیتینگے؟“

رشید بھائی نے واقعات کو کچھ لکھنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”وہ ان دو غلاموں میں سے جو بخوشی نے میرا ہاتھ دیکھ کر بتائی ہیں۔ مسلم ہوتا ہے کہ آپ ہی وہ شخص ہیں جس کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ آپ کی قسمت میں لکھا ہے کہ کالے آدمی اور جوہر سے ہل والی عورت سے مجھے جو نقصان پہنچے ہیں۔ علاوہ

میرے وہ ہیں کہ جو کسی نے میری جیب سے چھرا لئے۔ ان سب کی تلافی آپ

ہیں۔ تحریریں معاملہ بیکس پر عکس ہو جاتا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ زندگی میں مجھے جو دو واقعات پیش آئے ہیں ان پر ایک مکمل کتاب لکھوں گا۔  
درد تو کیا آپ کتاب میں میرا بھی ذکر کریں گے۔ رشید بھائی نے دل گرفتہ ہو کر دیانت کیا +

”نہیں نہیں مطلق نہیں۔ کیونکہ کتاب میں اتنی گنجائش نہیں ہے۔  
نی اوقت تو میں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ خود ہی تم سے لفظ کھادو مجھے یہ جام تنہا نوش کرنا چاہئے۔ میں واقعی تم دونوں کا بچہ مندوں ہوں۔“  
”تمہاری باتیں سبک“ رشید بھائی نے نور سے میز پر گھونٹہ مار تے ہوئے کہا۔ مجھے اب تاب صبر نہیں۔ بخوشی کی پیشین گوئی کے مطابق تمہاری اس مڑی ہوئی ناک سے مجھے فائدہ پہنچنا چاہئے تھا۔ مگر ہوا کچھ بھی نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں تو اس پیشین گوئی کو سرسرا کر غلط سمجھتا۔ اگر اس کا لے آدمی اور میرے بال دلی عورت۔۔۔۔۔

دو تو بہ قیہ“ مڑی ہوئی ناک والا کہنے لگا۔ ”کیا تم بخوشیوں کے معتقد ہو؟ خیر میری ناک سے جتنی فائدہ تم کو پہنچا سکتا ہے وہ سب پہنچا۔ چلو ایک دور چائے کا اربو سسی۔ تمہارے جیسے عجیب و غریب آدمیوں کو جب تک ترو تازہ نہ رکھا جائے لطف نہیں آتا۔ خشک آب و ہوا میں تم لوگ مر جیا جاتے ہو۔“  
یہ کہہ کر مصنف نے ہم دونوں کو پھر چائے پلائی۔ اور چونکہ رشید بھائی کی اور میری پونجی ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے بل پھر اسی لے ادا کیا۔ مگر رشید بھائی رکھے بنے بیٹھے رہے +

اب ہم باہر نکلے کیونکہ تقریباً گیارہ بج چکے تھے۔ مڑی ہوئی ناک والے نے گھر جانے کی اجازت چاہی اور ہم سے درخواست کی کہ وہاں تک اسکا ساتھ دیں۔ ہم ایک گلی میں بیٹے جہاں کئی اونچے اونچے مکان تھے۔ ہمارا ساتھی ایک مکان پر ٹپک گیا اور نظر اٹھا کر اوپر درجوں کو دیکھا جن میں اس وقت اندھیل تھا +  
”یہ غریب خانہ ہے“ اس نے کہا۔ ”اور آتا جاتے ہیں کہ بیگم سو گئی ہیں۔“  
اس لئے اب میں بہت کر سکتا ہوں کہ تم دونوں کو دروگوں۔ آج عید کا دن ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم سب سے نیچے والے کمرے میں چلا کر کچھ کھاؤ۔ جو۔ میں کس زبان سے تم دونوں کا شکریہ ادا کروں کہ تم میرے لئے ایک ایسا دلچسپ مشن فرام کر دیا +

رشید بھائی کو اور مجھے چھوٹا توغاب لگ رہی تھی اور ہم بہت خوش تھے کہ ہمیں کھانا مل رہا ہے۔ مگر بھائی پر ایک اداسی چھا جاتی تھی۔ جب انہیں یہ خیال

معاذ رشید بھائی کا بھائی ہوں۔ امیروں کے بھائی ہونے میں نفع ہے۔ کیونکہ وہ سٹے رہتے ہیں۔ امیروں غریبوں سے دوستی رکھنا بھی نفع سے خالی نہیں۔ کیونکہ ایک رقم و کرم کی شہرت دنیا میں پھیل جاتی ہے۔ اور پھر آپ کا ایک مجتہد بنا کر شریک پر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح کہ آپ کے ہر ماتھ میں ایک نیم پتھر ہوتا ہے لیکن رشید بھائی جیسے خود مانع لوگوں کے بھائی یا بچے دوست ہونا بڑی مشکل بات ہے۔ یہی حال میرا بھی ہے۔ میں بذات خود پیشینگوئیوں، خبر کا قائل نہیں۔ اور گو آپ کی ناک بلاشبہ سارے شہر میں سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے۔ مگر مجھے شک ہے کہ آپ سے کسی کو نفع پہنچے۔ لیکن اب اس کا کیا علاج کر سکتا ہے بھائی سے بخوشی صاف صاف آپ کی سببست بیان کی اور تین دہائیوں کا آپ سے ان کو نفع پہنچا۔ اس لئے گو میں تو اس کا قائل نہیں لیکن پوری کوشش کر رہا ہوں کہ رشید بھائی آپ پر بھروسہ کر کے بچھڑیں۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ آپ سے ان کو ایک کوڑی کا بھی فائدہ نہیں +

یہ سنتے ہی مڑی ہوئی ناک والا زور زور سے قہقہے مارنے لگا۔ اور ایک مکان کی دیوار سے ٹک کر اتنا ہنسا کہ کوٹ کوٹ گیا۔ پھر رشید بھائی کی اوزیر پر پیچھے ٹھوکی اور ہم دونوں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آگے چلا +

”میرا یہ غلطی تھی کہ میں نے تم دونوں کی قدر نہ کی“ وہ کہنے لگا۔ ”بھلا مجھے کیا خبر تھی کہ گلی کی موڑ پر مجھے ایسی عجیب سستیوں سے سابقہ پڑے گا۔ قریب ہی میں ایک جوتل ہے جو تم جیسے عجیب و غریب آدمیوں کے لئے خاص طور پر بوتل ہے۔ چلو وہاں چلا جائے پائیں اور وہیں اس مسئلہ پر گفتگو کریں +

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا اور ہم دونوں کو لئے ہوئے ہوٹل کے ایک کمرہ میں داخل ہوا۔ چائے کا آرڈر دیا اور بل بھی خود ہی ادا کیا۔ ہم دونوں سے اس نے مثل بھائیوں کے سلوک کیا اور ہم کو سگھار پینے کو دئے۔ پھر ریلو کہنے لگا:-

”تمہیں معلوم ہے میں زندگی کے جس شعبے سے تعلق رکھتا ہوں + شبہ تعینیت ہے۔ میں دراصل ایک مصنف ہوں۔ اور رات کو اکثر اسی لئے گھوما کرتا ہوں کہ اہل دنیا کے عجیب و غریب حالات معلوم کروں۔ جب تم لوگ اگر مجھ سے ملے تو میں اس وقت شریک کے منظر اور چاندنی رات کا انداز کر رہا تھا۔ میں سوچتا ہوں چاند میں رکھا ہی گیا ہے + ایک بے جان جسم ہے جو آسمان پر چکر لگاتا رہتا ہے۔ امیروں شاعری کو لے لو۔ اس میں بھی کیا دھڑا ہے + کچھ نہیں سراسر نفویات ہے۔ لیکن یہ سب کہنے کی باتیں

آہا تھا کہ تجوی نے ان باتھ دیکھ کر جس نفع کی طرف اشارہ کیا تھا وہ نقطہ دو  
چائے کی پیالیوں اور ایک رات کے کھانے پر موقوف تھا +  
”تم لوگ نیچے کی طرف آؤ“ مٹری ہوئی ناک، ”لا کھنے لگا“ میں اوپر  
کے دروازے سے آتا ہوں۔ ہمارے پاس تین ماہ ہوئے ایک نئی لڑکی ملازم  
ہوئی ہے۔ میں اُس سے کہہ دیتا ہوں کہ میری محشی میں تم دونوں کو چائے بنا کر  
پالنے پر مشغول رہو، واقعی بڑی نفیس چائے بناتی ہے۔ آؤ اندر آؤ۔ میں اُسے ابھی  
بجھتا ہوں +  
(خاص)

سید خیرت علی زیدی

## قطعات

### نغمہ دل

م تو لے، اوگائے والے! دم تو لے میرا دل بھی گارہا ہے، بسنے دے  
تیرا نغمہ بن گیا مضرب، آہ بول اٹھے تار دل کے ساز کے

### بانسری

یہ تیری دلہ وز تائیں پہلے پہلے ہو گیا ہوں خود بخود سرشارے  
کیا سنا نا چاہتی ہے دل کو تو؟ یہ صدائے نغمہ ہے یا فریاد ہے

### داروگیر مضبوط

سائے دن خورشید کے جلوے رہیں شب کو ہوں انجم کی بزم آرائیاں  
آہ! داغ دل مرے ترسا کریں قید میں حاصل نہیں عرفانیاں

### نغمہ شام

شام تنہائی، دھند لکا اور سکوت باغ میں غمگین ہے ہر ایک شے  
کچھ کل سے آ رہی ہے اک صدا نالہ زائے کل فضا میں جس کی لے  
بے زباں طائر کا نغمہ ہے مگر گوشِ دل کے واسطے افسانہ ہے  
اختر انصاری دہلوی



# فلسفہ زشت

از جناب پروفیسر محمود الدین صاحب سائیکس ایم۔ اے (ایگ)

گنہگاروں کا اعتراف نہیں کیونکہ گنہگاروں کا کونسا اعتراف میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ گنہگار اپنے گناہوں اور اپنی گناہوں کا اعتراف خاص خاص موقعوں پر کیا کرتا ہے۔ اس کا اعتراف دوزخ کے خوف، اللہ تعالیٰ کی بخشش اور نوبہشت کے باعث ہوتا ہے۔ لیکن دانا اور عاقل ان تمام چیزوں سے بالاتر ہوتا ہے۔ چنانچہ خیم کتا ہے۔

درد کسہ و خاکہ و درد کشت ترسندہ دوزخ است و جو اسے بہشت  
نکس کہ ترسندہ را بخراست نرسد و در اندرون دل بیچ نکشت  
دانا آدمی کا اعتراف ایک وجدانی قریب دے جیسے سب سے اول دھندنا بہت کرتا ہے۔ پھر بیماری اور کوشش اس کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ یہ اعتراف ایک قسم کی فلاحی ہوئی ہے۔ جسے وہ غلو نفس کی بنا پر اختیار کرتا ہے۔

میں نوشہرواں یزدانی کا بہنو ہوں۔ اور انحضرت نفس کا اعتراف کرتا ہوں۔ ایک سال سے جو میری روح کی گمراہیوں سے نکل رہا ہے۔ اس کی مثال اس پرندے کی سی ہے جو عینا کے جال میں چھن چکا ہو۔ اور ہائی کے لئے پھر پھر رہا ہو۔ نفس کی تیلیوں سے مس نہ کرنا چاہو۔ اور اس کوشش میں جو کراں کو توڑ کر ڈالنا ہے اور آزادی کی ناپید کنافہ، افسوں میں چھپا پھرے۔ یہ بجلی کی کڑک ہے جو میرے افکار کے مارچ کو جلا کر زبان کے رستے باہر نکل رہی ہے۔ وہ وقت آئے وہاں ہے جہاں نردج جسم کی ادھیری کو نمیری میں رہتے رہتے آزادی کا خیال بھول جائیگا اور عافان کی تائیں اس کے لئے ایک نور خراب آفریں سے زیادہ دھت نہ کیگی اس وقت وہ کیگا ہے

نفس ہوا تھا تو ذکر کلچ نفس کی تینیاں

اسے کہہ کر رہ گیا ٹوٹے ہوئے پر و خیمہ کر

ہاں تو گنہگار اعتراف کرتا ہوں سے راہی ہائے کا وسیلہ یا غور بخش ہم  
ذریعہ ہوتا ہے لیکن عارف کا اعتراف ایسا نہیں ہوتا کیونکہ اس کا اعتراف ایک فیض  
و جہاں کا آفاقی ہوتا ہے جو اس پر فرض ہوا ہے۔ دوسرے غفلوں میں عارف کا  
اعتراف جہاں نفس کا آقا ہے۔

بہشتی کے ایک مشہور پارسی نوشہرواں یزدانی نے "آسمان" کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ کچھ عرصہ پہلے میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ ایران کے دور زریں میں ہر ایرانی عبادت کے بعد خداوند تعالیٰ سے یہ دعا کرتا تھا کہ ایران قحط و وبا اور طاعون و دروغ سے محفوظ رہے۔ جھوٹ کیا؟ اور غیر حقیقت کسے کہتے ہیں؟ اسے ایرانی کیا تو اسٹار اور راست ہا رہے؟ اس کا جواب اپنے وجدان سے پوچھ کر آیا جو کچھ تو کہہ رہا ہے وہ راستی پر مبنی ہے یا جو کچھ تھ سے بن آتا ہے وہ درست ہے؟ یعنی کیا تیرا ظاہر و باطن یکساں ہے؟ جب میں نے اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھا تو مجھے اپنے قول و فعل میں زمین آسمان کا فرق نظر آیا۔ تو بھی اپنے دل سے پوچھ! اگرچہ نفعی میں نے تو اسے چھپانے کی کوشش ذکر اور اوقات میں جو تو مجھے اطلاع دے تاکہ میں تیری زیارت تو آؤں کیونکہ تو زیارت ہی کے قابل ہے۔

ان سیدھے سادے فقروں نے ایک مدت تک مجھے تفکرات میں غصاں دیے۔ پھر ایک اور میری روح و دہیزوں کو میرے سامنے لائی۔ ایک تو مشہور فلسفی روس کا قول جو اس نے اپنی مشہور "آفاق کتاب" "اخلاقات" کے دیباچہ میں لکھا ہے اور دوسری ایران کے مشہور روحانی پیغمبر زرتشت کی روح پر دریا ہیں۔ "تو کونسا ہے کہ جس دن قیامت برپا ہوگی میں خداوند تعالیٰ کے سامنے یہ کتاب لے کر حاضر ہونگا اور کو تو پیروہا! لا! میرے فکر کا نتیجہ ہے۔ اسی پر میں نے غص کیا ہے۔ اور اسی کے مطابق میں چلتا رہا ہوں۔ یا خدا یا انبی مخلوق کو میرے گریہ و زاریوں سے یہ اعترافات نہیں میری تخلیقوں پر نہیں ہائیں۔ میرے برے اعمال پر بیٹھے حاسم کریں! اپنے اعمال سے میرے سنا پیش کریں اور جو کچھ ان کے دل کی گمراہیوں میں چھپا ہوا ہے اسے بلا کم و کاست میرے در پر ظاہر کریں۔ تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ اس دنیا میں کوئی شخص اتنی جرات و ہمت نہیں رکھتا کہ وہ اعلان کرے "میں دوسرے بہتر ہوں"۔

دوسرے کے یہ اقوال آج کے زمانے کے قابل ہیں۔ کیونکہ یہ افکار  
ہے ایک پاک شش بزرگ کا جس کی زندگی انسانوں سے ممتاز تھی۔ یہ اعتراف کسی

فلسفوں کی طرح ریاضت۔ درویشی۔ اور محلات کا شوق دلاتا ہے۔ بلکہ وہ سب کو کشش کو انسانی زندگی کا لازمی جز قرار دیتا ہے۔ اور انسان کو کامیابی اور نیک بننے کا امیدوار ٹھہراتا ہے۔ اس کا قول ہے کہ ایک دن دنیا پر نیکی چھا جائے گی۔ ہدی مٹ جائیگی۔ نیکی کی روشنی چاروں اہل عالم میں پھیل جائے گی۔ گناہوں کی تیر و تار گھٹائیں چھن جائیگی۔ اور مردانِ اہل حق پر غالب آجائے گا۔ اس لئے ہمیں اس وقت کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

یہی غلط فہمیاں ہیں۔ اسی کو تنازع البقا کہتے ہیں۔ یہی سب کو کششِ قہر و غلبہ اور جنگ و کامیابی کا راز ہے۔ اسی کو فلسفہٴ عصر کہتے ہیں۔ انہی نظریات کی بنا پر وہ راست گئی اور درست پھری کا حکم دیتا ہے۔ اور انہیں اپنی تعلیمات کا اہم ترین جز قرار دیتا ہے۔ چونکہ جمہوریت تمام برائیوں اور فتنوں کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے وہ اسے اہل حق کا مروجہ اصول سمجھتا ہے۔ آؤ سستہ میں اس قسم کی کئی دعائیں اور دعا جائیں موجود ہیں جس سے یہ بات بے ثبوت کو بچنے جانی ہے۔ اور اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو راست گونی ہی پسندیدہ اخلاق اور اعلیٰ فضائل کا منبع ہے۔ کیونکہ جس شخص میں یہ صفت موجود ہوگا اس میں دیگر اوصاف بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جو راست گو ہوگا وہ چوری، خیانت، غارت، ظلم، ریاکاری، پاپوسی، خوشامد اور اس قسم کی دیگر کمینہ نصلتوں سے پاک ہوگا۔ کیونکہ یہ چیزیں راست گونی کے سراسر منافی ہیں۔ اگر کوئی شخص خفیہ طور پر ان جرائم کا مرتکب ہوگا تو اس کا ضمیر خود بخود اسے سرزنش کرے گا۔ اور جب تک وہ انہیں چھوڑ نہ دے گا۔ اس کی روح عذاب الیم سے رہا نہ ہوگی۔ راست گونی درست کاری کا بیش قیمت ہے اور درست کاری انسان کو راست گو بنا دیتی ہے۔ اس لئے اگر اہل ایمان اپنے بھوکو فغا راست گونی ہی کی تعلیم دیں تو ملک میں انقلابِ عظیم برپا ہو جائے گا اور بچوں کے اخلاق درست ہو جائیں گے۔

ایمانِ قدیم میں درویشی بہترین صفت خیال کی جاتی تھی اور بے کار انسان شہرہ برادر کہلاتے تھے۔ کیونکہ انہیں جمہوریت سے بے دخل کر دینے کی بات پڑ جاتی تھی۔ اور اگر تھا کہ رفتہ رفتہ یہ عادت ان لوگوں کی بدولت دوسرے لوگوں میں سرایت نہ کر جائے۔ لیکن انسان! آں تدحِ شکست و آن ساقیِ نماند

علم الدین سالک

اگر اس مسئلہ پر زیادہ غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ زرتشت یا زرتشت بھی اسی قسم کی تعلیم دیتا ہے۔ مگر اس کی تعلیم کے بموجب جادو و صرف نفس ہی کے ساتھ جائز ہے بلکہ ہر اس شخص کے خلاف واجب ہے جو خدا و شر کا باعث اور نیکی کی دشمن ہو۔ زرتشت کی نظر میں اہل حق یا شیطان دنیا کو خراب کرنے یا ایک یا اپنے میں ہر وقت مشغول اور شرف و فساد کی اشاعت میں ہمیشہ کوشاں رہتا ہے۔ اس لئے ہر دیندار کا فرض ہے کہ وہ اس کے خلاف جنگ کرتا رہے۔ اور اس سے کبھی متحر نہ ہو۔

زرتشت صوفیہ نے اکرام کی طرح جہان کو بہشت نہیں لکھا۔ اور نہ ہی اسکا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے مقام پر اچھی ہے۔ بلکہ وہ عمرِ جاہم کا ہمنوا ہو کہ ہر چیز کو بہت کم پسند آئی ہو یا بد ہر چیز آئینہٴ خیال نئی یا بد نیست

وہ تو ایرانی مسلمانوں کی طرح اجرائے قوانین و احکامِ دین اور ضبطِ عدالت و دفعہٴ ظلم کو صاحبِ عصر کے تصور اور اس کی ترویج سے وابستہ کرتا ہے اور نہ ہی فلسفہٴ جبر و تقدیر کا قائل ہے۔ کیونکہ اس قسم کے خیالات قوتِ ارادی کو کھلب کھڑکتے ہیں۔ دنیا کو گھاڑ دیتے ہیں اور زندگی کی جنگ کی حصولِ خیر کی کوشش۔ دفعہٴ شر کے خیالات۔ غم و غنا کی خواہش۔ عدل و انصاف کے ذوق و شوق اور ظلم کے استعمال کے دلوے دل میں پیدا نہیں ہونے دیتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بیکار، بے غرض، اور بے بہت ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ اس کے خلاف لگتا ہے کہ ہمارا جہان جیسا کہ ہونا چاہئے تھا وہی نہیں ہے۔ اس میں ناپاکی و گناہ اور غفلت و فساد کا دورہ گرم ہے۔ ان چیزوں کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تمام قسم کے فساد و شیطان اور اس کے پرستاروں کی بدولت آہستہ آہستہ ہو رہا ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ جس طرح بزرگانِ اہل حق کے ساتھ جنگ کر رہا ہے۔ جو بھی شیطان اور اس کے دوستداروں کے ساتھ جنگ میں مشغول رہیں اور ایسے کام کریں جو اہل حق کی مرضی کے خلاف ہوں۔

فلسفہٴ حیات میں وہ ایک نظریہ قائم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا میں اچھی اور بری دونوں قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ہمیں اچھی چیزیں اختیار کرنی چاہئیں۔ اور بری چیزوں کو مٹا دینا چاہئے۔ زرتشت دنیا کو زندہ قرار نہیں دیتا۔ اور نہ ہی ہندو

(خاص)

# مبارک میٹ

از جناب محمد حکیم جعفری صاحب ایڈوکیٹ

عقیل آدمی کچھ چھٹی سانس ہے۔ میں بڑا نوجوان ہو کر اس کا منہ کھٹکے گا اس نے بتا کر ایک بہت پرانی اور نایاب نقشی تصویر بیچنے سے وہ روپے اس کو ملے تھے۔ چونکہ اتنی دیر ہو گئی تھی کہ وہ بنگ میں انہیں جمع نہیں کر سکتا تھا۔ اور دوکان میں جھوٹا خرید لیا تھا۔ اس لئے اس نے گھر ہی لے جانا بہتر سمجھا۔ اور جب سے کسی گڑاٹ نے اس کی بونٹی غائب کر دی تھی وہ ان سے بہت ڈرنے لگا تھا۔ اس وجہ سے اس نوٹ کو جیب میں رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ اس عرصہ میں کہ اس نے جیب سے اس نوٹ کو نکال دیا۔ مگر یہ نہ سمجھا تھا کہ اب بھی ایک دشمن ہے +

**عقیل** - (جو بگو کہ تم نے مجھے پکڑ لیا۔ دیکھو میرا کتنا بڑا نقصان ہو گیا +  
میں - تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس نوٹ کو پکڑ لیتے۔ میں نے تم سے زیادہ حراس سے کام لیا ہے۔ اور اس کا ٹی کا نمبر دیکھ لیا۔ ہم ٹیلیفون کے ذریعہ سے اس کے مالک کو اطلاع دے سکتے ہیں +

میرے اس کہنے سے عقیل کچھ خوش تو ہوا +  
**عقیل** - اس کا پرچہ اتنی تیز جارہی تھی کہ کئی دیر تک وہ بیٹ تھیم رہ سکتا ہے کہیں پھراؤ لگ گیا ہوگا +

میں - جی نہیں میں نے اس کو بھی دیکھ لیا تھا کہ اس کی چھت پر اسباب رکھنے کی جالی لگی تھی۔ تمنا زبیت اسی میں پھنس گیا تھا +

اب عقیل پوری طرح خوش نظر آنے لگا۔ اس نے سب سے پہلے ہم نے ہا کر ایک دوسرا بیٹ خریدا۔ اس کے بعد بے لبا کہ دفتر سے چلکر درخت کوں کہ اس نوٹ کا مالک کون ہے، ہم ابھی ٹھوڑی سی دور گئے تھے کہ وہی موٹر پیچھے سے آکر گڑری۔ میں عقیل کو جھوٹا پھوڑا اس گاڑی کے پیچھے لگا بے غاش بھاگنے۔ میں کم دیش میں گزرتے ہی رہا۔ اور اپنے دلس غور کرنے لگا کہ میں بھی کس قدر احمق ہوں کہ ایک موٹر کا رو پیدل چلکر پکڑنا چاہتا ہوں۔ یہ سوچ کر میں روکنے والا تھا کہ خوش قسمتی سے اگلے چوراسے پر پہنچ کر وہی سے موٹر ٹھہر گئی۔ اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ میرے پیچھے ہی وہ پھر چل نکلی۔ میں نے فوراً میرے روکنے کے لئے اشارہ کیا جسے اس نے یا تو

میں چورگی پر ایک روز نام کے وقت ٹیکسی کے انظار میں کھڑا تھا۔ کہ عقیل کو ایک بھری ہوتی موٹر "ہنس" پر چڑھتے دیکھا۔ اس نے سردی سے بچنے کیلئے اندر گھسنے کی کوشش کی۔ مگر سائیکل کی کثرت اور "کن" کٹر کی بے جی سے اس کو ٹکراتی ملی۔ اور مجبوراً اوپر دالے درجہ ہی میں جانا پڑا +

میں اپنے دل میں غریب عقیل کے لئے دعا میں مانگنے لگا۔ کیونکہ اس کو بہت جلد ذرا سی بے اعتدالی میں نہ مہم ہو جا یا کرتا تھا۔ اور وہ دن بھی غیر معمولی طور پر سردی کا تھا۔ بارش ہو چکی تھی۔ نہایت تیز اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ میرے ذہن میں فوراً اس کی تصویر کھینچ گئی کہ کس طرح وہ اپنے دوستوں سے "عید مبارک" کہے گا +

کیا کہ ایک غلط میٹ کی وجہ سے میں چونک پڑا جو وہاں میری ناک کے قریب سے آ رہا تھا۔ مگر وہاں "موٹر" والی "موٹر" پر سے ایک فینس مانی دی۔ نکلواٹھا تھا ہوں تو فینس میری طرف بے تحاشا بھاگتا اور بہت سے اشارہ کرتا دکھائی دیا +

میں بہت کے لئے پشیمان ہو گیا۔ مگر وہ میرے اور دوسرے تماشائیوں کے ہاتھوں سے بچا ہوا ایک گزرنے والی فینس و موٹر کا رکی چھت پر نہایت اطمینان سے جا کر لگا۔ اس آئینہ میں عقیل بانٹتا ہوا میرے پاس پہنچا۔ اور کہنے لگا -

**عقیل** - خدا کے لئے اس کا روکسی طرح روکو۔ وہ بیٹ ضرور ملنا چاہئے +  
میں - مرد بزرگ - کیا وہ بیٹ اتنا قیمتی ہے کہ اس بھری ہوئی سٹرک پر اس کے لئے دو گز پانی جان خدو میں ڈالو۔ چلیں ہمیں دوسرا بیٹ خریدو +

جسے میری طرف سے تحفہ سمجھئے گا +

**عقیل** - عقیل آدمی جانتے بھی ہو کہ اس میٹ کی اس وقت کیا قیمت ہے +

میں - کسی گڑری بازار میں زیادہ سے زیادہ روپیہ نہوارہ + وہی کہہ سکیگا +  
**عقیل** - (جبکہ میں نے پکڑ لیا تھا بدحواسی سے اپنے کو چھڑاتے ہوئے) جھوڑی ہے مجھے اس کے اندر سو روپے کا نوٹ تھا +

نوشابہ۔ آپ کو معلوم نہیں جس وقت سے میرے والد نے آپ سے وہ تصویر خریدی آپ کو تلاش کرتے کرتے پرفانی ہو گئے +

**عقیل۔** (خوشخبرہ ہو کر) کیوں کیا انہیں کوئی خرابی ہے +

نوشابہ۔ جی نہیں بات یہ ہے کہ میرے والد بنگ سے آج صبح منسوب ہوئے کے ٹوٹ

لائے تھے۔ ہمیں سے ایک جعلی تصاویر ان سے آپ کو دیا گیا۔ جیسے ہی کو تصویر

نور کو روئے تباہ نے ملایا تو ان کے ذہن سے ٹوٹ کے جعل ہوئے کی اطلاع دی

اور اسے واپس لے لیا۔ ہم تو ان کی وہ بات پر گئے معلوم ہوا کہ آپ گھر چلے گئے۔

دیران کرتے ہوئے آپ کے مکان پر پہنچے۔ اس پر جاکر آپ گھر کے ہی نہیں۔

اصلی ٹوٹ بچے اور مصنوعی، اس کیلئے۔ اس خیریت سے آپ نے سزا کیوں ہوئی

**عقیل۔** میں اس پر عیب کا خیال کر رہا ہوں جس نے میرا بیٹ مٹا کر اس کی

کا قتل کر دیا۔ آپ کی اس حکمت اور فطرت کا بھروسہ کیا ہے۔ اب مجھے

اجازت دیجئے تاکہ نور گھر جا کر میں کچھ پیش بندی کروں۔ ورنہ عید کے دن اگر

زکام کی وجہ سے بستر میں پڑا ہوں تو بڑی بڑگونی ہوگی +

اب مجھے بھی ہوش آیا۔ ورنہ میں تو خاتون کی صورت دیکھنے میں موقوف۔

**میں۔** (ٹھنڈی سانس بھر کر) چونکہ آج کے قتل کا اچھا کام میں ہو رہا کر لیا۔ اب

مجھے بھی اپنے بے رونق اور خالی مکان کا رخ کرنا چاہئے +

نوشابہ۔ معلوم ہوا ہے آپ تمنا میں کیا کیا۔ دن بھی اکیلے ہی گزرتے گا +

**میں۔** جی ہاں۔ اندیشہ تو مجھے ایسا ہی ہے +

نوشابہ۔ تب تو آپ ہماری دعوت قبول نہ کیے میرے والد میں یہاں تنہا

دن میں اپنی اس بدتمیزی کی بدحوالی دیر پہنچے تھے سے سرزد ہوئی ہے

تمانی کرنی چاہتی ہوں میں گراہ ہوئی میں ٹھہری۔ ان اور آپ کی منتظر ہو گئی

اس کے بعد ہوشیار رہنا ہو گئی۔

(ماخوذ از اسٹریڈر ویلی)

محمد کلیم حفیظ

دیکھا نہیں یا دیکھنا نہیں چاہتا تھا اور گاڑی تیز کر دی۔ میں اتنی دور پہنچا تھا

دوڑنے کے بعد گاڑی کو آسانی سے چھوڑنے والا نہ تھا۔ اس لئے کوئی اس پر زور

ہو گیا۔ اور ایک منٹ میں گاڑی کے اندر سے میرے کان میں ایک باریک اور

سنبھلی آواز آئی +

یہ کیا حرکت ہے۔ کیا میں مارا گیا ہوں یا کوئی اور انسان چاہتا ہے +

پولس والی ایک نمائندہ میں نے ان خاتون کی جوہت قیمتی اور غریب

لباس پہنے ہوئے تھی +

**میں۔** معاف کیجئے۔ آپ نے۔۔۔ کوئی بیٹ۔۔۔ تو میں۔۔۔ دیکھا۔

**خاتون۔** بیٹ! معلوم ہوتا ہے تو آپ کی کیا قیامتیں تھیں میں گئی ہے

جی میں تو آیا کہ میں بھی بہت اب دوں۔ مگر میں نے دیکھا کہ کوئی اور نے

نور کا گاڑی سرنگ کی پٹری پر کر کے روک لی اور آپ سے کچھ نہ کر سکا۔

ڈرائیور۔ سرکار معاف فرمائیے جب اسٹیشن پر آپ کے لئے گاڑی لیکر

پہنچا تو میں نے موٹر کار کی پخت پر ایک پڑا ہوا بیٹ پڑا دیکھا تھا۔ اسے

میں نے اٹھا کر ایک شخص کو دیدیا +

یہ سننے ہی میں نے ایک سرد آہ بھری اور سمجھ لیا کہ اب رہا نہیں مل سکتا

اس کے بعد خاتون سے جو اختلاف میں تھی مختصر سے تصدیق کرنا شروع کیا۔

میں ابھی تھوڑا ہی گئے یا تھا کہ اس نے ٹوٹ کے کہا۔

**خاتون۔** مٹھریل! ارے! کیا آپ نے دوست ہیں +

**میں۔** جی ہاں۔ لیکن وہ خود ہی آپ سے کیا آپ انہیں جانتی ہیں +

اتنے میں مقبل بھی پہنچ گیا۔ اور گاڑی میں جھانکتے ہی پکارا تھا۔

**عقیل۔** احاد۔ میں نوشابہ۔ یہ آپ ہی کی بات تھی +

نوشابہ۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی میری خوش قسمتی ہی

آپ کو یہاں لائی +

**عقیل۔** جی پرچہ پڑھئے تو میرا بیٹ مجھے یہاں لایا +

## مزاحیہ افسانوں اور مزاحیہ افسانوں میں نیرنگ خیال کا درجہ

اس لحاظ سے بہت بلند ہے کہ اس کے ارد گرد کثرت آتے ہیں اور کتاب انہوں نے فروخت ہوئی ہے۔ سنجیدہ سے سنجیدہ اور سنجیدہ سے آدمی بھی خریدنا ضروری سمجھتا ہے۔ کچھ مہینہ میں قریباً ۱۵۰۰ جلدیں فروخت ہو چکی ہیں اور ہر روز نئے آرڈر مل رہے ہیں۔ آپ بھی آج ہی طلب فرمائیے۔ بکس ۱۹ صفحہ قیمت پیر۔ ناظرین نیرنگ خیال کو محض ایک صاف + فضا کے باوجود ہے۔ نیرنگ خیال نیرنگ خیال شاہی محلہ لاہور

# رونا

محترمہ قدسیہ بیگم کے قلم سے

لیکن دراصل وہ ایک بہترین "خلعی" کا ارتکاب کرتی ہے جس کی وہ عادی ہے۔ اس رسمی روئے کی نمائش کے لئے مواقع بھی نہایت عجیب و غریب چنے گئے ہیں۔ بچپن ان کے ایک گھر سے کہیں سفر کو جاتے وقت خصوصاً شوہر کے گھر یا اس کے جائے قیام پر خواہ گھر سے چند ہی میل کیوں نہ ہو۔ اس وقت ماں یا باپ یا بھائی، بہن، کھلائی، سچی گھر کی اماؤں سے مل جل کر اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روتی ہیں۔ گویا پھر کبھی واپس نہ آنے کے ارادے سے جا رہی ہیں۔ یا خدا نخواستہ حشر ہی میں ملاقاتی نصیب ہوگی۔ خواہ دل میں پھولے نہ ساقی ہیں اور "میاں" کو خود آئندہ کیا ہو۔ مگر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ کوئی گھر والوں سے بڑی محبت ہے۔ یہ تمام سو دکھ بٹاتی ہیں۔ پھر یہ سلسلہ اتنی دیر تک جاری رہتا ہے کہ کوشش کا وقت تنگ ہو جاتا ہے۔ اور بر وقت رہنے کے لئے اس کا غماز ہو جاتا ہے۔

دنیا جہاں میں یہ کہیں دیکھا نہ سنا کہ پردہ میں سے واپس پر کوئی لڑکی کو اور بہن کیسے۔ ہاں ہندوستانی زندگی کا یہ بھی جزو لا ینفک ہے اور اسے خوشی کا رونا سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ خوشی کا رونا جذبہ باطنی کا ظہور ہے جس کا ان مواقع پر اکثر نقاب ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس موقع پر رونے کے مظاہرہ سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ سمجھیں کہ مشہور "ہر" کے ساتھ بڑی تکلیف اٹھائی اور اب بھائی بہن اور ماں کو دیکھ کر وہ خیالات پھر تازہ ہو گئے۔

رسمی رونے کا ایک دوسرا منظر تعزیت کے موقع پر بھی قابل دیدہ ہوتا ہے۔ اور کسی کے رشتہ دار یا عزیز کی آنکھیں بند ہوئیں اور دوسرے رسمی رونے والوں کا تاشا بند ہو گیا۔ ہر آنے والی مٹولی کی ماں، خالہ، بہن یا بی بی کے گلے سوچوٹ کرتی ہیں۔ مارا کر دیا شہزادہ گرد تپتی ہے۔ بھلا اس سے کیا فائدہ؟ اور ایسے گروہ کیا حاصل۔ ایک تو پونہ ہی بچا، آدمی محزون اور دنگیر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کو ہسٹری تھین کرنے کی چاہئے اور دلہی کی کوشش کرنی چاہئے نہ کہ اسے اور پرگاز نہ مٹا کر کرنا۔ چہرہ کہ چلا کر دے اور بہن کرنے سے اشتباہ کا حکم ہے۔ مگر اس کا کس کو خیال۔ وہاں تو یہ دھن ہے کہ لوگ سمجھیں کہ یہ ہے، رسمی محبت کرنے والی ہیں۔ المناک ہیں، غوار میں، وہ یہ غم غوار ہی +

جس طرح ہنس مہمندی، فتنہ جذبات نہاں کے اظہار کے ذریعے میں "رونا" بھی ایک جذبہ یا غیر اختیاری کے ماتحت ہے۔ لیکن اس جذبہ کے اسباب مختلف ہیں۔ شکار کسی عزیز دوست کی جہانی یا موت سے طلب متاثر ہوتا ہے اور اس کا اظہار قطرات اشک کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے کبھی غیرت و محبت کے احساسات کو صدمہ پہنچتا ہے تو بھی آنسو ٹپکتے آتے ہیں۔ بسا اوقات مرض کی تکلیف یا ناقابل برداشت درد و کرب بھی انسان کو مڑلا دیتا جو کبھی مفاد میں، نا کامیابی یا انتہائے یاس بھی قردامنی کا باعث بن جاتی ہے جیسا کہ حسرت سے قہر کیا جاتا ہے۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ ضعف قلب اور خفیت سے خفیت اور سے تاثر نہ پری آنسو چھپکانے کے لئے کافی ہوتی ہے +

دوسرے مرتبہ کامیابی اکثر مواقع پر جبکہ "عزیم" اس کے ظاہر کرنے سے معذور ہوتا ہے۔ "اشک" آئینہ واپس جاتا ہے اور اس کا نام "گریہ محسوس" ہے اور یہاں آنکھوں کا "فعل صحت" اسی سے ہوتا ہے۔ جو رونا ان مختلف جذبات میں سے کسی ایک کے باعث بھی ہوتا ہے، احترام ہے۔ اور اس کا اثر بھی دیکھنے والوں کے قلب پر خاص طور سے پڑتا ہے۔ ان حالتوں میں کچھ ہونے آنسو بڑی قیمت اور مشہور ہوا آنسو ہیں +

لیکن "رونے" کا دوسرا رخ اتنا ہی گہرا اور غیر متاثر ہے جتنا اولی الذکر قابل تحریر ہے۔ یہ "رونا" دراصل ان جذبات شریفہ کی تکمیل اور توجہ کا باعث ہے جو آنسوؤں کے اندر پوشیدہ ہیں۔ یہ رونا عارف عام میں اختیاری یا دوسری رونے سے موسوم ہے۔ اس قسم کے رونے کے لئے کسی نوع کے جذبات کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ بعض اوقات "جھولے بھالے" انسان اس رونے سے بھی متاثر اور مرعوب ہو جاتا ہے +

یہ "رونا" بیشتر "صفت" نازک کا یا یہ امتیاز ہے اور خصوصیت کے ساتھ بندہ ستانی طیفہ انسان میں۔ جس سے وہ مختلف مواقع پر کام لیتی ہیں۔ "عورت" کے پاس یہ ایک ایسا حربہ ہے جس سے وہ زمین و آسمان کے قلابہ غلامی ہے اور اس خفیت سے اس کو کام میں لاتی ہے کہ نقل واصل میں تیر کر ڈاڑھ ہوتا ہے۔

اگر کا اظہار مقصود ہے کہ ہم چور ہیں، ہم پر اقبال نہیں۔ جو ہم سے حساب مانتا گیا۔ یا اس قدر بے قدر کہ اپنی ذات پر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کر سکتے۔ مگر اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ رحمن اور نیک مرد تو یہ سمجھ کر کہ ہمارے سخت الفاظ نے بوی کے جذبات لطیف کو ”مجرع“ کر دیا۔ خاموش ہو جاتے ہیں اور بوی کی پخصتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ مگر عقلمند ہر عورت میں اُس کے ”جوہر لطیف“ کے متلاشی رہتے ہیں۔ اُن کی نظر میں بوی کا یہ رونما اُسکی قدر و منزلت کو تدریجاً کشادہ کرتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ بوی میں نیک وہ کے کچھنے کی صلاحیت نہیں اور وہ اُسے اپنے آنسوؤں سے مغلوب کرنا چاہتی ہے۔ اور اپنے عیوب کو پردہ بچا پنا چاہتی ہے۔ تو اُس کی بخت نفرت سے بدل جاتی ہے۔ جو عورت کے لئے ”موت“ کا مترادف ہے۔

عورت یہ سمجھتی ہے کہ وہ مرد کو شکست دینے کا سامان کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ اُنسو اُس کی کمروری کے آئینے ہیں۔ اور اُس کے ”خود نسوانی“ اُس سے سخت ٹھیس پہنچتی ہے۔ اور دراصل یہ اعتراف شکست ہے۔

لہذا میں اپنی ہندوستانی بہنوں سے کوئی کہ ”اُنسو“ ایسی بے قیمت چیز حاصل اور فضول طریقہ سے سامان نکریں ”جذبات لطیف“ کے پاک ترین مرقعے کی جگہ لیں کہ اس قدر بجا اور بے غش نہیں۔ اور اُنسوؤں کو صرف احساسات غیر مرئی کے ”اظہار لطیف“ کا ذریعہ نہیں۔ !!!

قدسیہ بیگم

اس پر طرہ یہ کجب تعزیرت کرنے والیاں موت کے چند روز بعد یا کسی دوسرے ششہر سے آتی ہیں۔ ابھی گاڑی یا ڈولی سے اتاری نہیں کہ وہ ناخوش و ناخوش کو دیا۔ گویا اعلان ہے اس بات کا کہ ہم تعزیرت کے لئے آگئے۔ اس کا کچھ خیال نہیں کہ غیر مردوں اور درہا پلوں کے کفوں میں کواڑیں جاتی ہوگی۔ نوز باشرہ عوام طبقہ جہلا میں تو یہ مرض شیع اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ راستہ میں کوئی اپنے سے بڑا بھائی۔ بہن۔ باپ عرصہ کے بعد مل گیا۔ یا مردہ کے رشتہ دار سے ملاقات ہو گئی تو وہ ہیں اُس کے پر کڑ کر بیٹھ گئیں اور لگن چلا کر رونے۔ محض اس غرض سے کہ راہ چلتے جمع ہو جائیں۔ اور تاشا کریں۔

یہ رسمی رونا اگر یہیں تک ختم ہو جائے تو بھی خیر ہے۔ مگر ملت تو یہ ہے کہ ہماری ہنسی کم دیش اس کو جاوہر بھاروں کے مقابلہ میں بطور ایک حربہ کے کام میں لاتی ہیں۔ امداد اس کے نتائج کی قطعاً ہر دہ نہیں کرتیں مگر بلوڈ ندگی میں آئے دن صد ہوافتات اس قسم کے پیش آتے ہیں جن میں اس بھی رونے کی نہائش بخوبی ہوتی ہے۔ یہ میاں نے ناز چڑھنے کی۔ یا کید کی یا کسی بری بات سے منع کیا۔ بوی نے دل میں تواضع کر لیا۔ مگر کھانا ہر کرنے میں پٹی ہوتی ہے۔ جواب کچھ بن نہ پڑا۔ فوراً آنکھوں کے پردے ختم ہو گئے اور اُنسوئے بننے لگے۔ اور خود کو کوسنا کھانا شروع کر دیا۔ میاں نے رو بہ پیسہ کا حساب اٹھا۔ یا کسی فضول خرچہ سے روکا فوراً ٹپ ٹپ اُنسو چھنے لگے۔ گویا اس

## سیکشل سائنس معنی مرد و عورت کے تعلقات پر کتابیں

| کتاب                      | تقریباً  | تقریباً             | کتاب                   | تقریباً  |
|---------------------------|----------|---------------------|------------------------|----------|
| (۱) دو مشین جلد بات تصویر | ۲۵۰ صفحہ | ۳۰ فوٹو بلاک کی اور | (۶) زن و شوہر          | ۱۱۰ صفحہ |
| (۲) شب عروسی              | ۱۴۸ صفحہ |                     | (۷) دو لہواؤں          | ۱۲۸      |
| (۳) شب نامچ عروسی         | ۱۴۰      |                     | (۸) عیش و نشاط         | ۱۳۶      |
| (۴) عورت                  | ۲۰۰      |                     | (۹) میاں بوی کے خطوط   | ۷۲       |
| (۵) مرد و عورت            | ۱۱۲      |                     | (۱۰) دو لہواؤں کے خطوط | ۷۲       |

لئے کاپی: پرنسپل نیرنگ خیال بک ڈپو شاہی محلہ لاہور

# جنگ نامہ اسلام

## فتح قسطنطنیہ

(۴)

### گولہ بازی

(از حضرت طالب الہادی)

تخلی محنت میں گولہ آنے کے پہلے اک بار  
آگ کو پانی شیبہ میں کر دیتے تھے صاف  
مذہب کی شایہ سی صورت کے دین لکھائیں  
چل سکا کچھ کسی ہسپتال سے اس پر قابو  
بے نقاب آج ہیں جو قدریں مسلم دنیا میں  
بجائے جنگ کے دشمن کو دکھائے سلطان  
قابل رشک تھے سائنس کی سرکاریں وہ  
خود بنائی تھی فنیہ ایک علمی گاڑی  
خوب تھی ہمیں کی لکھائے سراسر وہ مذہبی  
گولیاں خوب چلاتے تھے وہ خوف و ہراس  
بند ہونے میں وہ دنگل تھے تو کلین جیس  
جب دست تھکے تھے آجائے تھے اسلحہ  
گولیاں پلٹیں تھیں میدان و غاں میں  
بالا لانے پہ بھی جانے کے لئے دینے تھے  
صاف بن جاتی تھیں پل لکھ دوجا لانے فنیہ

کھاٹ کوٹالے تھے خندق میں ہزاروں شمار  
کھینچے کھینچے بھی لگاتے تھے جودت تھا  
پھر تو سلطان نے ہر سوار کو تین گدے عین  
پر کچھ اس شان کی تھریلی نہیں تھی ہر سو  
زور باروت کی یہ قوتیں مسلم فنیہ  
فائدہ دے دے ضرور ان سے اٹھائے سلطان  
برقی تھے خوب فنیہ جنگ اسرار میں وہ  
کی تھی ایجاد جب ایک علمی گاڑی  
لابی چوڑی تھی بہت اور تھی وہ منزل  
اس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو تنہا کچھ بھی خطر  
پیل منزل میں تھے آگ کو جوہر و اسفین  
حضور جوتے تھے ان سب سے عمل کر مسلم  
چشم نماز تھے دیوار میں صد ہزار زبان  
عکس کیا اسلحہ ہر گشت میں آئینے تھے  
سنت پر اور بھی ایک میٹر تھی بتیل و دیوار

دور سے سلطان محمد کے رہیں ہر بہ لب  
وہ بھی اک گولہ میں بیکار ہو گئے تھے  
کندہ تھی شہر کی دیوار تو زبردہ فنیہ  
اختر طالع بیار نہ پھر جائیں کہیں  
آگ برسات میں دشمن پہ سے ابر طیر  
زلزلہ آسا تھا سر ہوتی تھیں جب اک شامل  
غیر سائنس کو تھا اس پر تو ماڈاں تھا ہر  
خاص سلطان ملک جاہ کی ایک تھی وہ  
جب تھکے تھے قیامت سی مچا ہاتھ تھے  
خود مگر بال بار بھی نہیں ہتی تھی  
رہنے پڑ جاتے تھے بر جین رزنی تھی فنیہ  
انہوں سے متواتر ہوتی سنگ اندازی  
جب مجنون کی طرح بیچنے سے پارا پارا  
دشمن تار یک کے خیمہ تھے مگر یونانی  
میں کو تھی تھی ہر چیز بیک سبسی  
بس مگر چل نہ سکا کچھ تو وہ جہت رہے  
کچھ وقت نہ اٹھا رکھا سر افراڈوں نے  
کامیابی سے مگر وہ تھے اب تک جہت راہ

تو ہیں یونانیہ نیکے پاس تھیں معمولی سب  
چند تو ہیں تھیں نہ وہی کچھ بھی تھیں  
نصیب کرنے کی انہیں کچھ نظر آئی نہیں  
دور یہ تھا ان کے دھماکوں نے یونانیہ کہیں  
تو پچھانے تھے مگر ترک کے پیش و پسیر  
ایک سو تیس تھیں ہر ایک میں تو ہیں فنیہ  
ان میں سے سب بڑی توپ تھی اثر و پیکر  
خون برقی اور ہر توپ لا دیتی وہ  
مال میں تین مئی گولے سما جاتے تھے  
توپ سر ہو تو دھماکوں سے نہیں ہتی تھی  
گولے پھٹ جاتے تھے آگ جو کلاکتیل  
ترک کرتے تھے اک سمت تو گولے بازی  
میدان سنٹ رو میں تھا مشنگ سارا  
رات کے کام میں رہتے تھے مگر یونانی  
رات بھر جاگ کے کرتے تھے سرت و جری  
ترک خندق کے قریب آئے کوئی بار گولے  
تین تھے کئے دس روز میں جاننا ہونے  
کام ہر طرح آجائے تھے وہیں ہر

## بحری جنگ

تھی اور میں جوانی میں امی بی جنگ  
گولے بازی کچھ کچھ اور کچھ دانش سرنگ

باسنوس میں آخر آ بیسا نی بیسٹا  
شومی بخت سے ترکوں نے نہایت کھائی  
پھر بھی بہت تھی دنی دین کے دیوانوں کی  
بھوم کو چوتھے تھے قبضہ شمشیر دوم

(۶)

## زمین کے جہاز

فطرت قلب پریشان ہوا ترکوں کا  
خندق اک سمت تھی اک سمت تھی کچی بچہ  
آج تک پھر نہ زمانے میں ہوئی جسکی مثال  
راستہ بن گیا دس میل تلک آئندہ وار  
جب بدشتی کے بھانے گئے تھے چوڑے  
سوسے زاید ہی جنازہ آہنی پیہوں پر چڑے  
انگوں اور گلوں نے بھی چڑا کیوں میل  
سب جہاز گئے کھینچے جھٹے لائے نشیب  
تنگ و تنوع لاجر با کیا ترکی بیسٹا  
دیہ زادوں سے بھی دشوار تھا جسکی انجام  
زہ سے اور آہنی زنجیر سے سلم تھے دور  
اہل اسلام اسٹاں ٹھہرتے بنایا اک پٹ  
دیکھ کر انکو ہر اسٹاں ہوئے شب شیعہ باز  
مثل طوفان سمندر پہ چڑے آتے تھے  
کو شمشیر خوب ہوئی نگ دینے کی  
کل جہاز نگ سے بچتے رہے مائیں خیل  
فرق ہو یا تھا یا فیضے میں آ جاتا تھا  
حضرا گیز ہوئی چل گئی چوہی مدیسیر  
اور نمودار ہوا پیسہ کبہ شمشیر

## انجام جنگ

عام دربار میں سلطان نے بالاسب کو

بھڑکی جنگ سے نقصان ہوا ترکوں کا  
ایتو سے کی نگاہ نہ رہی کچھ تدبیر  
اس گھڑی فوج نمودار لکھا وہ کمال  
کی گئیں پہلے پہاڑی کی زمینیں ہموار  
ختم جب کر چکے کام پانڈال اور بچوٹے  
بھیمڑ اور بھینس کی چربی سے بکودہ کھینے  
کوہ پرا دھیلوں نے انہیں کھینچا کچی سیسل  
واہ کیا جوش تھا اسلام کا کیا صبر و کلب  
شان و اجلال ملے آگیا ترکی بیسٹا  
ایک ہی رات میں پورا ہوا یہ اسلام  
صبح ہوتے ہی کھلیں دھوئے مغرور  
پہنے زنجیروں میں کلکتے گئے جوں رنگیلا  
سازو سامان سے راستہ اتھی تھے جہاز  
ابر تاریک کی صورت وہ چڑے آتے تھے  
نکار فیضے کیا انکو جلا دینے کی  
سلسلوں کا تھا جگسان مگر ت جلیل  
اُس طرف کا جو جہاز ان کی طرف آتا تھا  
انگنی کام جو سلطان کی انگوٹھی تدبیر  
نار و مجبور ہوا تھیسر تھیں غنیمت

نچسے فکر سے دشمن کو ہوئی آناوی  
چار آسے تھے حینا سے بہ اخلص و نیاز  
ان میں ہو لوگ تھے تصور برتنکاری تھے  
جیتے مضبوط تھے لٹنے ہی مرن تو جہاز  
بڑی جگت میں چلے آئے تو سب ٹھانی  
اہل اسلام پہ آتے ہی ہونے آتشبار  
بارش خون سے ہر مون شفق رنگ ہوئی  
کوئی تریب نہ تھی رزم کے سامان تھے  
جان پر کھیل گئے بات عرب کی رکھ لی  
صاحب عزت و فخر بڑے جلتے تھے  
باسنوس میں گھٹا توپ انداز تھا تمام  
بھڑکی پیچھے تھا آگ کا دریا جاری  
جوش میں حامل ایمان بڑے جاتے تھے  
چور پھر سے بگڑتے تھے جھگڑے بھی نہ تھے  
نہ وہ کرتے تھے اندھ کا نہ دھرم نہ تھے  
سب نے دیکھا کہ اٹھوں میں ابھی تلک تار  
قبضہ تیغ شمشیر بار نہ لیکن چھوٹا  
ساتھ دو کی کثرت سے اندھیل بھی تھا  
پھر طوفان میں کام رہے وہ دوبار  
اتھ بے ساختہ قبضہ پر گیا سلاخان کا  
تیر پٹے سے ملاتے تھے کبھی جھنگلا کر  
کبھی خوش کرتے تھے آندہ کے اکلام کو  
کھینچ دیتے تھے کبھی نقشہ سامان جہاز  
شیر کو اب دل بیتاب پہ قابو نہ رہا  
کھا کے حمیرہ سمندر میں دریا شیدہ  
آکے گھوٹے کا شجاعت نے قدم چوم لیا  
بڑھ کے پھر ترکوں نے اک حملہ خور کیا  
چورتے کا سر سربق اشکروں سے  
تھک کے کوزہ ہونے لگ گواہ شہر بزر  
اور بھی زور سے کھلنے لگا دھواؤ دشمن

بڑا اک گیا یورپ سے ادھر مادی  
تھیرم کے پڑے کا تھا حال خاص جہا  
پانچ قندلوں تھے سو پہر گھبراہی تھی  
جنگی سامان کے اور فوج کے فوج تو جہا  
آن کے چلے کا جہاز ایک نہ تھا سلطان  
سورما آئے تھے پورے بڑے تجربہ کار  
گولے پھلنے لگے بے لاگ بڑی جنگ ہوئی  
جنگ کو نبل سے تیار مسلمان نہ تھے  
پھر بھی عثمانیوں نے داؤ شجاعت دیدی  
کرتے تھے فوج بکسیر بڑے جاتے تھے  
دو بار دوت نے پانی کو بگھیرا تھا تمام  
گولے پھٹ پھٹ کے جڑتے تو آتے ہی  
اسی عالم میں مسلمان بڑے جاتے تھے  
گولیاں دل سے گز جاتی تھیں کبھی نہ تھے  
ہر قدم بڑھتے ہیں سو کا سر سر ڈالتے تھے  
ڈوب کر لاش بھی مسلم کی جوتھیری اکبار  
سرداران سے ہوجاں سے ارش تو تھا  
یہ تو سب کچھ تھا گولہ گار کاوری بھی تھا  
یو رہیں کر کے سمندر پہ چڑے گو جہاز  
فرط غیرت سے عجب حال جو اسلاخان کا  
آہنی گزلاتے تھے کبھی جھنگلا کر  
دل بڑاتے تھے کبھی وعدہ انعام دے  
کبھی بتلاتے تھے لوگو کو فوری کی سزا  
یک بیک فوج بکسیر سے گونجی جو فضا  
ایڑ ہوا رو کوئی قول کے تیغ سر تیز  
نفع نے قبضہ شمشیر دوم چوم لیا  
حال دیکھ کے آقا کا بہت جوش ہوا  
دہ جری ہو گئے مجبور مگر گولوں سے  
دست و پائل ہونے کا دم گایا آدھا لشکر  
انہی فرصت جہلی جو گئے یکجا دشمن



سہری سرحد نخلک تھے ہو یا ران میں  
گر کے خندق میں وہ ہوا تھا زندہ در گور  
اپنی جاسے نہ مگر وہ میں نے جنبش کی  
خود بخود طرح گئی سب فوج بھی جنبش کی  
جیسے کشمیر کے نولفان میں ہوا ولے بازی  
صاف اٹھنے لگے مہیاں کو قدم دشمن کے  
ہو کے مجبور ہوا درو سے ایسا بے چین  
تو پکا تو نہیں مچا شور کار ہی بھیا  
جاں نزاری تھا حق نام کا وہ مر و میل  
فہم و حرمت میں ایہو تھا کبھی جہل تھا  
شیر کی طرح سے بھرا ہوا تھا نیک نصال  
ن بلے بہت ہوا بروج مگر رخ نہ پھرا  
تک نہ پاسے جری میں گیا دوش دویار  
مورچے چھڑکے مفرد ہوئے یونانی  
کیا نہیں آج میں کوئی یسائی ایب  
نار بکس و مجبور پہ کچھ دھیان کرے۔  
سپر انداز ہوا دویوں کا کل لشکر  
مردوزن بیرو جان جمع تھے یونان و خطر  
پھر تو یورپ میں نہ تو کونکا پڑتے ہوگا کہیں  
جاں نزاری کا ہوا تھا قہر صفت پہنچا  
موتیں ٹوٹ گئیں کا سہر چور ہوئے  
درو دیار سے آتی تھی ندائے بکسیر

استد فوج مسلمان بھی اکٹھا ران میں  
عزم دیوار اگر کرنا تھا کوئی پر زور  
اہل اسلام نے ہم جم کے بہت نوش کی  
حال یہ دیکھ کے سلطان نکالے بیڑے  
پھر تو جو نے لگی اس زور سے گولہ بازی  
ڈر سے سینوں میں سلائے تھے ہم شوق کے  
فوج دشمن کا تھا سالار سپہی نہیں  
پھیر کر پٹیمہ لڑائی سے نرساری بھاگا  
سب سے پہلے جو کھائی دیا بالٹے نیل  
دھوپیکر تھا سہرا فرزند قوی ہمیں تھا  
دہنے ہاتھ میں لڑائی کے بیڑے سال  
اپنی کوشش میں وہ جا ناز کئی با لگا  
ختمیں اس کی ٹھکانے سے لگیں اتوار  
بیخ اسلام سے مجبور ہوئے یونانی  
اسی جگہ میں شانی پڑی قیصر کی صلہ  
سر رکات سے غمزدہ اسان کرے  
انکانا تھا کہ بے سر نظر یا قیصر  
صوفیہ سینٹ کے گریے میں تھے کچھ لوگ مگر  
اک فرشتہ ابھی ناز کیا تھا یقین  
واہ ری شوقی قسمت کہ فرشتے کی جا  
گریز کی فریب کو لاد کے در چور ہوئے  
عرش تک فرش سے ملتی تھی صلے بکسیر

پھر تو دنیا میں نہیں ان کی اس کے منزل  
پر بھی ہوئے تو پیکر نہ مرے قہر سے وہ  
اک صوبے نے بخشو گان میں بے قان فعل  
دور مقصود سے دامن طلب بھڑو گھا  
بے شکست ہمیں لجا بیٹھا سب وہ ہو کچھ  
ظفر اسلام میں تم شاد ہوا با در جو  
کام آجاؤ اگر تاج کشہادت پاؤ  
ساغر جوش میں لرزاں ہوئی صبا سرور  
شہر محصور میں رہا تھا تر نزل ہر سو  
دست و قوت سے بہت دور تھا دینا کلب  
دل سے تیار تھے ہر دم سپر اندازی کو  
اکے قیصر سے وہ کرتے تھے شہادت افی  
شہر و بچے پھر جنگ کی ہے کیا حاجت  
بیان چ جائے کسی دم سے تو لاکھوں پاؤ  
داغ حرمت کا لگایا نہ مگر قیصر نے  
دیکے اہیدہ نگر جنگ کی تدبیر بھی کی  
شیخ کشتہ دل مغل تھا قوسینہ خانوس  
سائے دربار میں آفت کا چھا تھا کرام  
آہ و زاری و دیادت میں کٹا ایک پھر  
گل جو رشید سے بنے لگا گھوڑا کسر  
دیر سے ان میں نہیں باز دھکے انا دھتے  
صید کو دیکھتے ہی باز نے شہر تو لے  
پتلیاں جھپکیں مجب شان کو تلے چکے  
تسکے انے میں اڑاتی تھیں شرکے تو ہیں  
بجور مردوں سے ملو نانا اٹھنا آیا  
جنگ کھار کو آئے تھے وہ سفدر نامی

کہا بھاسکے گا اگر جنگ سے کوئی بزدل  
فرق ہوگا غضب و دلش کی ایک لہر سے وہ  
سب سے پہلے نظر لگایا جو بالائے فصل  
مگنی خواہ اگر نسخ ہوئی کر دو گھا  
ہا تھا آئے گا زروال نہ ہوا ہر کچھ  
پاؤ حرمت کے صلے رخ سے آزار دہو  
غز قہر کا تھے عزت و دولت پاؤ  
سن کے قہر پر محمد کی ہوئے سب غمور  
نعرہ کلمہ قیام کا ہوا اٹل ہر سو  
سب دشمن پرست تھا ادھر دینا کلب  
بے ضرورت وہ سمجھتے تھے سر اندازی کو  
غلب آٹھا مگر آئے تھے حالت افی  
نہیں ترکوں سے اگر کوئی مفری صورت  
آبرو ملک زروال جو جائیں مابں  
جنگ سے ہاتھ اٹھا نہ مگر قیصر نے  
سب کو بلوایا بھی اور آخری تقویہ بھی  
خود مگر فتح و غفر سے تھا سرا سنا بدس  
سننے والوں میں قیامت کا پچھا تھا کلمہ  
صوفیہ سینٹ کے گریے میں گیا اب قیصر  
دفنا چرخ پہ ظاہر ہوئے آثار سحر  
نرک جڑا ادھر جنگ پہ آمادہ تھے  
اب ملہ داروں نے بھی سرخ پیرے کھوئے  
بھلیاں ٹرپیں ہلال آتے تھے جنگ  
دو تک لگ گئیں خندق کے کٹا تو ہیں  
منزل شہر کے اسلام کا بھرا آیا  
آگے آگے تھے جہوں کے عربی اڑنا می

کعبہ فدائی منزل قسطنطنیہ

فیتر لور بی منزل قسطنطنیہ

طالب الہادی

(حق محفوظ)

ایک لاجو اب اردو ڈراما جو مر جیسا ہے +

پروہ غفلت { جناب ڈاکٹر سید عاجیں صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی ۷۷ نامہ - اردو فون ڈراما میں ایک قابل قدیم تہمت منظر پر  
پتہ :- نیو نیرنگ خیال بک فوٹو شاہی محلہ لاہور

# نقد و نظر

حضرت مہنتان ایم اے کے قلم سے

## تاریخ نثر اردو

جناب احسن مارہروی ان باقیات صالحات میں سے ہیں جو اردو نظم و نثر کے عہد جدید کے دورِ اوّل و دوّم موجودہ کی درمیان کی کڑی ہیں۔ ایک طرف انہوں نے نثر اردو میں نثرِ سرخسہ کی سمجھ اور نظم اردو میں داغ و امیر کی تعلیمات سے براہِ راست فیض حاصل کیا ہے۔ تو دوسری طرف مابعد کی اردو داں نسلوں کو بلا واسطہ مستفید فرماتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی زیرِ نظر تصنیف بھی ایک بڑی مدہمک ان تمام تحقیقات پر جو اردو کے تاریخی و ادبی ارتقاء کے متعلق ہوئی ہے شتم ہے اور اس میں نویں صدی ہجری کی ابتدا سے ۱۳۰۰ھ تک کی اردو نثر کے مسلسل نمونے موجود ہیں۔ اور یہ ایک ایسا ذخیرہ اور ایسا سرمایہ ہے جس پر مستقبل کے محققین اپنی عمارتیں کھڑی کر سکتے ہیں +

زیرِ نظر کتاب اس سلسلہ کا پہلا حصہ ہے اور ہم کو ابتدا ہی میں یہ ہدایت و تنبیہ کی گئی ہے کہ

”تاریخ نثر اردو کی پہلی جلد فی الحال شایع ہو رہی ہے۔ دوسری جلد زیرِ طبع ہے۔ اس کی اشاعت بھی اثناءِ اشدّ تعالیٰ جلد وقوع پذیر ہوگی لہذا اس تحقیق کے متعلق کسی مخالفت رائے کے قائم کرنے میں غفلت مناسب نہیں۔ دونوں حصوں کو دیکھ کر مکمل رائے زنی فرمائی جائے“

اس لئے ہم بھی مولانا کی اس نصیحت پر دم

”مزن بے تامل بغف آدم“

لکھوئے گردِ یرگوئی جسے غم“

حل کرتے ہوئے اس کتاب کے متعلق کسی مخالفت یا موافق رائے کے اظہار میں غفلت نہیں کرتے۔ اور نظر میں رکھنا کہ حصہ دوم بھی حصہ اوّل کی طرح ہماری پسند کے موافق معلومات کا ذخیرہ ہو تا کہ ہم دونوں حصوں کو دیکھ کر ”لکھو“ کی عزت حاصل کر سکیں لیکن فی الحال ہم اس حصہ کے مضامین اس کی وسعت اور اس کے متعلق دوسری اہم خصوصیات کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ اردو دوست اصحاب کو مولانا کی محنت اُن کی کاوش اور اُن کی ہمہ گیری کا اعزاز ہو جائے +

لے تاریخ نثر اردو بنام تاریخ ”نثر نثرات“ (۱) حصہ اوّل مرتبہ جناب مولوی محمد امجد علی صاحب احسن مارہروی اردو نگار انٹرنیشنل کالج سلیمن پور بریلی علی گڑھ مسعود قیامت قمر مصنف سے مذکورہ بالا پتہ پر طلب کیجئے

کتاب کی وسعت کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کی مختلف فرسٹائے عنوانات ۶۲ صفحات پر شتم ہیں، ابتداء عالمِ فرست ہے اور پھر نمونوں کے باعتبار حروف تہجی فرستیں ہیں۔ اس کے بعد مقدمہ شروع ہوتا ہے۔ جس میں اردو کی ابتدا اور اُس کی ارتقاء کے متعلق بحث کی گئی ہے اور اس کے بعد مختلف عنوانات کے تحت ابتدا سے لے کر گذشتہ سال تک کے نمونے دیئے گئے ہیں۔ یہ حصہ مندرجہ ذیل چیزوں کے نمونوں پر شتم ہے:-

(۱) عام مہامیفت و تالیفات (اس میں تراجم بھی شامل ہیں)

(۲) وفاتِ سلطنت (۳) اخبار (۴) قانونی تراجم (۵) تقریر و عقیدہ

(۶) خطوط +

شعبہ اوّل صدیوں کے اعتبار سے ۶ دوروں پر تقسیم ہے، اس طرح دوسرے شعبے بھی مختلف دوروں پر شامل ہیں لیکن لائقِ مہنتان نے یہ نہیں بتایا ہے کہ کیا ایک نئی صدی کا آغاز اسانی یا مشیت سے بھی ایک دور جدید ہو سکتا ہے اور کیا قدر سے لیکر اس وقت تک اردو نے جو ترقی کی ہے وہ بتانے کے علاوہ کافی نہیں ہے کہ اصلاح و وسعت زبان و مکان و مکان کے قید سے آزاد اور ایک بڑی مدہمک ملک کی ذہنی بیداری و ارتقاء پر منحصر ہے۔ ممکن ہے کہ فاضل تہجی نے حصہ دوم میں اس پر روشنی ڈالی ہو۔ اس لئے ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتے ہیں ماس کے علاوہ جو کہ ہم نمونے تا تاریخی حیثیت سے دور ہیں۔ اس لئے ہر شخص اپنے نقطہ نظر کے مطابق اُن سے استفادہ اور اصولِ مضبوط کر سکتا ہے۔ مولانا نے نمونوں کو جس وسیع پیمانہ پر درج کر کے اردو دوست اور تحقیق پسند لوگوں کو دوسرے مافذوں سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اُس کا اعزاز اس سے ہو سکتا ہے کہ عام قہامیفت کے تحت ۱۶۲ نمونے ہیں۔ کاغذات و وفاتِ سلطنت کے ۲۲ اخبارات کے ۳۶، قانونی تراجم کے ۱۵، تقریر و عقیدہ کے ۱۱۹، خطوط کے ۶۶ نمونے ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد ۳۱۷ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مولانا کی محنت و کوشش

لے تاریخ نثر اردو بنام تاریخ ”نثر نثرات“ (۱) حصہ اوّل مرتبہ جناب مولوی محمد امجد علی صاحب احسن مارہروی اردو نگار انٹرنیشنل کالج سلیمن پور بریلی علی گڑھ مسعود قیامت قمر مصنف سے مذکورہ بالا پتہ پر طلب کیجئے

زیادہ آراستہ و پیراستہ ہوگا۔ ہر اردو دان 'اردو دوست' اور اردو کی تاریخی ارتقا سے کچھ ہی رکھنے والے کے لئے اس اہم تصنیف کا فخر مطالعہ انگیز و با ضروری ہے +

**خزینۂ تاریخ** مرتبہ جناب سید یوسف الدین صاحب مفسر، اہم اہمیت پر پڑ بزم تاریخ، ایک جامعہ ثنائیہ حیدرآباد دکن +

جامعہ عثمانیہ کے قیام کے تقریباً ساٹھ ہی سالہ وہاں کے علمبردار ہونے کے متعلق انہی ایک مجلس قائم کر رکھی ہے۔ یہ بزم تاریخ بھی پچیس سال سے قائم اور اس میں صرف خلیفہ تاریخی مضامین پر مگر ہر مقرر کے ذریعہ اہلادب و اہلادب کے ہاں ملکہ اس کا سنا سناہ و علمائے تاریخ سے بھی مستفید ہونے کا شرف حاصل ہے گذشتہ سال بزم کی مجلس کا مینڈ نے اپنے یہاں کے مضامین کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا۔ اداس سال بھی اس نے گذشتہ سال کے سات مضامین اور سات تاریخی نظموں کا مجموعہ تاریخ دوست اصحاب کے لئے پیش کیا ہے۔ مضامین محدود پیرا اصلومات میں نفیس بھی دیکھ اور موشہ ابلا میں ایک مختصر و بیا میں بزم کی کارروائیوں پر تبصرہ ہے۔ اور آخر میں سالانہ اجلاس کا خیر صدارت ہیکو امید ہے کہ تاریخ دوست اصحاب بزم کی اس سالانہ تصنیف کو غور کر کے صرف اس سے مستفید ہوں گے بلکہ ہندوستان کے آئندہ حوزہ میں کی بہت افزائی بھی کریں گے +

**فلسفہ** اشو بنار تصنف جناب احمد دین صاحب بھون گورکھ پوری متا +

گذشتہ سال سے گورکھ پور کے چند جوان بہت ادب نواز بزرگوں نے اردو کی علمی و ادبی ترقی کے لئے ایوان اشاعت کے نام سے ایک مجلس قائم کر رکھی ہے۔ اس کا مقصد اردو کے خزانہ کو ترقی دینا اور علمی اشاعت سے الامال کرنا ہے اور تصنیف اس مجلس کا پہلا کارنامہ ہے +

جناب بھون گورکھ پوری رسالہ نگار کے ممتاز افسانہ نویس و مضمون نگار ہیں۔ ان کا طرز تفاسیل پر زور اور دلکش ہوتا ہے۔ ان کی تحریر میں روانی ہے۔ اور وہ زبان پر کامل اختیار رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس تصنیف میں بھی جو ایک خشک فلسفیانہ زندگی پر ہے۔ ان کی گفتگو غیر مجروح طور پر اس طرح صحیح و سالم ہے +

شونہا اپنے ہمکار سے بڑا شاعر اور ناول باز ناخدا فلسفی تھا۔ اس کی زندگی کے حالات نے اسے قوطیت کا شکار بنا دیا تھا۔ اس لئے اس کا مضمون طرز

کا اس وقت پتہ چلتا ہے جبکہ ہم ہر دور کے آخر میں مولانا تھرمہ اور اس دور سے متعلق مخصوص الفاظ کا لغت دیکھتے ہیں اور یہی چیز دراصل کتاب کی جان ہے۔ انہما رائے میں مولانا تھرمہ و سنجیدہ اور انہی وضع قدیم کے ماتحت بہت زیادہ متذبذب ہیں۔ البتہ ایک چیز کا صاف پتہ چلتا ہے کہ مولانا اردو کے وطن کا شرف کسی دوسرے حصہ ملک کو دینے کے لئے کسی طرح بھی نظر نہیں آتے + فاضل مرتب نے مقدمہ میں دکن میں اردو اردو کے قدیم۔ سیرا کمٹین اور پنجاب میں اردو کا صرف تذکرہ کیا ہے۔ بلکہ مولانا اردو کے متعلق انہی کتاب کا بھی اظہار فرمایا ہے۔ لیکن انیسس ہے کہ مولانا نے ۱۹۲۵ء کی بہترین تحقیقات سے انہی پیش ہا تصنیف کو محروم رکھا ہے۔ مثلاً پرتوی راج راج کے متعلق حریفیت سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ محمد اکبر یا اس کے بعد کی ایک تصنیف ہے۔ اس نے اس کو پرتوی راج کے بعد کی کتاب کی طرح استعمال کرنا صحیح نہیں۔ اس طرح خالق بادی کے متعلق مولانا کا یہ کہنا کہ وہ امیر خسرو کی تصنیف ہے۔ اب بہت زیادہ بحث طلب ہے +

اس طرح ایک آدھ مگر ناموں کی کتابت اور فنون کی ترتیب میں بھی غلطی رہ گئی ہے۔ جو صرف نظر کی غلطی ہے۔ اور اس سے نفس کتاب پر کوئی حوت نہیں آتا۔ مثلاً خلافت آزاد اور دیا پیرا راجیات شہباز کے مصنف کا نام نواب سید محمود دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کا نام نواب سید محمد صاحب تھا۔ اور وہ موہ بھال بارہاؤلیہ کے ایک پرنسپل آف رجسٹریشن تھے۔ اور اپنی اور اودھ پچ کے خاص نامہ رجسٹر سہریدین اوٹیراٹھ ہینڈ آف ان کے صاحبزادہ ہیں۔ اسی طرح ان تصانیف کے دور خیم کا نمونہ جس از وقت ہے اس کو ۱۹۲۹ء کے ماتحت درج کیا گیا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ سمجھ کر جمع القوائین مجموعہ ہے ان قوانین کے تسلیم کا جو شروع ۱۹۲۹ء سے آخر ۱۹۳۸ء تک صادر و نافذ ہوئے ہیں مضمون ۸ اور اس لئے اس کو نمونہ کی جگہ نمونہ ۲۷ پر لانا چاہئے۔ بہر حال یہ غلطیاں کسی صورت سے بھی اہم غلطیاں نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ ایک ایسی اہم تصنیف میں جو آئندہ جگہ طلبہ و محققین کے لئے سندا اور مخزن معلومات ہوگی۔ اس لئے اس کے پاک و صاف دامن پر یہ جگہ سے داغ بھی اپنے نہیں معلوم ہوتے +

آؤ میں ہم فاضل آشاؤ آزاد کو ان کی اس پیش ہا پیرا اصلومات اور کثیر المراد تصنیف ہول سے بد یہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ دوسرے حصہ جلد ۲ سے کہیں بہتر اور محاسن ظاہری باطنی میں اس حصہ سے بدرجہا

اس سر پرستی سے تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ چیزیں ایک دہی کے لئے سب سے زیادہ مہلک اور اُس کے کشش کے لئے نیا مکہ ہیں۔ خود توں کی حالت گیتا نہیں اُن کی ترقی کے وسائل پر غور کرنا ہمارا فرض ہی نہیں بلکہ آئندہ قوی حیات و انفرادی و خاندانی زندگی کے لئے باضروری ہے۔ لیکن اس طریقہ سے جس کا ثبوت فاضل خ کے مرتب نے دیا ہے +

اس کے علاوہ مرتب کی ایک اُنچ بھی یہی ہے کہ وہ اردو میں اپنے قابل احترام چچا اور لائق کا خلقی ناگوار "تو" سے مرتب کرتے ہیں۔ چنانچہ پیشکش کے یہ الفاظ ہیں :-

"خدمتِ مدرسہ شیخ محمد ایلو کیٹ گور و اسپور میرے عزیز اور محترم چچا جیسے اعلیٰات کا شکر یہ میری توفیق سے باہر ہے۔ میرا رٹاں رٹاں تیری گونا گون شغفوں کا زبیرا ہے۔ یہ ادنیٰ کتاب تیری خدمت میں پیش کرتا ہوں"

مجھ سے یہ سن آئی یہی تیری نظر ہے"

آگے چل کر مذمت کے زیر عنوان غور فرماتے ہیں :-

"وہ خلق ناظر اگر کبھی فرصت کے وقت یہ کتاب تیرے سامنے لائے اور اسے پڑھ کر تو اس غیب پر پہنچے کہ اس کو کوئی حق تیرے پڑھنے یا تیری توجہ کے قابل ہے تو سمجھ لینا کہ مجھے اپنی محنت کا پھل بلیا تو جانتا ہے کہ انسان سو دھلا پتلا ہے..... مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ میں تجھے نصیحت کروں....."

یہ ہے نوساز زعفران سے اخراجِ ادب و اشعار اور یہ ہے ادنیٰ ثبوت اُس نئی روشنی کا جسے سچکل ایک جاہل آزادی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس حصے کے خطوط ہمارے یقیناً بعض امن معاشقہ خواہوں کی غمازی کرتے ہیں جن کی اصلاح باضروری ہے اور اس کتاب سے کم از کم اس قسم کے معلومات حاصل کئے جاسکتے ہیں +

**ضمیمہ** مترجمہ جناب اختر شرفی صاحب - مئی ۱۹۹۷ء - قیمت ۷۰ روپے پنجاب اردو اکاڈمی لاہور +

ایران میں موجود مثالِ حمادی کی ابتدا گذشتہ صدی کے منتعبر آخر کے کچھ پہلے شروع ہوتی ہے۔ وہاں اس کی ابتدا تراجم سے ہوئی اور اسی میں اس کی ترقی اور اپنا ترشماک مقام غالباً اسی کا اردو ترجمہ اس نام سے شائع کیا گیا ہے۔ اختر صاحب لائق باپ کے لائق فرزند ہیں۔ اور پنجاب کے

اسی حوالہ نصیبی کی تفسیر ہے۔ اور اس موضوع خاص میں وہ شاید اپنے آستانِ بخت سے بھی بہت فائدہ لے گیا ہے۔ اُس کے خیال میں دنیا ایک دارِ ارحم و مہبت تھا جو انسان کی پیدائش ایک صورت کی سزا اُس کی زندگی تا سرحدِ مہبت اور اُس کی موت ایک یقینی واقعہ ہے +

فاضل مولف نے اس خیال سے کہ فلسفہ سے بچنا نہ اصحاب بھی اس پوس فلسفی کو سمجھ سکیں۔ ایک پر از معلومات مفرد کے ذریعہ فلسفی کی تدریجی ترقی کو جو اس کے عہد تک ہوئی تھی بتایا تھا۔ اس کے پہلے ایک مختصر دہا چہ ہے اور نفس صاحب سوانح کے متعلق پانچ باب ہیں۔ ہم کو امید ہے کہ ادب و فلسفہ سے کبھی رکنے والے علم دوست اصحاب نہ صرف اس کتاب سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ بلکہ حقیقت سے اس کو آئندہ مجلس کی حیات آئندہ کا بھی سامان مہیا کر دیں گے۔ کہ ملک کو ایسے اداروں کی اشد ضرورت ہے۔ اور وہ کے متعلق تمام معلومات اُس کے سرکاری سے مذکورہ بالا پتہ سے حاصل کئے جاسکتے ہیں +

**قصے اور ڈرامے** پُرانا خواب اور دو افسانے۔ از جناب سید سجاد احمد صاحب پلہ مئی ۱۹۹۷ء - ۲۲۴ + ۹۰ + ۱۲۲ + ۲۲۴

قیمت ۷۰ روپے۔ پتہ مسلم یونیورسٹی یک ڈیو، علی گڑھ +

وہ کون شخص ہے جو اردو ادبیات سے کبھی رکھتا ہو۔ اور اردو کے اس اعلیٰ الشہ پر داز اور اُس کے خاص طرزِ نگارش و اصولِ تنقید سے واقف نہ ہو۔

مذکورہ بالا کتاب مجموعہ ہے ایک ڈراما (پُرانا خواب) اور دو افسانوں کا (۱)

اسببِ الفت (۲) مطلوبِ حینان + یہ چیزیں علیحدہ علیحدہ بھی شائع ہو چکی ہیں یہ تینوں افسانے ترکی زبان سے ترجمہ کئے گئے ہیں اور ان کا مطالعہ نہ صرف ذہنی مسرت اور اردو کی پہچانی کا سبب ہے۔ بلکہ اس سے ترکی ادبیات و معاشرت پر کافی روشنی ملتی ہے۔ ان تین افسانوں کی خوبی خود صاحب ترجمہ کی بات ہے ان کی دوسری کتابوں کی طرح یہ بھی نہایت اچھی طرح چھاپا ہے +

**نوائے عالم** از جناب اشفاق صاحب مئی ۱۹۹۷ء - قیمت ۷۰ روپے پنجاب کپور اینڈ سنڈرلیمک پبلشرز لاہور +

اس کتاب میں چند خیالی تقریریں اور متعدد خطوط ہیں۔ اور ان کا نگاہری مقصد حادثاتِ نسوان اور غریب و مظلوم بے گس و مجبور عورتوں کو مردوں کے آنہی پنہ اور ظلم و ستم کی زنجیروں سے جھڑانا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اشفاق صاحب نے اپنی خیالی تقریریں جو ردیہ اختیار کیا ہے۔ اور میں طرح معاشرت و مذہب کا مشکوک ٹولیا ہے۔ وہ ان کے اس نال اصلاح کو بڑھا کر متناہدیتا ہے اور ان کے

انتخاب سے پہلے، مسخات کا ایک مالانہ واقعات پر از معلومات مقدم ہے۔ اور اس کے پڑھنے کے بعد بلاغت ترویج کا جاسکتا ہے۔ کہ یہ مقدمہ چنا حیر کے متعلق بہترین ذخیرہ ہے۔ اس فن میں درایت و روايت کے اصول کے مطابق سر بیان کو واقعات کی کسوٹی پر رکھ کر اس کے نتیجہ کے مطابق خبر جاندارانہ فیصلہ صادر کر دیا گیا ہے۔ ہمارے نوجوان محققین و ناقدین کے لئے یہ مقدمہ شیعہ ہدایت ہے۔ اور وہ اس سے تذکرہ نگاری کے صحیح اصول سیکھ سکتے ہیں۔ اس میں ۲۱۲ شتوئی کا انتخاب ہے انتخاب میں یہ اصول مد نظر رکھا گیا ہے کہ جو اشارہ ذوق سلیم کو گراں معلوم ہوں ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور اس حیثیت سے یہ انتخاب ابتذل کی گنجینوں سے بھی پاک ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس کتاب میں نثر موجود نہیں ہے۔ اور بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ چنانچہ ابتدائے کا مسخات انہی اخطا کی تصحیح کے اندر ہو گئے ہیں۔ ہم نہایت پر زور الفاظ میں اس بار دوبارہ و نظم سے دیکھی رکھے والے اصحاب سے اس کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کی سفارش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ فاضل مرتب اس سلسلہ کو جاری رکھیں گے کہ ہماری زبان کو لیے اصحاب فضل اور اُن کی عالمانہ تصانیف کی اشرف و ندرت ہے۔

**شعلا** (ہرودتھر) مصنفہ جناب ماسٹر محمد عمرہ فاضل صاحب جذبی لغامی عمرہ ۱۹۲۷ء قیمت ہر دو حصہ صر۔ پتہ مصنفہ، اندورہ دیلوسہ شعلہ لہذا برابر +

یہ دور سالے جناب ماسٹر صاحب کی مختلف و مستند ادبی، تاریخی، مذہبی اور اصلاحی نگہوں کے مجموعے ہیں۔ انہیں کیسب مؤثر اور نتیجہ خیز ہیں۔ وہ نہ صرف اس قابل ہیں کہ ان کو عالم عرب سے پڑھا جائے بلکہ اس بات کی تسخیر ہیں کہ بچوں کو بھی پڑھا جائے اور شاید اسی خیال سے مصنفہ نے ان کو جلی تلم سے لکھا ہے اس کے علاوہ آثار بھیہ صوبہ کی یہ ادبی و اصلاحی خدمت ہماری ہمت افزائی کی توفیق ہے کہ صرف اسی طوع سے ہم ان صوبوں میں جہاں یہ زبان محدود و حلقہ سے آگے نہیں بڑھ رہی ہے اس کو عام و ہر دلعزیز بنا سکتے ہیں +

**زرق بلبل** مصنفہ جناب حافظ محمد متا ذالرحمن صاحب بدنام ۱۹۲۷ء مفت۔ پتہ مصنفہ، قریشی محلہ، اردو پبلشرز، ضلع مراد آباد

یہ مجموعہ اسرارہ جناب شاہ صاحب کی غزلوں، ایک مناجات اور قصیدہ رباعی کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جو شخص حرف پڑھ جو تلمبے۔ اسی سے شوق جمی ہو تا ہے سخی کو طوبی مناجات میں بھی یہ صفت موجود ہے۔ اس لئے یہ رسالہ قابل مطالعہ ہے اور پھر اس پر صفت راجہ یاد گفت +

نوجوان افشار پروازوں اور شاعروں میں ایک ممتاز نجم رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کا یہ عرصہ بھی ہماری توجہات کے مطابق سات' ملین' عام فہم اور ایک بڑی حد تک صاف سے پاک ہے۔ نثری ترجمہ کے علاوہ مترجم نے بعض جگہ نظم کا نظم میں ترجمہ کیا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کتاب میں اختر صاحب کا اپنا ایک نظم بھی نہیں ہے۔ حالانکہ ان کو اس پر ایک عالمانہ مقدمہ لکھنا چاہئے تھا۔ جس میں اس فن کی تاریخ سے نہ ہی اس فاضل کتاب کی خصوصیات سے بحث کرنا چاہو تھا۔ امید کروہ اس کی دوسری اشاعت میں پورا کر دیں گے +

**سرگشت وزیر خان لنگران** ترجمہ جناب محمد عبدالغنی صاحب قانی ایم اے ۱۹۲۲ء قیمت ۱۱۰۰

قیمت ہر آسپی پریس محمود گلکنٹو +

یہ ڈراما بھی فارسی میں ترجمہ کے ذریعہ داخل ہوا۔ اور اب ترجمہ ہی کے ذریعہ اردو خواں اصحاب کے سامنے آئے۔ جو کہ یہ پیشکش داخل نصاب ہے اور مترجم کا مقصد اول طلبہ کی ادا ہے۔ اس لئے انہوں نے کہ جاسم گلکنٹو کے اُستاد ہیں صرف ترجمہ ہی شائع نہیں کیا ہے۔ بلکہ اصل فارسی بھی دیدی ہے اور اسی کے مقابلہ میں اردو ترجمہ اس کے علاوہ ابتدا میں اس فن کی تاریخ پر غور کیا اور اس کے ایران میں ترویج اور ترقی کے حالات پر برصغور کا جامع مقدمہ بھی لکھا ہے۔ اور آخر میں اہم الفاظ اور اہم ارکان تغیل کی تشریح و توصیف کا فرنگ بھی شامل کر دیا ہے۔ پھر بھی نفس تغیل، اس کا مقصد اسکا پلیٹ اور اس کے ارکان کی خصوصیات پر بحث نہ توفیق حاصل ہے۔ ممکن ہے کہ وہی کتاب کی دہر سے اس موضوع کو زیادہ نہ پھیلا گیا۔ لیکن اگر یہ کمی پوری کر دی جائے تو پھر یہ ترجمہ ہر حیثیت سے مکمل ہو جائے گا +

**منظم** انتخاب شتوئیات میر۔ مرتبہ آذربیل شمس ڈاکٹر سر شاہ محمد علیان ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی سر سٹریٹ لاٹ ۱۵۷۴ + ۳۶ + ۱۳۷ + ۱۶۲ قیمت جو۔ پتہ نیچر لغامی پریس بدایوں +

ڈاکٹر صاحب موصوف نہ صرف قانون و مغربی ادبیات کے مستند عالم ہیں بلکہ اندو شرف نظم کے ایک بہترین نقاد اور تاریخ ادب کے بلند پایہ فاضل ہیں آج سے کچھ سال پہلے انہوں نے ناقافی منہ ذوق دہلوی کے قصائد کو اوٹ کر کے شائع کیا تھا اور ایک نئے سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اب انہوں نے میر جیسے بلند پایہ شاعر کی خصوصیات کا انتخاب اردو دوست اصحاب کے سامنے پیش کر کے تحقیق و تفتیش کے لئے عوامی تحیق و موصول کیلئے +

## محمدی بوا

مصنفہ جناب میرزا انیم صاحب چشتی ص ۱۲ قیمت ۴ روپے  
نگارشان ادب کو چمکان گراں یہ جیدہ واہ لاہور +

یہ رسالہ اصل ان مضامین کا مجموعہ ہے جو سالہ صحت میں مصنف نے  
لکھے تھے اب ان کی افادی حیثیت پر نظر کر کے اس کو مجموعہ کی شکل میں شائع کیا گیا  
ہے۔ یہ رسالہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ جہاں تربیت اور تعمیل اخلاق۔ ان دونوں  
چیزوں کے متعلق اس میں تمام ضروری معلومات بہتر پیرایہ اور صاف زبان میں  
پیان کئے گئے ہیں۔ امید کہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے گا کہ اولاد کی  
جسمانی و اخلاقی تربیت ہی میں والدین کی برکتی تلاش اور ناموری ضرور ہے +

## عصمتی کردشا

مرتبہ جناب محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ ص ۱۲۰ قیمت ۴ روپے +  
اس رسالہ میں کردشا اور السرخش کی شوقین بہنوں کے  
لئے پچاسی عمدہ نمونے دیئے گئے ہیں۔ یہ نمونے مختلف خواتین کی ہنرکاری کا  
نمونہ ہیں۔ ابتداء میں اس سے متعلق دہاتا بھی ہیں +

## عصمتی کشیدہ

مرتبہ جناب محترمہ آمنہ نازی صاحبہ ص ۱۲۰ قیمت ۴ روپے +  
یہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔  
اور اس میں کشیدہ کاری کے تقریباً ڈیڑھ سو مختلف نمونے درج ہیں۔ اس کی  
ابتداء میں بھی دہاتا ہیں۔ ہم اہم دونوں بہنوں کو ان کی ان سامی جیلہ پر بارگاہ  
دیئے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ ان کی تصانیف سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر ان کی  
محنت اور جوش خدمت کی داد دی جائیگی +

مذکورہ بلا تینوں کتابیں سلسلہ عصمت کی تین کڑیاں ہیں اور ہر عصمت یک  
ایک نئی کو چمکلاں دہلی سے مل سکتی ہیں +  
”سنان“  
(باقی آئندہ)

مصنفہ جناب شید ابوالکرام صاحب محمد شفیع احمد صاحب ص ۱۲۰  
قیمت ۴ روپے + پتہ خیبر رسالہ دستکاری دہلی +

## کرشمہ تعلیم

اس رسالہ میں ایک غریب مزدور لڑکے کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ  
کس طرح اپنی ہمت و استقلال کی وجہ سے ترقی کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ گیا لیکن  
اس کی زبان اسکی ترتیب اور اس کے واقعات کی موجودہ صورت میں ہم نہیں سمجھ سکتے  
یہ کتاب کس طرح بچوں کے لئے مفید اور ان کے اندر جملہ عزم پیدا کرنے میں  
کامیاب ہو سکتی ہے۔ لیکن چونکہ اسے ریڈ رنگ پر نام اور ایک اسلامی  
ریاست کی حمایت حاصل ہے اس لئے یہ کتاب مالی حیثیت سے کم از کم مصنف  
کے لئے تو ضرور ہی منفعت بخش ہوگی +

نسائیات - پنجو کی تربیت - از جناب عبد الغفار صاحب ابوی ص ۱۲۰ قیمت ۴ روپے +

## غزل

اس لئے رہتا ہے دل ناشاد بھی اور شاد بھی  
جن میں آہیں بھی ہیں نالہ بھی میں اور نرسا یا بھی  
ہوں اسیرِ دامن بھی اور دام سے آزاد بھی  
یہ بھی عالم ہے نہیں آتی تیسری یاد بھی  
برق بھی ہے بادِ صحر بھی ہے اور صیاد بھی  
یہ وہ بستی ہے کہ ہے یاد بھی بر باد بھی  
آہ وہ کرنے لگے اغیار پر بسیداد بھی  
کیا تماشہ ہے مقصد بھی ہوں اور آزاد بھی  
قیس دیوں سے کم مصیبت میں نہیں آزاد بھی  
جس جگہ ہیں طلع کتب نرسا بھی فر باد بھی

اس کی فطرت میں ہے شامل جمل بھی اور یاد بھی  
کوئی کیا سمجھے گمان غامضیوں کا دما  
پیکرِ صدفے نازی اور تصویرِ نیاز  
وہ بھی عالم تھا کہ دم بھر بھی جدا ہوتے تھے  
شکر ہے گلشن میں مجھ کو اب کوئی حسرت نہیں  
رنج کا غم کا الم کا یاس کا مسکن ہے دل  
درد کی حسرت تھی پہلے رشک سے جلتا ہوں اب  
بال و برقعِ خفس میں باغ میں آزاد ہے دل  
برق کا کھٹکا ہوا کا خوف اور مصیبت کا  
لے آلا مجھ کو تصویر یا رکاب انرسا بگدا  
(غماص)

## دُرِ یگانہ

(از حضرت میرزا یگانہ لکھنوی)

دُکھتا ہوا دل ٹٹول لینے والا      آنکھوں آنکھوں میں تول لینے والا  
دل کی آواز گوشِ دل سے سنکر      کیا ہے کوئی درد مول لینے والا

بادل کو لگی کھلتے برستے کچھ دیر      دل کو نہ لگی اُجڑتے بستے کچھ دیر  
بچوں کی طرح موم ہوا ہوں ایسا      روتے کچھ دیر ہے نہ سنتے کچھ دیر

اپنی حد سے گزر گئے اب کیا ہے      منجھ مار سے پار اُتر گئے اب کیا ہے  
اے شوقِ وصال اے تمنائے سکون      دونوں پہ تو بھر گئے اب کیا ہے!

یارانِ چین یہ رنگ و بومجھ سے ہے      تم سے کیا ہوگا؟ لکھنومجھ سے ہے  
میں جانِ سخن ہوں بلکہ ایمانِ سخن      دنیائے ادب کی آبرومجھ سے ہے

ساجن کو سکھی منا لو پھر سولینا      سوتی قسمت جگا لو پھر سولینا!  
سوتا سنا سننے والا بیدار!      اپنی بیٹی سنا لو پھر سولینا!  
اُٹھو سکھی پھر سولینا

یگانہ

(خاص)

# غزل

از جناب حامد اللہ صاحب افسر بی۔ اے

بت بنے، بت کا پٹجاری بنے، بت خانہ بنے  
لاکھ گو تجھ سا بنے کوئی پہ تجھ سا نہ بنے  
یا تو ہونا نہ تھا ہر ذرہ میں یوں جلوہ نما  
یا یہ کہنا تھا کہ ہر ذرہ میں بت خانہ بنے  
ہائے وہ جس کی امیدیں ہیں خزاں پر موقوف  
شلخ گل سوکھ کے گر جائے تو کاشانہ بنے  
اُف رے جشت! کوئی پردہ نہیں رہتا باقی  
ہوش کی جس کو تمنا ہو وہ دیوانہ بنے  
کیف سا ماں کوئی مجھ سا بھی نہ ہوگا افسر  
آنکھ جس پھول پہ ڈالوں وہی پیسا نہ بنے

(خاص)

افسر

# غزل

از جناب حامد اللہ صاحب افسر بی۔ اے

جب دل کی بے کلی کا سبب پوچھتا ہوں میں  
کہتا ہے کوئی درد نہیں ہوں دوا ہوں میں  
ہوں میں بھی اپنے ڈھونڈنے والوں میں دیکھنا  
شاید یہ ہوش ہے کہ کہیں کھو گیا ہوں میں  
غموار بھی ہو کوئی تو کیوں کر سمجھ سکے  
کیا جانے بے خودی میں یہ کیا کہہ رہا ہوں میں  
خود داریاں یہ میرے تجسس کی دیکھنا!  
منزل پہ آکے اپنا پتہ پوچھتا ہوں میں  
اُن پیاری پیاری آنکھوں پہ الزام کیا رکھوں  
دل سے ستم نظریں کا مارا ہوا ہوں میں  
رکھ کر نظر کے سامنے تصویر خواب ناز  
پہروں ترے خیال میں بیٹھا رہا ہوں میں  
افسر ہو کیوں کوئی مری رندی پہ حرف زن  
میں نے یہ کب کہا کہ بڑا پارسا ہوں میں

(خاص)

افسر



# جوشِ جنوں

(از جناب امجد صاحب قیس بالہ مری)

کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی      آہ بھی کی تو با اثر نہ ہوئی  
بے خبر کو کبھی خبر نہ ہوئی      شبِ فرقت مری بسر نہ ہوئی

لاکھ چاہا مگر سحر نہ ہوئی

مجھ سے خوش کوئی خوش نظر نہ ہوا      میں نے جو چاہا عمر بھر نہ ہوا

میرا مرنا بھی کارگر نہ ہوا      اُس پر مرنے کا بھی اثر نہ ہوا

اُس کو مرنے کی بھی خبر نہ ہوئی

دلوں سے سب مٹا دئے دل کے      داغِ دل سے اٹھا دیئے دل کے

دل میں ارباں دبا دئے دل کے      جس نے پڑے اڑا دیئے دل کے

پھر وہ برچھی ہوئی نظر نہ ہوئی

مجھ کو گھر سے نکال کر رہنا      مجھ کو کنفل سے ٹال کر رہنا

اب طبیعت سنبھال کر رہنا      آج سے دیکھ بھال کر رہنا

پھر نہ کنا ہمیں خبر نہ ہوئی

اس قدر شوخ اس قدر طائر      اتنا چالاک اس قدر ہشیار

پہلے دل لینے سے کیا انکار      باتوں باتوں میں پھر برت عیار

لے گیا دل مجھے خبر نہ ہوئی

قیس

(خاص)

# حکایتِ گل

از حضرت محمود اسرار علی

گل کا بلبل نے گریباں چاک دیکھا تو کہا  
کیوں ہے یہ شیرازہ اوراقِ ایسا منتشر  
کیا مری کم التفاتی کی شکایت ہے تجھے  
کیا مری کم التفاتی کی شکایت ہے تجھے  
کیا مری الفت نہیں ہے تیری شوخی کی کفیل  
گل نے بلبل سے کہا تجھ سے کوئی شکوہ نہیں  
صرف ہے میری پریشانی کا باعث یہ خیال  
فصلِ گل آتے ہی گھپیں آیا صحنِ باغ میں  
میں عرق آلودہ ہو جاتا ہوں خوفِ مرگ سے  
خود غرض ہے رحم کی بو اس کی فطرت میں نہیں  
اک نمبی پر کیا ہے بلبل محفلِ عالم کو دیکھ

کیا ترے ننھے سے دلیں غم ہے ایسا جانگذا؟  
میں تری شیدا ہوں کمدے مجھ سے اپنے دل کا راز  
کیا نہیں نجی ہے فطرت نے مجھے خوئے نیاز؟  
کیا مری ہمت سے بڑھ کر ہو چلے میں تیرے ناز؟  
میں ترا مطلوب ہوں اور تو ہے میری دلنواز  
کیوں نہیں انسان کو نیکی بدی کا امتیاز؟  
پھول کھلتے ہی کیا دستِ ہوس اپنا دراز  
پڑتی ہے گلشن میں اس جانب جو چشمِ نیم باز  
اُس کے دل میں کچھ نہیں خوفِ خدائے کار ساز  
شمع میسگوید باہل بزمِ باسوز و گداز

سر بریدنِ پیشِ این سنگیں دلاں گلچیدن است !!

محمود اسرار علی

(خاص)

# قطرہ شبنم

از جناب مولوی حامد من صاحب قادری پروفیسر سینٹ جالسن کالج آگرہ

آہ لے شبنم کے قطرے تیری حالت دیکھ کر  
 عمر کم کو ساتھ لے نادان کیوں لایا ہے تو  
 ہائے دل جانینگے سب ارمان تیرے خاک میں  
 بے ثباتی اور پھر ایسی ہزار افسوس ہے  
 دیکھ کر تجھ کو مکمل آئے یہ آنسو کس لئے  
 آبداری میں ہے بڑھ چڑھ کر درِ غلطاں سے تو  
 یاپسینہ ہے کسی کے رشک گل رخسار کا  
 تجھ میں یہ دل بستگی آئی کہاں سے کیا ہے تو  
 گود میں لیتے ہیں تجھ کو جان تو بھولو نکی ہے  
 زرد پتہ ہو گیا تھا روئے پرانوا رگل  
 یسلی شب باغ میں آتی ہے دن کو ٹال کر  
 پھول پھٹتے - سبزہ خوابیدہ کی تو جان ہے  
 پتی ہے ہر اک کلی تیری بغل میں رات بھر  
 الغرض بالیدگی بودوں کی تیرا کام ہے

پانی ہو ہو کر بہے جاتے ہیں میرے دل جگر  
 ایک شب کی واسطے دنیا میں کیا آیا ہے تو  
 صبح اب نزدیک ہے سورج ہے تیری تاک میں  
 زندگی مختصر پر لاکھ بار افسوس ہے  
 چل گیا دل پر ہمارے تیرا جادو کس لئے  
 کیا مشابہ ہے کسی کے گوہر دندان سے تو  
 یا کوئی قطرہ ہے دود آہ آتش بار کا  
 باغ میں جا کر جو دیکھا حسن کا دیا ہے تو  
 تیرے دم سے تیرے باعث آبرو بھولو نکی ہے  
 شرم رکھ لی تو نے بن کر غارہ رخسار گل  
 موتیوں کا تیرے ہار اپنے گلے میں ڈال کر  
 آبداری تجھ پہ صدقے - مازگی قربان ہے  
 رہتی بستی ہے ترے موتی محل میں رات بھر  
 چشمہ آب خضر تیری تری کا نام ہے

ساری رونق گلشن عالم کی تیرے دم سے ہے  
 مازگی سبزہ و گل قطرہ شبنم سے ہے

# شریر بیوی کا دیباچہ

از جناب ریاض حسین صاحب بی۔ اے

موجود میں۔ لیکن عملی زندگی میں یہ الفاظ شرمندہ معنی نہیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عورت کا گھدہ میں دائرہ عمل گھر کی چار دیواری ہے۔ اور اس کو فطرت نے ”شہ آئین“ بننے کی بجائے ”چراغ خانہ“ بننے کے لئے پیدا کیا ہے۔ لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ منزل زندگی میں مرد کی سچی رفیق اور حقیقی معاون بننے کی بجائے اس کے لئے باردوش بنی رہے۔ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ عورت شرعی پردہ کی پوری پوری پابندی کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا سیکھے وہ ہر وقت اور ہر جگہ مرد کے طاقتور اور مضبوط بازو کا سہارا ڈھونڈنے کی عادی نہ رہے۔ کارنا ریاچات کی ٹھکن منزل کو طے کرنے اور ناگہانی مصیبتوں کا وقت پڑے پر تینا مقابلہ کرنے کے بھی قابل ہو مصنف نازک کے لئے ضروری نہیں کہ وہ صنف ضعیف بھی ہو۔ اس کی شرم و حیا پر نصیب مصومہ کی طرح اسے بیکس و بلیس نہ بنادے۔ کہ وہ ہر بد معاش کی جوسنی کا آسان نشانہ بن جائے بلکہ اس کی شرم و حیا اس کے لئے ایک حصہ حصین کا کام دے۔ جس پر بد معاش اور بدینت گویوں کو نظر ڈالنے کی جرأت ہی نہ پڑے۔ آوارہ فلتانوں کے لئے اس کی ایک پرکلاست لگا، حواشکن اور اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ جہت فرسا ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ ضرورت کے وقت وہ ایسی کارروائی کرنے سے بھی گریز نہ کرے جس کے ذریعے بد معاش کو اس کی بد معاشی اور بدینتی کی سزا دی جا سکے +

”شریر بیوی“ عورت کے پیرایہ میں ازدواجی زندگی کا ایک دلکش مرتع ہے جس میں شہ اور پردہ بیوی دو زندہ دل بے تکلف دوست ہیں۔ جو باہر میں بازو ڈالے ہنسی خوشی زندگی کی نشوونما طے کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ شوخی طبع اور زندگی نے ان کی زندگی کو ایک مسلسل فقہ بنا رکھا ہے۔ بیوی صحیح معنوں میں رفیقہ حیات اور شوہر کی دما ز ہے۔ شوہر بھی اسے زخیرہ کوئی بیوی یا ناقص افضل ہستی نہیں بلکہ اصل معنی میں شریک زندگی سمجھتا ہے۔ اور زندگی کی مسرتوں اور خوشیوں میں اس کی محبت کو ناگزیر خیال کرتا ہے۔ وہ بیوی کو اسے۔ اچھی جی۔ غریہ کے جھڈے الفاظ سے نہیں بلکہ دوست کے بے تکلف لفظ سے خطاب کرتا ہے۔

مغرب میں فساد نو لیس کا مقصد محض تفریح و تفریح نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر بلند پایہ فساد نو لیس اس سے بلند و برتر مقصد پیش نظر رکھتا ہے۔ اول پچھانوں سے سوسائٹی کی اصلاح و درستی اور نئے خیالات کی ترویج و اشاعت کا مقصد کام لیتا ہے۔ وہ سوسائٹی کے عیوب و نقائص کو بے نقاب کرتا ہے گویوں کی سماجی زندگی کا منہکا اڑا تا ہے۔ اور ایسے دلکش پیرایہ میں ان کی کمزوریوں سے ان کو آگاہ کرتا ہے۔ کہ وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم ہی اس بے دردانہ تنقید کے تحت مشق ہیں۔ ان سب باتوں کو نہ صرف مزے لے لے کر پڑھتے ہیں۔ بلکہ اندر ہی اندر ان کا دل ان باتوں سے متاثر ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ان کے خیالات و افکار میں فی محسوس طور پر انقلاب سا آجھلتا ہے اس طرح فساد نو لیس اپنے ملک اور قوم کی بیش بہا خدمات انجام دے رہی ہیں اور دونوں ان میں اگرچہ مولانا نذیر احمد مرحوم۔ مولانا راشد الغزیری۔ مرزا محمد سعید اور دیگر ایسے مقتدر اہل قلم نے اس نوع کے متعدد کامیاب فساد لکھے ہیں۔ اور وہ اردو کے لئے سرمایہ ناز ہیں لیکن ایسی تصنیفات کی تعداد اس قدر کم ہے۔ کہ وہ اچھلیوں پر گنی جاسکتی ہیں۔ اور ایسی ضرورت ہے۔ کہ اس طرف مزید توجہ دی جائے۔ اور اردو کے دامن کو اس متاع سے بھی مالا مال کیا جائے +

مرزا عظیم بیگ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کا میں ممنون ہونا چاہئے۔ کہ انہوں نے ”شریر بیوی“ ایسی دلکش کتاب لکھ کر اسی نوع کی تصنیفات میں ایک قابل قدر اضافہ فرمایا ہے +

یہ ایک المناک حقیقت ہے۔ کہ ہندوستان میں مسلمان عورتوں کو رسمی پردہ کی جگہ بے پردہوں نے بہت حد تک مضبوطی بنا رکھا ہے۔ اور اس کا منفراثر مسلم افواہ کی حیات اجتماعی کے ہر شعبہ پر پڑ رہا ہے۔ عورتیں مردوں کی رفیق اور معاون ہونے کی بجائے اکثر ان کے لئے وبال ثابت ہوتی ہیں کہنے کو تو بیوی کے لئے ”رفیقہ حیات“ اور ”مونہ زندگی“ ایسے خوش آئند الفاظ

اگر عورتیں اپنے بدچلن شوہروں کو درست کرنے کے لئے بھی طریقہ اختیار کریں۔ اور شریر بیوی کے جادو بھرسے لفظوں میں ان سے اپیل کریں۔ تو یقین ہے کہ انہیں سونفیدی کامیابی ہوگی +

جس قدر شریر بیوی کی طبیعت میں شوخی اور شرارت ہے۔ اس قدر اس کا دل حساس اور دقیق واقع ہوا ہے۔ غلط فہمی کے سبب اسے خیال ہوتا ہے کہ میرا شوہر خفیہ کسی رنڈی سے ملتا ہے۔ تو وہ بچ و خم سے ٹڈال ہو جاتی ہے لیکن اس کا بچ و خم رقابت کی وجہ سے اتنا نہیں متناسل وجہ سے ہے کہ شوہر نے اس راز کو اس سے چھپانے رکھا۔ وہ شوہر کے اعتبار کو سیریز زندگی سمجھتی ہے۔ اور اس اعتبار کا ٹھکانا اس کے لئے ہلاکت سے کم نہیں۔ چنانچہ وہ کہتی ہے:-

”تمہارا اعتبار جب میرے اوپر سے اٹھ گیا۔ تو میں کیونکر زندہ رہ سکتی ہوں۔ اگر کسی بازاری عورت سے تم ملو اور مجھ سے کندہ توخر کچھ نہیں۔

لیکن وہ گھر میں آئے اور مجھ سے چھپاؤ تو اس کے یہی معنی ہیں کہ میری موت قریب ہے۔ مجھ کو اتنا بک فخر تھا۔ کہ میں تمہاری بازو داڑھی

افترض شریر بیوی کا کردار اپنے اندر ایک جائز بہت اور دکھائی لئے ہوئے ہے وہ شریر ہوتے ہوئے بھی بہترین اوصاف کی مالک ہے۔ اور ان خوبیوں سے وہ اپنے شوہر کی زندگی کو بہشت بنائے ہوئے ہے۔ اس کے کارناموں کو پڑھتے پڑھتے ناظرین کے دل میں خود بخود اس کے لئے بہمدی اور محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور دل اس کی شوخی اور شرارت پر اسے ملامت کرنے کی بجائے اس کے لئے تعریف و توصیف کے جذبات سے معمور ہو جاتا ہے +

فاضل مصنف نے فلسفہ نصیحت پر بھی ایک چھبھتی سی نظر ڈالی ہے۔ اور نئے زاویہ نگاہ سے اس پر ایک لطیف بحث کی ہے جس کے لئے وہ مستحقِ داد ہیں +

مجھے یقین ہے کہ یہ تعنیف بہت سے لوگوں کی ازدواجی زندگی کی تلخیوں کو کم کرنے میں مفید ثابت ہوگی۔ اور انہیں اپنے طرز عمل میں بہتر تبدیلی پیدا کرنے پر مائل کرے گی +

ریاض بی۔ لے

(نام)

وہ بیوی کا ذکر کرنے میں رسمی جھجک اور صحت سے کام نہیں لیتا۔ اسے اپنی بیوی کی پاکیزہ اور نیک نیتی پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اور وہ اس کی عقل و خراست کا قائل ہے۔ اسی لئے وہ بعض اوقات بیوی کو نہایت خوفناک مگر دلیرانہ تجربے کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور افسوس سے کہتا ہے کہ اس میں وہ کمزور کمزور حد اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے۔ چنانچہ خود مصنف کو اس کا اعتراف ہے اور دوست کی حماقت کے خاتمہ پر وہ غلط ازبے:-

”اس تجربے سے میں معلوم ہوا کہ دراصل جہاں اور ہماری بیوی کا اصول غلط تھا۔ شرارت اور آزادی کی ضرورت کوئی حد نہ چاہئے۔ اور اس حد آزادی کو ہر شخص اپنی ضروریات کے مطابق مقرر کر سکتا ہے

ایک مغربی مصنف کا قول ہے کہ ”شوخی و شریر لڑکیاں نیک اور فرائز پار پیو یاں بنتی ہیں“ شریر بیوی کا کردار اس مقولہ کی صداقت کا پتہ ثبوت ہے اس میں شوخی ہے لیکن وہ شوخی جو حسن و رفائی کا خاتمہ ہے۔ اس میں شرارت ہے لیکن وہ شرارت جو زندہ دلی اور فراغت کی پیداوار ہے۔ تمام شوخی و شرارت کے باوجود اس کی شوہر سے محبت پر تش کے درمیان یکسانی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ان خوبصورت لفظوں میں اقرار کرتی ہے کہ

”جو تم کو بد۔ وہ صحیح ہے کہ چلی۔ کہ میرا مذہب ہو تو تم ہو۔ اور ایاں ہو تو تم ہو۔ مگر میں اب بغیر اپنی آنکھیں بھروسے نہ رہو گی۔ میرا مذہب ہے کہ اگر ایک چیز میری آنکھیں دیکھیں کہ ہے کہ تم کو بد۔ نہیں۔ تو میری آنکھیں جھوٹی اور تم سچے“

وہ شوہر کی رضا جوئی کو اپنا ایمان سمجھتی ہے۔ اور اپنے جذبات کی پروا نہ کرتے ہوئے عام عورتوں کی سطح سے بلند ہو کر خداوند کے لئے اپنی عقیدت و محبت کا انہار دینے پر آمادہ جس قدر خوش ہو۔ اس میں خوش اور مسرور اخلاص میں ان کو ملتا میں سے نہیں ہوں کہ تم میرے ہی ہو۔ خواہ چیلوں میں بیٹھو۔ خواہ نیک چیلوں میں۔ میں اگر تم کو رو کوئی۔ تو خوشا خدا اور خدمت سے۔ نہ کہ را جھگڑا کو۔ مگر اندس تو مجھ کو اپنی قسمت پر آمنا ہے کہ تم میری قدر نہ کی۔ مجھ کو کم ظرف سمجھا اور مجھ سے سچ نکلا۔ یہ تو تمہارا سہوت کی رنڈی ہے۔ اگر کہیں خدا نیک تمہاری بلانی جوتی۔ تو کیا میں اس کی یا تمہاری خدمت نہ کرتی۔ خدا نیکو سے۔ کہ ایا ہو۔ مگر خدا لگا ایسا ہوا۔ تو مجھے ثابت قدم یا ڈنگے +

# ”آبجیات“

از جناب شیخ محمد عمر فاروق صاحب گورنمنٹ کالج لاہور

رہیں گے +

”بہت خوب“ فلسفی نے کہا! اب شرافو! راز کے اگاہ ہونے کی؟  
سب بہترن گوش تھے +

”اچھا — تم میں سے ہر ایک نور آن بوتلوں میں سے کسی ایک کو اٹھا کر پی لے۔ ان ساتوں میں سے ایک میں آب حیات ہے اور باقی میں زہر لابل — آؤ اپنی قسمت آزمائو! اب حیات ہو! ہر ایک کو حیات جاودانی کا موقع دیا جاتا ہے!“

ساتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اپنے آئندہ کے چہرے کی ظن نظریں اٹھا کر کشادہ مذاق کو جسے ہوں لیکن نہیں یہ صرف ان کا گمان تھا۔ ایک دہم تھا۔ فلسفی کے چہرے سے شان مذاق ٹپک رہی تھی۔ وہ سب پھر بوتلوں کو غور سے دیکھنے لگے۔ لیکن سب ایک ہی رنگت کی شناس مانع سے پڑ گئیں +

”کیوں“ فلسفی نے تعجب سے دریافت کیا ”میری کیسی! میرا تو خیال تھا کہ میں اب تک تم میں سے چھو کو دم توڑا دیکھو گا۔“ لیکن ان الفاظ نے ان پر کچھ اثر نہ کیا۔ ان میں سے دو نے میز کی طرف ہاتھ بڑائے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ باقی دوست ان کی تقلید پر ہرگز آمادہ نہیں غرمنہ ہوئے اور ہاتھ پیچھے ہٹ گئے۔  
”جناب! یہ خیال ہرگز نہ کیجئے! کہ میں زندگی کو بہت بیش بہا خیال کرتا ہوں“ ان میں سے ایک نے کہا ”نہیں! میری ایک بوڑھی ماں ہے جس کی زندگی کا میں ہی سہارا ہوں!“

”میں“ دوسرے نے کہا ”میری ایک بھی ہے جس کی پرورش کرنا میرا فرض اولین ہے!“

”میں اپنی زندگی سائنس کی تحقیقات کے لئے وقف کر چکا ہوں!“ تیس نے کہا ”یہ جو ممکن ہے کہ میں کائنات کے راز معلوم کرنے کے بغیر دنیا سے ٹھ جاؤں!“

اور میں جو تھا بولا ”جب تک چائے کے باشندہل سے باتیں نہ کروں +

زمانہ قدیم میں بلخ کے ایک عالی شان مینار کے اند ایک شرہ اتفاق فلسفی رہتا تھا۔ یہ فلسفی اگرچہ دن رات کیسا گری اور شہید باز یوں میں محو رہتا تاہم معزز خاندانوں کے لڑکوں کو ہر روز فلسفے کی تعلیم کا قاعدہ دیا کرتا تھا۔ اس کے صرف سات شاگرد تھے۔ مگر ان میں سے ایک بھی اتنا خوش نصیب نہ تھا کہ پورے شہیدہ رازوں سے ڈرہ بھر بھی واقف ہو۔ ایک دن اس نے اپنے سب شاگردوں کو اپنے خاص کمرے میں بلایا۔ وہ تمام خوف و حیرت سے لرزہ برآمد تھے۔ کمرے میں ایک میز پر سات شفات بوتلیں بھی تھیں جن میں باقی کی رنگت کی کوئی سیال چیز بھری تھی۔ فلسفی ان سے یوں مخاطب ہوا۔  
”میرے پیارے شاگردو! تم سب کو معلوم ہے کہ میں دنیا کے راز معلوم کرنے میں روز و شب محو رہتا ہوں۔ کل تک مجھے بالکل کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ لیکن آج صبح مجھے اُمید نے جھلک دکھائی۔ میں نے سونا بنانے کی ترکیب دریافت نہیں کی۔ نہ ہی مردوں یا بے جان چیزوں میں جان وال سکتا ہوں۔ لیکن کم از کم زندوں کو محفوظ ضرور رکھ سکتا ہوں۔ انسان کو حیات جاودانی ضرور بخش سکتا ہوں۔ میں نے اب حیات دریافت کر لیا ہے!“

بوڑھا فلسفی اپنے شاگردوں کے چہروں کو غور دیکھ رہا تھا۔ حد درجے کا استعجاب۔ اپنے استاد کی مسلمہ شہرہ یافتہ کائناتیں۔ ایک ایسے کی جھلک کشادہ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ ان کے چہروں سے حیاں تھیں۔  
”میں جانتا ہوں کہ یہ لازم پر فاش کردوں“ بوڑھے نے کہا ”ہاں! بشر ملکہ تم رضامند ہو!“

سب یک زبان ہو کر ”غور ضرور“ چلا آئے۔  
”لیکن یاد رکھو کہ اس راز میں تمام رازوں کی طرح نقصانات و خطرات بھی مضمر ہیں۔ میری انہی سال کی عمر نے مجھے زندگی سے بیزار کر دیا ہے۔ اس واسطے میں تو حیات جاودانی کا خواہاں ہوں نہیں اور مجھے ایسے کہ اس میں سال کے عرصے میں میری تعلیم تم پر یہی ثابت کیا ہوگا!“

سب بولے کہ چاہے جان ہمارے! اپنے محترم استاد کا راز معلوم کرنے

شخصوں میں کوئی راز نہ سکتا ہے۔ ابھی سادہ دن بھی نہ گذرے تھی کہ بیچ کے کم از کم سات ہزار انسان اس اہم راز سے آگاہ تھے۔ غرضیکہ اب یہ ساتوں کا راز ایک کھلا راز تھا۔

بادشاہ وقت کو غریب بچہ۔ آپ حیات کا نام سنتے ہی حذر میں پانی بھر آیا۔ شاہی حکم صادر ہوا کہ شاہی سوار نوکر جائیں اور جس طرح ہو سکے فلسفی سے آپ حیات کے تصور میں پیش کریں۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔

فلسفی نے اپنے مکان کے دروازے بند کر رکھے تھے ان کے پرچے اڑا دیے گئے اور شاہی ملازم نہایت جوش و خروش کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور فلسفی کو اپنے خاص کمرے میں اس زندگی سے آگاہ جانے کا مجسم ثبوت پایا۔ وہ ایک کرسی پر بے جان پڑا تھا۔ مینہ پرچہ پرتیس اسی طرح بھری ہوئی اور ایک خالی تھی۔ اس کے دہانے ہاتھ میں ایک کاغذ کا پتھر تھا۔ جس پر یہ الفاظ رقم تھے:-

”میں نے عمر بھر علم کے بحر و غامض میں فوط زنی کی۔ اور اب میں درجہ بہا پیش کرتا ہوں۔ میری تمام کاوشوں کا صلہ یہ چھ قائل نہ رہیں۔ اگرچہ چاہتا تو ایک ساتوں۔ اب سب سے زیادہ قائل۔۔۔ افسانہ ذکر سکتا تھا۔ لیکن میں نے اسے دانستہ خود ہی لیا ہے۔ میرے حراز پر یہ کتبہ ثبت کیا جائے:-

”اس جگہ دوستی نیرنگ خاک سوری ہے جس نے انسانی تکلیف کو مصائب کو دائمی کرنے سے گریز کیا اور ایک ملک و خطہ کو تھکھڑپا کر دیا۔ صرف جس سے زندگی کی مشکلات سے چھٹکارا ہو سکتا ہے:-

۵۔ قیہ حیات و بندہ فاعل میں دونوں ایک ہیں موت سے پہلے آدمی تم سے نجات پائے کیوں

شاہی ملازم ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھے انہوں سے دیکھ رہے تھے اور فلسفی کے آخری الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ساتھ کے کمرے میں دو تین گلاس ٹوٹنے کی آواز آئی۔ کمرے کے شیشے ٹوٹنے کا دھماکا ہوا اور کمرے میں ایک بندہ رنے کھڑکی سے کمرے میں جھلانگ لگائی۔ بندوق فیہ صوبلی پھرتی اور جالائی اس امر کی شہادت دے رہی تھی کہ فلسفی نے انسان کی کمرہ پر سے ایسا بوسہ کر کے آپ حیات کا ہر ایک قطرہ اس پتیلے بندہ کو ہلا دیا تھا۔

(از برٹ ہارٹ)

شیخ محمد عرفان

”میری بات“ چھپنے لگا۔ ”نیرنگے والدین۔ نہ میری بہن نہ بھائی نہ دوست نہ دشمن اور نہ ہی مجھے اتنا سائنس کا شوق ہے مجھے تو بیانیہ جان پیاری ہے۔ آفت ایسی جاودانی پر جسے حاصل کرنے کے لئے جان کے لالے پڑ جائیں۔“

آپ درست فرماتے ہیں۔ ”میری بھی یہی رائے ہے ساتوں ابہستہ سے پولا۔“

فلسفی نے برت سانس بند کر لیا۔ ان کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”تو اس کے معنی یہ ہوئے۔ کہ تم سب اتنے بزدل ہو کہ تم میں سے کوئی نوجوان ”بیجیات“ چپنے کے لئے جرأت نہیں کر سکتا۔“

وہ سب خاموش تھے شاید وہ کچھ سوچ رہے تھے۔ آخر ایک بولا کیا ہم قرعہ ڈال کر باری باری ایک ایک بول پی لیں؟۔ آگے ہماری سمت؟ ”مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں۔“ بولنے سے جواب دیا۔ غرضیکہ قرعہ ڈالا گیا اور ماں کے لالے بیٹے کی باری پہلے آئی۔ وہ حوصلہ کر کے آگے بڑھا۔ پہلی بول اٹھا لی اور رکھ دی۔ اور اپنے ایک دوست کی طرف یوں مخاطب:-

”دوست! یہ سلسلہ امر ہے۔ کہ ماں بیٹے کی محبت بہن بھائی کی محبت سے قوی نہیں کیا سکتی اس واسطے کیا آپ پہل نہ کریں گے؟“

”ماں اور بیٹے کا رشتہ تو فیصلہ عرصہ میں ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہو لیکن بہن بھائی کے رشتہ کا فیصلہ زیادہ دیر تک قائم رہنے کا یقین ہوتا ہے اس واسطے آپ ہی ہمت کریں۔“ دوسرے نے جواب دیا۔

”کیا ایسی باتیں بنانا تمہاری شایان شان ہے؟ تمہیں دنیا کے سامنے لائق فلسفی کا شمار ہونے کا فخر حاصل ہے۔ تو پھر۔“

”نہیں نہیں“ باقی سب نے کہا۔ ”ان شرانڈ کو پورا کرو۔ ورنہ چھوڑو اس تیسے کو۔“

نوجوان شرمندہ ہو کر آگے بڑھا۔ اور ابھی میز تک بھی نہ پہنچے پایا تھا کہ ایک تیز روشنی نے ان کی آنکھوں کو چند صیادیا اور ایک گرفت کیلی کی کرکٹ نے انہیں بیوٹ کر دیا۔

جب انہیں ہوش آیا تو وہ باہر کے کمرے میں تھے۔ سب نے اس بات کو راز رکھنے کا مشورہ دیا۔ اور گھروں کو واپس پھرے۔

ان سات شخصوں کا راز سوائے ان ہی ایک ایسا راز رہا۔ جیسے کہ سات

ٹیگور اپنے اصلی رنگ میں

خاص بنگالی زبان سے ترجمہ

# لوٹے سے سردار کا بھوت

از جناب ڈاکٹر ایم ضیاء الدین امرتسر

(۱)

لوٹے سے سردار کی موت کا وقت آیا تو لوگوں میں کچھ پریشانی سی پھیل گئی  
بچارے چلائے "سردار! اسے سردار! تیرے چل بیٹے کے بعد ہمارا  
کیا حشر ہو گا؟"

یہ دوا دیا اس کے لوٹے سے سردار کا بھی دل بیسا اور دل ہی دل میں  
فکر کرنے لگا کہ واقعی میرے بعد انہیں کون بٹھالے گا۔ خیر موت آتی ہوئی  
تو ہمتی نہیں۔ پھر بھی بچلے دیوتا کی دیا دیکھنے۔ اوپر ہی سے بولے کیا  
ہے؟ فکر کا ہے کی ہے؟ سردار بھوت ہو کر ان کی گردنوں پر سوار ہو جائے  
آدمی کے لئے موت ہے۔ بھوت کے لئے تو موت نہیں؟

(۲)

لوگ مطمئن ہو گئے +

یہ صرف آئندہ کو ماننے ہی کی صورت میں ہے کہ فکر انسان کے دماغ  
ہوتی ہے۔ جب سردار کے بھوت کو قبول کر لیا تو پھر کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا  
تمام فکریں بھوت کے سر ٹھوپ دی جاتی ہیں۔ اور پھر مزے کی بات یہ  
ہے کہ اس بھوت کی گردن پر سر ہی نہیں "لنڈا" سے کسی کے لئے درد سر بھی  
نہیں +

حاصل کی اس صورت کو ملاحظہ کرتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنی فطرت سے  
چھوڑ ہو کر اپنی فکر آپس کرنا چاہے تو بھوت ایسے شخص کی خوب گوشمالی کرے گا۔  
خدا کی پناہ اس گوشمالی سے دو ٹوک پکاؤ کی صورت ہے اور گریز ممکن۔ خداوند  
اس طریقہ عمل کے ذریعہ نشان کار آدھ ثابت ہوئی اور نہ خالی +

اب ہے کہ لوگ بھوت کے زیر سایہ آنکھیں میچ کر زندگی کے دن  
کاٹ رہے ہیں۔ ہمارے وطن کے ہندوؤں کا قول ہے کہ آنکھیں میچ کر چلنا ہی  
اس دنیا کی قدیمی چال ہے۔ اس دنیا میں اندھے کیڑے اسی طرح کی کوڑھیا  
پر نازاں ہیں۔ اور مشورہ اسی اندھی چال کو کھتے ہیں۔ بے نصیبو! نئی چال

چلا۔ گھاس پات بھاڑیوں اور درختوں کے جانوروں میں عموماً یہی چال ناچ  
ہے +

پست نکر آسب زندہ وطن میں اپنی ازلی شرافت کا احساس پیدا ہوتا  
ہے۔ اور وہ اپنی رفتار کے خاص انداز پر فخر کرتا ہے +

سردار کے بھوت کا نائب اعظم بھوت کی سلطنت کے جبل خاندان  
داروغہ ہے۔ اب سنئے کہ اس جبل خاندان کی دیواریں ان غانی آنکھوں سے  
دکھائی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ خیال میں بھی نہیں آسکتیں۔ تو  
پھر کہنے کہ انہیں تو کڑکھل بھاگ گئے مکن ہو سکتا ہے؟

اس جبل خاندان کو لوہا گر چہ ساگر دوش میں رہتا ہے۔ لیکن وائے ہمارے

تیل تو چھٹا نلک بھیجی اس میں سے حاصل نہیں ہوتا کہ بازاریں بک سکے  
بالآخر چیز اس کو لوہی پس پسا کر ہر نہ ملتی ہے وہ اس کو لوہو سدا گوش  
میں رکھنے والے بچارے انسان کے جسم کی قوت ہے۔ یہ گچی جب  
ٹپک ٹپک کر رہ جاتی ہے تو انسان ٹھنڈا سا ہو کر رہ جاتا ہے +

غرض کہ بھائی اس بھوت کی سرکار میں کچھ رہتا نہیں۔ غلہ ہوا غولک  
پوشاک ہوا تندرستی کچھ نہیں۔ اور اگر کوئی مصیبت کوئی چیز باقی رہ جاتی  
ہے تو وہ اطمینان ہے۔ شانتی! شانتی +

کھدہ اطمینان ان کے ملک میں ہے، اس کی مثال پیش کرتا ہوں  
جب دوسرے ملکوں کے باشندوں نے دیکھا کہ بھوت نے آندہ وقت کا سلسلہ  
چھیڑا ہے تو ان کے یہاں فوراً حکم اور ڈاکٹروں کی طلب ہوئی۔ لیکن بھوت  
کی سرکار کے سایہ میں اس قسم کا دم و گمان بھی پیدا ہونا ممکن نہیں کیونکہ سب  
سے پہلے تو ملک نے ملک ہی کی گردنوں پر بھوت پر بھوت بوجھ دیں۔ وہ بچارے  
خوجی اس مرض کے مرض ہیں +

(۳)

اسی طرح دن بسر ہوتے تھے۔ اور بھوت کی عمارتیں میں کوئی سر نہ



جلد حقوق محفوظ

نیزنگ خیال - مئی ۱۹۳۱ء

اشاعت ۵۲۵۰

نیزنگ خیال ہندوستان بھر کے علمی ادبی رسائل میں سب سے زیادہ مستقل خریدار کھتا ہے اسلئے بھیشہ اسمیں اشتہار دو

جلد ۱۱

چند سالانہ پتہ  
ملاک غیرت، دہلی

ایڈیٹر: حکیم محمد یوسف حسن

نمبر ۸۳

فی پیر ۱۵

نمبر یک سال پر ۱۶

مراجہ و کپی

افسانوں اور

مضامین کی

لا جواب کتابیں

مضامین پیرس

مجدد قیمت

شہر بروی پیر

محمود لکھنؤ

انتخابی قیمت

جائی بھول

دو شہر کی شادی

نیو نیو خیال

سبک دھوپ

شاہی محل لاہور

”ایجاد ہمارا حصہ ہے اور تقلید دوسروں کا“

فہرست مضامین

حصہ نظم

۵

۹

۱۱

۱۲

۲۱

۲۹

۳۳

۵۳

ملکیت - جناب غلام موسیٰ خان کرم پٹی لے ۲۰

رائن کے چند منظر - از حضرت

نہیں غنیل - امرتسر ۲۳

رباعیات مزاجیہ - از حضرت یحییٰ ننگنوی ۲۸

معنی بیگانہ - از حضرت یحییٰ ننگنوی ۲۹

افسانہ ہمسار - جناب فطرت ۵۱

بھولنے والے کی یادیں ۳۳

از جناب حمید جانہ صری ۵۱

غزل - از حضرت ہادی پھلی شہری ۵۲

جون کے کچھ مضامین

ماجھت علی چندستان باربار

جس ہندوستان اور ایران کے

شعرا کی موجودہ حالت پر تبصرہ کیا ہے۔

سستی - حرانی کوئی ہمارے نو

دکھل افسانوں میں پہلا لاہور افسانہ

یورپ کا انحطاط - ڈاکٹر محمد

عبدالحق صاحب ڈی ایس سی

پیرس کا کھانا ہوا مضمون -

کیا ہندو جہاز رانی جانتے تھے؟

از ملک رام - ایم۔ اے

آلو - از مس صاحب ہمیل -

ہمارا بی کا خواب مرزا غلام حسن

چشتی کا ہم سفر کا جواب لکھنا۔

دو غیرہ وغیرہ

دومہ کی انوکھی دوا { کشمال } کی ایک خوراک سے اتنا فائدہ ہوتا۔ جو دوسری دواؤں سے ایک میں بھی نہیں ہو سکتا سخت سے سخت دودھ  
چند فٹوں میں کاغذ بوجھا ہے۔ نیا پیرانا خشک و تر ہوا ایک ہی کھینچی کے استعمال سے ہمارا تپا ہے پہلی خوراک  
سے خاطر خواہ فائدہ نہ ہوتا دوا پس کر کے اس کی قیمت مع دوا و تر حاصل ہم سے لے لیجئے۔ ہمیں شکر کھائے دودھ اور اکیں نونہا  
اور واپسی قیمت کا اقرار نامہ ہر پیرس میں بھیجا جاتا ہے محفوظ کردہ و مشائے کے مرض اور سوزاک والوں کو نقصان دہ قیمت پر سے وصول ڈاک +

ننگا نے کا پتہ:- منیجر کشمال فارمیسی ۱۶ وکٹوریہ پارک شہر بنارس

دیوان غالب مطلوبہ جرمنی قیمت تین روپے۔ کتب خانہ جامعہ ملیہ ملی کوٹنگ

سب سے مگر ہی پیرس لاہور میں ہاتھ ہر قدرت اندر چڑھ گیا اور حکیم محمد حسن پیرس نے دفتر نیزنگ خیال شاہی محل لاہور کھول دیا



# بزرگ خیال

از اسٹنٹ ایڈیٹر

## فلم نمبر کی تیاری

آپ کے ہاتھ میں نئی چیز چھو ہے۔ اس کے بعد چون کا نمبر شائع ہو گا۔ پھر چھو لانی کا پیرچہ فلم نمبر کے نام سے شائع ہو گا۔ اصل نمبر میں متحرک تصاویر کے متعلق نہایت بیش قیمت مضامین شائع ہوں گے۔ اور تصاویر کی تعداد بھی قریباً پچاس ہوگی۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ یہ نمبر بالکل ولایتی رسالوں کی طرح شائع کیا جائے۔ اس کے بعد اکثر بریں ادبا کے قدیم کے حزن نگار شمس کے عنوان سے ایک نہایت مفید نمبر شائع ہو گا۔ جو یقیناً پڑھنے اور ہمیشہ ہمیش کے لئے محفوظ رکھنے کے قابل ہو گا۔

## مفرح اعظم کے متعلق

اکثر اہل بزم مفرح اعظم کے متعلق استفسار کرتے رہتے ہیں۔ اس دور کی ایجاد کا مخراہد بزرگ صاحب بزرگ خیال کو حاصل ہے جو قریباً سترو سال سے فروخت ہو رہی ہے۔ لیکن اس کے فوائد اس سے زیادہ نہیں جتنے کہ ہم بزرگ خیال کے سینہ اشعارات میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ ایک عام استفسار کا جواب الیٹنر دینا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حکم گرامیں بھی یہ دو استفسار ہو سکتی ہے۔ بلکہ حکم سرما سے زیادہ فائدہ پہنچاتی ہے۔ جمہوریت ماکہم نے مرید قندار کی خدمت میں ایک شیشی تحفہ بھیج دی تھی۔ وہاں اس شیشی نے جو رنگ نمایاں وہ ذیل کے ریو سے ظاہر ہوتا ہے جو روزنامہ زمیندار ۲۶ اپریل میں شائع ہوا ہے۔

”حکیم یوسف حسن صاحب کھنم دارا لکھنوی نے مفرح اعظم کی ایک شیشی بغرض ریویو دفتر میں بھیجی تھی اور بتایا تھا کہ اس کا قوت زہرہ وارید خشک۔ عزیز و غریبان، فخر نہایت قیمتی ادویات شائع ہیں۔ اور ہمیں یہ دعا بھی دینی کہ اس کے دلوں کی شکایات کو مد نظر کر کے تیار کی گئی ہے۔ اس کی خوشبو خوش رنگی اور ورق طلا و فقرہ کی جگہ نے تاجب حضرت نے اس کا دارا نگاری یک سب کو چکھنے کی دعوت دی۔ اگرچہ سب نے ڈرتے ڈرتے منہ ہمدار سے کم کھائی لیکن ہر شخص کو اس قدری اثر محسوس ہوا۔ اور ذمت اور نفاذ کی مجبوری کیلیت نے

اس دن کثرت کار کے بڑا احساس نہ ہونے دیا۔ اس کے بعد بعض اصحاب نے اسے کئی دن استعمال کیا مفرح اعظم دعا غنی کا کم کرنے والوں کی عام نعمت ہے۔ جان کی کمی۔ اعجاز رئیس ذیل و دماغ۔ مددہ اور گردوں کی کمزوری کے لئے بچہ دہندہ ہے اور اس سے دو دو گھی اور قلیل غذا میں بہت جلد شکم ہو جاتی ہیں۔ اس کی خوراک نہایت تبدیل ہے۔ اور کھانے کے بعد گھٹنوں میں نہ ہونے خوشبو مودہ دہنی ہے۔ چار تولی کی شیشی قیمت تین روپیہ ہے۔ ذیل کے پتہ سے طلب کیجئے۔ ”زمیندار“

مستند دار التجار و تہذیبی یونانی دوا خانہ۔ شاہی محلہ لاہور

## زیر نظر نمبر

کے مضامین بکھر چکے ہیں۔ اس میں صاحب مولیٰ الذی صاحب نے اسے صاحب خدائی کا اسلامی افسانہ ”توبہ بھرتا“ بھی شامل ہیں۔ اردو فلم رامائن کے بعض مناظر ہیں جو حضرت خلیفہ علی کے نزدیک مفرح میں شائع ہوئے ہیں۔ آپ کی تین جدید تصانیفات پر روشنی ڈالی جائیگی۔ قندہ ویر میں ایک مشہور راجپوت دیوی کی ہے۔ جس نے ایک دفعہ کے محل میں ہندو مسلمانوں کے اتحاد کا مسک بیاہ رکھے ہوئے تھے۔ ہندوستان کے خوب کی تپتی تصویریں ہیں۔ دوسری تصویر عید کی نسبت سے حرم کعبہ کی ہے جس کی طاق میں کروڑ مسلمانان عالم کی جبین عقیدت جھک جاتی ہے۔ ایک تصویر اسلامی مجاہد کی ہے جو ایک لہستانی کے بارہ فتنہ راہبیت سے کھڑا ہے۔ آئندہ نمبر کی تصاویر بھی سے حد تک ہیں۔ اور فلم نمبر کی تو اس قدر زیادہ ہے کہ اسے تصویر نمبر کرنا پڑے گا۔

بزرگ خیال میں ایک فلم رمضان کا پانچ درجہ ہوئی ہے۔ اس کے نیچے ”رازی الخیری علی سے درج ہو گیا ہے۔ یہ فلم حضرت مولانا محمد علی مرحوم کی ہے۔“

اسٹنٹ ایڈیٹر

# مولوی صاحب کا گھوڑا

از حضرت ادیب اے آبادی

ایک ہاتھ میں کتاب ہے۔ جس کے پٹے درمیانی اور آخری اورانی غائب ہیں۔ جلد نادر ہے۔ گو آنارفاقی ہیں +

ایک کی بغل میں جزو دان ہے جس کے مشنات کی فہرست یہ ہے۔ چن، چھٹی پانی کی کتابیں جن کا اس طالب علم کے کوس سے کوئی تعلق نہیں ایک دوات جس میں گہرشت دو ماہ سے کبھی یا ہی نہیں ڈالی گئی۔ نصیحت درجن قلم جو لکھ نہیں سکتے۔ ایک درجن کا کچ کی گولیاں۔ ایک کا پی جو تمام کبھی ہوئی ہے۔ مگر پڑھی نہیں جاسکتی۔ اور دیگر متفرق ضروریات +

ایک برابرا کر کچھ پوچھ رہا ہے۔ بڑے اور پوچھنے کے لئے گھر میں اور سکول میں کافی وقت مل سکتا ہے۔ مگر یہ برادر اور رستہ روک کر کھڑا ہو گیا ہے۔ تاکہ مولوی صاحب کو یقین ہو جائے کہ لڑکا بڑا مخلص ہے، اُٹا دوں گا اس طرح بے وقوف بنانے میں لڑکوں کو یہ طوطی حاصل پہلے +

مولوی صاحب نے گھوڑا روک لیا ہے۔ اُسے بتا رہے ہیں اور خود بیوقوف بن رہے ہیں۔ اتنی تیز نہیں کہ اُسے کہیں کہ مدرسے جا کر پوچھ لینا۔ رستے میں کھڑے ہو کر پڑھنا پڑھانا آداب راہ (یعنی رول آف دی روڈ) کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ مولوی صاحب سب کچھ سمجھتے ہوں لیکن جس طرح لڑکے انہیں قول بنا رہے ہیں وہ شہر والوں کو قول بنا رہے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ مولوی صاحب اچھے بیٹے پھرتے سوتے جاگتے ہر وقت بچوں کی تعلیم کی فکر میں رہتے ہیں +

دوسرا بچہ کھڑا ہے کہ یہ ہٹے تو پھر میں پوچھوں۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ مصنف طفلانہ سادہ لہجے سے بالکل ناواقف معلوم ہوتا ہے۔ یہ لڑکا جو بچے کھڑا ہے وہی آدھا پاؤنا شاگرد ہے۔ اس کے ارادے بڑے نیک ہیں۔ اس سوچ میں ہے کہ کوئی بے تو گھوڑے کو پیچھے سے ذرا پھیر دوں تاکہ مولوی صاحب تہہ دم سے پیچھے آجائیں۔ اگر یہ برادر اپنی نیت کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو جائے۔ تو طرز تماشا ہو۔ اور اگر مولوی صاحب گر کر دروازہ کے لئے

مولوی صاحب گھوڑے پر سوار ہیں۔ کیونکہ گھوڑی پر سوار ہونا آپ صفت نازک کی توجہ خیال فرماتے ہیں۔ اور بالکل پرجوش طاقت یہی وجہ ہے کہ اندازہ دم تاہم دم کہ ۱۹ اپریل ۱۹۷۷ء کی شام کے ساڑھے پانچ بج چکے ہیں۔ مولوی صاحب کوئی انسان بالکل پر سوار نہیں دیکھا گیا۔ اور خداوند کریم اسلام کی گزری کے وہ دن نہ دیکھائے کہ مولوی صاحبان بالکھوں پر اُڑتے پھرتے نظر آئیں +

درسے جاتے ہیں۔ سکول اسٹریٹ۔ اس لئے مدرسے جاتے ہیں۔ اکثر نام مسجد ہوتے تو مسجد میں تشریف لے جاتے۔ جہاں سے تھوہ نہ لے واپس جانا شرعاً ممنوع ہے۔ تاہم اذکم فصل غٹھ۔ کیا فرماتے ہیں عالمان دین متین و حامیان شرع مبین بچہ بارے اس مسئلے کے؟ امام احمد ہاشمی جلی جماعت کے اُستاد پنڈت اچو دھیا داس صاحب ابن جمانی جو ہندو فسادات وقت میں سے چوٹی کے آدمی ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے اُستاد سے اور انہوں نے اپنے اُستاد سے جو مولوی صاحب کے مہتمم تھے۔ سنا تھا کہ مولوی صاحب مدرسے صحت اس لئے جاتے تھے کہ مولانا صاحب جو کبھی تلخ مزاج واقع ہوئی تھیں۔ انہیں گھر میں آرام سے بیٹھے نہیں دیا کرتے تھیں۔ دائرہ علم بالعمامہ دو تین شاگرد ساتھ ہیں۔ مصنف کے حافظ نے یہاں مصنف کا ساتھ نہیں دیا۔ اسے ٹھیک یاد نہیں کہ دو شاگرد تھے تاہم اس لئے دو تین شاگرد کہہ دیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دو شاگرد پورے ہوں اور تیسرا آدھا پاؤنا۔ شاعروں کی طرح اُدھائی یا پونے تین شاگردوں کا ہونا تاریخ کی روستہ جا رہے۔ کتنے ہیں کہ گفتگو میں کسی شخص نے میر تقی میر جو چھار کیوں صاحب آجکل شاعر کوں کون ہے۔ گنا ایک تو سودا و دسرا یہ فاکھا رہے۔ اور کچھ تامل کر کے کہا کہ آدھے خواجہ میر دردہ۔ وہ بلا حشر اور میر تہذیب صاحب + پس یہیں ہو کر کہا کہ میر تہذیب صاحب بھی شاعر ہیں؟ اُس نے کہا کہ آخر تو آپ صفت الدردہ کے اُستاد ہیں۔ کہا کہ خیر! یہ ہے تو بولنے میں کمی +

مولوی صاحب بڑے لائق اور فحشی ہیں۔ لائق بھی ہیں اور فحشی بھی۔ گزشتہ تیس سال سے اردو کا قاعدہ پڑھا رہے ہیں۔ اور آج تک ایسی کوئی شکایت سننے میں نہیں آئی کہ مولوی صاحب نے سبق میں کوئی غلطی کی ہو۔

بیشک ان کی جماعت کے لڑکے امتحان میں پاس ہوتے ہیں۔ کیونکہ پلاؤ خوردہ ڈسٹرکٹ انکلیٹر عموماً بڑے عمدہ ہوتے ہیں۔ لوگ کچھ کہیں مگر ان بچاروں کو ہندوستانی بچوں کے مقابلے کا ہمیشہ خیال رہتا ہے۔

کشمیاں لڑکو۔ علم بڑی دولت ہے۔ دنیا کی دولت کو جو بھوٹی دولت کہلاتی ہے۔ پاس بھٹکے نہیں دیتی۔ بھوکے رہو گئے ہو مگر یہ دولت مع کرتے جاؤ۔ پچھلوں کے کام آئیگی۔

جو مال تمک ہو سکے حاصل کئے جاؤ۔ اور فقر و فاقہ کی پروا نہ کر۔

اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے گھر ہو یا مدرسہ ہو وقت کو ضائع نہ ہونے دو۔ جیسے کتابوں کے کیرٹے بن جاؤ۔ رشتا خدا ہے۔

پڑھنے لکھنے کی یہی عمر ہے۔ پھر شاہی ہو جائے گی۔ پھر ایسی بے فکری کہاں۔ بڑے ہو کر دنیا کے ہندوں میں پھنس جاؤ گے۔ اور پھر عمر بھر ہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئے گی۔ دن رات غائب کا شعر پڑھتے رہو گے۔

قید حیات دیندہ غم اس میں دونوں ایک ہیں موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے گیوں اس وقت نہ پڑھا تو عمر بھر بھٹپتاؤ گے۔ اور اگر جو روٹی اسے پاس مل گئی۔ تو پشیمانی کے مسلادہ ندامت بھی ہوگی۔

چہ برد سولائے بلیغ باشد و بس

(خاص)

ادیب اے آبادی

صاحب فراش ہو جائیں تو سکول کے لڑکے اس پر خود ار کے محلے میں پھونکا ہار ڈال کر شہر میں اس کا پریشین نکالیں اور انقلاب زندہ یاد کے نعش لکھیں ایک نے سانسے سے آکر سلام کیا ہے۔ یہ سلام سلام دینا ہے۔ استاد بھگت کو سلام کیا ہے کہ مولوی صاحب کو اس کی محنت اور زہانت کا پورا پورا یقین ہو گیا ہے۔ اب اگر یہ لڑکا سبق یاد کرنے کی زحمت اٹھائے تو اس کا اپنا قصور ہے۔ مگر اب قصور لڑکوں سے شاید وہاں ہی سرزد ہوتا ہے۔ ہندو کی ضرورت ہو تو ناظرین اپنے مددگار پر زرا نظر ڈالیں۔ یہ لڑکے بڑے شوقین ہیں۔ بڑے ہونگے تو شوقین مزاج بنیں گے۔ باپ دادا کا نام زور سے پڑھیں گے۔

مولوی صاحب کے گھر جا کر بھی پڑھتے ہیں۔ مولوی صاحب کو اگر لڑکوں کے بغیر گھر میں بھی مین نہ آئے تو یہ بچارے کیا کریں۔ شوق سے تھوڑا ہی جاتے ہیں۔ مولوی صاحب چاہتے ہیں کہ ”جنگل ان و لکریہ طفلان“ کے شور وغل سے بچے رہیں۔ ان لڑکوں کا شور وغل اس سے بدتر ہے۔ بلکہ اس کے مقابلے میں فوس گوش ہے۔ راستے میں بھی پوچھتے جاتے ہیں۔ شاید اس لئے سکول میں بالکل کورس نہ جائیں۔

مولوی صاحب بھی دل سے چاہتے ہیں کہ ان کو کچھ آجائے۔ کیوں نہ آجائے گا۔ اپنی جماعت میں چار سال رہیں گے تو ساری ایجوکیشن ہو جائے گی۔

کبھی پڑھانے اور سمجھانے میں دریں نہیں کرتے۔ پڑھانے اور سمجھانے میں دریں کریں تو سکول سے نکالے جائیں اور چوبیس گھنٹے گھر میں رہنا پڑے۔ یہ دن رات کا قید خانہ ان کے لئے ایسا ہی ہو گا جیسا لڑکوں کے لئے سکول۔

گھر ہو یا باہر ہو۔ مولوی صاحب کے لئے دونوں برابر ہیں۔ بلکہ گھر سے باہر اچھا۔

مدرسے کا بھی خیال ہے کہ وقت پر پہنچ جائیں۔ تاکہ لڑکے فیروز مری میں سکول کو آگ نہ لگا دیں۔

وہاں بہت سے شاگرد میچے راہ دیکھ رہے ہونگے۔ کب بلاتل ہوئی ہے۔

# ”پاسِ عرف“ ”کَہ تَنَا بَرُو بَا لَا لَقَاب“

از جناب سید تقی محمد حسین صاحب بی۔ اے۔ احمد پوری

ہوتا جاتا ہے +

اس میں شک نہیں کہ اردو زبان کی معاشرتی حیثیت عموماً لکھنؤ اور دہلی ہی سے ظاہر ہوئی۔ ”تکلف“ اور ”بے تکلفی“ کے اعتبار سے دیکھتے تو اردو زبان کی مرکزی اہمیت انہیں دو بڑے شہروں میں پائی جائے گی۔ لکھنؤ میں ”تکلف“ کی انتہا نہیں ”دہلی“ میں بے تکلفی بہت زیادہ ہے۔ لیکن چونکہ بے تکلفی دنیا کی ہر زبان میں ہوتی ہے اس لئے ہم کو صرف ”تکلف“ اور ”تادب“ گفتگو“ پر غور کرنا چاہئے۔ کیونکہ جہاں تک لفظ ”ادب“ کے معنی کا تعلق ہے۔

”تادب و تکلف“ کا خیال کئے بغیر لفظ کا اصل مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ ادب یا لٹریچر میں اس مفہوم کی وہی حیثیت ہے جو ”علم“ میں ”عقل“ کی اور لفظ ”ادب“ کے اس مفہوم کی بنا پر صحیح معنی میں ”ادب“ کی شخصیت ہو سکتا ہے جو الفاظ کی ساخت، ان کی آواز، آواز کی ترتیب، ان کے موقع و محل کی سلیست اور اس مناسبت کی خصوصیت پر بھی غور و خوض کرے۔ ”لٹریچر“ کی تعریف کرتے ہوئے جان رسکین نے لکھا ہے کہ:-

”میں آپ سے نہایت یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کو الفاظ پر بہت زیادہ غور و خوض کرنے کی عادت ڈالنا اور ان کے معانی پر پوری پوری سمجھنا بھی حاصل کرنا چاہئے۔ لفظ کے جزو جزو ہی پر نہیں بلکہ حوتِ حرف پر غور کیجئے کیونکہ صرف نشان کا ذلیہ ہونے والی حروف کی ترتیب اور نشان کا ذلیہ ہونے والی حروف

ہر ایک کے آدمیوں کی بول چال اور مذاکرہ گفتگو کا ایک خاص سیاق ہوتا ہے جس سے ان کی سوشل حیثیت کا اندازہ کیا جاسکے۔ زبان اور طریقہ بیان میں معاشرتی اخلاعات کا اندازہ بہت دوستانہ ہی کے مختلف حصوں سے کیا جاسکتا ہے۔ پنجاب والوں کی گفتگو اور ان کے برتاؤ میں بے تکلفی کی حد نہیں، بنگالیوں کی چال و حال ہی نرالی ہے۔ پہلے تو وہ خشک مزاج اور بے حرمت معلوم ہوتے ہیں۔ مگر رسم و تعارف ہو جانے کے بعد اتنی باتیں کہنے لگتے ہیں کہ حیا ڈالنا اللہ۔ بنگال اور پنجاب کے درمیان خطہ اودھ کے لوگ اس اعتبار سے بالکل متوسط ہیں۔ نہ تو وہ زیادہ گفتگو کرتے ہیں۔ نہ ان کی بات چیت میں اچانک بے تکلفی ہوتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو ان کے برتاؤ میں ”تکلف“ کی کچھ انتہا ہی نہیں رہتی۔ اودھ کا مرکز لکھنؤ اس اعتبار سے مشہور بھی ہے لکھنؤ کے ”تکلف“ پر لوگوں نے عجیب عجیب بیٹھے بنائے اور خود لکھنؤ کے نام کو ”ظہار تکلف“ کا زبانِ زو عام کیج کر بکلام بنایا۔ اس میں شک نہیں لکھنؤ کے اصل باشندے اب بھی اپنی گفتگو میں ”پاسِ عرف“ کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ خواہ وہ اعلیٰ طبقہ سے ہوں خواہ عامیوں سے۔ آج کل پرانے لکھنؤ کی بات بالکل ایک آج کے گھر کی سی ہے۔ نئے لکھنؤ کو لکھنویوں اور میاٹیلوں نے خراب کر رکھا ہے۔ مگر اب بھی پرانی روش کا بہت کچھ اثر باقی ہے خاص کر شرفائے کالیستہ اور اہل تشیع میں، یہ بات البتہ قابلِ افسوس ہے کہ اب صرف تکلف ہی تکلف رہ گیا ہے۔ تاہم اخلاص و محبت کا اثر ان بدن تامل

ملہ بطور تخیل یہاں لکھنؤ کے ایک سبزی فروش کا ذکر کرنا کیجیے سے خالی نہ ہو گا۔ جو امین آباد پارک کے چاروں طرف اس طرح اکٹھا چلا، ہوا نظر آتا ہے کہ:-

”کیوں جناب دو پیرسیر آئیے لے لے لے“ ”کیوں جناب پیرسیر میں دو مارنگیاں لے لے لے گا“ اس سبزی فروش کا مقابلہ ایک پنجابی عہدہ فروش سے کرنا اور بھی دلچسپ ہو گا جو کہ جرمیج پر چلا تا جو آسانی دیتا ہے کہ:- ”اگیا پتھا بڑا۔ علوے کا میرا بیچنا“ ان مشالوں کے اظہار میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں، او ان سے یہ بات مسئلہ طور پر ثابت ہوتی ہے کہ باوجود جو جدہ محمدیہ مروتی کے لکھنؤ کے بول بڑے مہملے ہیں +

ان کی تمام سنجی اور اکثروں صرف ”لانا تو میری قوی“۔ ”مک کیوں نہ ہو رہے۔“  
 دلی اور کھنڈیہ اعتبار نظم و نثر، دو زبان کے دو شاندار مرکز رہے ہیں اور عرصہ تک ان دونوں شہروں کی ادو سگائی مانی گئی جو اکثر کو دیکھنے تو معلوم ہو گا کہ میرا تین سے لے کر مولانا، اندر اسرار، اور مزاحمت، اندر بیگ، سگائی کی وہی شانیں ہیں۔ زبان میں بے تکلفی، بے تکلفی کے ساتھ سلاست اور روانی اور روانی میں ایک قسم کا بھولا پن اور پیارا تک پایا جاتا ہے۔ میرا تین اپنے باغ و بہار میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”اے باران! میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا ملک میں ہے۔ والد اس عیار کا ملک، افتخار خواجہ احمد نام بڑا سوداگر تھا اس وقت میں کوئی مہاجرین نہ تھے، برابری تھا..... ان کے یہاں دولہ کے پیدا ہوئے ایک تو یہی غیر جو کفنی سبیلی پہنے ہوئے مرشدوں کے حضور میں حاضر ہے۔ دو گھر ایک بہن جس کی قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی ایک شہر کے سودا گچے سے شادی کر دی تھی“

اس عبارت میں ”پاس عرفت“ کا محاذ گنگوڑا کرنے والے نے اپنے منہ دیکھے ”حفظ مراتب“ کو نظر رکھ کر اپنے کو ”ناجز“ اور ”محر“ کر کے قایم رکھا ہے۔ اور یہ انکار اور دو زبان میں اب تک قائم ہے جس کا اظہار خطوط میں بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔ اب ذرا عورتوں کی زبان ملاحظہ ہو۔ اسی کتاب میں لکھا ہے:-  
 ”اے بیرون! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماں باپ کی موٹی مٹی کی نشانی ہے۔ تیرے آنے سے میرا دل بچھڑا ہوا۔ جب مجھے دیکھتی ہوں باغ باغ ہوتی ہوں۔ تو نے مجھے نہال کیا لیکن مردوں کو کھانا نہ کمانے کے لئے بنایا ہے۔ گھر میں بیٹھے رہنا ان کو لازم نہیں“

اس عبارت سے زبان دہلی کا بھولا پن اور پیارا بھولی ظاہر ہے۔ یہ قدیم دلی کی نغمہ ہے۔ مولانا، اندر اسرار، اس کو اور سب آراستہ کیا۔ ادراپ خواجہ حسن نظامی، مزاحمت، اندر بیگ نے مردوں کی زبان میں اور آغا حیدر حسین نے نسوانی زبان لکھنے میں جو کمال حاصل کیا ہے اس کی مثالیں پیش کرنا کچھ غیر ضروری سا ہے۔ کیونکہ متعدد رسالوں میں ان حضرات کے مضامین شائع ہوئے رہتے ہیں۔ دلی کی نثر کے بعد گنگوڑا کی نثر کو بھی ”پاس عرفت“ کے اعتبار سے دیکھنا چاہئے

کی آواز ہی کو یہ اعتبار عظمیٰ لڑ پیکر لگا رہا ہے۔ لیکن ”برنس میں نیرنگ“ کی تمام کتابیں پڑھ لینے کے باوجود آپ محاذ گنگوڑا ہی لکھائیں گے جب تک آپ حرجت بحر، الفاظ کی سلاست اور ان کی ترتیب پر غور نہ کریں گے“  
 اور عظمیٰ مطالعہ کی اس ضرورت کو نہ نظر رکھ کر اردو زبان کی چھان بین کرنا اگر اب نہیں تو کبھی آئندہ ضرور غیب ثابت ہوگی۔ آئندہ اس وجہ سے کوئی لحاظ ان باتوں کی طرف زیادہ تو نہیں کی جاتی +  
 غرض ہم نہایت یقین کے ساتھ ایک نئی تحقیق کی صورت میں ہندوستانی زبان ”لغوی اردو زبان“ کی اس امتیازی خصوصیت کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں جسکو شاید دنیا کی کسی دوسری زبان میں اس نمایاں حیثیت کے ساتھ نقل نہیں وہ نمایاں خصوصیت ”پاس عرفت“ ہے

زبان میں ”پاس عرفت“ سے ہمارا مطلب گفتگو میں ”خیزا مرتب“ کا خیال رکھنا ہے۔ ابھی تک اردو قواعد میں بھی اس خصوصیت کو نمایاں طور پر کسی خاص بیان میں وضع نہیں کیا گیا۔ اگرچہ بیانیے تغلیبی اور بانیے تصنیفی و فیرو کے ذریعہ اس مفہوم تک کچھ پہنچ ہو گئی ہے +  
 یہ بات اور بھی زیادہ قابل غور ہے کہ زبان میں ”پاس عرفت“ کا مقابلہ ”مذکر و تانیث“ کی امتیازی علامتوں سے کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس قسم کا امتیاز انگریزی زبان میں بھی ہے اور عربی میں بھی۔ گو فارسی میں نہیں۔ لیکن گفتگو میں مخاطب کی وجاہت ”اس کی وقت اور اس کے مرتبہ و اقتدار کا محاذ دوسری زبانوں میں اس خصوصیت کے ساتھ نہیں رکھا جاتا نہ اس قدر انکسار و تکلف برتا جاتا ہے جو اردو زبان اور خصوصاً اہل لکھنؤ کی زبان میں ہے۔ اگر کسی اہل لکھنؤ کی غرض بھی آئے گی تو بجائے سخت ست کہنے کے اس کی زبان زیادہ سے زیادہ یہ کہنے پر مجبور ہوگی کہ:-

”مذہب و لا انہی زبان مبارک کو زیادہ تکلیف نہ دیجئے ورنہ مجھے بھی آپ کی شان میں گستاخی سرزد ہو جائیگا اندیشہ ہے“

اسی عبارت کو عام لوگ، اس طرح ادا کریں گے:-

”بس اب نہ بولنا نہیں تو مجھ سے بڑا کوئی نہیں“

اور زیادہ اگھر قسم کے لوگ تو ”تیری ایسی تیری“ کہتے ہوئے جھٹ دست بگریباں ہو جاتے پر تیار ہو جائیں گے۔ چاہے فسانہ آزاد کے حوٹی کی طرح

"کھٹ کی وجہ سے غیر جگہ کے لوگوں کو یہاں کے انداز گفتگو سے "طنز" اور "تسخیر" کا بھی دھوکا ہو جاتا ہے۔ مگر اصل اس قسم کی غلط فہمی نہ ہونا چاہئے +

نشر کے علاوہ نظم میں بھی "پاس عفت" کا یہ انداز دکھا جاسکتا ہے۔ مگر شعر و شاعری میں اس انداز کو نمایاں طور پر دخل نہیں۔ شعرائے کلتوں میں بھی سوائے انیس کے کوئی ایسا نظم نہیں آتا جو بطور مثال پیش کیا جاسکے۔ غزل سے قطع نظر کر کے ششوی میں اس امتیازی حیثیت کی امید کی جاسکتی تھی مگر کوئی نہایت مثال نظر نہیں آتی۔ اور اردو کی دنیا کی کسی زبان میں ایسی نظم نہیں جو "پاس عفت" کا دعویٰ کر سکے۔ مگر زمانہ حال میں کلتوں نے ایک شاعر ایسا پیدا کیا ہے جس کو ہم باوجود اس کی "شاعرانہ پرغاش" کے "کھٹ" شاعر کہہ سکتے ہیں۔ یعنی "کھٹات" اور "پاس عفت" کی بنا پر اس کو صاحب اس نام کی ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ نوجوان شاعر اردو زبان اور اردو زبان میں کلتوں کا پہلا شاعر ہے جس نے اپنی زبان کی مخصوص وضع کو بغیر بدلے جانے جو مجھے ہونے لگا ہے، ایک خاص اشعار رکھنا چاہا۔ اہل زبان کے سامنے ظاہر کر دیا۔ ہم آشتی کے شاعری میں "پاس عفت" کو امتیازی طور پر نمایاں پاتے ہیں۔ غالب کے کلام میں جاہت اور رعنائی تھی۔ تیسریں درد اور کیفیت حیران، حوس میں طنز اور مظلومانہ ضد، اکبر میں بوجلیج (بوجلیج) اگر کسی تنقیدی معیار سے آشتی کی غزلوں کا مطالعہ کیا جائے تو باوجود اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ ابھی ان کو اس فہمیت کا عشر و شیر بھی حاصل نہیں جو شذکرہ بالا اساتذہ کو حاصل ہے۔ یہ کہنا چاہیگا کہ ان کی غزل میں ایک دلچسپ اور عام پسندانہ زلفور ہے۔ اس لئے فہمیت کی کمی پر ایک واقعی بات کو نظر انداز کرنا اپنی زبان اور لٹریچر سے بے اعتنائی برتنا ہوگی +

"پاس عفت" کو اردو شاعری میں مثال کرنے کا مشورہ دنیا ہی لٹریچر میں ایک نئی تحقیق ہوگی۔ چہ جائیکہ اس کی ایک زندہ مثال کو پیش کر دیتا۔ لہذا اس مثال سے ہمارا مطلب تو کسی کی بے جا تعریف سے دیکھ کر "اچھا نا" مقصود ہے بلکہ "پاس عفت" کی امتیازی نشوونما اور اس کی ترتیب و اصلاح کی سفارش کرتے ہوئے شوق منجن کرنے والوں کو ایک نئی شاہراہ کا مشورہ دینا ہے۔ مختصر اعتبار شعر و شاعری "پاس عفت" سے ہمارا مطلب اس خاص

چاہئے کلتوں کے قدیم فسانہ نویس مرزا رجب علی تھوٹے۔ اگرچہ انہوں نے عقلی عبارت لکھی ہے۔ تاہم ان کی عبارت سے کھٹ اور رائیٹ کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔ اور کھٹ و رائیٹ ہی کلتوں کی زبان کا حصہ ہے۔ لیکن رجب علی تھوٹے سے بھی بڑھ کر ان کا شعر شاعر نے "پاس عفت" اور کلتوں کی زندہ ولی کو اپنی نشر میں لکھا ہے۔ ایک جگہ فسانہ آزاد میں لکھتے ہیں:-

"یہ لے لے آغا باقر کے امام ہائے سن کھٹ سے داخل ہو جوا خدا کی قدرت مجھ نظر آتی ہے..... ہاں سے جو طرارہ میرا تو پچھل پچھل دیکھتے کیا ہیں کہ ایک سیر فرقت و قیاس کے ہم چھریٹھے اگلے لوگوں کو روہے ہیں۔ واللہ کلتوں کے کما کر یہ نادہ کار ہیں۔ ایسا بڑھا بنایا کلام ہوتا ہے پوچھ نہ سے اب بولا۔ وہی سن کے سے بال وہی سفید بھوں! وہی چوٹا وہی پیشانی کی خاک وہی آنکھوں کی جھریاں وہی کرم..... دہارے کا گریا تو بھی اپنے میں قیاس ہے! اور تیرا بڑھا قوافل ہی اللہ!"

آج کل اگر کلتوں کی نشر میں آتش زندہ ولی، طرافت اور حیثیت عرفی، قلم ہے "فہمیت" اور دہارے دہارے رسا سر سبز اسے "کی نشر میں ہاتھ دھو کر" "مولویانہ" اور "شاعرانہ" پرغاش میں "پاس عفت" اور "تھوٹے" اور "بھٹی" کے بعد کسی کی نشر میں واضح طور پر ظاہر نہیں۔ ان الفاظ نے البتہ اس قلم وضع کو قائم رکھنے میں بہت کوشش کی مگر ایڈیٹر کی شریعتی خدمات کے جانے اگر تو ہی خدمات پر کلتوں کو فخر ہو تو بے جا نہیں +

ولی اور کلتوں کی نشر میں "پاس عفت" کا معیار بلند رہا بلا مثالوں سے ظاہر ہو گیا ہوگا۔ لہذا یہ اعتبار نشر میں کی دنیا میں صوفیوں میں :- ایک دینی کی غرض میں کلام کرنے والا مخاطب کے سامنے اپنے آپ کو "عابد" "کمر" اور "واجب" ظاہر کر کے اپنی انکساری کے ذریعہ سے اس کی وقعت اور جاہت کا کھٹا رکھتا ہے۔ دوسرے کلتوں کی غرض میں قلم کرنے والا مخاطب کو "جناب"، "آپ" و غیرہ کر اس کی وجاہت کو بڑھا دیتا ہے۔ دینی کا طریقہ تو اب پرانا سمجھا جانے لگا۔ لیکن کلتوں کا طریقہ تحریر میں اب بھی مستعمل ہے۔ اور بعض اوقات انہوں نے

کلتوں کی نشر کے مسئلے میں "تسخیر" ہر گز یا کو باوجود نامناسب نہ ہوگا کیونکہ اس کتاب کی زبان خوب ہے۔ مگر اس سلسلہ میں "جان صاحب" کی اسوفی زبان کی یاد دلانا دیکھی سے غالی دہکار۔ مگر ملاحظہ ہو جیوں ایڈیٹر (جنوری ۱۹۳۱ء) مگر حکیم سید علی آشتی (ایڈیٹر بصر کلتوں) اندازنا شروع کیا +



جدا کر سی کچھ نظر آتی ہے آپ کے در کی  
تو اس آگشیں کیا گردشیں منفرد کی  
قدیم اردو شاعری میں اگر حسن طلب کو کچھ دہل ہوگا تو صرف عشق و عاشقی کے  
رنگ میں حسن طلب کو منظر دکھ کر شاعر کہتا ہے ۵

آؤ عنوانِ تلافی بھی بنادیں تم کو  
لو یہ دل جو درد توڑے ہوئے پیانوں سے

ضمیر ”تم“ سے مطلب قدر سے بے تکلفی کا اظہار ہے نہ کہ ”پاس  
عرف“ کی کمی۔ اور بے تکلفی میں ”آپ“ کہنا دلیل مغفرت ہے۔  
اس لئے شعر میں ”تم“ ہی زیادہ موزوں ہے۔ اردو غزل میں جہاں سب  
دیکھیاں ہیں ایک موقعی کج بھی ہے۔ چنانچہ ذیل کے دو شعروں میں ”نغم  
بجر“ کے باوجود شاعر نے اپنا انداز نہایت خوبی کے ساتھ قائم رکھا ہے مثلاً ۵

کریں کریں قتل آپ مجھ کو یہ راز کوئی آنکھار ہوگا

نہ کوئی بل میں پرست آپ نہ جب کوئی سوگوار ہوگا

میں بکھرے غم میں خند چھپا کر گزار دوں گا یہ غم ساری

نفس نفس میری زندگی کا حضور کا پردہ دار ہوگا

خطاب حضور میں ”پاس عرف“ ہی نہیں بلکہ کچھ اپنی عطا ہتی پر بھی اشارہ ہے  
البتہ ذیل کے شعر میں ”حضور کا مضمون بالکل مختلف ہے کیونکہ شاعر ”پاس عرف“  
کو قائم رکھتے ہوئے مخاطب کو کچھ ”جنا دینا“ بھی چاہتا ہے مثلاً ۵

اک خواب میں نے دیکھا ہے تعبیر دیکھئے

جیسے حضور آئے ہیں خیر لے ہوئے

اور یہ شعر آشفۃ کے اسٹائل کی نہایت زود فہم اور نمایاں مثال ہے۔ اس  
لے اس کے بعد اور زیادہ مثالیں لکھنا طول کلام ہوگا ۵

آخر میں بغور دیکھنا چاہئے کہ ”پاس عرف“ کو چونکہ اردو غزل و غزل  
میں دخل ہے۔ اس لئے اس امتیازی خصوصیت کے ذریعہ سے زبان کی  
وقت قائم رکھنا اور اس کو اشاعت و بنا ملک و قوم کی عزت و حرمت  
کو اصلاح کے لئے نہ نمایاں کرنا ہی نہیں بلکہ دنیا کی زبانوں کے ساتھ  
اپنی زبان کو ایک نرالی صورت میں پیش کرنا بھی ہوگا ۵

سید مقبول حسین

(خاص)

انماذبیان سے جو مخاطب کے ”خطفہ مراتب“ اور خطاب کرنے والے کا انکار  
ظاہر کرے اور جو ”دن و نند“ یا یعنی آداب معاشرت کا عکس ہو اور الفاظ کو  
ایسا ”تکلف ظاہر ہوتا ہو جس کو ہم لازماً سوسائٹی کہہ سکیں مثلاً آشفۃ کا  
یہ شعر ۵

دیکھئے اٹھلا کے یوں چلتے نواب خیر بخت

نغم دل پیستے ہیں پھر آتی ہے انگڑائی مجھے

اس شعر میں الفاظ ”دیکھئے“ اور ”چلتے“ سے ہمارا امتیازی مفہوم ظاہر ہے  
اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا شاعر کے کلام میں ایک قسم کی ”شاعرانہ چمکا  
ہے لیکن اس پر غاش کے باوجود ”پاس عرف“ جو لازماً سوسائٹی ہے ضرور  
قائم رہتا ہے۔ مثلاً ۵

اک تمنا ہے تلافی ستم لازم نہیں

ہو سکے تو جوڑ کو یہ کیجئے بھگا دل مجھے

یہ ظاہر ہے کہ ”شاعرانہ پر غاش“ نظر کا ہونا بہت ضروری ہے لیکن باوجود  
طنز کے ”پاس عرف“ کو قائم رکھنا ہی کامیابی کی دلیل ہے۔ مثلاً ۵  
ترتیب روندی ہیں گل مٹے ہیں پھولیں ہیں چٹان  
آج تو وعدہ نہیں کچھ آپ کے احسانوں کی

الفاظ ”آپ کے احسانوں“ میں طنز بھی ہے۔ پوشیدہ تبلیں بھی ہے،  
دلی پر غاش بھی اور لفظ ”پاس عرف“ بھی۔ اس طرح ذیل کے شعر یعنی ۵  
حاضر ہے دل کہ خون تمنا کرے کوئی  
یہ گھر اسی لئے ہے کہ لوٹا کرے کوئی

پاس و حرمان میں طنز کی آمیزش کے باوجود لفظ ”حاضر“ نے شاعر کے  
خاص انداز کو اس شعر میں قائم رکھا ہے۔ اور ذیل کے شعر میں تو ایک پُرانا  
فوسہ خیال ”پاس عرف“ کی آرائش کے ساتھ کیا ہی کجپ طرلو سے ظاہر  
کیا گیا ہے ۵

دولہ دولوں کو ہیں اور دونوں عالم بنے نصیر

اتھان ہم مل کے لیں آپ اپنے میسر کا

قدیم اردو شاعری میں سوا پاس و حرمان کے امید کو بہت کم دخل ہے۔ اگر  
ہے بھی تو صرف اس صورت میں جو ذیل کے شعر میں ظاہر کی گئی۔ لیکن شاعر  
کی دقت قائم ہے۔ مثلاً ۵

لہ بہ اعتبار عروض اس مصرع میں ایک قسم کا ایہام ہے۔ کیونکہ اس مصرع کی تقطیع دو جروں میں ہو سکتی ہے ۵

# آلو کا بھرتہ

از جناب مرزا اعظم بیگ صاحب چشتانی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (علیگ)

غریب گھر کی لڑکی جس سال میں آئی تو عجیب ہی بڑھنگ۔ دیکھے میاں کو  
دبئی باندی سے ہی فرصت نہ تھی۔ ساس اور سسر کو خیال ہی نہ تھا کہ ہم  
جس کو بیاہ کر لائے ہیں کچھ اس کا بھی حق ہے۔ مہینہ دو مہینہ کی مہمانداری کے  
بعد پھر فرصت گزاری کا زمانہ آیا اور پھر اس کے بعد دولت کا بڑے مکان سے  
چھوٹا سا ملا جو امکان تھا جس میں اکیلے بڑے رہنا اور کھل کھل کر مرنے کی

تقدیر میں بدامعلوم ہوتا تھا۔ میاں کو گھر میں آنے کی قسم تھی۔ دن رات  
باہر ہی رہتے۔ ان کے ملازم علیحدہ تھے اور ان کا گھر باہر ہی سوائے گھانے  
کے علیحدہ تھا۔ باپ بچاس۔ وہ یہ مہینہ دیتے تھے لیکن ماں کا یہ حال  
تھا کہ پانچ پانچ ہزار کی نوگاریاں چپکے سے چگاتی تھیں اور دودو سو روپیہ  
ماہوار نواریاں لے جاتی تھیں۔ میری قسمت میں نہ اس سے لکھا تھا اور نہ

میاں سے۔ گھر میں کبھی آئے بھی تو تیزی سے نکلے پھرتے۔ جوتے ہوتے  
یہ حال ہوا کہ ایک مرتبہ پورے سات مہینے گزر گئے کہ صورت ہی دیکھنے میں نہ  
آئی اور پھر مصیبت پہ مصیبت یہ کہ دروازہ سے جا کر قدام ہی پر باہر بیٹھے  
نڈیوں سے ہنسی مذاق ہوتا رہتا۔ ان کا بندھا ہوا کھانا گھر میں سے آجاتا

اگر بنا۔ منظر ہوتا تو اپنے باورچی سے پکواتے۔ پان یا دوسری چیز کی ضرورت  
ہوتی تو ماں سے مانگواتے۔ در نہ پانمان بھی باہر موجود تھا۔ فقہہ مختصہ کہ میں  
اکیلی گھر میں پڑی کروں گی گنا کرتی +

منا تھا کہ کسی دہدی کو لے کر کہیں باہر گئے ہیں۔ دو تین روز ہو چکے  
تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ رات کے بارہ یا ایک بجے ہو گئے میں غافل تھی  
سو رہی تھی کسی نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ ڈرا ٹھوٹو "میں چونک کر اٹھ بیٹھی

اور مارے خوشی کے میرا لہجہ دھک دھک ہونے لگا۔ گھر کے کمر میں نے کہا "کو"  
"اماں جان کے کہاں سے کچھ کھانے کو ہو تو ذرا جا کر لاؤ۔ سر کھاکر  
کہا "دو تین آدمیوں کے لئے لانا اور ایسے جانا کہ کسی کو معلوم نہ ہو"

کیا جاناؤں میری خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ زہے بہت کہ مجھ سے  
کئی کام تو لیا۔ دبے پاؤں میں بڑے گھبریں گئی اور جا کر باورچی خانہ اور کھیت  
سب ٹھیک مارا۔ سوائے ایک سوکھی روٹی کے کچھ نہ تھا۔ اسی طرح چپکے سے  
لوٹ کر آئی اور احوال سنایا۔ میں بھینگی بیٹی کی طرح ڈر کے مارے چپ کھڑی ہوئی

تھی کہ اتنے میں بولے "پھر کیا ہو باہر بھی کوئی نہیں ہے"  
میں نے زبانی زبان سے کہا "میں ابھی پکا دوں"  
"گھر میں نہیں چاہتا کہ گھر کی ملازمہ سے کام لوں۔ وہ اٹھ کر بڑبڑا لگی۔  
میں نے کہا "جی نہیں میں خود پکا دوں گی کسی کو خبر بھی نہ ہوگی +  
"بڑی دیر لگے گی" انہوں نے کہا +

میں نے جھٹ سے کہا "ابھی ابھی پکا دوں گی۔ آؤ رکھے ہوئے ہیں۔  
اور دو اندے رکھے ہوئے ہیں۔ آلو کی ترکاری اور اندے کا خاگینہ بنا کر دو  
ڈال دوں گی +  
کچھ پرچنے لگے اور میں دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کیا اند کسی طرح اس  
بات پر ادھی ہو جائیں۔ آخر کو بولے کہ "ذرا اچھی طرح پکنا +  
"بہت اچھی طرح پکاؤں گی اور ابھی بیٹھے" یہ کہہ کر میں سیدی باورچی

میں پہنچی۔ جلدی سے لکڑیاں سج کر کے جو لمے میں تیل ڈال کر جھپم زدن میں  
آگ جلائی اور آلو جلدی سے چھیل کے تتر کے بہت سی پیاز اور گھی میں خوب  
اچھی طرح بھرتے۔ دودھ بہت سا رکھا تھا اور بنے بجائے پانی کے خوبیت  
سابالائی دار دودھ ڈال کر پکائے۔ آنا جلدی سے گودھا دھو بھی دودھ  
اور خوب بہت سا گھی ڈال کر پکائے پکائے۔ پرانے پکا ہی رہی تھا کہ میری  
چھوٹی ننہا آٹھ کر گئی۔ میں آسے دیکھ کر تسکین دہندہ متوجہ ہو کر کہنے لگی "آپ  
یک کر رہی ہیں؟"  
"تمہارے بھائی جان کے لئے پکا رہی ہوں" میں نے کہا +  
حمیدہ بولی "ارے آپ غصہ کر رہی ہیں۔ بھلا یہ کس کے لئے پکا  
رہی ہیں۔ آپ کو سلوم نہیں ہے؟"

سینی میرے ہاتھ سے لے لی۔ میں دوڑی ہوئی باورچی خانہ میں آئی۔ کچھ عرصہ سے آؤ کے تھلے پتیلی میں اور پڑے تھے۔ میں نے تیزی سے سل پران کو پھینک کر چشم زدن میں بھرتہ تیار کیا۔ اور کھانا پودینہ جلدی سے ملا کر داغ کیا۔ اور ایک رکابی میں لے کر دروازہ پر پہنچی۔ کان لگا کرنا تو وہ رنڈی کہہ رہی تھی میں نے عمر بھر میں کبھی اتنی خوش ذائقہ آؤ کی تجبیا نہیں کھائی۔ یہ آواز میرے لئے کس قدر ہلکا خوشی تھی، بس کوئی میرے دل سے بوجھے۔ مارے خوشی کے میرا دل چلتے چلتے معلوم ہوا کہ ایک ساگیا۔ کچھ ادا تئیں ہوئی جو میں نے نہیں سنیں کہ میں نے پھر کڑی کھٹکھٹائی۔ کھانا چھوڑ کر دوڑے گئے میں نے رکابی ہاتھ میں دی تو کہا ”کچھ اور ہے؟ آج تو تم نے کمال ہی کر دیا؟“ یہ کہہ کر رکابی لے لی۔ میں وہیں کان لگا کر کھڑی رہی۔ ”یہ لے بھرتہ بھی کھائے“ انہوں نے رنڈی سے کہا +

”آخر یہ کون پکار رہی ہے؟“ رنڈی نے پوچھا +

”ایک نئی ماما آئی ہے“ میرے آقا نے کہا +

”مجھے ایک ماما کی خود بڑی ضرورت ہے۔ اگر آپ یہ ماما مجھے دیدیں تو بڑی عنایت ہو“ رنڈی نے کہا +

”تمہارے لئے تو جان بھی حاضر ہے“ میرے مالک نے رنڈی سے

کہا ”میں دید و نگاہ بشرطیکہ وہ جانے کو راضی ہوئی +

”راضی کیوں نہ ہوگی“ رنڈی بولی +

”میں تو جانتا ہوں راضی ہو جائے گی۔ میں دو گنی تنخواہ اس کو دوں گا“

”بھرتہ بھی اس نے کمال کا پکا ہے۔ آپ کے سر کی قسم میں نے عمر

بھر نہ تو ایسا بھرتہ کھایا اور نہ ایسا اڈا کھایا اور نہ ایسی آؤ کی ترکاری کھائی۔ آؤ

نہ ایسے پراٹھے کھائے۔ اور پھر طرہ یہ کہ چشم زدن میں سب چیزیں آگئیں +

غرض میری خوب تعریفیں ہو رہی تھیں۔ اور میں تعریفیں سن کر

نہال ہوتے جاتے تھے۔ اور اصرار میں مارے خوشی کے بید ہو جاتی تھی

میں باتوں میں ایسی جھنجھکی کہ مجھے سوئیاں کا خیال ہی نہ رہا کہ اتنے میں وہ رنڈی

بولی ”بس کوئی مٹی کی چیز اور ہوتی تو لطف آ جاتا +

”پہلے سے تم نے نہیں کیا۔ بھلا اس وقت کیا ہو سکتا ہے؟“

رنڈی نے کہا۔ ”میں نے تو یونہی کیا۔ واقعی بھلا اس قدر جلدی اور پھر

اس وقت کیسے ممکن تھا؟“

میں ایک دم سے باور چیخا نہ میں دوری دہاں حمیدہ نے سوئیاں تیار

میں نے مسکرا کر کہا۔ ”ہاں معلوم ہے تمہاری دوسری بھائی جان کے لئے پکار رہی ہوں جو باہر بیٹھی ہیں +

”خدا کی مہربانی ہو۔ میں آپ کو اس چڑیل کے لئے نہیں پکانے دوں گی“ یہ کہہ کر اس نے آٹا گھسٹ لیا +

”خدا کے لئے تم مجھے پکانے دو۔ آج میری قسمت جاگ اٹھی ہے جو

مجھ سے انہوں نے اپنے ایک کام کو کہا۔ مارے خوشی کے میری جو حالت ہے

میں ہی جانتی ہوں + یہ کہہ کر میں نے اس سے آٹا چھین لیا اور کہا ”بس کچھ ذرا تم

نجی پکا لیتیں۔ تو مجھ سے خوش ہو جائے کہ جلدی پکلائی +

حمیدہ نے کہا ”بھائی جان آپ کا کام ہوتا تو میں کہتی اس چڑیل کے

لئے تو میں ہرگز نہ پکاؤں گی +

میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا ”بس نہ انداز لے۔ دو تو پھر

بھی انسان ہے۔ اگر وہ شیطان کے لئے بھی پکائیں تو میں پکاؤں۔ اگر وہ

جھگی اور کتوں کے لئے مجھ سے پکائیں تو میں پکا دوں۔ رونا تو یہی ہے کہ

مجھ سے کام ہی نہیں لیتے۔ نہیں اگر میرے اوپر رحم آئے تو میرا ہاتھ بنا لو

شاید وہ اس سے خوش ہو جائیں کہ میں جلدی سے پکلائی +

میرے اس طرح کہنے پر حمیدہ کو رحم آگیا اور وہ کہنے لگی ”میں تو

کبھی نہ پکاتی۔ مگر لائے آپ کی خاطر سے کروں +

میں نے خوش ہو کر کہا ”بہن اگر کرنا چاہتی ہو تو بس اتنا کر دو کہ چلے

کے اس طرف آج خالی نکل رہی ہے۔ سوئیاں بھونی ہوئی مین میں رکھی ہیں

جھٹ سے قومی سوئیاں پکاؤ +

میری خوش قسمتی تھی کہ حمیدہ کی سمجھ میں کچھ آگیا اور وہ تیزی سے کام کرنے

لگی۔ میں نے جھٹ سے پراٹھے ختم کر کے دودھ کا چھینٹا دے کر الگ رکھے۔ آؤ

کی ترکاری آتاری اور انڈوں کو دودھ اور بالائی میں ملا کر پھینتا اور بہت سا

گلی اور بیانا ڈال کر جلدی سے تل دیا۔ حمیدہ کہنے لگی کہ ”آپ ہر چیز میں

دودھ ڈال رہی ہیں۔ کہیں انڈوں میں بھی دودھ پڑتا ہے +

میں نے کہا کہ پڑتا تو نہ انڈوں میں ہے اور نہ ترکاری میں۔ مگر میں تو

آج تجربہ کر رہی ہوں۔ بالائی دارودھ کسی میں ڈالو ضرور مزہ دے گا +

میں نے حمیدہ سے کہا کہ تم سوئیاں پکاؤ۔ میں ابھی کھانا دے کر آتی ہوں

قرینہ سے ایک سینی میں میں نے سب کھانا لگا دیا اور جھٹ سے گھر میں آئی۔ دروازہ

پر کڑنڈی کھٹکھٹائی۔ ”بڑی جلدی پکلائیں“ یہ کہہ کر انہوں نے دروازہ ہی پر

دل میں کسی قسم کی خوش قسمت ہو سکتا ہے۔ جب سے بیاہ کر آئی آج مجھ سے ایک کام کما اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ ہو گیا۔ اور اچھی طرح اور سرخروئی سے +

(۲)

صبح ہوئی اور میں منظرِ حق کی شاید نہیں۔ مگر تو بچے دو تین روز نہ آئے خدا بھلا کرے اس رنڈی کا کہ اس نے پھر اسی بھرتی کی فرمائش کر دی میری قسمت جاگنی اور ایک روز صبح آئے میرا خوشی کے ماسے بڑا حال ہو گیا۔ اور میں نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ سنا کر کہنے لگے "جیتی رہو" میں دل میں خوش خوش چپکی ہاتھ باند سے کھڑی رہی کہ بولے "وہ جو بھرتی اس روز نہ آئے پچا تھا +

میں نے دبی زبان سے کہا "آپ کہیں تو آج پھر بچا دوں۔ وہ تو بچا میں بچا تھا۔ آپ کو پسند آیا +

وہ بولے "ہاں بہت اچھا تھا۔ پرسوں بچا انا ہے۔ مگر تم کو اس آج بھی بچا دینا۔ تاکہ اطمینان سے دیکھیں کہ کب بچتا ہے +  
"بہت اچھا ابھی بچتی ہوں" میں نے خوش ہو کر کہا +  
وہ بولے "بس میرے کھانے کے ساتھ بچا دوں +

ہو یا اس انہی سوتوں کو نہر دیا کرتی ہیں اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ میری قسمت ہی عجیب تھی۔ مجھے اپنی ناجائز سوت کو عدہ کھانے کھلانے میں مزا آتا تھا اور میری عقل نہ کام کرتی تھی کہ کیونکر سوت کو نہر دے کہ طبیعت خوش ہو سکتی ہے۔ کچھ بھی ہو مجھے معلوم ہوا کہ میرے ہاتھ ایک ایسا نسخہ ہاتھ لکھے یعنی ریکڑ کو بھرتی میں دودھ اور بالائی ڈالنا۔ آج میں نے اور ہی ترکیب کی۔ چھٹا تک بھر بالائی اور چھٹا تک بھرا باہم اولیٰ سے ڈالے۔ اور خوشبو کے لئے تموڑا سا ناریل میسر لایا۔ اور ان سب چیزوں کو ملا کر خوب پیسا۔ اس کے بعد وہ سیرگوشٹ کی بجائی تیار کر کے آویڑوں کو اس میں دودھ ڈال کر بالائی اور سب پیسی ہوئی چیزیں یعنی بالائی اور باہم وغیرہ میں ملا کر ایسا پیسا کہ کبھی کر لیا اس کے بعد بہت سے گھی میں پیسا مسخ کر کے بھرتی کے تمام حصے کے ساتھ دھبی آج بچہ جو نہ کرنا کر پوندہ وغیرہ ملا دیا۔ اب جو اس کو میں نے چکھا تو خود میری عقل حیران ہو گئی کہ کیا اس میں یہ کیا سمجھن مرکب بن گئی۔ میں نے دل میں کہا کہ اس روز بھرتی پہلا ٹھکے کے ساتھ کھلایا تھا۔ اگر آج روٹی ہوگی تو شاید کچھ ڈانٹہ دیا جائے۔ لہذا میں نے دودھ اور گھی اور کچھ ہونی چینی سے

کر کے ایک رکابی میں رکھی تھیں۔ خوش قسمتی سے مہرہ کترا ہوا مل گیا تھا۔ اس نے وہ بھی ڈال دیا تھا میں لیٹ لے کر سیدھی دوڑی ہوئی اپنے مکان میں تیر کی طرح آئی پڑے پڑے دن رات کی غمگین گھل گھل کر بہا رہی ہو گئی تھی۔ حکیم صاحب نے سب کا مریہ سونے کے ورق میں لیٹ کر کھانے کو بنایا تھا۔ یہاں کس کو فکر جینے کی تھی۔ یوں کا یونہی رکھا تھا۔ میں نے جلدی سے ایک سیب کو باریک باریک کتر کے اس کو سوپوں میں ملا دیا اور اوپر سے سونے کا ورق اور اس کے گرد چاندی کے ورق لگا کر دروازہ پر پہنچی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر کے میاں اٹھے اور آئے تو ذرا جھٹکا کر لیا کیا ہے + میں سہم گئی اور میں نے کہا "کچھ نہیں سویا تھا" میں نے کہا "تھ میں انہوں نے چھپے لئے اور دوسرے ہاتھ میں رکابی لی اور کیا بتاؤں کہ کس لہجہ میں انہوں نے خوش ہو کر اس سے کہا "بولو کیا دلو آگئی اگر ہم تمہیں تمہاری مرضی کی اس وقت ایک چیز کھلائیں +

"تمہیں ہماری قسم" رنڈی نے کہا +

میرے مالک خوش ہو کر بولے "واللہ ابھی لو"

یہ کہہ کر انہوں نے رکابی رکھ دی۔ کیونکہ خود آہی اس نے کہا "قسم کھا کر کتنی ہوں میں نے کبھی ایسی سویا نہیں کھائیں +

میرے مالک خوش ہو کر بولے "تیر بھی ہے۔ یہ مریہ کامز عفر ہے + میں برابر اپنے پکھانے کی تر لہجہ سن رہی اور وہاں سے بولے ہوا کہ کتر اس ملازمہ کے ہاتھ کی چیزیں پکا کر گی اور خاص طور پر آؤ کی بھجیا اور بھرتی میں نے جیسے ہی آہستہ سے کھانا کھا چکے ہیں دیے ہی میں دروازہ سے ہٹ آئی۔ تموڑی دیر بعد برتن لے کر آئے تو میں نے دبی زبان سے کہا :-  
"تپنے کیوں تکلیف کی صبح کو آجاتے" میں نے ہاتھ سے برتن لئے تو انہوں نے خوش ہو کر میری پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا "شاباش تیری بھجی ہوئی جو + کیا بتاؤں کہ میرا کیا حال ہو گیا بھٹ سے میں نے برتن تخت پر رکھ دیئے اور اس ہاتھ کو پکڑ کر چوسنے لگی۔ میرا ایکدم سے دل بھرا باہم دان کے ہاتھ پر گرم گرم آسور گئے۔ شاید وہ گھبرا سنے لگے کہ ایکدم سے نرمی سے ہاتھ پھڑپھڑایا۔ اور یہ کہنے چلے گئے کہ "برتن اندر ابھی رکھ آنا" میں برتن لے کر گئی اور چھلایا وغیرہ بھرا دہاں ملی آئی +

چار بائی پریشی میں اس واقعہ پر غور کر رہی تھی۔ اور اس قدر خوش تھی کہ کیا ہی نہیں کر سکتی۔ معلوم کتنی دیر تک سوچ سوچ کر دل خوش کیا کی۔ میں

فصل سے آپ کی ٹونڈی جیسا پکائے گی کسی سے نہ کہے گا۔ ایسا ہی ہمارا  
بھرت آیا اور سب نے کھایا اور سب نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کی نئی یاد چن سے  
ابھار کوئی نہیں پکا سکتا۔ مجھے خود چکھا تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ بادام ڈالے  
گئے ہیں اور کھلایا ادا گیا ہے۔ مگر گوشت کی ٹنڈی کا ذائقہ اور ناریل کی خوشبو  
موجود نہ تھی۔ اور علاوہ اس کے معمولی مسالوں کی طرف غیر تو بھی مٹی گئی تھی  
اور پھر طرز پر کہ بنا مجھے نہ تھے +  
تھوڑے مختصر تین جگہ سے پک کر آیا اور سب کو شکت ہوئی۔ ایک جگہ سے  
گوشت پسا ہوا ملا یا گیا جب کو معلوم ہو گیا +

جوتہ میں دی پٹنے ہوئے تھی اور نتیجہ اس خدمت کا ملا کہ ایک روز شام  
کو دو تین جوڑی جوتے کے گچھو اٹنے کے اس میں سے ایک پٹ کر لو۔ اب یہ پٹو  
تھا کہ جس روز بھرت پکنا تھا تو اندر آتے تھے یا کسی دوسری جگہ سے بھرت آتا  
تھا تب آتے تھے۔ در نہین آتے تھے۔ میری بدقسمتی سے بھرت کا فضا  
بھی گوشت کو ہفتہ بھر سے بند تھا اور وہ بالکل ہی نہ آتے تھے۔ میں پڑمروہ  
ہو رہی تھی۔ اد میں نے یہ کہہ کر جوتے واپس کر دینے کا رہنہ دیکھے میرے  
پاس ہیں۔ معلوم ملا مرنے جا کر کیا کیا کیا کہ خود اندر آئے اور کہنے لگے۔  
”ان جوتوں میں سے ایک پٹ کر لو +“  
میں نے حسب معمول دبی زبان سے کہا ”میرے پاس دو جوڑی جوتے  
رکھے ہیں +“

ذاتی تیزی سے بولے ”ہائیں! تو پھر ہنستی کیوں نہیں ہو“  
”میرا دل ہی نہیں چاہتا کہ کوئی ابھی چیز پہنوں“ میں نے ڈرتے  
ڈرتے کہا +  
”ممت پہنو چلے میں جاؤ بھڑ میں پڑو“ یہ کہہ کر غصہ میں اٹھ کر  
چل دیئے +

ایک لمحہ بھرت تو میں سکتے کے عالم میں کھڑی رہی۔ ایک دم سے مجھے  
رونا آگیا۔ معلوم دل میں کیا سہائی کہ میں دوڑی وہ دروازہ کسے پاس ہی تھے  
کہ میں نے پاؤں پکڑ کر روٹے ہوئے کہا ”خفامت ہوئے۔ میں ابھی اپنے  
لتی ہوں +“  
شاید دل سیج گیا۔ میں نے روٹے ہوئے اوپر منہ کر کے دیکھا تو سداگر  
کہا ”اچھا جاؤ۔ جاؤ بہن لو“ میں واپس آئی اور دینک رو باکی میں نے

آٹا گوندہ کر پائے بھی پکا لئے۔ دوپہر کے کھانے کے ساتھ ساتھ یہ چیزیں  
بھی باہر گرئیں +

رٹڈی نے جو کچھ تعریف کی وہ کی خود میاں چکڑیں آگئے۔ اور نتیجہ نکلا  
کہ کھانے کے بعد ہی آئے۔ چہرہ سے خوشی ظاہر تھی۔ اور معلوم ہوا تھا کہ تید  
خوش ہیں میں دیکھ کر باغ باغ ہو گئی۔ کھڑی ہو گئی تو ایک دم سے میرے  
ٹوٹے ہوئے میلے جوتے پر نظر پڑی اور سب بھول کر ایک دم سے بولے  
”تم کیا خراب جو تانہ پٹے ہوئے ہو“ میں نے پٹ ہو کر نظر پٹی کر لی۔ تو بولے  
”آج کا بھرت تو تم نے اپنا پکا یا ہے کہ میں نے عمر بھر نہیں کھایا۔ بھرت کیا  
تھا کہ نعمت تھی۔“ بس پرسوں بھی ایسا ہی ہو گا۔ مگر سر بھر کا ہونا چاہئے +  
میں نے دبی زبان سے کہا ”اتنی جان نغا ہو رہی تھیں کہ۔۔۔“  
”ہاں تم نے اپنے یہاں پکا ناو مل ممت پکنا“ یہ کہہ کر باج رو پیہ کا  
نوٹ نکال کر دیا اور کہنے لگے ”یہ جو کچھ خرچ ہو اور نتیجہ تمہارا انعام ہے +  
یہ انہوں نے مسکرا کر کہا +

کیا بتاؤں میرا کیا حال تھا۔ زبے قسمت کہ مجھ سے مذاق تو کیا بگڑ  
میں نے سوکھے منہ سے کہا ”آپ کیوں کسی سے کوئی چیز باہر پکواتے  
ہیں۔ میرا انعام تو یہ ہے کہ پرسوں دعوت کے لئے کوئی اور چیز بھی مجھ سے  
پکوائیے +“

”ہمیں اور کچھ نہیں سب انتظام ہو گیا ہے۔ تم بھرت ہی پکا دینا۔ یہ  
یہ کہہ کر اٹھ کر چلے گئے +

میں نے دیکھا کہ یہ بھرت پکنا دیکھنے دو بار آچکے ہیں لہذا کہیں ٹرکی  
بات انہیں نہ معلوم ہو جائے جو سب حقیقت کھل جائے۔ دراصل بھرت پکا  
میں میرا ایسا ہنر تھا غولہ فنی تو بادام پشوں اور بالائی و فیروہ کی میں  
نے آج اور بھی محنت سے بھرت تیار کیا۔ اور آج جو کچھ کوڑہ اور زعفران کا  
چھینٹا چور اور دیدیا تو لطف ہی آگیا۔ خوب خوب رٹڈیوں اور پٹوں  
نے کھایا اور داد دی۔ کسی نے کہا کہ بلام پڑے ہیں کسی نے کہا کہ کھوٹا  
پڑا ہے اور کسی نے کہا کہ آٹا نہیں بلکہ گوشت ہے۔ دو تین صاحبوں نے  
کہا کہ تم خود اپنا پکا سکتے ہیں۔ تھوڑے مختصر ایک دن مقرر ہوا کہ کسی دوسرے  
دعویٰ دار کے یہاں سے بھرت پک کر آئے میری خوش قسمتی سے اس بھرت کا  
خوب تھوڑا چہرہ اچھا ہے اگر یہ سب کیفیت سناؤں۔ تو میں نے کہہ دیا کہ خدا کے

ان چوتوں میں سے ایک رکھ لیا۔ اور وہ باقی واپس کر دینے +

(۳)

نچھرتہ کا تھکا ہوا شکل بھی سرور پر لگا تھا۔ اکثر کیا بات کو سمجھ کر سے تھا۔ ہی رہتے تھے۔ لیکن کسی روز نیا بھی ہوتا تھا کہ میری قسمت جاتی تھی جو وہ زندگی گھر پر رہتی تھی۔ اور اس روز مجھ سے بھرتی کی ویاہٹ ہوتی تھی۔ اب میری حالت سنی جاگتی تھی کہ میں روز وہ آتی ضرور روزہ پر کان لگا رہا تھا سستی +

ایک روز وہ آئی اور میں نے اس کے لئے علاوہ بھرتی کے دو تین چیزیں خریدی تھیں۔ سے دیکھیں اور سب چیزوں میں اپنے خاص نسخہ اور ترکیب سے کام لیا تھیں تو بہت بخیر تھی۔ مگر چند غرض خاندان تھیں +

کھا تھا کہ اتنے ہی میں مجھے باقوں سے معلوم ہوا کہ وہ اس روز سے نکلتا کر رہی ہے کہ پکانے والی کھینچے دیا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ "یہ بھی کوئی بات ہے کہ آج کل آج کل کر رہے ہو۔ آخر اس نوکری کو مجھ سے دے کیوں نہیں دیتے یہ کہہ کر اس نے دیر تک نہ معلوم کیا کیا باتیں کیں اور بڑبڑائی اور نہ معلوم کیا کیا جواب ملے۔ لیکن آخر کو اس نے وعدہ دے لیا کہ اس کو یہ بھرتی پکانے والی مل جائے گی۔ میں نے دل میں کہا یا آبی کیا جج مجھے اس زندگی کو دینا پس گئے۔ اگر واقعی خوش ہو جائیں تو مجھ کو یہ بھی منظور ہے۔ اسے میں کھانا ختم ہوا اور میں کسٹ پٹ نکل کر چلی آئی۔ کوئی سو گھنٹہ بعد میں پھر گئی تو وہاں پھر وہی ذکر تھا کہ بھرتی پکانے والی کو کل ضرور دلا دے۔ یہ کہہ کر اسے کہیں بھی دریاہٹ کر کے بتا تا ہوں کہ کل اسے سمجھا سکوں گا پر سوں۔ میں یہ سن کر گھبرا گئی۔ مگر سیدھی دوڑ کر اپنی چابانی پر برآمد ہوئی تھیں گئی۔ گھر میں کوئی نہ تھا میں نے دیکھا کہ وہ سیدھے میرے پاس آئے۔ میں کھڑی ہو گئی۔ مجھ سے بیٹھنے کو کہا اور خود دوسری چابانی پر بیٹھ گئے کچھ دیر چپ رہے۔ میں اسی طرح سوہانہ طریقہ سے کھڑی تھی کہ پھر مجھ سے کہا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گئی لیکن میرا کچھ دھڑک رہا تھا کہ دیکھنے کیلئے میں۔ کچھ سکون کے بعد کہا "میں تم سے ایک بات کہتا ہوں +

میں جب اسی طرح کھڑی ہی کہہ دے "میں کل ایک نوکری لاؤں گا اسے تم بھرتی پکانا سکھادیتا +  
"میں غصہ پکانے کو حاضر ہوں۔" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا +  
"نہیں" کچھ جھلکا کر کہا "تم سے جو کہتا ہوں وہ کر دینا +  
"بھلا اچھا" میں نے کہا "اس کے پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی +

یہ کہہ کر میں ذرا تریب بڑھی اور وہ کھڑے ہو گئے۔ میں نے بہت کر کے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور کہیں وہ لوٹ نہ ڈال کر بغل میں منہ دیکر روئے گئی۔ محض چند ہی لمحوں میں گوار کیا کہ اپنے کو یہ کہہ کر چھڑا لیا خوب اچھی طرح کھا دینا میں آسمان پوچھتی تھی یہ گہنی اور وہ چلے گئے۔ مگر میں خوش تھی۔ خدا کی شان ہے کہ کہاں کو صورت دیکھ کر ہی چڑھ جاتے تھے۔ اور اب مجھ کو اتنی گت تھی کہ اجازت اور کچھ نہ کہا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اب کی مرتبہ کچھ دل کی بات بھی کہوں گی +

(۴)

مجھ سے سب ہی نے نوکرا کو بھرتی کی ترکیب کو بت سکھا۔ مگر میں نہ مانی۔ بار بار میں نے نوکرا کو سوچا اور تیار رہی۔ دیکھی کہ نہ جانا دے گی۔ مگر میری خیال آیا کہ انہوں نے تاکید سے کہا ہے ایسے کھانا کوئی شکایت نہ ہو۔ میں نے آخر کو ملے کر کیا کچھ ہی ہو۔ میں تو اپنے میاں کو دھوکہ دے دے گی جو قسمت کا ہو گا وہ ویسے ہی سامنے آئے کہ ہے گا۔ میں نے خوب خوب اس نوکری کو ترکیب سکھا دی لیکن یہ ضرور اس سے کہہ دیا کہ کتنی الامکان تو اس کی ترکیب کسی کو نہ جانا۔ فقہہ مختصر یہ لازمہ لکھا پڑھا کہ یہ کہہ کر پیش کی گئی کہ یہی بھرتی پکانے والی ہے +

پچھلے روز اس نے بھرتیوں کے ڈاکر باوا دھمک کر ڈالے اور کڑوا کر دیا۔ دوسرے روز جو اس نے پچا ہوا وہ ڈاکر بھی آج پڑھیں پکا گیا۔ تیسرے روز جو اس سے مختلف سوال کئے گئے تو بھانڈا چھوٹ گیا۔ کہ اصل پکانے والی کی پکا دوسری عورت صحیح دہی گئی ہے۔ آئی گئی آفت میرے سر عجیب طرح آئی۔ ڈاکر کو کے خنجر سے اور فرمائش بھی عجیب ہوتی ہیں۔ اور بھڑان کے جو پھلے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محض اس بات پر وہ اتنی بگڑی کہ نہ معلوم یہ تھا جو کرات ہی کو چلے آئے۔ یا اس نے نکال دیا۔ فقہہ مختصرات کے بارہ بجے میرے اوپر آکر بوٹ پڑے۔ میں سو رہی تھی کہ کچھ ہو چکا اور شرمسار ہوئی کہ "کیوں بی بی تم سے تم نے کیا کیا تھا؟" میں کانپ رہی تھی اور میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "کس بارہ میں؟"

"تم نے شاید اس عورت سے کہہ دیا جو اس نے وہاں جا کر کہہ دیا کہ میں تو بالکل نئی ہوں۔ اور مجھے ایک دوسری عورت نے بھرتی پکانا سکھا کر بھیجا ہے" وہ بانگ پر بیٹھے تھے اور میں کانپ رہی تھی میں نے ایک دم سے بیٹھ کر پاؤں پکڑ لئے اور کہا "آپ کے قدموں کی قسم جو میں نے دہ بھر سکھا یا مجھ۔ خدا مجھے تم خدمت نہ نصیب کرے جو میں نے ذرا بھی اس کو کسی طرح دے دیا ہو؟"

بجی کو خوش کر دینے والا تھا۔ ایک دم سے ڈانٹ کر اس کے نوک سے کماٹھل جاؤ جہاں سے اور کدورتا کر ایں کو خدا کو آتی ہے تو ہم بھی بڑے فدی میں ہے۔ بجائے محل جاننے کے اس گنجت نے رندی کی مان کی طرف سے پیغام دیا کہ اٹھو! نے کہا ہے کہ آپ کے خزان میں لڑکی کا بڑا حال ہے۔ مگر گنجت اپنی خدمت میں چھوڑتی۔ آپ کے لئے روتی بھی ہے۔ مگر نہ بھی کرتی ہے۔ اور بڑی مشکل سے سمجھا لیا۔ سمجھائے سے اب اتنا لاشی ہو گئی ہے کہ کہتی ہے کہ روزانہ میرے پوکا کر بھیج دیا کریں۔ مگر وہاں ایک نہیں سب کا جواب تھی۔ وہ آدمی آخر خوش جھکا۔ مگر چلا گیا۔

میں بڑی تعجب کرتی تھی کہ کہیں خدا کو خواہستہ بیعت خواب نہ ہو جائے۔ اور دوسرے روز جب میں نے دیکھا کہ وہ گنجت اپنی خدمت پر بدستور اڑی ہوئی ہے تو آخر کو باکر میں نے جلدی جلدی میرے تیار کیا اور چپکے سے اس کے خاص ظلم سے رندی کے گھر بھجوا دیا۔ مگر وہ ظلم جتنے تھے وہ دل سے میرے صبر و بردباری سے بڑھ کر تھا۔ اور وہ بچہ بدترین تھے۔ دے آیا۔ یہاں ان کو تو کچھ معلوم ہی نہ تھا۔ دینے ہی انوائی کھڑائی لے ہوئے پس تھے اور وہاں اس کی جو خدمت پوری ہوئی تو وہ خود رات کو چلی آئی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی بات رشتائی دی۔ دوسرے روز بھی میں نے بدستور چپکے سے میرے پیچھا دیا اور میرے روز بھی ایسا ہی کیا۔ میری بیعت خوش ہو گئی کہ وہ میرے شاش افشاں گھوٹے گئے اور ایک مرتبہ مجھ سے بات بھی کی۔

پہلے دن شاید وہاں ذکر ہوا ہوگا جو ان کو معلوم ہو گیا کہ شکت دسترس نہیں ہوئی ہے۔ اب تک وہ اسی ہول میں تھے کہ میری خدمت پوری ہوئی جو سید سے میرے پاس آئے۔ میں سمجھ گئی کہ کچھ دال میں کا لایا ہے۔ میں نے ملازم سے اشارہ کر دیا وہ روزانہ بند کرتی ہوئی بڑے مکان میں چلی گئی۔ اور مکان اکیلا ہو گیا۔ اگر پلنگ پر بیٹھ گئے اور حسب عادت نہایت ترخروئی سے کہا۔ یہ تم تین روز سے بھرتیجی رہی ہو؟ میں ڈر کر کہہ دے کہ اب نہ رہی تھی اور اپنی خطا کا اقبال کرتے ہوئے کہا "جی"

"کیوں؟ آخر کون؟ نہایت ہی جنگ آواز میں غصے سے میری طرف دیکھ کر کہا کہ "آخر مجھ سے بیرو پوچھو۔ یہ تم نے بھجا ہی کیوں؟ میں نے ڈرتے ڈرتے کہا قصور ہوا"

زادیر چپ رہے۔ پھر پلنگ پر بیٹھ کر وہ نواں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گئے۔ میں اسی طرح کھڑی تھی۔ کچھ دیر سوچتے رہے۔ پھر بولے "وہ عورت بالکل گدی ہے۔ میں نے اس کو کس طرح بھجایا تھا۔ باجی کو بولے انعام دیا تھا۔ مگر پھر بھی اس نے کدیا۔"

میں ازراہ ہمدردی پرست کر اس عورت کو برا بھلا کہہ کر کوسنے لگی کہ خدا کرے کہ اس دن غامبازی کا اجر ہے۔ پھر چپ بیٹے رہے۔ برسات کا زمانہ تھا۔ سرد واپل رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید انہیں زندہ رہی تھی۔ کیونکہ بڑی دیر سے بالکل اسی طرح آنکھیں بند کئے بیٹے تھے۔ میں کھڑے کھڑے تھک گئی تو آہستہ سے پلنگ کی پائنتی کو زمین پر لیٹ گئی اور بہت کر کے میرے دھیرے پاؤں دبا کر شروع کئے معلوم ہوتا ہے کہ جاگ رہے تھے۔ کچھ ٹھہرے۔ پھر تو میں پائنتی پلنگ پر بیٹھ گئی اور ابھی طرح پاؤں دھاتی رہی جتنی کہ وہ سو گئے۔ میرا دل ہی نہ جانتا تھا کہ جھول اور یہی جی جانتا تھا کہ پاؤں نہ چھوڑوں۔ خدائی نشان تھی کہ وہ اس کے آج روادارتھے۔ اور میرے لئے اس سے زاید خوش قسمتی کا بھلا اور کون موقع ہو سکتا تھا۔ تھکے مختصر میں اسی طرح پاؤں دہاتے ہی رات کاٹ دی۔ اور بچا کو ذرا بھر مکان یا چند نہ معلوم ہوئی بلکہ مجھے تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وقت جلدی گذر گیا۔ صبح آنکھ کو کھلی تو کھلا کر اٹھ بیٹھے اور کھٹے گئے۔ دوسرے تم سوئے نہیں گئیں۔ میں بھلا اس کا کیا جواب دیتی جو کہ وہ دوسری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے اُنھا کو پائنتی سے پاؤں میں دیدیا۔ میں نے آنکھ کے گوشے صرف اتنا چرک دیا کہ میرے ہرے کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔ جو کہ ہن کر سید سے باہر چلے گئے۔

(۵)

دو روز ہو گئے تھے اور چپ ستانے میں بیٹے تھے۔ میں بار بار خبر دیکھتی معلوم ہوتا کہ پائنتی پر منہم پرے ہونے میں۔ کیا میں خوش تھی کہ رندی سے لڑائی ہو گئی؟ خدا بستر جانتا ہے کہ میرا کیا حال ہو گیا۔ خوش میں نہ رو رہی تھی۔ رنجیدہ بھی تھی۔ مجھے یہ خیال تھا کہ ان کی خوشی کا سلسلہ گیا اور لڑا جاب مجھے خوشی کی امید ہو چکی تھی وہ بھی منقطع ہو گئی۔ اس رندی نے سناٹ کھڑا کیا تھا کہ اگر مجھ سے بھگت ہے تو اس سے کھانے والی ڈکرتی کو دود اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ بوجہ چند وہ نہیں مل سکتی۔ اور کوئی ہی داری اور اگر اس نے کھلوا بھیجا کہ میں اپنی خدمت چھوڑ دوں گی بشرطیکہ روزانہ مجھے تھوکر تھوکر بھجوا دیا کریں۔ میں روزانہ پٹکڑی سن رہی تھی اور اس کا جو جواب انہوں نے دیا وہ ایک بیاہتا

”سوچو کیوں؟ کیا سمجھ کے تم نے مجھ کو؟“ نور دے کر کچھ کو اٹھا۔  
 ”اس لئے“ میں نے نہ کہنے ہوئے کہا ”اس لئے کہ کہیں اپنی طبیعت  
 نہ خراب ہو جائے“  
 ”تمہاری بلا سے“ وہ جھنجھلا کر بولے۔

تو پھر کہا ”آخر کچھ کتنی بھی ہو؟“  
 ”آپ خفا تو نہ ہو گئے؟ میں نے آہستہ سے کہا۔  
 ”آخر کیا سے کچھ کہو تو“  
 ”میرے اوپر رحم کیجئے“ میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا ”آپ خوش ہونے  
 میں تو یہ سکر کہ آپ خوش ہیں میں بھی خوش ہو جاتی ہوں۔ آپ کیوں اپنے  
 دل کو رنج دیتے ہیں“

اس کا جواب انہوں نے دیا ”ہشمت“  
 میں نے خراج کی نرمی سے خامہ ڈھاتے ہوئے کہا ”مجھ بد قسمت کا کیا  
 ہے۔ آپ خفا ہو لیں گے۔ میں جھکت لوں گی۔ جو چاہے میرا حال کیجئے گا۔“  
 ”تو اس سے مطلب یہ ہے کہ کل سے پھر سبیرتہ بھیج دوں گی“ انہوں نے کہا  
 ”جی ہاں“ میں نے کہا ”خدا کچھ ہی ہوا بچا بچ تو دور ہو گا۔“  
 انہوں نے نرمی سے کہا ”میں مت بھیجتا۔“  
 ”پھر آپ بچ کریں گے“ میں نے سادگی سے کہا۔

اس کا جواب پھر انہوں نے دیا ”نہیں“ اور کچھ ٹھہر کر کہا ”چاؤم سونو“  
 میں نے کچھ تامل کیا تو پھر یہی کہانہ ”جاؤ اندر جاؤ“ اور پھر اس میں جس کی لکھی  
 ڈال گئے تھاکہ کہیں تیز نہ ہو جائیں۔ میں داولی ناخوستہ اٹھی اور اٹھنے اٹھنے  
 ایک کشش سے مجھ کو آن کا ہاتھ پکڑ کر دونوں ہاتھوں سے ان کی قبلی کو دایمی  
 رہی اور جو م کرے اختیار آنسوؤں سے تر کر دی کہ انہوں نے پھر کہا ”اب  
 جاؤ“ میں سیدھی چلی آئی اور نیرنگ نوٹنگواریاں لات میں محو رہی پھر سو گئی۔  
 دوسرے روز صبح کو میرے اوپر خاص ضابطہ یہ ہوئی کہ باہر چو پاند  
 رہتا تھا وہ اندر میرے پاس بھجوا دیا گیا نہیں میں بن ٹانگے کو بھجوانے گئے گو  
 خود آئے کیونکہ حالت ہی باہر رہنے کی پڑی ہوئی تھی لیکن مجھے معلوم ہوا کہ  
 آج تو بالکل ابتلاش ہیں۔

رات کے کوئی گیارہ بجے ہوں گے اور میں سو رہی تھی کہ دروازہ ہنرور  
 زور سے کسی کے ہاتھ مارنے لگا آواز سنائی میں ایک دم سے چونک پڑی۔ اور  
 مجھے قہقہہ ہوا کہ دروازہ تو میرا کھلا رہتا ہے۔ کس نے بند کیا۔ ایک دم  
 میں چونک کر اٹھنے کو ہوئی کہ کدو کو بجے ڈال کر ایک دم سے برابر والے بنگ  
 پر سے آواز آتی ہے ہوں۔ رہتے دو“ میں نے جلدی میں دیکھا بھی نہ تھا کہ کدو  
 تھا ہوا ہے۔ میں فوراً آ کر کھڑی ہوئی اور کہہ کہ آپ کھڑے ہلکے پر نہ بیٹھیں۔

میں نے ایک دم سے زور سے کہا ”خدا کے لئے۔ خدا کے لئے مجھے معاف  
 کیجئے میرا قصور صحت کیجئے“ یہ کہتی ہوئی میں روتی ہوئی ان کے قدموں کی طرف  
 جھکی اور پیر پکڑ کر سر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولے۔ پھر سر سرید سے ہاتھ  
 سے اٹھا کر دیکھنے لگے ”سکر ہو کر“۔ یہ وقت نہیں تو ”شاید ان الفاظ میں ہوئے  
 محبت تھی کہ میں بیتاب ہوئی اور ان کے گھٹنے پر سر رکھ کر اس بری طرح روتی  
 کہ مجھے اسی حالت میں چوڑا کر شاہ گھبرا کر چلے گئے۔ دراصل بات یہ تھی کہ  
 اس نامراد رومی سے بے طرح ان کا دل ہلا ہوا تھا کہ کسی طرح اس کو بھولنے  
 ہی نہ تھے۔ میں دراصل دل ہی دل میں اب خوش تھی کیونکہ حالات بڑی تیزی  
 سے بدل رہے تھے۔ اور مجھ کو ایسا معلوم ہوا تھا کہ شاید میرے دن پھرنے  
 والے ہیں۔

ادھر پھر تہ کا چور اڑا کہ تو پھر جاتی ہو گئی اور پھر تہ جانا بند ہو گیا میری  
 چادر و زین سے اٹھنا رکھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ باہر دواخانے میں آج رات  
 کو ضرور جاؤں گی بیٹا کچھ میں نے غصہ رکھ رہے چپکے سے کھلوایا کہ آج تو اجازت  
 لے کر گھر چلا جانا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

میں نے ڈانٹے ڈانٹے باہر قدم رکھا۔ کیڑا کلاس سے قبل ایک مرتبہ ایسا  
 کرنے پر میری ذہنی پاپائی تھی کہ خدا کی پناہ۔ میں نے دیکھا کہ ادھر ادھر کرنی  
 نہیں ہے۔ حق ہی چلے تھے۔ اور ایک ہلکی سی ہل کی دانی اوڑھتے ہوئے  
 سہری پر بیٹے ہوئے تھے میں ایسے دے پاؤں گئی کہ آہٹ تک نہ ہوئی۔  
 قریب پچھلے ہیں نے مجھے دانی کا کنارہ اٹھا یا تو چادر منہ سے ہٹا کر بولے کون  
 ہے؟ میں گھڑی کی گھڑی رہ گئی اور پچھنے نہ بولی کیونکہ انہوں نے دیکھ ہی لیا تھا  
 پھر یہ طرح منہ ڈھک لیا۔ میں بہت کر کے ہلکے پانی میں بیٹھ گئی اور اپنا  
 مشغلہ شروع کر دیا تھوڑی دیر بعد سرک کر میں اچھی طرح بیٹھ گئی اور پادریاں باقی  
 تھیں۔ آخر تو بہت کر کے میں نے کہا ”میں کچھ کھانا“ چاہتی ہوں۔

”کیوں؟ کیا ہے؟ چادر کو منہ سے ہٹانے ہوئے پوچھا۔“



ہوش ہو آیا تو دیکھا کہ وہی عالم میاں کبھی خود مجھ سے پنکھا نہ جھلانتے تھے آج خود مجھے پنکھا جھل رہے ہیں۔ میں نے مکر وہ باتوں سے روکنا چاہا مگر مگر میرے اوپر وہ مدت طاری تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید مر جاؤنگی +

(۸)

صبح ہو۔ نہ سے پہلے ہی وہ نامراد مٹی سونے کی گھڑی اور کچھ روپے جیب سے نکال کر جھاگ گئی۔ اُس نے جہد میں لاکھ لاکھ کوشش کی مگر بیکار۔ اُس سے ملنے تک کے روافد نہ تھے۔ دنیا میں اگر کوئی ہمد اور عین تھی تو میں پھر کبھی اس تاریخ سے نہ تو انہوں نے اپنے پرانے بد معاش دوستوں سے ملاقات کی اور نہ ہی کسی رشتہ سے +

خود کو کوئی مانے یا نہ مانے پر اثر عقیدہ ہے کہ ذرا سے ہمارے پر میاں نے جو اپنی داشتہ عورت کو چھوڑ دیا تو کھس، اس وجہ سے کچھ مٹنے سے پہلے میں نے ان کے دل میں گھر کر لیا۔ ان کے سامنے دو عورتیں تھیں جو بالکل مختلف تھیں اور اس سے پیشتر ان کے سامنے صرف ایک ہی فاضلہ عورت تھی میرے علم میں ایک دہائیوں بلکہ سو پانچ ایسی ہیں جنہوں نے ہندی میاں کا بازاری اور داشتہ عورتوں سے بچھا چھڑانے کے لئے ایسی عورتوں کو زہر دیا۔ نتیجہ خود غار سے خواہ مخواہ خادہ کو اس عورت سے زیادہ الفت ہو جاتی ہے جو نام نہاد محبت کے پیچھے زہر کا دو سری ختیوں کا شکار بنتی ہے۔ میاں دل میں سوچتا ہے کہ یہ میری محبت میں طرح کی تکلیفیں اٹھا رہی ہے حتیٰ کہ زہر تک اُسے دیا گیا ہے۔ لہذا یہی قابل پرستش ہے +

(خاص)

مرزا غلام غیب

کامیابی کا سچ راستہ بتاتی ہے کئی دفعہ چپ چکی ہے قیمت صرف پندرہ  
**ترکونکی کہانیاں**  
 ترک بچوں کی جانبازی اور ہمت و ہرمت  
 میں اسلامی محنت اور قومی پرورش ہیں اور تا سہ قیامت صرف ہم علاوہ مصروف  
 ایک لاجواب اردو ڈراما جو حسن میں چھپا ہے  
 جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے  
 اپنی اچھی ڈی کا ڈرامہ۔ اردو فن ڈراما میں ایک قابل قدر اضافہ +  
 قیمت صرف پندرہ

S.R

پستہ :- نیچر نیرنگ خیال بک ڈپوسٹ ہی محلہ لاہور

اس کے جواب میں انہوں نے خاموشی کا اشارہ کیا کہ فوراً ہی پھر دروازہ پر کسی نے ہاتھ مارا اور زمانہ آواز میں پکارا "کھوٹو یہ واقعہ کہ وہ مٹی آتی ہوئی تھی اور اب یہ خود خفا ہو کا اندر دروازہ بند کر کے اٹھ بیٹھے تھے۔ میں بھونک کر مٹی تھی اور مجھ سے نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ اتنے میں پھر دروازہ پر بڑے زور زور سے اُس نے ہاتھ مارا اور چلائی تو میں نے دبی ہوا زور سے کہا "خدا کے واسطے آپ چلے جائیے ورنہ ....  
 "چپ رہو" انہوں نے مجھ سے "بلاٹ کر کہا اور بید سے دروازہ پر جا کر زور سے کہا "میں جا چیل تو میرے پیاد سے ورنہ پولیس میں وید دیکھنا پڑتا ہے ہی تو کرو کہ وہ دہی سے آواز دے کہ کیا کہہ اسے چلائی جائے۔ تو کڑے تھوڑی دیر بعد آکر کہا کہ وہ نہیں جائیں اور یہیں سو رہی ہیں۔ "مرنے دو جا فرادی کو" یہ کہہ کر چلے آئے +

جب وہ طبیعت سکون پڑی تو میں نے امرار کر کے بنگ پر نسا اور گری تھی لہذا پنکھا جھلنے لگی۔ پانی مانگنا اتفاق سے برت موجود تھی۔ میں نے شربت کیورہ کا گلاس بنا کر پلا اور اسی طرح پھر پنکھا جھلنے لگی۔ تھوڑی دیر میں طبیعت بالکل درست ہو گئی میری طرف تنگی باندھے دیکھ رہے تھے۔ ایک دم سے ہاتھ اٹھا کر پنکھا روکا اور مجھ سے ہنستے کہا "یہاں بیٹھ جاؤ" میں بیٹھی پر بیٹھ گئی اور پنکھا جھلنے لگی میرے ہاتھ سے پنکھا لے لیا اور ہاتھ میں ہاتھ پر کر کے بیٹھے اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "بیوی" میں اسی طرح دیکھ رہی تھی۔ مگر میری عجیب سی حالت تھی کہ ہر کہا "بیوی" میں نے کچھ بھی نہ کہا اور یہ غم کے ہیں۔ صاف کوہ و +  
 میرے اوپر ایک بجلی سی گری۔ ایک جھج میرے سر سے بے ساختہ نکلی اور میں ہوش ہو کر گر گئی +

دختران شمشیر

تمام زانوں اور تمام قوسوں کی بہادر اور چٹان  
 اور دو صلیب خواتین کے حالات انہوں نے  
 میدان جنگ میں تھوڑے کے جوہر اور سخت حکومت پر انتہائی تہ پر اجرات اور  
 شجاعت کا ثبوت دیا۔ اپنے زور بازو سے حکومتوں کے تجھے آٹ کر کئی حکومتیں  
 قائم کیں۔ زبردست لشکروں کا ہمارو کے ساتھ مقابلہ کیا۔ قیمت ۷۰

**سیرۃ الکبریٰ**  
 سب سے پہلی ملان خاتون حضرت خدیجہ الکبریٰ  
 کی مقدس زندگی کے مفصل حالات جس کو ایک  
 مختصر مضمون نے بڑی محنت و کوشش سے جمع کئے ہیں۔ یہ کتاب دین و دنیا کی

# جھوٹ کی خوبیاں

## نفسیات درونگونی پر مزاحیہ محاکمہ

مصاب مفتی غلام حنفہ صاحب - بی - ۱ - سے - اخبار نویس

دروغ کے دل و دماغ کے آدمی کو چاہئے کہ نہ صرف الفاظ - بلکہ خیالات میں بھی دروغ کا دامن نہ چھوڑے - اور اس میں کیسوئی اور تن و بی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیسے - کیونکہ وہ جو اوسط سے اوپر ہیں - وہ نہ تباہ اور بلا خاص کوشش کے اس معاملہ میں کام کے معنی اور کاوش سے مستغنی نظر آتے ہیں +

### زندگی کی دلفریبیاں

حیات روزمرہ کے تختہ نامک پر تینے تھیں یہ تافو ماکھیلے جاتے ہیں - یہ استے عاجز باطن - اتنے مسرت ہیز دہوتے جتنے کہ ہیں - اگر جھوٹ کی تار پر سٹیک کی پتییاں نہ چاہیں +  
عشق و عشق عیش و عشرت - یا روں کی باری - بلکہ دشمنوں کی دشمنی بھی - اور بندہ پرور ! دس دندوں کی نکتہ آفرینی تک - یہ سب کی سب چیزیں جھوٹ کے بغیر بیکہ - دروغ سے علیحدہ نہ کر اپنے آپ سے ہی برسر پیکار +  
جھوٹ نہ ہوتو ملکوتوں کی مشاودتی مجلسوں کا شیرازہ بکھر جائے - کوئی منہ خاندانوں بلکہ منافقانہ قاعدہ بھی رواج نہ پائے - رعایا دہی کے سرگئے اور داعی کے منصوبے خاک میں مل جائیں اور وہ منگی کھائے +

### جھوٹ کی عالمگیری

دروغ کو دروغ نہ ہوتو عدالتوں میں توبولے - حکام کرسیوں پر بٹھے کمیاں مارا کریں - تجارت کی کسار بازار ہی ہو - گاہکوں کے اٹھا طاکا یہ حال ہو کہ دو کا ڈار صبح سویرے ہی دوکان بڑائیں - روپیہ کی منڈی سونی ہو جائے - قرضدار دوڑتے ہوئے آئیں کہ ترنس چکا ہیں - پھر ہموکا دو پیہ واپس لینے سے کانوں پر ہاتھ دھریں - ماں باپ اور استادوں کا رعب خاک میں مل جائے اور عشق عاشقی کا گھڑا پر چڑھا ہو جائے +

یوں تو دنیا سے معاشرت میں - اطوارِ حرب و خوش اسلوب بہت ہیں - مگر جو لڑیسی اور جاڈ بہت - ہم نے درونگونی میں دیکھی اور کسی طریق احسن میں نہ پائی کارآمد یہ ہے - خوشنما یہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کھل بھی ہے +

### دروغ و غمگونی کی نوعیت

پھر اس کی نوعیت ملاحظہ ہو - عمارت اور اقسام پر نظر ڈالیں اور ہر ایک مبنی سے کام لیں - تو کیسے کیسے نفس اور مغرب تصورات ذہن میں آتے ہیں - دیکھئے جھوٹ کیا ہے ؟ دوسرا نام ہے - بہانہ بازی کا جیلہ تراشی کا مثال منوں کا بناوٹ - مبالغہ ظاہر واری اور مصاصی مانڈا باری - یہ بھی جھوٹ مثال میں - دروغ پر بغوغ میں داخل ہیں - پھر بیانات کو خیال کیجئے جو اکثر پیش کرنے پڑتے ہیں - ان میں تفصیل سے پرہیز نہ تکمیل سے گریز - اور اجمال کے نام سے آٹھ پونے واقعات کے اظہار پر اکتفا - اسے بھی جھوٹ کا جزو لازمہ فکر سمجھئے - اور ہاں ملکی معاملات میں تدبیر جھوٹ کی اہم ترین شاخ ہے - یہ نہ ہوتو دنیا کی اقوام کا ملکی نظام درہم برہم ہو جائے - نیز وہ فراست اور وہ حکمت جس میں دوختے جھوٹ اور ایک حقد سچ کا ہوتا ہے اور جس کے بغیر امتوں کو راجہ راست پر لانے کئے چارہ کاری نہیں +

### قدرتی اور اکتسابی دروغ گوئی

انسانی طبیعت کی سب سے بڑی خصوصیت ہے - خوش قسموں کو قدرت سے ودیعت ہوئی ہے - مگر جواب کو یہ سادات نصیب نہیں ہوئی - تو اکتساب سے بھی اس کا امکان ہے - ہاں کوشش و کارہش دو کا رہے ہیں آج ہی آغاز کو بیچہ انجام بخیر ہوگا - تھوڑی - افسانہ نویس - نامک نگاری - شعرو شاعری یعنی فی الجملہ ادبیات - اس کا رنگ ہی بے رنگ ہو جائے - اگر آپ تھوڑے یا بہت لمبی حسب ضرورت جھوٹ سے کام نہ نکالیں - اوسط

## امریکہ کی مثال

امریکہ میں امتناع شراب کا قانون کتاب قانون میں کال ہے۔ مگر کتاب کے اوراق کے باہر دیکھتے تو زہادوں کی گڑیاں نہیں حضرت ٹویاں۔ برابر اُچھلتی نظر آتی ہیں۔ مردانِ بادِ عوار دن دھاڑے بوتلوں پر بوتلیں لٹھ حملے میں۔ مچھلانگری پیاسے اور شربت آتش سے شاد کام نہ ہوں؟ ناممکن۔ وہاں وسائل مسترت میں سب سے اونچا مرتبہ دختِ مذہب پایا ہے۔ چنانچہ بڑھے اور پھولے جھوٹے قانون امتناع طافِ بے علی پر بھرا ہے۔ اور بے پستوں کا طوطی بولتا ہے۔ غرض جتنا فروغِ دروغ ہے اتنا دنیا بھر میں پایا۔ دنیا بھر میں کہیں اور کبھی نظر نہ آیا۔ مگر عجب کدن ہمارے پایہ۔ اس لئے دیکھتے کہ امریکہ اہل نے اس باب میں بیضال کمال کیا کثرت رائے سے قانون بنایا اور کثرتِ عمل سے یوں اس کے پرچے اڑائے کہ وہابی دا +

## امن عالم

”جمیت الاقوام“ کتنی سہلے جنگ سے اٹھ اٹھاؤ۔ اگر ہوس است میں قدریں است۔ مگر اسلحہ جنگ کی تیاری سب اہل کی تکلیف دہی۔ دو نہیں روکنی امن کے لئے زانی جمع خرچ جتنا کئے اور جتنا مانگئے موجود۔ مگر عمل کی جگہ اللہ کا نام یہ سب جھوٹ کی کرشمہ سازیاں ہیں +

## دنیا کے خیال

تخلیق بشر۔ آخر فیضِ ادبیات۔ اس مرکب کو مگر کوئی چیز تازیا نہ لگتی اور آسمانوں تک دور آتی ہے تو وہ کیا ہے؟ یہی جھوٹ + مصنفوں کے۔ مصوروں کے۔ شاعروں کے شاہکار۔ ان کا وجود حودہ شود میں کیونکر آتا۔ اگر دروغ ان کے قلم اور موئے قلم کا قند نہ جتنا +

## دماغی نشو و نما

کہتے ہیں کہ ”دروغ عموماً حافظہ نداشت“۔ یہ بالکل غیر صحیح۔ قطعاً ناداشت۔ ”ع“ (الغلط جھوٹ دعویٰ باطل) حقیقت یہ ہے کہ جھوٹ سے بڑھ کر کوئی شے حافظہ کو قوت نہیں بخشتی۔ کوئی چیز یادداشت کو کثرتِ مشق سے تربیت نہاں پایا کا مال نمونہ نہیں بناتی۔ ثبوت اس آدھ کا ظاہر ہے۔ اگر آدمی ایک مرتبہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کی صحت اور صفائی کو بال کر لئے اسے صدق و مصفا کی رونق دینے کے لئے ایک جھوٹ اور بولتا ہے۔ پھر جب اسے کتنی نہیں پاتا تو اس میں مزید ضاد کرنے کے لئے ذہن لڑتا ہے۔ اور اگر صاحبِ دانش ہے تو کامیاب ہوتا ہے۔ اس طرح اس کا ذہن جھوٹ کی تخلیق سے قوت پاتا ہے۔ اور یادداشت کی

حافظت مشق کی کثرت سے قوی تر ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ذہنیت بجائے خود بدل جاتی ہے۔ اور تحقیق دروغ کا عمل نصرت آسان ہو جاتا ہے۔ بلکہ قدرتا ہونے لگتا ہے۔ دماغ ایک چھاتن جاتا ہے۔ بلا کوشش اور بغیر کوشش کے جھوٹ اڑا کر آتا اور چھاتی سے چٹتا ہے +

## جناب سعدی کا نظریہ

چچا سعدی ۲۷ یوں تو خلعت و مغلط کے سینکڑوں ہزاروں ملکوں کی وراثت ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ مگر اہم ترین اور بہترین دانشمندی اس فقرہ میں بند کر گئے جسے انھوں سے لگھا ہے۔ اور دل میں جگہ دیکھنے یعنی ”دروغ“ مصلحت آمیز ہے اور راستی، فتنہ انگیز، واقعی جس سچائی سے آدمی آدمی کا دشمن بنے کیوں نہ اس جھوٹ کے سامنے ماذہ ہو جائے۔ جس جھوٹ سے کہ دوستی کا پہلو نکلے۔ تو یہیں بیچو۔ انتہا ہو گئی۔ صدی سے بڑھ کر ہم کس سرچشمہ بینش کو سونپتے

## ضرورت آگہی

حقائق حیات بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ آدمی دنیا (یعنی طائفہ خوشحال) کو یہ خبریں کہ دوسری آدمی دنیا (یعنی گروہ ناداران) کیسے زندگی بسر کرتی ہے۔ کیونکر قوت لاپرواہ حاصل کرتی ہے۔ کن ہفتوں اور مہینوں کو برداشت کرتی ہے۔ مطلب ان کا اس سے یہ ہے کہ بے خبروں کو خبردار جانا چاہئے۔ تاکہ وہ اپنے ہم جنسوں سے ہمردی کر سکیں اور ان کی طرف سے نیکی کا ہاتھ بڑھائیں ہم کہیں گے کہ فی الواقع یہ برا شخص رویہ حیات ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہوا نشان خرافت۔ مگر اس سے اہمتر حقیقت یہ ہے کہ ”آدمی دنیا کو یہ آگاہی نہیں۔ کہ دوسری آدمی دنیا کس قسم کی دروغ گوئی کو شمار بنائے ہوئے ہے۔ گو یا اگر اس بات کا علم حاصل ہو جائے۔ اس نادانی کے بجائے ”دانائی“ کی راہ نکل آئے اور اس طرح لوگ جہالت (یعنی دوسروں کے دروغ کے متعلق جہالت) اور اس کے ضلعی نتیجہ نقشب پر غالب آجائیں تو دنیا کا سیاسی اور اقتصادی ہیجان ایک بہت بڑی حد تک دور ہو جائے۔ خفا۔

## قصیدہ ہند

دور ہی کیوں جا بیٹے۔ اسی کشمکش و کشاکش بین انبرطانیہ و الهند پر ہی نظر ڈالئے۔ اک سیدی بات ہے کہ اگر کنگز سبوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ حکومت برطانوی کتنا جھوٹ اور کشاکش پر دل رہی ہے یعنی یہ پتہ لگ جائے کہ ذوقِ غالب یعنی مگر یہ کس حد تک مراعات دینے یا یوں کہنے کہ ہار ماننے کو تیار ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اور بدتر آخر کس حد تک۔ دولتِ سیاسی اور دولتِ اقتصادی کا ہند کیوں

(۴) علمی اور ادبی درونگلوئی +

یہ جو اتنی قسم کی درونگلوئی ہے۔ اس کے متعلق اسی موقع پر ہم تبصرہ کرتے دیتے ہیں۔ کہ یہ اس حق ترین دروغ گوئی ہے۔ وہ چرچہ جس طرح انسان کو نیکی محض نیکی کی خاطر کی جا رہی ہے اور کسی معاوضہ میں انسانی اور وحشی کو انسانی کی بھی توقع نہ کہنی چاہئے۔ نیز جس طرح علم کی تحصیل علم کی خاطر ہونی چاہئے۔ نہ کہ طلبِ شہرت اور طلبِ زر کے لئے۔ اسی طرح علمی اور ادبی درونگلوئی خود اس کی خاطر علم میں لانی چاہئے۔ پس جہاں آپ علم اور نیکی کو کسی مقصود کے حصول کا وسیلہ نہ بنائیں۔ بلکہ انہیں بجائے خود مقصود ٹھہرائیں۔ وہاں علمی اور ادبی درونگلوئی کو بھی اسی قبیل سے سمجھیں +

آئیے اب باقی سیمو نہ دروغ گوئیوں پر غور کریں +

### فہم و فراست کا معیار

معاشرتی دروغ گوئی کی بہترین مثال یہ ہے۔ کہ آدمی فہم و فراست کو کھانڈ کر بنائے اور آدمی کے پونے جھوٹ کے ہاتھ میں یہ چھپا دے۔ ہر دو فوٹو اس خوبصورتی سے زندگی کے بھگل کوشش کے اکھاڑے میں لائے۔ کہ کھانڈی سے ہٹنا ہو جائے۔ فہم و فراست نام ہے اس قوت کا جو آدمی کو یہ اصول بتا دے کہ کھانڈی سے کس فیصدی بیخ تو بہر حال بیکار ہے۔ اور غریبی ہے تو اس میں کہ آدمی انسانی بار یک بنی ہے۔ یہ نازک فیصلہ کر کے کہ سو میں سے کتنے فی صدی جھوٹ لازم و لا پ ہے۔ اور کتنے فیصدی غیر ضروری بلکہ ضرر رساں۔ اس فہم و فراست کو معاملات ملکی میں تدبیر کہتے ہیں +

### محبت اور مبالغہ

عشق و محبت کی دنیا میں اقرار و انکار اور اظہار و شوق۔ اور ادا و لگی بشارت۔ بلا چرچہ کہ محبت جب محبوب کو قفسہ میں لانے اس کی محبت پر قابو پانے میں تنہا ہے تو جیتنے اور ہار کا رونا ہے وہ سب کے سب سو فیصدی سچ نہیں ہوتے۔ مگر یہ کہ وہ صاحبِ فہم و فراست ہوتا ہے۔ اس لئے جتنا شہسہ کہ محبت محبت میں ہر شہسہ کا استعمال میں جائز بلکہ فرض میں ہے۔ وہ اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ کج کے مدحی اسے کیا کہیں گے۔ اسے تو ایک جنگ کرنا اور کامیاب ہونا ناظر نظر ہوتا ہے پس وہ کام کی راستی کی حماقت کے وہم توڑ میں نہیں چھٹتا۔ اور نزدیک سے نزدیک راہ (یعنی مناسب جھوٹ کی راہ) پر گام فرمائی کرتے ہوئے جلد سے جلد منزل کو جا رہا ہے +

دسے ڈالنے پر آمادہ ہیں۔ اس باب میں ان کے دل کا منہ یہ کیا ہے اور اگر ”جنگ آمد جنگ“ کا منہ ہی ان پر ہے تو ان کا نتیجہ کس قدر کھڑکیوں دکھانے اور ہٹ دھرمی پر کاربند رہنے کا ہے۔ اور نیز برطانویوں کو بھی اس کا ہی حاصل ہو جائے کہ مگر کسی ”داسے۔ دسے۔ دسے“ نکتے، کس حد تک انہار کے لئے تیار ہیں اور زبانی و عہدوں سے قطع نظر پس پردہ کس قدر توفیق عمل رکھتے ہیں۔ کہاں تک بھارت، مائتار، تن اس، دھن، پنچا و کر کے زور کے اہل ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ گوانگے کو ”ساری“ مانگتے ہیں۔ مگر دراصل ”آدھی“ پر ہی قانع ہونے اور اسی کے پانے پر خوشی کے شادیاں نہ بکانے اور اسی کو قیمت سمجھنے کے لئے بھی برطانیہ کی طرف سر کے بل دوڑنے اور دونوں بازوؤں سے اس کو آغوش شوق میں لینے کے لئے راضی ہیں۔ غرض اگر فریق غالب برطانیہ اور فریق مغلوب ہند دونوں پر ایک دوسرے کا جھوٹ واضح ہو جائے تو دیکھئے کہ جنگی بجائے میں یہ سا دروازا کھلا جائے۔ یہ تمام تنازع وقت بالآخر کے ہٹنا ہو جائے +

### جھوٹ بولو اور بولنے دو

دنیا میں ہم آپ سبھی یہ بات سنتے آئے ہیں کہ ”زندہ رہا اور زندہ رہنے دو“ یعنی ”مرگناں مرج“ ہونے کی اہلیت حاصل کرو۔ یہ بھی ایک نکتہ خوب ہے مگر اس سے بڑھ کر اور اہم تر جو نکتہ ہے اور ستر و شادمانی کا نسخہ ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ خود جھوٹ بولو اور دوسروں کو بولنے دو یا چنانچہ اس پر عمل نہ کرنے سے ہی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ فحشی رونما ہوتی ہے۔ دیکھئے اور غور کیجئے۔ اور کتنے کس اور منصف مزاح تو یہاں تک کہ دوا لیں گے کہ مگر یہاں میں نہ ڈالیے اور چلنے انصاف آپ کے ہی ہاتھ دیا جاتا ہے۔ کہ فیصلہ کیجئے اور بتائیے کہ آپ کو یہ حق کس طرح پہنچتا ہے کہ آپ خود دروغ کا شمار اختیار کر کے دیکھیں لیکن آپ کو ہمارے کے جھوٹ پر خفا ہو جائیں نہیں۔ بندہ نادان نہیں۔ اس دنیا میں جب تک وہ دونوں اعمال یعنی ”دنیا“ اور ”لینا“ ہمارا کارنامہ ہوں گے۔ کام نہ چلا سکیں۔ جھوٹ بولنے اور ضرور بولنے۔ آپس ہرگز خطا نہ کیجئے۔ مگر دوسروں کو بھی بولنے دیجئے +

### اقسام درونگلوئی

عام طور پر ہم جھوٹ کو چار اقسام میں منقسم کر سکتے ہیں یعنی

(۱) معاشرتی درونگلوئی +

(۲) کاروباری درونگلوئی +

(۳) خانگی درونگلوئی۔ اور

فیصلوں پر غور کرتا اور فوراً سمجھ لیتا ہے کہ اسے کیسے مال کی توقع رکھنی چاہئے جس کی اتنی اور اتنی قیمت کا مطالعہ کیا جا رہا ہے +

### زن و شوہر

خانگی دروغ کوئی سے اہم تر کوئی دروغ نہیں ہے۔ وہ خاوند اور بائندھوں کو گرفتار خانہ داری کس قدر بیجا نہ دانش ہوگا۔ جو گاہے گاہے اپنی جوی کو مجبورہ کے لقب سے نہیں پکارتا اور حسب ضرورت اس کے حق و جمال اور سنگھار اپنے اور طبع کی تعریف نہیں کرتا۔ اور وہ جوی بھی کہیں دانا دکا ہواں قرار پاتی ہے جو اپنے بھلے بیٹے کے مزاج کی اور جہانی خوبیوں کو اس کے باپ سے پائی ہوئی وراثت نہیں بتاتی۔ حالانکہ اپنے دل میں کامل یقین رکھتی ہے کہ بچے نے خوبیاں اور خوبیاں تو سب کی سب مجھ سے پائی ہیں اور طرز بیان الہیہ تمام کمال جناب والدہ ماجدہ سے۔ یہ خانوں خوب سمجھتی ہے۔ اور یہ اس کے صنف کا اس کی نوع لطیف کا عنصر انہما ہے کہ حسب ضرورت دل کھول کر جھوٹ بولے۔ اور اس کے خلاف صنف وحشی کا یہ حال ہے کہ چاہت کی بازی میں اکثر ہارنا ہی رہتا ہے۔ وجہ یہ کہ دروغ گوئی کی قابلیت اس میں نسبتاً بہت کم بلکہ ہی کو کم

### صداقت تلخ

افرض کبھی نہ بھولے گا کہ سچ بڑی کڑی شے ہے۔ اس سے جہاں تک ممکن ہو پرہیز کریں۔ دیکھئے اگر تمھاری کھلانے سے کوئی مرے کو تیار ہو تو اسے تلخ نہ کھانا چاہئے کیا ضرورت تھی بات یہ کہ عجب کون اپنے لیے ایسا یعنی اگر آپ سچ بولنے کے عجب کیسے ہی دلاہد ہیں تو اسے کوئی بھی دروغ نہ کہنی ضرورت ہوگی پس چند لمحوں کی نیامیں دیکھ کر فراموشی سے

### غلام جعفر فی اے

### ناخن بر جگر

معاشرتی دروغ گوئی کے سلسلہ میں آپ یہ فراموش نہ کریں کہ مٹا ایک دوست نے آپ کو کھانے کی دعوت دی ہے۔ کھانا بے مزہ ہے اور خنڈا۔ مگر کیا آپ حق نہوں گے۔ اگر آپ میزبان یا میزبانہ کے منہ پر جھوٹ شکایت نہ بان پھلائیں نہیں بنیں۔ آپ یقیناً ایک دانشمند انسان ہیں پس آپ کھانے کی تعریف کریں گے۔ اور اس میں مبالغہ سے بھی کام لیں گے نتیجہ جو جگر بار بار بلائے جائیں گے۔ اور آئندہ پر تکلف اور لذت کھانا پائیں گے۔ کیونکہ بات یہ ہے کہ آپ کے میزبان صاحب یہ توقع نہیں۔ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ اس شام کھانا اچھا نہ تھا۔ اور آئندہ اسکی تلافی کرنے کا بھی ارادہ کرچکے ہیں۔ لیکن بچا جسے آخر انسان ہیں۔ اس لئے پسند نہیں کر سکتے کہ ان کے کھانے کی مذمت کی جائے۔ اور آپ کی دوستی ان کو دل سے بھٹا اگر آپ سچ بولتے تو آپ کے الفاظ "ناخن بر جگر" ہوتے +

### اقتصادی دنیا میں جھوٹ کی ضرورت

کاروباری دروغ گوئی کے مختلف دامن اکثر اوقات راستی پسند و مکرر دہلیہ بنایا۔ مگر اس سے یہ طلب نہیں کہ سو فیصدی دروغ گوئی کو ہم آپ اپنا شعار بنائیں نہیں صرف ضروری دروغ گوئی کافی ہوگی۔ اخباروں میں اشتہاروں پر نظر دوڑائیے۔ کوئی غلط نہ دیکھتے والا۔ اور جیسے خریدنے کے ارادہ کرنے والا مشترکے تمام بیانات کو باور نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے کہ شہر کو اپنا مال فروخت کرنا ہے۔ اور اس لئے قدرتا کچھ نہ کچھ جھوٹ ضرور بولا ہوگا۔ پھر وہ چیزوں کی

(خاص)

### مولانا نیا ز فحشوری کی کتابیں

بھی اور مولانا کے مخصوص انداز میں۔ اس کتاب نے بقول بلند شہر با طیف اور انشاء لاف کی دنیا میں بھیل ڈال دی ہے۔ بچوں کے مطلب کی نہیں ہے۔ بڑی عمر کی عورتوں اور مرد شاہین دوسری مرتبہ آپ وہ اب سے شائع ہوئی ہے قیمت صرف ۱۰/-  
شہاب کی سرگزشت اس افانہ میں چاندنی خصوصیات و حوا کے دوسرے افانوں میں بہت کم مصلحتی انداز میں زندگی کی حقیقت کیفیات خوشی اور غم پر جو انقبول کا زامہ لکھا جاتا ہے۔ بچہ کو سچے بہ قیمت صرف ۱۰/-  
ایسے بچوں کے مطلب کی نہیں۔ بڑی عمر کے مرد و عورت مصائب +  
پتہ: منیجر سالانہ نیرنگ خیال بک ڈپوٹا ہی محلہ لاہور

اور وہ زبان میں اپنے موضوع کی پہلی قابل قدر کتاب جس میں لکھا گیا ہے کہ دنیا کی تہذیب اور شائستگی عورت کی کسی درہمچون احسان ہے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں عورت نے کیا کیا اصلاح کی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے عورتوں کو انجی قدر معلوم ہو جائے ہے۔ اور وہ سلیقہ مند بلکہ جود مند بنتی بنتی ہیں۔ یہ کتاب کتب خانوں کے لئے مکرر کا ہی طور پر چننا ہے۔ بڑی محنت اور جانفشانی سے لکھی گئی ہے قیمت ۱۰/-  
ملک کے مشہور لائبریری اور مولانا نیرنگ کے دینی شاہکاروں

### نگارستان

کا مجموعہ جن میں دلاہد یزمنڈا میں بھی ہیں اور بدلت افانے

# شیطان

ایک افسانہ

امیرا چھٹاسفر

## ”سیاح عورت“ کی زندگی کا اک واقعہ

مترمد مس حجاب نہیں کے تلم سے

”اور قیام کہاں کریں گے؟“ اس نے پھلی کی چھری رکابی میں کھتے ہوئے کہا +

میں نے کس قدر ساق کے بلکہ ”پیارے جوتے“ میں اعتراض نہ ہو تو اسی عمارت میں +

”مجھے اعتراض ہے! میں ہرگز نہ چلوں گی!“ اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے کہا، کیونکہ ان دونوں آسے دوسرے دوسرے پڑتے تھے +

”دیکھو؟ تمہیں اعتراض کیوں ہے؟“ میں نے سوال کیا +  
”دیکھو کیا؟ میں نے اس عمارت کے متعلق عجیب وحشت ناک خبریں سنی ہیں اور پڑھی بھی ہیں +

میں مسکرا کر بولی ”پڑھی بھی ہیں! تعجب! ایسا کونسا فالتوا اور وہابیات اخبار جو کہ جس شیطان کے جدید کارناموں کے متعلق خبریں پھیلتی ہوئی!“  
جوتے چرگئی ”تم کو ہنسی مذاق سوچتا ہے! اچھی بات ہے شائد غار رہو، مگر کسی کی ذاتی رائے یا خیال کو ہنسی میں آنا اچھی عادت نہیں +

”میں تم سے سنا ہی چاہتی ہوں!“ میں نے ہجرت سے کہا +  
جوتے ہنسنے لگی ”نہیں اس کی ضرورت نہیں! میں خفا میں ہوتی تھی۔ مگر رومی! (رومی مراداف نوری نام) مجھے تمہاری اور اپنی زندگی پیاری ہے! اس لئے وہاں نہیں ہرگز نہ جانے دوں گی!“

مجھے بہت ہنسی آئی، میں نے کھاس میز پر رکھتے ہوئے کہا ”وہابی لڑکی! تم ہمیشہ کی بھولی بھالی ہو! پیاری جوتی! اپنا چہرہ تو دیکھو! کیسا مرعہ کیا اللہ

۱۹۳۱ء کے موسم بہار میں جب میں بصرہ سے کٹوری آئی تو میں نے اپنی دوست خاتون جوتی کو اعلیٰ کمزوری اور دائمی بیماری میں مبتلا پایا +  
میں نے اپنے طبی مشیر کرنل وائس آئی ایم ایس سے ان کا معائنہ کرایا تو کرنل نے تبدیل آب و ہوا کی ضرورت بتائی۔ ساتھ ہی ایک پرفضا مقام کیس کا نام بھی لے لیا جو کٹوری سے تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے +  
لوگ کیس کو کٹوری کے راستے سے جاتے ہیں۔ عموماً دھوکے کے باتندہ کشتی یا بجرے کے سفر کے مشقین بھی ہوتے ہیں۔ اگرچہ موٹر بھی جا سکتی ہے مگر چھریے راستوں اور تاجوار سڑکوں پر موٹر کے مارنر خراب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے تیار کر لیا کہ کشتی پر وہاں جوتی کو لے جاؤں +  
خافا ماں سے دریافت کرنے پر جہیں معلوم ہوا تھا کہ کیس ایک تفریح گاہ ہے جہاں سرخ گلاب اور شاہ بلوط کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔ وہاں جانے کا مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ پہلی مرتبہ اس سرزمین گلاب کا ذکر کتبہ بیسی سیر و سیاحت کی دلدادہ عورت سے نہ رہا گیا۔ اور جانے کا مصمم ارادہ کر لیا +

ہم نے یہ بھی سن لیا تھا کہ وہاں کوئی ہٹل وغیرہ نہیں ہے۔ اور کرائے کے مکانات بھی بالکل ملتے ہیں۔ مگر کڑاؤں سے کسی قدر فاصلے پر اک پڑائی عمارت عالی ہے۔ جو بیروں سے اسباب زندہ ہونے کے سبب غیر آباد پڑی ہے۔ البتہ یہ عمارت ہم کو مل سکتی ہے +

رات کے کھانے پر میں نے جوتی سے کہا۔ ”تم پر سوں صبح تک تیار ہو سکو گی؟ ہم کیس جاؤں گے؟“

جکلی کروں سے بالکل بچھاؤ رہنا میرے خیال میں بڑی بے بسی ہے!“  
جسوتی ہنسنے لگی۔ ”جیسی تمہاری مرضی! تمہاری ہی خواہش ہے  
تو میں اٹھاؤں کسکتی! تمہاری خواہش ہی ہے تو چلو کیسا میں! مگر  
مجھے تو زندہ رہنے کی امید نہیں! مجھے شیطانوں سے ڈر لگتا ہے +  
اتنے میں میری بوڑھی انا زناش! اٹھ میں مجھے ہوئے عورت کی  
رکابی لئے آگئی۔ اس حبش نے بھی ساتھ چلنے سے حسب معمول انکار کر دیا۔  
ہم نے کھا نا ختم کر دیا تھا۔ جسوتی نے اپنا رومال بونڈو میں بھگو کر سر  
پر لیٹ لیا تھا۔ اور ایک کوچ پر غم و راز تھی۔ اس درپچے کے آگے جتوں کی  
سُری سرسراہٹ کھنکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پر یاں! آپس میں  
ہنس بول رہی ہوں +

”آس شب زناش نے عریضام کے اشتہار نہیں کھائے بلکہ نہایت سہمی  
ہوئی میرے پاس آئی اور کہنے لگی: ”خاتون! میں سرگزند چلوں گی۔ میں ابھی  
تک کچھ سفروں کو خیال کر کے رزاکر رہی ہوں!“

میں یوں اور رنجیدہ لہجے میں بولی ”خیر! یہ وہ نہیں! اندام تو دونوں کو  
خوش رکھے مگر میں ضرور دیاں جاؤں گی۔ اور ایک دو ماہ دیاں صبر کروں گی۔  
یہ سن کر جسوتی کو توبہ ہوا۔ مشرقی گرم ممالک کی آسب پرست ہوا  
میں پٹی ہوئی عورت! اور شیطان سے استغاثہ کیا کہ! تعجب!!

— (۳) —

تیسرے دن نور کے تڑکے ہم لوگ کشتی پر چلے گئے۔ ساتھ ہم نے زناش  
حبش کے علاوہ جسوتی کے محبوب خانہ زو کریم کو بھی لے لیا تھا +  
موسم بہت اچھا تھا۔ ہوا خوشگوار اور سرد تھی اور آفتاب سینے آسمان  
پر چمک رہا تھا پانی کے سفر کے لئے ایسا موسم بہترین ہوتا ہے +

مگر بوڑھی حبش اس سفر سے کچھ زیادہ خوش نہیں تھی۔ اس کو سرد  
سیاحت سے مطلقاً دلچسپی نہیں تھی۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ گھر میں رہے اور  
عریضام کی باعزت گھبرا کرے! اس وقت اس نے ایک سرخ چادر بوڑھی  
تھی۔ اور کشتی کے پہلے سرے پر بیٹھی اپنی گڑبڑی ہوئی عریضام میں ایک سدا  
مذہبی گیت گات رہی تھی۔ جو عموماً پانی کے راستوں پر اس لئے گایا جاتا ہے کہ  
اندھاری کشتی کا گھبراہٹ ہو۔ ہم ڈوب کر نہریں! غافلانہ کریم کشتی کے  
اوپر چڑھ بیٹھا تھا۔ میں بالکل درمیان میں ایک آرام کو کسی پریشانی سے آگاہ  
کا ایک فائدہ چڑھ رہی تھی۔ اور ندی کی سبز اور نیلی لہروں کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

ندھو چلیا ہے! تمہاری صحت بگڑ رہی ہے! تم بالکل نرک سے صاحب خراش  
ہو جاؤ گی! میں تمہیں ضرور وہاں لے جاؤں گی +

”مگر وہی!“ اس نے اپنی باریک آواز میں کہا ”کیساں جانا کیا ضرور  
ہے؟ کیا صحت کے لئے ہم کہیں اور نہیں جاسکتے؟

”ضرور۔۔۔۔۔۔ کیوں نہیں جاسکتے؟ مگر جسوتی ہم جانتی ہو کہ  
مجھ خواب و افانے کی شہیانی۔ روح کو سرد سیاحت سے بہت دلچسپی ہے۔“  
”خدا کی پناہ!۔۔۔۔۔۔ جانے تمہارا یہ شوق آئندہ چل کر کیا گل کھائیگا!  
ایک دفعہ تو تم نے اسی شوق میں اپنے ساتھ مجھے بھی ”جھلی قوم“ کے ہاتھوں  
گرفتار کر دیا تھا!“

میں نے کانٹا اور چھری جو ڈکر رکابی میں رکھ دی اور ہنسنے لگتی۔ لیکن میں  
کہنے لگی:۔۔۔۔۔۔ وہ میرا سرد سفر تھا! اس لئے نا تجربہ کار تھی۔ جسوتی! میں نے  
اس خوفناک واقعہ کا ذکر اپنے سیاحت نامے ”سیاح عورت“ میں بڑے پخت  
انداز میں کیا ہے۔ ”بلوچی“ کے عنوان سے یہ حالات قلمبند کئے ہیں۔ سچ  
پوچھو تو سیاحت نامے کے ایسے ہی باب سنا ہوں کی زندگی کو بھلنے کو  
ایک دلچسپ اور عجیب افسانہ بنا دیتے ہیں! مجھے افسانے کی سی زندگی بہت  
پسند آتی ہے +

جسوتی نے اپنی سیاہ جکلی آنکھیں حیرت سے تھوڑی دیر کے لئے بند  
کر لیں۔ پھر بولی ”روحی میں باؤ آئی ایسے افسانوں سے! مجھے تو اب سرد  
سیاحت سے دشت ہونے لگی ہے۔ دل میں چاہتا ہے کہ بندہ لوہاں جاؤں۔  
حرم سرا کی اونچی اونچی دیواروں کی محفوظ فضا کی زندگی مجھے یاد رہی ہے!“  
”مگر مجھے ان دیواروں سے نفرت ہے۔ یہ اونچی اونچی دیواریں ہمارے  
پیداؤں کی آواز کی کو غصہ کر دیتی ہیں! میں نے جواب دیا +

”حیرت ہے! تمہارا ایسا خیال ہے؟ روحی! پھول دار اور مٹی قالین  
پر بیٹھے ہونے کبھی شہر کی گلیاں کبھی نماز پڑھنا کھانا کھانا کھانا اور پخت  
تیا!۔۔۔۔۔۔ اتنے نے اپنا کھا نا ختم کر دیا! باتوں باتوں میں!“

”ہاں شکریہ جسوتی! میں نے کھا نا ختم کر دیا۔ ٹھیک ہے! حرم سرا کی  
چادر دیواروں میں پھول دار قالینوں پر بیٹھے شہر کی گلیاں! اور قوم کے پیالیاں  
خانہ گزرا اگرچہ بہت پر پخت ہے۔ اور سیاہ باریک جالی کے نقاب سے چھو  
چھپائے سرخ نقاب اوتیز و چھیلیں کا لیاں میں تو نہایت ہی سرور آگیاں  
زندگی ہے۔ مگر جسوتی! افسانہ دہات عالم اور تجربات زندگی اور آفتاب کی زرد و

سیاہ غلام اور اونچی ٹھوڑی والا آدمی تھا۔ عموماً ایسے ہی لوگ قوم پرست ہوتے ہیں۔ کریم کی ٹوڑھ دو گھنٹہ کی سسلس کو سنش کے بعد اس نے قصہ بیان کرنا منظور کر لیا۔

”یہ گھمسات سال سے قریب آباد چاہے۔ اب اس کا ملک میں نو وہوں۔ کئی سال ہونے یہاں میں فوجی آئے تھے۔ مگر سچ کو ان سب کی لاشیں برآمد ہوئیں صرف تین اپنی جان بچا کر بھاگ سکے۔“

”وہ گھمسات کی اصلیت کیا ہے؟ کس نے انہیں ملک کیا؟ کریم نے دریافت کیا۔“

”افغان کہنے لگا۔“ جیسے کی آخری تاریخوں میں جہاں ایک کنکن پوش روح آتی ہے۔ اس کے ساتھ دو اور کنکن پوش ارواح ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک روح اس عمارت میں رہنے والوں سے خیرات مانگتی ہے۔ اور ان کی اکثر چیزیں غائب کر دیتی ہے۔ اگر اس وقت مزید سے انکار کرتا ہے یا جو ر سمجھ کر پولیس کی امداد چاہتا ہے تو اس کی فوری موت واقع ہوتی ہے۔ گاؤں کے لوگ عموماً اسی لئے اس عمارت کی طرف رخ نہیں کرتے۔ لیکن تین لوگ ایسے کبھی آجایا کرتے ہیں!“

”عجیب بات ہے! میں نے کہا۔ اگرچہ یہ کہانی سن کر میری بھی روح لرز گئی۔ مگر مولیٰ۔“ خیر منافق نہیں جیسے کی آخری تاریخوں میں ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ کریم! دروازے کھول دو۔ فرش صاف کرو۔ اگر برقی چراغ کے بلب ٹوٹ گئے ہیں تو کمو۔ میں شکر کرتا دوں گی۔“

”بہت خوب“

دو دانش اور کریم مکان کی صفائی اور آراستگی میں منہمک ہو گئے۔ یہ عمارت بہت اچھی جگہ تھی۔ سامنے ایک جھیل تھی۔ دونوں طرف کھلے اور مارود کے باغ تھے۔ دیوار کے درخت بھی بکثرت تھے۔ باغچے میں مشرقی طرز انگور کی بیل تھی۔ سرخ گلاب کھلے ہوئے تھے۔ چار فوارے تھے جس پر عورت کے ٹیٹ استادہ تھے خوشگوار اور تفریح بخش مناظر خوف کو کم کر دیتے ہیں۔ جسوتی کا بھی ذکر ہو گیا تھا۔

شام کو تھوڑی دیر کے لئے نادبھی رنگ آفتاب اوپر نکل آیا۔ عمارت کا ایک ٹیٹا صاف ہو چکا تھا۔ دو دانش نے چاندنی میں اور جھولی چاندنی کر تھوڑی دیر کے لئے باغ میں گھومنے کے لئے نکل گئیں۔

تھوڑی دیر میں آفتاب غروب ہو گیا۔ بہر حال تاریکی جیسں گئی۔ مولیٰ کو

مگر جسوتی پشانی پر لیوٹر میں جھگو یا ہوا رد مال رکھ کر دیکھنے سے سر ہار نکال کر ملاحوں سے کیا اس کے حالات دریافت کر رہی تھی۔

”بھائی! تم اس مشرور عمارت کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو؟“ دو دانش نے ایک ملاح سے دریافت کیا۔

”کوئی اس عمارت میں نہیں جاتا! لوگ مر جاتے ہیں۔ ایک عجیب افسانہ بھی اس عمارت کے متعلق مشہور ہے! ملاح نے جواب دیا اور چپڑو چلانے لگا۔

”وہ کیا افسانہ ہے؟“ جسوتی نے مشتاقانہ لہجہ میں پوچھا۔  
”سن کر میں نے جسوتی کو آواز دی۔“ جسوتی اور آؤ۔ تم چالوں کی سی باتیں کرتی ہو! ایسے شیطانی اور خارج از تحیل افسانے سنو گی تو دیوانی روح! ڈر جاؤ گی!“

مگر جسوتی پرستور کشش کی دیر بھی میں گھمڑی حالات دریافت کرتی رہی میں اپنی کرسی سے اٹھی اور اس کے پاس بگڑنے لگی۔ ”اگر آج آؤ۔ اس بیوہ کی سے بستر تو یہ کہ دو پیا لی چاہ میرے اور اپنے لئے تیار کرو! اس نے چاہ تیار کی اور ہم دونوں نے بٹی۔“

— (۳) —

دن کے کوئی تین بجے ہم کیا اس پہنچے۔

ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ گیت اس میں صرف تین موٹر کاریں تھیں۔ ہم نے ایک ٹیکسی لی اور گاؤں کی چرٹھا اور خوشگوار گھیرتے! ناہوار مشرکوں سے دھیرے دھیرے گزرتے کوئی سارے تین بجے اس عمارت کی پھاٹک میں پہنچے۔

دور سے ہم کو ایک پرانی سرخ اینٹ کی اونچی سی عمارت نظر آئی۔ جب آفتاب کی لہجہ کریمیں اور بارش کے قطرے اس پر چلتے تھے تو عجیب ہولناک مظہر جوتا تھا۔ وہاں پہنچ کر کریم نے ہافان سے سنا کہ اس عمارت کے مشن واقعہ ایک ڈراؤنا افسانہ مشہور ہے۔

”اور مالک مکان کون ہے؟“ میں نے دریافت کیا۔  
”اب تو کوئی نہیں ہے! تین سال ہوئے مالک کا بیٹے سے انتقال ہو گیا تھا!“ ہافان نے کہا۔

”اچھا! اور وہ افسانہ کیا ہے؟“  
”مگر اس نے واقعات بیان کرنے سے انکار کیا۔ اور ڈر دے لگا۔ وہ ایک





اتنے میں باغ کی ایک روش سے جسوتی کی ایک سُر ملی آواز آئی۔ "تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟"  
"تم وہیں ٹھہر جسوتی، اب گ کے قریب نہ آؤ۔ در دسر ہو گا" میں نے جوکی سے کہتے ہوئے کہا۔

زونا شہر ہی تھی، اُس نے ہماری گفتگو تو سنتی نہیں پر آواز کچھ کچھ سُن لی۔ اور ایک خوفناک چیخ ماری، "اُمی! یہ کیا آوازیں ہیں، کون بات کر رہا ہے؟"

ناشتے کی میز پر میں نے جسوتی کو بہت دیر اور پوچھا "رات کیسے گئی؟" وہ انہی بارک آوازیں کہنے لگی تو در دسر تو نہ تھا۔ پر نیند بھی نہ آتی تھی!! رات بھر جسوتی آؤ کی دہشت خیز آوازیں کرے میں برابر پہنچ رہی۔ اسی لئے نیند نہ آتی!!

میں بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "واہ! تم تو ساری رات گھوڑے بیچ کر سوئیں! وہ میں چھوٹا ہی جو جسوتی آؤ کی چیخوں سے بار بار دہشت زدہ ہو کر دیکھنے کی طرف دیکھتی رہی۔" حلقی گڑگڑاتی رہی مگر کھانا کھا کر اُٹھ کر باغ میں گھس گیا۔ میں نے سوچا کہ میں جلا کر دیکھا تو دیکھنے کے پاس ہی لمبی گھاس میں کیڑے تیر رہے تھے؟

"دو تو یوں کو تم ساری رات بہت بڑی کٹی، جسوتی نے فوس کا ایک ٹکڑا کھلنے ہوئے کہا۔"

"بہت بری" میں نے جواب دیا۔ پھر کہنے لگی "مگر جسوتی پہلی رات تھی! آج عادت ہو جائے گی۔ ذرا دیر سی باتوں پر متفصل نہ ہونا چاہئے۔ تم ساری صحت کے لئے یہ جگہ بہت ہی اچھی ہے۔ اب تم امینا سے اپنا ستار بجا کرو۔ سعدی اور عرغام کے اشارہ کو، اور سرخ گلاب کے پانچوں میں گھس کر وہ مختصر یہ کہ ایک سلطان کی سی زندگی بسر کرو۔ کوئی حادثہ پیش آیا تو آمندہ دیکھا جائیگا۔" جسوتی ہنس پڑی۔ "رو تم بڑی بے فکر ہو! تم خود ایک شیطان عورت ہو! اسی لئے شیطانوں سے نہیں ڈرتی!!"

"واقعی تم نے مجھے بچانے میں کمال کر دیا! اب جسوتی! میں شیطان کی خال ہوں؟"

"مگر دوسری! یہ کب عجب واقعات ہیں جن کو زونا شہر بیان کر رہی ہے؟ صبح کیا ہوا تھا؟ کون باورچی خانے میں گھس آیا تھا؟ چیزیں کس نے غائب کی تھیں؟" مجھے تعجب ہے جسوتی! میں تحقیقات کر رہی! زونا شہر سے شیطان

وہ چوکت میں کھڑی باپ رہی تھی۔ اس کی آنکھ شہر کی مانند روشن تھی۔ وہ دست پناہ سے چولے کی طرف اشارہ کر رہی تھی میں باورچی خانے میں گئی۔ دیکھا تو دیکھتے ہوئے کوٹے چولے کے سامنے کچھ پڑے تھے جو کچھ بچہ گیا تھا۔ اور وہ وہ کا گونہ نہ اُٹا پڑا تھا۔

"یہ کام کون نے کیا ہو گا؟" میں نے کہا۔  
زونا شہر بھٹک گئی۔ "بی بی مجھے تم مار ڈالو گی! مجھ سے یہاں نہ رہا جائے گا۔ میں تم مارے پاس بلا خانے پر آئی تھی تو زنجیر مار سے لٹکی تھی۔ صرف دیکھ کر کھلا ہوا تھا۔ کیونکہ کوئی انسان اندر جاسکتا تھا؟ یہ کام اُن کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

میں ڈرتی تھی کہ میں جسوتی نہ آجائے! بار بار اُس سے آہستہ کہنے کے لئے التجا کرتی تھی۔ پر وہ فیصلی میں چھینیں مار مار کر واقعات بیان کر رہی تھی۔ اُس صبح زونا شہر مجھے بوہر ایک جنگل جو یہاں معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی انہیں سرخ ہو گئی تھیں۔ بال آؤ رہے تھے۔ اور پیشانی پر دہشت کے نشانات تھے وہ گفتگو کرتے وقت ہاتھوں کو غیر ضروری طور پر اٹھالتی تھی۔ اور چلا چلا کر کہتی تھی "اُمی! میں یہاں نہ رہو گی!"

کیا یہ ممکن نہیں کہ کوٹے در بچے کی ماہ سے اندر آئیں؟ میں نے پریشان ہو کر ہانپنے کے لئے کہا۔

جسوتی جھٹکا کر بولی "کوٹے کیا اٹھا کر کھاتے ہیں؟"  
"اور میں تو کیا سمجھ رہا ہے تم نے؟" میں نے ہنس کر کہا۔  
"ہنسی مذاق کو رہنے دو بی بی میری کمر تو در کرتی ہے، اُس نے اپنی موٹی اور بھدڑی کمر پکڑ لی۔ اور لنگر اُکھلنے لگی۔ پھر بولی "میں ناشتہ کیسے تیار کروں! اندر کیسے جاؤں! آہ بڑی مصیبت ہے! بلند آسمان! تو ہی نجات دے!"

"کو کیم کیا ہو گیا؟ کیا اسے بھی کوٹے نے اُٹھایا؟"  
"بازار گیا ہے خند لانے۔"

"تو آؤ" میں نے کہا "میں تم سے پاس رہو گی! تم ناشتہ بچاؤ۔" میں ایک جیسوتی سی در بچے کے آگے ایک چوکی پر بیٹھ گئی۔ اور تسبیح پھیرنے لگی۔ زونا شہر ذرا سی تھپ تھپ پر چلنے پر پرتی تھی۔ میں نے ایک دفعہ اُس کو ڈانٹنے کے لئے کمر کی سی سلاخوں پر لکڑی زود سے ماری۔ اور وہ جنگلی چھپلی کی طرح جمع ہو گئی۔ اُمی! مجب تھا تھا!

دن بھر میں بدحواس اور عداوت بھر پوری تھی۔ اور جب رات کے وقت خواب میں لگی تو دیکھا کہ کیوں کو کسی نے پوچ پوچ کر بھاڑ دیا ہے۔ چادر میں جا بجا سوراخ بنے ہیں۔ جیسے کسی نے انھوں سے کاٹا ہو۔ اومیر سے مالک عجیب ڈرنا شروع کیا۔ میرے منہ سے تو ایک بیخ نکل گئی۔ چادر ہم سے لپیٹ کر زمین سے نیچے بھاگ آئی اور زوفاش سے لپٹ گئی +

ان پر اسرار اور خوفناک واقعات کے بعد میں نے کتب خانہ میں تنہا بیٹھا اور مطالعہ کرنا بھی چھوڑ دیا۔ ہم سب پر ایک دھندلے طاری و ساری رہا کرتی تھی۔ ہم چادریں اکثر اوقات تیار کر لیا کرتے تھے۔ ہوا کرتا تھا + میں کچھ عجیب سے اہل بیت کے قصوں کی شائق رہا۔ اس پر نہایت دلچسپی رہی۔ مالک کے دو بون کی کہانیاں بھی میں نے بہت پڑھی تھیں۔ اور پریوں کے افسانوں سے تو مجھے ایک خاص قسم کی دلچسپی تھی۔ مگر شیطان سے کبھی سا بھد نہیں پڑا تھا +

اگرچہ آج ان عجیب وغریب واقعات کو گذرے چند سال ہو گئے ہیں۔ پر مجھے آج تک اپنی سادہ لوح سیمپل کا وہ پرفشان لبوئیں بھولا یا اس وقت جھوٹی کہتا تھا۔ وہی پیاری اہل کو تو س غائب ہوئے۔ رہتا تھا ایک اور بھی ان خانوں نے زوال پال کر ہم کو بھی مضحکہ خیز کیا۔ تو کیا ہو چکا + میں نے اس وقت بخاؤنی ہنسی ہنس کر کہا تھا: "جسوتی! بدور مت! اس غم و غم کی دنیا سے تو ہم شیطان کے پر سکون پیٹ میں ایک خوب صورت زندگی بسر کر سکیں گے" +

~~~~~

اس دن دہلی سے ڈاک آئی تھی + میں صبح ہی سے بہت مصروف تھی۔ جن دنوں کی میں خاص نام نہان تھی ان کے لئے افسانے اور نظریں لکھتی تھیں۔ چنانچہ سوئم تھی جلا کر میں نے صبح کا ناشتہ کر لیا تھا اور دارالعلوم میں چلی گئی تھی۔ جہاں کا فدا کا لکھا ہوا کی سوئی موتی جلدوں نے مجھے اپنے میں دفن کر لیا + شام کے کوئی ساڑھے پانچ بجے میں تھ میں بدادوٹا منسلک ہوئے پائین باغ میں چلی گئی۔ بہت تھک گئی تھی +

سورج ابھی طرح چمک رہا تھا۔ پر باغ میں کبوتر، خشکی بھی محسوس ہوتی تھی۔ موسم بہت اچھا تھا۔ ہوا پھولوں کی بو سے مملو تھی۔ اور آسمان پر ایک خوش رنگ دہشتی چھیل گئی تھی۔ جو عموماً شام کی مالک میں خزاں کے موسم میں پھیلا کرتی ہے۔

کی ساس! تم جاؤ کھانا پکاؤ۔ آج منہ منہ سے کی چیزیں تیار کرو۔ ایک سمنی لبوئیں چھیل کے پیٹ میں مصالحوں کو خوب سرخ کر دو + جسوتی بڑی ہنس کھڑی تھی! ابے ساخنہ منہ کر لیتے گی! "تم نے بھی اپنی اتنا کہ عجیب مضحکہ خیز نام رکھے ہیں!"

"ہاں مجھے اس کی عادت ہے +"

~~~~~

تھوڑے ہی دنوں میں جسوتی کی صحت پر کیا اس کی زندگی خوش ہوا۔ دنیا میں اشراف ہوئے۔ اس نے وہاں چھوڑ دیں۔ دوسرے دور سے بھی کہہ سکتے تھے۔ زوردار گلاب کے اندر سرخ نظر آنے لگے تھے۔ اور ان کے پتیلیاں ہوسر کی طرح سیاہ و چمکی نظر آ رہی تھیں +

اس اثنا میں کوئی ایک واقعہ بھی غور پذیر نہیں ہو چکا کہ متوجہ کرتا + اب جسوتی بھی بہت خوش تھی۔ اور زوفاش بھی بے فکر! اور عمر میں بھی ان لوگوں کو مطمئن دیکھ کر اپنے ایک نامکمل ناول کے باب لکھنے لگی تھی۔ اور اکثر اوقات اپنے دارالمطالعہ میں درپے کے آگے بڑھی مٹھوں تعذیب و تالیف میں مصروف رہتی تھی۔ کبھی کبھی چادر اور دھوپ کا کھانا بھی وہیں کھا لیا کرتی تھی۔ جسوتی گشتوں علاقائی کرے میں ستا رہا تھی اور اپنی باریک آواز میں گھڑی کی طرح گایا کرتی۔ غرض کسی طیفہ بغداد کی طرح بے نگہاری سے ہماری بسر ہونے لگی تھی مگر مینے کی آخری تاریکیوں کا میں بے حد خیال تھا۔ جسوتی سے میں نے وہ بھی کر لیا تھا کہ اقامت نامہ چار میں اس کو وہاں سے بھجوا دینا مگر تین دن سے ایک عجیب واقعہ متواتر پیش آ رہا تھا۔ جس نے میرے بھی حواس گم کر دیئے تھے۔ جسوتی اور زوفاش کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ کریہ بھی پریشان نظر آ رہا تھا +

واقعہ یہ تھا کہ صبح کے ناشتے پر جسوتی کے تھوڑے غائب ہو جاتے تھے۔ زوفاش جسوتی کے آگے تھوڑے اور زچوں کا تیل رکھتی۔ جسوتی اپنا صبح کا اجرا پڑھتی ہوئی دو چار منٹ تھوڑا کاغذ لکھتی۔ تھوڑے کے آتے ہی جوئی وہ تھوڑی کی روٹی کی حرکت دیکھتی تو کہانی خالی ہوتی! اور دوبارہ زوفاش کو تھوڑا تیار کرنے پر تھوڑے کیا یہ واقعی حیرت انگیز نہیں ہے! +

جب چوتھے دن بھی یہ واقعہ پیش آیا۔ تو ہمارے حواس رخت ہو گئے مجھ سے تو ناشتہ بھی نہ کھا لیا۔ کیونکہ جو تھوڑے دن تو اس کے ساتھ ایک لٹا بھی غائب تھا! اور جو رکھ لیں پتہ نہ تھا!

جسوتی بولی "کریم! خدا کے لئے اس کو کنوئیں میں پھینک دو!  
کریم نے بڑی ہمت کر کے کرسی اتھائی۔ کرسی ہوا اٹھانا بھی کر ایک جب  
پریٹھٹ واقعہ گذرا +

وہاں کیا تھا؟ — شیطان !!؟

ایک ہی دم اور سرخ چہرے والا اونچا سا بندہ ایک ہاتھ میں ایک  
چھپرے لٹے دروازے سے باہر بھاگ رہا تھا!

"لو! یہ راجہ —" "کریم نے چلا کر کہا +

یہ استاد عجیب نظر تھا کہیں اور جسوتی سمجھتے رہ گئیں اور انوں کے  
چہرے حق ہو گئے تھے۔ اور وہ یہ دیکھ کر پھاڑا دروازے کی طرف دیکھ  
رہی تھیں +

بڑی یہ بعد مجھے پھنسی آئی "جسوتی! تمہارے تواس اور انڈے پر  
خوب شک کرتا رہا ہوتا ہو گیا ہے۔ اسی شریر نے یقیناً اس دن کو بٹے باؤچا  
میں پھیر دئے تھے +

کریم نے ناشائے اس واقعہ کو چھپایا۔ کہنے لگی "تم لوگ مجھ سے ذائق  
کرتے ہو؟ میں نے بال بچپ میں نہیں سفید کئے

~~~~~

ایک دن دوسرے کھانے کے بعد جسوتی میرے کمرے میں چلی آئی۔
اس وقت میں اپنے چھپے سفر کے متعلق اپنی سیاحت نامے کے چنڈیا
لکھ رہی تھی۔ مجھے مصروف دیکھ کر وہ تعویذی و بھاموش۔ ہی۔ پھر جب
اُس سے ضبط نہ ہو سکو تو بولی :- "روحی! دیکھو جیسے کی اتھی تاریکیوں میں
آگنیوں۔ اب میرا مزاج بھی درست ہو گیا۔ اب اگر تم یہاں سے جلد نہ چلے
جائیں۔ اور خدا خواستہ اگر کوئی ڈراہنا واقعہ پیش آجائے تو میں دوبارہ بار
ہو جاؤں گی +

"ہاں ضرور میں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ اور دوبار "سیاحت عورت"
میں اضافہ کروں۔ اس کے بعد ہم چلے جائیں گے۔" میں کا فدا ت مہر کی
دراز میں بکتے ہوئے کہا +

اس گفتگو کے چند ہی دنوں بعد ہم اس سفر کی درستی میں لگ گئے
ایک دن شام کو دن بھر جزیر بند کرنے کرتے تھک جانے کی وجہ سے
میں اور جسوتی برآمدے کی کرسیوں پر لیٹی ہوئی اخبار انا پڑھ رہی تھیں کہ
مائی کا پٹنا ہوا سامنے آیا۔ میں تو لڑ گئی اور کمرے میں بھاگنے کو بھی پابا جسوتی

اندھیرا ہونے لگا تھا۔ میں نے آجنا کو بج پر رکھ دیا۔ اٹھنے ہی والی
تھی کہ اندر سے ایک ہار یک بیچ منائی دی۔ اللہ! وہ کیا بیچ ہوگی!

شام کے ششمان ستائے میں یہ آواز بڑی درونک اور بڑاؤنی
معلوم ہوئی۔ فورے سنا تو جسوتی کی آواز تھی۔ اور سیوا میرے توجہ طلب
کے طوطے آرٹ گئے۔ میں بے تحاشہ اس کمرے کی طرف بھاگی جہاں جسوتی
بیٹھی کا جڑوں کا حادہ پکار رہی تھی۔ دیکھا تو جسوتی کا چہرہ زرد ہو گیا تھا اور وہ
انچہر ہی تھی۔ کریم اور اصرار کو تو میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ اور جس
کرسی پر بیٹھی وہ پکار رہی تھی وہ اٹھی پڑی تھی +

مجھ سے کہنے لگی :- "روحی! عجیب خوفناک حادثہ تھا! ایک دفعہ تو
کسی نے گوند جو ملے پر سے اٹھا لینے کی کوشش کی۔ دوسری دفعہ جب
میں اندر سے سے مغزیات لائے گئی تو کسی نے کریم اس دوسرے گواہی کہیں
گھر آکر باہر بھاگ گئی +

"اسے میرے خدا! میں نے کہا "کس قسم کی شکل نفرتی تم کو؟"

کریم بولی "اٹھا" خاتون! ابھی میں نے اس کمرے سے اک ساٹے کو باہر
بھٹکے دیکھا +

"سایہ!" جسوتی چلا اٹھی +

"دکس شکل کا تھا کریم؟" میں نے سوال کیا +

"دو صورت شکل تو میں نے نہیں دیکھی" اس نے جواب دیا +

"تم ہمیشہ ریوا اور اپنی جیب میں رکھا کر دے" میں نے تاکید کی +

میں تڑپ رہی تھی کہ خوفناک کرسی کے زور سے گرنے کی آواز آئی
جسوتی مہم گئی اور برآمدے میں بھاگی۔ میں تو بہت کی طرح جہاں تھی وہیں
رہ گئی +

"بلند آسمان! یہ کیا ہوا!" میں نے کریم سے پوچھا +

کریم کرسی کی طرف بھاگا +

"کرسمی کے نیچے کوئی چیز ہے خاتون! کریم نے لرزتی ہوئی آواز
میں کہا +

"دیکھو خدا کے لئے مجھے صحت بتاؤ" میں نے کہا +

"اللہ! — شیطان تو نہیں؟" جسوتی نے زینے پر کھڑے ہوتے

ہوئے پوچھا +

"یقیناً" میں نے جواب دیا +

جونہی اس شخص نے دوبارہ ہاتھ اٹھ کر خیرات مانگی، کریم نے دوڑ کر اس کو پکڑ لینے کی کوشش کی، وہی طرف اس کو آتا دیکھ کر وہ بھی کنوئیں کی عزت بھانگی۔ یہ دیکھ کر میں بھی باغ میں نکل آئی، تھوڑی دیر بعد جونہی بھی ایک رسالہ اور سے زینے پر اکھڑی ہوئی، گریبا کی زینے پر کھڑا تھا اور جینیں، راز ہاتھ۔ ریگنتا کی ماما کے لوگ تھوڑے تو نہیں، پر شیطان سے ضرور ڈرتے ہیں + جہنے دیکھا کہ وہ کنوئیں پوش شکل سامنے کی طرح ناہنگی کے درختوں کے نیچے سے جلد جلد گزر رہی تھی۔ جونہی کریم کنوئیں کی طرف بھاگا وہ عجیب و غریب نکل بھی اٹھنے بجائے کے لئے درختوں کی آڑ میں چلی گئی، اس گڑبڑ میں وہ چاڑ جو بالکل کنوئیں سے مشابہ تھی، ہمارے کہیںوں میں کچھ کر رہ گئی، اور ایک اور صبر مڑا آدمی بھاگتا ہوا نظر آیا!

(۸)

یہ تھا کنوئیں پوش شیطان کا راز!

”جھیک مانگنے کا سقدار ناجائز طریق ہے!“ میں چلا اٹھی، ”غریب“ غریب دہاتو کو کھو کی کران سے پیسے وصول کرنا سقدار کھنگی ہے!“ کریم نے فیصلے لہجے میں کہا۔ اس کا تنفس فصد کی وجہ جلد جلد جل رہا تھا۔ اور اس وقت وہ اپنے فصد کی وجہ اصلی حسوں میں ایک ہمارا عرب معلوم دیتا تھا + کریم نے واقعی بڑی ہمارا دی کی، اس نے کیا سوا والوں پر ہوا احسان کیا۔ ان تینوں کو اس نے حراست میں دیدیا۔ میں نے اوپر جوتی نے اس کی خوب بیٹھ ٹھونکی +

غرض ہم کو اس راز کے افکات سے تحقیق مسرت حاصل ہوئی! اور جس مقصد کو مد نظر رکھتے سفر کیا تھا، اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کر کے دلی اطمینان حاصل ہو گیا +

تھوڑے دنوں کے آرام کے بعد جسوتی کو تندرست لے کر میں اپنے وطن واپس آ گئی!

یہ تھا میرا چھٹا سفر! — چند ماہ بعد میرا ساتواں سفر شروع ہو گیا جس کے حالات آپ ”نیاحِ غبت“ میں ملاحظہ کریں گے +

حجاب اسماعیل

(خاص)

برف کی مانند سفید ہو گئی، کیونکہ کہنے کی وہ تاریخ تھی +

میں نے بچھا:۔ ”مالی کیا بات ہے؟“

مالی رونے لگا۔ بولا:۔ ”ابھی میں نے کنوئیں سے پانی نکالے وقت دیکھا کہ وہ کنوئیں پوش رہیں — میں وہیں باغ کی دیوار کے پاس کھڑی تھیں، کوئی دم میں وہ ادھر آ گئی +

”اکہی تیری سناہ!“ بیباختہ میری زبان سے نکلا۔ پھر ادھر ادھر دیکھ کر کہنے لگی:۔ ”کریم کہاں ہے؟“

”خدا کے لئے روحی“ جو تھے نے وہوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر کے ہوئے کہا۔ ”مجھے کمرے میں سے بلوایا کرے میں!“

وہ خود کمرے میں اس لئے نہیں جاتی تھی کہ تنہا جاتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ اور برآمدہ میں اس لئے نہیں آتی تھی کہ کوئی دم میں وہ وحشت ناک شکل یہاں نظر آنے والی تھی!

اتنے میں کریم ریوا اور لئے آ گیا۔ کہنے لگا:۔ ”برآمدہ کی روشنی بچھا دو!“

زونا شاورچی خانے کے دروازے بند کئے اندر بیٹھ گئی تھی میں کسی کے ایک ہاتھ پر عالمِ فہر میں بیٹھی باپ رہی تھی۔ اس وقت آپ میرے دل کی دھڑکن دیکھتے قہقہے کر میں وہی لمحوں میں مر جاؤں گی، کریم زینے پر ہاتھ میں ریوا اور لئے بیٹھ گیا تھا اور ادھر ادھر دیکھ رہا تھا +

دفعاً! — اٹار کے درختوں کی آڑ میں — وہ خوفناک شکل نظر آئی — مرے خدا — وہ خوفناک کنوئیں پوش شکل نظر آئی۔ وہ آہستہ آہستہ ہمارے قریب آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی قبر سے تازہ مردہ اٹھ آیا ہے۔ مجھ سے تو آیتہ الکرسی پڑھنے بغیر نہ رہا گیا۔ جتنی عربی دعائیں یاد تھیں یکے بعد دیگرے خود بخود زبان پر آئے لگیں اور جسوتی کا یہ حال تھا کہ ثبت کی طرح کھڑی تھی +

اچانک وہ خوفناک تصویر سامنے آئی۔ اور سقدار فاصلے پر کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلا دیئے +

”پیسے پھینکو! مارج پھینکو! — نہیں تو —“ ”مالی چلا آ تھا۔“

عازم جلیان

جانب دلائل سلام فضلی لیکچر نوکیو سکول آف فارن لینگویز - جاپان

۱۹ نومبر ۱۹۳۱ء بروز چار شنبہ۔ وقت آٹھ بجے صبح میرے احباب و اقارب مجھے نصحت کرنے کے لئے دہلی کے اسٹیشن پر جمع ہوئے۔ وودامی مراسم ادا ہوئے۔ اور میں چشم پریم اور دل پرانہ امید و ہم لئے ہوئے ان سب عزیزوں سے رخصت ہوا۔

جب فریئر سیل گرم، فشار ہو چکا۔ عزیزوں کی شکلیں آنکھوں کے سنہ سے ہٹ گئیں اور جذبات کو قد سے سکون ہو تویرٹا اپنی گذشتہ موجودہ اور آئندہ حالتوں پر غور کرنا شروع کیا۔

یکم نومبر ۱۹۳۱ء کو گوڈونٹ ہند نے میرا تقریباً نوکیو سکول آف فارن لینگویز (درنگاہ السنہ غیر ملکی) میں اردو کی لکچراری کی اسامی پر فرمایا۔ میں نے بعد اٹھارہ دن اس طویل سفر کی تیاری میں اس قدر مصروفیت رہی کہ خدا کی پناہ۔ بارے وہ وقت ختم ہوا۔ اب میرے سامنے مستقبل کیسے ہزاروں منصوبے اور بے شمار تجاویز تھیں۔ اور ان سب کی تکمیل کے لئے دل مضطرب۔

۲۱ نومبر ۱۹۳۱ء بروز پنجشنبہ صبح آٹھ بجے بمبئی پہنچا۔ اور اپنے ایک عزیز مولوی نصیر احمد صاحب (انجیر ایکسٹیشن اسکیم بمبئی) کے جگہ پر مستقیم ہوا شام کے وقت اپنے بھائی ڈاکٹر بڈل الین صاحب (پرنسپل انسٹیٹیوٹ کالج بمبئی) کے جگہ پر سٹننے کے لئے گئے۔ مگر چونکہ وہ موجود نہ تھے۔ ملاقات نہ ہو سکی اور بالوس واپس آنا پڑا۔ اگلے دن صبح کو وہ خود انجیر صاحب کے جگہ پر سٹننے کے لئے دفتر لائے۔ ان سے تقریباً چودہ برس کے بعد ملاقات ہو کر از حد مسرت ہوئی۔ گرونیائی تمام خوشیوں کی طرح یہ بھی ایک چشم زدن گذر جانے والی خوشی تھی۔

۹ بجے بلاڈ پائپر پہنچے۔ طبی معائنے کے بعد عرشہ جہاز پر گئے۔ اور جو احباب یہاں تک پہنچنے کے لئے آئے تھے بالآخر وہ بھی رخصت ہو گئے اور جہاز بندرگاہ سے روانہ ہوا۔

ہمارے جہاز کا نام "رائنجی" ہے جو اپنی اونینڈیکشن کی مشہور ترین اور

بہترین جہازوں میں سے ہے۔ بارخداہ جہاز کا وزن ساڑھے سو لاکھ ٹن ہے۔ علاوہ ان منازل کے جو پانی کے نیچے ذخائر اور اسباب کے لئے ہیں۔ سطح آب سے اوپر پانچ عرشے ہیں۔ سب سے اوپر کے عرشے کا بیشتر حصہ کھانا ہے۔ اس کے ایک حصہ کو کھیلوں کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ ایک حصہ میں ایک بڑا حوض نمائے اور تیرنے کے لئے بنا ہوا ہے۔ باقی حصہ پر کپتان اور بچہ رہنے کے کمرے ہیں اور آلات جہاز رانی نصب ہیں۔ اور تمام عرشے کے چاروں طرف کشتیاں لٹک رہی ہیں۔

اس کے نیچے القاء عرشہ ہے۔ اس کے بھی تین حصے ہیں۔ سامنے کی طرف تو آلات جہاز رانی نصب ہیں۔ وسط میں اوّل درجہ کے کچھ کیمپن ہیں۔ ثانی کی دوکان۔ تیس کو نوشی کا کمرہ۔ چوتھی کا کمرہ۔ کتب خانہ اور پڑھنے لکھنے کے کمرے واقع ہیں۔ اور چاروں طرف برآمدہ ہے۔ جس پر لوگ پہنچ سکتے ہیں۔ کرسیوں پر بیٹھ کر سمندر کی سیر دیکھتے ہیں۔ اور رات کے وقت مٹل قوس سرور دیتی ہے۔ اس پر آمدے کے گرہ بندہ پگرا ایک سیل کے برابر ہوتے ہیں، اس کے نیچے جے عرشہ ہے۔ اس پر باورچی خانہ۔ دوسرے درجہ میں تبا کو نوشی اور لکھنے پڑھنے کے کمرے کتب خانہ اور شراب کی دوکان جو ہسپتال ہے اور پرنسپل کا دفتر اور جہاز کا چھاپہ خانہ ہے۔ اور وسط میں اوّل درجے کے کیمپن ہیں۔ اور کھانے کے کمرے۔

اس کے نیچے جے عرشہ ہے جس پر اوّل اور دوسرے درجے کے کیمپن ہیں۔ غسل خانے اور پاخانے ہیں اور دوسرے درجہ کا کھانا کا کمرہ ہے۔

دع عرشہ پر صرف کیمپن غلغلے اور پاخانے ہیں۔

جب ہم بمبئی سے روانہ ہوئے جہاز مسافروں سے پُر تھا۔ بہت کم لوگ کیمپن کے اندر رہتے تھے۔ عرشہ الف پر ایک ازدحام رہتا تھا۔ کچھ لوگ اپنی کرسیوں پر پڑے سو رہے ہیں۔ کچھ کتا ہیں پڑے رہے ہیں۔ بعض عمرتیں میٹھی ادنی جڑا ہیں۔ رہی ہیں۔ کچھ لوگ محض ہنسی مذاق

خط میں اوپر چڑھتی ہے +

پھاڑی کے ڈھلوانوں پر چوٹی سے مسلح سمند تک برابر مسکات بنے ہوئے ہیں۔ ان میں شب کے وقت جب روشنی ہوتی ہے۔ تو مسلح آب پر منکس ہو کر ایک دلغہ رب منظر پیش کرتی ہے +

گذشتہ سترہ روز میں حریت انگریزوں کی تعمیر ہوا ہے۔ دہلی سے روانگی کے وقت ابھی خاصی سردی تھی۔ ایک دن میں بھی پہنچے پہنچے کافی گرمی ہو گئی۔ بدلتی سے منگ پور تک برابر گرمی بڑھتی رہی۔ اور اگر ابر نہ ہوتا تو ناقابل برداشت ہو جاتی۔ ہانگ کانگ پہنچے تک پھر کافی سردی ہو گئی۔ اور ٹھنڈی جو ابری معلوم ہونے لگی +

ہانگ کانگ پہنچنے پر ہمارے جہاز کی آبادی میں اتنی فیصدی کمی واقع ہو گئی۔ مسافروں کی کمی اور سردی کی زیادتی نے جہاز کی رونق اور چل سہل تھکادی۔ عرصہ اول اب بالکل خالی پڑا رہتا ہے۔ جو لوگ باقی ہیں وہ بھی خاموش نظر آتے ہیں۔ اور زیادہ وقت کیمیں میں گزارتے ہیں۔ یا کتب خانے میں ہانگ کانگ سے شاگھائی تک سمندر کا رنگ بجانے نیلگوں کے زردی مائل ہے جس کا باعث چین کے عظیم الشان دریا ہیں۔ جو چین کی نزد مٹی بہا کر لاتے اور سمندر میں ملاتے رہتے ہیں۔ ایک ان خصوصیت اس سمندر کی یہ ہے کہ اس کا کوئی حصہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے کبھی خالی نہیں رہتا۔

جو ہزاروں کی تعداد میں چٹائی کے باوان اُٹھانے نایت بہا رہی اور لاپرواہی سے موجوں کا مقابلہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ چینی دنیا کے تاج ترین ملاح ہیں۔ اور مردوں سے زیادہ عورتیں کشتی بانی میں مہارت رکھتی ہیں۔ کشتی عجیب منظر ہے کہ چینی عورت کی کمر پر بچہ بندھا ہوا ہے۔ اور کشتی کے چوہ کو حرکت دے رہی ہے۔ دس گیارہ برس کا بیٹا یا بیٹی پاس کھڑی مدد کر رہی ہے۔ ہانگ کانگ میں مجھے معلوم ہوا کہ اس بندرگاہ میں کئی ہزار آدمی ایسے ہیں جنہوں نے اپنی ساری عمر کشتی ہی میں گزار دی ہے۔ اور کبھی نکلیں نہیں رکھا +

۱۲ دسمبر صبح آٹھ بجے ہمارا جہاز بندرگاہ شاگھائی پر ٹکرا نڈا ہوا۔ یہ بندرگاہ مشہور دیا یا ہانگ مٹی کی ایک کانگ کی ایک شاخ واگ بوجہ ساٹھ میل اوپر کی طرف واقع ہے۔ جہاز دریا کے اندر داخل ہو کر سیلوں بے سرنگام پلیٹ فارم (دھارن) پر ٹکرا نماز ہوتے ہیں۔ دریا کے دونوں کناروں پر سرنگام کشیدہ عمارت کھڑی ہیں۔ ان میں سے کچھ بندرگاہ کے متعلق دفاتر نہیں

اور ٹنگو سے دل بہا رہے ہیں۔ بڑے بچے اور مرد بھر بھاگتے دوڑتے کھیلنے کودتے پھرتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کو ان کی مائیں یا سرس کا ڈیوں کے اندر لٹا کر گھوما رہی ہیں۔ بعض لوگ کتب خانے میں بیٹھ کر کتب بینی اور اخبار بینی کرتے ہیں۔ یا بعض ان گھنٹے میں بعض تاش و شطرنج کھیلنے میں غرض یہ کہ ہر طرف زندگی کے آثار نمایاں ہیں۔ ہر پہر کو کھلی بھیت پر بعض لوگ حوض میں تیرتے اور نہاتے ہیں۔ اور بعض ٹینس کھیلنے میں۔ جہاز پر ٹینس گیند کی جگہ رتنی کے حلقوں سے کھیل جاتی ہے۔ جس کو کھیلنے والے ہاتھ سے بال کے اور مرد بھینچتے ہیں۔ شب کو مغربی تیس ہوتا ہے۔ منہ بڈبڈا ہے۔ دس گیارہ بجے چل پھل پھل رہتی ہے۔ پھر کچھ لوگ اپنے کیمپوں میں چلے جاتے ہیں۔ کچھ وہیں عرش پر کھن بچھا کر سو جاتے ہیں +

۲۳ نومبر صبح جہاز کو بمبو پینچ گیا۔ مگر ساحل سے تین چار فرلانگ کے فاصلہ پر سمندر ہی میں لنگر انداز ہوا۔ جہاز سے کثرت لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر ساحل پر گئے۔ جہاز سے ساحل تک دور تک نظر آتا ہے جس پر ماربل کیمپ۔ تیار تھا۔ کھیر کے درخت اُگے ہوئے ہیں۔ ان فوسس ہے۔ اس بار ہم ساحل پر نہ جا سکے اور یہ تھا بشرط جات واپسی کے لئے اُٹھ کر کھینچ کر کو لمبو سے روانہ ہو کر ۲ نومبر کو ہانگ کانگ پہنچے اور ۲۹ نومبر کو سنگاپور۔ یا تھک سفر نہایت پر طبع۔ موسم خوشگوار اور سمندر پر مسکون تھا +

ہانگ اور سنگاپور دونوں جزیرہ نما تھکے ملایا کی بندرگاہ ہیں۔ اور برطانوی نوآبادیات ہیں۔ دونوں جگہ علاوہ ملایا آبادی کے غیر ملکوں میں چینی اور ہندوستانی جزو غالب ہے۔ ملایا کی معاشرت پر ہندوستانی معاشرت کا بھی بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ ملکی آبادی تمام مسلمان ہے +

۳۰ نومبر کو سنگاپور سے چکر چھنے روزہ دسمبر کو بندرگاہ ہانگ کانگ پہنچ گئے۔ ہمارے سفر کا یہ حصہ طویل ترین اور نہایت حیران آزا تھا۔ ہوا تند و تیز چلتی رہی اور کثرت باد و باران سے سمندر سخت متلاطم رہا۔ جہاز لٹا و جھین تھا۔ بیشتر لوگ دوران سفر اور املا میں مبتلا تھے +

ہزارہا غلوں کے جہاز چہاڑنے بندرگاہ ہانگ کانگ میں قرار پایا۔ طوفان ڈور ہوا۔ دھوپ جھلی اور طبعیت بحال ہوئی +

ہمارے سامنے ہانگ کانگ کا جزیرہ ہے جس کے ساحل پر بلند پہاڑیاں کھڑی ہیں۔ ان میں سے بلند ترین کی اونچائی ۱۴ ہزار فٹ ہے اور اور اس کی چوٹی پر کھیل ٹرین جاتی ہے جو نہایت سرعت کے ساتھ نمودی

جانے والے مسافروں کی زیادتی ہے +

یہاں کی پولیس میں بیشتر تعداد ہندوستانی سکون کی نفرتی۔ اور سی طرح ہانگ ہانگ۔ سنگھ پور اور پٹانگ میں بھی بکثرت سکھ حکمہ پولیس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ گنا جاتا ہے کہ شاگھانی انجیوں کے لئے کتنا خطرناک جگہ ہے۔ اور بالخصوص موٹر میں بغرض سیر جانا اکثر ہولناک نتائج کا باعث ہوتا ہے۔ سوڑوڑا یوراکٹر فیروزہ و ف اور سنان مقامات میں لے جا کر لوٹ لیتے ہیں۔ یا جان لینے کی دھمکی دے کر کسی جائیداد رکھتے ہیں۔ اور بغیر ایک زر خرید و صل کے نہیں چھوڑتے +

شاگھانی میں ہندوستانی تجارت کی تعداد کافی ہے۔ اور یہی حالت ہانگ ہانگ سنگھ پور اور پٹانگ کی ہے۔ ان میں کبھی اچھے کے پارسی۔ سندھی۔ جو بے پورے زیادہ ہیں۔ کچھ بنگالی اور پنجابی بھی ہیں۔ مگر افسوس کہ غاص اور دوہنے والے لوگ یہاں قطعاً نہیں جاتے۔ یہ لوگ وطن کی فاقہ کشی میں مست ہیں اور ترک وطن کو موت سے بھی بدتر خیال کرتے ہیں +

اور دسمبر کو شاگھانی سے روانہ ہوئے اور شام تک وہاں سے گزرتے رہے۔ اس کے دونوں کناروں پر خوشنود لکھانی، زیادہ وادی گجگ سے مسدود مشابہ تھا کہ وطن عزیز کی یادوں میں چٹکیاں لینے لگی۔ وہی وسیع میدان۔ وہی نشیب و فراز کا فقدان۔ وہی لہجائے ہونے کھیت اور گنے باغات اور عکلاء ۱۲ اور ۱۳ دسمبر کو جہاز بحیرہ جاپان سے گزرتا رہا جو وینا کے طریموت ترین سمندروں میں سے ہے۔ پہلے نو سینکڑوں چھوٹے چھوٹے سرسبز جزائر سے گزرے اور پھر سمندر اتنا تنگ ہو گیا کہ جہاز سے دونوں جانب ساحل نظر آنے لگے۔ جو سرسبز و شادابی کے باعث تصویر کی طرح انفریب معلوم ہوتے ہیں ہمارا جہاز جاپان کی پہلی بندرگاہ ہونجی کے قریب کچھ دیر کے لئے ٹھہرا۔ جاپان کی دو ایک جہاز برآتی اور میرے لئے بھی ایک خط لائی ٹوکیو اسکول آف فائن اینڈنگ کالج کے ڈائریکٹر صاحب نے کتا کتا کردہ میری آدھاپے چینی سے انخلا کر رہے ہیں۔ اور یو کو ڈاما کی بندرگاہ میں جہاز پور میرے قریب قدم کا انشکام کریں گے۔ یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ انی الحال میرے عائشی قیام کے لئے کامیج کے قریب ہی ایک ہوٹل میں انخلا کر دیا گیا ہے۔ اسی مضمون کا ایک خط مجھے شاگھانی میں موصول ہو چکا تھا اور ایک روز بعد ایک لاسکی پیغام بھی آیا تھا جس کے جواب میں میں بھی جہاز سے لاسکی پیغام دانا کچھ مہوں +

۱۲ دسمبر صبح سات بجے جاپانی افسران بندرگاہ ہمارے جہاز پر آئے اور

اور گودام میں اور کچھ تجارتی کوٹھیاں اور ہوٹل ہیں۔ یہاں بھی شب کے وقت چراغاں کا لطفت قابل دید ہے +

عرشہ پر اکثر چینی تاجر خوردہ فروش اسباب تجارت پھیلا کر فروخت کر رہے ہیں۔ ان کے پاس چینی مصنوعات کے بعض عمدہ نمونے ہیں۔ مثلاً چینی برتن۔ پیش کے برتن۔ تصاویر اور نقاشی کے نمونے۔ سوتیں۔ کاغذ کی لائینیں لکڑی کے کھلونے۔ کچھ ریختی کرٹے ہوئے کپڑے +

شاگھانی چین کا سب سے بڑا تجارتی اور صنعتی مرکز ہے۔ شہر تین حصوں پر منقسم ہے۔ جن الاوامی نوآبادی۔ فرانسیسی آبادی۔ اور چینی بستیوں۔ کل آبادی میں لاکھ ہے۔ بندرگاہ کی نشست پر ایک طویل بازار ہے جو براؤڈ کے نام سے موسوم ہے میں سے صرف ایک جزو دیکھا ہے۔ مگر یہ جزو بھی تین میل سے کم نہ تھا۔ سڑک کچھ زیادہ کشادہ نہیں۔ دلی کے جاوڑی بازار اور لاہور کے انارکلی کے برابر سمجھنا چاہئے۔ دونوں جانب دو تین منزلہ عمارتوں سے لے کر چھ سات منزلہ عمارت تک کھڑی ہیں۔ آمد رفت کی بہت کثرت ہے۔ فریم کاریں۔ موٹریں۔ لاریاں نیکیاں بسیں۔ سائیکلیں اور کھانیں سینکڑوں ادھر سے ادھر بھاگی پھرتی ہیں۔ دونوں طرف تنگ پٹریاں بھی پیدل چلنے والوں سے گھری ہوئی ہیں۔ مگر جانوروں سے سواری یا باروداکی کام لینے کا رواج نہیں۔ چینیوں میں گھسرتا و فلاس کی زیادتی ہے۔ اس لئے چینی مزدوروں کے قول کے قول بازاروں میں پھرنے اور بھاری بھاری بوجھ لے جاتے نظر آتے ہیں۔ مگر بوجھ سر نہیں اٹھاتے۔ بلکہ بھاری بوجھ ایک موٹے بانس پر لٹا کر دلی کی طرح دو آدمی بانس کے دونوں سرے کندھوں پر رکھ لیتے ہیں اور چلتے ہوئے زور زور سے چیخے ہیں۔ ہے ہے ہا ہا۔ ہو ہو۔ ہے ہے ہا ہا۔ ہو ہو۔ ان آوازوں سے ہر وقت بازار گونجتے ہیں اور ہنسنے ہنسنے والے کے دل پر عجیب و گنگناہ پریشان کن۔ اور غموگنی انگیز اثر پیدا کرتا ہے +

چینی مزدوروں کی چٹا کشتی دیکھ کر اور چین کی قدرتی دولت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ خیال گزرتا ہے۔ کہ ان کا فلاس محض جمالت اور قدامت پسندی کا نتیجہ ہے۔ اگر یہود بائیں نہ ہوتیں تو دنیا کا کوئی ملک چین کی ہمسری نہ کر سکتا + شاگھانی میں صرافوں کی دوکانوں کی بڑی کثرت ہے۔ مگر یہاں یہ لوگ نیوور پیچھے یا سود پر روپیہ قرض دینے کا کام نہیں کرتے۔ صرف سکون کے تبادلہ کا کام کرتے ہیں۔ ہوٹلوں کی بھی از حد کثرت ہے۔ جس کی وجہ آنے

ہم سب مسافراؤں درجے کے سکوٹنگ روم میں ملتی معائنہ کے لئے طلب کئے گئے۔ مگر عجیب و غریب جی معائنہ تھا۔ سلام و مزاج پررسی کے بعد نام پوچھا گیا اور ناموں کی فہرست پر نشان لگا کر رخصت کر دیئے گئے۔ اس کے بعد دوسری جگہ پاسپورٹ دیکھنے گئے اور ایک فام بھروا کر اپنے پاس رکھ لیا اور پاسپورٹ واپس کر دیا۔ پاسپورٹ دیکھتے ہوئے سرسافر سے کچھ نہ کچھ سوال بھی کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ مجھ سے میرے سفر کی غرض دریافت کی۔ جواب دینے کے بعد پوچھا آپ کیا مضمون پڑھائیں گے۔ میرا نے کہا کہ ”ہندوستانی زبان“ پڑھیں گے۔ آپ سے ان کے سمجھ نہ آیا کہ ہندوستانی کیا چیز ہے۔ جب سمجھ گئے تو بہت محفوظ ہوئے۔

فوبکے جہاز بندگاہ کو بے پرانگہ انداز ہوا۔ کوآپے بلحا محل وقوع وسعت اور تجارت کے جاپان کی بہترین بندرگاہ ہے۔ وسیع بندرگاہ میں چار بڑے بڑے پارٹر (پلٹ فارم) ہیں۔ جن پر ایک وقت میں ۱۰ ہارے بڑے جہاز ٹکرا کر اڑھائی ہو سکتے ہیں۔

گیارہ بجے کرکٹ لے کر شہر کی سیر دیکھنے روانہ ہوئے۔ شہر بندرستان کے نئی وضع کے شہروں سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے اور بڑی دگرچی پر کسی طرح فوجیت نہیں رکھتا۔ ۱۰ رات باعموم چھ سات منزلہ ہیں۔ اور پختہ اینٹ چوے سینٹ یا پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں مگزی کے مکانات بھی نظر آتے ہیں۔ طرز تعمیر میں کسی قسم کی دلکشی یا آرٹ کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ مگر کیں ٹوٹا کٹا اور مصفا ہیں۔ مگر بعض مقامات پر تنگ و تاریک عمارتیں بھی نظر آئیں۔ بازار دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن پر بڑی بڑی یورپین وضع کی دوکانیں واقع ہیں۔ جن میں تمام خرید و فروخت وکان کے اندر ہوتی ہے۔ دوسرے بازار خاص جاپانی وضع کے ہیں جن میں دوکانیں چھوٹی چھوٹی ہیں۔ باعموم خرید و فروخت باہر ہی کھڑے ہو کر ہوتی ہے۔ رنگ آمیزی کی کثرت اور شوخی ان کی نشان دہی دیتی ہے۔ ساموں کے بورڈ ان دوکانوں پر لکھری یا دھات کے نہیں ہوتے۔ بلکہ لمبے لمبے سرخ پتوں پر سفید پتھر سے کے حروف کاٹ کر چسپاں کر دیئے ہیں۔ اور ان کی لمبائی گول ایک عمودی خط میں لٹکا رکھا ہے۔ ان اذالہ میں بجلی کی روشنی کی کثرت بھی قابل توجہ ہے۔ نہایت قریب قریب دو دو یہ بجلی کے کھمبے کھڑے ہیں اور ایک ایک کھمبے پر سات آٹھ فٹے نصب ہیں۔ ان کے علاوہ دوکانوں نے ٹھنڈے اپنی آرائش بجلی کے قوتوں سے کی ہے۔ بعض لوگ سڑک پر عارضی دوکانیں لگاتے، مال بیچ رہے ہیں +

بازاروں میں عورتوں کی کثرت بھی قابل توجہ ہے۔ جن کی تعداد مردوں سے کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خرید و فروخت زیادہ عورتیں ہی کرتی ہیں۔ یہاں عورتوں کی بیع بچیں نہیں فیصدی، انگریزی یا جاپانی کے محاورے میں بین الاقوامی ہے۔ باقی خاص جاپانی لباس میں لباس ہیں + مرد قریب قریب تمام انگریزی یا نیم انگریزی وضع میں ہیں۔ جاپانی لباس مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے کیاں ہوتا ہے۔ بیکار کا لباس کچھ نہیں۔ عورتیں اپنے بالوں کو اس طرح پھولا کر سنوارتی ہیں کہ ایک دیکھ کر کسی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ بیروں میں بجائے جوتوں کے کھڑاؤں بنی جاتی ہے۔ جو ہندوستانی کھڑاؤں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ ایک خاص قسم کے کپڑے کے موڑے بھی پہنتے ہیں اور کھڑاؤں کی وجہ سے اس موڑے میں انگوٹھا دھری انگیوں سے چٹائی رہتا ہے۔ جسم پر پہننے کے لئے دو قسم کے کپڑے ہوتے ہیں۔ بنیان اور جاگید پہن کر اوپر سے ایک تبا پہنتے ہیں جو اس قدر لمبی ہوتی ہے کہ کندھے سے ٹخنوں تک تمام بدن ڈھک لیتی ہے۔ اس کی آستینیں سب سے زیادہ عجیب ہوتی ہیں۔ یہ سب چوری اور کندھے کے اوپر سے جڑی ہوئی جوتی ہیں۔ مگر بغل کی طرف سے ان کا منہ کھلا رہتا ہے اور نیچے کی طرف علیحدہ لٹکتا ہے۔ آگے کی طرف سے آستین میں ہاتھ نہالنے کے لئے جگہ کھلی ہوتی ہے باقی منہ آگے سے بھی بند ہوتا ہے۔ اس طرح یہ آستین جیب کا کام دیتی ہے اس تبا میں ہن نہیں ہوتے۔ آگے سے بالکل کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ جاپانی زبان میں اس تبا کو کونو کہتے ہیں۔ یہ یونیورسٹی گون سے بالکل ملتی جلتی ہوتی ہے۔ سردی کی وجہ سے کئی کئی کونو اوپہنے پہن لیتے ہیں اور پھر دونوں پیش اوپر نیچے کر کے کر پر ایک پیٹکا باندھ لیتے ہیں اور عورتیں اس پٹکے کے ساتھ کر پر ایک پٹیکہ بھی باندھ رکھتی ہیں۔ جو بلوغ کا نشان خیال جاتا ہے۔ اور بچہ کو کر پر باندھنے کے کام آتا ہے۔ کونو کے اوپر ایک گھنٹوں تک بچا آؤ کرٹ ہوتا ہے۔ جو شکل میں کونو سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ مگر اس کو سامنے کی طرف کھلا رکھتے ہیں۔ اور صرف ایک چھوٹا بیٹھی بندہ دونوں پیشوں کو لٹا کر رکھتا ہے۔ اس آؤ کرٹ کو ”ہوری“ کہتے ہیں۔ باعموم عورتوں کا لباس نہایت خوبصورت لڑھی یا وائی چھینٹوں کا ہوتا ہے۔ بعض عورتیں ان میں رونی بھی ڈلاتی ہیں۔ ہر عورت شانوں پر ایک چوڑا خوبصورت گلو بند ڈالے رکھتی ہے۔ بالٹھٹ الجھجھ عورتوں کا یہ لباس نہایت نفیس اور دلکش معلوم ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ از حد ہر متر پیش بھی ہے۔ تمام لباس میں صرف ایک چیز

ہیں۔ چوراہوں پر جا پانی پولیس نمں نیلی وردی پہنے بڑی ہوشیاری سے ان بے شمار گاڑیوں کو ادھر ادھر گزارتا ہے۔ ہر قسم کی گاڑیاں چلا دالے بڑی احتیاط سے ان کو چلائے ہیں اور ان میں کیا خیال رکھتے ہیں۔ مگر رکشا چلائے والے اس نام کا عدد سے بالکل بے نیاز ہیں عموماً بیچ سڑک میں چلتے ہیں۔ کبھی داہنی طرف بچتے ہیں اور کبھی بائیں جانب۔ پیدل چلنے والوں کے لئے سڑکوں کے دونوں جانب پٹریاں ہیں مگر پیدل چلنے والے بھی عموماً بیچ سڑک پر چلتے ہیں +

غروب آفتاب کے بعد میں پھر تنہا سٹنے کے لئے شہر کی جانب چلا گیا۔ اور یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ بندرگاہ کے قریب کے بازاروں میں میزینٹر دکانیں سرشار سے بند اور بڑی بڑی عمارات بالکل بے چراغ تھیں میزینٹر عموماً سٹنان پڑی تھیں۔ اور ان پر کافی روشنی بھی نہ تھی +

۱۶۔ مسٹر کو ہوا جاز میزینٹر مسعود یعنی بندرگاہ۔ یو کو ڈا ما جا پنچا پریو فیئر تھامو صاحب جو مجھے لینے کے لئے انٹر لین لائے تھے۔ جہاز پر آئے۔ ان سے تعارف ہوا۔ پھر ان کی زیر نگرانی ہمارا اسباب جہاز سے آنکر کسٹم ڈاؤس پنچا اور بعد میں صلی سائنس کے ڈاؤس سے رخصت ہو کر کم سب ہو کو ڈا کے ریلے۔ سے اسٹیشن پر آئے اور اگلے ٹرین میں بیچ کر وہ مٹھ کے بعد دار السلطنت جاپان ٹو گیا آئیچے اور تھوڑی دیر بعد اپنے خاص قیام گاہ یعنی ہونن کا ہونن میں پہنچ کر ایک بڑے اور آرام دہ کمرے میں مقیم ہو گئے +

بدار السلطنت

(خاص)

ہے۔ جو نظر میں نکلتی ہے۔ اور وہ کر کا ٹیکہ ہے۔ اس پر جب "ہوری" پن لی جاتی ہے تو کر پڑا جھانکنا ایک کو بان سا کھڑا ہو جاتا ہے +

مرد خواہ انگریزی لباس میں ہوں یا جاپانی لباس میں بالعموم سیاہ رنگ بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ مردانے جاپانی لباس میں کر پر ایک لنگے کی قسم کا کپڑا اور پٹنا جاتا ہے۔ یہاں کی ہر چیز زبان حال سے اس قوم کی دولت اور محنت کی شاہد ہے۔ مگر پھر بھی کہیں کہیں کچھ غریب اور مسکینوں کو کسب بازار بھیک مانگتے نظر آئے۔ ان کے بعد غریب طبقہ میں رکشا اور ٹیکسے چلائے والے تھے۔ ٹیکسوں کے مزدور کھیتوں میں کام کے کرنے والے ہیں۔ مگر دنیا کی اور قوموں کے غریب کی طرح۔ ان کے چہروں پر افلاس کا اثر قطعاً نہیں ان میں ہر شخص کے جسم اور لباس سے زیادہ صاف اور چہرے لٹاس میں + تعجب ہے کہ ایسے ملک میں جہاں ہر کام میں مین سے ہوتا ہے۔ اور کبلی گیس۔ اور ڈھانی قوتیں استمدار متعل ہیں۔ وہاں رکشا اور ہاتھ کے ٹیکسے بھی موجود ہیں۔ بھاری ٹیکسے گھوڑے بھی کھینچتے ہیں۔ جو بہت جسم اور قوی معلوم ہوتے ہیں۔ میل بھی بار برداری کے کام آتے ہیں۔ اگرچہ یہاں کے گائے میل ہندوستان سے بالکل مختلف شکل کے ہوتے ہیں۔ ان کا رنگ عموماً بھورا ہوتا ہے۔ اور اونچے کم ہوتے ہیں۔ لمبے زیادہ۔ منہ اور جسم بھینس کی طرح بھاری ہوتا ہے۔ اور گروں بالکل کر کی سیدھ میں ہوتی ہے +

آدہ رفت کی بڑی کثرت ہے۔ ریلیں بیچ شہر سے گزرتی ہیں۔ ٹریم کاریں موٹر ہیں۔ ٹیکسیاں۔ بسیں بے شمار اور دوسرے اور دوڑتی پھرتی

بیکشول سائنس یعنی مرد و عورت کے تعلقات پر کتابیں

کتاب	مجم	قیمت	کتاب	مجم	قیمت
۱۔ کوکشینہ یا تصویر	۲۵۰ صفحہ	۳۰ روپے	۲۔ زن و شوہر	۱۱۰ صفحہ	۳۰ روپے
۳۔ جنون دہی تصاویر۔ دوسرا ایڈیشن۔ بچہ مقبول و معروف۔	۱۲۸	۱۲۸	۴۔ روح و لحادسی	۱۲۸	۱۲۸
۴۔ شب عروسی	۱۲۸ صفحہ	۱۲۸	۵۔ عیش و نشاط	۱۲۷	۱۲۷
۶۔ (۳) شب تاچہ عروسی	۱۲۰	۱۲۰	۷۔ میل بیوی کے خطوط	۴۲	۴۲
۶۔ (۴) عورت	۲۰۰	۲۰۰	۸۔ (۱۰) روح و لحادسی کے خطوط	۴۷	۴۷
۶۔ (۵) مرد و عورت	۱۱۲	۱۱۲			

لئے کتابیت۔

نیجیرنگ خیال بک ڈپو۔ شاہی محلہ لاہور

بک ڈپو

شکست

ادھر حضرت خلیل - بی - ا - بنظر مری

ہوا نظر آنے لگا۔ وہ خدا کی دنیا سے برسرِ بیکار ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے شکست
ایرزی کو شکست دینے کا ارادہ کر لیا۔

بوڑھا اور اس کا اکوڑا بیٹا سنو اور بوڑھے کی بیوی ایک صاحب کے
بنگلے میں رہا کرتے تھے۔ سنو بڑا سیریل الغم اور چت چالاک لڑکا تھا۔ باپ
بیٹا دونوں گھاس جھیل کر صاحب کے گھوڑے کو ڈال دیتے اور صاحب اُن کو
اتنے پیسے دیدیتا کہ تینوں کا پیٹ بھر جاتا۔ اب سنو اُن کے مرنے سے بوڑھے
میں پہلے کی نسبت ادھی ہمت بھی نہ رہی تھی۔ جب صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ
اُس کے گھوڑے کو اب پیٹ بھر کر گھاس نہیں ملتی تو اُس نے بوڑھے کو کھانا
جو اب دے دیا۔

بوڑھی بھینری چلائی۔ ”بھوڑا ہم پر دیا کوہ۔ اب اس عمر میں میں کونسا
نوکری کیلے۔ بڑی مہروانی ہو گئی۔ ہمارا ایک اور رتے دار ہمارے ہاں آجائے گا۔
پھر بھوڑے کے گھوڑے کو پہلے جتنی گھاس ملیگی۔ اب اس وقت ہم کہاں جائیں
کاہے کو ہمیں لات مار کر نکال رہے ہو۔ بچوں کا دکھ رام کسی کو نہ دکھائے ہم
دونوں مرنے کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ بھوڑے کے دوارے پڑے رہیں گے۔
جو روکھا سوکھا ہو میں دیتے جانا رام آپ کو بدلہ دجھا“

لیکن صاحب نے ایک نہ سنسی۔ بوڑھی پھر بولنا چاہتی تھی لیکن بوڑھے
نے اس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہا:-

”جیادہ بولنا فحش ہے۔ اپنا تورا پرات منہاں لو“

بوڑھے نے اپنا امیلا جاکٹ بستر پر رکھ لیا۔ تو با کو کی تھیلی ایک کونے
میں لٹکی ہوئی تھی۔ اس کو اس نے کر کے ساتھ باندھ لیا۔ بھگوت گیتا اور اُن
کی دونوں پٹلیں ایک ہی غلاف میں بندھیں وہ بھی اپنے گھلے میں ڈالیں۔
گڈ دی اور عسا ایک ہاتھ میں۔ نایل کا حقہ دوسرے میں۔ بوڑھا ان تصویق
پر جو کہ سنو اُن کے کپڑے کے تھاقل سے اُن کا رگوں پر اُن سے چسپاں کی
ہوئی تھیں آخری نظر ڈال کر ہر نکل آیا۔ بوڑھی نے کھانے پینے کے برتن اور

بوڑھے کا دس سال کا چلتا کھیلا اکوڑا بچہ سنو اُس کے ہاتھ سے
چھین لیا۔ موت کے اہل قانون نے اس کی گریہ و زاری بوجھ و بچاڑ کیسی
پیرا نہ سالی پر کوئی توجہ نہ دی۔ بوڑھے کی آنکھوں میں دنیا قائم خانہ ہو گئی۔
اس کے پاس سب سے بڑی دولت یہی تھی۔ وہ کوئی گئی۔

سنو کے ماں ارنجی کے ساتھ ساتھ آہ و بکا کرتی ہوئی اپنی کھوئی
ہوئی دولت کو الوداع کرنے جا رہی تھی۔ بوڑھے کی کمر پہلی ہیٹھ نہ تھی۔
بیٹے کے غم سے اور کبڑی ہو گئی۔ اس کے پاؤں کی تخت سلب ہو گئی ہیں
میں اتنی ہمت نہ رہی کہ وہ بیٹے کی ارنجی کے ساتھ جاتا۔ تھوڑی دور ریگن
ہوا ساتھ آیا۔ پھر اٹھی ٹیک کر گھی میں کھڑا ہو گیا۔ جب تک ارنجی آنکھوں
اوچھل نہ ہوئی وہ مکملی ہانڈے دیکھتا رہا۔ اُسے حیرت تھی کہ اُس کی آنکھوں
کے سامنے لوگ اُس کے پیارے بچے کو جلانے کے لئے لٹے جا رہے
ہیں۔ کیا دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ اسے اب بھی یقین نہ آتا تھا۔ آخری
منظر بھی آنکھوں سے دور ہو گیا تو بوڑھا اپنا عصا زمین پر پھینک کر بیٹھ گیا
کمرغیبہ ہونے کے وجہ سے اُس کا سر دونوں کندھوں کے درمیان دھک
تھا۔ آنکھیں فوڈ کو ب سے بندھیں۔ وہ کسی گری سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے
کمر و میٹھ میں طوفان فیز تلاطم پیدا ہوا۔ اکٹ مٹی حیات پر ایک غیر معمولی داؤ
پڑ گیا۔ امید، ایک دھندلی سی شے بن کر اُس کی نظروں سے دور غائب ہو رہی
تھی۔ دنیا اس کے لئے ایک جھلا سڑا گوشت کا تھوڑا تھی۔ دنیا کے ماتم جا ایک
پتلوس کے دماغ میں روشن ہو گئے باس کی رہبری میں اُس نے ایک نیا رستہ
ڈھونڈا۔

بوڑھا اٹھی کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ اب اُس کی آنکھوں میں اطمینان
کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ سلوم ہوتا تھا کہ وہ اہتمام پر ہوتا تھا۔
اُس نے قیمت کو خوب آدھا لیا۔ اب خدا سے مدد مانگنی فضول ہے۔ اُس کے
انگلی سے خدا کا لفظ حرفِ کمر کی طرح محو ہو گیا۔ مذہب اُس کو ایک من گھڑت

جو کچھ اس سے ہو سکا اٹھالیا۔ دونوں آہستہ آہستہ ہنگے سے باہر نکل آئے۔ بوڑھا مطمئن تھا اور بوڑھی بے چین۔ بوڑھے کو خیال تھا کہ جس دنیا میں آٹھویں بیٹے جیسی عزیزیت سے جینیں جاتی ہے۔ اس دنیا میں صاحب کا نوکری سے برعزت کر دینا معمولی بات ہے۔ لیکن بوڑھی کو فخر معاش بے چین کر رہا تھا۔ مات کو روٹی کہاں سے کھائیں گے؟

”ہمارے کچھ پیسے بھی تو عاصی کی طرح بھٹکتے تھے وہ بھی نہ ملے۔ بوڑھا کہہ رہا ہے۔ یہ پیسے والے لوگ گریبوں کو تو کتے کے پھک بھگتے ہیں۔“ جس کے دل میں اتنا بھی دھرم نہیں کرکٹ والے گریب سوجی کیسے رکھا جاتا ہے۔ اس سے پیسے مانگنا فحش ہے۔“ آج کے لئے تو تم کھو بھی نہیں ہے۔ دنیا بھی صاحب کے حراج سے ادا کر دیا کرتا تھا اب کا ہے کہ وہ بچا؟

بوڑھا ”ایشور مالک ہے“ کہہ کر آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا لوٹا اپنے سے باتیں کر رہا تھا:-

”اس میں روپیہ سننا میرا دکھ اور خیال کے بند منوں میں سے محنتا بڑا مشکل ہے۔ سنو کی ماں آج تک تو میرا یہ دھرم تھا کہ آٹھ کی شانتی اس وقت تک نہیں ہو سکتی ہے جب تک آدمی کام کر دے۔ وہ بھلا اور ہنکارا نہشت نہ کر دے سکے سنو ش اور گنتی اس شخص کو ہوگی جس نے من کے چکر کو خوشاخش کے ساگر میں نہ چھٹنے دیا۔ اور جہاں کو سب لگیان روپ میں لگا لئے رکھا؟“

”تو کیا آج تمہارے دھرم میں کچھ فرق آگیا ہے تم تو فرسے بھگت تھے۔ آج کیسی باتیں کر رہے ہو؟“

”ہاں سنو کی ماں! اب میرے دھرم میں بڑا فرق ہے۔ اوپر نے بڑے چار کے بعد یہ دھرم کیا ہے کہ کام کر دے وہ لوہہ اونٹنہ ان پانچوں کے سوا اس جگت میں نہ بڑا کٹھن ہے۔ جب تک جیت کے لگن کے سامانوں تب تک اس چت روپیہ سمندر میں من کا جہاز شانت نہ بیٹے ہم؟“

بوڑھا میں خیالات میں غرق تھا کہ سامنے کھلی دیں ایک گھر کے سامنے تین چار سال کا بچہ کھیلتا ہوا دکھائی دیا۔ بوڑھے کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی ٹپک پیدا ہو گئی۔ اس نے، دو دو دو دیدہ نظریں دوڑائیں اور سوچا کہ بچے کو گود میں اٹھالیا۔ بوڑھی سمی ہوئی بڑبڑا رہی تھی +

”کیوں مفت میں جان جو کھوں میں ملے ہو۔ بڑھاپے میں یہ ٹپک کا میٹھا مٹھے پر لگاتے ہو کسی امیر کا نوٹا معلوم ہوتا ہے۔ تجھے جیل میں پہنچا چھوڑیں گے؟“

لیکن بوڑھا بچے کو چکارا ہوا دلاسا دیتا ہوا بہت دور تک لے آیا، دوستوں کا غم دور کرنے کے لئے اسے پاؤں دیا۔ پس ایک لکٹ کا ہے کہ جیلیوں اس کے ماں باپ بھی ذرا ساری عمر تہیں گے۔۔۔“

(۳)

دن گذرتے گئے۔ گھر والے دونوں میں اور دونوں مہینوں میں اور مہینے بچوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ بوڑھا ایک اور صاحب کی کٹھی پر جا کر ملازم ہو گیا تھا۔ وہ بچہ جو بڑھا تھا اب اس کا نام اس نے گریہ جاری رکھا اور آج اس کی عمر دس سال کی ہو گئی تھی۔ وہ بڑھے کے ساتھ گھاس جھیل کر لایا۔ بڑھا بڑھا مطمئن تھا لیکن دل سے سنو۔۔۔ کا غم نہ مٹ سکتا تھا۔ لڑکا بھی اسے باپ کہہ کر بچتا اور بوڑھا بوڑھی دونوں بیٹوں کی طرح اس سے محبت کرتے +

بوڑھی نے چل پر تہا کو مال کر دیا بڑھے کے سامنے رکھے ہوئے تھا۔ ”کیسا سندھ لڑکا ہے اور کیسا دل لگا کر کام کرتا ہے۔ اس کے ماں باپ بچا روں کا کیا حال ہوگا۔ روتے ہوں گے بیٹے کا غم پر ماتا کسی کو نہ دکھائے آج اس نوٹے کی عمر بھی اتنی ہو گئی ہے جتنی سنو۔۔۔ کی مرنے کے وقت تھی؟“

بوڑھا اپنی کامیابی پر بہت مسرور تھا۔ وہ گر دھاری کے والدین کو دکھ دینے میں کامیاب ہوا۔ دنیا اس کا نام ہے۔ ”خوب گرہ و نازار کرتے ہوں گے“ اس خیال سے بوڑھے کی گردن کی گہریں پھول جاتیں۔ اور بھڑکوں والے پتھر پر ایک فیئر مچھولی تھمتا ہٹ نوٹا رہتی۔ اور گر دھاری کی عزت دیکھ کر مضمحل لہجہ

میں کھانسی لیتا +
اتنے میں گردھاری گھاس چھیل کر اندر داخل ہوا +
”سنو کی ماں! ذرا میری لاشی دینا، باہر گھومنے کو دل چاہتا ہے +“
”ماں! اب بیٹھے کویت کا ہے کو کرے گا۔ بیٹا گردھاری گھاس نہیں
ہی لاتا ہے۔ تم گھر بیٹھے حد پو یا باہر گھومو +“
بوڑھا لاشی لے کر باہر نکل آیا۔ اور ایک فحش دسپر سالار کی طرح فحش
ماتا ہوا جا رہا تھا۔ وہ گھر سے کسی خاص ارادہ سے نہ نکلا تھا۔ لیکن نفس اسے
بھکانا ہوا۔ فحش پر بھسلنا ہوا۔ گردھاری کے والدین کے گھر کی طرف لے چلا۔
اُس کا منہ بھجور سے کی طرح سوکھا ہوا بار بار دانیں بائیں حرکت کر رہا تھا +
اس کا سر اس کے بدن سے اسقدر آگے بڑھا ہوا تھا کہ دور سے
یہی معلوم ہوتا تھا کہ ابھی گرا ہوئے گھر سے کا نفس اور ضمیر اب کبھی برسرِ پیکار
نہیں ہوئے تھے۔ بدت ہوئی وہ ایک فیصلہ کن گوشہ میں اسن واماں سے
بسرام تھے۔ کیفیت اور سرت ہر وقت اُس پر طاری رہتی تھی۔ آج وہ گردھاری
کے والدین کو دیکھ کر اپنی سرت کی انتہا دیکھنا چاہتا تھا کہ ان کو گریہ و زاری
میں مبتلا اور پریشان حال دیکھ کر اپنی سرت کو دوبالا کر سکے۔ ”ذرا میں بھی
دیکھوں یہ شہرت اور ثروت والے کس طرح دتے ہوں گے۔ شہر مچانے ہو گئے +“
وہ لاشی کو کھٹ کھٹ کرتا ہوا آنے جانے والوں سے بے پرواہ
گزر رہا تھا جیسے بھولا ہوا سافرا یا ملک اپنی منزل مقصود کو پا کر کیسے تیز
گامی سے کام لیتا ہے +

بوڑھا جب اس گلی میں آیا تو غیر متیقن تدم رکھتا ہوا وحیرے دہیرے
لاشی یگانا ہوا ٹھنک کر گردھاری کے والدین کے مکان سے دو رکھڑا گیا
اُس کی حالت اُس جھگڑے طالب علم کی سی ہو رہی تھی جو صبح مدرسہ کو دور
سے دیکھ کر مچانے کا خیال دل میں لا رہا ہو +
گناہ کا احساس ہر ایک آدمی کو ہوتا ہے۔ بدترین اخلاقی مجرم میں بھی
وہ احساس جو ضمیر سے اٹھ کر نفس کے مقابل ہوتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے نمودار
ہو کر اسے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن گناہ کی کثرت عادت اس احساس
کو غالب نہیں ہونے دیتی۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ تاریک ترین کوٹھڑی میں اودنے
سی چمک بھی پیدا ہو اور روشنی نہ ہو +
بوڑھا جبھی جھجک جھجک کر مکان کے نزدیک کھسکتا آ رہا تھا کہ یکایک
فحش اسی مکان کے اندر سے نکلا۔ ایک دودھ پینا بچہ اُس کی گود میں تھا۔ دو

تین اور بچے اُس کی مانگوں سے پٹے ہوئے ہنستے کھیلنے باہر نکلے۔ اس شخص
کے چہرے پر سرت لہریں مار رہی تھی۔ وہ اسقدر شادان و فرماں نظر آتا تھا
گو یا آج ملک و قوم کی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوا +
یہ گردھاری کا باپ تھا +

بوڑھا چرت سے اپنے دیدے چھڑا دیکھ کر دیکھ رہا تھا۔ کیا اس سنار
میں یوں بھی ہوتا ہے۔ کیا اس شخص کو اس کا بچپڑا ہوا بیٹا بھول گیا۔ ”بابا اُس
کے ترغش ہونٹوں سے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ اُس کے انتقام کا جذبہ اُس کے
عین دل کی رگ رگ میں ڈوب گیا۔ اُس نے ارگرد آ پٹیں ہوئی لغزش و دڑائیں
پھر اسی شخص پر پوست ہو گئیں۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ کھیلنا ہوا بوڑھے کے
نزدیک آ گیا۔ اور اُسے فقیر سمجھ کر ایک پیسہ اُس کی تسلیل پر رکھ کر بچہ کو جلا
لے ہوئے وہ در نکل گیا۔ بوڑھے پر بالکل سکتہ کی حالت طاری تھی۔ خفیت سے
خفیت جنبش بھی نمایاں نہ تھی +

ضمیر نے نفس کا گلا گھونٹ کر مغلوب کیا۔ اس کے سینے میں ایک تھوڑی
سی پیدا ہوئی۔ وہ دنیا سے دنیا والوں سے۔ منہیت ایزدی سے انتقام
لینے کے لئے اس بدترین فعل کا مرتکب ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک ہی دینا ہے۔
وہ آہستہ آہستہ دیاں سے واپس مڑا۔ اس کی حالت اس وفادار خادم
جیسی تھی جس کو مالک نے بغیر قصور کے مارا کر گھر سے نکال دیا ہو۔ اور پھر کبھی
اُس کا دل دیاں سے جانے کو نہ چاہتا ہو اور بار بار مڑ کر اُس گھر کو دیکھتا ہو۔
طالب علم کو مڑے انتظار کے بنائیں ناامیدی کی خبر پہنچی تھی وہ اُس کے لئے کی طرح
تھا جو طاقتور کتوں کو دیکھ کر دور ہی دور جا رہا ہو اور کبھی کبھی چپے مڑ کر بھی دیکھ لیتا
ہو۔ بوڑھے کو شکست ہوئی۔ بچہ جو گھر کو لوٹا۔ ضمیر سے اندر ہی اندر غم و غصہ
رہا تھا۔ پشیمانی سے اُس کی پشیمانی پر پسینہ کے دریا بہ نکلے۔ اُسے اپنے ضمیر سے
شرم آ رہی تھی۔ وہ اپنے ضمیر سے دور جاگ جانا چاہتا تھا۔ کیا وہ گردھاری کو
اُس کے والدین کے دروہ و تاراج کا۔ اگر وہ یہ کر بیٹا تو سپاسی ... جیل ...
قید ... بلا مشبہ ... سب مصیبتوں کو سبک دے گا۔ لیکن وہ ضرور گردھاری
کو واپس کر دے گا۔ اور صاف طور پر ساری حقیقت بیان کر دے گا۔ ورنہ پھر
محسوس دلوں سے گھر بچھوڑنے سے اُس کے گناہ کا تقارہ ہو جائے گا +

وہ انہیں خیالات زہر اپنے مکان کے نزدیک پہنچ گیا تو اُسے بوڑھی
کی کچھ بچا کر سنائی دی۔ بوڑھے نے تیز تیز قدم اٹھائے تو کیا دیکھتا ہے کہ گود بچہ
نیمجان گھاس چرچا ہوا ہے۔ اور بوڑھی آہ بکا کر رہی ہے۔ اسے معلوم ہوا۔

کہ لڑکا گھاس پیچیل رہا تھا یہ ایک آسے سیاہ زہریلا سانپ ڈس گیا +
تھوڑی دور ایک گوالا رہتا تھا کہ سانپ کا فتر جانتا تھا۔ بوڑھا حالے
دوڑ کر بلالایا۔ وہ کئی بار لڑکے کے کان میں چلتا یا شور مچایا۔ پانی کے گھر سے
سر پر اوٹھ بیٹے بہزار مہن کئے۔ لیکن بازیافت نہ ہوئی +

لڑکا آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو گیا۔ بوڑھا سر پیٹ کر بیٹھ گیا۔ آسے
شکت ہوئی۔ اور پاش شکت ہوئی۔ مشیت ایزدی کا یہ ادنیٰ سا کرشمہ تھا،
(خاص)

خیل بی اے

ملوکیت

از جناب غلام مولیٰ خاں کلیم بی۔ اے

اندوہ کے بادل چھائے تھے تویرِ مسرت عام تھی تذلیل تھی ہر سوانساں کی کچھ منزلتِ عوام نہ تھی
دریائے ستلج ہر تنکے کو لہروں میں بہائے جاتا تھا آزادی کی مے عالم میں مدت سے رہنِ جام نہ تھی
شیرازہ عمر پریشان تھا خاموش تھے ہر سوسائز پیش رنج بستہ تھا ہر اک ذرہ کچھ گرسے زیرِ دام نہ تھی
مزدورِ غریب و یکس پر پیوستہ جھائیں ہوتی تھیں ہر نوبہ ستم محبوب رہی اور رسمِ جفا بدنام نہ تھی
خواجہ کے نہالستانِ طرب پیتے تھے لہوِ مزدور و نکا ہر جانب قبرِ برستا تھا خو خوارِ غی انسانِ رام نہ تھی
آزادیِ فطرتِ نالاں تھی تقدیر کی اس رنجِ گردش پر سب حور و ملک تھراتے تھے کیوں محبتِ بھام نہ تھی

کب گردِ غریبوں کے سر پر اُڑتی نہ کلیمِ تہی کی !
کب صبحِ ضعیفاں دنیا میں بازوئے ستم سے شامِ تہی

کلیم

(خاص)

راجکمار اور شیدا

از جناب محمد نواز خاں صاحب اسلام آباد لاہور

413

... آؤ اودھ گئے کے لئے بھیجیں تھا۔ یہی دیر تھی کہ حضرت اپنی راجہ دانی بلکہ راجستھان کی کل آبادی کا مایہ ناز راجا راجہ تھا۔ ریاستوں کے راجہ اس کو پیار کرتے تھے۔ جھوٹے پھوٹے بچے اس کی نظیر کو ثواب خیال کرتے تھے۔ اور حوصفت و شیراز غمزہ لایاں اس سے غائبانہ عشق رکھتی تھیں جتنی جاتی تھیں۔ مندروں پر چڑھاوے پر چڑھتی تھیں۔ تاکہ دوست۔ بصورت راجا راجہ انہیں اپنی خدمت میں قبول کرے۔ لیکن دھورت اور محبت کے نذر سے متاثر تھا۔ اس کے نزدیک ملک و قوم کی خدمت کو اپنا پرست الفت کی الجھنوں میں پڑنے کے زیادہ ضروری اور اہم تھا۔ اسی لئے اُس نے کتنے ہی شادی کے پیام صرف ہنس کر دیکر دے دیئے تھے ۔

گوندگی کی لعائنیں اور عیش و عشرت کے جسمی سامان مٹاتے تھے۔ لیکن اُس کے دل میں ایک بھجان سا تھا۔ جسے فکر نہ کرنے کے لئے کسی برابر کی محاسن طبیعت کا ہونا ضروری تھا۔ اور اسی کی اُسے تلاش بھی تھی! وہ جو باگھا کسی ایسے صدمہ کسی ایسے طعیر کا جو اس کے سینے کے تھلاؤ کو فواد اور اس کے دل کے اندرونی خلایکو پر کرے۔ یعنی اُسے اس دم سے آشنا کر دے! اُسے وہ شہزادہ اب پلا دے جس سے وہ خیالات کی پیچیدہ کھجی کو بٹھلے سکے۔ آرام و آسائش سے اُسے نفرت تھی۔ دن بھر غبار و مساکین کی آواز کو نہ بیا سکیں اور محتاجوں کی دستگیری نہ کرتا۔ اور جب کبھی دل برداشتہ ہو جاتا۔ تو باہر غایت کی نفاؤں کی طرف نکل جاتا۔ پانیوں کے بکاش منظر اور باغوں کے جانفزاں نفا سے دیکھ کر کہہ کر اُس کے دل پر نفس گئی کہ میں یہ جنتِ فیضِ خدا و نفاست و تباہی کا سکن! — انرض دن بھر قوم کے منتشر شہزادے! اتحاد کو ایک سالکِ نغمہ میں منضبط کرنے کے وسائل سوچا اور جب شام ہوئی تو بائسری سے روح نواز آگ کا تابا ہوا پھر جنگل کی طرف نکل جاتا۔ اور سیدہ کھوکھ کے آغا زیرِ اہل آج تھا۔

جب شام کے وقت وہ حسب معمول اپنی دھن میں مست بازار سے گزرا کرتا تو اس کے بالوں میں کبھی کبھی کسی فنسے کی خفیف سی صدا گونج کر رہ جایا کرتی اور اس کے خاموش تغیل کو ایک لمحہ کے لئے مضطرب کر دیتی۔ لیکن جلد ہی وہ

جب رات کی غمزدی اپنا فصول پڑھتی ہوئی تھی۔ اور کُنات پُراچنی
مارک نقاب ڈال دیتی۔ میں اُس وقت اووے پور کے شاہی محلات سے
ایک مخوم نئے کی دھیمی دھیمی صدا بلند ہوتی۔ بشرہ کے درو دیوار پر سکون دغا شہ
کا سہل طاری ہو جاتا۔ پندرے دفعت نیند میں محو ہو جاتے۔ کس بھولی بھالی
لڑکیاں نیند کی آغوش میں سو جاتیں۔ اور سوائے اُس پر درد و فکد کی خاموش
صدا کے جو گلی کو چوں میں گھومتی ہوئی آبادی سے دور جنگل کی طرف نکل جاتی۔
ہر شے پر نیند کا غار چھا جاتا۔۔۔۔۔۔ یہ ایسا معنی اووے پور کی ریات
کا چشم و چراغ تھا۔۔۔۔۔۔ یا جگا جھیلہ اجوان احسن طاہری و باطنی سے آواز
خلق و مروت کے جوہر سے پیراستہ اور فہم و ذرات کے زیور سے مرصع۔
جس طرف سے گذرنا مجہین ذلت نہ خصلت لڑکیاں، کواڑوں میں چھپ
چھپ کر اس کی من موہنی صورت کا نظارہ کرتیں۔ اس لئے نہیں کہ عنفوان
شباب کی آسنگوں سے بیقرار تھیں۔ نہیں محض اس لئے کہ اُس جان سے
کھڑے پرحسن کی نیا با ش کردوں میں پنہاں ایک روحانی فوران کو نظر آتا
تھا۔ اور وہ خیال کرنے لگتی تھیں کہ یہ دیوتا، یہ مجسمہ نور ہے وہ ذریعہ
پستل بنانے کو بتا بہتیں، عقرب راجستھان کی پرائی غلطی کو سبباً
کئے تھے!۔۔۔۔۔۔

وہ صرف لمبی لمبی زلفوں، بانٹنے کیلئے تیار، متشابہ، انھما اور موٹی موٹی
سید چکدار، آنکھوں والا جادوگر، سچی نہیں تھا۔ بلکہ جنگ کے اصولوں سے
واقف، تیر، زبان کا ماہر، تالوار کا دشمنی، مڈمخسوس اور ڈبہ، ابن جنگ میں
گر جہاں خواہ اور جنگجو راجپوت تھا۔ حیت و قوت کا گرم اور پیا کا خون، اسکی
رگوں میں موجزن تھا۔ اپنے دل کے زن و مرد کے نام، ناموس کی حفاظت
میں ہمیشہ سرگرم اور خدمت ملک و قوم میں ہمیشہ شہنشاہ تھا۔ راجستھان
کی سرزمین کا چہرہ تھا۔ آس کی سوئی ہوئی عظمت و جہاد کی یاد دلا دلا کر
خون کے آئینہ دلاتا تھا۔ اس خطہ پاک کو جو شہادت و مردانگی کا گوارہ تھا۔ وہ

اڑتے مضطرب ہو رہا تھا۔ اس نے گنتی دھوا راہ کیا کہ اپنے آپ کو اس آسمانی حصار کے حضور میں حاضر کرے لیکن اس کے ضمیر نے اس کا اڑنا اس کے دل سے نازل کر دیا لیکن اس منظر کا دھندلا سائن اس کی روح پر تسلط ہو گیا۔ اور اس صورت کی ترنم ہی ہوئی باو اس کے دل میں ——— !!

————— ۲۱ —————

سنبلا' قدرتا حاس اور رنگین طبیعت تھی۔ موسیقی اور شاعری سے خاص دلچسپی بلکہ عشق لگتی تھی۔ وہ ہر شے میں سادگی کی جھلک کو پسند کرتی تھی۔ زیب و زینت کے اس باب سے متفرق تھی لیکن میتھی اور پرنسٹن لہوتا کے بغیر بھی اس کے حسن میں وہ دلکشی اور جاذبیت تھی کہ آسمانوں کی مصوم مخلوق بھی اس انہمی حسن کو دیکھ کر کھو جیت تھی۔ اس قدرتی حسن پر اضافہ وہ خوبیاں تھیں جو شریف خاندانوں میں اعلیٰ تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ یہی تھی کہ شہر بھر میں اس کی خوبوں اور حسن آفرینیوں کے چرچے تھے۔ اور کئی شہزادے وزیر کی ملکوتی لڑکی کی محبت میں گرفتار تھے۔ ——— وہ صیفہ قدرت کا ہر وقت مطالعہ کرتی تھی اور قدرت کی ہر ایک حسین شے پر دل و جان سے غور کرتی تھی۔ جب وہ قدرتی مناظر میں سلسلہ اتحاد کو دیکھتی تو اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ اور آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچتی کہ ضرور انسانی ہستی کی بقا کا راز بھی باہمی الفت میں پوشیدہ ہے۔ الفت جس کا معیار بلند ترین ہو۔ جب کتا بوں کے مطالعے سے گھر آجاتی۔ تو اپنی لگائی ہوئی بھلہ آڑی میں آجاتی۔ اور گفتگوں کو تخیل بہتی۔ جب شام ہوئی تو ستاروں کو اٹھاتی اور اپنی سفید اور لمبی لمبی انگلیوں سے اس کے کناروں کو چھیر مڑتی۔ وہ حرکت میں آتے اور فضا میں لغات کی روح طاری ہو جاتی!

جب رات قریب الاقتران ٹھوٹا اپنی سہیلیوں کے ساتھ ندی کے گھاٹ پر اسٹان کرنے جا یا کرتی۔ سہیلیوں سے الگ ہو کر ایک چٹان پر چڑھ جاتی میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ جاتی کبھی ندی کی سرگوشیوں کو سنتی اور کبھی کوہ سار کی خاموشی پر حیران ہوتی۔ اور کبھی چمکتے ہوئے ستاروں سے مہلکام ہوتی لیکن جب اس کے تخیل کا علمس ٹوٹا تو پکار مٹھتی۔ اے ایلیو! ان مناظر میں محبت کے آثار ہمیں تو اور کیا ہیں! +

ایک رات کو بہار کی تمام تر نگینیاں کھاتات پر چھائی ہوئی تھیں۔ سٹیل کی شاعرانہ طبیعت بھی انہی تھی کہ اذہناتی منازل پر پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ کاجب عالم تھا کہ درسی تحریک سے بھی اس کے تخیل کا چھٹہ ڈال پڑا۔ مٹھ

تخیلات کی فضاؤں میں محو پرواز ہو جاتا اور پھر صبح کے وقت وہ کھلی فضا سے آباہی کی طرف قدم بڑھا لیتا تو پھر اسی نغمہ کی جھمی صدا اس کے کانوں سے ٹکراتی لیکن وہ اپنے خیالات میں اتنا مہو ہوتا کہ اسے اس کا ہلکا سا احساس تک نہ ہوتا۔ لیکن اتنا فروغ تھا کہ اس کے دماغ کے پچھلے پردہ میں اس آواز کا ہلکا ہلکا اثر اب بھی سے گونجتا رہ جاتا۔ ——— جب آخر شب کے وقت شہزادی شب رخصت کی تیاریوں میں مصروف ہوتی اور صبح کے آثار قریب تر ہو جاتے۔ راجھا سا ہستہ آہستہ بیٹنے والی ندی کے کنارے اس کی سرگوشیوں کو سنتا ہوا مشرق کی طرف کو پھیلے لگتا۔ تو وہی آواز اس کی یکسوئی میں غفل انداز ہوتی۔ اس صدا میں کچھ غیر معمولی دلکشی اور کشش ہوتی اور راجھا کا دل بے قرار ہو کر نہانے لگتا۔ جتنی کہ اس کے کان اس پیاری آواز سے اسقدر نالوس چمکتے کہ اس کے دل سے خود بخود صدائیں آنے لگیں کہ یہی وہ صدا ہے جس میں تیری فنا کا مل موجود ہے!

ایک رات کہ ابھی تاریکی کے آثار نمودار تھے۔ مٹھے ماندے ستارے قریب قریب صدمہ مہم ہو رہے تھے۔ آہستہ آہستہ گم ہونے والی آوازیں ٹھٹھ بھٹھ بڑھنے والی ضبائے سحر کے آگے ماند پڑ رہی تھیں۔ راجھا اس سمیت کو چل پڑا۔ بعد سے ان دلکش فنموں کی صدا ابھی بھی ——— ندی کا صاف شفاف پانی اور اس کی خاموش روانی، کنارے پر لگی ہوئی گھاس اور ہرے بھرے درختوں کا پانی میں نمودار کس اور اعلیٰ ریت پر سیسوں کا چمکدار منظر دیکھ کر راجھا کو کچھ عجیب مسرور ہوا۔ اور اس کے قدم عالم انبساط میں مشاعرہ پڑنے لگے۔ گو نجی ہوئی دور سے آنے والی صدائات کے خاموش منظر میں کچھ عجیب بجلی معلوم ہو رہی تھی۔ جوں وہ نزدیک ہو گیا۔ وہ ان بڑبڑ کن فنموں کے اثر سے بہوت بیتا گیا کبھی چلتے چلتے کھڑا ہو جاتا۔ غرض اسی مجذبات انداز میں وہ اس نغمہ کے قریب پہنچ گیا۔ اور حلیں بٹھا ہوں سے اس منظر کا معائنہ کرنے لگا۔ جو اس کے بیش نظر تھا۔ ——— ندی کے کنارے ایک خوشنما چٹان پر بیٹھی ہوئی ایک مد سے زیادہ حسین صورت اپنے ستارے لغات کی روح فضا میں کھیر رہی تھی۔ اس کے پاؤں بیٹھے ہوئے پانی سے چھیر چھا ڈر رہے تھے۔ اور پانی بھی آنکھیلیاں کرنا ہوا اس کے قدموں کے نیچے سے گزر رہا تھا۔ وہ بظاہر اپنے گرد و پیش سے بے خبر تھی۔ اور ستارے کا عالم کو عجیب شان و داری سے حرکت میں لا رہی تھی۔ سادگی اور معصومیت کا عالم اس کے حسن پر عجیب بارود کھار ہا تھا۔ راجھا کا دل اس نے حسیات کے برقی

ٹوٹ گیا۔ ”ہی کون سیلا؟“ — ”اے سنیل! ہی جس نے یہ راز کسی جذبہ سے متاثر ہو کر بہت پہلے معلوم کر لیا تھا، مگر کچھ رات کا آخری تا ابھی تشریب قریب مٹا چکا تھا۔“ — ”معلوم ہے ہم پر کن کن مصیبتوں سے غلوٹ ہو گئی!“ —

(۳)

حس معمول جب ساحرہ شب صفحہ دنیا پر نہا کیوں کی جا رہی تھی فضا میں وہ تھوڑے تھوڑے ہونے لگے بلند ہوتے اور دونوں متضاد سمتوں سے درو دیوار پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ زمین کا ہنسی اور آسمان کے مضبوط ستوں جتنے گئے جب دونوں لٹنے لگے تھے۔ ان کی سنہری موجوں سے فضا متروک ہو جاتی۔ اور دنیا لغز راہ میں تبدیل ہو جاتی۔ عیش و محبت کی باتیں، درد و غم کی حکایتیں، دُری و جدائی کی شکایتیں ایک دوسرے تک پہنچاتے۔ انہی بے بسی کا رونا روتے اور ناک ستم شہزاد کی کج نظری کا شکوہ کرتے۔ — خلعت حیران ہوئی لڑکیاں، ماجرا ہے۔ — دو سمتوں سے نفہر اُٹھتا ہے۔ اور ایک ہو جاتا ہے۔ آسمان پر دیوتاؤں کے سینے کو منہ پر کر دیا جاتا ہے۔ جب آسمان چھو کر چھوٹے لگتا اور سوز و گداز کی مائلوں سے فضا کے عالم پر نہات جھکا جاتا۔ اور ایسا معلوم ہوتا کہ دنیا میں حیات کی کشمکش اور تنہا صدائوں کا غمزدہ چکا ہے۔ —

ہمارا رازا دوسرے پور زیادہ دیر تک اس مجید سے بے خبر رہا گو ارا نہ کر سکا۔ اور ایک رات اس کے انکشاف پر کرکستہ ہو کر اس طرف کو چل پڑا جہر سے موسیقی کی آواز اس کے کانوں میں پہنچ رہی تھی۔ اور آخر کار اس مقام پر پہنچا جہاں رانکھار اپنے غموں کے عالم میں مستغرق بیٹھا۔ آنسوؤں کے ہار پروردہ تھا۔ ہمارا نام ان غموں کے اثر سے مجبور ہو کر کہتے کے عالم میں لفظ ارہ گیا۔ اور اسے خبر بھی نہ ہوئی کہ وہ منہ کی کس وقت وہاں سے اٹھ کر اس خوشحال چٹان کی طرف چھو بھڑا درخت کے نیچے لگنا کی ہوئی ندی کے کنارے واقع تھی۔ چلا گیا تھا۔ لیکن جس وقت وہ جوش میں آیا تو نور آنکھوں کی کشش سے خود بخود کھینچا ہوا دھڑکول پڑا۔ اور وہاں اس نے جو منظر دیکھا۔ اس کی دل کشی اور جاذبیت سے مدھوش ہو کر نہاں دار جمونے لگا۔ — اور آسمان پر سارے دم بخود تھے۔ — نیچے ندی کا پانی خاموشی کی لے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور چٹان کے دونوں طرف سے رانکھار اور سیلا اپنی اپنی موسیقی کی لہروں میں نہماں ایک دوسرے کی طرف باہم جڑ پڑے چلے آتے تھے۔ گو باسب محبت کے دو لٹے خاموش فضا میں گونجنے کے بعد ایک دوسرے کی آغوش میں ایک

اٹھی اور غریب مندرت میں درجہ سے جھانکنا تو رانکھار ستانہ و انکھار رہا تھا۔ —

وہ اسے حسینہ میں تیری شمع حسن کا پادشاہ بن جاؤ گا۔ ہم لٹے گئے تھیں گے اونچے اونچے سر فلک پہاڑوں کی چوٹیوں پر سرسبز و شاداب مرغزاروں میں، شمع اور خوشبودار پھولوں سے لدی ہوئی خیابانوں میں، بے ہوش ہوئے مٹا شمع پانیوں میں گامیں گے ہم عشق و محبت کے ترانے گائیں گے۔ پھر فضا وادیوں، سایہ دار جنگلوں میں ہر طرف نعمت کی روح دوڑائیں گے لیکن اسے حسینہ دیکھ کر مارے میرے ایک ایک کر کے چپکنے والے انسوؤں کی طرح گم ہو رہے ہیں، آکر جمع ہوتے ہوتے تاریک دنیا سے ڈھکی گلیں بستی میں پہنچ جائیں۔!

— ”اے خصوصیت نوجوان! میں اس قابل نہیں کہ تیری شمع حیات بن سکوں، کتنی ہی پریشان شہزادیاں تجھے پرزنیہ ہیں۔ جاؤں سے ہم الفت استوار کریں آسمانی مخلوق ہو کر زمین پر کس طرح قدم رکھ سکتی ہوں میرا ممکن آسمان کی دلکش فضا میں۔ بے ہوش ہوئے چکر پانی، پھولوں سے مہکتی ہوئی وادیوں اور پھولوں سے لدی ہوئی خیابانوں میں سے۔ نہیں نہیں جا ملک و قوم کو تیری ضرورت ہے۔ جا اہیں خطروں سے بچا۔ —

وہ مٹا جان واپس تیری زلفوں کا اسیر ہو چکا۔ میری روح کی زبرد تنہا تھی کسی ایسے ہم کے لئے جو میرے سینے میں سٹپتی ہوئی آگ کو بجھا سکے۔ اس میں جو غلام پہاڑ سے آئے فرو کر سکے میرے دل میں خواہش تھی ایک ایسے مونس کے لئے جو میرے غمزدہ دل میں شریک ہو کر میرے ارادہ کو تکمیل تک پہنچائے اور اس تکمیل کا راز میرے سنہری خوابوں کی تعبیر نقد تم ہو، بیشک ملک و قوم کو میری ضرورت ہے لیکن تجھ میں اس فرض کو پورا نہ کر سکا لگا۔ آج میرے ارادوں کی تکمیل کے لئے۔ انہیں عملی صورت میں متکمل کرنے کے لئے۔ مجھے کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی۔ میں سوچتا تھا میری جو جھوٹا تھا لیکن دل کی آتش کو زیادہ بھڑکانے کے سوا اس سے کوئی کام بن نہ پڑتا تھا لیکن آہ! آج مجھے وہ راز معلوم ہو گیا۔ وہ آکر نہ گئی۔ جس سے میرے ارادوں کو تکمیل کی لذتوں سے ہلکارا ہوتا ہے۔ آہ! مجھے تجھ سے محبت ہے، آکر غمناک دنیا کو زور و محشر کر کے زندگی کے دن خوشی بگڑا دینا سیلا ان الفاظ کو زیادہ دیر تک سن نہ سکی۔ رانکھار کے اضطراب کو دیکھ کر مرعوب اٹھی۔ اور غم کی اور محبت کے موتیوں کو بھیرتے ہوئے کہنے لگی۔ —

”رانکھار! تیری فیلا تیرے سوا کہاں جا سکتی ہے! رانکھار کے تخیل کا ظم

رامائن کے چند مناظر

از حضرت نفیس غنیمی، امرت سر

پیدائش رام

گیسوئے شادی میں لہرائے ہوئے
چہرہ بگیت سی پہل کھائے ہوئے
چاندنی ہے اور منظر آزاد ہے
یہ سماں تازہ تریں ایک یاد ہے
آنکھ پیما نہ ہے مے نظر ارگی
گردشوں کا نام ہے ستیا رگی
بجن فطرت اس بلا کا سادہ ہے
پیر گردوں رقص پر آمادہ ہے
فلکت عھیاں میں صو پیا ہوئی
اور بختِ ماہِ نو پیدا ہوئی
چشمِ دول کے دھیاں پیدا ہوئی
دفعاً تصویرِ جاں پیدا ہوئی
رنگ نکھر اے رخِ ایکسا دکا
شور سنتا ہوں مہار کبا دکا
قصرِ شاہی میں طلب ہے شاہ کی
راہ تکتے ہیں ستارے ماہ کی
ذکر انعاموں کا سکیموں میں ہوا
فیصلہ اس کانکسوں میں ہوا

گود میں کوشلیا کی چاند ہے
ماند ہے خورشید گردوں ماند ہے
آج سچ مچ کی مہارانی ہوئی
پہلا موقع ہے کہ من مانی ہوئی
رام کا جنگل سے بومگر کیڑا وانہ ہوا
راہ حق میں راہِ رو دیکھا کئے
اہل بنش سوکے سو دیکھا کئے
دیر تک اور دور تک دیکھا کئے
آہو! آنکسوں کی چمک دیکھا کئے
ڈرے ڈرے کو طلائی کر دیا
دشت کے دامن کو زرسے بھر دیا
چھپاتے ہیں پرندے دیکھ کر
سم جاتے ہیں درندے دیکھ کر
ساتھ ساتھ اُن کے چکوراتے رہے
چال پر مٹنے کو موراتے رہے
ابرِ رحمت کی گھنی چھاؤں میں تھا
خیر مقدم اُس کا صحرائوں میں تھا
رام کی آمد کی اطلاع سیتا کو

بولتی ہے، دیکھ سکتی کاش وہ
دیکھتی ہے جو چمکتی کاشش وہ
کاشش! تم سنتیں نہانی آنکھ کی
دیکھتیں چادو، بیانی آنکھ کی
چشم نگراں کو زباں کیونکر کروں
میں نے کیا دیکھا، بیاں کیونکر کروں
رکھ نہ دی قادر کلامی آنکھ میں
رہ گئی یہ ایک خامی آنکھ میں
”پھول دو کھلتے ہوئے دیکھ آئی ہوں
نور دو ملتے ہوئے دیکھ آئی ہوں
چاند کے ٹکڑے کبھی آئے نظر
آج شاید ہو گیا شوق القمر
جسودہ پاشی میں وہ دونوں برق ہیں
مہوشوں میں صرف قد کے فرق ہیں
شکل پائی ہے تمہاری شان کی
بیچی نظروں مسکرائی جانکی
کیا ہی پیارے ہیں وہ دونوں نیکی
کاشش بیاہی جاؤ ان میں ایک سے
شرم کے مارے یا شرمگئی
حسن کی سکیوں میں شامت آگئی

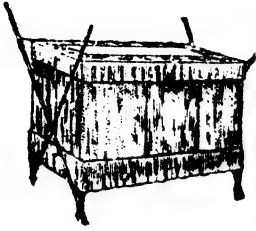
(دھنک کو توڑنے سے جب تمام خیرا دیے
ناجز آجاتے ہیں تو ہمارا جہ انہیں کمزور اور بزل
کا خطاب دیتے ہیں۔ اسوقت پچھن طیش میں اٹھو تو ہوا
رام، پچھن کو بھٹاتے ہی رہے
حشر کا دامن دباتے ہی رہے
پر غضب آواز آئی کان میں
دفت گونجی ترائی کان میں

صبح ہم تازہ ہوا کھانے چلے
آنکھ کو پھولوں سے بھلانے چلے
کون اس گلشن میں جسودہ گرہوا
بارغ رضواں سر بسر منظر ہوا
جھک کے شاخ گل نے زگر سے کہا
”کوئی آیا ہے پیاری دیکھنا“
گل کا یہ عالم ہمہ تن گوش ہے
سو سن جادو بیاں خاموش ہے
بوئے گل نے راہ میں روکا نہ کیوں
غندلیبوں نے انہیں ٹوکا نہ کیوں
پھول نے عقدہ سے رنگت لال کی
”خوب غمازوں نے ہم سے چال کی“
نوعروسانہ حیا چھائی ہوئی
پیاری پیاری آنکھ شرمائی ہوئی
طبع نازک سخت گھبرائی ہوئی
سانس پھولی شکل کملائی ہوئی
روئے گلگوں پر عسرق آیا ہوا
آنکھ نے دل پرستم ڈھایا ہوا
حاضر خامت سہیلی ہو گئی
بوسہ چھنے کو اک پہیلی ہو گئی
جانکی بولی ”دہن تو کھولے!
کچھ میاں مٹھو نہیاں سے بولے
کچھ تو کہہ آنکھ نہ کھڑی کیا ہوا
کچھ گلشن سے جو دوڑی کیا ہوا؟
بولی ”آنکھوں کو زباں حاصل نہیں
گفت حاصل ہے بیاں حاصل نہیں
حسن کو ظاہر زباں کیوں کر کرے
بات ان دیکھی بیاں کیوں کر کرے

چشم غوفی میدے پیوست کی
اور درندے نے اچانک جست کی
دخت میں ضرغام پیدا ہو گیا
خطرہ جاں عام پیدا ہو گیا
یک بیک ہیبت جو پھانی شیر کی
غل ہوا ناگہ! دہانی شیر کی
شاہ سے بولا سلاخی سمجھے
بزدلی کے لفظ واپس لیجئے
شیر کو صورت سے پہچانائیں؟
آپ نے صحرابھی چھانائیں
شیر کی بے گز ضرورت دیکھ لیں
آنکھ اٹھا کر میری صورت دیکھ لیں
"یہ جو اک بویا ہے کانٹا آپ نے
جس پر ہم سب کوئے ڈانٹا آپ نے
یہ جو خم کھانی ہوئی دیوار ہے
یہ جو بوسیدہ ہے اور بیکار ہے
یہ جو اک سوکھی ہوئی سی چوب ہے
خاک پر بھرتب سا پائے کو ب ہے
یہ جو اک تنکا سایاں موجود ہے
آج جو سدّ رہ مقصود ہے
آنکھ کا شیر تیرے میں ہے
آپ ٹیڑھی کھیر بچھے میں ہے
تیرا آنکھوں کا اشارہ جوڑوے
توڑنے کی فکر اس کو توڑوے
شیر اس مغل میں دو موجود ہیں
گر ہمارے انھیں مقصود ہیں
سرکشوں کو پاؤں میں روند لیا
بار بار ہم نے ملک اوندھا گیا

چشم لچمن خوں نشاں ہوتی گئی
تیغ ابرو کی رواں ہوتی گئی
پر غضب شیر ریاں ہوتا گیا
دم بدم ہیبت فشاں ہوتا گیا
شاہ کچھ محبوب سے ہوتے گئے
حاضرین مرعوب سے ہوتے گئے
کانپ اٹھی دل کے اندر جانکی
خشنا کی دیکھ کر ہنسان کی
اہل محفل نے یہ دیکھا غور سے
کچھ دھنش سٹا ہے اپنے طور سے
شیر غراتا ہوا آگے بڑھا
وشوا تھراتا ہوا آگے بڑھا
روکنا تھا ایک اہل چل چ گئی
موت کے پیچھے سے محفل بچ گئی
بولا وشوا تھراتا ہونے دیجئے
رام کو یہ پیش تحفہ کیجئے
وہ بڑے بھائی ہیں! کا حق ہے یہ
اُن کا آنا ہے کہ از خود شوق ہے یہ
اب رگھو پر کا مکتب دیکھئے
خانشی دیکھی، مجلس دیکھئے
دعویاں آرٹنی دھنک کی دیکھئے
جشن آرائی جنک کی دیکھئے
عجز سے ہاتھوں کو جوڑا شیر نے
توڑنے کا خیال چھوڑا شیر نے
اژدھے پر شیر نے حملہ کیا
لے کے پیچھے میں جو اک جھٹکا دیا
مکڑے کے پھینک دی ابوہ پر
برق جیسے کوند جائے کوہ چہ

دل نہ پھر پھولی سہانی جائی
مار بنانے کو آئی جائی



آرام جان مُسہری

کعبوں اور چھوٹوں سے خدا کی بناء۔ رست کی نیند۔ دو پہر کا آرام۔ اور کریشے ہیں۔ اور چھوٹوں کے کائے کا تھوڑا لیور۔ بخار کی بخورت میں مینوں ٹھکانا پڑتا ہے۔ آپ آج ہی اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے صحت اعلیٰ دہ کی پائیدار زمین جانی کی نفسیں مسہریاں طلب فرمائیے اور چین کی نیند۔ سوئیے ان کے استغاثی سے ہوتی بخار کا خطرہ بالکل نہیں رہتا۔ قیمت صرف چھ روپے آٹھ آنے کی۔ عدد ساز کے لحاظ سے مہولی چار پانی، اور بڑے پکنک کیلئے جیساں کا سار۔ ساز کے فٹ نہ فٹ

لے کا پتہ۔ سٹی سٹورز۔ گٹی بازار۔ (لاہور)

رسالہ مست قلندر لاہور

اردو کا سب سے سست و چمپ مزیدار اور باقصور رسالہ ہے۔ اس ہنسی مذاق کے تفریح و بستگی کے اور چمکی جڑی بوٹیوں کے میسوں کا رس آمد مضامین اور تڑپا دینے والی نظموں، نثر، جھوٹے پھوٹے دگلہ زافانے ہر ماہ شائع ہوتے ہیں۔ ایک روپیہ چندہ آٹھ سالانہ چندہ پر استی صفحہ کا ہزار رسالہ اور پھر ہر ہزار کو ۲۰ عدد جوئی کے ناول (انگریزی سے ترجمہ) دو گیلر مختلف بالکل مفت غنیمت کی کوٹ ہے۔ آپ بھی اس کوٹ میں حصہ لیں نہیں لیتے؛ خیال ہو جائے۔ قبولیت کا یہ حالی ہے کہ تین سال کے بعد اب پانچواں اشاعت ہے۔ اشتہار دینے والوں کے لئے؛ ملاحظہ۔ سال بھر کے ۱۲ دیکھے ہوئے پرچے واپس کر کے اگلے سال کے لئے رسالہ مفت جاری ہو سکتا ہے۔ بہترین مترجموں اور قابل نمونہ نگاروں کی ہر وقت ضرورت مولانا ایشا کے تحت تہذیبی صحابہ ہونگے۔ جبکہ چندہ پذیر یعنی آؤ دفتر میں پہنچ جائیگا۔ انجمنوں کی ہر ایک ضرورت ہر نمونہ ۳ کے ٹکٹ پر لیگی۔ مفت نہیں! اشتہار میجر مست قلندر لاہور

(غلط ثابت کرنے والے کو یکصد روپیہ نقد انعام)
صدیوں سے پشت در پشت چلا آنے والا

طلمس ہوشربا

جس کو ہر دم اپنے پاس رکھنے سے آپ عمل محبت تو کیا قلعہ محبت کو بھی جیت جاویں گے اور ہر میدان آزمائش میں پوری کامیابی حاصل کریں گے۔ نیز ہر قسم کا دکھ، بیماری، مقدمہ، افلاس، درد فراق، اس طلمس کے اثر سے کا فور ہو جاتا ہے۔ اور انسان اپنی دلی مراد کو سونپ دیتی پوری پاتا ہے۔ خبردار نام نہاد جو تیشوں، رماؤں اور فرضی ڈینگ مارنے والوں کے دھوکا میں مبتلا آویں۔ کیونکہ ہماری بڑی ہوتی شہرت کو دیکھ کر کت سے فعال پیدا ہو گئے ہیں۔ لہذا جلدی کیے اور پہلی ڈاک میں طلب فرماؤ۔ قیمت کچھ نہیں جو پر اشتہارات و فیس کے لئے صرف ہر نیم لیا جاتا ہے۔ مئی آرڈر آنا لازمی ہے +

اشتہار میجر دفتر طلمس ہوشربا پر بھاکراں سٹریٹ لاہور



زنگار جوتیاں

یہ قیمتی اور خوبصورت جوتیاں جن پر نہایت دلنہا اور سنہرا کام بنایا ہے۔ بغیر مزاج اصحاب اور دیہات کے لئے تیار کروائی گئی ہیں۔ پینٹ نہیں آرام دہ اور دلکشاؤ دیکھنے میں خوشنما اور دلکش۔ اور داموں کے لحاظ سے گویا مفت ہیں۔ گھروں میں پینٹ، سلیموں کا مہم، بل ثابت ہو گئی۔ کہیں آنے جانے کے وقت پینٹ آپ کی زینت و دبا لاکر لیگی قیمت نہایت سائز مغل پر سچے مسہری کام والی دو روپے چار آنے مراد ساز مغل یا چمپے پر تہذیبی کام والی دو روپے دس آنے فی جوڑہ۔ پاؤں کا خاکہ فرمائیں گے۔ چاہے آنا چاہئے۔ فرمائش کے ساتھ نیرنگ خیال کا حوالہ آنے سے پکنک لینی، ہر وقت +

لے کا پتہ:- وی سٹی سٹورز۔ گٹی بازار لاہور

رباعیات مزاجیہ

از میرزا یگانہ علیہ السلام

(دولہ)
 شایہوں سے مری کلاہ ٹیڑھی ہی رہی
 بدمنغزوں سے رسم و راہ ٹیڑھی ہی رہی
 ٹیڑھے مرزا کو کون سیدھا کرتا
 سیدھی نہ ہوئی نگاہ ٹیڑھی ہی رہی
 یگانہ

(خاص)

نقد یہ کیا نور ہے کھوٹی ہی سی
 بوٹی نہ ملی تو روکھی روٹی ہی سی
 چرخہ تو چلائے جاؤ گا ندھی جی کا
 دھوٹی نہ سی تن پہ نگوٹی ہی سی
 (دولہ)

دلی سے آدم وہ غمخیز توجلا
 دل سے شوق میں اوجہ چوچلا
 میں نہ شوق میں منہ چڑھانا اس کا
 چلتی گاڑی میں منہ چڑھانا اس کا
 میں دور سے دانت پیتا گھوڑچلا

معنی بیگانہ

از میرزا یگانہ علیہ السلام

آپ میں کیونکر رہے کوئی یہ سماں دیکھ کر
دل کو بہلاتا ہوں کیا کیا آرزوئے خام سے
کیا عجب ہے بھول جائیں اہل دل اپنا بھی درد
بیدلوں نے ہستے ہستے مار ڈالا بے اہل
دل جلا کر وادی غریب کو روشن کر چلے
ڈھونڈتے پھرتے ہوا بٹوئے دل میں پناہ
پیرہن میں کیا سما سکتا حیاتِ جاں بلب
امتیازِ صورت و معنی سے بیگانہ ہوا
صبر کرنا سخت مشکل ہے تڑپنا سہل ہے
اپنے بس کا کام کر لیتا ہوں آساں دیکھ کر

خوب ماتھے آئی یگانہ دردِ عصیاں کی دوا

یگانہ

کیا غزل یاد آئی واللہ فردِ عصیاں دیکھ کر

(خاص)

افسانہ بہار

طیوڑ کی زباں پر ترانہ بہار ہے یہی ترانہ سرنجی فسانہ بہار ہے
 ہر ایک غنچہ مست ہے ہر ایک پھول و جڑیں یہ کیف ریز بی شرا بخانہ بہار ہے
 جواہرات سے دہن ہر ایک گل کا بھر گیا چمن پر آج لطف غائبانہ بہار ہے
 کبھی میں اپنا جامہ وجود ہی نہ پھاڑ دیا شباب کی ترنگ ہے زمانہ بہار ہے
 وہ ایک صد ہزار رنگ میں ہوا ہے جلوہ گہ ظہور کے لئے فقط بہانہ بہار ہے
 غزل میں فطرت آجکل بکھیرتا ہے پھول کیوں؟
 ضرور اس پلطف غائبانہ بہار ہے

فطرت

(خاص)

بھولنے والے کی یاد میں

اُمید یہ تھی کہ جلد لوٹ آؤ گے آنکھوں میں نگاہیں کہ بس جاؤ گے
 خط کیا کہاں کا نامہ کس کا پیغام ہم کیا ہیں ہمیں جو یاد میں لاؤ گے

دم واپس

کوئی دم میں پلٹنے کو بے طر زندگی ہے سر بالیں ہجوم دوستاں ہے نوحہ خوانی ہے
 بظاہر منقطع ہیں سلسلے سب عمر فانی کے جواب بھی زندہ رہ جاؤں تو اسکی مہربانی ہے
 حمید جالندھری

(خاص)

غزل

اثر غار حضرت ہادی بھلی شہری مدظلہ

جصلوہ دیکھنے والوں میں اگر ہوتا ہے
حسن کا راز فقط حسنِ نظر ہوتا ہے
اس کا ہر نقش ترا حاصل در ہوتا ہے
ذوقِ جصلوہ کہیں پا بنِ نظر ہوتا ہے
لوگ کہتے ہیں دعاؤں میں اثر ہوتا ہے
وہی پریاں ہے جو پیو بندِ جگر ہوتا ہے
حاصلِ جصلوہ فقط دیدہ تر ہوتا ہے
نالہ بے ربط سہی پھر بھی اثر ہوتا ہے
حوصلہ بڑھ کے پشیمانِ نظر ہوتا ہے
ذوقِ راحت ہو تو صحرا میں بھی گھر ہوتا ہے
دن تری یاد کے پسلوں میں بسر ہوتا ہے
نالہ مایوس اثر ہو تو اثر ہوتا ہے
اب تری تیغ سے اندازہ سر ہوتا ہے
اس کا ہر جصلوہ گرفتارِ نظر ہوتا ہے
دل جو جلتا ہے تو آہوں میں اثر ہوتا ہے
دیکھئے رُخ مری حالت کا کدھر ہوتا ہے
قطرہ اشک مرا آتش تر ہوتا ہے
رہ کے خاموش بھی یہ فتنہ اثر ہوتا ہے

جصلوہ طور کا ڈرے میں اثر ہوتا ہے
شبِ تاریک میں بھی رنگِ سحر ہوتا ہے
قدرِ کراے ستم آرا مری پیشانی کی
دیکھ لیتے ہیں تجھے دیکھنے والے یوں بھی
میری تقدیر بدل جائے تو میں بھی جانوں
درد وہ درد ہے بن جائے جو فطرتِ دل کی
میری مایوسیِ نظارہ کی مشکل ہے ہے!!
رحم آسمانیں آشفستہ سروں پر کس کو
کس طرح دیکھنے والے ترے دیکھیں تجھ کو
تیری امید کے قابل تو نہ تھا دلِ نین
شب گزر جاتی ہے آغوشِ تصویریں اگر
بے کسی رنگ دکھاتی ہے بالآخر اپنا
اس سے پہلے ترے بے بس کی حقیقت کیا بھی
کس طرح حسن کو آزاد سمجھ لے کوئی
اپنی تخریب میں ہے ایک طرح کی قیسر
سعیِ ناکام اثرِ دل کی حقیقت معلوم ہے
میگہ راتِ پیشِ سوزِ محبت ہوں میں
فطرتِ حسن ہے عاشق کی پریشانیِ دل

کیا کہوں اس کے تبسم کی حقیقت ہادی
چاک جس طرح گریبانِ سحر ہوتا ہے

(خاص)

نقد و نظر

حضرت ”سنان“ ایم اے کے قلم سے

انتظام رکھا جاتا تو نظم ترجمہ سہرا مل اور پڑے لکھے کی سمجھ میں بہت کم آتا۔ اور ایسا ہونے سے وہ مطلب پھر غور سے دیکھا جاتا۔ جس کے لئے مجھے تکلیف تسلیم اٹھانی پڑی ہے۔ صفحہ ۲۰۳

کیا خطبات کے سلسلہ میں اخلاق حسنہ کی یہ پہلی تعلیم بھی داخل ہے۔ راہ اردو کی صحت کا یہ حال ہے کہ ہر خطبہ کی سرخنی غلط اردو کی زندہ مثال ہے نہ لفظ جمعہ نمونہ ہے اور نہ لفظ خطبہ لیکن ہر خطبہ کی سرخنی اس طرح ہے:-
”پہلا خطبہ ماہ محرم الحرام کی پہلی جمعہ کا“

وقس علی ذلک +

خباہوں کے سمجھنے کیلئے جو منظوم تراجم دیئے گئے ہیں ان کا پہلا ہی مصرعہ یہ ہے: ”سزاوارش را وہ خالق ارض دہا +“
اس کتاب میں ۴۶ صفحہ ہیں۔ قیمت پیر +

دوسرا مجموعہ خطبہ حمیداریہ ہے۔ اس کے مترجم و ناظم جناب محمد عبد الحمید خاں صاحب ہیں۔ صفحہ ۴۴ قیمت ۱۲-۱۳۔ اس میں بھی اوّل الذکر مجموعہ کی طرح ہر مدینہ کے پار خطبے دیئے گئے ہیں۔ البتہ ترجمہ میں بار بار کچھ خطبوں کو ایک ساتھ تلاویا گیا ہے۔ اور اس سے ترجمہ کی فصاحت بڑھ گئی ہے۔ اور وہ وقت کا طالب ہے۔
تیسرا مجموعہ اللطائف المستحسنہ مجمع خطبہ السینہ مولفہ مولانا ابو نعیم محمد عبد الباقی ترمذی مکی صفحہ ۲۹۲ قیمت پیر۔ ان دونوں سے کہیں بہتر اور جامع ہے اس کے مترجم بھی اسی خانوادہ علم و فضل کے ایک درجہ دوم دکن مولوی محمد یونس ہیں ان دونوں میں سے کوئی بھی ہمارے قارئین کے محتاج نہیں اور مولوی محمد یونس مرحوم تواتر ہی روح اجتماع و اہل رشد کی وجہ سے اردو دوست طبقہ میں بہت مشہور ہیں۔ انہوں نے ترجمہ مائت نغمہ میں کیا ہے۔ اس مجموعہ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر مہینے کے لئے ہم کی جگہ خطبے ہیں۔ اور خیال نہایت بھی ہر تین مہینوں کے بعد بدل دیا ہے۔ اس کے علاوہ ان مجموعوں میں عبد بن ادریس کے خطبے بھی ہیں +

جناب حاجی کے، محی الدین صاحب سودا گرو یا جرنیل اُن صاحب و باحوصلہ تاجروں میں ہیں جن کی تجارت حسن نیت، اخلاق، قوم اور صلاحیت کی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ ان کا مقصد جلب منفعت و حصول زینیں۔ بلکہ یہ ذریعہ ہے اُن کے مخلصانہ حصول مقصد کا اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ جنوبی نہیں۔ اسلامی علوم و آراء و زبان کی ترویج و توسیع اور قیام میں ان کا بہت بڑا کام ہے۔ اور ہندوستان کے کسی حصہ میں اُن کی دوکان اسلامی سامان کا بہترین مخزن ہے۔ وہ ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ جس صورت سے بھی ہو اسلامی تعلیم و آراء کے ذریعہ عام ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے مترجم و ناظم کا ایک سلسلہ قائم کر رکھا ہے۔ جن میں سے بعض پریم آج کی صحبت میں مختصر اخبار خیال کرنا چاہتے ہیں +

اس سلسلہ میں اولین چیز خطبات جمعہ وغیرہ کے مترجم اڈیشن ہیں۔ ان میں سے ایک جامع المخطب کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی ترتیب و تنظیم کی عزت اگر وہ قارئین سے مستغنی ”عالم“ شاعر جناب شیخ عاشق حسین صاحب سیماب کو حاصل ہے۔ اس میں قرآن مجید احادیث نبوی اقوال صحابہ وغیرہ سے خطبے مرتب کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ دیکھ کر کتنا افسوس ہوتا ہے کہ اس مذہبی خدمت کے وقت بھی اگر وہ کا یہ شاعر اپنے بہتر و خود ساختہ میانی کو نہیں بھولتا۔ چنانچہ سیماب صاحب لکھتے ہیں:-

”ہیں (الحمد للہ) ایک ایسے قابل ناز شہر کا رہنے والا ہوں جہاں اردو زبان کو کلماتی ہے اور وہاں کی بولی ٹوٹی مستند اور دلکشی مانی جاتی ہے۔ لیکن اس مجموعہ نظم میں میں نہایت محجوب ہوں کہ لفظ زبان سلامت بیان شوکت انفاذ اور فصاحت کلمات نہ دکھا سکا کچھ اس لئے نہیں کہ میں فصاحت نہائی یا شوکت نہائی سے مجبور تھا۔ بلکہ حقیقتاً (حقیقتاً) اس لئے کہ اگر ان تکلفات کا لئے ان کا پتہ یہ ہے:- ۳۹۹ موچی بازار مسکریں شہور +

گلوں اور فنگلوں میں منقسم ہے۔ (۲) منتخب تذکرۃ المجتہدین ہے۔ یہ بھی نظم میں ہے۔ اس میں اصحاب صحاح ستہ کے حالات مستند طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں (۳) گلدستہ ولایت یہ رسالہ وجوب تقلید کے متعلق ہے اور (۴) رسالہ میزان المتعین ہے اس میں اختلافی مسائل کا بیان ہے +

ہندوستان کے غزالی اور ان کے خاندان کی تصانیف کے بعد اسلام کے سب سے بڑے عالم امام غزالی، جو کہ ایک کتاب کا اردو ترجمہ ہندویش نظر ہے۔ یہ کتاب دراصل ان کا تیب کا مجموعہ ہے جو امام صاحب نے مختلف ملکوں، وزراء، اہل داکٹر و فضا کے نام لکھے۔ ان کے علاوہ آخر میں چند فصلیں متفرق تصانیف پر مشتمل ہیں۔ اس مجموعہ کو امام صاحب کے بھائی نے مرتب کیا تھا۔ اور اس میں ہر خط کے متعلق حالات بھی جمع کر دیئے تھے۔ سر سید و دیگر نے اس کو فاضل الامام میں رسائل مجتہد الاسلام کے اصلی نام سے شائع کیا تھا۔ اور اب جناب حافظ فیض احمد صاحب نے اس کا ترجمہ مدحوشی کے فتح المعالی (فی ترجمہ صحیح الغزالی کے نام سے کیا ہے ص ۲۳۰۔ قیمت ۲۔ یہ کتاب تیس تاریخی اور مذہبی دونوں حیثیتوں سے اہم ہیں۔ علامہ شبلی رح نے الغزالی میں ان سے کام لیا ہے۔ اور فاضل مترجم نے اپنے حاشیوں کے ذریعے ان کا تیب کو بہت زیادہ پراز معلومات بنا دیا ہے۔ اسلام کے سب سے بڑے فاضل امام کی حیات اور ان کے علمی سیاسی مذہبی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ترجمہ منتفح بخش اور دلچسپ ہے +

اس وقت تک جو کچھ لکھا گیا، انسانوں کے متعلق تھا۔ لیکن جو کتاب اب پیش ہونے والی ہے وہ جنوں کے متعلق ہے۔ اعلیٰ حضرت نظام الملک میر محبوب علی خان مرحوم کے دستاویز محرم مولانا حاجی محمد زمان خاں مرحوم نے دستاویز المجن کے نام سے جات کے متعلق ایک کتاب دو حصوں میں لکھی تھی۔ جن میں ان کی فطرت ان کے مذہب، ان کی زندگی، ان کے عادات و اطوار و فروع کے متعلق مذہبی حیثیت سے معلومات جمع کئے گئے تھے۔ جناب قاضی محمد عبد الحسین طفیل صاحب نے اس کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اور اس کو منظر المجن الحی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ص ۲۹۶۔ قیمت ۱۰۰۔ عالم انش سے دلچسپی رکھنے والے غایکوں کے لئے اس میں کافی سامان فکر ہے +

کے 'عاجی محمد الدین صاحب کی شایع کردہ زینتہ کائناتوں کی آخری کڑی جو ہمارے سامنے ہے 'حضرت اویس قرنی' کی سوانح عمری ہے۔ اس کی صحت اور نغہ بنی کے لئے ملاحظہ فرمائیں صاحب گیلانی کا نام نامی کا کافی ضمت

طیب النعم فی مدح سید العرب و العجم۔ از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مترجم جناب دوست محمد صاحب اجیری ص ۱۰۰۔ قیمت ۲۰۔ جناب شاہ صاحب نے حضرت سرور نوین امامکم کی مدح میں دو عربی قصیدے مع شرح لکھے تھے پہلے کا نام قصیدہ بایہ ہے اور دوسرے کا ہزیمہ و دونوں کی ابتدا شاہ صاحب کے مختصر دیباچے بھی ہیں۔ یہ کتاب انہی قصائد اور ان کی شرح کا اردو مترجم ہے۔ جناب شاہ صاحب کے بعد ان کے لائق فرزند و جانشین جناب شیخ رفیع الدین کی باری ہے اور مذکورہ بالا مترجم ہی نے ان کے دو مختصر رسالوں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے +

(۱) مجموعہ رسائل تسعہ۔ ص ۱۰۰۔ قیمت ۱۰۰۔ اس میں کو مجموعہ چھ رسالے ہیں (۱) حل مسئلہ حضرت بندہ فوار سید گیسو دہلوی کے ایک معامہ کا حل ہے (۲) شرح چل چل کا (۳) بارہ سوالات کے جوابات (۴) مکتوب جواب غلام علی صاحب (۵) مذکور بزرگان (۶) رسالہ ہیبت (۷) مائتہ العرش (۸) اذان و نماز (۹) نماز نماز +

(۲) فتاویٰ جناب شاہ رفیع الدین رح سے مختلف اشخاص نے سوال مختلف سوالات کئے تھے۔ اور انہوں نے ان کے جوابات دیئے ہیں۔ بعض استفسارات مجددہ میں بھی اپنے اندر خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ ص ۱۰۰۔ قیمت ۲۰ +

اسی خاندان کے دوسرے جہیز چراغ جناب مولانا شاہ عبد العزیز رح میں انہوں نے بسائیں المجتہدین کے نام سے تمام کتب احادیث ان کی بعض اہم مشروحوں اور محدثین کے حالات فارسی میں لکھے تھے اور مولوی عبد الباقی صاحب نے انہیں اردو میں لکھ کر ان کے نام سے اردو لباس میں پیش کیا ہے ص ۱۰۰۔ قیمت ۱۰۰۔ اب جیکہ یہ خزینہ معلومات ہر اردو واد کی دسترس کے اندر ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس کا مطالعہ ہر حدیث و سنت کے لئے بہ ضروری ہے۔ ترجمہ بھی صاف اور رسوا ہے +

محدثین کے بعد ائمہ اربعہ کا درجہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں ہمارے سامنے چار گلشن مولانا شاہ عہدگی صاحب و اعلا ہے ص ۳۰۰۔ قیمت ۱۰۰۔ یہ کتاب چار حصوں پر منقسم ہے (۱) تذکرۃ المجتہدین۔ یہ ایک طویل نظم ہے جس میں ائمہ اربعہ، حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے حالات صحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ بزرگ کمال ایک گلشن پر مشتمل ہے اور ہر گلشن علی الترتیب مختلف خیالوں

دفعہ بھی دیتے ہیں۔ یہ رسالہ انگریزی زبان میں ہے اور اس امتحان کے امیدواروں کے لئے بامقید +

نیر عریض | مصنفہ جناب سید حسن نقوی صاحب شفق جونیہ قیمت ۲۰ پتہ :- حاجی محمد الدین صاحب تاج کوٹ نمبر ۳۹۹ موچی دروازہ، مسکریں گلور +

اس مختصر رسالہ میں جناب شفق نے نہایت آسان اور عمدہ طریقہ سے عروض کے قواعد بجا اور تقطیع وغیرہ کے متعلق معلومات جمع کر دی ہیں۔ امید کہ طلبہ اور نوآموز شعرا کے لئے مفید ہوگا +

پروفیسر ضامن اوغٹیل کا نفرنس میں - دوست جناب سراج الحق صاحب پھلی شہری ستہ قیمت ۲۰ پتہ مصنف، گورنمنٹ کالج الہ آباد +

۱۹۲۶ء میں الہ آباد میں مذکورہ بالا کا نفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس میں جناب پروفیسر ضامن صاحب نے واقعہ کار پر ایک مضمون پڑھا تھا۔ اب جناب سراج الحق صاحب نے چار سال کے بعد یہ پتہ لگا یا ہے کہ مضمون شعی نسبات سے پڑ ہے۔ اور اپنے خیال میں انہوں نے اس مضمون اور مضمون ہمدردوں کو خوب مضحکہ دایا ہے۔ نفس سنا کہ چھوڑ کر جناب سراج کا طرز تحریر اس قدر دل آزار اور پایہ تہذیب سے گرا ہوا ہے کہ یہ اس جماعت کے لئے جس کی حمایت کے وہ دعویٰ دار ہیں کوئی قابلِ فخر بات نہیں ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس مضمون کو معافی حالات و تعلقات سے بہت کچھ واسطہ ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ تہذیبی برسر زمین ہی طے ہو جائے اور یہ بلا دوسری جہلوں تک متدی نہ ہو +

دولت کمانے کی کل | دفعہ چارم، مصنفہ جناب شیخ کریم بخش صاحب۔ ۱۹۲۹ء قیمت ۵۰ پتہ حکیم محمد رحمت علی صاحب

جگہ، 'ا'، 'گ'، 'ب'، ضلع لائل پور +
اس رسالہ میں بعض مستحق اور مروضوں کے نسخے ہیں۔ بعض نسخوں کے متعلق انعامات بھی ہیں۔ لیکن نہ تو اس کتاب میں کوئی خاص بات ہے اور نہ اس کی ضخامت لطاعت یا کا قدری اس قابل ہے کہ اس کی اتنی زیادہ قیمت ہو۔ لیکن اس کو کیا کیجیے گا کہ یہ اس کتاب کا فائدہ اڈیشن ہے اور وہ بھی گیارہ ہزار +
بوقت عقل زیرت کو میں چہ بولیمیت

”سنان“

راشے اور وسعت معلومات کا احسن طریقہ سے اظہار کیا۔ جیکر اردو موجودہ درجہ تک پہنچنے کے لئے قدم اٹھا چکی تھی۔ انیسویں صدی کے عالم ہاتھ نے بہت جلد ہم کو ان علمی فیوض سے محروم کر دیا۔ مرحوم کے انتقال کے بعد ہی ان کی حرم محترمہ نے ان کے مضافین کو مذکورہ بالا نام سے شائع کیا تھا۔ ابتدا میں مرحوم کے حالات زندگی بھی دیئے ہیں اور اس سے خود ان کی قابلیت و صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی فیض کے طور پر مولنا عبدالمجید صاحب نے اسے کاغذ مضمون ہے جو انہوں نے حرم میں مرحوم کے متعلق شائع کیا تھا۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہو گیا تھا۔ اور لوگ دوسری طباعت کے لئے بے چین تھے۔ بہر حال ادب عالم کا یہ گرانما یہ خزانہ ایک مرتبہ پھر پرستان ادب کو مصلائے پرستش کر رہا ہے +

متفرقات | ہندوستان کی آئینی اصلاح - مصنفہ جناب میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ دیش جماعت احمدیہ ص ۶۰ قیمت ۲۰ پتہ مصنف، قادیان، پنجاب +

اس وقت ہندوستان میں انقلابی دور سے گزر رہا ہے۔ اور جس سیاسی آزادی کے لئے کوشش ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سنڈریہ پریشیت سے غلط فہمی الگ جائے۔ مسلمانوں نے اس سلسلہ میں اپنا مسکب مطبع نظر مقرر کر لیا ہے۔ اور گول میرزا نفرنس میں اس کو پیش بھی کر دیا ہے۔ مگر اب اس بات کی ضرورت باقی ہے کہ وہ اپنے نقطہ نگاہ کو واضح طور سے اسباب و علل اور دلائل و ثبوت کے ساتھ پیش کر دیں۔ تاکہ جب تفصیلی آئین دستور مرتب ہونے لگے تو اس وقت کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ جناب میرزا صاحب نے یہ ضخیم کتاب اس غرض سے لکھی تھی کہ انفرنس کے شرکاء اور محققان کے اربابِ حل و عقد کو صحیح طور سے مسلمانوں کے خیالات و مطالبات کا علم ہو جائے اور اگر چہ اب انفرنس ختم ہو چکی ہے۔ مگر یہی یہ تصنیف مسلمانوں کی ایک طاقت کی حیثیت سے لائقِ مطالعہ اور لائقِ فخر ہے۔ کتاب ایک پیشکش، ایک دیباچہ اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں آٹھ ابواب ہیں اور ثانی میں بھی ہر موضوع پر ایک خاص نقطہ نگاہ سے مفصل بحث کی گئی ہے +

کلید امتحان | مرتبہ اختر محمدی قیمت ۵۰ پتہ :- اسٹورڈ کڈ پو لاہور۔
سول سرور کس کمیشن کے امتحانات میں ایک پرچہ عام معلومات سے متعلق ہوتا ہے۔ مرتب نے اس میں اختصار کے ساتھ اسی معلومات کو جمع کر دیا ہے۔ اور آفر میں گزشتہ تین سال کے سوالات

بزم غیرنگار

نیرنگ خیال کے مضامین | نیرنگ خیال جن خوبوں سے الامال ہے اُن میں سب سے نمایاں چیز اُس کے مضامین ہیں۔ نیرنگ خیال کا سیمولی نرملہ ادب کا ایک کڑا غماز ہے جس سے نرنگ خانہ، راسخ، کھارک، سارے، ہاشک و

نیز بگ خیال ہوا آئندہ نمبر فلم نمبر ہے جس کی وہ بچپیاں اور خویاں " صوفیہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ انشاء اللہ آپ اسے فہرہ پہلو سے مفید پائیں گے۔

اسٹنٹ ایڈیٹر

حاجت علمی ہندوستان بلیران

آقای داعی الاسلام مولف فرہنگ نظام کے ایک ہی لکچر کا ترجمہ

ماضی میں جلسہ آج رات کا موضوع۔ حاجت علمی ہندوستان پر ایران ہے۔ لفظ علمی اس واسطے رکھا ہے کہ حاجت علمی سے مستثنیٰ ہو۔ ہندوستان صبح کو اللہ تعالیٰ نے سرسبز و شاداب ملک بنایا ہے۔ جس کی وجہ سے حاجت علمی کسی ملک سے نہیں رکھنا ہے لیکن اتفاق سے ہی سرسبز و شاداب ملک اپنے کانوں کو کاسہ گدائی بنائے ہوئے ہے تاکہ ایران سے نینسیاں جو اس لئے کہ فیروز ترخان سی ایران میں بولی جاتی ہے اور فارسی میں بہترین نثر ایرانی کہتے ہیں۔ حاجت علمی وادی ہندوستان کی موجودہ زبانیں پیدا ہوئی ہے۔ کوہ ہار یا وجود اس غفلت کے زبانی مال سے اپنے چھوٹے بھائی کوہ داؤد سے معاونت چاہتا ہے۔ پانچویں صدی ہجری سے کہ ایرانیوں نے ہندوستان میں اقتدار پایا۔ ایک صدی قبل تک ہندوستانی ایران سے حاجت علمی نہیں رکھتے تھے۔ اور ہندوستانی ٹیکل علوم اور تمدن میں ایرانیوں کے مقابل تھے۔ اس جگہ جویا ریوں کا ہندوستان میں اقتدار پایا۔ لکھنا ہے ممکن ہے تاریخدان حضرات اس پر اعتراض کریں کہ ایرانیوں کے ساتھ ترک اور افغان بھی تھے۔ جواب یہ ہے کہ اس وقت ترکستان اور افغانستان حکومت خراسان کے دو صوبہ تھے اور تاریخ ایران میں بھی جگہ جگہ خراسان دیکھا جائے گا اس میں ترکستان اور افغانستان بھی شامل ہیں۔ اور اس جگہ کے علماء و فضلا فراسانی مانے گئے ہیں۔ بہر حال میں نے عرض کیا کہ ہندوستان اپنی ابتدائی فارسی میں ایران کا محتاج نہ تھا۔ اگر وقت نظر سے دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا۔ کہ ہندوستان کو مرشد کے ہمیشہ ایران کے برابر رہا۔ مثلاً ساتویں صدی ہجری کے آخر میں جبکہ سعدی علیہ الرحمہ کی شہرت ایف میں پھیل گئی تھی۔ خانیہ جہدستان کا حاکم تھا۔ اس نے ایک نسخہ دیوان سعدی علیہ الرحمہ ایران سے ملکا امیر خسرو علیہ الرحمہ کو دے کر کہا کہ اس کا جواب لکھو۔ امیر خسرو دہلوی نے

سعدی علیہ الرحمہ کی تمام غزلوں کا جواب لکھا۔ اور دوادین امیر خسرو علیہ الرحمہ سے وہی جزو بہترین ہے۔ خان مشہد نے وہ دیوان ایک خط کے ساتھ سعدی علیہ الرحمہ کو بھیجا۔ اس کے جواب میں سعدی شیرازی نے بہت تعریف لکھ کر بھیجی اور خان مشہد کو لکھا کہ امیر خسرو کی تربیت کرے۔ یہاں تک تاریخی بات تھی + اور روایت ہے کہ سعدی علیہ الرحمہ نے امیر خسرو دہلوی کی ملاقات کے واسطے ہندوستان کا سفر کیا۔ اور خود سعدی علیہ الرحمہ نے پڑتال میں اپنے سفر ہند کے بارے میں ایک پرچم کے مارڈالنے کا واقعہ لکھا ہے۔ لیکن وہ نقل حفاظت جان کے لئے لکھا + گیارہویں صدی ہجری تک ہندوستان میں فارسی بولی جاتی تھی۔ اس کے بعد، دوئے بول چال میں فارسی کی جگہ ملی لکھی پھر بھی فارسی زبان علمی و حکومتی تھی + پیدائش اردو زبان کی اس طرح ہوئی کہ ایرانی لوگ ہندوستانیوں سے فارسی میں گفتگو کرتے تھے۔ اور وہ ہندی میں جواب دیتے تھے۔ آہستہ آہستہ ایک تیسری زبان پیدا ہوئی جو دونوں جماعتوں کی زبان بن گئی اور وہ اردو ہے مثلاً ایک ترک، بچہ اور ایک ایرانی بچہ کو ایک جگہ بند کروں تو ایک مدت کے بعد ایک تیسری زبان بولنے لگیں گے جو فارسی و ترکی پر مشتمل ہوگی + اردو زبان کے موجد مسلمان ہیں۔ اس لئے کہ اردو کی بنیاد فارسی پر رکھی گئی ہے اور فقط بعض الفاظ اور وابط ہندی ہیں۔ اور ابائی الفاظ اور خط و رسم و طرز ترکیب تمام فارسی ہے۔ بلحاظ انداز اور اذکار و اصول شعری اور دواغی فارسی شاعری سے ماخوذ ہے۔ مثلاً ہندی شاعری کا ایک اصول یہ ہے کہ شاعر ایک عورت ہے اور عشق ایک مرد اور عاشق عورت اپنے تمام خیالات کو عشق مرد سے خوب کرتی ہے۔ اب اگر شاعر مرد ہو تو اس کے لئے لازم ہو

کہ یہاں سے چند سطریں حذف کر دی ہیں۔ جس میں ہندوستان کی جغرافیائی حالت بیان کی ہے

اگرچہ اوٹنگ نیب کی تخت نشینی دربار میں فارسی کے نزل کا باعث ہوئی، لیکن امرائے ملک پچھلے طرح فارسی زبان میں کوشش کرتے تھے۔ اور بہت بے باوجود درجہ سیاست و ولیری اس معاملہ میں متعصب تھا۔ شاعر اور موثر تودوست نہیں رکھتا تھا۔ لکنا تھا کہ دونوں خوشامدی اور بھوٹے ہوتے ہیں۔ ملک اشعرائی کا عمدہ جوشا جہان کے عمدہ بڑا عمدہ تھا۔ تو ڈوڈا الا باب دادا کی طرح رات کو ادبی مجلس نہیں کرتا تھا۔ اس سبب سے ہندوستانی ادیبوں کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ فارسی شاعری غالباً آملی پر ختم ہو گئی جوشا جہان کے عہد میں ملک اشعرا دہتا اور ایران اور ہندوستان میں شاعر حقیقی معنوں میں پیدا نہیں ہوا اور ایران میں شعرائے مناخون متقدمین کے پیرو ہیں +

اوپر مذکور کا یہ مقصد ہے کہ فارسی شاعری راجہ کی کے زمانہ سے جاؤ تجیل میں رہ کر ضاحت المظاہر کی سیر کرتی تھی۔ اور غنائی کے بعد بلاغت معنی میں پڑکھتے رہا تاں ملیت کو غالب آملی تک طے کر لیا۔ اور ایک جگہ پر قائم ہو گئی حکیم اور طالب آملی نے ہندوستان میں تقلید انہیں شعرائے متوسطین کی رہی اور ایران میں یک ایک تمام درجات تجیل طے کر کے بلاغت میں معروف رہ کر نیک قدیمی سے فصاحت کی طرف حجت تمقیری کی موجودہ رائے صحیح ہے۔ یا غلط ہے یہ موضوع سے خارج بات ہے اور دوسرے خطبہ کی محتاج ہے۔ اب ایک صدی کا زمانہ گذر کر ربط ادبی ایران اور ہندوستان کا بالکل منقطع ہو گیا۔ اگر بعض غفلانے ایران ہندوستان میں جانے میں تو کوئی تحریر کی ایران میں نہیں آتی۔ ایرانی فضلا کو کوشش کرنا چاہئے کہ پھر ہندوستان اور ایران میں علمی و ادبی قائم ہو جائے اور ایرانی ادیب ہندوستان میں فارسی جاری کرنے کی کوشش کریں۔ اس لئے کہ اب سفر بہت آسان ہو گیا ہے۔ اور علم کا چرچا ہر جگہ ہو گیا ہے۔ اس وقت میں پیش قدمی کرنا بہت آسان ہے۔ ایرانی سیاست دانوں میں سے نہیں ہیں کہ ایک جگہ کو ان کو آنے دیا جائے اور دوسری جگہ تنگ کیا جائے اور دوسری جگہ قید کیا جائے۔ ایرانی دانشمندان کی مثال شادوں کی مانند ہے جو اپنی روشنی سے ہر جگہ کو روشن کرتے ہیں۔ اور اہل سیاست کی مثال جاندہ اطفال کی طرح ہے کہ ایک نوع دوسری نوع کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں مصروف ہے۔ ہندوستانی ادیب ایرانی ادیب کے محتاج ہیں کہ ان کی فارسی ایرانی فارسی کی طرف لوٹ آئے۔ ہندوستان منتظر ہے کہ ایرانی فارسی سے فیضیاب ہو۔ ایرانی ہمیشہ سے سخی ہیں۔ اس وقت

کر شاعری میں اپنے آپ کو عورت فرض کر کے اور تخیلات زمانہ ادا کرنے کی کوشش کر کے کہ بہتر شاعر ہو۔ فارسی شاعری میں عاشق مرد اپنے تمام تخیلات عورت کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اب اگر ایک عورت فارسی میں شعر کہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے آپ کو ایک عاشق مرد تصور کرے اور عشق کی نسبت تخیل ادا کرے +

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے یہاں کے شاعر (ایرانی) ہندی زبان میں شعر کہنے پر مجبور نہیں ہیں۔ ورنہ لازمی ہوتا کہ وہ عورتیں بن جتے + اس بارے میں مجھے ایک حکایت یاد آگئی کہ شاجہان کی مجلس میں ایک گویئے نے امیر خسرو دہلوی کا ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ اے عشق تو جو اپنے پریشان بالوں میں گنگھی کر رہا ہے۔ اس سے مطمئن ہوتا ہے کہ رات غیر کے پاس رہا۔ شاجہان یہ شعر سن کر بہت غضبناک ہوا کہ امیر خسرو بے فیرت تھا جو اپنی عورت سے کہ رہا ہے کہ قنات غیر کے پاس رہی ہے۔ گوئیئے نے جواب دیا حضور کہ قربان ہوں یہ شعر امیر خسرو دہلوی نے ہندی زبان کے لحاظ سے کہا ہے جس کے لحاظ سے عورت عاشق ہوتی ہے اور مرد عشق۔ عورت اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ رات تو دوسری عورتوں کے پاس گیا تھا +

بعض موزنین کا یہ عقیدہ ہے کہ اردو گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں شاجہان کے ایک لشکر سے پیدا ہوئی جو ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشتعل تھا۔ لیکن تاریخ ہند میں فوکر کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اردو زبان کی بنیاد ایرانیوں کے ہندوستان میں جانے سے پڑی اور ان گیارہویں صدی ہجری میں تشکیل کو پہنچی +

اردو زبان کی پیدائش نے فارسی پر زائد افروہیں ڈالنا اس لئے کہ آج مسلم ہے کہ جو شخص فارسی نہیں جانتا وہ اردو بھی نہیں جانتا اور بہترین اردو نویس وہی لوگ تھے جنہوں نے فارسی زیادہ استعمال کی۔ اردو زبان کی تکمیل کے بعد بھی ایرانی و ہندوستانی تعلقات قائم تھے۔ خصوصاً دسویں صدی ہجری میں ایران اور ہندوستان کے تعلقات بہت مستحکم تھے۔ دونوں ملکوں میں غلام و فضلا کا تدارقہ رہا تھا اور دونوں فارسی کی دربار تیموریہ میں صفو بہ دربار سے کم نہ تھی۔ اسی زمانہ میں صاحب ایک غزل میں عشق سے

محبو شوق سفر ہند کہ در ہر سر بہت شوق سودا ہے تو در بیچ سحریت کرت

لینا دیوان حافظ سے عام ہے۔ اسلامی پتوں کی پرورش خانگی ایرانی قصوں سے جیتی ہے اور بچے داستان رستم و سہراب اور قصہ نوشیروان و بزرجمهر کو جانتے ہیں +

خصوصاً شاہنازہ کو اردو میں نظر کیسا ہے تاکہ جو لوگ فارسی نہیں جانتے وہ بھی استفادہ کریں چونکہ ہندوستانی کتب خانے فارسی ادب کے خزانے ہیں اس لئے وزارت معارف کو چاہئے کہ جملہ نئے تحقیق کتب فارسی روپ کے واسطے آجی بھیجے ہیں۔ اسی طرح کتب فارسی ہند کی تحقیق کے لئے آجی بھیجے جائیں۔ بہت سی ادبی کتابیں نظم و نثر ہندوستان کی اہل رسے یہاں نہیں ہیں +

ہندوستانی فارسی کا ایرانی سے جدا ہونے کا ایک سبب یہ ہے کہ فارسی کی چرائی کتابیں درسوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یعنی جب سے انگریزی حکومت قائم ہوئی ہے۔ ہر شخص انگریزی کی تحصیل پر مجبور ہوا۔ اس لئے انگریزی اول زبان ہوتی اور فارسی زبان دوم رہی۔ آہستہ آہستہ سلسلہ سکولز اور دوسری مرحلہ زبانوں کی طرح فارسی بھی پڑھائی جانے لگی یعنی یہ عرصہ کتب معدودہ اور نثر نگار اور نثر نگار بعد از ایرانی فارسی کے +

نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہندوستانی ادیب کا فی الحال انہیں رکھتے اور بات چیت نہیں کر سکتے ہیں نیز ان کی نظم و نثر میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جو بے موقع استعمال کئے گئے ہیں۔ و حقیقت ہندوستان میں ایک دوسری فارسی زبان پیدا ہو گئی ہے لیکن ہندوستانی ادیبوں نے احساس کیا ہے کہ ان کی فارسی پھر ایرانی فارسی کی عرف کوئے اور ایرانی فضلا کی ادا کوئے نظر میں +

ایرانی اخلاق سے جو دنیا میں مشہور ہے بعید ہے کہ وہ مدد کے واسطے نہ کھڑے ہوں +

ترجمہ سادکشی (الطراز پبلش)

کلب علی خاں فائق راہپوری

بعض احباب نیرنگ خیال کے پڑانے فائل طلب کرتے ہیں دفتر میں ۱۹۲۳-۱۹۲۴-۱۹۲۵-۱۹۲۶-۱۹۲۷-۱۹۲۸-۱۹۲۹-۱۹۳۰ کے سالوں کی فائل موجود ہیں صرف مسئلہ بعضی دو سو سال کے تمام پرچے جوڑی سے لے کر ہر پرچہ معدودہ جلدیں موجود ہیں۔ مکمل سیٹ یعنی پورے سال کے فائل کی قیمت ساڑھے تین روپے لی جائیگی۔ ۵۰ سیٹ موجود ہیں طلب کر لیجئے ورنہ بعد میں کسی قیمت پر بھی نہ ملے گا۔ جو صاحب مکمل سیٹ فائل کا طلب کریں گے انہیں یہ مرضی آرڈر کرنے ہوں گے +

نیرنگ خیال شاہی محلہ لاہور

انہیں خاموش بنانا چاہئے۔ جب ہندوستانیوں نے ایرانی فضلا کے بلانے کے واسطے روپیہ پانی کی طرح ہمایا اس وقت تو ایرانی فضلا دوڑے ہوئے گئے اس وقت جبکہ ان کے پاس روپیہ پیسہ نہیں۔ کوئی ان کے پاس نہیں جاتا۔ ہندوستان کی تاریخیں اٹھا کر دیکھئے جن میں سے اکثر فارسی میں ہیں اور بعض ان میں سے شائع بھی ہو گئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی فضلا کی بہت عزت کی جاتی تھی اور ایرانی نمانیت متحمل ہو جاتے تھے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر (معاصر شاہ صفوی) نے اپنے وزیر سے کہا کہ میں نے تمام ایرانی فضلا کو بلا کر فیض پہنچایا۔ لیکن مختتم کاٹھی جو میرے دربار میں نہیں آیا ہے۔ وہ میرے انعام سے کس لئے محروم رہے۔ پھر کثیر رقم دی کہ مختتم کاٹھی کو بھیج دی جائے +

خزانہ عامرہ فارسی شعرا کا مذکورہ ہے جس کا موقوف غلام علی آزاد بنگلہ می ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی شعرا نے بہت ہی فائدہ اٹھایا ہندوستان سے اٹھا یا ہے۔ اب کوشش کرنے سے یہ وقت ہے کہ ایرانی بغیر استفادہ مادی ہندوستان کی خدمت علم میں کوشش کریں۔ ایک مثال چرخہ عامرہ سے نقل کرتے ہیں کہ تعلق شاہ ہند نے ساتویں صدی ہجری میں قاجار الدین کے ایک شعر کے صد میں حکم کیا کہ اشرفیاء اس کے سر تک پہنچیں ہندوستان کے مرزے ہمارے اسلاف نے نوٹ۔ اب ہم کو تحفیت گو اراکڑنا چاہئے۔ ہندوستان میں فارسی کی اہمیت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی تاریخوں میں قمری بیٹے سہلی بہ ہلالی اور فارسی بیٹے (فروردین و اردی بہشت) ماہ ہائے آبی سے سہلی ہوئے +

ایرانی شعرا جو ہمارے نزدیک زندہ ہیں۔ یا عام لوگ ہیں۔ وہ ہندوستانیوں میں اولیاء اللہ شمار کئے جاتے ہیں اور صدی علیہ الرحمہ جو ہمارے یہاں زندہ مشہور رہے۔ ہندوستانیوں کے نزدیک صاحب کشف و کرامات ہے۔ قال

ستی

ہمارا بی کو بی ہمارے نو دلکش افانوں میں سے پہلا افنا

یہ اُس زمانہ کا قصہ ہے جبکہ دنیا نئی تھی اور ہمارے ملک میں وکٹس پراجی کاراج تھا۔ ان کی سلطنت ہماری پہاڑ کے دامن تک پہنچی تھی اور اُن کی راہدہائی گنگا کے کنارے اُس جگہ تھی جہاں پر اب ہر دو اربا آباد ہے۔ وکٹس پراجی کا شمار چھوڑ دویپ (یعنی ہمارے ہندوستان) کے عظیم الشان ہمارا جاؤں میں تھا اور اُن کی ماہ جہیں لڑکیوں کی وجہ سے اُن کی اور بھی زیادہ عزت ہوتی تھی۔ جوں جوں وہ لڑکیاں جوان ہوتی گئیں وکٹس راجہ اُن کو کسی باؤتار دیوتا سے بہتے گئے۔ بھلاستے دیوتا ہاں کے خسر کے سامنے کون سا اٹھا سکتا تھا +

ستی راجہ کی سب سے چھوٹی اور سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ لون بچپن سے وہ اپنے باپ کی چھٹی تھی۔ اُس کا خن ایک حور کا خن تھا جو نہا میں کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ اُس کا باپ اُس کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا اور اپنے پرناؤ کرتا تھا۔ گو باکستی کا خن یکتا اسی کا کرشمہ تھا جب وہ جوان ہوتی تو ادھر وکٹس راجہ بڑی تلاش میں تمام دیوتاؤں اور بادشاہوں کی خوبوں کا اندازہ اور مقابلہ کرتے تھے۔ ادھر باکستی کے دل میں ایک پاک اُٹھک مضبوط چڑ پکڑتی جاتی تھی +

اس طرح برسوں گزر گئے اور ستی کے بیاہ کے دن آگئے۔ مگر ستی کو اپنا دل اپنی روح اپنی ہستی کا ڈرہ ڈرہ ہمیشہ کے لئے مبادی کی نذر کر چکی تھی۔ پھر وہ کسی دوسرے کے ساتھ بیاہ کرنے پر کسی لڑکی جیسی ہو سکتی تھی۔ جب وکٹس راجہ باکستی کے دل کی بات معلوم ہوئی تو اُس کی ناراضگی کی کوئی افنا نہ رہی اور اُس نے نہایت عھارت سے کہا "کیا میری پیاری ستی اُس فیروزیو شتیو سے بیاہ کرنا چاہتی ہے؟ ہرگز نہیں! میں حشر تک اسکی اجازت نہ دوں گا۔ یہ واقعہ تھا کہ مبادیو جی غریب کوئی بھی دیوتا تھا۔ ساری دنیا اُس کی تھی۔ مجھ کو کسی چیز کا مالک نہ تھا۔ کیونکہ اُس نے سب کچھ دوسروں کو دے دیا تھا۔ اور اب اس صوف ایک بیل کو لیا تھا جس پر وہ اُن بچوں میں گھوما کرتا تھا۔ جہاں سے اُن خوف اور کراہت کے گامے بھاگتے ہیں۔ اُن بچوں کو ششماں کہتے ہیں۔ جب روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے۔ تو امیر و فقیر پہنچے۔ اور سب زمین خاک کر دیتے جاتے ہیں اور ایک خاک اور دوسری خاک میں کوئی فرق نہیں رہتا

یہ اُس زمانہ کا قصہ ہے جبکہ دنیا نئی تھی اور ہمارے ملک میں وکٹس پراجی کاراج تھا۔ ان کی سلطنت ہماری پہاڑ کے دامن تک پہنچی تھی اور اُن کی راہدہائی گنگا کے کنارے اُس جگہ تھی جہاں پر اب ہر دو اربا آباد ہے۔ وکٹس پراجی کا شمار چھوڑ دویپ (یعنی ہمارے ہندوستان) کے عظیم الشان ہمارا جاؤں میں تھا اور اُن کی ماہ جہیں لڑکیوں کی وجہ سے اُن کی اور بھی زیادہ عزت ہوتی تھی۔ جوں جوں وہ لڑکیاں جوان ہوتی گئیں وکٹس راجہ اُن کو کسی باؤتار دیوتا سے بہتے گئے۔ بھلاستے دیوتا ہاں کے خسر کے سامنے کون سا اٹھا سکتا تھا +

ستی راجہ کی سب سے چھوٹی اور سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ لون بچپن سے وہ اپنے باپ کی چھٹی تھی۔ اُس کا خن ایک حور کا خن تھا جو نہا میں کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ اُس کا باپ اُس کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا اور اپنے پرناؤ کرتا تھا۔ گو باکستی کا خن یکتا اسی کا کرشمہ تھا جب وہ جوان ہوتی تو ادھر وکٹس راجہ بڑی تلاش میں تمام دیوتاؤں اور بادشاہوں کی خوبوں کا اندازہ اور مقابلہ کرتے تھے۔ ادھر باکستی کے دل میں ایک پاک اُٹھک مضبوط چڑ پکڑتی جاتی تھی +

اُس زمانہ میں دیوتاؤں کے گھر تاکہ کے عالی شان برت پرکش پہاڑوں پر تھے۔ سب سے بلند گیلش کی چوٹی تھی۔ جہاں تمام دیوتاؤں کے دیوتا مشیتو کا راج تھا۔ بچپن میں جب ستی کی ماں اُس کو زمین اور آسمان کے تقے شنائی کرتی تھی تو وہ گیلش کی چوٹی پر تھے۔ وہاں کوئی کوئی نہ تھا اور تمام فضا میں اُس کو شیتو جی کا قصہ سب سے زیادہ پت تھا +

شیتو دنیا کو مشادینے والا... شیتو دنیا کو پھر زندہ کرنے والا... برا۔ کے بعد جب فضا میں پہلے دیوتاؤں کے چاروں اُتار وہ قبیحہ کا فرش

سے ال ال بچنے لگتی تھیں۔ اس کے آگے تیرنگوان کی سنہری جوتیاں سر اٹھائے اپنے بہت پوش ہمایہ۔ سر و سادہ سے مقابلہ کرتی تھیں۔ سستی ان سب کا نظارہ کیا کرتی تھی اور اس کے سامنے لگا، فی کیسات شاخیں نیچے۔ آجوتہ (ہندوستان) کو بتی جاتی تھیں۔ بلکہ یوں کہے کہ گنگا کی اپنے سات اٹھوں کو بھار غریب ہندوستان کے مختلف خطوں کو نعت پڑھاتی تھیں۔

کیلاش کے فرانسس میں رنج و کم کبھی داخل ہی نہیں ہونے پاتے تھے نہ کوئی ناگوار آواز اس پاک نفساں غل انداز ہوتی تھی۔ ہاں اگر وہاں کوئی آواز سنائی دیتی تھی تو جھڑوں کے نفوں کی یا پڑیوں کے جھانے کی یا سستی کی چاری اور دلکش ہستی کی یا شیو کے بھن کی مشہور و صبح شام کے آٹھ کر دھیان یوگ کرتا تھا اور نہایت لطیف اور مرد و بھن کا ساتھ دیتے گیت اب بھی ہمارے ملک میں شیو کے بجا رہی اپنے دھما کی تقلید میں علی الصبح اٹھ کر گاتے ہیں۔ اور اس صبح کی عبادت کو عبیدہ کہتے ہیں۔

سستی اکثر اپنے جھوڑ اور محبوب کے ساتھ باہوں میں یا ہنڈلے بل کے باغوں میں گھبرا کرتی تھی۔ اور جب وہ اپنی پھولوں سے لدی ہوتی تھی پر واپس آتے تھے۔ تو شیو کچھ جہا کے پھول توڑ کر سستی کے باہوں کو ان سے سنوارتا تھا اور سستی دھوڑے کے پھولوں کا ہار بنا کر اپنے ہنڈی کو تاج پہناتی تھی۔ اسی لئے آجک دھوڑے کا پھل شیو کے لئے مخصوص ہے اور اس کے پوجا میں نذر چڑھایا جاتا ہے۔

صبح کو جب مشہور دلکش کے درخت کے نیچے دھیان میں مصروف ہوتا تھا تو سستی ایک جھل میں گھومنے چلی جاتی تھی اور ہر نوں کو بلا کر ان کے ساتھ نندن کے دھنوں میں لگی ٹکڑا کھیل کرتی تھی۔ یا شفاست پکڑے ہوئے جھنوں کے ساتھ دھڑکاتی تھی۔ اور جب وہ چٹکی سے ہماو می میں فوطا کر غائب ہوجاتے تھے تو سستی پلٹ آتی تھی۔ اور راستہ میں تیار ہو کر بلاتی جاتی تھی کہ وہ اگر اس کے گھر کی دیواروں کو سنواریں۔ بھلا اس دھوت کو کون دے قبول کرتا۔ تمام ہم خلیاں اپنے اپنے پھولوں کو چھوڑ کر اس کی کٹھنی

ہے۔ انہیں گھنوں میں شیو گھوڑا کرتا تھا۔ مردوں کی ٹھاک اپنے بدن پر ملتا تھا۔ اور ان ٹھاک کے ذروں کو اپنے جواہرات بھینتا تھا۔ کیونکہ وہ میں اپنے نمد ایک صفت محبت اور موت کی آگ اور شمشان کے شعلوں ہی میں سے گزر کر رہنے لگتی ہیں۔

شیو کی ایک عجیب شان اور غفلت تھی۔ اس کے سر پر پلے ٹھہرے۔ کالے ناگوں کا ایک تاج تھا اور اس کا بدن چیتے کی کھال سے ڈھکا ہوا تھا۔ دنیا آسمان اور سندھ اس کے ہاتھوں میں تھے۔ اور اس کی تین آنکھوں کے سامنے ماضی حال اور مستقبل ایک صاف تصویر کی طرح نظر آتے تھے۔ جتنی کے دل پر پناہی کا سہرا ہوا تھا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو کسی دوسرے کے ساتھ بیاہ کرنے پر راضی نہیں کر سکتی تھی۔ بالآخر کش راجا کو بار بار مانا پڑی اور سستی کی شادی مرادیک کے ساتھ ہو گئی۔ مگر کش راجا کی ناراضگی دور نہ ہوئی۔

شادی کے رسوم ادا ہونے ہی سستی اپنے شوہر کے ساتھ کیلاش چلی گئی۔ کیلاش ہمالیہ پہاڑ پر اسی جگہ واقع تھا جہاں اب شلہ ہے۔ رستی کے لئے تو وہ جگہ جت تھی۔ اس کے چاروں طرف سہا ہارن تھی اور سستی کی کٹی ہری ہری ہیل سے بھکی جوتی کٹی کٹی کے آگے نور انش کے دھنوں کا سایہ تھا۔ پہاڑ کی شان دار جوتیاں "کیلاش" ہون کے ادھر ادھر سنتری کی طرح پہرہ دیتی تھیں۔ کوئی بادل کی پگڑی باندھے کوئی برف کا ٹوٹا اور اسے اور جب سوربا دیوتا (سورج) کا ظہور ہوتا تھا۔ تو ان کی پوشاک رنگ عجیب عجیب ہوجاتے تھے۔ کچھ نیلے کچھ سنہرے کچھ سبز۔ گرب خوشنما اور بھ فاق کین کے شفا خواں اور بستی کو اپنی چمک دمک سے خوش کرنے کے کو شمان یہ کیلاش بھون کے سامنے ہی بہت سے جھٹے بھوت نکلتے تھے اور بھ ملکر ایک خوبصورت جمیل بن گئے تھے جس پر در کے پھول پھیلے چلے آنکھوں اور دھ کو تازہ کرتے تھے۔ جمیل کے پاس ایک جھل تھا جس میں ہرن اور دھوڑ میں کے ساتھ خوش خوش بھر کرتے تھے۔ جھل کے آگے ایک اور جمیل اچھوڑی جس پر کھول کے پھول تاروں کی طرح جھٹکتے تھے اور اس کے آگے کاوڈاں پہاڑی تھی۔ جہاں مادیک کا بل رہتا تھا۔ سستی اڑوڈاں جا کر اس کو... دکھاتی تھی۔ اور اس سے شیو کی فریفتوں کے گیت سنتی تھی۔ یہ کچھ کی طرف تین پہاڑ تھا جہاں بیش ہماوڑی ہرماں سوربا دیوتا کے کھانے کی جھیل

یہ ہندی میں شیو کی تین آنکھوں کا ذکر ہے۔ جن میں سے ایک دھیان یوگ کرتا تھا۔ سادھی تھا تھا +

نہایت خوبصورت جھیل تھی جس کے چاروں طرف طرح طرح کے رنگ رنگی پودوں کی کیا ریاں لگی تھیں۔ کچھ سفید کچھ سنہرے۔ کچھ نیلے کچھ آسانی کچھ ہرے فزکھ طرح طرح کے رنگ دل بھانے کو موجود تھے۔ اس جھیل کے نزدیک ایک چھوٹا سا پدم کا تالاب تھا۔ اور اس تالاب کے پاس ایک چاندی محل۔ اسی ہو شرا محل میں شیوا اورستی اپنا زیادہ تر وقت یوگ میں صرف کرتے تھے۔ رستی کے کنول جیسے ہاتھ عبادت میں مشغول اور اس کا سارا فن اس کے خیال میں موجود اسکا شوہر تھا۔ اس کا خدا تھا۔ بلکہ یوں کہئے کہ اس کا سب کچھ

رستی اور شیوا کی شادی کے تصور سے عرصہ بعد ہر گونامی ایک نئی نے ایک گین کیا اور تمام دیوتا اور مہاراجہ اس میں شریک ہوئے۔ وکاش راجہ کے بھوپا اور اس کے آئے پر سب تعلیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے سولے اسکے داماد تھے وکاش راجہ اپنی جنگ پرلے انجنا ناغہ ہوا اور، بیوقوف اسکا بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا۔ کچھ دن بعد اس نے ایک گین کا انعام کیا اور نید دینے کا کام نامہ گوئیے مئی کے سپرد کیا۔ آسمان کے تمام دیوتا اور زمین کے تمام بادشاہ اور فرائے بلائے گئے سولہ اسکے وکاش راجہ کو ایک نامہ اور نوادہ سر کی بات اور کھینکا پڑا شوق تھا۔ اور اس کو اس فن میں خاص لگا حاصل تھا۔ اسی لئے وکاش راجہ نے نید دینے کا کام اس کے سپرد کیا تھا جب نامہ گوئیے ایسی جٹ پٹ یاٹ معلوم ہو جاتی تو اسکے پیٹ میں جے جوڑنے لگتے۔ اور جینک وہ ساری دنیا کو ایک ایک کر کے بتا دئے اس کو جینک نہیں ملتا تھا۔ اسلئے وہ بیٹاب تھا کہ اس طرح جلد کی کلاش پنکھی رستی اور شیوا کو اس گین کی خبر نہائے جس میں وہ بنا نہیں جا رہے تھے۔ مگر شیوا تو دیوتاؤں کا سردار تھا۔ اور اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کے خسر کے ملک میں کیا ہو رہا ہے اور نارو کیلاش کیوں اس قدر بھاگتا ہوا آ رہا ہے۔ پھر بھی جب گوئیے مئی نے اسے اکر ڈنڈوت کیا تو اس نے نہایت شفقت سے پوچھا کہ "بیٹا نارو کیلے آئے؟" نارو نے خسر بھگتیا رشی کو کی مزاح تمسکی کی اور کہا کہ "کیا حضور کو اس کی خبر نہیں ہے کہ آپ کے خسر ایک بہت بڑا گین کر رہے ہیں۔ اور اس میں نام دیوتا ہاتھا ہمارا جہ اور تمہو کا ایک ایک شخص سب بلائے گئے ہیں۔ ہمارو پیر خبر سنکر بالکل تعجب کا پریشان میں ہوئے۔ البتہ نارو کو سن کر پاکہ دوستی سے اسے زکرن کرے۔ مگر نارو تو رستی کو پر نہیں لانے کے لئے خاص طور پر بھیجیا تھا۔ اس لئے وہ فوراً آکر کھڑا ہوا۔ گوئیے اس نے کچھ سنیا ہی نہیں رستی اس وقت اندر بیٹھی تھی مگر مئی کی آواز سنکر وہ براہ میں نکل آئی۔ نارو اس کی طرف جلدی

کی دیواروں کو زنگار رنگ کر دیتیں۔ اور اس شوق سے گویا کہ وہ رستی کی نظروں سے شہید حاصل کرنے آئی ہیں۔ اور ہر چھوٹے شوق دید سے بے تاب ہو کر چڑیوں سے منت کرتے تھے کہ جاؤ دیکھ آؤ، ہماری دیوی کیا کر رہی ہیں کیا آج تینوں کا دربار ہو رہا ہے؟" چڑیاں تب جا کر کئی کا محاصرہ کر لیتیں۔ اور خوب دھڑ دھڑ سے چھانے لگتیں۔ جتنی کہ رستی ان کو دنا ڈالنے کے لئے ہاں نکل آتی۔ پھولوں کی تماشیاں اور بھڑک مٹھتیں اور وہ مجموعہ جموں کر بعد نماز و ہزار انداز رستی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے +

رشی کو کبھی کبھی برف کی مانند سرد ہوتا تھا۔ مگر رستی سورج کے مانند اس برف کو گھٹا دیتی تھی رشیو ایک خشک پتھر کی چٹان کی طرح ہوتا تو رستی ایک پتھر کی طرح جو اس چٹان کو نرم کر دیتا ہے۔ رشیو ایک بلند شاہراہ اور با غلبت دھت تھا۔ اور رستی ایک خوبصورت نازک بیل۔ شیوا سورج تھا اور رستی چاند +

ہمارو بولنے ایک مرتبہ کہا "رستی میری جان ہے۔ وہ نہ جو تو میں بھی نہ ہوں" رستی نے بھولے ہن کے تعجب سے پوچھا "میرے پر ناتما! میں آپ کی جان کیسے ہو سکتی ہوں جب آپ ساری دنیا کے خالق ہیں؟" رشیو مسکراتے اور اپنی بھاری مروانہ آواز میں بولے "رستی تم اس لئے مہرہ جی جان ہو کہ تم مجھے میری محبت جو اور محبت کے بغیر نہ دنیا ہے نہ زندگی۔ روح محبت سے وابستہ ہے اور محبت کے ختم ہونے ہی زندگی بے رونی اور غالی ہو جاتی ہے؟"

جب آسمان کے بادشاہ اند کی اجازت سے بادل آزاد ہوتے تھے اند کیلاش کی چوٹیوں اور وادیوں پر چھا جاتے تھے تو رشیو رستی کو ایک غار میں لے جاتا تھا اور جینک کے پہاڑ اور رشیو کے مہمان دھوئے جاتے وہ دونوں وہیں رہتے تھے۔ یہ غار پہاڑوں میں چھا تھا اور اندر جانیکا راستہ دیوار کے شانہ اور درختوں سے ڈھکا تھا۔ اور اس کے دروازہ ایک شیوا رستی کے چھلنے کے لئے بڑی بڑی گھاٹ کے قالین بچھے تھے۔ غار کی چھت گنبد کی مانند تھی اور غار میں رشیو اپنی چاندی اور سورج کا گنبد تھا۔ مگر رشیو کتے پوچھنے میں سے بے گناہ نہ تھے۔ اس غار کے نیچے ایک

پڑیں۔ پیاری بہن! ارے تم ابھی تک پتاجی کے گھن چنے کے لئے تیار نہیں ہوئیں؟ سستی نے جواب دیا: میری پیاری بہن! میں وہاں نہیں جا رہی ہوں۔ کیا؟ پتاجی گھن کر رہے ہیں سب ہی وہاں ہوں گے اور تم ان کی جی کتنی ہو کر کم جاؤ گی نہیں؟

”نہیں! میں نہیں جا رہی ہوں! کیونکہ میرے شوامی جی غریب ہیں اور اس لئے پتاجی نے ہم کو نہیں بلایا ہے۔ تم سب امیر دیوتاؤں کی بیویاں ہو۔ اُس کی بہنوں نے پھر ہزار ہا ہو کر کہا: فضول مت کہو جلدی سے تیار ہو اور چلو۔“

”سستی بولی: ”میں میں نہیں جا سکتی۔ پتاجی کو مجھے دیکھ کر شرم آگئی اور میں اس کے منہ سے اپنے شوامی جی کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنی تھی۔ میں نے اس کی بہنیں اُس کے انکار کی اصل وجہ یہ سمجھیں کہ اُس کے پاس زیور نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے آپس میں کچھ چپکے چپکے مشورے کئے اور پھر سستی سے بولیں: ”ہم سب تم کو ایک ایک زیور دیدیں گے اور تمہارا پورا سنگھار ہو جائے گا۔ اب ہم جاتے ہیں اور تمہارے شوامی جی سے تم کو لے جانے کی اجازت مانگ لیں گے۔“ مگر سستی نے پھر انکار کیا اور کہا: پتاجی بہن! مجھے اپنے شوامی جی پر برا ہے۔ اس لئے اگر میں کئی تو ان کی عورت کی حیثیت سے جاؤ گی۔ اور آپ کے زیور میرے لئے موزوں نہ ہوں گے۔ میں آپ کی محبت اور آپ کے خیال کی ممنون ہوں اور اس لئے مجھے اور زیادہ انوس ہے کہ میں اس اب میں آپ کا کہنا نہیں مان سکتی ہوں۔ مگر اُس کی بہنوں نے ایک نہیں سنی۔ انوشیو کے پاس اجازت حاصل کرنے چل دیں۔ شیو اُس وقت ایک رُوداکش کے درخت کے نیچے دھیان میں مچھتا۔

لڑکیوں کی ہمت نہ پڑی کہ داخل ہوں۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں کہ ان کی نظر ایک بڑے سے قیلے پر پڑی۔ جوشیر کے قریب ایک ڈال پر لٹا تھا۔ ان بہنوں میں سے ایک نے بھئی اُس کو کھول کر دیکھا تو وہ بے جا ہوا ہراس اور زیور سے بھرا تھا۔ ان کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا اور آپس میں چپکے چپکے باتیں ہونے لگیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ شیو واقعی کوئی غریب دیوتا نہیں ہے۔ جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے۔ انہو خوش خوش سستی کے پاس واپس گئیں اور جب انہاں اصرار پر بھی سستی نہ مانی تو وہ آخر کار انوس کی کٹی ہوئی۔ اُس کے بغیر چلی گئیں۔ ان کے بدلے کے لئے سستی اپنے آقا کے پاس گئی۔ اور اُس سے ناز اور منت سے کہنے لگی: ”میرے مالک! میں پتاجی کے گھن میں جوتہ آؤں؟“

بڑھا سستی نے گھونٹ نکھا کر لیا اور پوچھا کہ ”پتاجی اور ماتاجی کبھے میں؟“ نارو نے نہایت ادب سے جھک کر پرنام کیا اور کہا: ”ماتاجی! دو فون بغیریت ہیں۔ بلکہ آپ کے پتاجی تو ایک بہت بڑا گھن کر رہے ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ سارے دیوتاؤں اور اداشاہوں کو نوید دے آؤں۔“

”ہاں! اور آپ ہم کو بلانے آئے ہیں۔ ہم ضرور آئیں گے۔“ مگر نارو بچائے عام پیامبروں کی طرح نوید دینے کے یہ کہہ کر کہ ”اب مجھے اجازت دیجئے مجھے ابھی کئی جگہ جانا ہے۔“ انکار کی جلدی با سستی نارو کی اس عجیب حرکت سے پریشان ہوئی اور سوچنے لگی کہ اُس نے نوید بھی نہیں دیا۔ عماروں نے نارو کو سستی کے برآمدہ کی طرف بلتے دیکھا تھا مگر اُسے روکنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ اُس کی میری آنکھ کے سامنے سارا مستقبل ایک کھلی کتاب کی طرح عیاں تھا۔ اس لئے وہ چٹان پر اپنے چپتے کی کھال پر بیٹھا۔ +

جب نارو چلا گیا تو سستی اپنے شوہر کے پاس گئی۔ اور سب سوالوں کے زانو پر بیٹھ کر پوچھنے لگی: ”تم نے سنا ہے کہ پتاجی ایک بڑا گھن کر رہے ہیں۔ ہم تم بھی چلیں گے نا؟“

مادہ یونے اُس کے نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نہایت نرمی سے جواب دیا: ”میری جان! میں اس لئے نہیں بلایا گیا ہوں کہ میں ایک غریب داماد ہوں۔ اور تم اس لئے نہیں جا سکتی ہو کہ میری بیوی ہو۔“ انہو کہہ کر اُس نے سستی کے دماغ کو بہتر اور اعلیٰ خیالات کی طرف رجوع کر دیا اور وہ لگیں کہ بالکل بھول گئی +

مگر چند ہی روز بعد ”کیلاش بیو“ میں ہالکیوں کی ایک قطار کی قطار آہنی۔ اور ان میں سے سستی کی کئی زوئیں پوشش بنیں آہ پڑیں۔ ان کی دنگ رنگ ساروں اور بیش بہا زیورات سے ساری جگہ جگہ آٹھی۔ کہیں ہیرے انہی چمک دیک دکھا رہے تھے۔ کہیں زمرہ ایک نے شرف یا قوت کا شوق کیا تھا۔ دوسری اپنے گھر اور ہاتھوں میں سنساروں کی مانند سفید موتی پہنے تھی۔ جن کی لڑیں اُس کی کمر سے لٹ رہی تھیں۔ اور امرسونیا اپنی خوبصورتی کی تلاش کر رہا تھا۔ اور ہر تہذیب کی رونق پوری تھی۔ ایک نے فیروز کو پسند کیا تھا اُس کے قریب دوسری نے مونگے اور پیٹے کے زیور پہنے تھے۔ سب نہیں ایک ساتھ جنت کے جوش میں سستی بر وقت

پھر اُس کے سامنے ٹھکی۔ آخر رات دہانگی اور پاؤں چھو کر ہاتھ جوڑے ہوئے لے نکلا۔ کھڑی ہو گئی۔ پھر بہن کی طرف بڑھی جو اُس کے لئے تیار کھڑا تھا۔ شبیہ نے اُس کو اٹھا کر بہن پر بٹھا دیا اور اُس سے چپکے سے کہا ”میری جان! کیا دُش کی دیکھ لیا؟“ اُس نے جواب دیا ”جیسے لے جا رہی ہو“۔ سچی اپنی اس محبت بھری تعریف سے دل ہی دل میں خوش ہوئی اور شہزادہ کو ”میرے بھائی“ میں دیکھ کر زیادہ نہ رہی۔ مگر شبیہ کو کب لٹی ہو سکتی تھی۔ اُس نے بہت سنجیدہ اور بھاری آواز میں کہا ”تم مجھے اکیلا چھوڑے جا رہی ہو اور میں بغیر تمہارے زندہ نہیں رہ سکتا ہوں“۔

سچی خندہی اور بہرگی کے ہمراہ رخصت ہوئی اور شہزادہ اس منقطع فلاح کو ہمارے گھر لے کر آئے۔ وہ بڑی دیر تک حسرت دیاں کی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ جب آخر کار وہ اپنی کئی کی طرف مڑا تو ”کیا لاش بہن“ ایک بالکل دوسری جگہ معلوم ہوئی تھی۔ جو پھول رہ گئے وہ مرجھا رہے تھے۔ چڑیوں نے اپنا چہرہ نا بند کر دیا تھا۔ سور گھر گھر کر رچ رہے تھے۔ ہرن غوغا سے درختوں کی آڑ میں پناہ لے ہوئے تھے۔ سورج ایک سیاہ بادل کے بڑے سے ٹکڑے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ ہر چیز پر تو اسی چھانی ہوئی تھی اور ایک بینک کستانے کا عالم تھا۔ شہزادہ تمام ہنگاموں کے اصلی معنی خوب سمجھتا تھا۔ اور آخر کار ایک ٹکڑے آہ بھر کر وہ درخت کے نیچے ایک چھتر کے ٹکڑے پر بیٹھ گیا۔ درخت کی پتیاں تو تھوڑی ہی تھیں۔ گویا کہ وہ شبیہ سے اُن کے افعال کا افسوسناک قصہ بیان کرتے ہوئے بھجکتی تھیں۔ خود شبیہ کہیں بند کر کے وہ جان میں مصروف ہو گیا۔

سچی کو رات میں وہن کے دیوتا کو دیکھنے دیکھ دیا۔ اُس نے فوراً دوڑ کر پہنچا اور پھر درخواست کی کہ اُسے اور اُس کی بیوی کو یہ عزت بخشی جائے کہ وہ اپنی دیوی اپنی ملک کو گئیں گے لے کر پڑے پناہ میں۔ اُسکی بیوی جو اُس کے پیچھے پیچھے آئی تھی اچھا کرنے لگی۔ ”اساتجی! میرے شوہر جی وہن کے دیوتا ہیں۔ مگر ان کا تمام خزانہ بیچ اور بیگا رہے۔ اگر وہ اچکے زور نہ پناہ سکیں۔ بہت سخت کے بعد آج رات سچی راضی ہو گئی۔ اور کھنے لگی۔ آخر جو تہا راجی چاہے کہ وہ مجھے میرے بچے بے انتہا عزیز ہیں۔ اور ان کو خوش کرنے میں میری خوشی ہے۔ پھر کیا تھا کوئی رات اُس کی بیوی اپنے خزانے

کے ساتھ اُس کی طرف مڑا نہایت پیار سے اُس کو اپنے سینے سے لگا دیا اور بولا ”میری جان! تم کیسے جا سکتی ہو جب تم بلائی نہیں گئی ہو۔ ایسے بڑے طبقے میں بغیر لٹائے نہیں جاتے ہیں“۔ سچی نے کہا کہ میں اپنے باپ کی لڑکی ہوں۔ اور ہم کو آپس میں ایسا تعلق نہ برتنا چاہئے۔ میرا جانے کو بے انتہا جی چاہتا ہے“۔ اُس کے شوہر نے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ ”میرا دل نہیں چاہتا کہ تم جاؤ۔ تمہارے چاہی تمہاری خدای سے ناراض ہیں۔ اس لئے وہاں سے الگ رہنا ہی اچھا ہے۔ خصوصاً جبکہ ہم بلائے نہیں گئے ہیں۔ میری پریتا جان جاؤ اور میں میرے ساتھ رہوں“۔

مگر سچی اپنا غیور سر ہلا کر منت کرتی گئی۔ ”وہاں میری سب بہنیں موجود ہو گئی۔ اگر میں ہی اکہلی نہ ہو گئی تو کچھ عجب سا سلوک ہو گا۔ میرے پیارے ہاں کھدو“۔

مہاراجہ نے نہایت سنجیدہ ہو کر کہا ”تمہاری بہنیں امیر آدیوں کی بیویاں ہیں اور بلائی گئی ہیں۔ ہم غریب ہیں اور الگ کر دینے گئے ہیں“۔ پھر وہاں جانے کی کافرمت ہے؟“

مگر سچی نہیں مانی اور غوغا مارتی گئی۔ ”میرے دل وہ جان کے کھانا مجھے ایک غریب دیوتا کے ہونے کی کوئی شرم نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں مجھ جی خوش اور ملین حور کوئی بھی نہ ہوگی۔ میں اسی لئے تو اور جانا چاہتی ہوں کہ سب کو دکھا دوں کہ مجھے اپنے شوہر پر کتنا ماز ہے۔ مجھے جانے دیجئے“۔ بالآخر شبیہ راضی ہو گیا۔ ”خیر میری جان! جب تمہاری ہی خوشی ہے تو میں: بلکہ نہ کوئی۔ گویا میرا دل نہیں چاہتا ہے کہ تم جاؤ۔ البتہ اگر تم جاتی ہو تو میری بیوی کی حیثیت سے جاؤ۔ اپنے باپ کی بیٹی بن کر نہیں۔ میں خندہی اور بہرگی کو تمہارے ساتھ کر دوں گا“۔

مہاراجہ کے چیلے خندہی اور بہرگی حاضر ہوئے اور اُس کے حکم کے مطابق انہوں نے کیلا شش بہن کے بہترین پھولوں سے ایک تاج اور کٹی دار اور گنگی جڑ خیر قسم کے زیور بنا ڈالے۔ دوسرے دن صبح کو اُس پھول کے گھنے میں سچی بے انتہا ملی لگتی تھی۔ مگر اُس کو اب معلوم ہوا کہ شبیہ اُس کی طرف کچھ نہیں لگا رہا تھا۔ اُس کے غم کو دور کرنے کی غرض سے سچی اُس کی طرف دیکھ کر سہکائے لگی اور بولی ”میں تم سے بہت دن جدا رہی ہو گئی“۔

نندہ کا دور بہتر بنی دیکھ کے مارے گھبراہٹ گئے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ تئید کوئی دیکھ کیسے تائیں کہ کپڑا شکی دیوی اس دناسے جلے۔ جس دن وہ ہونچے کو متا دیورخت کے نیچے اپنے چھر کی چٹان پر بیٹھا لوگ ہیں مصروف تھا۔ اس کو دیکھ کر بہرنگی دور پورہ پرنے لگا۔ دست دیوی سستی دیوی آپ کہاں ہیں؟ آپ کہاں چلی گئیں؟ جب ان نالوں کی آواز سنی کہ کان میں پڑی تو اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اور دیکھا کہ نندی اور بہرنگی اس کے سامنے سرسبزہ زمین پر پرے پرے دو درخت چلائے ہیں۔

شیخو اٹھا اور اپنے پتھر کے تخت سے اتر کر تندی کے پاس آیا اور بچے کو کہہ کر آواز دہرایا کہ "اس کا سارا بدن بیدار طرح لرز رہا تھا۔ تندی اڑ بڑگی نے اپنی مصیبت کی کہانی بے تپے بیان کی۔ وہ عیسوی کی بہت ناک صورت دیکھ کر سہم گئے تھے۔"

آج حسرت کی وجہ حالت تھی وہ اسوں نے کبھی دیکھی ہی نہ تھی غم و غصہ نے اُس کو ایک دوسرے شخص بنادیا تھا۔ اپنے بابوں کو اُس نے ایک مرتبہ جھگڑا دیا۔ اُس کی تینوں آنکھیں شل نور کے جھڑک رہی تھیں۔ بالے ساپ جو اُس کے سر پر ساج بنے ہوئے تھے اپنے پہن نکال کر فیض و غضب کی عورت بن گئے تھے۔ یہ کبھی اُس کی طرف دیکھتا تھا، کبھی دکن کی طرف۔ کبھی پو رب بھی بچھو ادا اس کے کلاہ زمیں کی گرج تھی بد میری سستی مجھ سے جدا ہو گئی۔ میری سستی مجھ سے جھنک گئی۔ میری کوکھ صورت اس وقت اس قدر بیت ناک تھی کہ ایک مولوی انسان دیکھنے کی تاب نہ دلا سکتا تھا۔

جب وہ بولتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ بادل گرج سبے ہیں۔ تھیوس
وقت زندگی بچنے والا مآد ہوتا تھا۔ جو روحانیت میں دوبارہ تھا، بلکہ دنیا کو
سنسکھار کرنے والا مسیحہ جو غیض و غضب کے ہذبات کا مجسمہ تھا۔ اُس کے
دل پر ایسی چوٹ لگی تھی کہ وہ مٹری سا ہو گیا تھا اور جو شمس انتقام سے اُبل
رہا تھا۔ اسی حالت میں اُس نے ایک بار مسیحہ کو پکارا "بادل اور بجلی! طوفان اور
زلزلہ! آج تم سب کہاں ہو؟ میری دھمک دھمکے والے اور اس دنیا کو گیت و ناؤ کرو؟" اُسکا
حکم دینا تھا کہ تمام عناصر اُس کے سامنے حاضر ہو گئے اور پھر وہ بجلائے پھر بجھا
شیشہ توڑنا، ترشیل اچھ میں لئے پھاڑوں کو پھینچنا جو ادکشا را جا کے محل میں جا
پھنچا۔ اُس کے قدم پر دنیا ہلتی اور لرزتی تھی، بادل گرتے تھے، بھیلیاں چمکتی تھیں
اور ہلک کر گرتی تھیں۔ بارشیں وہ موساؤ اور گرجا کو آسان پھٹ گئے۔ سبے

ہی وہ چپ ہوا۔ اُس نے سر اٹھا کر جواب دینا شروع کیا۔ اور اس کی صاف اور بلند آواز سے سارا دربار گونج اٹھا +

دہ پتا بھی آپ میرے خواہی ہی کو کیوں اسقدر برا بھلا کہتے ہیں ؟ کیا آپ بھول گئے کہ وہ مہادیو ہے۔ وہ چھکارا ضرور ہے۔ مگر محبت کی بھیک مانگتا ہے اور محبت بھی اپنے بچوں کی صرف اس کی اسے خواہش ہے اتنا کہ کہہ کر اور مر کر کچھ بولی۔ مجھے آپ کے خیال سے سخت رنج ہوتا ہے۔ جو گستاخی آپ سے مہادیو کی شان میں ہوئی ہے۔ وہ ایک انسان کے لئے ناقابل معافی ہے، سستی یہ کہہ ہی رہی تھی کہ تمام سے ہوئے دہاریوں کے سامنے کٹش راجا کی شکل بدل گئی۔ اور اس کا سر ایک بکرے کا سر ہو گیا۔ گراؤس کر خٹہ کی اس وقت کسی کو خبر نہ ہوئی۔ تب پرستی کی آواز کا جادو چھا ہوا تھا۔ وہ آواز پھر مٹا دی۔ خود مجھے اب زندگی دور ہے۔ میں ہمیشہ اُس کی لڑکی کھلاؤں گی جس نے اپنے ایثار میرے محبوب مہادیو کو نکالیا دیں۔ یہ کہہ کر وہ گھٹنوں کے بل گر پڑی اور ہاتھ بانٹ کر اور آسمان کی طرف لٹکھ بند کر کے دھانکے لگی ہے پر ماتا۔ میرے لئے یہ تمہاری مرضی کے خلاف یہاں کیوں آئی؟ میرے کشیو میرے لئے پتا بھی کہ ان گالیوں کے بعد جتنا مجھ پر بار ہے۔ اسے تم جلد ہی سمجھنے پہاں سے جاؤ اتنا کہہ کر وہ زمین پر آسٹہ آسٹہ گر پڑی۔ گراؤس کے ہاتھ بند ہے۔ اور آسمان کی طرف اٹھنے تھے اسی حالت میں اس نے آخری مرتبہ پکارا۔ مہادیو میرے ایثار میرے ہی چھہ۔ اور وہ اس دنیا میں میرے آخری خیالات تمہیں سے وابستہ ہیں۔ تمہاری ہی یاد سے تمہاری ہی محبت سے محروم ہے۔ میرے مالک نے آخری درخواست تم سے یہی ہے کہ اپنی سستی کو بھول نہ جانا۔ سستی کی دلکشی اور سوسہ آواز نہ کر گئی۔ اہ سارے دیوار ایک سمیت سستی ہی چنگی اُس کے ہاتھ پر ایک نہایت چمکدار ستارہ نمودار تھا۔ اور جب سستی نے آخر گراؤس کے قریب جانے کی ہمت کی تو معلوم ہوا کہ اُس کی مدد اس دنیسے نہت ہو چکی تھی۔ مگر کچھ کھانے کی تھی حرارت نہیں ہوا جو اس خوبصورت جسم کو چھوٹا۔ جواب میں جانے جا پڑا تھا۔ تمام دیوتا سوسو کے غمغناہ غلبہ کے خیال میں تھک رہے تھے۔ اور بادشاہ شازدہ سے بغیر اور دوتا ب دیوار سے خوفزدہ ہو کر ہلکے گئے ہ

کیا ہندو جہاز رانی جانتے تھے؟

از جناب مالک، ام صاحب، ایم۔ اے

اپنے وجود کے لئے کس کے شرمندہ احسان ہیں +

چند سال ہوئے پر دوسرا دوا کا کرجی ہے ہندوؤں کی جہان فانی پر ایک کتاب لکھی تھی۔ اس میں انہوں نے از سر تہدیم سے لیکر انگریزوں کی آمد تک کی ہندوستان کی تاریخ جھار ڈالی ہے میرے اس مضمون کے کئی حوالے اس کتاب سے لئے گئے ہیں۔ کئی جگہ ان کے حوالہ پر یہ میرا نے اضافہ کیا ہے۔ اور کئی سے حوالے اپنے پاس سے دیئے ہیں۔

(93)

یہ کہہ کے سنسکرت کا بیج لگی لاٹری میں ایک قلمی کتاب ہے جس کا نام ”نئی کتاب ترو ہے اس کا مرتب و مولف مجموعہ نرہی ہے، اسکی جواہر ہنواروں، گھوڑوں، باغیچوں، زیورات، جھنڈوں، چھتریوں، وزیروں اور جہانوں وغیرہ کا ذکر ہے۔ آج نے اپنے سے پہلے کے مصنفوں کے کثرت سے حوالے دیے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے، مگر ان علوم پر اس سے قبل کتابیں موجود تھیں +

ہم اس میں سے صرف ہما زل کی نسبت دی ہوئی معلومات پر لکھا کر چکے ہیں۔ ہندوؤں نے بس طرح چارھوں میں جاعتی تقسیم کی۔ اسی طرح نباتات میں لکڑی کی بھی چار قسمیں مقرر کیں۔ سب سے اول زمین قسم کی لکڑی ہے۔ یہ لکڑی اور زم ہوتی ہے۔ اور دوسری لکڑیوں سے آسانی بیوت ہو جاتی ہے۔ دوسری کشتری یہ لکڑی اور سخت ہوتی ہے۔ اور دوسری لکڑیوں سے جڑ نہیں نکلتی۔ تیسری بیش نرم اور بھاری ہوتی ہے۔ اور چوتھی شدر۔ سخت اور بھاری۔ ایسی لکڑی بھی کافی گئی ہے۔ جسے دوج کہتے ہیں۔ یعنی جس میں دو اقسام کی خصوصیات پائی جائیں +

صوح کے خیال میں کفتری کلوسی سے تیار کیا جواہاز خوشی اور
 یہ کتاب نزد رنہ تلا صاحب نے شایع کر دی ہے۔ اور انڈین شاہی
 گوارڈی کے دفتر سے دستیاب ہو سکتی ہے +

(1)

ایک زمانہ تھا۔ جب ہندوستان کی تاریخ اسکندر اعظم کے حوالہ سے لکھی جاتی تھی۔ اس سے پہلے دیدوار اور ان کے متعلق چند اور کتابوں کا ذکر ہوا تھا۔ جتنا کچھ کتبہ ہستی تسلیم کی جاتی تھی۔ اور بس۔ ماسوائے اس کے سب تاریکی اور غلط تھی۔ لہذا کتابوں میں دیئے گئے واقعات افواہوں سے زیادہ حقیقت نہ دیکھتے تھے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آہستہ آہستہ تاریکی کے پردے دور ہوئے گئے۔ واقعات افواہوں سے گزر کر تاریخی بنیت حاصل کرنے لگے۔ وہ ہتھیاں جنہیں دیونا لاسے زیادہ وقت نہیں دی جاتی تھی۔ ان کا وجود اندرونی اور بیرونی شواہد سے ثابت ہونے لگا۔ حتیٰ کہ آج ہم اس قابل ہیں کہ اسکندر سے پہلے کے ایک طویل زمانہ کی بت حد تک مسلسل تاریخ پیش کر سکیں۔

ہی نہیں۔ کہ ہم مکران کی خاندانوں کے افراد کو بنا سکتے ہیں۔ ان کے نمائندہ حکومت کی تعیین کر سکتے ہیں۔ اور ان کی خاندان جنگیوں اور بیرونی دشمنوں سے مدافعت لڑائیوں کا حال بیان کر سکتے ہیں۔ بلکہ گذشتہ نصف صدی میں ہندوستانی اور یورپی فضلا کی ان تحکک کوششوں نے پڑانے علوم ادب کے وہ جواہر پرزے ایک عام کردیئے ہیں۔ کہ بلا خوف تردد آج ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ دنیا کی کوئی دوسری قوم اپنے تہذیب و تمدن کی تاریخ کے لئے استعداد سالہ متباہ نہیں کر سکتی۔ جس قدر ہمارے ماں موجود ہے +

یہ خیال کہ ہندوؤں میں ادب اہدام کی کمی تھی۔ یا دھرمی ہندوستان سے
باہر گئے ہی نہیں بلکہ دنیا وادوار فطرت سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہندو جہاز رانی
سے واقف تھے۔ وہ جہاز سازی کے علم سے بہرہ وافر تھے۔ انہوں نے
زمرن تجارتی جہاز تیار کئے، بلکہ جنگی جہازوں کا استعمال بھی کیا۔ اور جزائر
شرق الهند میں..... ہندوستانی نوآبادیاں قائم کیں۔ ان جزائر کا
موجودہ تھمن اور وہاں کے آئندہ تہذیب زبان حال سے یہ بتا رہے ہیں۔ کہ کم

یہ جہاز پہلے دو ٹری قسموں میں منقسم ہیں (۱) دیرگھا جو غالباً سولہ ہوتے ہیں اور (۲) آنتا جو لمبائی چوڑائی کی بجائے زیادہ گہرے ہوتے ہیں۔ اولیٰ کی پھر دس قسمیں ہیں۔ اور دوسرے کی پانچ۔ تفصیل حسبِ ذیل:

نام	طول	عرض	دیرگھا
(۱) دیرگھا	۴۲ فٹ	۱۵ فٹ	۱۴ فٹ
(۲) ترائی	۳۲	۴	۳ ۱/۲
(۳) بولا	۶۴	۸	۲۵
(۴) گوڈورا	۸۰	۱۰	۸
(۵) گاشی	۹۶	۱۲	۹ ۱/۲
(۶) تاراری	۱۱۲	۱۴	۱۱ ۱/۲
(۷) جگھالا	۱۲۸	۱۶	۱۲ ۱/۲
(۸) پلائی	۱۴۴	۱۸	۱۴ ۱/۲
(۹) دھارنی	۱۶۰	۲۰	۱۶
(۱۰) بیلگنی	۱۶۶	۲۲	۱۷ ۱/۲

ان میں سے (۳) (۵) اور ۸ بڑے گئے جاتے تھے +

(۲) آنتا کے اقسام:-

نام	طول	عرض	گہرائی
(۱) اور دھو	۳۲	۱۶	۱۶
(۲) اور دھو	۴۸	۲۴	۲۴
(۳) سورن کھی	۶۴	۳۲	۳۲
(۴) گرا بھنی	۸۰	۴۰	۴۰
(۵) منقرا	۹۲	۴۸	۴۸

ان میں سے (۲) (۴) اور (۵) بڑے اور (۱) بت اچھے خیال کئے جاتے ہیں +
کتاب میں جہازوں کی آرائش و رفیعہ کے متعلق کافی رہائات ہیں۔ چاندی سونے اور تانبے اور ان تینوں کے مرکب سے سامان کی تیاری کی سفارش کی گئی ہے۔ جہازوں کو چار طرح کا رنگ کیا جاتا تھا۔ چارستوں والا سفید تین والا سرخ۔ دو والا پیلا۔ اور ایک والا نیلا ہوتا تھا۔ جہازوں کے بسر جانوروں کی شکل کے بنائے جاتے تھے۔ ان میں سے سینڈک، چھلی، شیربہر، بھینس، سانپ، اسی اور شیر جانوروں میں سے تراج ہنس اور طوطا

دولت کا حامل ہوتا ہے۔ اور ایسے جہاز ہی مہرے سمندروں میں استعمال کرنے چاہئیں۔ طرح طرح کی لکڑی سے بنا ہوا جہاز کسی کام کا نہیں ہوتا۔ نہ وہ یا بُد اور متلبہ اور نہ ہی پانی کے زبردست پھیرلوں کے سامنے اس کے ٹکڑے اچھی جگہ پر قائم رہ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ جہاز بنانے والا کبھی بھی ایک عجیب رہایت کرتا ہے۔ کہ جہاز کے مختلف ٹکڑے کو بے سے نہ جوڑے جائیں۔ کیونکہ اس طرح متناہیسی پہاڑیاں جو سطح سمندر کے نیچے چھپی ہوتی ہیں جہاز کو اپنی طرف کھینچ لینگیں۔ اور وہ ان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا +

کتاب میں وزن اور حجم کے اصول پر جہازوں کے نام رکھے گئے سب سے اول جہاز و مہم کے ہیں:-

(۱) سامانیہ (معمولی جہاز جو دریاؤں یا ایسی ہی اور کم غیر محفوظ جگہوں میں استعمال ہوتے ہیں)

(ج) ویشیش (خاص جہاز جو سمندر میں چلے گئے ہیں)
پہلی قسم کے جہازوں کی پھر دس قسمیں ہیں۔ ان کے نام سمہ ان کی جسامت کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

(۱) سامانیہ کی اقسام (۱۰ فٹ + ۱۲ فٹ)

نام	طول	عرض	گہرائی
(۱) کشیدرا	۱۲-۱۴ فٹ	۴-۴ فٹ	۴-۴ فٹ
(۲) دھیا	۲۴	۱۲	۸
(۳) بھیا	۴۰	۲۰	۲۰
(۴) چپلا	۴۸	۲۴	۲۴
(۵) پتلا	۶۴	۳۲	۳۲
(۶) بھیا	۷۲	۳۶	۳۶
(۷) دیرگھا	۸۸	۴۴	۴۴
(۸) پتر پتا	۹۶	۴۸	۴۸
(۹) گر بھرا	۱۱۲	۵۶	۵۶
(۱۰) منقرا	۱۲۰	۵۶	۵۶

اوپر کی فہرست میں سے (۱) (۶) اور (۹) غالباً بے ڈول ہونے کی وجہ سے خواب اور نروس بنائے گئے ہیں +
(ج) ویشیش کی اقسام:-

رمانیں کا ایک حوالہ تو اوپر گزر چکا ہے۔ اور بھی کئی نگہ پر بندوستان اور غیر ملکوں کے درمیان بحری آمدورفت کا ذکر ہے۔ کنکھنڈا کا تذکرہ (۲۵:۴۰) میں جب سگر بیدا اپنے افسروں کو سستیابی کی تلاش کے لئے روانہ کرتا ہے۔ تو دوسری جگہوں کے ساتھ سمندری جزیروں میں بھی ٹکنا کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ شلوک ۲۷ میں ایک ایسی جگہ کی طرف اشارہ ہے جہاں کیرؤں کے ذریعہ ریشم پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے اصطلاح ایسی بتی گئی ہے جو سنسکرت کی دوسری کتابوں میں صرف چین کے ریشم کے لئے ہی استعمال کی گئی ہے۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت لوگ چین سے واقف تھے۔ اور وہاں سے آمدورفت جاری تھی۔ اسی جگہ جاوآ اور سائرا کا ذکر بھی ہے۔ ایوہیا کا تذکرہ ایک حوالہ جس میں بحری لڑائی کا ذکر ہے۔ اوپر درج ہو چکے۔ (متون ۱۹۲:۴) میں مختلف قسم کی لڑائیوں کے تفصیل سے بحری جنگ کا ذکر بھی ہے +

مجاہدات سمجھا پر اب میں جب سہیو فوجات سے مراجعت کرتا ہے تو معفوہ علاقوں میں چند جزیرے بھی ہیں۔ جہاں کے مچھہ باشندوں نے شکست کے بعد اس کی حکومت تسلیم کر لی۔ ایسے ہی درون پر۔ کرن پر۔ شانتی پر۔ آدی پر۔ و دیگر میں بھی جہازوں اور سمندری مہموں کا ذکر ہے + اس کے بعد جب ہم سوتیروں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو وہاں بھی قدم قدم پر ایسے نشانات ملتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جہاز رانی سے بخوبی واقف تھے۔ ہودھا شادھرم سوترا (۲:۲۴) میں برہمن کے لئے سمندری سفر کی سخت حماقت کی گئی ہے۔ لیکن (۴:۲۱) میں وہ ماننا ہے کہ "شمالی (یعنی آریہ نسل کے) لوگ سمندری سفر کے بہت شوقین ہیں" (۱۳:۱۸) اور گوتم دھرم سوترا (۲۳:۱۰) میں ان محمولوں کا ذکر ہے جو "جہازوں کے مالک۔ راجہ کو ادا کرتے ہیں" منو سوترا (۱۵۸:۳) اس برہمن کو کٹھنواہہ کرانے کے ناقابل تصور کرتی ہے۔ جس نے سمندری سفر کیا ہو۔ آٹھویں باب میں منو کہتا ہے کہ اگر کسی کو یہ جہاز بنانے کے لئے قرض دینا ہو تو شرح سود مقرر کرنے میں ایسے شخص سے مشورہ لیا جائے جو برہمن اور بحری تجارت کی کیفیت سے پورا واقف ہو۔ اسی باب میں دریاؤں اور سمندروں میں چلنے والے جہازوں پر شرح کا اصول درج ہے۔ (۸:۴۰) میں وہ ایک عجیب قاعدہ لکھتا ہے کہ اگر لاکھوں کی غفلت سے کسی مسافر یا سوداگر کا کچھ نقصان ہو جائے۔ تو وہ تمام ہر جانہ کے ذمہ دار ہیں لیکن اگر

پرندوں میں سے زیادہ پسند کے جہاتے تھے۔ بعض فہم انسان کی شکل بھی بنائی جاتی تھی۔ اس سے فنی تعمیر اور بہت ترانشی میں متوجہ اور متقی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ بعض دفعہ ان شکلوں کے نگلے میں سونے اور جواہرات کے نقش و نگار بھی کئے جاتے تھے +

وہ جہاز جن کے تمام عرشے پر کمرے ہوتے تھے "سرب مندرا" کہلاتے تھے۔ ان میں شاہی خزانہ کھڑے اور ستورات لے جاتی جاتی تھیں۔ وہ جن کے صرف درمیان میں کمرے ہوتے تھے۔ اور جو رسات کے لئے زیادہ مفید ہوتے تھے اور بادشاہوں کی سیر و تفریح کے کام آتے تھے۔ یہ "مندر" کہلاتے تھے۔ وہ جو بے سفر کے کام آتے تھے اور لڑائی بھڑائی میں استعمال ہوتے تھے۔ ان میں کمرے ایک سرسے پر ہوتے تھے۔ ایسے جہازوں کو "اگر مندرا" کہتے تھے۔ مجاہدات (آدی پر) میں غالباً ایسے ہی جہاز کا ذکر ہے۔ بہت پانچوں پانڈو جہازوں کی نصیحت پر دشمنوں سے بچنے کے لئے بھاگ گئے تھے۔ یہ جہاز خاص اسی مطلب کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اور مہر جس کے سامان سے لیس تھا۔ اسلحہ وغیرہ کافی تعداد میں دیتا کرتے تھے تاکہ وقت پڑے پر دشمنوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ رمان (ایوہیا کا تذکرہ ۸۴:۸) میں بھی ایسے ہی جہاز کا ذکر ہے۔ بنگالیوں نے بھی راجہ رگھو کا مقابلہ ایسے ہی جہازوں میں کیا تھا۔ (رگھوونش ۳۶:۴) لیکن یہ تو ایک ایسی کتاب کا حال ہے جس میں دیگر علوم کے ساتھ غنیمت جہازوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔ ورنہ یہیں تمام سنسکرت علم و ادب ایسے حوالوں سے بھرا پڑا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندو جہاز رانی کے فن سے کماحقہ واقف تھے +

رگھو (۲۵:۱) میں ورنہ ان تمام سمندری راستوں سے بخوبی واقف ہے۔ جن سے جہاز سفر کرتے ہیں۔ (۳:۴۸:۲) میں تاجروں کا ذکر ہے۔ جن کی حرص انہیں غیر ملکوں کو جہاز بھیجے پر مجبور کرتی ہے۔ (۲:۵۶:۱) میں ان سوداگروں کا بیان ہے۔ جن کا دائرہ عمل بہت وسیع ہے۔ ایزر جو فنی کی خاطر ہر جگہ جاتے پر تیار ہیں۔ اور سمندری اکثر سفر کرتے رہتے ہیں۔ (۴:۸۸:۴) اور (۳:۱۱۶:۱) میں بھی جہازوں کا تذکرہ ہے۔ موزالذکر میں جب راجہ بھوجیو کا جہاز تباہ ہو جاتا ہے۔ تو وہ دونوں ایشیوں بھائی اپنے جہاز میں بچاتے ہیں۔ جس میں سوچو استعمال ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی جگہ یویدوں میں جہازوں کا ذکر ہے۔

کی "راج ترنگی" (مفہوم تاریخ کثیر) میں ایک شاہی سفیر کی مشکلات کا بیان ہے جو اسے سمندر میں پیش آئیں +

سنگرت کی اور کتابوں مثلاً وراہ مہر - گرڈ بوران - بھوج وغیرہ میں مونی نکالنے کا ذکر ہے - اس مقصد کے لئے انہیں خلیج فارس تک جانے میں مار نہیں تھی - لٹکا کے نزدیک لڑیکا سوراشٹر - تامل پرنی وغیرہ مونی نکالنے کے مرکز تھے - اگستہ کے قول کے مطابق لٹکا - عرب اور فارس کے قریبی سمندروں کے مونی خاص طور پر پسند کئے جاتے تھے - لٹکا کے قریب کی خلیج منار کو سلا بھر (نفع کا سمندر) بھی اسی وجہ سے کہتے تھے +

اگرچہ اجازت دیجی تو میں آپ کی کتب (مذہبی اور غیر مذہبی) کے حوالوں سے بھی عنوان کو ملحوظی ثابت کرتا - لیکن سچ سفینہ چاہئے اس تجربہ کار کیلئے (۴۱)

گدہ شدہ صفحات میں ہم جس تنجیر پر پہنچے ہیں - اس کے ثبوت میں ایک اور شہادت ہندوستان کی پرانی عمارات - قنادیوں اور سکوں سے جمع کی جاسکتی ہے - اس باب میں مگر آثار قدیمہ کی مساعی کا جھنڈا بھی شکر یاد کیا جائے - کم ہے - کہ انہوں نے ہندوستان کی گمشدہ عظمت کو ایک بار پھر منقہ ظہور پر لانے میں استعداد کام کیا ہے +

سانچی کے استوپ موریا عہد کی یادگار ہیں - ان کا زمانہ تقریباً دوسری اور تیسری صدی قبل مسیح کے درمیان ہے - استوپ نمبر ۱ کے مشرقی چھانک پر ایک کشتی کی تصویر ہے - یہ دریا کو عبور کر رہی ہے - اس میں تین آدمی غفران لباس پہنے بیٹھے ہیں - دو دریا چوتھے ہوئے ہیں - درمیان کی فاصل کا سمندر کی طرف ہے - جہاں چار آدمی ہاتھ جوئے کھڑے ہیں کنکھ کا یہ خیال کہ یہ تصویر مہاتما بدھ اور اس کے دو پیروؤں کے کسی جہاز کی سفینہ کی یادگار ہے غلط ہے - کیونکہ دوسری صدی قبل مسیح میں مہاتما بدھ کی تعداد بڑھانے کا دعویٰ ہی نہ تھا - اسی استوپ کے مغربی چھانک پر ایک اور چھوٹے سے جہاز کی تصویر ہے - جس کا ایک سر انچھل گئی دم کی شکل کا ہے - اور دوسرا شیر بر کے سر کا جس کے کندھوں پر پرنگے ہیں - درمیان میں ایک سائبان ہے جس کے نیچے ایک تخت ہے - دو آدمی چھتر اور چوری لئے کھڑے ہیں - بلاشبہ یہ کسی شاہی جہاز کی تصویر ہے - جیسی آج بھی کئی ہندوستانی راجہ اور نواب استعمال کرتے ہیں - سرے بالکل ان جانوروں کی شکل کے

اس کی وجہ "دیوتاؤں کی مرضی" ہے - تو اس کے لئے وہ تصور دار نہیں کرتے جاسکتے - یکہ دیکھ سبھی لکھتا ہے کہ لوگ نفع کی خاطر مصائب سے بے پروا سمندر میں سفر کر لیتے ہیں +

علم ہیئت کی کتابوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے - درست سنگت (۸۱۳: ۹۱۴) اور (۶: ۹۱۴) میں ایسے ستاروں کا ذکر ہے - جن کی وجہ سے جہازوں پر ہیئتیں نازل ہوتی ہیں - (۳: ۱۰) میں ایسے چھوٹے جہازوں کا ذکر ہے جو مہر اندرونی تجارت میں مفید ہیں (۱۰: ۱۰) میں سمندری بیماری کی وجہ بیان کی گئی ہے +

پرانوں میں بھی جہاز کا سمندری سفروں کا ذکر ہے - وائیو - مارکنڈے بھاگوت - وراہ وغیرہ میں اکثر ایسی کہانیاں ہیں - جن میں جہازانی کا بیان ہے - وراہ پران میں ایک ایسے سوداگر کا حال درج ہے - جو دوسروں کے ساتھ اس نے سمندر میں گیا - کہ وہاں سے مونی نکالے - اور اس کے ہمراہی متوین وغیرہ کا پورا علم رکھتے تھے +

لیکن یہ تو ماہی یا غم نہ ہی کتابوں کی نسبت سنگرت ادب میں بھی اس ذکر کی کمی نہیں - لکھا اس کے رنگ و نقش کا ایک حوالہ پر درج ہے - دوسری جگہ راجہ گھوٹے فارس فتح کرنے کا ذکر ہے - لیکن وہ خاص طور پر لکھتا ہے کہ وہ اپنے جنگی کے راستے سے چڑھائی کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمندری راستے سے بھی نڈر نہ تھے - "سنگت" تا ملک میں چین کی ریشم کا ذکر ہے - راجہ ہرش کے نام "رتنا دلی" میں لٹکا کے راجہ وکرما ہو کی بیٹی کے جہاز کی تباہی کا بیان ہے - اور لکھا ہے - کہ کس طرح کو کھمبے کے تاجروں نے جو لٹکا سے واپس آ رہے تھے - اسے بچایا اور اپنے ساتھ لے آئے - اسی طرح ڈنڈی کے "وس کما جہاز" میں رتن بدھ نامی سوداگر کے ایک جزیرے میں جا کر شادی کرنے اور واپسی پر جہاز کی تباہی کا ذکر ہے - ایک اور جگہ ایک دوسرے سوداگر شریکیت کا حال درج ہے - لکھ شاعر کی کتاب "مشق پال بدھ" میں تاجروں کے باہر سے مال لانے اور یہاں سے باہر بھیجنے کا ذکر ہے +

کشمیری شاعر سوم دلو کی "کٹھ سرت ساگر" (۱: ۹) میں پرتھوی راج کے جزیرہ کٹی پور میں جانے کا بیان ہے - اسی طرح (۹: ۱۰۴) میں سمندر کے سفروں کا حال درج ہے - "ہت اپدین" اور "نیرنگ" (مصفہ بھرتی ہری) میں سمندر کے بار جانے کے لئے جہاز کی ضرورت بتائی گئی ہے لیکن

دیتے ہوئے ہیں۔ غرضیکہ ان غاروں میں جہازوں کی متعدد تصویریں ہیں۔ بعض جگہ جہاز کھڑا ہے۔ اور بعض جگہ چل رہا ہے۔ اور بعض جگہ کھڑا ہونے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بادبان کھٹے جا رہے ہیں۔ لنگر گرایا جا رہا ہے اور لوگ اترنے کی نگر کر رہے ہیں +

دورا کے برے حذر کے مالاب کی غلام گردکش میں بھی سمندر اور جہاز وغیرہ کی تصویریں پائی جاتی ہیں +

غالباً یہ بتانا ہے محل نہ ہوگا۔ کہ ان تمام تصویروں میں پانی کی غایت کیسے ظاہر کی گئی ہے۔ تازہ اور بیکھ کا پانی ہمیشہ مچھلیوں۔ کنول کے پھولوں اور اس طرح کی دوسری سبزی پیداوار کے ذریعہ دکھایا گیا ہے جہاں کہیں بھی سمندر دکھایا منظور ہوتا ہے۔ مگر مجھ اپنے خوفناک جہڑے کھوئے ہوئے نظر آتا ہے۔ یا سمندر ہی پر بندے اترتے ہوئے پائے جاتے ہیں +

ان تصویروں کے علاوہ مشرقی لکھاٹ پر اندھرا خاندان کے کچھ سکے ہیں۔ جو یکسر سری (۱۸۰۰ء) کے عہد کے ہیں۔ ان سکاں میں سے بعض پر جہازوں کی تصویریں ہیں۔ جو اس امر کا ثبوت ہیں۔ کہ گریسر کی حکومت خشکی تک ہی محدود تھی، ورنہ ہندوستان کی قدیم تاریخ ستھ صحت (۱) اور (۲) کا رد و مثل کے ساحل پر پہلے دوسری صدی عیسوی میں بحری تجارت ہوتی تھی، سیول صاحب لکھتے ہیں: ”اندھرا خاندان کے عہد میں مغربی ایشیا۔ یونان۔ روما اور مصر کے علاوہ مشرق اور عرب کے ساتھ بھی بڑی اور بحری دونوں راستوں سے تجارت ہوتی تھی“ اپریل گیزٹر، جلد ہفتم ص ۲۵)

ایسے ہی سکے پلو خاندان کے عہد کے بھی دستیاب ہوئے ہیں جن پر دوستوول و اسے جہازوں کی تصویریں ہیں +

(۵)

لیکن یہ سب تو اینٹوں کی شہادتیں ہیں۔ ممکن ہے کوئی انہیں مشکوک نہکا جو سے دیکھے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس باب میں بیگانوں نے بھی وہی لکھا ہے۔ جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں +

جب ہم ہندوستان کا حدود اربعہ دیکھتے ہیں۔ تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے قدرت نے اسے باقی دنیا سے الگ تھلگ رہنے کے لئے بنایا ہے۔ شمال کی طرف پہاڑوں کا ایک لمبا سلسلہ ہے۔ جو دنیا میں سب سے

ہیں۔ جن کا ذکر کیتی کلپ، ترو میں ہے۔ کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ کلاب اس سے چھٹی کی تعینیت ہے ؟

سچی کے بعد ہیوٹی کے قریب جزیرہ سالت کی غاریں ہیں۔ ان کے کتبے دوسری صدی عیسوی کے ہیں۔ جن میں ست کارنی خاندان کے بادشاہوں و شش پتر (۹۲-۱۶۳) اور گوئی پتر شانی (۹۲-۱۰۷۷) کا ذکر ہے۔ یہاں ایک تصویر ہے جس میں ایک تباہ شدہ جہاز دکھایا گیا ہے۔

”دو دہتے ہوئے آدمی اپنی جان کے لئے دعا کر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جگن ناتھ پوری (اٹریس) کے مندر میں ایک شاہی جہاز کی تصویر ہے۔ ملاح بڑی سرگرمی سے چٹو چلا رہے ہیں۔ درمیان میں سائبان کے نیچے غالباً راجہ میا ہے نشست غالباً گڑے دار ہے۔ جو حرکت کی وجہ سے اوپر نیچے ہوتی ہے۔ اور بیٹھنے والے کے گردے کا امکان ہے۔ حفاظت قدم کے طور پر پچھت سے کوئی چیز لٹکائی ہوئی ہے۔ جسے اس آدمی نے پکڑ رکھا ہے۔ تمام تصویریں ایسے ظہیر اور خوبصورت ہے +

اجنٹ کی غاروں میں بعض بعض جگہ پر جہازوں اور کشتیوں کی نہایت نفیس تصویریں ہیں۔ میں یہاں ان غاروں کی خوبصورتی اور نفی کمال کا کوئی ذکر نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ میرے موضوع سے باہر ہے۔ ان کا زمانہ ظہیر دوسری صدی قبل مسیح سے ایکسراتوین آٹھویں صدی عیسوی تک ہے۔ سب سے پہلی غاریں شکانی خاندان کے اداوین زمانہ زواروں کے عہد کی یادگار ہیں۔ چونکہ پانی اور دوسری صدی قبل مسیح میں مکران تھے۔ اور سب سے بعد کا زمانہ ۵۰-۶۲۵ء ہے۔ کیونکہ یہی تیاہ بیون سائگ کے

وقت میں جو ہندوستان میں سلسلہ و تک سفر کرتا رہا۔ ان کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے سفر نامہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ (ترجمہ جلد دوم صفحہ ۱۱) یہی زمانہ تھا جب ہندوستان کی بحری قوت اپنے انتہائی کمال کو جا پہنچی

اور ہندوؤں نے جزائر شرق ائند میں جا کر بستیایں قائم کر لیں۔ اور وہاں حکومت کرنے لگے۔ ان تصویروں میں جہازوں پر اوپنے اوپنے مسئول اور چوڑے چوڑے بادبان ہیں۔ ایک تصویر میں بادبان کھلے ہیں۔ ہوا موافق ہے۔ جہاں تیزی سے چل رہا ہے۔ چٹو اپنی جگہ پر بے کار پڑے ہیں۔

اور ملاح اور مسافر آرام کر رہے ہیں۔ دوسری میں ایک راجہ تفریح کی خاطر سمندر میں جا رہا ہے۔ تیسری میں راجہ و سچے کا لٹکائیں داخلہ دکھایا گیا ہے۔ اس مہم کے حالات پانی کی کتب ”خلا“ ”مادوس“ ”راج و لیر“ وغیرہ میں مفصل

ہندوستانی دیودار کی کڑی دستیاب ہوئی ہے اور کے چاند دیو کے مکے کے دوسری منزل کے قریب ہندوستانی گلابی کے ہیں۔ یہ مندر فوجت نصر نے مرت کر لیا تھا۔ اور اس کا زمانہ حکومت ۱۱۰۰ء ق م ہے۔ یونان کے دار الخلافہ ایجنٹین میں ہندوستانی چاول، مور اور سندل کی کڑی کا وجود سنگ ق م میں ثابت ہے۔ ان کے نام بھی ہندوستانی تھے۔ اور یہاں سے ہی لے جانی جاسکتی تھیں۔ کیونکہ یہ انداز میں پیدا ہوتی ہیں۔ یونان میں اور چونکہ یہ ہم جاتے ہیں کہ بابل اور ہندوستان کے تعلقات سنہ ۱۱۰۰ ق م کے قریب قطع ہو گئے۔ اس لئے ہر وہ کہ یہ ایشیا ایران سے یونان میں چھٹی صدی قبل مسیح میں پہنچے ہوں۔ ورنہ سنگ ق م میں انکا وہاں اس عودیت سے استعمال ممکن نہیں ہو سکتا۔

ہم دوسری شہادتوں سے جانتے ہیں کہ اسی زمانہ میں ہندوستانی لوگ عرب اور مشرقی افریقہ اور چین میں آباد ہوئے۔ کوئی قلعہ نہیں کرنا ہونے بابل میں بھی دیر لیا جاتا تھا۔ (جرنی رائے ایٹاٹک سوسائٹی سنہ ۱۸۹۰ء) سید سلیمان ندوی صاحب نے ہندوستانی اریڈی کے سامنے ”عرب و ہند کے تعلقات“ پر تقریریں کی تھیں۔ جواب کتابی صورت میں شائع کر دی گئی ہیں۔ اس میں انہوں نے عربی ماخذوں سے استفادہ کر کے ہندوستان کے عرب کے ساتھ تجارتی، علمی، لفظی تعلقات کا حال بیان کیا ہے۔ کیا لفظ اہمیت مضبوطی اور کیا لفظ اہمیت کے جو اسکی ترتیب میں صرف کی گئی ہے۔ کتاب بے نظیر ہے اور بے اختیار مولف کی کاوش اور خلوص نیت کی اور دینا پڑتی ہے۔ اس کتاب (محت) میں انہوں نے عربی میں جہاز رانی کے لغز ہندی الفاظ کا ترجمہ کیا ہے۔ صفحہ ۸۱ پر وہ لکھا کہ اہل ہند بھی جہاز ران تھے؟ کے عنوان کے تحت یہ ثابت کرنے ہیں کہ اہل ہند جہاز رانی سے واقف تھے۔ انہوں نے تجارتی تعلقات (۱۹۰۴ء) میں بالتفصیل تجارتی اشیاء کا ذکر کیا ہے۔

اور تو وہ ہم خود انجیل (۲۵:۲۰) میں ہندوستانی تجارت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

کتاب بادشاہان میں حضرت سلیمان کے حال میں ایسی چیزوں کا ذکر ہے۔ جو ہندوستان سے لاتی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ عربی انجیل میں درود ہی زبان کے کئی لفظ موجود ہیں (درود ہی زبان کی صرفہ و نحو مصنفہ کا لہول، محمد ۱۳۱۲ء)

زیادہ بلند ہے۔ جنوب میں سمندر ہے۔ اندرون ملک میں ہر طرح کا تاج پید ا ہوتا ہے۔ پہاڑوں میں ہر قسم کے معدنیات موجود ہیں۔ باسند سے کفایت شمار ہوتی ہے۔ غرضیکہ انہیں ضروریات زندگی میں سے سپلائی ہیں۔ اور باہر والوں کا محتاج ہونے کی ضرورت نہیں۔ مگر ہم یہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ کہ باوجود اس ظاہری خلوت کے ”مٹی“ جلوت“ ہندوستان کی سرزمین نے دیکھی۔ دنیا کے کسی اور ملک کے حصے میں نہیں آئی۔ یہ تو خشک ہے اور غیر ضروری بھی۔ کہ میں بدو اور غرض سے آجنگ کے حملہ آوروں کے کھانے گانے لگوں۔ لیکن اس سے ایک بدیہی نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ شروع سے ہی ہندوستان کے ہیرونی دنیا کے ساتھ تعلقات سے ہمہ جوش قسمی سے ان باہر سے آئے والوں میں سے بعض نے ہندوستان کی نسبت لکنا بھی لکھیں۔ اور ان میں سے چند کتب میں آج بھی مل سکتی ہیں۔ جو ملت ہو گئیں۔ ان کا انداز مشکل ہے۔ خدا معلوم وہ ہیں یا نہ سو۔

لیکن کتابوں کے علاوہ اور ذریعوں سے ہندوستان کے وہ کتب کے ساتھ بحری تعلقات کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

شام میں مشہرہ ”آدھ“ کی کھدائی ہو رہی ہے۔ یہ گم شدہ کئی برسوں سے جاری ہے۔ گم شدہ اشیاء کے ساتھ وہاں سے ہندوستانی ساگوں کی لکڑی بھی ملی ہے۔ شامیات کے ماہر ڈاکٹر تیس کی رائے میں یہ لکڑی صرف سمندر کے راستے ہاں پہنچ سکتی ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں ساگوں صرف مالابار ساحل پر پایا جاتا ہے۔ اور ان قریب ایاں میں سے وہاں سے شام تک خشکی کے راستے سے لے جانا محبت زیادہ خرچ ہوا اس کے مقابلہ میں بہت کم نفع والا ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں یہ تجارت صرف مسیح سے کئی ہزار برس پہلے ہوئی ہوگی۔ اس کے علاوہ وہ فراتے ہیں کہ بابل کے کپڑوں کی ایک پرانی فرسٹ میں مل کے لئے لفظ ”سند“ استعمال ہوا ہے۔ وہ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ ”بابل اور کسی ایسی جگہ کے درمیان تجارت تھی۔ جہاں آہن زبان پائی جاتی تھی۔ اور جہاں سے موجودہ دریاے سندھ گزرتا تھا۔“ لفظ ”سند“ واجب سمجھتے ہیں۔ کہ اگر یہ تجارت بڑی راستہ سے ہوتی۔ تو ”سندھ“ کے لفظ کے مطابق ”س“ کو ”د“ سے بدل کر ”سندھ“ کہاتے ہندو لکھا جاتا۔ (جرنی رائے ایٹاٹک سوسائٹی سنہ ۱۸۹۰ء) فوجت لکھ کر محل سے بھی

بھی کرتا ہے۔ اور اس کے متعلق تفصیل سے مجملہ قوانین بتاتا ہے۔ کتاب کا انگریزی ترجمہ موجود ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو (۲۸:۲)

اطلاوی مورخ پلاٹنی (۲۲:۶) پہلی صدی عیسوی میں سیلون کے حجازوں اور جزائر انوں اور واپس کے ارد گرد کے سمندر کا ذکر کرتا ہوا شکایت کرتا ہے کہ ”ہندوستانی تجارت ہر سال ہمارا سمندر سونا کھپا کر رہے“ (جنوبی ہند سے اس عہد کے اطلاوی شہری کے بیشتر قلعہ دار تھے ہیں) ہندوستان سے گرم مصالحہ و عطریات۔ جواہرات اور موتی۔ ریشمی و سونی کپڑا۔ اور روئی وغیرہ برآمد کئے جاتے تھے +

”نومشش قسمتی سے تامل تھان میں سے تین چیزوں کی پیداوار کے لئے ذمہ دار تھا۔ یعنی سرخ مرج اور موتی اور فیروزہ۔ سرخ مرج ان دونوں یورپ کی منڈیوں میں حیرت انگیز طور پر منگے داموں فروخت ہوتی تھی۔ جنوبی سمندر کے سونے نکالنے کی تکنیکیں ترقیوں سے کام کر رہی ہیں۔ اور لوگ دور دور سے یہاں قسمت آزمائی کو آتے تھے۔ کو نمبرور ضلع میں

پدیاری کا نہیں ہی امنہ قدیم میں عہدہ فیروزہ حاصل کرنے کا ذریعہ تھیں۔ اور ہندوستانی اور روہن اہت کم کسی اور جواہر کو فیروزہ پر ترجیح دیتے تھے تامل ریاستیں ایک طاقتور جہازی بیڑے کی مالک تھیں۔ اور مشرق و مغرب سے ہمارا ان کے ہاں آتے تھے۔ یورپی تاجر بیڑے شوق سے یہاں کی یہ چیزیں خریدتے تھے۔ اور ان کے عوض میں سونا چاندی اور یورپی مصنوعات پیش کرتے تھے“ (ہندوستان کی قدیم تاریخ مسند مسند۔ ص ۱۰۸) مسند دور حوالے پہلے کئے جا سکتے ہیں۔ مگر حوالہ کا خیال کر کے

صرف ایک اور اقتباس دے کر مضمون کو ختم کرنا ہوں۔ چینی سیاح فاہین جو ۶۳۰ء سے ۶۴۵ء تک ہندوستان میں سرگزشت کیا۔ واپسی پر ترقی کے راستے سے چین گیا۔ اس نے بنگال کے سیلون۔ سیلون سے جاوا

اور واپس سے چین تک تمام سفر جہازوں پر طے کیا۔ اس سفر کے دوران میں اسے ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ لکھتا ہے۔ جاوا میں پانچ ماہ کے قیام کے بعد میں نے ایک تجارتی جہاز میں چین کا راستہ لیا۔ ایک ماہ کے بعد ایک رات سخت طوفان آگیا۔ تمام مسافر اور تاجر پریشان ہو گئے۔ میں بھی دعائیں مانگنے لگا۔ دن بھر میں جو جہاز پر سوار تھے۔ چین پہنچے اور کہنے لگے۔ اس سرس (فانیں) کی تختہ چار پر موجودگی ہماری قسمتیں کو مصیبت کا موجب ہوئی ہے۔ آؤ اسے کسی جزیرے پر ڈال دیں اور خود

غرضیکاس سے مغربی ایشیا اور فلسطین وغیرہ سے ہندوستانی تجارت ثابت ہوتی ہے +

یونانی مورخوں میں ہرودوٹ (۴۵۰ ق م) کبچر کی فوج میں ایک ہندوستانی پٹن کا ہونا بیان کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ وہ تیرکان سے صلح ہیں۔ اور ان کے تیروں کے چل بوسے کے بنے ہیں۔ (پانچویں صدی ق م میں ہندوستانیوں کا اس جانبک بوسے کے استعمال سے واقف ہونا عجیب خود ایک کارنامہ ہے) وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ دارا کی سلطنت کا ایک صوبہ ہندوستان میں واقع تھا۔ آگے چل کر لکھتا ہے کہ ہندوستان کے درختوں پر ایک قسم کی ”ون“ لگتی ہے۔ جو بلحاظ خوبصورتی و فائیت کے بھیڑیوں کی آؤں سے بدتر ہے۔ وہ ان کے لوگ اس سے کپڑے تیار کرتے ہیں۔ وہ یہاں کی معدنی پیداوار کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اور دارا کی سلطنت کے خراج کے بیان میں لکھتا ہے۔ کہ تمام سلطنت میں صرف ایک ہندوستانی صوبہ ہی ایسا ہے جو خراج سونے میں ادا کرتا ہے +

جب اسکندر اعظم چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر میں یہاں آیا۔ تو اس نے دریائے سندھ کو کشتیوں کے ذریعہ عبور کیا۔ یہ کشتیاں اسے یہاں کے لوگوں نے میتا کی تھیں۔ دریائے جلم بھی ایسے ہی پار کیا گیا۔ واپسی پر جب اس نے سمندر کے راستہ جانے کا ارادہ کیا تو اسے اور بھی زیادہ کشتیوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس وجہ سے اس نے یہاں کی تمام کشتیاں ضبط کر لیں جن کی تعداد ملایوکس کے مطابق دو ہزار تھی۔ جن میں اکھنڈا سپاہ کئی ہزار گھوڑے۔ اور بے اندازہ مال غنیمت لاد گیا۔ یہ تمام بیڑا یہاں کے لوگوں نے تیار کیا۔ فوج کا ایک حصہ خشکی کے راستے سے بعد از خرابی بسیار بابل پہنچا۔ اور یہ بیڑہ بھی قریب اسی کے ساتھ ساتھ فلج فارس کے راستے سے وہاں پہنچ گیا +

یونانی مورخوں نے کئی جگہ ہندوستانی جہازوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً کبچر جو چندرگپت موربا کے دربار میں سیلون کا طور کی طرف سے سفیر تھا۔ لکھتا ہے۔ کہ جہاز بنانے والے حکومت کے لازم ہیں۔ اور انہیں دوسرے لوگوں کے لئے کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن سٹریبو (۱۵:۱۶۶) لکھتا ہے کہ تاجروں اور مسافروں کو گراہ پر جہاز دینے سے روک دیا +

چندرگپت موربا (۱۵۰ء تا ۱۲۵ء ق م) کا ذکر ملوکیلا تھی مشنوں کتاب ارتھ شاستر میں حکومت کے محکموں کا ذکر کرتا ہوا بحری محکمہ کا ذکر

”میری شادی“ (ایک ناخدا کے قلم سے)

از جناب شرف الدین احمد صاحب بی اے ملنگ علی آبادی

نیرنگ میں ان کو اختیار ہے جو چاہیں فیصلہ کریں۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔ میرے اس جواب سے لوگوں کے دلوں پر سیر سی سعادت کا اور بھی سنگ جتنا جاتا تھا۔۔۔۔۔ میں نے حساب لگایا تو فی ہفتہ ایک نسبت کا اضافہ ہوا تھا۔ کچھ دنوں تک تو یہی حال رہا کہ جب میں چھٹیوں میں گھر آتا تو لوگ میرے سامنے مختلف نسبتیں پیش کرتے اور میں سنا سنا کر ان کو جواب دیتا۔ لیکن علی گڑھ کی مختلف سوسائٹیوں میں رہنے کے بعد مجھ پر ایک عجیب حقیقت کا انکشاف ہوا یعنی یہ کہ شادی ایک بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔ اور اس کے متعلق انسان کی ایک خاص رائے ہونی چاہئے۔ چونکہ کسی مسئلہ کے متعلق بھی میری کوئی ذاتی رائے نہیں ہوتی۔ اس لئے اس حقیقت کے سامنے مجھے جی میں کبھی کبھی اپنے دوستوں سے مسئلہ شادی کے متعلق تبادلہ خیالات کرنے لگا۔ تاکہ ان کو سن کر میں خود اپنی ایک رائے قائم کر سکوں۔ بالکل ایک سال کی بیہوشی ملا قانون کے بعد میں آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ اپنی رفیق زندگی کے انتخاب میں سب سے پہلی شرط تعلیم ہونی چاہئے۔ اور بعد میں اپنی نامزد کے خیالات اور مذاق طبیعت سے پوری واقفیت نہ ہوئے رشتہ کرنا سب نہیں۔

میرے دوستوں نے مجھ سے یہ بھی کہنا تھا کہ بہتر ہے تم براہ راست خود اس راز کی ہی سے خط و کتابت کرو اور اس طرح اپنے خیالات کو اس پر ظاہر کر کے اس کے خیالات سے واقفیت حاصل کرو۔ میں نے ان لوگوں کی اس متفقہ رائے کو بہت پسند کیا۔ کیونکہ میں ٹھہرا ہونے لگا۔ آدمی۔ اس طرح مجھے اس اپنی قابلیت کا رنگ جاننے کا اچھا موقع ملتا۔ چونکہ بی۔ اے میں میں نے فلسفہ لے رکھا تھا۔ اس لئے اپنی طبیعت کو سن پرستی کا عادی بنا رہا تھا اس خیال سے میں نے رفیقہ زندگی کے لئے حسین ہونا بھی ضروری قرار دیا۔ لیکن اپنے نقطہ نظر سے اب جب کبھی کوئی مجھ سے کسی نسبت کا ذکر کرنا۔ تو میں فوراً اس کے سامنے اپنی شرائط بنوا پیش کرنی شروع کر چکا تھا۔ بہت

میں ابھی نام نہاد کوئی تیس چوبیس سال کا ایک نوجوان طالب علم ہوں اور اگر حسن کا معیار ہر شخص کے نقطہ نظر پر منحصر ہے تو میں اپنے نقطہ نظر سے حسین بھی ہوں۔ یوں تو ایک لڑکا جس وقت اسکول کے ابتدائی درجوں سے نکل کر انٹرنس میں قدم رکھتا ہے۔ اس وقت سے لوگ اسے تعلیم یافتہ کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور چونکہ تعلیم یافتہ ہوجانے کے بعد عام طور پر یہ لڑکے پھر فوراً شوہر بھی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اسی وقت سے ساری عورتوں کو اس لڑکے کے رشتہ کی فکر ہوجاتی ہے۔ اور اسے دن رات سننے سننے بیٹا آنے شروع ہوجاتے ہیں۔ میرے ساتھ اللہ کا اتنا فضل ضرور رہا کہ لوگوں نے مجھے دو سال تک اور پڑھنے کا موقعہ دیا۔ لیکن انٹرمیڈیٹ پاس کر کے جب میں بی اے کے لئے علی گڑھ چلا گیا تو قوم نے اپنے فرض کو بیکار محسوس کیا۔ اور پھر کچھ نہ پوچھنے کو میں سارے سلسلہ میں کٹا لاقی، سنجیدہ، شریف اور تعلیم یافتہ ”لڑکا“ مشہور ہو گیا۔ ”لڑکا“ علی گڑھ میں پڑھ رہا ہے۔ بہت ہی عمدہ دانش فروع ہے۔ کیونکہ صاحبزادے وہاں کیا کرتے ہیں اس کا اندازہ سال میں ایک مرتبہ امتحان کے نتیجہ کے موقعہ پر کچھ پوچھ سادہ جاتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر جس طرح لڑکا پڑھ رہا تھا پڑھنا رہا ہے۔ چونکہ میں بھی ایک ایسا ”لڑکا“ تھا جو علی گڑھ میں پڑھ رہا تھا۔ اس لئے ہفتہ میں کم سے کم میری تین نسبتیں ضرور آجاتی تھیں۔ پہلے تو لوگ میرے بزرگوں ہی سے کہہ کر رہ جاتے تھے۔ لیکن بعد کو۔۔۔ خود مجھ سے ملنا نہ باتیں ہونے لگیں۔ اور چونکہ میں شادی کے ڈر لگا ہنگ ایک شرمناک فعل سمجھتا رہا تھا۔ اس لئے جب لوگ مجھے اس قسم کی باتیں کہتے تھے تو میں کبھی تو شرمناک خوش ہوجاتا تھا۔ اور کبھی ذرا غصہ بھی پھیلا کر کہ ایک خاص انداز سے کہہ جاتا تھا کہ صاحب! خدا کے فضل سے میرے ہاں گھر میں آماں اور باہر میں بھائی جان موجود ہیں۔ آپ لوگ ان سے کیوں نہیں کہتے؟ یہ لوگ میرے

کا خیال ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ولایت جانے کے لئے بھی کوٹاں ہیں،
میرے خط کا جواب تیسرے ہی روز آگیا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے
دل اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لفظ کہو لایسین ایک نہایت عمدہ کاغذ
پر بہت ہی خوشخود یہ عبارت لکھی ہوئی تھی +

ذیر مشرق - نسیم

آپ کے گرامی نامہ نے عزت بخشی۔ یاد فرمائی کا شکریہ آپ کو ان میں
میں جانتی ہوں۔ اور مجھے خط کیوں لکھ رہے ہیں۔ اس کی بھی مجھے خبر ہے۔
سوسائٹی کی مٹون احسان مردوں سے زیادہ خوریں ہیں۔ ورنہ پہلے ان غریبوں
کی تشابہ کیوں تھا؟ میں آپ کو بحیثیت ایک ہونا مضمون نگار کے بہت
دنوں سے جانتی ہوں اور آپ کے دلچسپ مضامین براہ سبزی دستیابی
باعث ہوتے رہے ہیں۔ "اللہ کے حسن رقم اور زیادہ" مجھے خوب مضمون
نگاری کا حقوق تو بہت ہے لیکن اس فن سے واقف نہیں ہوں۔ کیا آپ
اس کام میں میری مدد فرما سکتے ہیں؟ اگر آپ کے گرامی نامے میری سب خرابی
کا باعث ہو سکتے ہیں تو میں کوئی گئی کی ممبری فرما کر آپ براہ سبزی سب خرابی
فرمایا کیجئے +

راقمہ شکرہ

اس خط کے ملنے ہی میں نے دوسرا خط لکھا۔ اور اس کا جواب بھی وہاں
سے فوراً آگیا۔ غرض اس دلچسپ خط و کتابت کا سلسلہ پانچویں کے ساتھ
پورے چھ ماہ تک جاری رہا اور اس ذریعہ سے میں نے نصف زندگی سے
لیکھ مرئی کی تجارت تک پر پڑنے خیالات کا اظہار کیا اور انہوں نے بھی
اپنی کوئی بات مجھ سے چھپا نہ رکھی۔ جب تمام مسائل آپس میں طے پا گئے تو
میں "ٹکے اور ٹکے" نے اپنی رضامندی کا اعلان کر دیا۔ اور ہم لوگوں کی شہ
پاکر ہمارے بزرگوں نے آخر ایک پانچویں مقرر کر دی۔ تعین امریکہ سے تھریب
شادی تک کے واقعات بہت زیادہ غیر معمولی نہیں۔ اس لئے کہ سب میں تعلیم
ہوں اور اپنی آئندہ زندگی میں "رینا مرئی" کا خیال ہے۔ تو ظاہر ہے کہ
میری شادی کیسی ہوگی۔ شاید کسی کے بھائی بی بی سے میری پہلی
 ملاقات ہندوستان کی آئندہ تاریخ کا یقینی ایک یادگار واقعہ ہے +

جس وقت میں اپنی بی بی کے کمرے میں گیا تو دیکھا کہ کرسی پر ایک خانہ
تقریب فرما ہیں۔ چونکہ اس کمرے میں کسی اور کے ہونے کا گمان نہیں ہو سکتا تھا
اس لئے میں نے انداز سے سمجھا کہ وہی خانہ میری بی بی ہیں۔ ان کی صورت کو

دونوں تک لوگ میری ان شماریہ کا ٹھکانہ کرتے رہے۔ کوئی کتا ان کی
خادہ جنت میں مردوں سے ہوگی۔ کوئی کتا انہیں بی بی سے ملازمت
کرائی ہے جب ہی تو انہیں تعلیم یافتہ بی بی کی تلاش ہے۔ لیکن میں تھا
اپنے اصول کا پتہ۔ ان بہوں کے طعن و تشنیع کو سنتا اور مل جاتا۔ آخر
"ویر آید و درست آید" کا مقولہ صحیح نکلا۔ اور ایک ایسی جگہ سے میری
نسبت آئی جہاں لوگوں نے میری تمام شماریہ کو بخوشی منظور کر لیا۔
اور بغیر میری فرمائش کے میرے پاس ایک بندہ نافذ مجید آیا۔ جس پر لکھا
ہوا تھا "اسے صرف آپ دیکھ سکتے ہیں" میں نے سمجھا کوئی خط ہو گا۔ لیکن
کہو لا تو اندر سے ایک تصویر نکلی۔ جس کے نیچے یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے
"مس شاکرہ"۔ عرصہ سال۔ انٹرنس کے امتحان کی تیاری کر رہی ہو
چونکہ مجھے خط و کتابت کی پوری آزادی تھی۔ اس لئے میں نے اسی وقت
سے اس تصویر کے تصور اور ایک ایک خط و خیال کو ایک قابل مصور کی
حرح و چگونہ شروع کیا۔ کیونکہ میں خط لکھنے سے پہلے اس تصویر کو دیکھ کر
مس شاکرہ کی "سائیکالوجی" اور بافت کرنا چاہتا تھا۔ آخر تمام دن کے
طور و نحوں کے بعد میں نے خط کے وقت اپنی تاخیر کے نام اس مضمون
کا ایک خط لکھا +

مقدمہ میں شاکرہ صاحبہ - نسیم!

میں اس وقت کیوں، اور کس حیثیت سے آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ اس
کے اعادہ کی شدید ضرورت نہیں۔ خدا بھلا کرے ہماری سوسائٹی کا
جس نے ہمیں آج اس قابل بنا دیا کہ ہم لوگ ایک دوسرے سے اس آدگی
کے ساتھ خط و کتابت کر رہے ہیں۔ میں اس وقت زیادہ لکھ کر آپ کی سمیع
خواہشی کرنا نہیں چاہتا میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ آیا آپ کو بھی
مضمون نگاری سے کوئی دلچسپی ہے یا نہیں۔ کیونکہ خود میرے لئے تو
تو بہترین مشغلہ ہے۔ اور اس میں خدا کے فضل سے میں اب، روز افزوں
ترقی بھی کر رہا ہوں۔ آپ کے ہاں سے جواب آنے پر پھر انٹرنس
دوسرے ضروری مسائل پر بھی بنا دے خیالات کی جہازت کر دوں گا +

ناخبر شرف

میں نے دوسرے روز یہ ضمیمہ سویرے ہی روانہ کر دیا۔ لیکن لفظ
کے اندر اپنی چھوٹی سی تصویر بھی لکھ دی۔ اور اس کے نیچے لکھ دیا :-
"شرف الدین احمد بی۔ اے میں تعلیم پاتے ہیں۔ اس کے بعد ایم

کہانی کا فلسفہ

سزا نذر ناتھ نیگو کی تعریف لی پیکا
جنگلی سے براہ راست ترجمہ

از جناب ڈاکٹر ایم۔ ضیاء الدین صاحب۔ امرتسری

اسی اثناء میں ہنومان بھی پھلاکتے ہیں اور اس قدر بلند کہ تاریک نین
اس کا جواب نہیں۔ در سے اسکول اور اسکول سے کچھ تک اڑنے کے
کے دل کو گل حکمت کے ذریعہ تربیت کیا جاتا ہے۔ کبیا وی عمل کشید و
تغیر کے ذریعہ اس کے دل کو کتنا ہی صاف کیوں نہ کیا جائے۔ لیکن یہ بات
”قدحہ کو“ اس کے دل سے محو نہیں ہوتی +

معلوم ہو کہ انسان صرف بچپن ہی میں نہیں بلکہ تمام عمر غصہ کما نین
ہی میں پلتا ہے۔ اسی لئے اس دنیا میں انسان کے گھر گھر زمانہ میں ہر
تحریر میں اس قدر قصے کہانیاں قبیح ہو جاتی ہیں۔ کہ انسان نے اس دنیا
میں جو کچھ جمع کیا ہے۔ یہ کہانیاں اس سے کہیں زیادہ ہیں +
”حمید“ اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ نہیں لیتے کہ قدحہ کوئی اس
دنیا کے خالق کا آئینہ نہیں ہے۔ کسی کو سمجھانے بغیر سزاوینا اور اس طرح
اسے راہ پر لانے کی کوشش کرنا بیکار ہے +

ایک دن خاکا کہاری تعالیٰ اپنے کارخانے میں بیٹھے آگ سے پانی
اور پانی سے سنی بنانے میں مشغول تھے۔ بھاپ کے بوجھ سے بھرا۔ دھکیا
تھر اور پرتے رکھے جاتے تھے۔ چاروں طرف خام مادہ بکھرا ہوا تھا۔ اس
دن خالق کائنات کو دیکھ کر کسی کوشش نہ ہوا کہ اس فصل میں بھی کچھ
بچیں ہے۔ وہ تھا کارخانے کا کام دھندا۔ گھاس پیدا ہوئی۔ درخت اٹھ
کھڑے ہوئے۔ حیوان چلنے پھرنے لگے۔ پرندوں نے اڑنا شروع کیا
کوئی تو زمین پر باجیرا تھا باندھے کھڑا ہے۔ کوئی آواز میں کی دست
پر اپنی نسل کو مرتی دیتا چلا جا رہا ہے۔ کوئی فضا میں پرکھوٹے سورج کے
حضور میں اپنے نفع نہ کر رہا ہے۔ کوئی پانی کی تہ کے نیچے خاموش قفس
میں مصروف ہے +

فرحانہ اس دن خالق کائنات کے جنم کے بچنے کا کسی کو شبہ نہ ہوا،

سے ہندوؤں کے گھروں میں، اثنائے گزشتہ سطر ہوا کرتے تھے جو مذہبی روایات اور رسمے سناتے تھے +

(۱)
بچے نے جنسی زبان کھولی، بولا ”قدحہ کو“
”نانی! آں سنا شروع کرتی ہیں :-“ ایک تھا سنا زلوا ایک
اناب زادہ اور ایک تھا سو اگر کا بیٹا“ بچے کے آواز نے بلند آواز سے
ڈانٹا :- ”تین چو کے بارہ“
”آستانہ کی چھ سے کہیں بلند اور زبردست صبح ہے دیو کی!
”ہاؤں ماؤں کھاؤں..... آدم بو“ ہندوؤں کے رٹنے کی الاپ
بچے کے کان تک نہیں پہنچتی +

جولوگ بچوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں وہ بچوں کو اندھیری
کوٹھری میں بند کر کے سیدہ طور پر سمجھاتے ہیں — ”دیکھ بچے،
”تین چو کے بارہ“ سو تو ایک حقیقت ہے اور وہ سنا زادہ ”نواب“
سو اگر کا بیٹا“ سب جھوٹ ہے +

لڑکے کا دل اس اثناء میں جغرافیائی تخیل سے آزاد ہو چکا تھا۔ گھر بھی
تین چو کے بارہ کی حقیقت بچے کے پیچھے پیچھے سفر کرتی ہے۔ لیکن ہندو
کی کشتی کے پتار بچے کے تخیل کے سمندر کو عبور کرنے سے قاصر ہیں +
خیر خواہ سمجھے کہ یہ تو صریح شرارت ہے۔ اس بچے کو بیا سے خوب
پیٹنا چاہیے +

نانی آستانہ کے اس رویہ کو دیکھ کر انگشت بندان رہ گئی لیکن
منگل کچھ آسان ہوتی ہوئی نغز آئی۔ قدحہ نانی صاحب تشریف لے گئے
اور آسن جاکر بیٹھ گئے۔ ایک شہزادی کی جلا وطنی کا قدحہ شروع ہوا +
”جس وقت دیو کی ناک کا پی جا رہی تھی بچے کے خیر خواہ نے کہا:
اس بات کا تو کوئی ثبوت نہیں جس حقیقت کا ثبوت ہر مگد مل سکتا ہے۔

دو تین چو کے بارہ ہے +

"Good"

آپ بیتی

Novel

از جناب قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھ

ٹوٹے ہوئے خیمے کی طرح گر جا تا ہے۔ کچھ دیر بعد اُس نے اپنی کتاب بند کر دی۔ لیمپ کی روشنی کم کر دی اور میز پر سے اٹھ کر اپنے بچوں پر جا بیٹا رات کا اکثر حصہ گزر چکا تھا۔ صبح کا ڈب کی روشنی نمودار ہوئے لگی تھی۔ میں بھی اپنے سونے کے کمرہ میں جا کر اپنے خیمے ہوئے جسم اور مضطرب دل کو کچھ سکون دینے کے لئے بستر پر دراز ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد میں نے کئی دفعہ اُسے سر جھکائے کسی فکر میں متفرق بیٹھے۔ کبھی آپہنچتے ہوئے کبھی آنسو بہاتے ہوئے۔ کبھی بستر پر بیت کر بچوں کی طرح چھوٹ چھوٹ کر روتے ہوئے۔ اور کبھی دیوانوں کی طرح اپنے کمرے میں چکر لگاتے ہوئے اور پھر تھک کر کرسی پر لیٹ کر دوتے ہوئے دیکھا۔ میں دل کا بہت کدو ہوں۔ معمولی سے معمولی واقعات مجھ پر غیر معمولی اثر کرتے ہیں۔ یہ حسرتناک مناظر مجھے بے چین کرنے کے لئے کافی سے زیادہ تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ جب نوجوان اپنے کمرے میں رو رہا تھا۔ تو میں بھی اپنے کمرے میں رو رہا تھا۔

میں آپ سے بیان نہیں کر سکتا کہ میرے دل میں اس بات کی کتنی خرابی تھی کہ میں اس سے اس رنج کا سبب معلوم کروں۔ جو اسے ہلکانے کے لئے تیار ہے اور ایک درو مند و غفلت کی طرح تسلی دلا سے اُس کا غم بٹانے کی کوشش کروں لیکن محض اس خیال سے کہ شاید وہ اپنے سالانہ میری مدد غلت کو پسند نہ کرے۔ اور اپنے راز کو مجھ جیسے جھٹی پر ظاہر کرنے کو اچھا نہ سمجھے۔ میں اپنی اس خواہش کو پورا کرنے سے قاصر رہا۔

کل رات جب میں دوبارے کے قریب اپنی لائبریری کے کمرے میں آیا تو میں نے دیکھا کہ اُس کے کمرے میں مول کے غلات اندھیرا لپکے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید وہ کسی کام کے لئے باہر گیا ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد اسی طرف سے میرے کانوں میں کسی کے آہستہ آہستہ کہانے اور رونے کی آواز آئی اس آواز کو میں نے بے چین ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا

آج سے چند روز پہلے۔ میرے مکان کے سامنے والے مکان میں سب سے اوپر کی منزل پر ایک بلا ٹیلا آئیں میں سال کی عمر کا نوجوان لڑکا رہتا تھا۔ غالباً وہ کالج یا یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ میری لائبریری کے کمرے کی کھڑکی اس کے کمرے کی کھڑکی کے بالکل سامنے کھلتی تھی۔ اس لئے مجھے اکثر اُسے دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ میں نے جب کبھی اُس کو دیکھا تو لیمپ کے سامنے بیٹھ کر کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یا اپنی یادداشت کی کاپی میں کچھ لکھتے ہوئے یا اپنے سبق کو دہراتے ہوئے ہی پایا۔ مگر میں نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ مبذول نہیں کی۔

چند روز کی بات ہے کہ میں ان چلتے کے جاؤں میں۔ کچھلی رات کو ایک کام سے فارغ ہو کر گھر آیا۔ اور کسی ضرورت سے اپنی لائبریری کے کمرے میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ سامنے کمرے میں روشنی پور ہے۔ نوجوان اپنے پڑھنے لکھنے کی میز کے سامنے کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس کا سر میز کے اوپر پھیلے ہوئے کاغذات پر رکھا ہوا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ کس علم مضمونی ہے مسلسل محنت اور متواتر شب بیداری کی وجہ سے وہ تھکا ہوا ہو گا اس لئے نیند کے سخت حملہ کی ممانعت نہیں کر سکا۔ اور جہاں بیٹھا تھا وہیں سو گیا۔

میں ابھی اُسے دیکھ ہی رہا تھا کہ اُس نے اپنا سر میز پر سے اٹھا اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کے حروف جگہ جگہ سے مٹ گئے تھے۔ اُس نے اپنے آنسو رومال سے پونچھے اور پھر لکھنے پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ جاؤں کی اس خوفناک اندھیری رات میں پچھلے پھر کی اس دشتناک خاموشی میں جبکہ ساری دنیا بھی نیند کے غم سے سو رہی تھی۔ اس غریب طالب علم کو روئے دیکھ کر میں بے چین ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا فرما اس غریب کو کوئی ایسی ہی مصیبت پڑی ہے جو اس کے آنسوؤں کی جھڑپاں تھمنے پر نہیں آئیں۔ اور اس کا جسم

میں نے کہا ”پھر تمہاری یہ حالت کیوں ہے؟“

اُس نے جواب دیا ”مجھے خبر نہیں“

میں نے کہا ”میرے نزدیک تمہارے لئے ڈاکٹر کو بلائے کی ضرورت ہے، مہینہ نبض دکھانے میں کچھ عذرت نہ ہوگا؟“

مریض نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا: ”ڈاکٹر کو دیکھنے کے لئے مجھے زندہ رہنے کی مٹا چور اور پھر بدستور پہننے کی طرح غوطہ میں چلایا۔“

مریض کی کمرزہری کی یہ حالت دیکھ کر میں نے نوکر کو دوڑا یا کہ نوکر ڈاکٹر صاحب کو بلا کر لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر صاحب کی گاڑی کمرہ کے نیچے آکر رکی اور وہ ہزار غرور کے ساتھ جاڑوں میں آدمی چھپی رات کو تکلیف دینے اور کچھ نیندیں بچانے کی شکایت کرتے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئے۔ میں خاموشی سے ان کی شکایتیں سن رہا تھا، اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے کہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ان کی شکایتوں کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے مریض کی نبض دیکھ کر آہستہ سے میرے کان میں کہا: ”جناب! آپ کا مریض ضعیف ہے۔ بظاہر اس کا جابر ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن پھر بھی میں کوشش کرتا ہوں، یا یہ فرما کر ڈاکٹر صاحب نے اپنے کمپوٹرز کے نام مریض سے زندگی کا آخری جہان وصول کرنے کے لئے ایک طویل علم لکھا۔ اور مجھے وہ آدھی صندت قبول کرنے کے بعد جس کے وہ خواہشمند تھے۔ اپنے گھر کو چلے گئے۔ میرا نوکر دوا لینے کے لئے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد دوا لے کر واپس آگیا۔“

جاڑوں کی طویل رات میں نے مریض کے سرہانے بچھ کر اس طرح آنکھوں آنکھوں میں کافی کبھی اس کے حلق میں دوا کے قطرے پڑھاۓ تھا اور کبھی اپنے رخساروں پر آنسوؤں کے قطرے۔

خدا خدا کہ صبح ہوئی اور فوجان نے ساری رات بھوشی میں گذار کر اپنی آنکھیں کھولیں۔ مجھے سرہانے بیٹھا دیکھ کر اس نے اپنی خفیت آواز سے کہا: ”کیا آپ اب تک ہمیں تشریف رکھتے ہیں؟“

میں نے آہستہ سے جواب دیا: ”ہاں میں ہیں ہوں۔“

مجھے امید ہے کہ اب تمہاری طبیعت چلتے کی بد نسبت ابھی ہوگی۔“

فوجان نے جواب دیا: ”بیشک اب خدا کا فضل ہے۔“

فوجان کی طبیعت کچھ تسلی ہوئی دیکھ کر میں نے اُس سے مل جاتے ہوئے کہا:

کہ فوجان ضرور کچھ بیمار ہے۔ اور اس کے پاس کوئی تیمار دار بھی نہیں ہے۔ اس لئے اب تک لیپ بھی روشن نہ ہو سکا۔ مجھے اب توقع مناسب نہیں ہے۔ فوراً اُس کے پاس پہنچ جانا چاہئے۔ میں اپنے نوکر کو لائین لانے کا حکم دے کر اس کے کمرہ کے دروازہ پر پہنچا۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ کمرے میں قدم رکھتے وقت مجھے ایسی وحشت محسوس ہوئی، جیسی میت کے قبر میں آمانے والوں کو قبر میں داخل ہوتے وقت ہوا کرتی ہے۔ لیکن میں بہت کر کے داخل ہو گیا۔“

فوجان اپنے بلب پر غفلت کی حالت میں اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹا تھا۔ یہ ایک اپنے گپ صاحب اور تمنا کمرہ میں روشنی کی چمک اور کسی کے قدیوں کی آہٹ سنکر وہ ڈر گیا اور جب کہ آنکھیں کھول دیں۔ وہ بہت دیر تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھتا رہا۔ اگرچہ اُس نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا۔ مگر میں نے اُس کی نظروں سے محسوس کر لیا کہ وہ یہ جاننے کے لئے مجھے بہت سے کمرے میں کون کون ہیں؟

میں اُس کے پلنگ کی طرف بڑھا۔ اور اُس کے پاس جا کر بیٹھ گیا، اور پھر وہی کے لہجہ میں کہا: ”بھائی جان! میں تمہارا پڑوسی ہوں۔ سامنے کے مکان میں رہتا ہوں میں نے اس وقت تمہارے کمرے کی آواز سنی۔ میں پہلے سے جانتا تھا کہ تم کمرہ میں تنہا رہتے ہو۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ تمہاری غیریت معلوم کروں۔ اور اگر تم بہار ہو تو اپنی معذرت کے مطابق تمہاری کچھ خدمت انجام دوں۔ تو کیا تم کچھ بیمار ہو؟“

فوجان نے اپنے منہ سے کچھ جواب نہ دیا، بلکہ آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ کو اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھ لیا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ میں نے اپنے ہاتھ کو اُس کی پیشانی پر رکھ کر دیکھا۔ تو اُس میں آگ کی لہلیں اٹھ رہی تھیں وہ نہایت تیز بخار میں مبتلا تھا۔

میں نے اپنے نوکر کو حکم دیا کہ وہ میری الماری میں سے بخار کی دوا نکال لائے۔ نوکر دوڑا ہوا گیا اور دوا نکال لایا۔ میں نے اُس کے چند قطرے اُس کے حلق میں ڈالے۔ دوا پینے کے بعد مریض نے کچھ آفاؤ محسوس کیا۔ اُس نے محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھا، اور خفیت آواز سے کہا: ”جناب میں آپ کی دس ہزار دیکھ کر شکر یہ ادا کرتا ہوں۔“

میں نے صبر دے کر لہجہ میں کہا: ”بھائی! تمہیں کیا شکایت ہے؟“

اُس نے لرزتی ہوئی آواز سے جواب دیا: ”کچھ نہیں۔“

سے میں اُس کی زیر تربیت آیا تھا۔ یہ خواہش اُس کے دل سے دُور ہو گئی تھی۔ اور وہ مجھے بھی اپنا حقیقی بیٹا سمجھنے لگا تھا +

چچا کی لڑکی صبحیں صبحیں کی اور میری ایک ساتھ سبم اللہ ہوئی اور ایک ساتھ دونوں کتب میں بٹھائے گئے۔ مجھے اس کے ساتھ حقیقی بنوں سے زیادہ محبت تھی۔ او میں اس کے ساتھ بات چیت کرنے میں کھیلنے کودنے میں ایک خاص کیفیت محسوس کرتا تھا۔ ہم دونوں ایک ساتھ درس جاتے۔ ایک ساتھ درس سے آتے۔ ایک ساتھ صحن میں کھیلے۔ ایک ساتھ باغ میں بیٹھتے۔ ایک ساتھ مطالعہ کرتے۔ اور ایک ساتھ کھانا کھاتے میز پر بغیر اُس کے اور اُس کا بغیر میرے کسی کام میں جی نہ گھٹا تھا۔ محلہ والے جب ہمیں ہر وقت ایک ساتھ دیکھتے تو حیرت سے کہتے تھے۔ ”اُن دونوں میں کیسی محبت ہے!“ اور جب محلہ میں کوئی دوہیں بٹھائی لڑتے تو اُن کی ملامت کرتے وقت ہم دونوں کے اتفاق کو بطور مثال کے بیان کرتی +

میری اُس کے ساتھ یہ وابستگی مجھے بیجا نہ تھی۔ دنیا کی جھلک دیکھنا ایک لڑکی کے ظاہر کی دباؤ تھی۔ کیا تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔ وہ سب اس میں بدلتا تھا۔ کیا تپائی جاتی تھیں۔ کیا تہذیب و تہذیب کا مذاق ادا کیا۔ شرم و حیا کی فصاحت و فصاحت کی تعلیم و تربیت ہر اعتبار سے وہ محلہ کی لڑکیوں میں ممتاز تھی +

آہ! ہجر و فراق کی اس اندھیری رات میں بھی۔ میں وصل کی اس نورانی صبح کا تصور کر کے خرم سے لوٹ رہا ہوں جس کی روشنی کا پرتو ہمارے آئینہ کی طرح صاف دونوں پر پڑ کر انہیں جگمگا دیتا تھا۔ اور رنج و الم کے یہ کڑوے گھونٹ بھرتے ہوئے بھی مجھے حش و عشرت کی ان لذتیں شراول کا مزہ یاد دے۔ جو ہم دونوں نے بچپن کے زمانہ میں ایک جگہ بیٹھ کر ایک ساتھ لڑھائی تھیں!

آکھو جی کے سامنے کا وہ سرسبز شاداب باغ جو ہماری لذتوں کا گہوارہ اور ہماری مسرتوں کا مرکز تھا۔ آج بھی میرے حافظ میں محفوظ ہے! اس کے درختوں کی بوگھڑی۔ اس کے پھولوں کی دھجائی۔ اس کے پانی سے بھرے ہوئے حوضوں کی چمک دمک میں آج بھی عالم خیال میں دیکھ رہا ہوں!

اس کی وہ مرمریں غنچیں جن پر بیٹھ کر ہم دونوں یا کوئی کتاب پڑھا کرتے تھے۔ یا کوئی تصویر دیکھا کرتے تھے یا کمانیاں کما کرتے تھے یا باغ میں سے توڑے ہوئے پھولوں کے ٹکڑے بٹھا کرتے تھے۔ مجھے آج بھی یاد ہیں!

اس کے وہ سایہ دار درخت جی کے سایہ میں بیٹھ کر ہم دونوں کی ایک بازی

”غزینہ بھائی! ایک تم مہربانی کر کے مجھے بتاؤ گے کہ تم کون ہو۔ کہاں کے رہنے والے ہو۔ اسی شہر کے رہنے والے ہو یا پرہیزی ہو اور تمہیں بیمار کی کیا ہے۔ کوئی جسمانی بیماری ہے یا روحانی؟“

نوجوان نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا ”مجھے دونوں بیماریاں ہیں“

میں نے اُس سے دلسوزی کے لہجہ میں کہا ”میرے! اچھے بھائی! تو تم مجھے اپنے حالات بیان کرو میں تمہیں قائل و قائلہوں کے میں تمہارا سچا دوست ہوں۔ سچے دوستوں سے کوئی بات نہیں چھپا کر لیتے“

نوجوان نے میرے چہرہ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا ”میرا اقدار ایک راز ہے۔ جسے میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن آپ نے مجھ بے کس کے حال پر اتنی غامضی کی ہیں کہ میں آپ کی بات کو نہ نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو اپنی درہم بھری داستان سنانے کے لئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ آپ وعدہ کریں کہ اگر خدا نے مجھے اچھا کر دیا تو اس راز کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں گے۔ اور اگر اسے کچھ اور منظور ہو تو پھر میری وصیت کو پورا کر دیں گے“

میں نے جواب دیا ”میں وعدہ کرتا ہوں“

نوجوان نے کتنا شرم کیا :-

”میرا نام۔ اختر علی ہے۔ میرے والد کا نام۔ خیر علی تھا۔ میں ابھی چھ سال ہی کا تھا کہ ان کا سایہ میرے سر سے اٹھ گیا۔ خدا بخشے میرے والد بڑے خرچیلے تھے۔ اس لئے جب ان کا انتقال ہوا تو ان کا منہ بند قبر میں جکڑا پڑا تھا۔ ان کے مرتے ہی خرمخو ہوں نے ایک ایک جہ جانکادونیا مل کرانی۔ اور میرے پاس دینیوی مشکلات سے عمدہ برآجئے کے لئے کوئی وسیلہ نہ چھوڑا +

میرا بچا بڑا نیک دل خدا ترس اور شریعت النفس انسان تھا۔ والد مرحوم کے انتقال کے بعد وہ مجھے اپنے مکان پر لے آیا۔ اور میرے ساتھ ایسی محبت سے پیش آیا کہ میں تھوڑے ہی دنوں میں والد مرحوم کو بھول گیا۔ وہ ہر وقت میری ناز و برداری میں مصروف رہتا تھا۔ میرے دل کی قسم کا میل نہ آنے دیتا تھا۔ اس نے کبھی مجھ میں اور اپنی اکلوتی لڑکی میں جو مجھ سے کچھ بھی جھوٹی تھی۔ کسی بات میں فرق نہ دیکھا۔ اور میں دھونے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ اس کی دواں آئیں کچھ بھی تو میں اس کی آئیں آکھ ضرور تھا۔ خدا نے اُسے اولاد زمین سے محروم رکھا تھا۔ اور اُس کی ولی بنتا تھی کہ خدا اُسے نیا دے لیکن جب

نیرنگ خیال - جن سلسلہ

کی گودی میں نہیں ڈال سکتے

میں نے کبھی اسے اس طرز خطاب سے مخاطب نہیں کیا جو ماضیوں میں مروج ہے۔ اور میں نے کبھی اس سے ناشٹھا نہ راز و نیاز کی وہ گفتگو نہیں کی جو سلطنتی ہوئی بخت کی جنگ یادوں کو بھڑکا دیا کرتی ہے۔ اور میں اس کا رونا ہی کیوں نہ بنی ناہی سے ایسی باتیں کہنے کو میں اس کی توہین سمجھتا تھا + میں نے کبھی اس کے دل کو ٹوٹی کر یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی

کہ اس میں میری حرف سے کن قسم کے جذبات جنمات ہیں۔ جذبات محبت یا جذبات عشق؟ اور میں نے اس کی نظروں کو کبھی اس کیفیت سے بھانپنے کی کوشش نہیں کی کہ میں یہ معلوم کروں کہ یہ الفت کی نظر میں یا اور ارٹگی کی؟ کیونکہ میرا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ مجھ سے وارنٹگی رکھتی ہو تو میں اس کے اس جذبہ کو اس کے حاصل کرنے کے لئے پرسید بناؤں۔ بلکہ اس کے ساتھ میری بخت ایسی ہی تھی جیسی کنوادی مریم کے بت کے ساتھ راجب کوہوتی ہے۔ وہ ہر وقت اس کی پریشش کرتا ہے۔ مگر کبھی اس کو چھوٹے کارادہ نہیں کرتا + پر وہ میں بیچ جانے کے بعد بھی وہ مجھ سے پردہ نہ کرتی تھی اور یہ اور اس کے پاک تعلقات بدستور قائم تھے۔ حتیٰ کہ میرا چچا ایک ٹھکانہ میں مبتلا ہوا اور چند دن چارہ کرنا ہی ملک بجا ہو گیا مرنے وقت اس نے مجھے اپنے پاس بلایا + میرے سر پر اچھیرا اور اپنی بیوی سے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ مجھے اس سے کتنی محبت ہے۔ میں نے اسے اپنے حقیقی بیٹے کی طرح پالا ہے۔ افسوس میں مرگ ناگمانی کے سبب اس کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ تم اس کے ساتھ حقیقی ماں کا سلوک کر لو گی۔ اور اسے میرا راجب محسوس نہ ہونے دو گی" مگر انیسویں صدی کے بچے سے بچا کچھ بھی نہ ہوا تھا کہ میں نے بچی کی نظریں بدلی ہوئی دیکھیں۔ اور عمر میں سب سے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ میں یتیم ہوں!

ایک دن صبح کے وقت میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا کچھ کھ رہا تھا۔ کہ میرے بچا کے گھر کی ایک پرانی اما جو مجھ سے بہت محبت کرتی تھی میرے پاس روٹی ہوئی آئی اور جراتی ہوئی آواز میں کہنے لگی "میاں! بیگم صاحبہ نے مجھ سے یہ کہنا کہ میرا بچا ہے کہ ان کا ارادہ ہے کہ میری اپنی لڑکی کی شادی سے فارغ ہونے کا ہے۔ تم بھی اس کی کسر سرائے والے بات کو ناپسند کرتے ہو کہ لڑکی کے باپ کے انتقال کے بعد کوئی فیروزہ اکیلے گھر میں لڑکی کے ساتھ رہے۔ لہذا ان کی دانتے یہ ہے کہ آپ اس کو کھانا لڑکیوں اور تھریں کئی مکان کو لے کر

ختم کرنے کے بعد رستہ یا کرتے تھے۔ اور وہی سکون محسوس کیا کرتے تھے جو یہ بندوں کے بچے اپنی ماؤں کے ہروں کے کیچے بچے کو محسوس کیا کرتے ہیں۔ مجھے رنج بھی یاد ہیں!

اس کے وہ گھر سے گھر سے گئے جنہیں ہم درمیانوں اور بنا یوں کے کنار کھودا کرتے تھے اور ان میں بانی بھڑکھیلیاں چھوڑا کرتے تھے۔ اور پھر ان پھانپو پکڑ کر خوش ہوا کرتے تھے۔ مجھے آج بھی یاد ہیں!

اس کے وہ خوبصورت سنہری پتھر سے جن میں ہم نے رنگ رنگ کی چڑیاں بال بھی تھیں۔ اور جن کے پاس ہم بھٹک کر ہم افسوسوں ان کا بانی سے بھری ہوئی گودیوں میں ڈیکیں لگا کر نہانے کا کچھ نظر دیکھا کرتے تھے۔ اور جن کو ہم اپنے رکھے ہوئے ناموں سے پکارا کرتے تھے۔ اور جب پڑنا چاہتے تھے تو یہ بھٹک کر انہوں نے ہماری بات کا جواب دیا ہے خوش ہوا کرتے تھے آج بھی یاد ہیں!

یہ مردوں کے اختلاط دیکھا گت کا یہی عالم رہا۔ حتیٰ کہ وہ پردہ میں بٹھا دی گئی۔ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ اس واقعہ کے بعد کئی روز تک اسکو میں میرا زانو دل نہ لگا۔ اور وہاں میں عجب تم کی بے چینی محسوس کرتا رہا۔ اگرچہ میری نظر کتاب پر ہوتی تھی۔ مگر میرا دماغ گھر پر ہوتا تھا۔ چنانچہ کئی دفعہ استاد نے پڑھنے سے بے اتفاقی کے جرم میں مجھے سزا بھی دی۔

میرے اور اس کے دل کو محبت کی فواد ی زنجیروں نے اس مضبوطی کے ساتھ جکڑا تھا۔ کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں جدا نہ کر سکتی تھی۔ اس کی شیرینی گفتار میں میرے لئے دنیا بھر کی قدح میل کی ہوئی تھیں اور اس کی ضیا پاشی تہمت میں مجھے سکون و اطمینان کی روشنی نظر آتی تھی + میں نہیں سمجھ سکتا کہ جو تعلق مجھے اس کے ساتھ تھا۔ اسے اغوت و محبت کے نام سے تعبیر کروں یا عشق و ذلیلیگی کے نام سے؟ لیکن یہ ہاں واقعی بات ہے کہ اگر وہ عشق تھا تو بلا کسی امید کے، اور اگر وہ ذلیلیگی تھی تو بغیر کسی آرزو کے +

میں نے جب تک کبھی اس سے یہ نہیں کہا کہ مجھے تجھ سے عشق ہے۔ اور نہ کبھی اس کی طبع کی اس کی زندگی کے رشتہ کو اپنی زندگی کے رشتہ کیساتھ ملتی کروں۔ اور میں اس کا رونا ہی کیوں؟ میں ابھی طرح جانتا تھا کہ میں غریب ہوا اور وہ امیر۔ آسمان میں کا وہ چکر دار۔ تار و جھ میسے خاک نشین کی گود دہا، مرکز نہیں آسکتا۔ اور اس کے والدین اپنے اس قیمتی میرے کو مجھ جیسے بیکاری

میں گھنٹہ بھر بھی میاں بیٹھنے نہ پا یا تھا کہ انتہائی وحشت کے عالم میں ایک طبل سفر کے ارادہ سے نکل پھرا کہ شاید مختلف مقامات کی مختلف دلچسپیاں میرے رنج و غم کو کچھ کم کر سکیں +

میں مسلسل دو بیسے تک مختلف شہروں کا سفر کرتا رہا جہاں جاتا رہا نئے بہترین قدرتی مناظر سے اپنے دل کو بہلاتا اور وہاں کی بہترین تفریح کا ہوں سے مخلوق ہوتا۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے مضطرب دل میں کچھ سکون دیکھ لیا۔ وہی سکون جو پہلوں میں آجائے ہوئے اس آنسو کے قطرہ کو حاصل ہو جاتا ہے جو نہ بہتا ہے اور نہ خشک ہوتا ہے +

اب کالج کی چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں اور نیا سیشن شروع ہونے والا تھا میں نے اس سکون کو غنیمت سمجھا۔ اور کچھ بھٹا کر اپنے دل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اپنے وطن کو لوٹ جاؤں۔ اور تعلیم کے سلسلہ کو جاری رکھوں۔ چنانچہ میں یہاں آکر کالج میں داخل ہو گیا۔ اور اس کمرہ میں رہنے لگا۔ جسے ارادہ کر لیا کہ دنیا اور اس کی دلچسپیوں سے بالکل بے اعتنائی رہوں گا۔ سوائے تعلیم کے کسی چیز سے سروکار نہ رکھوں گا۔ اور حقیقی اوسع پرانے واقعات کو بھلائیے کی کوشش نہ کرنا تھا +

اب یہی ہوا میں نے بالکل راجہانہ زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ میں اپنے کمرہ سے نکل کر کالج باؤنڈی کے سوا کسی اور نہ جاتا۔ بعض اوقات انتہائی بے چینی کے باوجود میں نے کبھی اس جنت ارضی کی طرف بھی جانے کی کوشش نہ کی۔ جہاں عرصہ دراز تک عیش و عشرت کی سحر میں اندھنی تھیں۔ اور اس حور کے جلووں سے متحیر ہونے کا بھی قصد نہ کیا۔ جو وہاں میری ساتھی گری کرتی تھی۔ میں ڈرنا تھا کہ کہیں اس نے نہ کہ میرے دل کے پڑنے نہم جو اب کچھ بھرتے آ رہے ہیں پھر میرے جو بھائی اور میری رگ جان کا خون جو بہتے بہتے تم گھبراہٹ سے پھر سے لے +

عشق و محبت کی وہ آگ جس نے میرے دل کو جھٹی بنا رکھا تھا اب مندی پر لگتی تھی۔ اور اگر اس کی دہائی چٹکا رہا نہ کبھی بیٹھنے کی بھی لگتی تھیں تو میں آنسوؤں کے چھینٹے دے کر انہیں بھگادیا کرتا تھا +

اس حالت میں زندگی بسر کرتے ہوئے مجھے کافی عرصہ گزر گیا تھا کہ محلِ عیاں تک مجھے معلوم ہوا کہ میری پوجی ختم ہو گئی ہے۔ اور اب میرے پاس اتنا بھی باقی نہیں رہا ہے کہ اس منہ کا بونٹ کا بل اور کالج کی نیس بھی ادا کر سکوں۔ میں سخت پریشان تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ بہت دیر سوچنے

میں اور وہاں بودا باش اختیار کر لیا۔ مکان کا کرایہ اور آپ کے اخراجات ڈاکر میں لگی +

یہ الفاظ لامائی زبان سے نکل کر میرے دل میں تیرکی طرح لگے بیڑاں بیٹھے گئے۔ اور میرا سر جھکے رہا۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو بت سنبھال کر اسے کہا "بچی جان سے کدینا کہ میں ان کے حکم کی تعمیل کروں گا"۔ مابقی جی اور میں کمرہ میں تنہا رہ گئے۔ اب مجھ سے اپنی نام کا ہی ذخیرہ ادبی پر قیادہ ہوا ہوا رہا۔ یعنی گورنر کے دوست رات ہو گئی۔ غشاء کے بعد جب سب سو گئے میں نے اپنے بیڈ بیگ میں دو جوتی کپڑے اور پڑھنے کی چند کتابیں رکھیں۔ اپنے دل کو یہ سمجھا کہ جب میری زندگی کی سب سے بڑی ستارہ ہی مجھ سے میں لے گئی تو مجھے کسی اور چیز کا کیا افسوس کرنا۔ اپنے کمرہ سے نکل آیا +

قریب ہی چھپا کی لڑکی کا کمرہ تھا۔ اپنے کمرہ سے نکل کر میں اسے خوی مرتبہ اوداع کئے کے لئے اس کے کمرہ میں داخل ہوا۔ وہ سراپا حسن بلکہ رشک کا دعائی و پڑا اور میرے ہونے عجیب انداز سے مصروف خواب ماز فی +

حسن و جمال کا یہ سراپاں ابر کے ہلکے ہلکے پردوں میں سے چمک چمک رہا تھا کہ جلوہ زار بن رہا تھا۔ اور دلاؤری و دلفانی کی یہ شراب ناب جام ابر میں سے چھلک چھلک کر عالم کو غرق کر رہی تھی +

تھوڑی دیر تک میں حسرت کی فغروں سے آئے دیکھتا رہا۔ پھر میری آنکھوں میں آنسوؤں کے آسے جھلکانے لگے۔ اور یہ آفتابِ نظوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں آنسو پونچھتا ہوا کمرہ سے باہر نکل آیا۔ آہ یہ میری زندگی کا سب سے بہترین کامنات پر سب سے آخری نظریں !

رات کی خودک اندھیری میں۔ میں نے اس طرح روتے ہوئے اپنے چھائی کو بھی جو چھوڑا جس طرح آدم نے جنت کو چھوڑا تھا۔ مگر آدم کے اتھان کی دہشتگاہی و دلداری کے لئے خود اتھی اور میرے ساتھ کوئی نہ تھا !

چھائی کو بھی جو چھوڑ کر جب میں نکلا ہوں تو میرے پاس ان کے ان کی کچھ تم تھی۔ رات تو میں نے جوں توں کر کے گزار دی۔ صبح ہونے ہی ان کی تلاش کرنی شروع کی اور یہ کمرہ کرایہ پر لے لیا۔ جس کی تاہم میرے جسم پر زل جیسی روح افزا کو بھی میں بسر ہوئی ہو۔ اور میں کی رفیق زندگی کی جمعیت میں باہر پردہ لڑکی رہی ہو۔ اس کا دل اس تک ونا دیک کر میں کیا لگتا !

ہوا۔ لیکن میں نے اپنے تعجب کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے فوراً جواب دیا:
”یاں معلوم ہے؟“

میرے آقا! جتنی بات تو یہ ہے کہ میرے فرشتوں کو بھی آپ کے مکان کی خبر نہ تھی۔ مگر میں نے سوچا کہ اگر اس وقت میں اس سوال کا جواب نفی میں دیتی ہوں تو یاس و حسرت کی آگس اندھیری رات میں اس کی امید کا آخری تار بھی غروب ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اسکی زندگی کی شمع بھی خاموش ہو جائے گی۔ اس لئے میں نے اثبات ہی میں جواب دیا۔
”انہوں نے مجھ سے کہا: ”کیا تم میرا ایک خط انہیں پہنچا دو گی؟“
میں نے جواب دیا: ”بیکر یہ تم کسی بلا میں کر رہی ہو۔ بھلا مجھے تم سے کسی کام سے انکار ہو سکتا ہے؟“

انہوں نے مجھے قہقارہ اور کاغذ لائے کا اشارہ کیا۔ میں دونوں چیزیں لے آئی۔ پھر انہوں نے آپ کے نام و خط لکھا جو آپ کے سامنے ہے۔
صبح ہوتے ہی میں خط لے کر آپ کی تلاش میں نکلی۔ شہر کی کھلی گلی اور کوچہ کوچہ میں لوگوں سے آپ کا نام لے کر آپ کا پتہ پوچھتی تھی کہ شاید کوئی آپ کا ہاتھ دلا سکل آئے۔ اور ہر ہمارا بازار اور ہر ہر مشرک پر گھسٹوں آنے جانے والوں کا منہ قہقاری کی آواز میں آگیا۔ آپ بھی ہوں۔ مگر آپ کو دہلانا تھا۔ لے آؤ خوارا بوس جو کہ تقریباً غنا کے بعد گھٹ گئی۔ مگر آہ اچھی دروازہ ہی پر پہنچی تھی کہ رونے پینے کی آوازیں میرے کان میں پڑیں۔ میں سمجھ گئی کہ وہ شخص حسن جس سے ساری محفل کی رونق تھی۔ آج جھللا جھللا کر خاموش ہو گئی ہے۔ اور وہ غمگین حال جس سے سارے جن کی زندگی آج کھل کر گر گیا ہے۔
میں نے انہیں اپنی اولاد کی طرح ہلاتا تھا۔ سمجھے ان کی جافرگی ہی کا صابر کیا کچھ کم تھا۔ لیکن میرے لئے رنج پر رنج یہ تھا کہ میں ان کی آخری ستر بھی پوری نہیں کر سکی تھی۔ ہائے افسوس! تم سے لئے کی تمنا ان کے کفن میں ہی لپیٹی چلی گئی۔ اور تمہیں دیکھنے کی آرزو ان کے ساتھ ان کی قبر ہی میں دفن ہو گئی!

میں نے خدا کا راز اپنے دل ہی میں رکھا اور تمہاری تلاش میں مصروف رہی۔ حتیٰ کہ آج تم مل گئے۔ مگر افسوس کہ تیرا کفن سے نکل چکا ہے!“

میں نے ماما کے اس احسان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ اور اُسے واپس جانے کی اجازت دیدی۔ اس لئے کہ رات کافی گزر چکی تھی۔ بالوں گئی۔ ماما کے ہاتھ ہی میں سے محسوس کیا کہ کالے کالے بادل چاروں طرف

اس کا کیا تعلق ہے؟“

اس دن کے بعد پھر ہم نے ان کی زبان پر آپ کا نام آتے نہیں سنا۔ ہاں البتہ ہم یہ محسوس کرتے تھے کہ آپ کے چلے جانے کا انہیں بڑا صدمہ ہے جسے وہ چھپا پھپھاتا رہتے ہیں۔ مگر تعجب نہیں سکتا۔

چند ہی روز بعد ان کو عوارث رہنے لگی۔ جس نے رفتہ رفتہ پڑانے بخار کی صورت اختیار کر لی۔ ان کے پھول سے رخسار کھلا گئے۔ ان کے غنچے سے لب مر جھا گئے۔ اور ان کی رنگی آنکھیں ماند پڑ گئیں۔ بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر بڑی ہی بے گناہ کے چہرے چھت گئے۔ بیاہنہ شادی کا ذکر چھوڑ دو اس کے علاج معالجہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ شہر کا کوئی حکیم، کوئی ڈاکٹر نہیں چھوڑا جس کا علاج نہ کرایا ہو۔ مگر مرض میں روز بروز اضافہ کی بجائے ترقی ہی ہوتی رہی۔ اور چھوٹی بیگم تھوڑے ہی عرصہ میں پار پائی سے لگ گئیں۔ اب ان کی یہ حالت تھی کہ نہ کھایا جاتا تھا نہ پیا جاتا تھا۔ نہ اٹھا جاتا تھا نہ بٹھا جاتا تھا۔ دو دو آدمی انہیں ملکر اٹھاتے بٹھاتے تھے۔ اور کئی کئی دن تک دوا کے چند قطرے کے سوا ان کے حلق میں کچھ نہ جاتا تھا۔ حکیم ڈاکٹروں نے جواب دیا تھا۔ اور گھر والوں کو ان کی طرف سے مایوسی ہو گئی تھی۔
آج سے چند رات پہلے۔ پچھلے پھر کو۔ میں غم خود گئی کی حالت میں ان کے سر اٹھانے لگی تھی۔ کہ مجھے ہلک برائے کی حرکت کرنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ میں فوراً ہتھیار ہو گئی۔ اور ان سے پوچھا: ”کیوں بیگم کیا بات ہے؟“ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ میری طرف بڑھا کر اشارہ سے اٹھنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے انہیں اٹھا کر بٹھا دیا۔ اور ایک گاؤں تک ان کے پیچھے لگا دیا۔

انہوں نے مجھ سے پوچھا: ”اس وقت کیا کیا ہو چکا؟“

میں نے جواب دیا: ”کوئی چار بجے کا محل ہو چکا۔“

انہوں نے کہا: ”اما کیا تم یہاں تنہا بڑھ کوئی اور تو نہیں ہے؟“
میں نے کہا: ”میں کوئی اور نہیں ہے۔ گھر والے سب سو گئے ہیں۔“

تمہاری اماں بھی کوئی رات کے بارہ بجے یہاں سے اٹھ کر اپنے بستر پہنچ گئی بیگم۔

انہوں نے سوک سوک کر کہا: ”ابھی اما کیا نہیں معلوم ہے کہ لڑکھڑکھ رہتے ہیں؟“

اس کھوکھو آج سب سے پہلی مرتبہ ان کی زبان سے شہر مجھے برا تعجب

اُٹھ سے چلے آ رہے ہیں۔ جتنی کہ تم کوڑی ہی دیر میں وہ سارے کمرہ میں
چھاگئے۔ اور میری نگاہوں سے ہر چیز اوجھل ہو گئی۔ پھر مجھے کچھ معلوم نہیں
کر کیا ہوا اور کیا نہیں۔ ہاں اتنا ضرور معلوم کر جب آنکھ کھلی تو آپ میرے
سر اسے تشریف، رکھتے تھے۔

میں نے اس سے پوچھا۔ بھائی جان: کیوں کیا بات ہے؟
اس نے کہا ”کچھ نہیں“ ایک آنسو تھلنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ
بچے ہوئے دل کی گوری کچھ کم ہو۔ مگر نہیں سمجھتا۔ یہ کیکر خاموش ہو گیا۔

سجاد

(خاص)

(عربی سے)

نوجوان نے یہ کہ کر ایک لمبی سانس کھینچی۔ میں سچ کہتا ہوں۔ کہ اس کے

غزل

انشد اللہ یہ اثر جسدوہ یکتائی کا اک جہاں مجو تماشا ہے تماشا فی کا
نفس چند کے مہمان ہیں مجسود و مجکاہ جنبش لب یہی موقع ہے سیمائی کا
آنکھیں پھر اگنیں رخ زرد ہے نفیس ساقط مال اچھا نہیں اب ترے تنائی کا
پس پروردہ ہی سہی دیکھ تو او پردہ نشیں اٹھنے والا ہے جنازہ ترے شیدائی کا
سرگذشتِ دل مضطرب کیا ان پہ اثر سن کے رو دیتے ہیں قصہ شبِ تنہائی کا
جب کھلی آنکھ نظر جانبِ در جا پہنچی نزع میں بھی ہے یہ عالم ترے شیدائی کا
مدد اے جوشِ جنوں پاؤں نہیں اٹھ سکتے شوقِ دل میں ابھی باو یہ پیمائی کا
حیف مدحیت وہ پیمانِ وفا کرتے ہیں آخری وقت ہے جب ان کے تنائی کا

حشر کہتے ہیں جسے اہل جہاں اے فرہاد

دوسرا نام ہے صبحِ شبِ تنہائی کا

(خاص)

سید عبدالغنی فرہادی

منظومات

ادب و تاریخ

”یوگی راج کرشن“
از حضرت نقیض نمیسلم

یشودھا کے مرلی منہ پر کی دایہ
یشودھا کی جاگی ہے تقدیر خفتہ
یشودھا نے بی تار ان پر کروی
مقتد رجب تو نے پایا یشودھا
وہ گل آج گوگل میں ہم دیکھتے ہیں
”خیابان خیابان ارم دیکھتے ہیں“

بجین

گھنیا کی آنکھیں ہرن سے نشلی
گھنیا کی خوش لبھی دلم نظرت
گھنیا کی چھب دل آڑا لینے والی
گھنیا کا بچپن شرارت کا عنوان
گھنیا کا نقشہ ہے صنعت خدا کی
گھنیا کی ہرات میں ایک دیں ہے
کبھی گویوں میں جو گنگھٹ پائے
کسی کا سلامت دو پیشہ نہ چھوڑا
جو اتھ آئی اس کی مروڑی کلائی
بٹھا بائیں پر پرکڑ کر کسی کو
دیکھتی ہیں اب شام ہوتی ہے چار
میں کپڑوں کی طالب مینان گوگل
گوالن کا کھن چر کر جو باگے

جنم

کئے چاند نے چرخ پر کچھ اشات
وہ لودارح مہ پیکران اعامت
کچھ اس کمن میں بزم انجم کا یا
سر عرش ہے بزم حق لا جواب آج
بیا بس قنائیں بقا آہی ہے
وہ مرلی منہ پر چلا آسمان سے
سعادت فیسی کی شرب آن پہنچی
گھنائیں انھیں امینہ گوگل میں برسا
فرشتوں نے گل پھینکے یوم ولادت
سرور پر کچھ نور کا ست سیانہ
خوشی روزن سقف سے مکاری
ضمینوں کا دلی جنم لے چکا ہے
جنم لے چکا ہے منور ہمداری
برج محل گھنیا شام تشریف لائے
آگن اور گیان کی بانسری کا بجیت
جو رتھان ہیں پر بیاں تو گاتی ہیں جویا

ہے محبوب داو یشودھا کے گھر میں
جنم کا شند او یشودھا کے گھر میں

کہا تیرا موہن مستنا بہت ہے | پڑا تو ہے پرگرا بہت ہے
کئی ایک پتلے سے گھر میں کھڑی ہیں | نیشو و معاشے ب باری باری بڑی ہیں
وہیں ناگمان منہ کالا لال آیا | قیامت کی چلتا ہوا چال آیا
کہا دور سے جھوٹ کہتی ہیں۔ ماما | اسی تاک میں یہ تو رہتی ہیں ماما
شکایات ارزاں مذاق الہی کے سنتے | کہیں جاؤں تو روک لیتی ہیں رستے
یہ چھٹیریں مجھے اور دہائی نہ دیتیں | جو ٹھوکر جھٹک کر کھاتی نہ دوں میں

جو پنگٹ پہ ان کو دکھائی نہ دیکھیں | جو تعلیم نعمت سرائی نہ دوں میں
تو جی میں بچپن ہوتی ہیں کیا کیا | نہ شب کو ملا ہوں نہ دن کو ملا ہوں
یہ جھوٹی ہیں گر شکوہ بلب ہیں آئیں | (خاص)

جو مری بجانا سنائی نہ دوں میں | اگر جلوۂ دلربائی نہ دوں میں
مرے غم میں آنسو پڑتی ہیں کیا کیا | مینوں کے بعد آج ان کو ملا ہوا
مجھے دیکھنے کے لئے سب ہیں آئیں | نفیس خطیلی

نخنخانہ جاوید

نہ چین میں سیر بہار ہے نہ خزاں کا دل پہ ملال ہے | مری کشمکش میں ہے زندگانی عروج ہے نہ زوال ہے
فلک زمیں کو خدا کہوں میں بتوں کو سجدے کیا کروں | ترا از حسن نہ فاش ہو مجھے صرف اس کا خیال ہے
گل ولالہ ہیں جو یہ خوب رو۔ ہے نسیم باغ جو مشکبو | ہوا انکشف جو کی جستجو کہ یہ تیرا نفیس جمال ہے
نہ یہاں ہے کشمکش عدو نہ ہے دردِ حیر کی گفتگو | تمہیں بھرنے کیوں میں دونوں عوین کہ یہ سیری بزمِ خیال ہے
ترے ظلم کا نہ گلہ کرے ترے غم میں دردِ سما کیے | دمِ نزع تک جو وفا کرے تو یہ عاشقی کا کمال ہے
تمہیں کارزارِ حیات میں کبھی لطف و لیش کی منزلیں | مجھے دو گھر کی جو چین ہے۔ تو یہ صرغ میرا خیال ہے

چلو آج سیرِ چمن کریں وہاں ساتھ تینا کو لے چلیں

رہے شغل ساغر و میکشی کہ یہ روزِ عیدِ حلال ہے

انیں مجتبیٰ میا زبیری علیگ

(خاص)

غزل

(از حضرت علیل قذافی بنی لے)

آپ کو میری وفا یاد آئی خبر ہے آج یہ کیا یاد آئی
پھر مرے سینہ میں اک ہوک اٹھی پھر مجھے تیری ادا یاد آئی
بے رنجی پر تری جب غور کیا مجھ کو اپنی ہی خطا یاد آئی
خوش ہوا تھا نگہ لطف سے دل کہ تری مسرت جفا یاد آئی
باتھ میں ساغرئے آتے ہی نگہ ہوش رُبا یاد آئی
آپ تک جس سے رسانی ہوتی کوئی ایسی نہ دعا یاد آئی
کیوں کسی سوچ میں بیٹھے ہو جلیل کیا پھر اس بت کی ادا یاد آئی

(خاص)

علیل

غزل

چلا ہے ہنگامے کو نذر لے کر اپنے ایماں کی عقیدت دیدنی ہے اے برہمن اک مسلمان کی
جو چاہوں جذب کر لوں بجلیاں انوارِ امکاں کی قیامت خیز ہیں نجاشیں چاک گریباں کی
دکھایا رفتہ رفتہ جذب وشت نے اثر اپنا مرے گھر میں پڑی بنیاد کس ادبیاں کی
تارے ٹوٹ کر گرتے رہے انوار کی بارش رہی شب بھر چراغاں میں فضا گو برغیاں کی
سحر بھی فرط غم سے اپنا دامن پاک کر لے گی تڑپ دیکھی نہ جائے گی مرلیں شام ہجراں کی
نشین کے تصور میں لبو آنکھوں سے بہ نکلا قفس میں کچھ گئی تصویر سی صحنِ محلتاں کی
جدھر جاتا ہوں میں پیش نظر ہے آستانِ امکاں مری دانست میں دنیا زیں ہے کوئے جاناں کی

مجھے پہلو میں ہو جاتا ہے اکثر چاند کا دمکا
وہ ہنستے ہیں ظفر جب روشنی میں ماو تاہاں کی

سراج الدین ظفر

(خاص)

انسان!

از سید احمد اللہ صاحب قادری نائب ایڈیٹر تاریخ حیدرآباد

یہ سراپا برق یا سیما بے ہے یا کسی روشن کرن کی تاب ہے
اس کے اندر اک جہان آباد ہے جو کبھی خوش اور کبھی ناشاد ہے
گاہ یہ ایک محرم اسرار ہے گاہ سراپا مطلع الانوار ہے

الغرض بیحد یہ حیرت خیز ہے

ہر ادا اس کی عجب انگیز ہے

نغمہ الفت

(۱)
نباتِ حسن میں کوئی نہیں جواب ترا کے نصیب فسونِ جہاں خراب ترا
یہ سطحِ بکر پہ جو خامشی سی طاری ہے
ہوا کی روح میں مستی سی ایک ساری ہے
نباتِ بکر کی خاموش سحر کاری ہے
کہ سیلِ نغمہ امواج آج جاری ہے مگر ہے اس سے کہیں دلِ باز باب ترا

(۲)
قر کا نور جو پھیلا ہوا ہے آج کی رات سکونِ بکر میں محشرِ بپا ہے آج کی رات
کشش سے نور کی اُٹھتی ہیں دلِ باموہیں
شرابِ عشق سے مخمورِ فتنہ زاموہیں
اسی طرح سے مے دل کی جانفزاہیں

تجھے ستاتی ہیں الفت کا ماجرا موہیں کہ میری روح میں پہچان سا ہی آج کی رات

عزیز نواز محمد عزیز کتب خانہ عثمانیہ

(بائیں)

بازارِ حسن از ہنشی پریم چند

از جناب آغا عبدالحمد صاحب گورنمنٹ کالج لاہور

ہے۔ اسی محلہ میں ایک دیکس پدم سنگھ رہتے ہیں۔۔۔۔۔ جو ایک نہایت ہی شریف رحمدل اور سہمہ رواں میں۔ سن پدم سنگھ کے گھر جایا کرتی ہے۔ آخر انچی زندگی سے تنگ آکر اور بھولی بھائی کی ترغیب سے سن بھی بازار حسن میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور اپنے حسن طبع کی وجہ سے سب سے زیادہ مشہور ہو جاتی ہے۔ پدم سنگھ کا بھتیجہ سدن سنگھ جو اپنے چچا کے پاس رہتے لگتا ہے سن پر عاشق ہو جاتا ہے۔ بڑی کوشش کے بعد پدم سنگھ اور سدن سنگھ اس ایک خادمہ تو م سن کو اس گناہ کے غار سے نکال لیتے ہیں۔ سدن سنگھ کی نسبت سن کی چھوٹی بہن شائنا سے ہو جاتی ہے۔ لیکن بابت ان کے گھر جا کر ٹوٹ آتی ہے۔ کیونکہ انہیں کوئی سن کی بابت بتا دیتا ہے۔ آخر میں سدن اپنے والدین کی مرضی کے خلاف شائنا سے شادی کر لیتا ہے۔ سن لڑکیوں کے بورڈنگ کی معطل بن جاتی ہے۔ سدن سنگھ کے گھر لڑکا پیدا ہونے پر اس کے والدین اس سے راضی ہو جاتے ہیں * کتاب کی تین خصوصیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سیرت نگاری انسانی جذبات و نفسیات کا گہرا مطالعہ اور بڑے تحریر۔

اس ناول میں مصنف نے ہمارے تمدنی اور معاشرتی نقصان کو بہت واضح طور پر دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اور میں بہت حد تک کامیاب ہوئے ہیں مگر کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کا موضوع بازار حسن ہے مصنف کو یہ دکھانا مقصود ہے کہ کس طرح ایک بھولی بھائی لڑکی ہماری بڑی رسموں سے تنگ آکر ایک بازار میں عورت کی زندگی کو جو دور سے نہایت بھلی معلوم ہوتی ہے اختیار کر لیتی ہے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ مجھے کتنا دھوکا ہوا۔ یہ مقام دور سے دکھا دے فریب کتنا سنا مانفرا آتا تھا۔ میں نے اسے بھولی کا دماغ سمجھا۔ لیکن یہ کیا؟ ایک خوشحال بیابان۔ خوشخوار درندوں اور زہریلے خطرات سے پر یہ ہندی دور سے چاندنی کی

فشی پریم چند جن کا اصلی نام وصیت رائے ہے۔ ۱۹۲۰ء سبست پوری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ہنشی صاحب لال بنارس کے قریب ایک گاؤں پاتھ کے پور کے رہنے والے تھے۔ سات آٹھ سال فارسی پڑھنے کے بعد آپ نے انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی اور بنارس کا بیچٹ سکول سے انٹرنس پاس کیا۔ سات برس کی عمر میں والدہ کا۔ پندرہ برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ نے کچھ عرصہ کے لئے ہینڈ تعلیم میں نوکری کر لی تھی۔ آپ کی ادبی زندگی سن ۱۹۲۷ء سے شروع ہوتی ہے۔ جب آپ نے آزادی میں مضامین لکھنے شروع کئے۔ سن ۱۹۲۹ء میں ایک ہندی ناول پر تیار کیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۰ء میں جلوه ایشیا اور ۱۹۳۱ء میں بازار حسن لکھا۔ آپ ہندی کے بھی مجھے مہر ہیں۔ اور اپنے ناول دونوں زبانوں میں شائع کرتے ہیں۔ چنانچہ سیدو اس۔ ان پریم آشرم رنگ بھوم اور کاکاپل آپ کے مشہور ہندی ناول ہیں۔ اس کے علاوہ آپ مختصر افسانے لکھتے ہیں جی مہر ہیں اور شاید یہ کہنا بجا نہ ہو گا کہ اردو زبان کو ان سے بہتر مختصر افسانہ نویس اب تک نصیب نہیں ہوا۔ لیکن ہم یہاں صرف ان کے ناول بازار حسن سے بحث ہے۔

بازار حسن ایک طویل ناول ہے جو دو حصوں میں شائع کیا گیا ہے۔ نیکی پادجو طس طوات کے اس کا شاید ہی کوئی نسخہ کچی سے خالی ہو مختصر اس کا قہر ہے کہ ایک اچھے خاندان کی لڑکی سن اپنے مادروں کو شہر چور کے رشتوں کے مقدمہ میں قید ہو جانے پر ایک غریب تنگ نظر اور مشکل شخص گھا دھر سے بیاہ دی جاتی ہے۔ لڑکی نازک اندام چھل شمر رہے کہ وہ نفاست پسند ہے۔ وہ اپنے خاندان کے ہاں جہاں اسے نہ کھانے کو اچھا ملتا ہے نہ پینے کو خوش نہیں ہے۔ اس کے مکان کے سامنے ایک ٹوائف بھولی بھائی رہتی ہے۔ جو بڑے پیش کی زندگی بسر کرتی

پریم چند کی دنیا فائدہ آزا کی طرح ایک محلِ خیال سے والی اور کچھ خیر دنیا نہیں ہے بلکہ ساقی ایک وہابی اور خوش دینا ہے۔ جہاں غریب کی نفع سے پاک جذبات سے متاثر ہوتے ہیں + بازار جن کے چار کچپ کر دار سن پدم سنگھ ٹھیل واس اور سدن سنگھ ہیں +

سمن نازک اندام چھل شریہ متکبر اور نفاست پسند ہے۔ وہ ان صاحبزادوں میں سے نہیں ہے جو اپنے خاوند کے لئے خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔ وہ مغرور ہے اور چاہتی ہے کہ جہاں رہے رانی بن کر رہے۔ اس کی طبیعت میں سکون نہیں ہے۔ اور ہر ایک چیز کا اثر جلد قبول کر لیتی ہے۔ بہت ظاہر دار ہے اور دنیاوی اعزاز پر فخر کرتی ہے۔ اس لئے اسے اپنے خاوند کا گھر برا لگتا ہے۔ اہل وہاں سے نکلنا چاہتی ہے۔ اس کی بجائے اگر اس کی بہن شاخو ایک صابر اور صلہ رشتہ رکھتی ہوئی توساری عمرو و کر گزار دیتی۔ لیکن اُف نہ کرتی۔ اس کے خیال میں خاوند مجازی خدا ہوتا ہے۔ لیکن سمن اس کی ہم خیال نہیں وہ خاوند کو آرام و مش کا ایک ذریعہ خیال کرتی ہے۔ اپنی حیات کے المناک انجام کی وہ خود مددگار ہے۔ پریم چند یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہماری سیرت ہی ہماری تعمیر ہوتی ہے یعنی قلعہ کا حصہ قلعہ کا حصہ ہے اصل مقصد ہمارے معاشرتی تقاضا دکھانے کا چوبلی یہ کہ اگر ہم میں سے ایک شخص غنا کر بیٹھتا ہے تو ہماری معاشرت اسے ذلیل و بے اثر کر دے زیادہ نیچے جاتے کے لئے مجبور کرتی ہے۔ وہ گریہ ہوؤں کو اٹھانے کی بجائے ٹھوکر مار کر گزر جاتی ہے۔ ہمارے رواج ایسے جو وہ ہیں کہ ہم ایک گھبراہٹ سے ہر دہ کی بجائے نفرت کرتے ہیں لیکن وہ شروع سے اس بات پر مدد دیتے ہیں کہ ہماری سیرت ہی ہماری تعمیر ہے اور ہیں زندگی میں ہر قسم کے موٹے ملتے ہیں۔ اس وقت گزنا یا نہ کھانا یہ ہماری سیرت پر منحصر ہے۔ اس بات کو وہ صرف مٹی ہی کی سرگزشت سے واضح نہیں کرتے بلکہ ناول کے نام پر بڑے بڑے کرداروں کو سرگزشت سے بھی اسی بات پر نقد دیتے ہیں۔ وہ ہاروی کی طرح ایسے سبب اور اہل موقع پیدا نہیں کرتے جسے نکلنا دشوار ہو +

جیسے کہا جا چکا ہے سمن کسی چیز کا اثر جلد قبول کر لیتی ہے۔ گجراہ کے دخل سے وہ نیک ہو گئی ہے اور رانا من پڑھنے لگ گئی ہے۔ لیکن جب دیکھتی ہے لکھوٹی بھائی کی عزت صرف فیناں لوگ بھی نہیں کرتے بلکہ منہ سے

چاؤ کسی بھی ہوئی کسی خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ پراس کے اندر کیا ہے بڑے خوفناک و بانی جانوروں کا ٹکس یاد کروا رہیں اور کچھ تھوشتی اور جلتے تفریح + بازار جن کے تمام کردار عینی جاگتی تصویر ہیں پریم چند کے کردار آوازوں کے کردار کی طرح تصویریں لگی کارٹون نہیں ہیں اور نہ عام ناولوں کے کردار کی طرح کاتھ کی پتیلیاں ہی ہیں۔ بلکہ گوشت و پوست کے سینے ہونے انسان میں جن کے دلکے کے ساتھ ہیں ہمدردی ہوتی ہے جن کے غم سے ہم غمیں ہو کر اس میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اور جن کی خوشی سے ہمیں راحت ہوتی ہے۔ پریم چند کہہ رہے ہیں کہ انسان فوٹو کی طرح ہماری پہچان کے لئے لیبل نہیں لگا دیتے۔ ہمارے اہل عام ناولوں اور افسانوں میں یہی سب سے بڑا نقص ہے کہ ان میں ہمیں جیتے جاگتے انسان نہیں ملتے اول تو مصنف کو سیرت لکھنی کا خیال ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس میں اس کی اہمیت نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ اس کی پورک کرنے کے لئے اپنے کردار پر لیبل لگا دیتے ہیں۔ یادو سرے الفاظ میں ہم ان کے کردار کو کسی خاص حرکت یا کسی خاص مجموعہ الفاظ کی نگرانی سے پہچانتے ہیں بعد ہستی نامک میں یہ نقص خاص طور پر نمایاں ہے۔ اس میں اگر کوئی شخص بڑا ہے تو اس میں کسی قسم کی خوبی کا نشان بھی نہیں اور اگر کوئی شخص نیک ہے تو وہ اپنی نیکی سے فتنوں کو مات کرتا ہے۔ اس کے برعکس ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جس طرح نیک سے نیک انسانوں میں بھی کمزوریاں ہوتی ہیں۔ اس میں طرح طرح سے بڑے انسان میں بھی کوئی نہ کوئی خوبی ہوتی ہو بازار جن پڑھنے کے بعد ہم کو خیال ہوتا ہے کہ ہم سمن۔ پدم سنگھ و ٹھیل واس اور سدن کو ایک مدت سے جانتے ہیں۔ ہم ان کی خوبیوں اور نقصان سے پورے واقف ہیں اور ہم ان کو اپنے آپ سے اچھے دوستوں کی فہمت بھی زیادہ جانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے جذبات ان کی نفسیاتی کیفیت سے ہم پورے واقف ہیں۔ جس طرح روزمرہ کی زندگی میں ہم مختلف انسانوں کو چاہے وہ کسی لباس میں ہوں کہیں جوں کو کسی موضوع پر گفتگو کریں پہچان لیتے ہیں۔ اسی طرح پریم چند کے دنیا کے رہنے والے بھی کسی لیل کے محتاج نہیں ہیں۔ نامرک کی تقریق کے مطابق وہ کافہ پر کھنے ہوئے نقش نہیں ہیں۔ جو ہمیں ایک ہی طرح پیش کرتے ہیں۔ بلکہ جسم و جان والے زندہ انسان ہیں جنہیں ہم ہر روز ملتے ہیں۔ یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ سیرت لکھاری کے کھانے اور دوا بن میں پریم چند سے بڑا فائدہ دینا پیدائیں ہوا +

سر منڈھ کر اپنے دل تو لکین دی تھی۔ وہی الزام آج سو گئے بوجھ کے ساتھ ان کے سر پر لڈ گیا تھا۔ اب سہ ہلانے کی بھی جگہ تھی۔ وہ اس بار گراں کے نیچے دبے جاتے تھے خجلیات نے تصور کو بگڑ دی۔ تصور نے واہمہ پیدا کیا۔ کہیں بہت دور سے آواز آئی ”وہ جلسہ ہوتا تو آج میں اپنے جھوٹے میں گن ہوتی“

اتنے میں جو اہل بیتیاں بٹے لگیں۔ گویا کالے کالے درخت سر ہلا بلا کر کہتے تھے ”سمن کی یہ درگت تم نے کی ہے“

شرابی گھبرا کر اٹھے۔ سامنے گر جا گھر کی اونچی چوٹی تھی۔ اس میں گھنٹہ بج رہا تھا۔ گھنٹہ کی سر پرلی صدا میں کتنی بوئی سلوم ہوئی تھیں۔ ”سم۔ نی کی یہ درگت تم نے کی ہے“ مہمنوں نے خیالات کو پھر سیٹ کر آگے قدم بڑھایا آسمان پر نگاہ پڑی سیاہ کاغذ پر سفید روشن چلتے ہوئے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ درسمن کی یہ درگت تم نے کی“

جیسے کسی شیل میدان میں سامنے سے آمدی ہوئی کالی گٹھ کو دیکھ کر مسافر دور کے کیلے دخت کی طرف قدم بڑھانے ہوئے پتا ہے۔ اسی طرح شرابی بے بے قدم اٹھائے ہوئے آبادی کی طرف چلے لیکن تصورات کو کہاں چھوڑتے۔ سمن ان کے پیچھے پیچھے آتی تھی۔ کبھی سامنے سے آکر آروک لیتی۔ اور کبھی ”میری یہ درگت تم نے کی ہے“ کبھی اس پہلو سے کبھی اُس پہلو سے سامنے نکل آتی۔ اور یہی الفاظ دہراتی۔ شرابی چپکے چپکے ٹپٹے تھے۔ جیسے کوئی جگر کا مضبوط آدمی بیچھا کرنے والے کتوں کے سامنے دوڑتا نہیں ڈانٹا ہوا قدم آگے بڑھتا ہے۔ بارے برنر اسٹیل پر راستہ طے ہوا۔ شرابی گھڑائے۔ کمرے میں نہ ڈھانپ کر سوراہے بچھد سامنے کھانے کے لئے اصرار کیا تو اسے سر درد کا بھانہ کر کے مالا۔ ساری رات سمن اُن کے دل میں میٹھی ہوئی انہیں کوستی رہی۔ ”تم کو اپنے علم و فضل پر ناز ہے۔ لیکن تم بھوسوں کے جھوٹوں کے پاس بارود کی ہوائیاں اور پھلجھڑ ہاں چھوڑتے ہو۔ اگر تم اپنی دولت چھوٹکا جاتے ہو۔ تو ہمارا آبادی سے دو کس میداں میں چھوٹو۔ غریب دیکھا روں کا جگر کیوں جلاتے ہو نہیں کیوں اُجھاڑتے ہو“

اگر تمہارے پاس پیسے ہیں تو شوق سے مٹھائیاں کھاؤ۔ لیکن دیکھ تمہارے سامنے ایک بیس نیم کھڑا ہے۔ اس کی نگاہوں کا خیال رکھو۔ اسے لچاؤ مت۔ اسے دے نہیں سکتے تو اس کی آنکھیں بچاؤ“

بجاری تک اسکے دیوانے ہیں تو وہ فوراً خیال کرتی ہے یہ بہت اچھی زندگی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:-

”سمن نے گھر آکر راتیں بستہ میں باندھ کر رکھ دی۔ گوجا اٹھان کرنا چھوڑ دیا کشتی نگرشت کی طرح اس کی زندگی پھر ڈانوا ڈول ہو گئی۔ اس مختصر سے فقرے میں مصنف نے اس کی سیرت اور اس کی نفسیاتی کیفیت خوب واضح کر دی ہے“

سمن فنی جلد برائی کا اثر قبول کرتی ہے۔ اتنی ہی جلد ہی اس سے منفرد بھی ہو جاتی ہے۔ زود پشیمان سمن کی نسبت ایک اور جگہ جہاں وہ گناہ کے غار میں باز آجھی سے نکل رہی ہے۔ لکھتے ہیں:-

”دھوڑی دیر کے بعد سمن اوپر سے اُترتی وہ صرف ایک

سادہ سفید ساڑی پہنے ہوئے تھی۔ ہاتھ میں چوڑیاں تک۔

تھیں۔ اُس کا چہرہ اُداس تھا۔ لیکن اس نے نہیں کہ سامان

عیش اس سے چھوٹ رہا ہے بلکہ اس لئے کہ وہ اس آتشیں

غار میں گری کیوں تھی۔ اس اوداسی میں حسرت نہیں بہت تھی

یکسی شرابی کے چہرہ پر چھانے والی زردی نہ تھی۔ یہ وہ زردی

تھی جو شادی کے وقت وہ لھا اور لہس کے چہرے پر چھا

جاتی ہے۔ جس میں ساری زندگی کے نیک ارادے اور آنے

والی ذمہ داریوں کی ٹھکریں پوشیدہ رہتی ہیں“

پدم سنگھ ایک نہایت شریف اور ہمدرد انسان ہیں۔ لیکن ساتھ ہی کمزور

بلع اور بہت سر پر ہنس شخص۔ جب پارک میں سمن اُن سے ملتی ہے اور اُن سے

مشکیت کرتی ہے کہ سبھی تہا ہی کا بیجو تم ہو تو ان پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ قابل مصنف

ان کی سیرت کو ان کی کمزور طبیعت کو خوب واضح کرتا ہے۔

”کہہ کر سمن چلی گئی۔ شرابی کچھ دیر تک تو بیٹھے رہے پھر بیچ پر

لیٹ گئے۔ سمن کا ایک ایک لفظ اُن کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ وہ اس

وقت تک خجلیات میں ایسے دبے ہوئے تھے کہ اگر کوئی آکر ان کے

سامنے کھڑا ہو جاتا تو سمن انہیں خبر نہ ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بیجو کوئی

چوٹ لگ گئی ہے۔ وہ سر پر اُٹھ آدی تھے۔ بھدا اگر کشتی میں کوئی

گلتی ہوئی بات کہہ دیتی تو انہیں ہفتوں اختلاج قلب ہوتا تھا۔ انہیں اپنی

طرز زندگی پر اپنے الطوار پر اپنے خیالات پر فخر نہ تھا۔ آج وہ

غور و مہمہ رنہ ہو گیا۔ جس الزام کو انہوں نے بچھ دھرا وہ جھل داس کے

وہ بہت غور سے کرتے ہیں۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز ان کی محنت اور دھونڈ والی نظروں سے نہیں بچتی۔ امیر و غریب، نیک و بد، شاہ و گدا سب کو اسی دیکھی اور اسی فرما جاننداری سے دیکھتے ہیں جو ان کا طرہ امتیاز ہے۔ انہیں ہمارے دماغی عدم توازن کی شکایت ہے۔ ہماری کئی باتیں انہیں انہل بے جوشی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً سدن کی بات کو وہ تین فقرہ میں بیان کر کے ایک ٹھیکہ خیز بات کو واضح کرتے ہیں +

”سدن کی شادی کا روز سید آپنچا۔ چار سے برات امولا چلی اس کی تفصیل لکھتی تھیں اوقات ہے۔ جیسی اور براتیں ہوتی ہیں ویسی یہ بھی تھی۔ جتنی تہ تکلف اور درد و انگیزہ پریشان حالی کا ایک عجیب اجتماع۔ بالیکوں پر زربفت کی جھولیں پڑی ہوئی۔ لیکن کمادوں کی دروایاں جو سیدہ اور کرم خوردہ۔ گنگا جمنی کے عکسا اور تم نیم برنہ مزدوروں کے ہاتھ میں + اسی طرح ایک دوسری جگہ برات کے پہنچنے کی کیفیت لکھتے ہیں:-

”دو در پو جا ہوئی۔ امانتہ کندھے پر ایک اگلو جھاڑ والے براتیوں کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ جھاڑوں کی عورتیں ساٹان میں کھڑی تھیں گنگا چل گئی تھیں۔ براتیوں کی غلغلہ انتخاب بہترین جن کی تلاش میں سرد گرم تھیں ادھر سے بھی آنکھوں کی کناریں براتیوں کا ستھراؤ کے دھج تھیں جاگتا آداس تھی وہ سوچ رہی تھی کہ یہ دو لکھا میری چندری کو ملتا تو اچھا ہوتا۔ سبھاکی یہ ہانسنے کے لئے بیکرا رہی کہ سمدھی کون ہے۔ کرشن چندر سدن کے پاؤں دھو رہے تھے اور دل میں کہہ رہے تھے کہ یہ کیا میوہ درون ہے سدن سنگھ دھیان سے دیکھ رہے تھے کہ کھال میں کتنے روپے ہیں +

نظارا ہر ای باتوں کا لکھنا نہایت آسان معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم انہیں روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں لیکن ایک بڑا مصنف ہی اسے اپنی تصنیف میں بیان کر لے۔ ان تھوڑے سے فقرہ میں برات کی کیسی مزیدار تصویر کھینچ دی ہے +

باتا جس ظرافت اور دوسے غالی نہیں ہے۔ اس کی ظرافت بڑی لطیف اور اعلیٰ قسم کی ہے۔ عام ناولوں کا سا پتھر پھن باز میں نہیں ہے۔ کتاب پڑھتے وقت ہم کھلکھلا کر ہنسی ہنستے مرت مسکرا رہے ہیں۔ ایک فاموش سی ہنسی ہمارے ہونٹوں پر نمودار ہوتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ ایک کیرکٹر کا غارت کرانے وقت لکھتے ہیں:-

”مگر کھنے میں ایسی خوشحال جویاں بھی تھیں جن کا دل فراغ تھا۔

ایسے اہم واقعات لے لیتا ہے جن سے ان کی سیرت و اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ ایک اچھے افسانہ نویس کی طرح پریم چند بھی ایسے واقعات پیش کرتے ہیں جن سے ان کے کردار کے جذبات اور ان کی نفسیاتی کیفیت ہم پر بوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ بعض موقعوں پر وہ چند ایک فقرہ میں ایک پورا منظر بیان کر دیتے ہیں جسے بیان کرنے کے لئے ایک معمولی افسانہ نویس شاید کئی صفحے سادہ کرنا پڑے +

پریم چند کا طرز تحریر بہت سادہ اور عام فہم ہونے کے بعد بہت زوردار ہے اور اس میں ہلکا آہ اور روانی معلوم ہوتی ہے۔ وقت کی ضرورت کے ساتھ وہ لطیف سے لطیف جذبات اور گہرے سے گہرے نفسیاتی حالات کو ایک جوش سے ادا کرنے کے لئے ایک بلندی پر پہنچ جاتا ہے۔ لطیف تشبیہ و استعارات اس میں ایک خوبصورتی پیدا کر دیتے ہیں کبھی کبھی پریم چند اس دوسرے کران کے پڑھنے والے انہیں فارسی سے ماخذ نہ جانیں۔ فارسی الفاظ بلا ضرورت استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن نفس مضمون میں اتنے خوب ہوتے ہیں کہ جلد ہی بھول جاتے اور اپنی پڑائی طرز پر لکنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی تشبیہ اور استعارات کے ایک دو نمونے دیتے جاتے ہیں:-

”غم اور افسوس کی ایک موج بادل سے چھنے والی دھوپ کی طرح اس کے دل پر آتی ہوئی معلوم ہوتی +“
”جیسے بالو پر مڑتی پھلی ندی میں پہنچ کر خوش فلیاں کرنے لگتی ہے اس طرح سمن بھی مسجد کے دریائے محبت میں اپنی مصیبتوں کو بھول کر محفوظ ہونے لگی +“

”غور جیسے افلاس سے دور بھاگتا ہے اسی طرح اس کا دل گھر سے دور بھاگتا تھا +“
فطرت انسان کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”مصیبت میں انسان کے حسیات تیز ہو جاتے ہیں۔ اس وقت بے جوشی ظلم معلوم ہوتی ہے اور تشنگی انسان بیکراں۔ سمن کو شربابی سے ایسی امید نہ تھی۔ اس خود غشی کے ساتھ جو آیا ہم مصیبت کے لئے مخصوص ہے۔ اس نے انہیں بد باطنی خود پروردہ بے رحم قرار دیا +“

اگر ناول میں ایک رشتہ آور نڈلے لکھا ہے ہماری زندگی کی تنقید ہوتی ہے۔ تو پریم چند زندگی کے ایک بڑے ماہر نقاد ہیں۔ انسانی زندگی کا مطالعہ

اگر ایک کڑی نکال لی جائے تو باقی کے تمام واقعات گر جائیں۔ حالانکہ ہماری زندگی میں واقعات کو ایک دوسرے کے ساتھ اتنا نزاعی قلع نہیں تو "دوسرا نقص یہ ہے کہ ناول کے تمام کردار کو کسی دیکھی ٹھکانے سے لے کر کسی کوشش کی گئی ہے۔ اور ایک قسم کا حسرت انگیز خاتمہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ کسی افسانہ کا حسرت انگیز انجام اس کا درجہ کم کر دیتا ہے۔ یا جیسا کہ عام خیال ہے الم انگیز انجام والا بذات خود زیادہ مستند نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ یہ کہ جس قسم کا قصہ ہو۔ جس قسم کے کردار ہوں۔ اور جیسے واقعات اس میں رونما ہوتے ہوں۔ اس طرح کا انجام بھی ہونا چاہئے۔ اسے خواہ مخواہ کوشش کر کے مسرت انگیز یا المناک نہ بنانا چاہئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حقیقی زندگی میں اس قسم کے واقعات کا انجام تنا مسرت انگیز نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ بناوٹ کے توازن میں ایک قسم کا خلل آگیا ہے۔ قصہ کے زیادہ واقعات حصہ اول میں انجام پاتے ہیں اور دوسرے حصے میں زیادہ طور پر ان کے نتائج بیان کئے گئے ہیں۔ یا ان کی تشریح کی گئی ہے۔ فن قصہ نویس کی دوسرے واقعات کو کتاب کے اخیر میں زیادہ سرعت سے انجام پانا چاہئے۔

باجو دان سب باتوں کے بازو جن ایک زبردست ناول ہے۔ اور اردو میں اس پائے کے بہت کم ناول ہیں۔ کسی جگہ کے رہنے والوں کی ایسی سچی جتنی جاگتی اور جاندار تصویر ہمیں بہت کم ملتی ہے۔ سیرت حمادی کا اس میں کمال دکھایا گیا ہے۔ مطالعہ حضرت باغیات انسانی اور زندگی کے نشیب و فراز ہماری زندگی کی اچھی اور بری باتیں ایک پڑا اثر اور پر جوش طریقہ سے بیان کی گئی ہیں۔

لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہم چند بے بازاری سے لکھ کر اس سے آدھا خرانچ نہیں بھی وصول نہیں کیا جس کے وہ حقدار ہیں۔ (خاص)

جو..... ان کی کمزوریوں کو فلسفیانہ نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ ان پر اس تسلط کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ غور و جان ایک ہماری بھرم عورت تھی۔ پڑوس والے اسے توپ یا موٹر کار کا کرتے تھے۔ وہ لکڑی اوپنے، بانڈیاں اور مٹی کا تیل بچتی تھی۔ اس کی دوکان پر ایک خاص قسم کی عورتوں کا جھگڑنا رہتا تھا۔ رات دن ایک خاص قسم کے چرچے ہوا کرتے تھے۔ وہاں جو بی نے سمن کے حق میں فیصلہ دیا۔ کون بیڑ ہے جسے کبھی ہوا نہیں گئی۔ بچہ یا اس لٹھ گنہ اس کے پنے پڑی تھی۔ پٹنے اور اوروں سے کوترستی تھی۔ اب کچھ دن تو جین سے نکلیں گے۔ صورت شکل اللہ اسی لئے دیتا ہے اور کا ہے کے لئے موتی کی مالا سور کے گھے میں کیا سوچا دیگی؟

اسی طرح جب پدم سنگھ اور جھل داس ڈاکٹر شمشیا ماچرن سے ووٹ مانگنے کے لئے جاتے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں:-
شیا ماچرن۔ آپ کی تجویز سے مجھے کمال ہمدردی ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ میں گورنمنٹ کا نامزد ممبر ہوں۔ جب تک وہ تحقیق نہ ہو جائے کہ گورنمنٹ اس تجویز کو پسند کرتی ہے یا نہیں اس وقت تک میں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔

جھل داس نے بے تمیز انداز سے کہا۔ جب ممبر ہونے سے آپ کے خیالات کی آزادی میں فرق آتا ہے تو میرے خیال میں آپ کو استعفا دیدینا چاہئے۔ تیوں آدمیوں نے جھل داس کی طرف ملامت انگیز نظروں سے دیکھا۔

بازار جن کا ترتیب قصہ یعنی ملاٹ بہت مربوط و منظم نہیں ہے۔ اس میں امراد و جان داد والا حسن ترتیب نہیں پایا جاتا۔ اس میں دو نقص ہیں ایک تو یہ کہ وہیں پڑھتے وقت پر محسوس ہوتا ہے کہ مصنف ایک خاص نغے کو سامنے رکھ کر اس تک پہنچنے کی پوری کوشش کر رہا ہے۔ کتاب کے تمام واقعات ایک دوسرے کے بعد اس طرح آتے ہیں گویا ایک کھوکھرا پرانے معلق کے اصول پر ایک زنجیر کی صورت میں پیوستہ ہیں۔

جاسکتا ہے۔ انسان ہی من مصلحت فحکام کا صحیح موضوع ہے۔ برگردان کا اگر یہ قول پوری طرح تسلیم نہ کیا جائے تو بھی ظاہر ہے کہ ہنسی کا سب سے بڑا موضوع انسان ہی ہے +

اور حقیقت تو یہ ہے کہ جب شریر لڑکے کسی کتے کی دم سے ٹپک کا ڈبہ باندھ کر اس میں پٹانے بھر کر چھوڑ دیتے ہیں تو کتے کی سرسبکی پر جو ہنسی اور قہقہہ پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ محض یہ ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کتے کو کتنا نہیں سمجھتے۔ بے شعور تصور نہیں کرتے۔ بلکہ یوں تصور کرتے ہیں کہ اس میں انسانی شعور اور تیز سراسر مادہ موجود ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کو کام میں نہیں لاسا۔ اور خواہ مخواہ ایک بے ضرر آواز سے سرسرایید و حیران ہمدہا ہے +

آپ نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ اگر کتے کو اس شرارت کے دوران میں کوئی طرہ پہنچ جائے۔ زخمی ہو جائے یا آگ لگ جائے تو ہنسی اور قہقہہ ختم ہو جاتے ہیں۔ کتے کی سرسبکی اور حیرانی مٹھک نہیں رہتی۔ کیوں؟ — اس لئے کہ اب ہماری کتے سے ہمدردی ہو گئی ہے۔ ہمدردی ہنسی کے شافی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہنسنے والے بیدار ہوتے ہیں۔ ہاں یہ غمزدی ہے کہ جس وقت ہم ہنس رہے ہوتے ہیں اس وقت ہمدردی کا، بلکہ فرم کا جذبہ معفود ہوتا ہے۔ ہنسی کا تعلق دل سے نہیں دماغ سے ہے۔ یہ ایک بے الفاظ تغیت ہے جو ہم انسانی عادات و افعال پر کرتے ہیں +

غالباً غفلت کی سب سے بڑی رافعت بھی یہی ہے کہ یہ تغیر ہے اس سے حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ ظاہری پر دے آنکھوں کے آگے سے ہٹ جاتے ہیں۔ ہنسا میں تیز ہو جاتی ہیں اور متعجب کی گہرائیوں کو سطح پر اُبھار لاتی ہیں۔ انسان کی یہ ظاہر دار ہاں۔ بناوٹ اور تضحیل۔ سب کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ اور ہر چیز اپنی اصلی صورت میں نمایاں نظر آنے لگتی ہے۔ ہنسی ہنسی میں بہت سے اہم امور تصفیہ پا جاتے ہیں +

لگا رہتا۔ وہ اسی غمزدگی میں نہمک تھا کہ اس کے پاس سے ایک بہت بڑا انسان گزرا۔ جسے دیکھ کر اسے اپنے پرانے بزرگوں کی ان صناعی کی غمزدگی کا احساس ہوا جو ان میں کھائے اور بے حسی کے متعلق اعتدال کا ذکر تھا۔ یہ شخص ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور غمزدگی کو بلا کر چلنے کے لئے کہا۔ اور ساتھ ہی بہت سی مٹھائی بھی منگوائی۔ خدمت گار سب کچھ لیکر بھاگ بھاگ آیا تھا۔ کلاس فریڈم نے انگریزی اور ہاتھ اس طرح بے تحاشا ہاتھ پھیلائے کہ چلنے والی فٹری سے ٹکرائے۔ چائے والی فٹری سے آٹ کر اس کے سر پر پڑی اور گرم، بلقی ہوئی چائے اس کی گزروں میں کوٹ اور قمیص کے درمیان آگئی اور لگا وہ فیصل ناخص ناچنے کو دے۔ یہ بدینہ تیز تو نیر سے شاق گذر رہی تھی ہمارے تیار نے جو مرکز دیکھا تو اسے اپنے پاس ہی ایک جوڑا نظر آیا۔ بڑا فافو لباس پہنے ہوئے تھا اور نہایت مذہب افراد پر مشتمل تھا۔ یہ دونوں مرد اور عورت بھی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور ایک دوسروں کے دونوں نے سر جھپکے۔ ہینک دیا اور منہ کھول کر مجھ بے معنی آوازیں نکالنے لگے۔ اور پھر دھچکے دیکھتے۔ یہاں۔ وہاں۔ ہر کہیں۔ ہر کوئی اسی قسم کی حرکات کرنے لگا۔ تمام کمرہ اس جوانی چیخ و پکار سے گرجنے لگا کہ سب لوگ منہ کھول کر ہجو تک سے رہے تھے۔ جو مذہب آدمی کے منہ سے نہایت کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ یہ نقشہ در یک سب پر قائم رہا اور ہمارا سب تیار اس وقت تک منظر سے ایسا گھبراہٹ کا فوں میں اچھٹا دے کر بھاگ اٹھا اور بدھا چڑھ گیا کہ دم بیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ دنیا میں انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ محض لباس اور ظاہری دکھاوا ہے۔ ورنہ مذہب ترین انسان حقیقت میں وہی وحشی حیوان ہے اور کچھ نہیں۔ ان خیالات نے اسے دنیا سے خنجر کروا دیا۔ اور وہ فوراً اپنے سب سے فٹری میں واپس چلا گیا۔ ہمارے تیار نے پہلی اور آخری مرتبہ قہقہے کا مشاہدہ کیا +

ہمارے فاضل تیار نے انسان کی ہیبت کے متعلق جو رائے قائم کی۔ غالباً وہ بڑی حد تک صحیح ہے۔ لیکن قہقہہ یعنی غمزدگی پر اس رائے کی تصدیق کی دلیں نہیں بن سکتا کیونکہ یہی ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو حیوان سے ممتاز کرتا ہے +

مختلف عالم میں انسان ہی جی کھول کر پٹ بھر کر ہنس سکتا ہے۔ قہقہے کا سکتا ہے۔ یہی نہیں کہ انسان کی تعریف نہیں ملے والا حیوان ہو سکتی ہے بلکہ مرگاہی کے قول کے مطابق انسان ہی فقہہ حیوان ہے جس پر ہنسنا

محمد دین تافیر

“موت“

از جناب قاضی سید مختار حسن صاحب لی - اے - ملنگ

کایہ دور ختم ہو گیا۔ اُس نے مجھ سے محبت نہ کی۔ اور اس احساس نے میری زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا +

دنیا کی کسی چیز میں میرے لئے جاذبیت نہ رہی۔ زندگی کے تمام تعلقات اور تمام پہلوؤں کے متعلق لطیفیات یکسر چل گئے۔ اُس مایوسی کے بعد کوئی چیز میرے لئے اپنی جگہ پر استوار متعلق اور قابل یقین نہ رہی۔

محبت کو اضمحلال دماغی سے تعبیر کرنے لگا۔ اور دوسروں سے توقعات اور اپنے رکھنے کو قبل ندادانی سے مجھے نظام کائنات میں شیطانی قوی کا ثبوت نظر آئے۔ اور محسوس ہوا کہ کوئی اخلاقی جہ و جد اور روحانی نیرو برکت باآورد نہیں ہو سکتی۔ کامیابی ایک عمل تصور رہے۔ وقتی اتفاقات کو لوگ اپنی تنگ نگاہ ہی کے باعث کامیابی اور ناکامی سے تعبیر کرنے لگتے ہیں۔ نظام اخلاق کو نظام کائنات میں جھونکنے کی کوشش حضرت انسان کی کمزوری اور مصلحت کی بنا پر رہے۔ خیر و شر کا تصور تعویث کے مرادف ہے۔ توقعات کی خوش فہمی ایسی ہیالٹ اور نادانی کی طرف سے جاتی ہے۔ جس میں خود نگوار ہی تو موجود ہے۔ مگر حقیقت کا پتہ نہیں.....

غرض کہ ان ہی تصورات کی کشش میں وقت گزر رہا تھا۔ دنیا کی وہ حقیقت جو مجھ پر آشکارا ہوتی تھی۔ میرے لئے سوانح روح تھی۔ ایک عرصہ تک اس کاوش میں مبتلا رہنے کے بعد موت کا سوال ذہن میں آیا جو اپنے ساتھ ہی یہ احساس بھی لایا کہ سوسائٹی میں خود کو کبھی جو جہم قرار دینے کی علت صرف انسانی بڑبڑی اور لذت اندوزی ہی سے محروم ہو جانے کا خوف ہے۔ ورنہ زندگی میں اتنی بے معنویت پیدا ہو جانے کے بعد اپنے ارادہ اور اختیار سے زندگی کا خاکہ کر دینا کسی نفس مستحسن سے کم نہیں +

ایک عرصہ ان ہی خیالات کی کشش میں گزر گیا۔ اور مجھے سکون نصیب نہ ہوا۔ میں نے اپنے خیالات کا جائزہ لیا اور اپنے نظریہ حیات کا قیام نظر ڈالنے سے اپنے خیالات کی وقعت میری نظروں سے گزر گئی۔ کچھ عرصہ اپنے خیالات سے نفرت پیدا ہونے والے اثرات کے تحت

میں شیعہ سرکری طرح دم واپس کھینچ رہا تھا۔ دنیا کی وسعت میری نظروں میں سمٹ کر رہی تھی۔ عمر رفتہ کے واقعات ایک ایک کر کے میری نظروں کے سامنے سینما کے فلم کی طرح گزر رہے تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ زمین، آسمان، چاند، ستارے، ملکیتیں میری طرحت محبت سے دیکھتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اور ان دلکش مناظر میں جذب رہنے سے میری روح بالیدہ ہوتی تھی۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میری روح کے مقاصد اس سے بالاتر ہیں۔ یہی سبب تھا کہ ان مناظر سے دلچسپی محض ان کی وجہ سے نہ تھی۔ جب ان کے اثر کے ساتھ ساتھ نئے حقائق میری ہستی پر منکشف ہونا نظر محفلت سے اثر پذیر ہونے کا دور ختم ہو گیا۔ ہاشم کی جرات رندانے میرے سامنے ہاشم جات کی کھوکھاریاں جذب کرانے کے لئے فردوس جہالت کا تصور پیش کیا اور میری خیالی دنیا کو کبھی قیامت میں نمودار ہونے والی تھی۔ حین بن کر میرے سامنے آئی۔ لیکن اس اثنا میں واقعات مجھے اپنے تصورات کی تابانگیوں کو تاریک دیکھنے کے لئے مجبور کرتے رہے +

بات خراب ایک وقت آیا جب میرے ماحول نے میرے لئے ایسا اتفاق مہیا کیا کہ میں ایک انسانی وجود سے محبت کر سکوں اور بدترجیب دلچسپی شروع ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ میری زندگی پہلے سے زیادہ دلکش اور میرے تصورات پہلے سے زیادہ دلکش ہو گئے۔ میرے حسن کا تخیل نے ہر چیز میں نئی خوبصورتی سے اس کی تصویر میرے سامنے پیش کی۔ میری دنیا محبت کی دنیا تھی۔ میری زندگی میں شہریت پیدا ہو گئی تھی۔ جب ہوائیں تھم جاتیں۔ آبادی کا شور خاموشی میں بدل جاتا۔ دو دو ایسی کریش جھاڑیوں۔ پیوولوں۔ پتیوں اور پانی کی سطح پر دو لہروں سے کھرجاتیں۔ میں ندی کے کنارے ایک چٹان پر بیٹھا ہوا اُس سے محبت کا جواب محبت میں پانے کی متنازعہ کامیاب دیکھنے کا تصور کرنا لگتا تھا۔ محسوس ہوتا کہ ہر دونوں غم و اندوہ کی دنیا کو یکسر بدل کر اس کو اپنی مرضی کے مطابق از سر نو تعمیر کر سکیں گے۔ مگر زندگی

مقابلہ عزم پر پیش نظر کرنا کہ اپنے دل میں ایک قسم کی ہمدردی محسوس کی۔ میرے اس غمو کو کم کرنے والا میرے بزرگ بھی نہیں ہے +

اس عرصہ میں مجھے اپنے قوائے نفسی بہت تیز رفتاری سے ترقی کرتے ہوئے معلوم ہوئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مجھے اپنی اس حرکت پر ندامت ہوئی کہ میں تو فحاش خیر اخلاقی میں دوسروں کی طرف سے جرم تشکیل کا مرتکب رہا۔ حالانکہ مجھے دوسروں کی طرف سے اس قسم کی بے اعتدائی دیکھنے کا کوئی حق نہ تھا۔ ان ہی خیالات کے ساتھ دوسروں کی طرف سے اذعان

خیر پیدا ہوا۔ اور ان تمام مارج افراد میں جو مسائل اخلاقی حیات میں حل کر سکا۔ یہ سب کچھ خدا کا کرم تھا۔ لیکن ابھی تک میں نے اپنی زندگی میں کامیابی کو تو فحاش خیر سے متعلق کیا تھا۔ مگر ناکامیوں اور ناکامیوں سے احساس رنج پر مجھے اعتبار حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہ تکمیل کی دوسری

کوشش میں سے ایک تھی۔ میں بیکار بیمار پڑا میری حالت نے طول کھینچا۔ میری سوت میرے پیش نظر رہنے لگی۔ کم عمری میں مرنا کیے تکلیف دہ تصورات نے میری محنت کو گرا دیا۔ تندرستی کی امید کم ہوتی گئی۔ چونکہ میرا فرض میرے بعض معاشقوں کے نقطہ خیال سے تپ تھا۔ اس لئے وہ اپنی معاشقہ

کے مطابق جانبری کی توقعات بھی پوری نہیں ہوئے تھیں۔ جتنی کچھ مجھے یقین ہو گیا کہ ہر شخص کی زندگی کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ جس کے وہ پہلو ہوتے ہیں ایک خدا کے نزدیک اور دوسرا انسان کے نزدیک۔ اگر انسان دونوں کو

نہ سمجھ سکے۔ مرنے والے تصور خود موت سے زیادہ تلخ اور ناگوار ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنے آپ کو تسلی دی کہ جب تک زندگی کا مقصد جو ایک خاص حد تک ترقی کرنے پر مشتمل ہو جائے۔ موت بے معنی تصور ہے۔ جب وہ

مقصد پورا ہو چکے تو حقیقتاً زندگی بے معنی ہے۔ یہ سوچ کر میں نے ایک قسم کی مسرت محسوس کی اور تقریباً ایک سال کا عرصہ ایک منٹ میں گزرتا ہوا معدوم ہوا +

میرے اعزاء میری اس خاموشی کو بے ہوشی سے تعبیر کر رہے تھے۔ لیکن میں جاننا تھا کہ میری کیا حالت ہے۔ مجھے یقین ہو چلا کہ اب وہ وقت قریب ہے جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ اس لئے میرا دل چاہا کہ اپنے عزیزوں کو آخری بار دیکھ کر ان سے رخصت ہوں۔ میں نے انھیں کھول دیں۔ میری بہن امیرا دوست امیرا بھائی، میرا باپ بیچارہ مجھے

سب سے زیادہ عزیز تھے۔ یہی میری قبل از وقت موت کے تصور سے ملنے

خاموشی میں گذر گیا۔ اس کے بعد مجھے یقین پیدا ہوا کہ اگر انسان اپنے متاعِ انانیت کے تحفظ کے لئے تمام قوائے کائنات کے مقابلہ کا جذبہ اور جوش لے کر برسرِ عمل آئے تو دنیا کی تمام قوتیں ملکر بھی اس کو پسپائی کی طرف کھینچنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے اپنے ارتقا بذہنی کے اس دور میں کی طرف اخلاق اور فرائض و حقوق کا معتقد رہا۔ اور میری زندگی کم و بیش اس اصول کے مطابق رہی کہ اپنی ذات سے مطالبہ حقوق و ادائیگی فرائض میں جتنا سہارا کروں اسی حد تک دوسروں سے توقعات رکھنے کو ناروا، ضعف فطرت اور پسپائی اخلاق سے تعبیر کر کے شبہ دور کرنے کی کوشش کرتا رہوں +

اب جو مہم تھی "اعزائم، نصب العین، حیات اور حصول کامرانی کی فضا" میرے لئے، یعنی جو کچھ تھیں۔ میں نے اپنی زندگی کے ایام رفتہ کا محاسبہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ میں غلط فہمیوں میں مبتلا رہا کہ اپنے مقاصد حیات سے بیگانہ رہا۔ یہ خیال آئے ہی میں مشاغل میں میرا وقت فیر چھپ اور غریبیاں

ملاحظہ پر صرف ہوتا تھا وہ میرے لئے دیکھ چکے۔ وہ مشاغل حیات جو پہلے ایک شخص القواء اور اذائف الاہل ان کے صرف اوقات کا ذریعہ ہونے کے ضامن تھے۔ اب ایک طالب علم کی مشغلتی حیات مرفعی کے اجارہ

دار تھیں۔ میں نے کامیابی کے ساتھ ان منافقات کا مقابلہ کیا۔ جو میری علمی ترقیات میں حائل تھے۔ اور میں بنی۔ اس کے امتحان میں کامیاب ہو کر اعلیٰ تعلیم کے لئے ذرائع مہیا کرنے میں مصروف ہوا +

جن حالات و واقعات کو اس زمانہ سے پہلے پیش آنے پر میں محض اسباب و علل کا نتیجہ خیال کرتا تھا۔ اب ان کا اپنے ارادہ اور توفیق ربانی سے متعلق کرنے لگا۔ حیات اجتماعی میں جہاں احوال میرے خلاف ہوا وہاں صرف یہ خیال میرے لئے باعث سکون رہا کہ تمام سوسائٹی صرف ایک

بالاتفاق انسان پیش کرنے میں کامیاب ہو سکی تو بھی کم قابل قدر نہیں کیونکہ اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود ایک خیر فحاش کی کار ہو سکتی ہے۔ وہ ممکن ہے وہ مکمل انسان ہی میں ہی ہو سکوں۔ بشرطیکہ میری حالی مجھے تھی۔ اگر حالات سے بے نیاز کرا سکتے۔ چنانچہ یہ خیال تھا جس نے ایک عرصہ تک مجھے یک طرفہ

محاسن اخلاق کا معتقد رکھا۔ میں دوسروں کے ہر ایک ایسے طرز عمل کو جو فحاش تو تھی یا کسی اور بنا پر تکلیف دہ تھا۔ دوسروں کی قابل درگداز دوسری سمجھ کر بھلا دینے کے لئے تیار رہا۔ ان حالات کے تحت میں نے تمام ان متعلقین کے لئے جن کے ہاتھ سے مجھے تحلیف پہنچی تھیں۔ ان کی تنگدستی اور ناامانی

وفا نہ کرنے کے باعث اس کے پورا نہ ہونے کی مجبوری پر معذرت اور اظہارِ افسوس کیا۔ تاہم یہ بات زیادہ تکلیف دہ نہ تھی کہ دنیا کی ہر چیز ہماری توقعات کے مطابق نہیں۔

آج بھان آج تمہارا کھلونا ٹوٹ جائے گا، میری بہن کی چیخ بھل گئی۔ میرے پھر آنسو نکل پڑے۔ میرے بھائی نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے میرے آنسو پونچھ دیئے۔ میری زبان نے لکنت کی۔ جب میں نے کہا کہ اب جا رہا ہوں پھر نہ آؤں گا۔ آج تم اپنے ہاتھوں سے کفن ڈراؤ نا۔ یہ میری جوانی کی پوشاک ہے۔ تم نے بچپن میں محبت سے مجھے کپڑے پہنا رکھے۔ اس وقت بھی تم ہی یہ فرض ادا کرو۔۔۔ میری بہن پچھنے کی طرف گر پڑی۔ موت! محبت موت سے کشاؤرتی ہے۔ محبت اور جدائی میں کیا ڈراؤ نا تفاوت ہے۔ میرا بھائی مجھ سے پٹ گیا۔ میں نے تسلی دی مگر جذبات قفل کو ٹھکراتے ہیں۔ اس لئے اس جہم باس، الم میں میرا تسلی دینا بیکا ثابت ہوا۔

میرا دوست مجھے دیکھا کیا۔ میں نے اشارہ سے کہا میرے قریب تر آ جاؤ۔ ہمیشہ کہان! میرے قریب آیا۔ آجک میں نے اسے روئے نہ دیکھا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا۔ میں نے کہا تو نے دوستی کا حق ادا کیا، میری روح تیری محبت سے شگفتہ ہوئی تھی۔ اور میں تجھے مصیبت میں اپنے ساتھ دیکھتا تھا۔ تو خوشی میں میرے ساتھ رہا۔ میں خوش نصیب ہوں کہ تیرے سامنے جان دے رہا ہوں موت سے گھبرا نہیں رہا۔ اس کا تصور میری طمانیت میں فرق نہیں لاتا۔ موت سے قلعہ خفا ہو جانے کا تصور قریب خیال ہے۔ اس کے بعد مجھے یکا یک ایک جھٹکا، میرا چہرہ رو کو ضبط کو تنگی کو کشش میں تنہا تھا۔ ایک لمحہ تک نشیج کیفیت سی رہی۔ میرے جسم کی روح کھینچ رہی تھی۔ میں دل نہ سکا تھا۔

میری ہچکچاہٹوں نے میرے متعلقین سے اور بالخصوص میرے دوست سے میری گذشتہ غلطیوں کو غصہ دینے کی التجا کی اور معافی چاہی۔ اس کے جواب میں میرے دوست نے کچھ کہنا چاہا لیکن معصوم دوست۔۔۔ کے سوائے اس کی زبان سے کچھ نہ نکلا۔ یہ معاملہ میری بہن کے لئے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ جس کو میں نے فوراً ہی محسوس کیا۔ مر جانامی دراصل تمام غلطیوں کی تلافی سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد معافی کی گنجائش نہیں رہی۔ اس کے بعد میں نے اپنے متعلقین کو اپنے بدولت کھول کر دوسنے کی تلقین کی

ٹھیک تھے۔ میری جوان موت پر میری بہن کے احساسات ناقابلِ برداشت تھے۔ اس پر اپنی بے بسی کا احساس۔ "میرے کھلونے!۔۔۔ میری دولت!۔۔۔ اللہ!! تو مجھے اٹھالے اسے اچھا کر دے" (میری بہن نے کہا) میں نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ میری بہن کی التجا کسی پروردگار کی میری آنکھیں ڈبڈبائیں میری آنکھوں کا نزع کے عالم میں بھرنا میری بہن کے ضبط کو پاش پاش کر دینے کے لئے کافی تھا۔ مجھے تسلی دیتی رہی لیکن اضطراب اس کی ہر حرکت سے عیاں تھا۔ میری موت قریب تر ہوتی جاتی تھی۔ میرے ہونٹ بالکل خشک تھے۔ پیاس کی شدت تھی۔ میں نے پانی مانگا۔ بہن نے پانی کی بوتل میرے حلق میں ٹپکا دی جس سے ایک گھٹکتی ہوئی۔ میرے دوسرے باپ کو جس نے میری ماں، بہن، بھائیوں اور دوسرے عزیزوں کی موت اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ یہ ابھی طرح معلوم تھا کہ موت کیونکر ہوتی ہے اور میری حالت بھی جانکتی کی علامات سے خالی نہ تھی۔ تاہم اس خیال سے موت کا نام کسی کی زبان پر نہ آتا تھا۔ کہ مجھے تکلیف ہوگی۔ میرے باپ کے حزن و دلال کی کوئی انتہا نہ تھی۔ دل بٹھا جا۔ ہاتھ اور تمام تنہاؤں کا فائدہ ہوا چاہتا تھا۔ کیونکہ میں ہی گھبرا چلا تھا۔ میری بیادنت اور سوادت پر فخر کرنا تھا۔ افسوس کہ امید کی لہر انگیزیاں ناامیدی کے جہنم میں گم ہوئے تھے۔ ہمیں باز کھتی ہیں۔ مگر تھوڑے عرصہ کے لئے۔ چنانچہ وہ وقت قریب تھا کہ میری جوان موت کے صدمہ سے میرے فیض باپ کا دل ٹوٹ جائے۔ تمام آئناؤں کا روپ کھینچے۔ میری زندگی کے چند لمحات باقی تھے۔

میرا دوست مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی زبان خاموش تھی اور آنکھیں خشک۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس پر کیا گذر رہی تھی۔ اتنا اندازہ ضرور تھا کہ وہ کسی کشش میں مبتلا تھا۔ میری کیفیت متغیر ہونے لگی۔ گرین کینج ہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جسم کا ریشہ کسی نرم چیز سے انجمائی ضبط دلی کے ساتھ بندھ کر بے حس ہوتا جا رہا ہے۔ دل ڈوبا جاتا تھا اور ہر حرکت اپنی سے زیادہ آہستہ ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ سینہ پریت بڑا بوجھ رکھ رہا گیا ہے۔ سینہ میں سانس بھرا ہوا ہے۔ مگر سانس کی نالی کسی کے ہاتھ میں ہے۔ کھلتی ہے اور بند ہو جاتی ہے۔ پوری طرح سانس نہیں لیا جاتا۔ میری تشنگی بڑھ رہی تھی۔ میرے حلق میں پانی ٹپکا گیا۔ میں نے اپنے والد کو زبردستی بلا کر ان کی خدمت کرنے کی آرزو ظاہر کیا اور صبح کے

معلوم ہوا کہ اب تمہاری اس دنیا کی زندگی ختم ہو گئی اور ایک طبعیت سی شے میرے سینے سے ہوتی ہوئی آئی اور آنکھوں سے گزرتی ہوئی معلوم ہوئی تو اتنا ایسا دردناک تھا کہ مجھے ہوا میں

ایک کھل سکون مجھ پر طاری ہو گیا۔ اب وقت کا اندازہ ناممکن تھا۔ اتنے میں مجھے اپنے بدن میں ایک عجیب محسوس ہوا۔ اور زور زور کی آوازیں آنا شروع ہوئیں۔ اس کے بعد ایک شدید جھکے پھر لگا دیں چونک پڑا۔ اور صبر سے ہر طرف دیکھنے لگا کہ میرے اللہ ہی وہ جگہ ہے جہاں رو میں مجھے ملتی ہیں یہ تو سرگزشتیجے بلند آئیگی۔ ارے تو! یہاں لال لال گلیاں اور زور زور دگرتے کیسے! یہ تو فرشتے نہیں ملکوتی کے علی ہیں۔ آنکھوں کو دوڑیوں ہاتھوں سے زور سے مل ڈالا۔ ذرا ہوش درست ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہ تو خواب کی طلسم انگیزیاں تھیں جتنی تالی گزرتی تھی۔ میں ابھی زندہ ہوں۔ گھبرا کر اپنا انجی کیس سینھا اور گیت سے گدگد کرنا لگے میں اب بٹھا

کہو کہ مجھے جھکا کر کے مفر نتائج کا بھی اندازہ تھا۔ حزن و ملال کے جو آنسو ہماری آنکھوں سے نہیں بہتے وہ کوش زنجبی اور افعال کی بے برہمی کی صورت میں بہ نکلتے ہیں جو پستل سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ مجھے گوارا نہ تھا +

ایک شخص یسین پڑھنے لگا۔ میں پاکیزگی قلب سے سننے کے لئے - متوجہ ہوا۔ میری نظر بلند یوں پر پھر رہی تھی۔ اب کسی کے رونے کا اثر میرے دل پر نہ ہوتا تھا۔ میں دنیا سے قطعاً بے خبر ہو چلا تھا۔ آسمانی جاوے نمودار ہونے لگے۔ نورانیت برسنے لگی۔ اور پاکیزگیاں مسکرانے لگیں طبعیت ترین موسیقیت میری سامعہ نواز ہوئی۔ ان ہی نغمات میں سے ایک نغمہ معصوم آواز کی صورت میں میرے کانوں تک آیا۔ "بھائی جان امی جان آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ انہوں نے مجھے آپ کو بلانے کے لئے بھیجا ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ میرے درجہ جھوٹے بھائی کی روح مجھے بلانے آئی ہے۔ اب رونے کی آوازیں شہر کے فوج میں دور سے گونجنے ہوئے آبادی کے شور و غوغا کی بی معنیت میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ مجھ پر شفقت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ کوئی مجھ سے یہ کہتا ہوا

فلسفہ علاج بالمثل

(مصنفہ ڈاکٹر ایم ضیاء الدین صاحب)

یورپ میں بالخصوص اور ہندوستان میں بالعموم ہومیو پیتھک طریق علاج کو بہت ترقی حاصل ہو رہی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہومیو پیتھک جن اصولوں پر قائم کیا گیا ہے وہ طب مغرب و طب ہوانی و دیگر سے زیادہ محسوس اور قرین عقل ہیں۔ ہندوستان میں ابھی تک ہوسا پیتی کو اس لئے عروج حاصل نہیں ہوا کہ جو لوگ معالج ہیں وہ تمام کے تمام باقاعدہ تعلیم یافتہ نہیں۔ دویم قتالٹر پچر اردو زبان میں شایع ہو چکا ہے وہ غیر مدبر کے تھامہ

ڈاکٹر ایم ضیاء الدین نے فلسفہ علاج بالمثل لکھ کر ہومیو پیتھک طب پر احسان عظیم کیا ہے۔ یہ کتاب بتلاتی ہے کہ ہومیو پیتھک طب کا اصول کیا ہے؟ ہر علم دوست اور ہر ہومیو پیتھک طب کا فاضل ہے کہ وہ اس کتاب کا ضروری مطالعہ کرے۔ ہمارے خیال میں اس وقت تک ہومیو پیتھک پر جس قدر کتابیں اردو زبان میں شایع ہو چکی ہیں ان میں یہ سب سے بہتر اور افضل ہے +

فلسفہ علاج بالمثل بالکل انگریزی طرز پر شایع ہوا ہے۔ کتابت کا غذا اور جلد ب کچھ دلائی کے لگ بھگ ہے۔ حجم، صفحہ اور قیمت صرف بیس ہے جو اس کی خوبیوں کے بالمقابل بہت کم ہے +

ڈاکٹر ایم ضیاء الدین - کفرہ ماسنگر امرت سر سے طلب فرمائیے +

ادب لطیف

(ہنگامی زبان سے براہ راست)

گھوڑا

از جناب ڈاکٹر ایم ضیاء الدین امرتسری

جب اس دنیا کی تخلیق کا کام ختم ہونے پر آیا تو برصا کے دل میں ایک نیا خیال پیدا ہوا +
 آپ نے نیچر سے بلا کر کیا؟ - نیچر! جا میرے کارخانے میں سے پانچوں عنصر تھوڑے تھوڑے آگے لا۔ ایک نیا جانور پیدا کرنا چاہتا ہوں +
 نیچر نے دست بستہ عرض کی :- حضور! گناہی معاف! جب آپ نے جوش میں آکر باقی پیدا کئے، بیل، مچھلی، اڑدھار، شیر، ہر اور چہیتے پیدا
 کئے تو اس وقت خرچ کی طرف آپ نے ذرا توجہ نہ فرمائی۔ جب قدر بڑے بڑے اور کڑے جانوروں کا مصالحہ تھا، تمام ہوا چاہتا ہے۔ آگ، پانی اور ہوا
 تو مشکوں کی تہ میں جاتے ہیں۔ باقی رہ گیا ہے، ابھی سو دھند آپ جا ہیں +
 برصا نے مونچھوں کو تاؤ دے کر کہا :- اچھا، جو کچھ بچا کھچا ہے لے آ۔ دیکھا جائے گا +
 اس دفعہ جانور تیار کرتے وقت برصا نے مٹی پانی اور آگ کو ڈھاکھ روک کر استعمال کیا، اس جانور کو نہ تو سینگ دینے نہ پیچھے دانت دینے تو
 ان سے چاہنے ہی کا کام حل سکیتا تھا، پھار کھانے کا نہیں۔ آگ، البتہ اس جانور کی عظمت میں صرف کی گئی اور یہ سب اسی سبب تھا کہ جانور میدان جنگ
 میں کچھ کام آنے کے لائق تو ہوا، لیکن جنگ کی خواہش اس میں باقی نہ رہی۔ یہی جانور ہے گھوڑا +
 جو کچھ بھی ہو، دنیا کے خالق نے جی کھول کر اس میں اس قدر اور اتھر بھریا۔ اور تیرہ اس کا یہ ہوا کہ تیرے کا دل سوراٹنے آزادی کی طرف مائل ہوا۔
 وہ ہوا کے بھی آگے ہی چلنا چاہتا ہے۔ کھڑا ہے تو گویا اس کا محدود آسمان کو پار کر جائے کی دل میں تھان کر کھڑا ہے۔ دوسرے جانور تو کسی وجہ سے
 دوڑتے ہیں۔ یہ بلا کسی وجہ کے دوڑتا ہے، بس اپنے ہی آپ سے نکل بھاگتا چاہتا ہے کسی کو ارنا نہیں چاہتا۔ ننگا دوڑنا چاہتا ہے۔ دوڑنے
 دوڑتے ہوا ہوا جائے۔ برق ہوا جائے، نیست ہوتا ہے۔ اہل غم کہتے ہیں کہ دعائیں آگ اور ابھیر جب مٹی اور پانی آگ میں پورے طور پر چھوڑ دیں تو
 بھی ہوا کرتا ہے +
 برصا حشر ہو گئے۔ دوسرے جانوروں کو رہنے سننے کے لئے مختلف مجلس دی ہیں، کسی کو جنگل دیا ہے تو کسی کو غار، لیکن اس کی جود و بھائیگی
 تو اسے غائب کرنا تھا، مگر اس نے میدان میں گھومتے
 میدان کے کنارے ہی رہنا تھا، انسان۔ لوٹ مار کے وہ جو کچھ بھی تیر گونا تھا، ایک ہو جو جو جانا تھا۔ اس نے جب اس نے میدان میں گھومتے
 کو یوں چھوٹے دیکھا تو دن میں سوچا کہ اگر اس جانور کو کسی طرح پکڑوں تو مجھ کو بار بار آدمی کے لئے ڈرے ہی آرام کا باعث ہو +
 ایک دن اس نے کمال عیاری سے گھوڑے کو جال میں پھانسی لیا۔ پھر کیا تھا۔ اس کی پیٹھ پر زمین اور منہ میں گھاسے، دانی لگام دے کر اسے

پینے لگا۔ بوٹ سے اسے ہم سفر کرنا۔ طرح طرح سے ملنا کرنا +

میدان میں چھوڑ دینا تو گھوڑے کو اتار دیا۔ اونچی اونچی دیواریں بنا کر گھوڑے کو محفوظ کر لیا۔ غیر کے لئے جنگل تھا، وہ سدا جنگل ہی میں رہتا ہے۔ چیتے کے لئے نافرمانی۔ اسے غائب سے نہ لے والا کوئی نہیں۔ گھوڑے کے لئے کھلا میدان تھا۔ لیکن اسے اسٹبل میں لاکر باندھ دیا گیا۔ جانور کی طبیعت آگ اور ہوانے اسے آزادی کے لئے بہت آگیا، لیکن قید سے چھوٹ نہ سکا +

جب حالت بالکل نامقابل برداشت ہو گئی تو گھوڑے نے دو لٹیاں مایہ شروع کیں لیکن جب قدر اس کے پاؤں میں زخم ہوئے دیوار پر اسقند نشان بھی نہ ہوئے۔ جب دیوار کا چو نہ مٹی گر کر اسٹبل کی خوبصورتی میں نقص آنے لگا۔ تو انسان کے دل میں بہت سارے پیدا ہوا۔ اور بولا:۔ اسے کہتے ہیں ناشتہ گزارا جے دھانی، تنک حرامی، دانہ پانی اسے دیتا ہوں، یہ سب تو خدا کا سائیں اس کے لئے رکھا ہے۔ اور یہ میری طبیعت نہیں +

گھوڑے کو اسٹبل کرنے کے لئے سائیں نے ڈنڈا اٹھایا۔ اور اس طرح پٹا لگھوڑا آگیاں لہائی بھول گیا۔ انسان نے اپنے ہمسایوں سے بلا کر کہا: ”میرے اس جانور کی طرح اور کوئی جانور فرما کر نہیں آتا، توگوں نے بھی اس کی تعریف کی اور کہا ”وہ تو بانی کی طرح نرم اور مٹھسا ہے۔ جس بھائی میرے ہی مذہب کی طرح مٹھسا اور حلیم ہے!“

پہلے تو یہ کراس کے دانت نہیں۔ ناخن نہیں۔ سینک نہیں۔ اور پھر دو لٹیاں بھی موقوف۔ دل کا بخار نکالنے کے لئے وہ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر ایں میں ہیں۔ جو کر کے فریاد کیے لگا۔ تب تو ہمسایوں کی فہمیں بھی غل پیدا ہوا اور کہنے لگے ”آواز تو اس کی بجلی مانسوں کی سی نہیں، اس کا منہ بند کرنے کے لئے کئی طرح کے آئے ایجاد کئے گئے۔ لیکن دم بند کرنے بغیر منہ بند ہونا ممکن نہیں جس طرح جان کنی کی حالت میں کنی کر اسے کبھی کبھی گھوڑے کے چننے کی آواز اس کے گھٹے سے بھٹکتی ہے +

ایک دن یہ فریاد برہما کے کان میں بھی پہنچی گئی۔ مرا تیر میں سے چونک کر باہر نکل آئے۔ ایک دھندلے میدان کی طرف جو نظر دوڑائی تو گھوڑا امداد + آپ نے موت کے فرشتہ کو طلب کیا اور پوچھا:۔ ”یقیناً یہ تیرا ہی کام ہے۔ جتنا میرا گھوڑا نماں ہے؟“ موت نے عرض کی ”درد حضور جب کبھی آپ کو شہدے موابے تو مجھی پر ڈرا انسان کی بستی کی طرف تو کھانا ڈالے“ دینا کے خالق نے دیکھا۔۔۔ بہت چھوٹی تنگ دھار ایک جاگہ ہے۔ چاروں طرف دیواریں کھڑی ہیں۔ اور گھوڑا اس کے اندر کھڑا ہیں اب میں کر رہا ہے +

یہ دیکھ کر برہما بہت ہی ہتھکڑا ہوا۔ انسان کو مخاطب کر کے فرمایا:۔ ”میرے اس گھوڑے کو آواز کر۔ مگر نہ میں کشیر کی طرح اس کے دانت اور چنچے بنادوں گا اور تیرے کسی کام نہ آئے گا +

انسان نے کہا:۔ پھی چھی چھی۔۔۔ اس طرح تو شہد اور جاندار کا آواز دینا جس ترقی پائے گا۔ اور کچھ بھی ہو یہ گھوڑا تو آپ کا آواز ہی کے لائق ہی نہیں۔ اس کی بہتری اور ہمدردی کیلئے میں نے بہت سارے پیر خرچ کر کے یہ محسن بنایا ہے۔ ابھا خاصہ اسٹبل ہے +

برہما نے ضد میں آکر کہا: ”گھوڑے کو کچھ پیچھا نہ آئی پڑے گا +“ انسان نے کہا ”اگر وہی بات ہے تو چھوڑ دوں گا لیکن سات دن کی مہلت چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اگر آپ نے کہا کہ میدان میرے اسٹبل سے بستر ہے تو اس ناک تو آپ کے سامنے زمین پر گر کر ڈھکا +

انسان نے چلائی کی کی گھوڑے کو تو میدان میں چھوڑ دیا، لیکن اس کے اگلے پاؤں رستی سے کس کر باندھ دئے۔ اور گھوڑا اس مرن چہرہ پر ہرک کر پھینک دیا کہ میدک کی چال اس سے ہزار درجہ بہتر ہے +

خاقان کسات رہتے ہیں دور۔۔۔ بہت میں۔ انہوں نے گھوڑے کی یہ چال تو دیکھی لیکن اس کے پاؤں سے نہ مٹی جوتی رستی بہ آپ کی نافر نہ پڑی۔ اپنی مخلوق کی اس بے وسنگی چال کو دیکھ کر غم سے پانی پانی ہو گئے اور کہا کہ سخت غم کی ہوئی +

انسان نے کہا: ”اب میں اسے لیکر لیا کروں؟ اگر آپ کی آسانی یا دشمنیت میں کوئی میدان ہو تو کہئے وہیں روانہ کروں؟
برہما نے برگشتہ غماز ہو کر کہا: ”اے جا اسے اپنے اصل میں واپس لے جا“
انسان نے کہا: ”برہما جی! انسان کے سر پر جو بڑا بوجھ ہے“
برہما نے کہا: ”بے توانی انسانیت ہے“

(نیلور)

نئی دلوں

(از سادہ تری دیوی)

میں تو اس سے عاجز ہوں! یہ شرم نہ جانے کیوں میرے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ جہاں جاتی ہوں میرے ساتھ لگ جاتی ہے۔ جو کام کرتی ہوں اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ بولنا چاہتی ہوں تو لب پر ٹکڑی بیٹھی ہے۔ اپنے پی دیو (شرہر) کے پاس ہوتی ہوں تو میری آنکھ اور زبان سب کو بیکار بنا دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کو مجھ سے رقابت ہے۔ لیکن نہ جانے اس میں کون کی کشش اور کون سی طاقت ہے کہ میں کو کشش کرنے پر بھی اس کو اپنے سے جدا نہیں کر سکتی +

اس کی وجہ سے کل سے میرے ہر دے دیو (دل کے مالک) مجھ سے روٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک بار گوندھ کر نوکرائی سے بیٹھا۔ اس نند کی شرم سے میں خود نہ جاسکی۔ یہ بات ان کو ناگوار ہوئی اور نوکرائی سے یہ کہہ کر کہ ”میں اس سے اچھا یا ربا ناز سے خرید کر بہن ہو چکا“ انہوں نے ہار واپس کر دیا۔ میں گھنگنی کر میری بے جا شرم سے غما ہو کر انہوں نے میرے بار کی یہ تحقیر کی ہے۔ وہ جب اس کو قابل قدر سمجھتے کہ میں خود جا کر نند کرتی +
آج میں نے طے کر لیا کہ چاہے جو بھی ہو میں خود جا کر لانا پناؤں گی اور اپنے روٹھے ہوئے دیوتا کو سناؤں گی۔ میں پھلکاری میں لگی اور ایک گھنگنی چھاؤں میں میٹھ کر بار گوندھنے لگی۔ وہ آدھے سے کچھ اوپر گنڈھا تھا کہ آواز آئی۔ ”نئی بہو! ابھی سب مجھے اسی نام سے پکار رہے ہیں۔ کیونکہ میں ابھی گوناہیٹی ہوں“ میں چونک پڑی اور جلدی میں ادھر سے ہی بارش گرہ دیدی۔ اتنے میں میری چھوٹی نند کہنے لگی۔ تم یہاں بھی جو ماں بڑی میرے سے تمہیں پکار رہی ہیں +

میری ساس کام میں لگا گئیں میری نند کھیں میں مصروف ہو گئی۔ میں نے سوچا اس وقت جا کر بار پناؤں۔ وہ اوپر تھناتھیں۔ بار بھی پناہ دوں گی۔ اور کل کے قصور کی معافی بھی مانگ لوں گی۔ دے پاؤں کرے سے نکلی۔ آگن میں آئی۔ چادروں حریف دیکھا کہ کوئی مجھے دیکھتا تو نہیں۔ انہوں نے کہا کہ پائے سستا تھا جھٹ پک کر میں میری پیر چڑھ گئی۔ وہ میری پیر چڑھی کچھ شرم نہ جانے کہاں سے آئی اور بھلے زنجیریں کر پیر میں پڑ گئی۔ دل میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہونے لگے کیسے جاؤں؟ کوئی دیکھ لے گا تو کیا ہوگا؟ وہ خود کیا خیال کریں گے؟ یہ سب باتیں سوچ کر میں ایک میٹھی پیچھے آ کر آئی۔ پھر خیال نے پٹا کھا یا۔ لوگ کہیں گے کیا؟ کچھ نہیں! اتنی شرم بھی کس کام کی۔ میں بڑی جرات سے شرم کے بوجھ کو پاؤں سے جھٹک کر اوپر چڑھی۔ پھر ٹھنکی پاؤں آگے نہ بڑھ سکے۔ انھیں میں پڑ گئی۔ کیسے جاؤں؟ کیا کہوں گی؟ اگر وہ دروازے کی طرف منہ کئے بیٹھے ہوں گے تو ان کے پاس کیسے جاؤں گی؟

میں اس مسئلہ کو حل کرنے لگی کہ اوپر جاؤں یا نیچے اتر پڑوں۔ کبھی جرات کی ٹھکا۔ اوپر اٹھتی تو کبھی بے ہمتی کی نظر نیچے ٹھک جاتی۔ میں اسی اوجھڑ میں تھی کہ دروازہ کھلا اور بیروں کی آہٹ سے میرا دل دھڑکنے لگا۔ اوپر سے وہی آ رہے تھے +

اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ وہی جلدی بھاگ بھی نہیں سکتی۔ وہ زینے پر آگئے۔ میں گھبرا اٹھی۔ کیا کرتی۔ وہیں گھڑی بن کر بیٹھ گئی۔ وہ میری میری پیر پر مار کر مڑ گئے۔ میں نے چاہا کہ ہونے کے تو اس دیوار میں سما جاؤں یا کسی جادو کے زور سے اندر کچھ ہو جاؤں لیکن کچھ نہ ہو سکی۔ لینے لگا۔ انہوں نے میری پیر پر

ہاتھ رکھ کر کہا۔ یہاں کیا کرو رہی تھیں؟ کیا میرے کمرے میں آنے کی قسم کھائی ہے؟ میں تمہاری راہ دیکھ رہا تھا +
 اُن کے ان سوالوں پر بھی میں تبصرہ کی طرح خاموش رہی۔ کچھ بھی آزاد نہ بھلی۔ سانس کچھ زور سے چلنے لگی۔ میں چاہتی تھی وہ بھی بند
 ہو جائے تو چھپا ہے۔ وہ بار بار سوال کرتے تھے۔ لیکن میں لاکھ کوشش پر بھی زبان نہ کھول سکی۔ وہ میری اس حالت سے کبیدہ ہو کر جانے لگے۔ میری
 آنکھیں دُڑباز آئیں۔ میری اس بُری حالت پر ریکڑ بہت کوتاہ آگیا۔ اُن کے پیٹھ پھیرتے ہی میں نے چھپا ہوا گجراٹا لٹکا لٹکا چاہا کہ ان کے گھٹے میں
 ڈال دوں۔ لیکن وہ چھپتا نہ بھلی گیا۔ میں نے چاہا کسی طرح گھٹے میں پڑ جائے۔ لیکن وہ گھٹے میں پڑنے کی بجائے ٹوٹ کر ٹکڑا ہو گیا۔ اور اُس کے آٹھ دس
 پھول آگن میں بھی جلے گئے۔ اُنہوں نے بڑے پیار سے میری طرف دیکھا اور ہنستے ہوئے چلے گئے۔ لیکن اب میں نیچے کیسے اُتروں؟ سانس نہ
 آگن میں تھیں۔ چھوٹی جھٹکانی نے اُن سے کچھ نہ کہہ کر کہا بھی۔ میں شرم کے مارے گڑھی جا رہی ہوں +
 شرم (ہندی)

مترجمہ ابو محمد امام الدین، مدیر ترجمان

مقصود زندگی

ایک پرند

اپنے بازو پھیلا کر،
 پل پل میں اُتر کر،
 نفس میں اُڑ کر،
 تاج کو گیت بجا کر،
 میرے مکان کے صحن میں،
 آکر بیٹھا رہا،
 اور اسے فخر زار بنا رہا،
 آخر میں اُس نے،
 فکری کا تیر کھا کر،
 اپنی ننھی سی ہستی کو —
 اُسی کی اشتہا پوری کے لئے
 قربان کر دیا!!
 اُسی! ایسی زندگی غطا کر!!

ایک درخت نے،
 گمنی چھاؤں کی،
 بے گھروں کو ٹھکانا دیا،
 دھوپ سے جلتے ہوؤں کو ٹھنڈک دی،
 ٹھنڈی ہوا پھیلا کر،
 دنیا کو راحت دینے لگا،
 اور خود سخت سردی میں —
 ٹھنڈ کر جان دے دی،
 پھر اپنے بے جان جسم کو،
 لاکھ کے سرد موسم میں،
 نذر آتش کر کے —
 غریب کسان کے بے جان جسم کو،
 جس دے گیا!!
 اُسی! ایسی زندگی غطا کر!!

پس کاش میں تمہارے پاس ہوتا

کیا کوئی مجھے اس وقت یاد کر رہا ہے..... کیا میں اس وقت کسی کے خیال میں گھوم رہا ہوں..... کیا کوئی میری دھاؤں کو محسوس کر رہا ہوں..... ہاں ضرور کر رہا ہے +
اگر ایسا نہ ہوتا تو اس وقت گھٹتے گھٹتے میرے ہاتھ سے قلم کیوں جھوٹ جاتا۔ طبیعت اک دم کیوں بیٹھنے لگتی۔ دل اک دم کیوں دھڑکنے لگتا۔
سانے رکھی ہوئی کتاب کے الفاظ کیوں بے معنی معلوم ہونے لگتے۔ کچھ کیوں ڈب ڈب آتی۔ بن کیوں ٹپکنا لگتا۔ ہنٹ کیوں تعرترا نے لگنے اور داغ
فرق تخیلات مودوم ہو کر کیوں مختل ہو جاتا..... واقعی اس وقت کوئی مجھے یاد کر رہا ہے

کیا کروں مجبور ہوں۔ زمانہ کی سسٹم شناریاں اور اہل زمانہ کی بے اعتنائیاں زنجیر پا بن کر ہ گئی ہیں۔ چلنے سے مجبور ہوں۔ کر کسی کے پاس پہنچ جاؤں
دیکھنے سے مجبور ہوں کر کسی کی طرف دیکھ سکوں۔ زبان خاموش ہے کہ کچھ کہہ سکوں اور ہاتھ بجم تخیلات و حشر انگیزی جذبات کی وجہ سے لرزہ بر اندام ہے کہ
کچھ لکھ سکوں۔ نہیں نہیں! ٹھیک ہے۔

ذوق تپش نہ ہو تو مزہ کیا میاں کا شوق غش نہ ہو تو مزہ کیا نجات کا
..... ہماری تھکلیوں کا مجھے احساس ہے۔ تمہاری راحتوں کی مجھے خبر ہے۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ تمہاری دنیا بھی ایسی ہی مسموم اور حشر برپا ہے
جیسے کر میری۔ اور تو بالکل بھی اسی طرح ہے تاب و غن تخیلات ہے جیسے کر میرا..... کیا تم بھی میری ہی طرح مجبور ہو.....
کاش میں تمہارے پاس ہوتا یا تم میرے پاس!۔

دونوں طرف دلوں میں کیاں ہے سوز و غم قائم رہے آہی یہ رشتہ انجنت
آوارہ ورسوائے (علی گڑھ)

پیغام ہجور

غبارِ قاصد! وفادارِ نامہ بر!! جاں نثارِ مہم!! آہ تجھے کس نام سے مخاطب کروں؟ تیری ہجو گ میرے جذبات کی دنیا میں ایک
عجیب فضا پیدا کر رہی ہے جس کے بیان کرنے میں زبان قاصر ہے۔ تیری ہستی ایک دردمند دل کے لئے کس قدر تکلیف بخش ہے اور تیرا انتظار ایک ہجور
زندگی کے لئے کیا روح فرسا!

آج تو غیر معمولی اخص اور سہروردی کے ساتھ ایک تعارفِ خمار کے پاس خبر لے جانے کو تیار ہے۔ کیا تو جاں نثارِ ہجو گ کی صورت میں چاہتا ہے؟ نہیں نہیں
مجھے اپنے دل و دماغ پر اختیار پڑا ہوا نہیں۔ خدا جانے دُورِ جوش میں کیا سپہِ قلم کر دوں۔ اور پھر اس کے لئے مجرم ہوں +
باغِ عالم میں ہمارا کاؤ دوہ ہے۔ سبز خواہ غفلت سے بیدار ہو کر گوا کے ہلکے ہلکے جموں میں اگلائیوں لے رہا ہے۔ صانعِ حقیقی کی گھکاریاں
فوقِ زمین پر جنت بگھا ہو رہی ہیں۔ آسمان پر کالے کالے بلبل اُدے چلے آتے ہیں ہر فغانِ خوشِ امانِ شاعرانہ پر فکھ سرائی کر رہے ہیں۔ رہنماں باد و عوار

سردگوشتیاں کرتے ہوئے باغ کی طرف نعرائیں غراں جا رہے ہیں اور ہر ایک ڈیڑھ سترت سے یہ کہہ رہا ہے کہ
 بیبا بھنچن سنا یاد جام وہ کہ مراد آب رواں ہرزو و صبا انجاست
 لیکن میری بیباہی میں دم بھر سکون نہیں۔ قدرت کے رنگین نقشے دل کے شعلہ نہاں کو ہوا دیتے ہیں اور سرخاں باغ کی ترنم ریزوں میں پیچھے کی گئی
 کہاں کی صدائے دلکش جو یکایک ایک سمت سے بلند ہوتی ہے تیرے کہاں کی طرف گلیجی میں آتر جاتی ہے۔ وہ کہہ کے ایک دروسا اٹھتا ہے جس کی لذت
 سے دل واسے ٹپ اٹھتے ہیں۔ ہ۔ درون سینہ ماز غم بے نشان زدہ بچتر کم کج تر بے کساں زدہ
 مجھے اُس وفانا آستنا سے کوئی شکایت نہیں۔ نگہ سے تو ابھی قسمت کا اللہ شکوہ ہے تو اپنے نصیب کا۔ اگر اُسے محبت غیر میں خوشی حاصل ہوتی ہے تو
 میری عین سترت کا باعث ہے۔ درحقیقت اُس کی خوشی ہی میری سترت کا سرچشمہ ہے۔ مجھے اس خیال سے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ میری وجہ سے
 کسی کا آئینہ خاطر گدو لال سے کم نہ ہو خواہ میرا شینہ نہ بلبل رنگ آلام سے چوری کیوں نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس سرائے فانی میں کسی متنفس کو کوئی حق نہیں
 کہ کسی ہستی کے لئے بجاطور پر سنگ راہ ثابت ہو +

ہاں تو نے کیا کہا؟ میں نے تلافی شمار او۔ وفانا آستنا کے الفاظ سے کسی کی یا کیوں کی؟ سچ ہے اگر کسی نے کوئی غلام یا ایشیا را قربانی کی تو کسی غرض سے؟
 اور اپنی ماں خاریوں کے لئے ایک خاص ہستی ہی کو کیوں مخصوص کیا؟ یا انہیں اگر راہ و فانیں ثابت قدم رہے تو اُس کے انہماک سے کیا مطلب؟ یہ ایک بڑی
 کمزوری ہے جس کے ہر ہونے سے اشارہ کا عدم وجود برابر ہو جاتا ہے۔ زیادہ تر ایسی تنگ ظنی ان لوگوں سے ظہور میں آتی ہے جو بھوم نامیدی سے
 جو کسئی لا حاصل سے حاصل ہوتی ہے گھبرا جاتے ہیں اور سب سے کام نہیں لے سکتے۔ ورنہ یہ ممکن نہیں کہ جذب صادق بے اثر رہ جائے +
 فنا گوئی مشہور عشق ہے اور از رنگت شہار جن۔ اگر خدا کی حس کا خاصہ ہوتی تو عشق اور جن میں فرق ہی کیا ہوتا؟ عشق باہمدار ہے لیکن وہ کچھ حس کی گدائی
 کو شامی پر ترجیح دیتا ہے۔ پس اُس کے لئے لازم ہے کہ دشواریوں کا مقابلہ استقلال سے کرتے ہوئے حصول مقصد کے لئے کوشاں رہے۔ اسی کا نام شایاں
 وفا ہے۔ اور یہی پاس امانت ہے +

میرے سچے ہمدرد! میں اپنی خطا پر نادم ہوں۔ اور اپنے الفاظ سے نکل۔ افسوس کہ میں کیا کیا چاہتا تھا اور کیا کر گیا ہے

بک راہل جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ بچھے خدا اگرے کوئی

اب میں تجھے زیادہ عرصہ تک نہیں روکنا چاہتا۔ تو اُسی محض عشرت میں جا اور۔

مگر نام و نشان میں پیرسندہ بگو قاصد آوارہ و مجنون نے رسوا سرا نازا ہے

جنگ عمار و خان قبطہ بی لے

ترک تقلید

ترقی کے علمبردار تقلید کے دشمن ہیں۔ قدیم اور فرسودہ اسی لئے قابل ترک ہے کہ وہ قدیم اور فرسودہ ہے۔ جن لوگوں نے حیات انسانی کو بہتر سے بہتر
 اور مفید سے مفید تر بنانے کے لئے نئی نئی باتیں پیدا کی ہیں۔ وہ کبھی ”رو راست برو“ یا ”کار بند نہ ہوئے“ انہوں نے ہمیشہ تقلید سے دہمی پکایا۔ مثال
 سے گریزاں اور مہمل سے مخالفت ہے۔ خلق خدا کی رہنمائی خدا کے انہیں بندوں نے کی ہے۔ جنہیں اپنی ذات پر اتھاڑ تھا۔ جو بے باک تھے۔ دلہرے تھے۔ جنہیں
 کو پیٹنے نئی سوچ تھی۔ جن میں آواز تھی۔ انہیں عزت و کرامت کا مادہ تھا۔ جو مستقل مزاج تھے یا بدستیر تھے۔ جو وہاں جانے سے نہیں ڈرتے تھے۔ جہاں بھی کوئی
 نہیں گیا ہے۔ جو وہ کام کرنے سے نہیں ڈرتے تھے۔ جو کبھی کسی نے نہیں کیا ہے +

ہر آنے والا دن ہر جانے والے دن سے بالکل مختلف ہے اور تازگی مشگفتگی اور ہمت کا نمونہ ہے۔ اپنے اسلاف کی اپنے بزرگوں کی یا اپنے ہمسایوں کی تقلید نہ کرو، اس سے تمہاری تخلیقی قوتیں اور تمہارا ذاتی عنصر مردہ ہو جائے گا۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوگی جیسے ایک چنبلی کا پھول چاہے کہ گلاب کا پھول بن جاؤں۔ آج تک کسی انسان نے کسی دوسرے انسان کے تمام لہجہ عمل کر کوئی اہم اور نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی۔ کامیابی کی نقل کامیابی کے ساتھ نہیں آ ساری جاسکتی۔ انسان خود اپنی نئی قوتوں سے عینی دور رہتا جائے گا۔ اسی مناسبت سے اُس کے اور کامیابی کے درمیان فاصلہ بڑھتا جائے گا۔ اگر کسی مصوٰر نے فانی یا بھڑا یا الینس کی بنائی ہوئی کسی تصویر کی ہوبہو نقل کر لی تو کوئی بات بھی نہ پوچھے گا۔ لیکن اگر وہ ایسی تصویر بنانے میں کامیاب ہو گیا جو آج سے پہلے نامید تھی اور کاغذ یا کینوس کی سطح کو کبھی جس کے وجود نے سرفراز نہیں کیا تھا تو دنیا اسے آنکھوں پر بٹھائے گی +

دس ہزار انسانوں کے بے ترتیب مجموع کی قیادت صرف ایک آدمی کر سکتا ہے اور یہ ایک آدمی وہ ہوتا ہے جو اس مجمع سے دراز باہر نہیں آتا۔ بے جوشی کے بنائے ہوئے راستہ پر نہیں چل سکتا۔ جوشی کے ساتھ بھی نہیں چل سکتا ہے +

دنیا ان لوگوں کے لئے ہمیشہ گمشدہ رہا تو اسے ہر جگہ لوگوں کے قدموں سے پاؤں ہو جانے والے راستے کو چھوڑ کر نئی نئی راہیں پیدا کرتے ہیں۔ جو آگے بڑھنا چاہتا ہے وہ یہ جانتا ہے کہ دنیا ہرگز تھکتی ہے۔ ہر لمحہ جدید ہے +

دنیا کی موجودہ ترقی ترقی ترقی سے غافل ہے افسانے کا ہر جگہ نئی اور جدید چیزیں پڑتی اور قدیم چیزوں پر چھانگتی ہیں اور ترقی کی رفتار اگر بھی رہی تو آج کی بہتر سے بہتر زمین اور ایجادیں کل صرف گنہ سے ہوئے نہ ان کی یادگار اور عجائب خانوں کی زینت ہوگی +

حامد اللہ انصاری

پھر آئی برسات

پھر آئی برسات، آسمانوں پر چھائی ہوئی !
ہوا کی دھمک میں ست درختوں کی ہونٹیں گھٹائیں پھر آئیں +
آج یہ میرا وہی چٹانوں، نسیم، قطر، بیز کے جھونکوں میں پھر بھونٹے لگا +
گھٹاؤں کی طرف نکلیں اٹھی ہوئی ہیں +

اور میرا دل آج اپنے آپ میں نہیں +
پھر آئی برسات آسمانوں پر چھائی ہوئی !
میں انوں پر کالی گھٹاؤں کا سایہ +

نوفیض ہنسے کی پیوں پر نہ تو دانہ لوٹ رہا ہے +
زندگی باؤ از بند بکار رہی ہے "برسات آئی ! مویلا دھار آئی +"
برسات آئی ! کاکیت ہر گوشہ میں ترنم رہی ہے !

آنکھوں میں دلوں میں سیلاب آیا !

پھر آئی ! وہ آئی ! برسات آئی - آسمانوں پر چھائی ہوئی !

(میکلو کا ایک گیت از پرنس ایلینی)

ڈاکٹر ایم۔ فیاض الدین امرتسری

ترانہ حمزہ

(از مولانا فخر علی صاحب آزاد)

اے وہ جس سے جہاں نہیں خالی دل نہیں خالی - جاں نہیں خالی
پتی پتی ڈالی ڈالی پتی کی سبزی گل کی لالی
ہے ہر رنگ میں جسدہ جس کا اور ہر رنگ میں تو ہے بڑالی
آئیں ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی چھائیں گھٹائیں کالی کالی
برسے - بھر دے ابر رحمت کیاری کیاری - نالی نالی
بونے لگیں جنگل میں منگل سبز پری ہوزمین ہریالی

پھول کھلے ہوں ڈالی ڈالی

شبم بھر دے پیالی پیالی

پی کے شراب نابِ محبت مست گرے بالی پر بالی
آئیں - پیسے شور مچائیں پھرتی ہو کوئل متوالی
کلی کلی بولے - بتلا دے ان پھولوں کا کون ہے مالی
اے وہ جس کی ذات ہے عالی اے بے بس والوں کے والی
رحمت والے رحمت فرما تیرا گداکب جاتا ہے خالی
آزاد اک بے بس بندہ ہے اس بے کس کا تو ہی ہے والی

دکھلا اپنی شانِ عالی

دکھلا اپنی شانِ عالی

آزاد

ادب و تیاریخ

”کر کشیتہ“

پانڈوں کی آمد ————— میدان جنگ میں

پانڈوں سے دوسرے آتے ہیں میدان و غامیں بھاگ رسی ہے دشمن کے نقوش کھن پامیں
 پیدا شش ہنگامہ محشر ہے نفسا میں سکتے ہیں عیاں گنبد گردوں کی صدا میں
 اک شہر سا برپا ہے اسد غار سے نکلے تیروں سے چلے آتے ہیں تنوار سے نکلے
 ایک ایک جگہ دار ہے ایک ایک جہی ہے میدان میں درودان کا نوحہ سے بری ہے
 رہے ہے کہ بلاریہ شہادت سے بھری ہے بجلی ہے مچلا وہ ہے تخیل ہے پری ہے
 سرعت سے نکل جائے ابھی وقت و غامے یہ کارغاں لیں نہ اگر موج ہوا سے
 چرخ سر وہ تیمور ہیں کہ شیریں کو ڈر آئے فوجوں کے رسالے تو بالانظر آئے
 جنگاہ میں آتے ہیں سپاہی کدھر آئے ہے ہتیم جلیگار کرن کا ادھر آئے
 ضیغہ کو عتاب آیا ہے دیکھا نہیں جاتا نزویک نکل سین کے کوئی نہیں آتا
 دشمن کے ہراول میں بغاوت کا خطر ہے ارجن کی غضبناکی و ہدیت کا اثر ہے
 عرصے سے یہ محشر کی درودھن پر نظر ہے اندانے بد اندیش اُدھر موت اُدھر ہے
 سہیلو کا فتنے سے غیب حال ہوا ہے آنکھ آئی ہوئی غیظ سے مزلال ہوا ہے
 پانڈوں کے تصور سے بگڑ جاتے ہیں خوبسرا ہشخنگی زلف ہے ترتیب کے اندر
 مشاعرے موت ایسے ہیں یاد آتی ہے اکثر اک ناکہ پر سوز ہے بھیشم کی زباں پر
 اسے کاشش سنگو کا ناکہ کھایا نہ ہوتا

یوں ان کے مقابلِ خجہ آیا نہ ہوتا
میدانیِ جل میں ہے پیا ایک قیامت
گیسو کی طرح گھمے ہے اعمال کی شامت
اوسان ہیں قائم نہ حواس ان کے سلامت
شیروں کا تور کہاں بودوں کی علامت
دشمن کے قریب آئے ہیں کس فراطعیت
شیروں کے پلن سچ ہے بدبوئے ہیں سب
کوروں کی زباں پر ہے کلو آئے ہیں دشمن
موت آتی ہے پیغام اجل لائے ہیں دشمن
آبادہ پیکار جو نہی پاتے ہیں دشمن
چھا جاتی ہے میت سی لرز جاتے ہیں دشمن
رو باہ صفت دل میں لیں بھاگ رہے ہیں
بیٹھے مکاں اور کہیں بھاگ رہے ہیں
آہن میں تو مند ہیں ہنگامِ غرق
دیو اور سہا ہی کی شامت میں نہیں فرق
دیوار سے سرکش ہیں جدا غرب سے ہے شرق
دیواروں کی ہے بارش کا سماں منتظر آج
جنگی میں ہوا خواہوں کے اور جائینگے سراج
بے چین ہیں غناک ہیں افسردہ ہیں ہمیشہ
مُرخ - بزرگ خزاں دیدہ ہے ہر مردہ میں ہمیشہ
رجیدہ ہیں خاموش ہیں آرزو ہیں ہمیشہ
مضطر ہیں شمش میں الم خوردہ ہیں ہمیشہ
یوں میدان سے غافل ہے پروا دشتِ صحن میں
کہتے ہیں جے جان نہیں شیر کے تن میں
ہر راستہ منہاک میں سب دشتِ کیں سے
خاموشی ہمیشہ سے ہیں مبارزین سے
دل مردہ سے ہیں موت گزر جائے قریب سے
ہے پانچ دیروں کی دغا خوج لیس سے
مقتل کو چلے بادل ناخوارستہ ہمیشہ
ازرا و دغا بھول گئے راستہ ہمیشہ
پاؤں میں تھی جھگوان گھنیا کی فقط دیر
ہنگام آدے ہوئے زلیست سے جی سیر
آنکھوں میں چھلک سا گیا تلخا پر شمشیر
چہرے کی چکا چوند سے چھایا ہوا اندھیر
یہ تیرگی ہے ہاتھ سجھائی نہیں دیتا
مذکور ہیں کجرو - کہ کھائی نہیں دیتا

نفیس خلیلی

غزلیات

غزل

عرصہ زندگی میں کوئی گنگ و تراز
دل کی اگر کیر کو سنبھال کے رکھ
پست ہوئی سے رفعت باطل
جذب ہو جائے گا خواں میں یحییٰ
پھر تجھے حاجت رفو ہوگی
دوسروں کے دلوں کو مست ترپا
اُن کی تصویر اور تیرے پاس؟
پائے ہر گنگ پر نہ کیجیو
دیکھ دیکھ اُن کو تو نہ کر مرسوا
فطرت غم نصیب کو نہ مڑا
اسے ہر راب کے تو جہ ازین

غزل

مقصود دل طلب یار میں حیراں ہونا
بن گیا آئینہ یار مرادہ شوق
دل کو اک عمر سے تھکا یا کا معمرہ نماز
ہو اگر تھمت مردانہ شریک غم دل
پھر رہا ہے مری کھو نہیں نظر انیک
ہائے وہ اکسٹ افشاخ رون سوزنیک
بُخ روشن سے ہو کیا زلف زینت
تھامی راز ترپنے کامے تفل کیبہ
فیض ہے حضرت باہمی کا نہیں ہے خیر
میں کمال اور کمال میرا سخیال ہونا
خیر تہو روی

مہمات اظہر

کھیل امان سے غالی کنی انسان ہونا
بہشت مجبور ہونا اور عذاب میں ناگ
برقائے تہو فاطمہ صبر میں کیا کیا
تماری سرکشی سے کہیں کچھ سے ملے
تتنا چڑیاں تہی سے جب ہیں نہیں تو
پلا ہیں حقد رآقی میں بھوپرین گھٹا ہوا
دم آلودہ کیوں کھین فرما میں بیاد کی
جواب اسے ہے کیا وہ چھتو میں غرض علیہ
غزل موشہر کی کہنے سے کیا ہر فائدہ اتر
کیا بولیں گے کیا تھی زبان ہونا
انہیں باتوں کو تو اعظم تعریف بان بھنا
کبھی امان ہونا ہے کبھی بیکان ہونا
مہکا تو تہا سے جو سرور وہ تو احسان ہونا
ہماری دل لگی کا فیض سا مان ہونا
کی میری کامیابی کے لئے سامان ہونا
تجھ کچھ نہیں ہے مفت میں احسان ہونا
کہے کہنے میں اراں او کیا اراں ہونا
اگر اچھا ہو تو انک شعر بھی دیوان ہونا
مسلحہ کوکت حسین رونا

غزل

تیری کیشانی میں نقصان جاکیا ہونا
جسم غامکی کے تعلق نے گراں بار کیا
مژدہ واصل میں لے دل تجھ کو دینا دوسی
میں تو درود غم و اندوہ کا پتلا ٹھہرا
جس لوہ گر تو نہ ہونا ز سے کیا کام کیا
در د الفت سے قوی ہوئی تو روح اس میں
اور ہر محتایہ مرض ستا دو اچھا ہونا
مرزا محمد فیض شاد

غزل

(از حضرت ریاض فیروز آبادی)

کفنِ سر کا کُترِ نوجوانی دیکھتے جاؤ ذرا اُفتادِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ
 لپک شعلے کی ہے یا گلشنِ فانی دیکھتے جاؤ کلیمِ آن کی ادائے لہنِ ترانی دیکھتے جاؤ
 نئے خم میں کئے وِجہ کی نشانی دیکھتے جاؤ جواں بوڑھے ہوں جس سرو پہ پانی دیکھتے جاؤ
 ہماری زمری میں آبِ زمزم بھی ہے وہ شے بھی ہوئے میں جمع کینوں کا گِلا پانی دیکھتے جاؤ
 کسے تم ڈھونڈتے ہو دل کہاں ہے میرے پہلو میں اب اُس کا داغ ہے اُسکی نشانی دیکھتے جاؤ
 ابھی تھوڑی سی اسکو اپنی بوتل کی پلائی ہے درازِ نند و اشبابِ شیخِ فانی دیکھتے جاؤ
 بھرے آنکھوں میں آنسو موٹے ہیں سانسِ ملتی ہو بندھے پانی میں موجوں کی روانی دیکھتے جاؤ
 خضر! یہ آبِ حیاں سے بھی کچھ پہلے کی ہے شاید پرانے خم میں کب کی ہے پرانی دیکھتے جاؤ
 سحر ہوتی ہے ٹھہر و رات آخر وقتِ آخر ہے نہ جاؤ ختم ہوتی ہے کہانی دیکھتے جاؤ

پیکارے کہتی ہے عبرتِ ریاضِ آفاق کی بالیں پر

ذرا اُفتادِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

ریاض

(ایوان)

سے ہمارا بے سیرِ مجاہد علی محمد خاں ہمارا مرحوم والی محمد آباد (دومہ) بنگالہ

تغافل کیش کی یادیں!

بساطِ آسماں انوار سے معمور ہوتی ہے! شبِ انجی زلف میں موتی ستاروں کے پڑتی ہے
 بینِ فتنہ زرا سے بچِ غم و پلوش ہوتے ہیں جہاں کے رہنے والے نیندیں بہوش ہوتے ہیں
 بہانِ آرزو کی بازو ہو موقوف ہوتی ہے تمنا، التجا اور جستجو موقوف ہوتی ہے!
 مریٰ خونبار آنکھیں نوحہ خوانِ خواب ہوتی ہیں بہت بیتاب کرتی ہیں بہت بیتاب ہوتی ہیں
 نزاعِ عشق جسِ خود نما پر غور کرتا ہوں وفا پر غور کرتا ہوں بظاہر پر غور کرتا ہوں
 کسی کی یاد آتی ہیں جو شرمائی ہوئی نظریں! تو اٹھتی ہیں فلک کی سمت گھبرائی ہوئی نظریں
 مرے پیشِ نظر اک منظر زربار ہوتا ہے حسیں قدرت کی صنعت کا حسیں شہ کار ہوتا ہے
 مرے برباد دل سے یہ صدا اُس وقت اٹھتی ہے مرے ناشاد دل سے یہ صدا اس وقت اٹھتی ہے
 تغافل کیش! تجھ کو کیا خبر یہ کیا قیامت ہے یہ اک صبر آزمایہ ہے یہ اک جانسوز آفت ہے

کسی مجبور دل کی آرزو کا خون ہو جانا

کسی بد بخت کی قسمت کا گہری نیند سو جانا

لطیف انور اسلامیا کالج لاہور

موسمِ گل

پھر ہوا چلنے لگی دشت میں مستانہ دار مرغِ باغوں میں ہوئے زمرہ پیرائے بہار
جامہ سبز ہیں بدلے ہوئے سارے اشجار ڈالی ڈالی میں لگے ہیں گل و برگ و اشجار
پھر زمانے کو نیا حسن نیا رنگ ملا ہر طرف چلنے لگی عیش و مسرت کی ہوا
صحیبتاں میں نظر آتے ہیں نظر کیا کیا بربط و چنگ کہیں اور کہیں دوسرے صہبا
گر ادھر ہیں چنستاں میں گل و سمر و سمن تو ادھر نرگس و ریحان و فلفل و سوسن
ساقی مست و قدحِ نوش کہیں جسلو فگن کہیں ہے مطربہ زہرہ شبیہ و پرفن
جوشِ وحشت میں چلے دشت کو پھر دیوانے جیب و دامن کو بنا ڈالا ہے پُر زے پُر زے
کیوں پڑے پھرتے ہیں کھمبے مارے مارے ہائے کس گل کیلئے ہیں یہ پریشاں رہتے

پھر مسرت سے کوئی گاتا ہے گلشن میں لہار
ہولیاں کھیل رہا ہے کوئی ہو کر سرشار
یادِ ایامِ گزشتہ کی ہوئی پھر تجرید
گلِ عشرت سے کوئی پھر ہے گلستاں بکنار

آزاد انصاری

نقد و نظر

۳۔ ستہ نظم ہاشمی۔ یہ ایک زندہ شاعر کی تین نظموں کا مجموعہ ہے۔ کتاب ناٹپ میں ہے۔ حجم ۳۲ صفحات قیمت ۱۰/-

چند شعر میں گمراہ خیال اور طرزِ تحریر و زبانِ مصنف (سید ہاشمی فرما آبدی کو عام شعرا کی سطح سے بلند کئے دیتے ہیں۔ یہاں ہوا و ہوس کی باندھ چوئیں غم و خواست کی تسکنت ہے۔ یہ وہ شاعری کا سکول ہے جس کی بنیاد غالب نے ڈالی اور اقبال نے تعمیل کی اور تعین کا ایسا نفاک بوس مل تعمیر کیا کہ اگر زمین پر بیٹھنے والے نقاد اس کی بندویں سے متکثر نہ ہوں تو بجائے تعجب ہے۔ اقبال کی اس تکمیل کا رویہ کی بدولت اس نئے کئی اچھے شاعر کو عام نظروں میں نہیں پہنچے۔ مگر کس قدر بے بسری ہوگی اگر تاج محل کے بے مثال حسن کی وجہ سے ہم غنیمت کی ولایتِ یزیدوں سے انکار کریں۔ سید ہاشمی کا کام لفظیاً آسان مگر مطالعہ ہے اور اس مختصر سے مجموعہ میں بہت سے شرایے ہیں جو عام سامع سے بہت بلند ہیں۔ مگر کچھ ایسے شعر بھی ہیں جو تعمیل کی بے حرارتی کی وجہ سے عجیب و غریب اور ذوق کے مغلوب قصائد کی بے جا جان قسب کا درد گونجن کر رہ گئے ہیں ملاحظہ ہو

غرض یہ نغمہ کہ ہے سربسنگی دیوانی
یہ شعر ہیں کہ کسی دیوانہ کے انفاس

۴۔ منتخبات ہندی کلام۔ یہ کبھی دُہن کی کتاب ہے۔ اور
چیدرا آباد بک ڈپو کے چپے سے

بچہ کو مل سکتی ہے جس کسی کو ہندی شاعری سے محبت ہے اور وہ کون ہے
 جسے شاعری سے محبت ہے اور وہ ہندی شاعری کی سرکاری کا نکھاری ہے ہے
 کتاب غریب زور و زول میں لکھا ہے۔ ڈاکٹر جعفر حسن بلی۔ ایچ ڈی نے ہندی شاعری
 سے زیادہ تاملاتی اور فلسفیانہ اور کچھ عقیدہ دے ہے۔ میں اور ہندی اور اردو
 عبارت میں اصل دے کر اسے لفظی ترجمہ کیا ہے مشکل الفاظ کا حل دیا ہے
 اور ساتھ ضروری اور غیر ضروری ہجڑم کی اشکات کا انتخاب بھی کیا ہے +
 نقاش

انجمن ترقی اردو اور انگلہ آباد کے ہر سال اردو زبان کو مالا مال کرتی رہتی ہے۔ ہر سال کوئی نئی تصنیف، نیا ترجمہ، نئی تالیف شائع ہوتی رہتی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے انجمن کی تین کتابیں ہیں:-

(۱) ارتقا۔ یہ سوحنے کی کتاب ہے۔ مجاہد کی قیمت یہ ہے۔ اور غیر مجاہد کی قدر ارتقا کے سلسلہ پر نصف صدی تک سرخیوں پر ہوئی رہی۔ تب اور سائنس کا معرکہ اسی پر نہ اڑیں تو ہزار اسی کی بنا پر اردو میں اکثر مروجہ ہے ڈارون پر خوب خوبچتیاں کہیں۔ مگر کس قدر تعجب ہے کہ آج کل اردو میں کوئی مستقل تصنیف اس موضوع پر نہ تھی۔ ہمارے پڑھنے لکھنے آدمی بھی یہی سمجھتے ہوئے ہیں کہ ارتقا سے مراد "بڑھنا" ہے۔ حالانکہ یہ بالکل بے حقیقت امر ہے۔ مگر اب اس آگاہی کا کوئی بیان نہیں۔ کیونکہ مشتاق احمد صاحب وجدی نے نہایت وضاحت و اختصار کے ساتھ اس مسئلے کے بنیادی اصول پر روشنی ڈال دی ہے۔

(۲) دیوان یقین - جو نامک شاعر ہے۔ جسے اس کے والد نے

نہاے کس جا پر قتل کرو یا۔ جتنے مندہ انتہی باتیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ انوار کے بنا پر ہم یا واقعات پر کوئی باپ اپنے بچے کو یوں ہی قتل نہیں کر دیتا۔ مرزا رفعت الشریک نے یقین کا دو ان مرتب کیا ہے۔ اور اس پر بہت محنت صرف کی ہے کوئی تیرہ مختلف نسخوں کو استعمال میں لانے ہیں اور یہ صحیح حالات ہم پہنچانے کے لئے درجنوں تذکرے لکھ گئے ہیں۔ حاصرین کے کلام سے کلام کا موازنہ کیا ہے۔ قیمت جملہ کی دو روپے اور فریہ جملہ کی پندرہ روپے شخص جسے ادبیات اردو کی تاریخ سے کچھ سمجھتا ہے اس کے پاس اس نسخہ کا ہونا ضروری ہے۔ یوں بھی یقین کے کلام میں جاہلانی موجود ہونا ہی ہے غایت ہو اور شریک بدستور حق سامنے راہ نہ کھنچے قسم ہے جو تو کہتا کیا کرے اپنے منہ دل کو جلا کر ڈال کر میرے یقین۔ ان باتوں کی ضد ہے جو افسوسناک ہے

نیرنگ خیال ستمبر ۱۹۳۱ء

نیرنگ خیال ہندوستان بھر کے علمی ادبی رسائل میں سب سے زیادہ مستقل فریاد رکھتا ہوا سلسلہ ہمیشہ اس شمارہ

جلد

ایڈیٹر: حکیم محمد یوسف حسن

نمبر

چند سالہ ہے۔ ہمالیہ غیر سے ۸ شنگ۔ فی پرچہ ۵ روپے کٹال پر

ہمارا خیال

”ایک دہرا حصہ ہے اور تقلید دوسروں کا“

فہرست مضامین

۱ گت کے رسائل میں ہمارا خیال
۲ خواب
۳ گت کے رسائل میں ہمارا خیال
۴ خواب
۵ خواب
۶ خواب
۷ خواب
۸ خواب
۹ خواب
۱۰ خواب
۱۱ خواب
۱۲ خواب
۱۳ خواب
۱۴ خواب
۱۵ خواب
۱۶ خواب
۱۷ خواب
۱۸ خواب
۱۹ خواب
۲۰ خواب
۲۱ خواب
۲۲ خواب
۲۳ خواب
۲۴ خواب
۲۵ خواب
۲۶ خواب
۲۷ خواب
۲۸ خواب
۲۹ خواب
۳۰ خواب
۳۱ خواب
۳۲ خواب
۳۳ خواب
۳۴ خواب
۳۵ خواب
۳۶ خواب
۳۷ خواب
۳۸ خواب
۳۹ خواب
۴۰ خواب
۴۱ خواب
۴۲ خواب
۴۳ خواب
۴۴ خواب
۴۵ خواب
۴۶ خواب
۴۷ خواب
۴۸ خواب
۴۹ خواب
۵۰ خواب
۵۱ خواب
۵۲ خواب
۵۳ خواب
۵۴ خواب
۵۵ خواب
۵۶ خواب
۵۷ خواب
۵۸ خواب
۵۹ خواب
۶۰ خواب
۶۱ خواب
۶۲ خواب
۶۳ خواب
۶۴ خواب
۶۵ خواب
۶۶ خواب
۶۷ خواب
۶۸ خواب
۶۹ خواب
۷۰ خواب
۷۱ خواب
۷۲ خواب
۷۳ خواب
۷۴ خواب
۷۵ خواب
۷۶ خواب
۷۷ خواب
۷۸ خواب
۷۹ خواب
۸۰ خواب
۸۱ خواب
۸۲ خواب
۸۳ خواب
۸۴ خواب
۸۵ خواب
۸۶ خواب
۸۷ خواب
۸۸ خواب
۸۹ خواب
۹۰ خواب
۹۱ خواب
۹۲ خواب
۹۳ خواب
۹۴ خواب
۹۵ خواب
۹۶ خواب
۹۷ خواب
۹۸ خواب
۹۹ خواب
۱۰۰ خواب

۱ گت کے رسائل میں ہمارا خیال
۲ خواب
۳ گت کے رسائل میں ہمارا خیال
۴ خواب
۵ خواب
۶ خواب
۷ خواب
۸ خواب
۹ خواب
۱۰ خواب
۱۱ خواب
۱۲ خواب
۱۳ خواب
۱۴ خواب
۱۵ خواب
۱۶ خواب
۱۷ خواب
۱۸ خواب
۱۹ خواب
۲۰ خواب
۲۱ خواب
۲۲ خواب
۲۳ خواب
۲۴ خواب
۲۵ خواب
۲۶ خواب
۲۷ خواب
۲۸ خواب
۲۹ خواب
۳۰ خواب
۳۱ خواب
۳۲ خواب
۳۳ خواب
۳۴ خواب
۳۵ خواب
۳۶ خواب
۳۷ خواب
۳۸ خواب
۳۹ خواب
۴۰ خواب
۴۱ خواب
۴۲ خواب
۴۳ خواب
۴۴ خواب
۴۵ خواب
۴۶ خواب
۴۷ خواب
۴۸ خواب
۴۹ خواب
۵۰ خواب
۵۱ خواب
۵۲ خواب
۵۳ خواب
۵۴ خواب
۵۵ خواب
۵۶ خواب
۵۷ خواب
۵۸ خواب
۵۹ خواب
۶۰ خواب
۶۱ خواب
۶۲ خواب
۶۳ خواب
۶۴ خواب
۶۵ خواب
۶۶ خواب
۶۷ خواب
۶۸ خواب
۶۹ خواب
۷۰ خواب
۷۱ خواب
۷۲ خواب
۷۳ خواب
۷۴ خواب
۷۵ خواب
۷۶ خواب
۷۷ خواب
۷۸ خواب
۷۹ خواب
۸۰ خواب
۸۱ خواب
۸۲ خواب
۸۳ خواب
۸۴ خواب
۸۵ خواب
۸۶ خواب
۸۷ خواب
۸۸ خواب
۸۹ خواب
۹۰ خواب
۹۱ خواب
۹۲ خواب
۹۳ خواب
۹۴ خواب
۹۵ خواب
۹۶ خواب
۹۷ خواب
۹۸ خواب
۹۹ خواب
۱۰۰ خواب

مزاج پرکھنے والوں
اور مضامین کی لاجواب
کتابیں

مضامین پرکھنے والوں
کی قیمت
شمارہ ہر ہفت روزہ
مضمون نگار
حاجی فیصل
انتخاب اور دھڑلے
لئے کا پتہ :-

فیصل نیرنگ خیال
شاہی محلہ لاہور

دسمہ کی انوکھی دوا

ہے پہلی خوراک سے خاطر خواہ فائدہ ہو تو دوا پس کہہ کہی قیمت مو دو طرفہ محصول ہم سے لے لیجئے۔ نیکیل شریلو کی واسطے دو خوراکیں نوٹھاؤ اور واپسی قیمت کا اتنا دے مہرباں میں بھیجا جاتا ہے۔ (نوٹ) گروہ و مشائے اور سوزاک کے مریض کو نقصان دیتی ہے قیمت پر سے محصول لاک

پتہ:- شیجر کشمال فارمیسی لکھنؤ کوٹریہ پارک شہر بنارس

دیوان غالب مطبوعہ جرمنی قیمت سے کہ کتب خانہ جامعہ قریہ ضلعی سے طلب کیجئے

شذرات

از اسٹنٹ ایڈیٹر

نیرنگ خیال کے ہر فہر کے مضامین بھر دیکھو اور جاذبِ توجہ ہوتے ہیں۔ نیرنگ فہر میں بھی کئی مضامین قابلِ تعریف ہیں۔ بڑھندہ نیرنگ خیال کا ایک اور خاص نمبر ہوگا۔ جسے ”ابا سے قدیم کے عزیز ننگاش“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس میں اردو کے مشہور انشاپرہزوں کے کنایت و دیکھب مضامین جمع کئے گئے ہیں۔ اس نمبر کا حجم بھی زیادہ ہوگا۔ کاغذ بھی ولایتی رنگین لگایا جائے گا۔ دسمبر میں نیرنگ خیال کا افسانہ نمبر چھپے گا۔ ساتھ ہی سائنس بھی حسبِ دستور شائع ہوگا جس کے لئے تمام کیا جا رہا ہے کہ وہ ہر پہلو سے بے مثل اور لا جواب ہو۔ یہ ہمارا ہی دعویٰ ہی نہیں نیرنگ خیال کے سائنس کے اس کا علمی ثبوت موجود ہے۔ ۱۹۳۲ء تک سائنس دانہ تو افسانہ دار ہے کہ آپ گزشتہ سال ناموں کو بھی شاید بھول جائیں +

نیزنگ خیال کے ان خاص خبروں کے علاوہ دسمبر میں تازیانہ ریویو کا سالانہ موسومہ پر ”اسلامی دنیا“ بھی شائع ہوگا۔ تازیانہ ریویو بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے یہاں تک کہ بعض سطحوں میں اسے نیزنگ خیال پر ترجیح دی جا رہی ہے۔ تازیانہ ریویو کا چند سالہ صرف چار روپے ہے، مگر نیزنگ خیال کے خریداروں سے صرف تین روپے لئے جاتے ہیں۔ اور تازیانہ ریویو کا سالانہ موسومہ بہ اسلامی دنیا بھی اسی چندہ میں خریداروں کو ملتا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین نیزنگ خیال اس رعایت سے فائدہ اٹھائیں گے +

”مرزا جی“ نامی ایک کتاب مزارعہ مضامین کا ایک نہایت دلکش مجموعہ ہے۔ ناظرین نیز نگ خیال جناب حضرت اہل ایمہ وسلم کے احکام گرامی سے ناواقف نہ ہونے چاہئے۔ خیال کی بزم ادب کے اولین ارکان میں سے ہیں اور جن کے بعد ہر مفسر و مفسرین نیز نگ خیال میں شائع ہو چکے ہیں۔ ”مرزا نبی“ بھی ”نیز نگ خیال“ کے کسی نمبر میں شائع ہو کر یہی مقبول ہوا تھا۔ اس وقت ملک کے قریباً تمام جدیدہ رسائل میں حضرت اہل ایمہ وسلم کے مضامین شائع ہوتے اور وہ بکچی سے پڑے جاتے ہیں۔ ”مرزا جی“ نامی کتاب میں اس عجیب و غریب گیر کر کے کے متعلق چند مضامین لکھے گئے تھے انہیں کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ ہر ضلعوں کی بکچسپ اور قابل مطالعہ ہے۔ حضرت اہل ایمہ وسلم صاحب نے مرزا جی نامی کتاب لکھ کر ملک کی مزارعہ مضامینات میں ایک قابل قدر اضافہ فرمایا ہے۔ ایسا ہے کہ ناظرین اس کتاب کو قریباً کہیں لائبریریوں کی زینت بنائیں گے۔

تفصیل ریویو کے لئے آئندہ نمبر کو منتظر رہیجئے +

نیرنگ خیال نے جسے اہل مزاجہ مخدیین کی اشاعت کا اختتام کیا تھا اس لئے گوشش کی جا ہی ہے کہ نیرنگ خیال باب ڈپو کی طرف سے تمام مزاجہ کتاہیں ناظرین کو مینہ کی بنا کر ہیں۔ مثلاً شریر بیوی - روح خلافت - جسیں، گلوگی کی مصیبت اور یوگوانے ہیں۔ اور مزاجہ عظیم بگ جنتانی (مخدیین پطرس) انتخاب اووہ نیچ - اور مزاجہ جی - اس کے علاوہ حضرت شکوت تھانوی اور مار موزی صاحب کی مزاجہ تصنیفات متیا کر کے صاحبی اختتام کیا گیا ہے +

عشق کی گولیاں والے رخصتوں کا قیہہ دیتے صول جھٹھا۔ اسلئے ہم اسے اس نہیں شالہ نہیں کہے۔ آئندہ خبرا داسے عہد کے طرز نکاش ہے۔ اسلئے نہیں بھی اسے جائیں۔ البتہ نمبر کے پرچہ میں عشق کی گولیاں کا بقا یا خیال نہ کرینگے اور اس کے ساتھ مرزا غفرم یک جتنا کیا کام اہل مضمون بھی شالہ ہوگا جس کا قیہہ لکھنے کی بیعت انہوں نے مرزا فرحت اللہ صاحب کو دی ہے +

ہنسی کا راز۔ ایک نمونہ نیرنگ خیال کے گذشتہ نمبر میں شائع ہوا ہے اس میں ایک نیکو گفتار و نگاہ استعمال ہوا ہے۔ کاتب نے تو دونوں جگہ بھیجے پکارا لیکن صبح نے ایک بار
 گزشتہ نمبر پر بھیج دیا۔ یہ داؤد نامہ ہے ناظرین درست کر لیں۔ (اسٹیشنر ایڈٹر)

تو اے شوکت

(از حضرت شوکت تیمانی)

جواب بھی دفا سے پشیمان ہوگا
جویوں ہی ترا سب کو ارمان ہوگا
یہ اودی گھٹا ہے یہ زنگیں فضا ہے
نہ مانا مرادوں نے کہنا نہ مانا
گھٹا گھر کے آئی ہے پھر میکے پر
یہ محشر ہے لیکن وہ محشر کہاں ہے
یہ مایوسیاں ہیں تو اب کچھ دلوں میں
جسے کفر کہتے ہیں سب بتکے میں
فلک پر شفق کیوں نظر آ رہی ہے
وہ اور اُن سے تجرید عہد تمنا
اُدھر باغ میں غنچہ نگل نہیں گے
جہاں تک تمہاری عنایت بڑھیک
میں تنہا نہ چھوڑونگا تجھ کو کہیں بھی

تو مجھ پر مرے دل کا احسان ہوگا
تو میں کیا زمانہ پشیمان ہوگا
تو اب کون کا فرِ مسلمان ہوگا
کہا تھا کہ اے دل پشیمان ہوگا
نہیں پر فلک آج ترسربان ہوگا
جہاں اے خدا وہ پشیمان ہوگا
نہم ہی رہیں گے نہ ارمان ہوگا
حرم میں پہنچ کر وہ ایمان ہوگا
یہ خونِ نمنا کا عنوان ہوگا
کوئی پھر تباہی کا سامان ہوگا
ادھر مکرے مکرے گریبان ہوگا
وہیں تک تباہی کا امکان ہوگا
ترے ساتھ ہی میرا ارمان ہوگا

قیامت اُسی دن سے اُٹھیک شوکت

قیامت کا جس دل میں ارمان ہوگا

شوکت

دُرِ یگانہ

از حضرت میرزا یگانہ لکھنوی

ڈرتے ڈرتے گناہ کر لیتا ہوں دُزدیدہ سہی، نگاہ کر لیتا ہوں
کیا کیجئے۔ دادِ حسن دیتے ہی بنی دُکھتے ہوئے دل سے آہ کر لیتا ہوں

————— (دولہ) —————

مچلا مٹی کا خاک ہو گا کہ نہیں پیرا ہنِ عمر چاک ہو گا کہ نہیں
آلودہ رنگ و بوئے مستانہ سہی دل خاک میں مل کے پاک ہو گا کہ نہیں

————— (دولہ) —————

منزل کا پتہ ہے نہ ٹھکانا معلوم جب تک نہ ہو گم۔ راہ پہ آنا معلوم
کھولیتا ہے انسان تو کچھ پالیتا ہے کھویا ہی نہیں تو پانا معلوم

————— (دولہ) —————

گذری ہے ہمارے عمر تنکے مچھتے آتشکدہ شوق میں جلتے مچھتے
یارانِ جن گاتے ہیں اپنی اپنی میری سُنتے تو دیر تک سسر دھتے

————— (دولہ) —————

اُستاد یگانہ بے گرے کیوں ہوتے آپ اپنی نگاہوں میں بُرے کیوں ہوتے
اُستاد ازل کے ہیں جوشِ اگرد رشید غالب کی طرح بے سرے کیوں ہوتے
میرزا یگانہ لکھنوی سب رہنما رہنما آباد کن

لیکن جو زمین متصفہ خیال رکھتے ہیں وہ یہ دلائل پیش کرتے ہیں :-

- (۱) محض الکبر کی خاموشی الکبر کے خواہہ ہونے کے خلاف حجت نہیں ہو سکتی
- (۲) انوالغض صاف کہتا ہے کہ اگر بندوں اور رقبوں سے واقف تھا۔

نیزنگ خیال ستمبر ۱۹۳۱ء

کی طرف کبھی متوجہ نہ ہوتی تھی۔ مگر ابو الفضل ان الفاظ میں خود اپنی ترمیم کرتا ہے :-

”از کتب نظم غنوی مولوی دیوان سان انیب خود لیسادت روا
نخواہند از حقایق و لطافت آں التذو سے پابند“

ترجمہ :- ”نظم کی کتابوں میں سے غنوی مولوی (غنوی مولانا دوم) اور دیوان سان انیب خواجہ حافظ شیرازی فریب سے ہیں اور ان کے حقائق و لطافت سے لطف اٹھاتے ہیں“

ذکورہ الفاظ بیان فیصلہ کن ہے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کچھ پڑھ سکتا تھا بلکہ وہ غنوی مولانا دوم اور دیوان حافظ بھی مشکل کتابیں روانی سے پڑھ سکتے تھے۔ جب کہ ان میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ ہمارے پاس ابو الفضل کی یہی سند ہے اور بیان کر سکتے ہیں کہ اگر ہند سے اور قزم کا تھا تھا۔ اور یہ کہ وہ خود اپنے قلم سے کتب کے حواشی پر ہنسے اور قزم لکھنے کا عادی تھا۔ اس سلسلہ میں آیت اکبری کے الفاظ یہ ہیں :-

مارنجوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہر اہم ماں نے ۹۶۳ھ میں جب اکبری عمر ۱۱ سال تھی کے قریب بھی میر عبدالمطیع کو اکبر کا اساتذہ خاص مقرر کیا۔ تاریخ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ میر محمد خاں اور حاجی محمد خاں اور ملا علاؤ الدین نے بھی اکبری کی اساتذہ کی خدمات انجام دیں +

مذکورہ بالا امر سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کو ۱۶ سال کی عمر میں درسہ پڑھا گیا اور اگر زیادہ نہیں تو پندرہویں سال تک اکبر نے تعلیم پائی۔ یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ اکبر نے ہر ماہ اپنے پروا اور کھلاڑی لڑکے ہونے کے باوجود اتنے طویل عرصے میں اتنی تعلیم بھی حاصل کی کہ وہ کچھ پڑھ بھی سکتا۔ مگر اس امر واقعہ سے آنکھیں کیا بنا سکتا کہ کھیلوں میں بہت زیادہ دلچسپی لینے کے باعث اکبر نے نوشت و خوان میں بہت کم ترقی کی۔ اور بعد طواریت میں جو کچھ لکھا تھا اس میں سے بھی بہت کچھ جھٹکا تھا ابو الفضل اپنے افسانہ خاں میں اس کی وضاحت کرتا ہے :- ”اس ذات کے لئے جسکا خدا خود معلم ہے کو خدا موقوف خدا اس کو تعلیم دے یا وہ درس حاصل کرسے“ چنانچہ اکبر کا پاک و مصطفیٰ دل اور متقدس روح خارجی تعلیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵) کے اہل تاریخ ناظر کے لئے آئیں ہمارے ہاں کے دوران غلات میں اعلیٰ ذرات انجام دیں (اکبر نامہ بیرون جلد صفحات ۴۹۵ و ۴۹۶) ۵ اکبر نامہ صفحہ ۲۲۲) ملا عبد القادر کشمشاہ کا اساتذہ تیار ہوا۔ مگر نظام الدین (عقبات اکبری معلومہ نول شورشہ صفحہ ۳۹۷) کا بیان ہے کہ ملا عبد القادر خود اساتذہ تھے نہ چاند سال تک تعلیم اور اس کا بچاؤ کچھ ہو گئے۔ یہ امر تعجب انگیز ہے کہ اگر ملا ابو الفضل - بدایونی اور نظام الدین کی تاریخوں میں ملا عبد القادر کا کہیں پتہ نہ چلا وہ لکھتے ہیں کہ اردو کی تصنیف دربار اکبری ایک مولانا عبد القادر کا افسانہ لکھی ہے۔ مگر چونکہ ملا موصوف کے متعلق جن مورخین کی سندی گئی ہے ان کے نام نہیں ملے گئے۔ اس لئے موجودہ مقدمہ کے سلسلے میں دربار اکبری کے بیان سے مجھے کوئی مدد نہیں ملی (محدثان اسلام میں ہندوستان کی تعلیمی ترقیاں صفحہ ۲۱۰) ملا میر عبدالمطیع قزلباشی شمشاہ ہماچل کی دعوت پر ہندوستان آئے۔ مگر ان کے ہندوستان پہنچنے سے پہلے ہی ہماچل کا انتقال ہو گیا اور جب وہ مع اہل و عیال کے دربار میں پہنچے تو اکبر تخت نشین ہو چکا تھا۔ اکبر نے اپنی تخت نشین کے دو سرے سال اپنا معلم مقرر کیا، ملا خطیر صفحہ ۱۳۰ و ۱۳۱

بدایونی (جلد ۲ صفحہ ۲۴) اور شاہنواز خاں (انوار الامراء جلد صفحات ۸۱ و ۸۲) کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میر عبدالمطیع اکبر کو دیوان حافظ کا درس دینے کے لئے امور کئے گئے تھے۔ باقی لکھتا ہے ان آیات میں اس واقعہ نے میر عبدالمطیع کی نگارگری میں تعلیم حاصل کی اور انہی سے انہوں نے تصوف دیکھنے والے دیوان کی تعلیم شروع کی (اردو جلد ۲ صفحہ ۲۴) مگر شاہنواز خاں مندرجہ میں مخصوص بیان دیتا ہے :- ”آں بادشاہ والا جاہ خد سوا داشت۔ کجی اوقات برنجی غزل سے لسان انیب نژد میر شیخاں“ ترجمہ - بادشاہ والا جاہ خاندانہ تھے کبھی کبھی لسان انیب (حافظ شیرازی) کی غزلیات میر عبدالمطیع سے پڑھتے تھے؛ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہنواز خاں نے بدایونی سے مواد فراہم کیا ہے۔ مگر الفاظ ”آں بادشاہ والا جاہ خد سوا داشت“ شاہنواز کی حقیقت ماثی ہے۔ بدایونی - ایلینسن۔ اور پھر (محدثان الطاریت) ایک معاصر مورخ میں سے کوئی بھی شاہنواز خاں کے بیان سے متفق نہیں اور ان قدیم قرومیں کے غیر مستند بیانات کے پیش نظر ہم شاہنواز خاں کے بیان کو ماننے کو تیار نہیں۔ جز یہ ثبوت کے لئے تاریخ فرشتہ (مترجم برگر) میں ملا عبد القادر کے حالات دیکھے جاسکتے ہیں اس کے علاوہ بدایونی ملا خطیر ہندو کہلا خطیر نے دیوان خواجہ حافظ اور دیگر کتب کے متعدد اسباق پڑھے تھے۔ ملا کے متعلق مزید حواصی کے لئے ملا خطیر فرشتہ مترجم برگر جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ - بدایونی (انگلنگ جلد ۳ صفحہ ۱۳۸ - ۱۳۹ - ۱۴۰) (بقیہ حاشیہ صفحہ ۵)

”وہر کتابے را از آغاز تا بہ انجام نموند و ہر دو کدہ بخار رسند۔
بشارتیں ہندسہ نقل گوہر باخود نقش کنند۔ ویکدہ اوراق آں خوانندہ زلفہ
از سرخ و سفید بخشش شود۔“

ترجمہ۔ اور ہر کتاب کو شروع سے آخر تک سنتے ہیں اور ہر کتاب کتاب
کو سنتے ہیں وہ ان روزانہ اپنے قلم گوہر بار سے نقش فرادیتے ہیں۔ اور
پڑھنے والوں کو صفحات کے شمار کے لحاظ سے ہلائی یا فقری سے کہتے
ہیں۔

اب میں قارئین کے روبرو دو اہم ثبوت پیش کرتا ہوں کہ اکبر اپنی
محض دیکھا۔ اور الفاظ اور جملے ایک لکھ سکتا تھا۔ اور اس کی خود نوشت
تخیروں میں سے آج تک ایک تحریر ملتی ہے۔ جو غلط نامہ جیسی پیش بہانگی
کتاب میں موجود ہے جو کسی وقت میں شاہن منیلہ کے پاس تھی اور میدیا
کہ میں ظاہر کر دیکھا اس تحریر کو وہ ایک پیش قریب چیز سمجھتے تھے۔ یہ تحریر
اٹھ لکھا دیر پیشتمل ہے جو چھوٹے پیمانے پر ہر زمانے کے لکھنے والوں
معموری کا اعلیٰ نمونہ میں بہت ادا زبان کا مشہور ترین مصور تھا۔ یہ قلمی مسودہ
ایک اور حیثیت سے بھی نہایت اہم چیز ہے۔ کیونکہ اس میں ایک علیحدہ سا
دور پر نشاندہ اکبر جہانگیر اور شاہجہان کے قلم سے لکھی ہوئی عبارتیں ہیں۔
بد قسمتی سے ڈاکٹر اسکول نے اپنی اعلیٰ تالیف *Die persische miniature malerei*

Die persische miniature malerei

میں جو اس قلمی مسودہ کا چرم آمار ہے وہ بہت ہی ناقابل اطمینان ہے۔
کیونکہ آخر میں مسودہ کا ایک حصہ ٹاپ میں نہیں آسکا۔ اول ہم جہانگیر کے
ہاتھ کی تحریر کو لیتے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہے:-

اللہ اکبر

کتاب ظفر نامہ بخط مولانا

شیخ علی و ہشت مجلسی نصیر علی را و ایل مستاد بہزاد
از کتاب خانہ حضرت عرش آستان پدرا بزرگوار
(داخل کتابخانہ نادرین بندہ کا درگاہ الہی) شد۔

حضر لا نور الدین محمد (جہانگیر شاہ ابن) اکبر شاہ

ترجمہ

اللہ اکبر

کتاب ظفر نامہ جو مولانا شیخ علی و ہشت کے قلم کی لکھی ہوئی ہے اس
میں آٹھ تصویریں ہیں جو اپنی دفعہ جی و رعنائی میں مدیم الظہیر ہیں۔ جو شاہ
بہزاد نے اپنی اوائل عمر میں لکھنی محض اور حضرت عرش آستان پدرا بزرگوار
کے کتب خانہ میں داخل کی گئی تھیں۔ اس جگہ درگاہ الہی کے کتب خانہ میں
داخل کی گئی۔

رفردہ نور الدین محمد (جہانگیر شاہ ابن) اکبر (شاہ)

ذکر الصدقہ تحریر منظر ہے کہ یہ نسخہ نمشا اگر کے کتب خانے میں تھا۔

اب دوسرا نوٹ جہانگیر کا ملاحظہ کیجئے (جس کا آخری حصہ نوٹس کی گئی ہے)

بقدر حاشیہ صفحہ ۷۔ جو لکھتا ہے ”علی غفرلے دیوان حافظہ اور دیگر کتب کے مختلف جہتوں سے پڑھے تھے۔“
کے اوراق خاص امور لکھنے میں ترجیح دی گئی (آخرت جلد ۱ صفحہ ۱۹)۔ فرشتہ (جلد ۲ صفحہ ۱۳۶)۔ ”ہاجی محمد خاں سیستانی باواہکی اتالیقی کے لئے مایہ نیک کے جانشین اور
کے گئے نثار الامار (صفحہ ۴۴) مایہ ۵۵۱) بھی ملاحظہ ہو۔ مولانا نے دو اہم احوال دو اہم شاعری کے شاگرد تھے۔ بھی کچھ حصہ ایک اکبر کے معلوم ہے (۱۷ صفحہ ۴۴)۔
۵۔ اکبر نامہ (جویریج) جلد اول صفحہ ۵۸۹۔ ۵۔ اکبر نامہ متن صفحہ ۲۴۱۔ میں نے اکبر کی قادی اور ہندی میں شمول کو محض بحث میں لانے سے غماز کر رہی ہے۔ کیونکہ
جس مقصد پر پیش پہنچا چاہتا ہوں۔ اس بحث سے اس جگہ بہت کم مدد مل سکتی ہے۔ تاہم جو شافعی فن اکبر کی قادی قلم پڑھنا چاہیں وہ اکبر نامہ پڑھنے کے ہیں (فارسی بحث
جلد ۱ صفحہ ۲۱۸) نیز اس غرض کے لئے مجمع الفیعی (جلد ۱ صفحہ ۹) و فیہ کا بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ۵۔ اکبر نامہ (جویریج) جلد اول صفحہ ۵۲۰۔ سرچہ جویریج نے
”روان سے خوانند کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے جو صحیح نہیں۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خط پڑھ کر سناتے تھے۔ اس کو معلوم
ہوتا ہے کہ سرچہ جویریج اس خط فہمی میں بتاتا ہے کہ اکبر اپنی محض معنی لکھنے پڑھنے سے قطعاً مایہ تھے۔ اور اس وجہ سے انہوں نے ”خط خانے میں“ ترجمہ کیا ہے۔
احسان صفحہ ۷)۔ بلا کہ میں نے ”از قلم گوہر بار خود نقش کنند“ کا ترجمہ کیا ہے ”اعلیٰ حضرت خود اپنے قلم سے نشانی کر دیتے ہیں۔“ حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”اپنے گوہر
بذوق سے ہند سے رقم فرماتے ہیں“ انہوں نے لفظ ”ہند“ کا ترجمہ مذکور کیا۔ لیکن اگر ہم لفظ ”ہند“ کو الفاظ ”بشارت“ ”آن“ ”تم کو دین تو پھر میں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ قلمی
مسودات جو اکبر کے روبرو پڑے جاتے تھے ان پر ہند سے بھی ہوتے تھے۔ مگر جس معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مسودات پر صفحات لکھنے کا بہت ہی کم و اوج تھا۔ میرے اس
دوئی پر کہ اکبر لکھتا ہے اعراض کیا جاتا ہے کہ نفوذ ہند نقش کردن بہت ہی کم استعمال ہوتا ہے تو پھر ہند سے قلم کردن ہونا چاہیے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر (بقیہ صفحہ ۹)

زیادہ بڑی چیزوں کے مقابل میں ان کی وقت کو بڑھانے کا مسئلہ ہے۔
 کون نہیں جانتا کہ پیغمبر اسلام کی توصیف و تحمیں ان کے اتنی ہونے
 کے باعث اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ (اور بہت سی ممکن ہے کہ پیغمبر خدا کے
 آتی ہونے کی صفت سے ایک مماثلت پیدا کرنے کی غرض سے اکبر کو ابھی
 آتی مضمود کر دیا ہو۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب ایران کا قاصد ایک
 پنجام لے کر اکبر کے دربار میں حاضر ہوا اور "اکبر! خاندہ ہوئے کے باعث"
 بچے کے ہتھ کو سر کی طرف کر کے پڑھنے لگا تو سفیر کو ماضی بہیم دیکھ کر انصاف
 لے لیا۔ "پیغمبر! آتی است" پھر اس غلطی رعایت کو خاص طور پر یوں بھی بتا
 جاتا ہو گا کہ اکبر نے دین الہی جاری کیا تھا۔ نیزنگ خیال)

علامہ ہمیں نقطہ آتی کے اصلی مفہوم و معنی کے متعلق ہنوز فیصلہ نہیں ہوا
 لہذا جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کے معنی "آتی
 محض" کے ہوں +

اب دوسری قابل قدر شہادت جو عبدالباقی نماندی کی کتاب
 "آثار جمی" ص ۱۵۲ پر مطابق ۱۱۱۱ھ میں یعنی اکبر کی وفات سے صرف
 دس سال بعد لکھی گئی تھی۔ عبدالباقی نماندی نے یہ کتاب خان خانان کے
 ایام پر لکھی تھی۔ اور اس وقت اس کے پاس وہ دین کتاب کے لئے اصلی
 کا نذات موجود تھے۔ لہذا اس کتاب میں جو فرامین نقل کئے گئے ہیں ان کی
 صحت میں کوئی شک بحث نہیں ہو سکتا۔ ان دو امر کو ذہن میں رکھتے ہوئے
 اب ہم اس فرمان کو مینار تنقید پر کس کر دیکھتے ہیں جو اکبر نے ۱۱۹۱ھ میں
 خان خانان کے نام ارسال کیا تھا۔ اس فرمان کو آثار جمی میں مذکور ہے
 عنوان کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:-

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) ابو الفضل فی الحقیقت یہ کہنا چاہتا تھا کہ اکبر کی کتابوں کے حاشیہ پر لکھی گئی باتوں کو اس نے بجائے "بندہ سبقت کو ہر بار خود نقش سے کوہ کو کھنڈی
 بقلم گوہر بارخندہ سے کوہ کو کھنڈی نہیں لکھا۔ ۱۱۹۱ھ میں جلد اول صفحہ ۱۰۳ + ۱۱۹۱ھ ظفر مار شرف الدین علی یزدی نے منسوخ کیا۔ میں "ایضاً کیا تھا (شرق اورد
 علی یزدی نے منسوخ میں وفات باقی)۔ ۱۱۹۱ھ ہر مسودہ کی تاریخ تحریر ذیل کے فارسی قطع میں درج ہے:- تحریر جو تقریر ہر از در شمس جہاں شہاد و دعائی و اوج میں
 از دست فقیر کز ترین غیر علی ۱۱۹۱ھ تمام کتاب است در فیض سنین ۱۱۹۱ھ الفنا تبیع سنین ۱۱۹۱ھ ہر از دست ۱۱۹۱ھ ہر از دست ۱۱۹۱ھ میں اپنے تہذیب دوست پر و فیر
 اچھ ایم شیلیون آت ہار ۱۱۹۱ھ جلد نمونہ میں (مجموع) اس قلمی نسخہ کو پیر میں دیکھا اور اس کی جا بک کی تھی)۔ ۱۱۹۱ھ قلعہ یارک بکھ ان ہی سے ملے۔ ۱۱۹۱ھ میں "ایضاً کیا تھا (شرق اورد
 مشہد موقوف محقق پیرس ایمڈی و کٹر ڈی گو کو بک کے شاندار مجموعہ و مسودات میں یہ قلمی مسودہ موجود ہے)۔ (حاشیہ صفحہ ۹) میر جلال الدین میں آجوز جنگ جہاگیر کی
 کے تعلق میں جو انہوں نے منسوخ میں منشا کے قصید میں پیش کی تھی۔ لکھنؤ میر جلال الدین کو عادل شاہ ۱۱۹۱ھ میں لکھی گئی تھی کے ساتھ شاہزادہ وانیال کی شادی کا
 معاملہ کرنے کی غرض سے لکھنؤ بھیجا تھا۔ (اکبر جلد ۲ صفحہ ۸۲۰) پھر میر جلال الدین مورخ فرخ کے مولد منشا کے قصید میں ایسا قصہ پیش کرنے کی غرض سے آگرہ
 حاضر ہوا جس میں بھی لکھنؤ میں تھا (آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۴۵۰) مجھے اس بات کا شک ہے کہ میر جلال الدین نے اکبر کی خدمت میں جہاں پیش کئے ان میں سے بعض قلمی نسخہ بھی آئے۔

جب ذیل ہے:-
 "۱۱۹۱ھ میں خط مبارک حضرت عرش آستانیت و میر جلال الدین جمی
 انجواں نیز دار و دار الخلافہ آگرہ پیشکش نمود۔ (.....)
 ترجمہ۔ یہ کہ حضرت عرش آستانی (یعنی اکبر) کی تحریر ہے۔ میر جلال الدین
 آجئے اس نسخہ کو دار السلطنت آگرہ میں پیش کیا تھا +
 ذیل میں ایک بالکل واضح اور فیصلہ کن ثبوت اس بات کا پیش کیا
 جاتا ہے کہ اکبر الفاظ کھ سکھا تھا اور لفظ

آفرودین

جو قلمی تحریر میں جس کی عکسی تصویر آپ کے سامنے موجود ہے۔ لکھا ہے کہ
 وہ خود اکبری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے +

لیکن اگر ہم جہاگیر کے مذکور العبد بیان کا (جو خود اسی کے ہاتھ
 کا نوشتہ ہے) اس کی خود نوشت سوانح عمری کے الفاظ سے جن میں
 اس نے لکھا ہے کہ والد بزرگوار "آتی" تھے مقابلہ کریں تو معلوم ہوا جو
 کہ جہاگیر نے اپنے بیان کی تہہ دیکر ہوا ہے +

البتہ یہ لکھ جہاگیر کے ان دو متضاد بیانات میں تعلق پیدا کیا جاتا
 ہے کہ شاید اکبر کے بالکل محدود ملک کو جہاگیر نے درخدا فتنہ سمجھ کر اس کو
 آتی سے زیادہ لقب دینا مناسب نہ سمجھا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے والد
 کے ان اوصاف کا اظہار کرتے ہوئے کہ وہ ظفر و شکر کے حقایق و وقایع کو بھی
 خوبی سے سمجھتے تھے۔ اکبر کی طبیعت کا ذکر عمدہ نظر انداز کر دیا ہو۔ نیز یہ کہ کہہ کر کہ
 اکبر باوجود آتی ہونے کے شعرا و مصنفین کی سرپرستی فرماتے تھے، اکبر کے
 علم پرورانہ اوصاف کی اہمیت کو ظاہر کیا ہو۔ پھر بڑی چیزوں کو اب بھی

ہے۔ میری رائے سے اتفاق رکھتے ہیں +

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے میں اکبر کے ہاتھ کی بعض تحریروں کی طرف توجہ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وکٹوریہ میموئیل ہال کلکتہ اور انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہیں، اور باب نظریہ توجہ منقطع کرا تاہوں وکٹوریہ میموئیل ہال کلکتہ میں جو تحریروں ہیں اور جن کو اکبر کے ہاتھ کی تحریروں بتایا جاتا ہے۔ میں نے ان کی جانچ کی ہے۔ خواہ یہ تحریروں اصلی ہوں یا جعلی ان تعلیمی مسودات میں کہیں نام و نشان کو اس کا ذکر تک نہیں کہ ان میں ایک لفظ بھی مستند نہ تھا، اکبر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مگر شاہی ہاں ہے ان علامۃ الدہ و افاضل شخصیتوں کی دیدہ دلیری و جرأت کو جنہوں نے کار پر ہذا زبان و کلمہ یہ میموئیل ہال کو تعلیمی مسودہ کے مندرجہ ذیل ذکر کو اپنی فہرست میں شائع کر دینے کا مشورہ دیا ہے:-

”د فتوحات علی سہا قلی نسخہ عکس ۹ (جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے) یہ کتاب عالم تصوف پر مبنی الدین کی تصنیف ہے جو عربی زبان میں ہے + جلد اول شہنشاہ جاگیر کے ہاتھ کی۔ جلد دوم عبدالرحیم خان خاناں خٹک برہم خاں کی اور جلد سوم اکبر اعظم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ کتاب ہزار اللہ ہائے نظام حیدر آباد دکن نے ۱۹۲۷ء میں میموئیل ہال کو عطا کی تھی +

میں نے اس تعلیمی مسودہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی ایک ہی شخص کی تحریر ہے۔ اور حیدر آباد میموئیل ہال کی شائع کردہ فہرست میں لکھا ہے کہ تین مختلف اشخاص (جو تا کیر خاں خاناں اور اکبر) نے لکھا ہے غلط ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا کاتب ایک پیشہ ور خوشنویس کا تب شریف محمد ابن نصیر محمد میانجی ہے۔ جس نے ایک جلد کے اختتام پر اپنے دستخط بھی اس طرح کر دیے ہیں:-

”وذا الکام بخط احقر عباد اللہ شریف محمد ابن نصیر محمد میانجی + یہاں اس قدر وضاحت کیا جا سکتا ہے کہ کتاب کے کاغذ پر شہنشاہ جہانگیر کے نام کے لکھے ہوں (جو سرحد ۱۶۷۴ء شوال ۱۰۸۵ھ) اور عبدالرحیم خان خاناں کے ہاتھ کے نوٹ درج ہیں +

اکبر کی دوسری تحریر کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ افادہ سیلی کے

”نقل فرمائی کہ بتاریخ نصدود نو ویک جنگام توجہ گجرات ہاں سپہ سالار افشا نو دہ اند و دستخط خاصہ اس بزرگ کا بخطاب فرزند سرافراز ساختہ +“

ترجمہ ”اس فرمان کی نقل جو ۱۹۹۱ء میں گجرات روانہ ہوتے وقت اس سپہ سالار کے نام لکھا تھا۔ اور جس میں (اکبر نے) اپنے دستخطوں سے اس بزرگ کو خطاب فرزند سرافراز کیا تھا +“

اس عنوان کے بعد مصنف اکبر کے اصل الفاظ کو نقل کر رہا ہے جو حسب ذیل ہیں:-

”شرح دستخط خاصہ اس خلیفہ الہی کہ برائے طغرائیں والا قدر را برتہ فرزند سی بلند مرتبہ گردانیدہ۔ آد آد آد + فرزند عبدالرحیم بداند“

ترجمہ ”شاہی تحریر کی نقل جو خط طغرائیں خلیفہ الہی (اکبر) کے دست خاص کی لکھی ہوئی تھی اس میں اس (کو) خان خاناں خطاب فرزند سی سرافراز فرمایا۔ اور خطاب کے الفاظ ہیں:-

فرزند عبدالرحیم بداند
یعنی فرزند عبدالرحیم کو سلام ہو

یہ اس امر واقعہ کا ایک اور ثبوت ہے کہ اکبر نہ صرف الفاظ بلکہ جملے بھی اپنے قلم سے لکھ سکتا تھا +

اس سلسلہ میں یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ اکبر نے (جس طرح بہت سے ناخواندہ اشخاص کرتے ہیں) پہلے سے لکھے ہوئے الفاظ کی نقل کی ہوگی۔ یہ خیال دغور اعتنا سمجھا جاتا۔ مگر ہمارے سامنے اکبر کے لکھے ہوئے اصلی الفاظ موجود ہیں (ملاحظہ ہو عکسی تصویر اور بلاشبہ ایک معمولی مبصر بھی الفاظ:-

آفرور دین

معلوم کر سکتا ہے کہ نقل یا چھ عقل والے ہاتھ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ شان کتابت خاصی اچھی ہے۔ اگرچہ پختہ نہیں۔ فارسی زبان کے اکثر ماہرین بافضل جنہوں نے تعلیمی مسودہ کو جانچا ہے اور اس سلسلہ پر مجھ سے بحث کی

لے (ایک سوساٹھی بھال کا تعلیمی مسودہ) جن کی خود مصنف نے جانچ کی تھی) اس تعلیمی مسودہ کو پرنسپل ایم بی ایت مین نے ترتیب دیا ہے۔ مکہ وکٹوریہ میموئیل ہال:- مسلوں کے مسودہ فہرست (کلکتہ ۱۹۲۵ء) صفحہ ۵۰ +

ہیں کہ اشتراک و معاہدہ کی سب سے بہترین اسکیم جو شلے کمیشن نے پیش کی تھی مدت ہوئی ۱۰ سالہ ہو چکی ہے۔ اگر ہندوستان کے اندر ان اصولوں نے جگہ پکڑ لی تو ۲۳ کروڑ مہینوں کے سیلاب کو روکنا خصل ہو جائے گا۔ اور یقیناً کارخانوں کا نظم و نسق اور کھیتوں کی کاشت - ٹریڈ یونین کا انتظام ہرگز ہرگز جہانناہی کا تحمل نہ ہو سکیگا۔ کیونکہ دنیا کے اس اہم ادارے اور کارخانجات اشیا سازی میں بہت بڑا فرق ہے +

صدیقی مراد آبادی

کی ذہنیت اور روش یہ بنا رہی ہے کہ مقابلہ و رقابت۔ اختیار مشترکہ قوتِ عظیم جن اشتراک و معاہدہ سے گذر کر جہانناہی و ملک رانی کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ اب سوال اس کا نہیں ہے کہ مزدور ایک کارگر یا کارخانہ کے اندر شرکت اختیار اور عقل چاہتے ہیں۔ بلکہ سوال اب اس اجارہ داری کے ختم کرنے کا بھی ہے۔ جو سہ ماہیہ کے سب سے بڑے ادارے یعنی ملک نے غصب کر لیا ہے۔ باوجود اس کے کہ انگلستان کے عوام کی ذہنیت بہت زیادہ سکون پسند و امانستہ و آرائین فوڈ ہے۔ پھر بھی ہم دیکھ رہے

برشکال

(ہندوستان کا مخصوص پربہار موسم)

جہن جہن صرف تازگی میں کلی کلی محو سیگاری
حیاتِ افسردہ جاں بھی رنگیں بساطِ ہر جہاں بھی رنگیں
طوائفِ شمع بہار کر رہا ہے پروانہ مسرت
کہ جیسے انگڑائی دفعتاً لے کوئی چمکتی ہوئی جوانی
ہزاروں منجوار جیسے کوثر گریوں پر تلے ہوئے ہوں
برس رہی ہیں جو سرد بوندیں لطیف نغمے سنارہی ہیں
جھیل گیسو بدوش ساقی گلابیاں بھر کے لارہا ہو
کبھی سرورِ خیال بن کر کبھی نشہ نگاہ بن کے
وہ گیت کی لے کا رقص کرنا فضاؤں کی ست نگہتوں پر
وہ سرد بوندوں کی ہلکی ہلکی بھوار پڑنا سرور و رنگ
ہر ایک وادی عروں مطلق، ہر ایک گسار خلد یکسر
تمام کھیتوں سے ہو رہی ہے حیات کی تازگی نمایاں

زمیں سے آسمان تک ہے بہار کی ایک موج طاری
فلک بھی رنگیں، زمیں بھی رنگیں، نظر بھی رنگیں بھی رنگیں
نیکمار پر ہے ہر اک گل تر، جہن ہے میخانہ مسرت
ہے برق کی شعاع نایوں میں شبنم حسن کی روانی
گھٹاؤں کا اجتماع، تو بہا کہ جیسے گیسو تلے ہوئے ہوں
فضاؤں کی کیف خیز موجیں بہار کے گیت کا رہی ہیں
وہ بادلوں کی سبک روانی، کہ جیسے اک ست جبار ہو
گھٹاؤں کا جھوم کر بسنا، لطافت بے پناہ بنکر
وہ جھونکوں جوانیوں کا، لطیف جھولوں کے پہلوؤں نہیں
شباب کا آشکار ہونا حسین چہروں کا نور بن کر
وہ مٹھی فرش جھگولوں میں، وہ جوش کیف و نموکا محشر
کسان کے دل کا غم مو اکلم امید کا کھیل گیا گلستاں

بہار کا یہ فروغ تازہ پیا م سب کو سنارہا ہے
کہ موسمِ برشکال ہندوستان کو جنت بنا رہا ہے

منظر صدیقی (مدثر شاعر آگرہ)

سنتی

ہمارا فی کونج بہار کی "ہندوستانی عورتوں کی نو بہترین مثالیں" کی دوسری کہانی کا آزاد ترجمہ

انجناب اشفاق حسین صاحب بی۔ لے آکس، پریسٹریٹ لائیکچر ایسیات، علیگڑھ

سنتی ابھی چھوٹی ہی تھی کہ ایک روز دربار میں ایک رشی قشر لیت لائے۔ اور انہوں نے شاہزادی کی آنکھ کی پٹیوں میں گول کے پھول کا عکس دیکھ کر متعجب ہو گئی کہ وہ ایک بہت بڑی رانی ہوگی اور اس کا نام دنیا میں ہمیشہ زندہ اور روشن رہے گا۔ یہ کہہ کر وہ مسکرائے اور نصحت ہو گئے۔ اور پھر کبھی کسی نے ان کو اس سلطنت میں نہ دیکھا۔

راج گمار کی سنتی جوان ہو کر سن کی دیوی ہو گئی۔ مگر سنتی وہ خوبصورت اُس سے بھی کم نہیں زیادہ خوش سیرت تھی اُس کا سولہواں سال بھی ختم نہ ہوا تھا کہ اُس کی عویوں کی شہرت سارے ملک میں پھیل گئی۔ مگر اُس کے والدین کو اُس کے بیاہ کی جلدی نہ تھی مان کی دلی تئنا یہ تھی کہ سنتی اُن سے کبھی نہ بیاہ ہو اور اُن کی ہی امید تھی کہ اُن کو کوئی ایسا شاہزادہ مل جائے گا جو سنتی کا شوہر اور اُن کا بیٹا بن کر انیس کے ساتھ رہے گا۔ اور اُن کے بعد سنتی اور وہ دونوں راج کریں گے۔ یہ تو تھے ہمارا چودھرم برت کے منصوبے، مگر قسمت کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا۔

جب تک کہ اُسے ایک اور سلطنت تھی جہاں ایک جوان صاحب نماز، اُدھن باد کا راج تھا۔ صورت میں عظیم نہیں کھیل کو دس اور اُن تمام عویوں میں جو خاص طور پر مردوں کے جوہر تھے جاتے ہیں وہ ہانڈا خانی نہ رکھتا تھا ابھی تک اُس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اور اُس نے کبھی ہانڈا جب تک خود اُس کی مرضی کے موافق دھن نہ لے لی وہ بیاہ نہ کرے گا۔ سارے ملک میں

پرانے زمانے میں ایک بہت باخدا ہمارا چودھرم برت تھا۔ یوں تو اُس کی سلطنت جو جتنا کے کنارہ تھی بہت چھوٹی تھی۔ مگر ساتھ ہی اُس کے خوشحال بھی بہت تھے۔ غم اور رنج، بیماری اور تکلیف کا وہاں گزر ہی نہیں تھا۔ کیونکہ وہاں کا صربان اور رحم دل ہمارا چودھرم برت زہ کی مدد کرتا تھا۔ اور اپنی رعایا کے ساتھ دیکھی ہی دلی محبت کرتا تھا جیسے کہ ایک باپ اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اُس کی دینداری اور مذہب کی پابندی کی وجہ سے اُس کی ریاست بالکل ایک پتھر بنی معلوم ہوتی تھی۔ عدم قدم پر مند نظر آتے تھے اور سال بھر برابر پوجے اور پزدان کا دور رہتا تھا۔ چودھرم برت کو ہمارا چودھرم برت ہی ایک ہوتا بھی تھا۔ اُس کے نام کے معنی "ایمان کا ملاشی اور شیدا" ہیں اور وہ ہم باسلی تھا۔

گو سارے راج میں ہر طرف خوشی اور امن تھا مگر ایک بات کی تھی جس سے ہمارا چودھرم برت غمزدہ اور غمزدہ رہتا تھا۔ چودھرم برت کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آخر کار ایک رات ہمارا رانی نے خواب دیکھا کہ اُس کو دشمنوں کے درشن ہوئے اور دلوں اُس سے فرما رہے ہیں۔ "بیٹی تو غم نہ کر میں تجھ سے اور تیرے بچے سے خوش ہوں۔ اور تو بہت جلد مان ہوگی" اور دراصل ایسا ہی ہوا۔ چند ہی پہلے گزرے تھے کہ محل میں ایک نہایت خوبصورت شاہزادی کی ولادت کے جشن ہونے لگے اُس شاہزادی کا نام سنتی رکھا گیا۔

لے پتھر بنی = سنیا سوں کی آبادی۔ جنگل وغیرہ میں ایسی جگہ جہاں صرف عجیب سی رہتے ہیں۔

امید دہم میں اغیار کا ایک ایک لمحہ ہمارا تھا۔ دربار میں ایک عجیب کیفیت تھی۔ بسنا پنا چھایا تھا اور سب کی نظریں ایک ہی جانب لگی تھیں۔ اتنے میں سستی اپنی ساگی اور ہموار پسلی کی شان و شوکت سے دربار میں داخل ہوئی وہ ایک ریشم کی آستانی ساری پٹے تھے جو اس کے بدن کو پوشیدہ اور حسن کو روشن کرتی تھی۔ دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک نایاب لکھا ہوا پھول پانی کی لہر پر تیرتا ہوا اجلا جا رہا ہے۔ اور جس طرح اس پھول کی رفتار سوا کے بھوکوں سے ایک لرزش پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح سستی کی چال میں اس وقت ایک جھجک تھی۔ کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ سارے دربار کی نظریں اس پر جمی ہیں۔ اور اس کا ننھا سادل اس کیفیت کا متحمل نہ تھا۔ مگر باپ کا حکم باپ کا حکم تھا +

جب وہ اپنے باپ اپنے بادشاہ کے تخت کے پاس پہنچی تو گھٹنوں کے بل ٹھکی اور سجدہ بجالائی پھر اٹھی اور سجدہ بجا کر اپنے باپ کے سامنے بیٹھ گئی۔ دربار کو سلام کر کے اپنے باپ سے مخاطب ہوئی کہ تاجی مہاراج اپنے مجھے یاد دیا یا چاہے اُدھن باد کے سفیر سستی کی صورت دیکھ کر رنگ ہو گئے۔ اس کی چال دھال نے ان کے دلوں کو بالکل گودید کر لیا اور جب اس کی آواز سنی جو ایک نہایت خوش گلوچر کی جیسی آواز تھی تو وہ بالکل اپنے سے باہر ہو کر بھول گئے کہ وہ کہاں ہیں اور اُنھیں کھڑے ہوئے۔ مہاراج دھرم برت اپنی بیٹی کی ایسی خورفتہ اہل بلے اختیار علیٹ سے خوش رہتے ہوئے مگر اس کی تبدیلی کے خیال نے ساری خوشی خاک میں ملا دی۔ جب وہ لوے تو انکی آمد آمد بھرائی ہوئی تھی۔ "میری بچی چند دست یہاں تجھ کو دیکھنا چاہتے تھے" سستی شرم سے سرخ ہو گئی اور اس سرخی کی لہر نے اس کے ہاتھ پیرے حسن کو اور دھلا کر دیا۔ اپنے باپ کے سامنے پھر سجدہ ادا کیا اور رعایت بجالا کر اور درباریوں کو پرہیز کر کے ہاتھ جوڑے ہوئے تخت سے اُٹے پاؤں دایں ہوئی اور ایک دروازہ میں جو اندر نان خانہ کو جاتا تھا غائب ہو گئی۔ جب دربار کے سرے سستی کا مادہ آواز آواؤں میں یاد کے سفیر حاضر نے عرض کیا۔ دھرم اوتار! ہم ہزار ادب اور عجز کے ساتھ آپ سے دست بستہ معافی چاہتے ہیں کہ بغیر آپ کی اجازت کے ہم اُنھیں کھڑے ہوئے۔ پر نامنا را حکمران کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ ان کے بے نظیر حسن نے ہم پر ایسا جادو کیا کہ ہم اپنے آپ کو بھول گئے۔ اور ہم کو صرف ایک ہی بات کا خیال رہا کہ یہ کیسے طرح ہم جلد سے جلد اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دے

سفیر بھیجے گئے کہ وہ تمام راستوں کی شنوائیوں کو خود دیکھ آئیں۔ یہ سفیر ایک سلطنت سے دوسری سلطنت میں اسے مارے پھرے۔ مگر ہمارا چاہے اُدھن باد کی پسند آتی شکل تھی کہ کوئی شہنشاہی نظریں پوری نہ اُترتی تھی۔ اس ناامیدی کی حالت میں وہ ہمارا چہ دھرم برت کے دربار میں پہنچے۔ ان کے دل پر دے پنا کا میا میوں سے بالکل مر گئے تھے۔ اور انہوں نے کسی امید سے نہیں بلکہ صرف اپنا فرض اور محنت تمام کرنے کے لئے وہاں کی شانہ وادی کا حال پوچھنا شروع کیا۔ مگر جب انہوں نے اس کی صورت دیکھی اور دیکھ کر خود ان کے دلوں میں پھر پُرانی امیگیں ابھر آئیں۔ اور نئے سرے سے پھر امید پیدا ہوئی کہ شاید وہ منزل مقصود پر پہنچ گئے اور آخر کار ان کو ایسی شانہ وادی ملی جو ان کے ہمارا چہ قابل ہو اور ان کی ریاست کے لئے باعث فخر۔ بالآخر وہ دربار میں حاضر ہوئے اور ہمارا چہ کی خدمت میں بعد آداب عرض کیا کہ وہ اپنے ہمارا چہ را بیکاری کے ساتھ پیام لائے ہیں۔ مگر دھرم برت نے کہا "گو یہ میرے لئے باعث عزت ہے کہ اُدھن باد میں جیسا بڑا ہمارا چہ میرے گھر سے رشتہ چاہے۔ مگر یہ بے سوچات ہے۔ کیونکہ ہمارا چہ اُدھن باد کو ایسی شانہ وادی کی ضرورت ہے جو ہمارا اس کی رانی بنے اور چونکہ میرے کوئی لڑکا نہیں ہے میری بیٹی کو میرے بعد یہ راجہ سنبھالے گی یہ سنبھالنے والے ہمارے سفیر تجیدہ واپس گئے۔ مگر ان کے بیان اُدھن باد کے دل میں ایک شوق اور گدگدائی پیدا کر دی اور اس نے اپنے سفیروں کو پھر بھیجا کہ وہ کم از کم اس لئے موفقی کو ایک نظر اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیں سفیر اپنے ہمارا چہ کے حکم کی تعمیل میں دھرم برت کے دربار میں پھر حاضر ہوئے۔ اور بہت منت و مساجت کے بعد دھرم برت ان کو اپنی بیٹی دکھانے پر راضی ہو گیا۔ دوسرے روز صبح کو پوچھے کہ بعد جب اُدھن باد کے سفیر اور تمام درباری موجود تھے۔ ہمارا چہ دھرم برت نے حکم دیا کہ را بیکاری دربار میں حاضر ہوں۔ دربار کچھ کچھ بھرا تھا۔ اور اُدھن باد کو باطنی طور پر ہی تھی درباری خوشی سے بھولے نہ سہاتے تھے۔ کیونکہ ان کی را بیکاری کے ساتھ اتنا بڑا مہمان شاہی کرنا چاہتا ہے۔ ساتھ ہی ایک طرف یہ اندیشہ تھا۔ کہ اتنی بڑھ جانے کے بعد اگر شاہنشاہی سفیروں کو پوری طرح پسند نہ آتی تو کیا ہوگا۔ دوسری طرف یہ خیال تھا کہ اگر ہمارا چہ دھرم برت نے اپنی بیٹی دینے سے انکار کیا تو گویا اُدھن باد کی صاف ذلت اور توہین کرنا ہوگی۔ اس

جنت کی فتح ہوئی اور شادی کون تاریخ مقرر ہو گئے +
 اوس شادی کی دعوم دھام کا کیا کہنا جس میں اوصن پاد مہیا بڑا مہار
 دو لھا ہوا دوسن کا بابا پرمش ایک مہاراجہ ہی نہیں بلکہ اپنی رعایا کا دیوتا ہو۔
 دھرم برت کی راجدھانی اس طرح جگہ جگہ رسی جیسی کوئی نئی دھن اور
 رعایا میں بڑے سے چھوٹے تک ہر ایک کی یہ خوشی اور یہ ٹھکانہ تھے کہ ہر
 مرد دو لھا معلوم ہوتا تھا اور ہر عورت دھن اور غودو دو لھا کی خوشی کا کیا بیان
 اُس وقت وہ دنیا میں کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا تھا۔ اور اپنی قسمت پرنا زکرتا
 تھا کہ اُس مہیا خوش نصیب دو لھا کوئی نہ ہوگا۔ جب اُس کو اپنی دھن سے
 خلوت حاصل ہوئی تو اُس نے ایک سونے کے صندوقہ سے ایک بیش قیمت
 موتیوں کا باز نکالا اور سنبتی کو پنا کر بولا "دیوی یہ ہمارے خاندان کا
 سب سے بیش بہا زیور ہے۔ میری ماں نے اسے مجھے مرتے وقت دیا تھا اور
 کہا تھا "بیٹا اُسی سے بیاہ کرنا جو ان موتیوں کے مانند پویشتر (پاکیزہ) ہو"
 دیوی تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے جو اس کو اپنی سکے "سنبتی کا چہرہ خوشی
 سے تپتا تھا۔ اُس نے اوصن پرکے پاؤں چھوئے اور جب اُس کے دو لھا
 نے اُسے اٹھایا تو اُس نے کشہ بالکرسٹ اتنا کہا کہ "میرے بچیا میرے
 مہاراجا ایشور مجھے آپ کی محبت اور ان خوبصورت موتیوں کے قابل بنائے"
 دوست روز دنیا کا سامنا ہوا سنبتی نے ایک ایک کر کے اپنی تمام
 سہیلیوں کو روٹے ہوئے ٹھکانا دیا اور آخر میں والدین سے رخصت ہونے
 کی نوبت آئی۔ دل بھرے تھے۔ اور زیادہ افغانہ کی گنگا نشیں سنبتی
 نے صرف اتنا کہا "میری جان سے زیادہ پیارے" میرے بچا جی میری
 ماما جی میں جینے کو شش کروں گی کہ آپ کی تمام نصیحتیں یاد رکھوں اور اپنے
 آپ کو آپ کی سچی بیٹی ثابت کر دکھاؤں۔ دشمن پوتا میرے سنے گھر میں اُسی
 طرح میری رہنمائی کریں جیسے کہ انہوں نے اس گھر میں بیوہ کی ہے "مہاراجہ
 اور مہارانی نے اس کو دیکھ کر اپنے دل کا درخ چھپانے کی کوشش کی مگر دل قابو
 میں نہ تھے۔ کیونکہ ان کو وہ کہے یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو پھیر نہ
 دیکھیں گے۔ مہاراجہ نے آخر میں اُسے یہی حکم کر دھت کیا "دشمن کی
 رمت تمہارے سر پر رہے اور تم میری تابعدار اور بے غرض بیٹی رہی ہو پوری
 ہی ماں غلام اور بے لوث بیوی بھی ہو!"

کراپ کے دربار کا موتی بلا شک ایک بے ہاموتی ہے، مہاراجے نہایت
 مہربانی سے جواب دیا "ایسی تعریف سے تم میری عزت افزائی کرتے ہو۔
 میری لڑکی بیان کشمی بائی، مکملاتی ہے۔ کیونکہ وہ ہماری ریاست کے لئے
 باعث رحمت ہوئی ہے +
 سفروں نے گھر پہنچ کر مہاراجہ اوصن پاد کے سامنے سنبتی کی تعریفوں
 کے وہ پہلے باندھ دئے کہ اُس کا شوق اور تیز ہوا۔ اور اُس نے ایک سر
 سفیر مہاراجہ دھرم برت کی خدمت میں اسی غرض سے بھیجا کہ مہاراجہ دھرم
 برت سے وہ اس کی اجازت حاصل کر لے کہ اوصن پاد جو حاضر ہو کر بکاماری
 کے لئے درخواست کرے +

قصہ مختصر اوصن پاد دھرم برت کے دربار میں جا پہنچا اور مہاراجہ اور
 مہارانی کو اپنے شوق و دے اتنا عاجز کر دیا کہ آخر کار وہ راضی ہو گئے کہ
 سنبتی کی اُس سے ملاقات کرادی جائے۔ اُس ملاقات کے لئے مہارانی
 نے سنبتی کو خود اپنے ہاتھوں سے کپڑے پہنائے اور اُس کا دست لگا رکھا۔
 کپڑے پہنتے وقت بیجاری ماں دل ہی دل میں کبھی دھرم برت کی گنجی بھی
 کہ اُس کی بیٹی مہاراجہ اوصن پاد کو پسند آجائے۔ اور کبھی ورنہ تھی کہ میں
 اوصن پاد کی شاندار صورت بھولی بھالی سنبتی کے دل پر قبضہ نہ کر لے اور اُس
 کی بیٹی اُس سے چٹ جائے۔ جھٹ پٹے کا وقت تھا سنبتی اور اوصن پاد
 کی پہلی ملاقات ہوئی۔ مہاراجہ دھرم برت اپنے مہمان کے ساتھ ایک کھٹے
 صحن میں بیٹھا تھا سنبتی اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں حاضر ہوئی۔ دھرم برت
 نے اُس کو باتوں میں لگا لیا۔ اوصن پاد بالکل خاموش تھا۔ تمہاریب اور
 آداب مجلس مانگ تھے کہ وہ سنبتی سے فوراً مخاطب ہو جائے۔ اور اگر ایسا نہ
 بھی ہوتا تب بھی اُس کی فرنگی اور دارنگی کا یہ عالم تھا کہ اُس وقت اُس کے
 لئے ایک بات بھی کرنا ناممکن تھا سنبتی کی آواز اُس کے کانوں کو دنیا کے
 بہترین نغموں سے زیادہ دلادیر مطوم ہوتی تھی اور اُس کا چاند سا چہرہ فرشتی
 ساری کے حلق میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ پانی پر سفید کنول یا بھول اُس
 کے چلے جانے کے بعد اوصن پاد مہاراجہ دھرم برت سے مخاطب ہو کر بولا
 "میری آنکھوں نے ایسا صحن آج تک نہیں دیکھا۔ اور درخواست کی کہ وہ موتی
 اُس کو دیدیا جائے۔ دھرم برت نے جواب دیا کہ اُس کی بیٹی اُس کے راج
 ہا کشمی ملتی ہے اور وہ اس کو اپنے سے جدا نہیں کر سکتا۔ مگر اوصن پاد
 دھرت و ساجت میں کئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اور آخر کار وہی ہوا جو ہوتا تھا

اوصن پاد کے دارالسلطنت نے جس جشن اور ساز و سامان سے اپنے

آ رہا تھا۔ مگر ایک جام اور پلاکریکسٹنر کر دیا گیا۔ سنتی اتنے میں اٹھ کھڑی ہوئی اور جھوٹی مہمانی سے مخاطب ہوئی، ”بس! سو جا ہی کو میں تم پر چھوڑے جاتی ہوں۔ اگر تم مادی شان میں مجھ سے کوئی فضا ہوئی، جو توجہ معائن کر دینا،“ اپنے کمرہ میں پہنچ کر سنتی کا ضبط ٹوٹ گیا۔ زمین بزاؤں مگر گر پڑی اور خوب ہسک ہسک کر رہنے لگی۔ ”ہائے! الشور! تو نے مجھے رک رکاکیل

نہیں دیا، اگر آج سیری گود خالی نہ ہوتی تو میں ہوں نہ نکالی جاتی۔ یہ سیری خرابیاں صرف اسی دور سے ہیں کہ میں ماں نہیں ہوں جس عورت کے دل میں نہ ہو اس کی زندگی ترک سے بدتر ہے۔ اُس عورت کو کبھی خوشی نہیں نصیب ہو سکتی۔ لڑکا ہی عورت کا سب سے بڑا نڈیو ہے۔ اگر آج میرے بھی لڑکا ہوتا تو میرے پتی مجھ سے منہ نہ موڑتے، نہ روتے، نہ پھر اُس نے اپنے دیوتاؤں شہنشاہ سے دعا مانگنا شروع کی ”اے میرے ایشور وشنو اب مجھے سے زندگی بوجھ نہیں نبھیں سکتا۔ تو ہی مدد کرو یہ بڑا پار ہجہ ایشور میرے بچے پر دم کرو اور مجھے راستہ بتا۔ میں نے کونسا اپا اب کیا تھا جس کی مجھے آخری بڑی سزا مل رہی ہے! میری صرف ایک خوشی تھی کہ اپنے پتی کے پاس رہوں۔ اور ان کی سیوا کروں اور اب وہ بھی مجھ سے چھینی جا رہی ہے۔ مے پھانسا مجھے بتائیں کہ کروں۔ جا رہی صرف اندھیرا ہے۔

مجھے راستہ بتا دے۔ اگر میں نے کوئی پاپ کیا ہو تو رحم کرو و معاف کر دے،
و اما مجھے سے اس حد پہنچو جو نے لگا اور اس نے اپنے آپ کو
بسجھا یا، نصیحتی کے وقت چاہی کہ آخری عمر میں تھا۔ کہ میں اپنے جتنی کیا تھا
بے لوث محبت کروں۔ و دشمن مجھے اتنی توفیق جس کہ میں ان کے مکرم کی پوری
پوری قلیل کروں۔ اور ان کو میری ذات سے رنج نہ پہنچے۔ پر مانتا میرے
قوسب جانتا ہے۔ اگر میری محبت اپنے سوامی جی سے پہنچی ہے تو مجھے
تنی قوت دے کہ میں اپنے تمام دکھ نامیشی سے برصاقت کروں۔ کہ مجھے
دیر بعد اس کو سکون ہو گیا اور اس کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے خدا نے اس کی
دعا سن لی۔ اب وہ اپنے چاروں طرف پہلے کی جیسی تاریکی نہیں پایا تھی۔ اور
اور اس کا سنا فوض آئینہ کی طرح صاف دکھائی دیتا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر بیچے
سے باغ میں گئی۔ اور صراخ کر دیکھا۔ سارے محل میں سننا تھا۔ اپنے کمرے
میں داخل ہو کر اس نے تمام زینور اسناد ڈالے۔ صرف گھگھے میں مغلل سوتا رہا
ہاتھوں میں ایک جوڑ ہلکے کرے رہنے دئے۔ ایک ساوی سی سا ریختی
اور نکل کھڑی ہوئی۔ اس محل میں جہاں وہ اصلی مندر میں مہا لانی رہی تھی اور

۱۷ آگ بھڑکے کے لئے جلائی جاتی ہے۔

اپنے دل کو سمجھایا کہ سنتی نیک سنتی ہمیشہ کی طرح بھر معاف کر دے گی اور
سب ٹھیک ہو جائے گا۔

گمراہ جو داس کے کوسرہ وچی نے اسے اپنا دیوانہ بنالیا تھا۔ آج پٹا
کو اپنی پہلی بیوی سے پتی بخت تھی۔ دوسرے روز صبح ہی اس نے ایک شاہ
کو حکم دیا کہ بری ہمارائی کو بلالائے۔ خادہ جیب واپس آئی تو اس کے
بھڑے پر ہواشاں اڑ رہی تھیں۔ یہ شکل وہ اتنا کہ کسی "ہمارائی جی اپنے گھر
میں نہیں ہیں۔ نہ رات کو اپنے بستر پر سوئی ہیں۔ اس پر ہمارائی جی کے
تمام زور بکھرے پڑے ہیں۔ ہمارا جہ کے پاؤں کے نیچے سے زمین تل گئی
اٹھا۔ ایک ٹھنڈی سانس لی اور سرد وچی سے بغیر ایک لنگلے کے ہونے آئے پڑ
سے چلا گیا۔ تمام محل میں باغوں میں ہمارائی کا کہیں پتہ نہ چلا۔ شہر اور ریاست
میں سب جگہ آدمی ڈھرائے گئے۔ دھرم برت کے راج میں بھی آدمی پیچھے
گئے۔ مگر سب بے سود +

جب ہمارا جہ دھرم برت اور ان کی ہمارائی کو خبر ہوئی تو انہوں نے
اپنا سر پیٹ لیا۔ ان کے صدمہ کی نہ کوئی حد تھی نہ انتہا۔ اور ان کو یہ کہ
اس پیشین گوئی کا خیال اتنا کہ سنتی ایک بری رانی ہو گئی۔ وہ حیران تھے
کہ اس میں کیا بُرائی ہے کہ وہ در بدر پھرے۔ کیا یہی بُرائی ہے کہ ایک
سنتی کی مجلس نے اس سے اس کے پتی کا گھر چھڑا دیا؟ اور اب
ہماری نازوں کی پالی ہمارے پتی کی انشور جانے کہاں اکیلے پھر رہی ہے۔ ہائے
وہ ہمارے پاس کیوں نہیں ملی آئی! بیان کر کے وہ دونوں روتے تھے۔
بعد کو انہیں معلوم ہوا کہ جب ہمارائی سرد وچی نے کہا کہ "ہم میں سے ایک
کو اپنے گھر جانا پڑیگا۔ تو سنتی نے کہا تھا کہ "میں اب پتا جی کے گھر کیوں
جاؤں؟ انہوں نے مجھے میرے سوا جی کے ساتھ بیاہ دیا اور میں نے
اپنی زندگی اپنے سوا جی کے لئے وقف کر دی۔ عورت کی بخت بے غرض
اور بے لوث ہونا چاہئے! سنتی نے یوں اپنے باپ کی نصیحت کو یاد رکھا
اور اس پر عمل کیا +

ایک ایک کر کے آدھن پاد کے سب آدمی ناکام واپس آتے گئے
اور لوگوں کا خیال بچتہ ہو گیا۔ کہ مالانی سنتی نے ڈوب کر اپنی جان دی۔
سرد وچی سے کسی نے کہا کہ چند ملاحوں نے آج رات کو ایک چیز عورت
کی ایسی شکل کی دریا کے کنارے دیکھی تھی۔ مگر اس کو بہن بولی سمجھ کر کسی

میں غرض تھی کہ کئی سے ایک عورت سنیا سیوں کی طرح گیسوے رنگ کی ساری
پٹے نکلے۔ اس کے چہرے سے مہربانی اور شفقت مادری پینکتی تھی۔ سنتی اٹھی
اور ہاتھ جوڑ کر دیکھا۔ اس کی شان اور نمایاں شرفت کا سنتی تپتی پر
بہت اچھا اثر پڑا۔ اور اس نے نہایت شفقت سے پوچھا "بیٹی تو کون ہے؟"
سنتی نے اس سوال کا جواب دینے سے پہلے اس کی اجازت مانگی کہ وہ
"مائی جی اور مئی برکو" بتا چکی کہ کدھر مخاطب کرے۔ سنتی کی نرم آواز اور
نازک ہاتھ پاؤں دیکھ کر سنتی غیبی کم انکم آنا تو سمجھ گئی کہ یہ اجنبی کوئی معمولی
عورت نہیں ہے وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اس کی درخواست کا کیا جواب دے
کراتے میں اس کا شو بکھنی سے نکل آیا۔ وہ اس تب وہیں کا سب سے
بڑا مٹی تھا۔ اور اس کا شاندار چہرہ ایک سمورڈ انگ اور درم بھڑے دل کا
پتہ دیتا تھا سنتی نے تھک کر اس کے پیر چھوئے اور سوال کیا "تھی جی مایا
میں ایک غریب دکھیاہی عورت ہوں میرا کوئی پوجنے والا نہیں ہے۔ مجھے
اجازت دیجئے کہ میں آپ کو پتا جی کدھر کچھ روں۔ سنتی کے کوئی اولاد نہ تھی
اور سنتی پر طرح سے قابل قبول تھی۔ چنانچہ اس روز سے وہ ان پاک ذالوں
کی بیٹی اور مان کے بڑے چھاپے کا سہارا ہو گئی۔ اپنی کئی کے پاس ہی انہوں
نے اس کے لئے ایک چھوٹی سی کٹی بنادی اور وہاں ساری دینے لاپتہ
ہمارا جہ دھرم برت کی بیٹی اور ہمارا جہ آدھن پاد کی ہمارائی ایک نئی زندگی بسر
کرنے لگی +

سنتی اپنی سنتی کے کو سے نکل ہی تھی کہ سرد وچی نے ایک کوہراہ
بند کر دیا اور نہ بخیر چڑھا دی۔ اس کو نہیں میں آنا تھا کہ سنتی دراصل ملی گئی
بہر حال اس کی ضرورت تھی کہ وہ سنتی کے خصلت ہونے میں اتنی توجہ
دے کہ مالا جہ اس کو روک نہ سکے۔ مالا جہ کو اپنے پاس روکنے کے
لئے اس نے اپنی تریا چڑھ کر اسے پورا پورا کام لیا۔ اس غریب نے کئی
مرتبہ کہا کہ اس کو ہا کر سنتی سے مافی مانگنا چاہئے اور ان تینوں کو نہ ہی
خوشی رہنا چاہئے۔ مگر مرتبہ اس کو سرد وچی نے کسی سنتی تدبیر سے روک
لیا۔ کیا تھا جو اس نے اٹھا رکھا۔ گاٹی بھی پانچ بھی اور اس سزاوی
اور جیکل سے کہ آدھن پاد کو اس روز ایک نئی سرد وچی دکھائی دی۔ آج بیکار
عورت کی حکارتی کا گر ہوئی۔ اس کا پھلایا ہوا عقوبت کا جال اپنا افکار
کھینچ لایا۔ آدھن پاد کا غیر سرد وچی کے آغوش میں ٹھنڈا ہو گیا۔ اور اس نے

ہو گئی اور مٹی تپتی اُس کا نام اور لقب ہو گیا۔ کچھ لوگ اُس کو جو بڑی عقیدت سے 'مائی جی' کہتے تھے، کچھ پیار سے 'دیدی' اور کچھ اُس کی دینداری اور پاک زندگی کی وجہ سے 'دیوی' اُس کی گزشتہ زندگی کی کسی کوتاہی بھی خبر نہ تھی کہ وہ ایک ہمارا ہی تھی۔ اپنا رخ وہ اپنے دل میں چھپائے تھی۔ اور اپنی باقی زندگی اُس نے دوسروں کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔

مُنتی کو ہمیشہ سے بھولوں کا شوق رہا تھا۔ ادا ہو گیا وہ اُس کی مدد ہو گئے تھے۔ اُن کے خوبصورت کھیلے ہوئے تہہ گویا اسے صاف قدرت کی خوبوں کے گیت سناتے تھے اور اُن کی مدد خدا سے رجم ہو کر کم کا پتہ دیتی تھی۔ اُس نے اپنی کئی کے سامنے ایک چھوٹا سا باغچہ لگایا تھا۔ جو سارے شب و دن کے لئے باعثِ زینت و فرحت تھا۔ اُس کی چھوٹی سی کٹی ننھی ننھی خوبصورت بیلوں سے لدی تھی اور اُن بیلوں میں بہت سی خوش آواز جڑیوں نے اپنے گھونسلے بنائے تھے۔

اس پر امن آسروں میں مُنتی کی روح اور روشن ہو گئی۔ اُس کے دل کا داغ مٹا تو نہیں۔ مگر اُس کا اثر اُس کی روح پر باقی نہ رہا۔ اُس کی نظروں میں داغ کی اہمیت اور وقت نہ رہی۔ زندگی کا عمل مقصد۔ اُس کو سات نظر آئے تھے زندگی انسان کو اس لئے ملی ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرے اور دنیا کو بہتر بنانے کی کوشش کرے۔ اس لئے خود کی کوشش دینا چاہئے۔ اور غل غل خدا کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھنا چاہئے۔ ان خیالات اور اُن کی پختی اور پوری پختی نے مُنتی کے دل کو ایک دوسرے اور بلند پایہ مقام پر پہنچا دیا۔ خوبصورتی میں توانیت آگئی۔ جسمانی خُش میں روحانی خُش کا اضافہ ہو گیا۔ گھر کی گریز و ساری میں گناہ مٹی بنی تو حق پاکی ہمارا ہی مُنتی سے کیوں زیادہ حسین اور شاندار تھی۔

اس انقلاب کو دو سال ہو گئے تھے کہ ایک روز مہاجر بھون پادنے بہت بڑے پیمانہ پر شکار کا اختتام کیا۔ سیکڑوں آدمی ساتھ تھے اور شکار ہر طرح سے بہت کامیاب نظر آتا تھا۔ مگر کچھ روز بعد باقی بڑے شکار جو بگ شکاری وہیں مغل میں اسی امید پر ہڑک گئے کہ باقی نکل جائے گا۔ مگر باطل اور گھر گھر کرتے گئے اور اپنے سپاہی بہت جلد سارا مغل تاریک ہو گیا۔ بجلی کا فروغیوں سے دل دہلے جا رہے تھے۔ یہاں پہلی دہان گری مچاں دھلچا

اُس سے بات کرنے کی جرأت نہ کی۔ سترہویں نے اس خبر کی اطلاع مہاجر کو نہیں کی۔ وہ اُس سے الگ الگ رہتا تھا۔ اور سروچی نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اس کو کچھ دنوں اکیلا ہی چھوڑ دے۔ سستی کے طائفے سے شروع میں تو اُدھن پاد کا بہت برا حال ہوا۔ اُس کی آنکھیں ابکھل گئیں۔ اور مُنتی کو کھلکھلاؤں کو اُس کی سچی قدر ہوئی۔ کف افسوس ملتا تھا اور اپنے کو کھستا تھا کہ وہ سروچی کے جادو سے کیوں اتنا متاثر ہو گیا۔ اگر وہ خود اتنا کر نہ ہو تا تو رفتہ رفتہ سترہویں کا حسد دور ہو جاتا اور دوسری سستیوں کی طرح اُس کی دونوں بویاں بھی ننھی خوشی سا تھ رہنے لگتیں۔ اُس نے سروچی سے خود کیوں نہیں کیا کہ بویوں کا بازو جو اُس نے سستی کو پیام کی رات دیا تھا۔ بس تہہ ختم ہو جاتا۔ ہاں، بیشک ساری خطا اُسی کی تھی۔ اُس کو سترہویں کی جادو بھی باز برداری ہرگز نہ کرا پاتا تھا۔ اسی باز برداری نے سب کچھ بگاڑا۔ اب اُس کو سترہویں پر یہ ظہر کر دینا چاہئے کہ وہ اُس سے ناخوش ہے۔ اس لئے وہ اُنہ پر سے دُور دور رہنے لگا اور سلطنت کے معاملات میں محو ہو گیا۔ اُس کے حسین اور شاندار چہرے پر بد رخ و فکر کے نشان نمایاں ہو گئے۔ اور سکا، اتوار وہ بالکل بھول گیا۔ دن سے ہنسنے ہوئے، ہفتوں سے مینے اور پھر بھی سستی کی کوئی خبر نہ آئی۔ اُدھن پاد کو بھی یقین ہو گیا کہ سستی نے خوشی کی کرلی ہے۔ اس یقین سے پہلے تو اُس کے غم میں اضافہ ہو گیا۔ مگر جوں جوں وقت گذر گیا رنج بھی پرانا اور کم ہوتا گیا۔ چاہے یہ سمجھ لیجئے کہ اُدھن پاد اپنی قسمت پر راضی رہا ہو گیا۔ اس سکون کا لازمی نتیجہ ہی یہ تھا کہ وہ فرح کے نشہ سے پھر مغلوب ہو گیا۔ وہ تو اس وقت کا انتظار ہی کر رہی تھی۔ بی کی طرح انتظار میں بیٹھے مبر سے اُس نے کام لیا تھا۔ اتنے ہی جوش سے اُس نے اپنے شکار کا استقبال کیا۔ کھڑو اُدھن پاد نے اپنے کو ہاتھ پاؤں باندھ کر اُس کے حوالہ کر دیا۔ اور سروچی نے اُس کے دل میں سچی محبت کے جذبات مٹا کر شہر پانی جذبات بھر دیے۔ اور اُس کو پھر اپنا غلام بنا لیا۔ چند ہی دنوں میں مُنتی ایک چرنا اور نہایت دھندلا سا خواب ہو گئی۔ اور تمام مغل اور سلطنت میں سروچی با قاعدہ حکومت کرنے لگی۔

وہاں کئی کی ایک دوسری ہی دنیا تھی۔ سستی بہت جلد ہر دھن

ہو گئے۔ ہمارائی نے سینکڑوں ہزاروں پیدل اور سوار ہاتھوں کے لئے دوڑائے۔ آخر کچھ لوگ خبر لانے کے ہمارا جہ کا گھوڑا جنگل میں اکیلے لٹا ہوا ملتا تھا۔ اوروں نے اگر کسی بنا یا کہ ایک جگہ پر ہمارا جہ کے قدموں کے پیچھے پیچھے ایک پتے کے پیر کے نشان تھے۔ چاروٹا چار سب کے سب تھک کر بیٹھ گئے اور یہی طے کر لیا کہ یا تو ہمارا جہ کو کسی پتے نے مار دیا یا زیادہ اندھیرے میں دریا میں گر گیا۔ سب روجی اپنے شوہر کو روٹی اور سلطنت کرنے لگی۔ مگر ایک روز دیکھتے ہیں کہ ہمارا جہ زمین پادشاہت خود چلے آ رہے ہیں ؟

ملا جا رہی کہ ابھی سے رہا میں تو بے انتہا خوشی ہوئی، خصوصاً اس وجہ سے کہ ہمارا جو دوست خوش اور نشاط نظر آتے تھے۔ سرسری بھی خوش ہوئی۔ مگر اُس نے جو سوال کئے کہ وہ اتنے دن کہاں رہا اور کیا کرتا رہا تو اوصحن پادنے ایسے بیکے بیکے جواب دیئے اور اتنے مختلف قصے سنائے کہ اُس کے دل میں ایک شک پیدا ہو گیا۔ چونکہ اُسے باقاعدہ ایک عیش ہو گئی تھی۔ اس لئے گھوم پھر کہ وہ پھر وہی سوال کرتی تھی یعنی ملاجہ بچارے نے ایک مرتبہ کہا کہ جب جنگل میں چھپنے سے اُس کا بچھڑا کیا تو وہ ایک درخت پر چڑھ گیا۔ "ہاں مگر جب صبح ہوئی تو کیا ہوا؟ آخر تم اتنی دیر میں گھر کیوں واپس آئے؟"

میری پیاری تم کو اندازہ نہیں ہے کہ جگل کتنا گناہ ہے۔ وہاں
آرمی کھوجا ہے تو کئی کئی دن جھگڑا پھرے۔ ”گما ڈاؤس نے یہ نہایت
لاپرواہی کے لہجہ میں گڑس کا چہرہ بھانڈا پھوڑے دیتا تھا۔ او سرورچی
بھولی بھائی دھمی ”وہاں کئی دن مکمل ہے جھگڑا پھرے۔ مگر مہینوں تو
نہیں کیا۔ وہاں کوئی تپ دین تریب نہیں تھا؛ آخر تمہارے دنوں رہے
کیسے؟“

یہ سوال تیرہ ہفت تھا۔ اُدھن باد کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ مینی کے ساتھ وہ چند لاجواب مینے اُس کے لئے ایک مین اور دلکش خواب غصے۔ امداد اس خواب میں غرق ہو گیا۔ اُس کی خاموشی سے ستر و تری پورا یقین ہو گیا کہ اُس کا شوہر اس سے کچھ چھپا رہا تھا۔ اور اُس نے بات کی ترتیب پہنچے کا ارادہ کر لیا۔ کیوں نہ تم چم کیوں ہو گئے؟“

”سُورجی کی تیز آواز سے آدمی پاد چوک پڑا۔ اور گھر کے دو بھائی
”سنیتی... ارے سُورجی... کیا... کیا تم کہا ہو جی نہیں؟“

جب کچھ دیر بعد جب یہ مجھ کو نہ کیفیت کم ہوئی اور ہفتات کے گھرے
بادلوں میں سے صغیر کی روشنی سے راستہ پایا تو ادھن پایا کو باپنی قابل
سزا عاقبت اور لا پر ارمیاں یاد آئیں اور اپنے برجی بھر کے لعنت و
لامنت کرنے لگا۔ تم نے مجھے کیوں پناہ دی؟ مجھے اس طوفان میں
کیوں نہیں مر جانے والا؟ میری یہی سزا تھی۔ اور وہ بھی کم ہوتی۔ میں کھل
سے کیوں نکل گیا؟ وہیں اس جتنے سے میرے کیوں نہ خفا نہ کردیا؟ میں ہرگز
اس قابل نہ تھا۔ کہ مجھے تم جیسی دیوی ملتی۔ میں نے تم سے جو فانی کی
تم کو جھوڑا۔ تم کبلی نکل کھڑی ہوئیں اور ماری ماری پھریں۔ اور میں نے
تم کو روکنے کے لئے ایک منگلی بھی نہ ملائی۔ میرا یہ فرض تھا کہ میں تماری
حفاظت کرتا۔ اور میں نے بالکل اُس کا اٹھایا۔ مگر پھر بھی تم میری تمام
کمزوریوں اور بُرائیوں کو بھلا دیتی ہو اور مصیبت کے وقت رحم کی دیوی
میں کو میری مدد کو آتی ہو اور میری جان بچاتی ہو۔ سستی سستی! تم جیسی دیوی
کوئی دنیا میں نہ ہوگی۔ تمہاری محبت ہمیشہ بالکل بے لوث رہی ہے تم کو
نہ کبھی معاوضہ کا خیال ہوا۔ نہ تم نے کبھی اپنی فکر کی۔ میں ہرگز ہرگز بھیحت
کے قابل نہیں ہوں یا سستی نے اس تمام مجذوب کی بڑا کھرت ان چند
سادے الفاظ میں جواب دیا۔ ”میرے بچے میرے ملازم، میرے
تو جو کچھ ہو تم ہی ہو۔ اب ہو اور ہمیشہ رہو گے۔“ صبح کو سستی نے اپنے من
بولے ماں باپ سے اپنے شوہر کو ملا اور ان کو پہلی مرتبہ اپنا اصلی نام
چہ بتایا۔ ”ادھن“ پالنے والے باپس ہونے کے تپ و کن میں ٹھہر گیا اور وہاں
زندگی کے چند بہترین لمحے گزار دیئے +

اس انعام میں ایک ایک کر کے تمام شکاری گھر پہنچ گئے اور مہارانی فریجیا سے سارا قصہ بیان کیا کہ وہ کس طرح طوطا میں بیٹھ کر اپنے آقا سے جدا

اُس کی سمجھ بچتہ ہونے لگی۔ تو سنتی کو اس کا قلع ہونے لگا۔ کردہ وہاں نہ تھا جہاں اُس کو ہونا چاہئے تھا۔ اور جہاں اُس کا حق تھا۔ اکثر قانون کو اُس کو پیال کے چھوٹے پریشاں دیکھ کر وہ رویا کرتی تھی۔ مگر جہاں صبح ہوئی وہ پھر ہنستی ہوئی سنتی ہو گئی۔ کیونکہ اُس کو خیال تھا کہ کہیں اُس کو رغبتہ دیکھ کر بچہ بھی نہ پریشان ہو۔ اُس کو اس کا بھی قلع تھا کہ دھڑوا اپنے باپ کی شکل کا کیوں نہ بنا۔ مگر اس میں اپنا کیا دخل۔ صورت میں۔ سیرت میں۔ ہر طرح وہ اپنی زرخستہ خصلت ماں پر پڑا تھا۔ اور دنیا جو چلبے شگون مانے دھڑوا کے لئے یہی سب سے نیک شگون تھا +

کچھ دن اور گزرے اور دھڑوا نے اپنے باپ کی بابت پوچھنا شروع کر دیا۔ سنتی عجیب شش و پنج میں تھی کہ لکے لکے کیا نہ کہے۔ یہ اس کے کہہ کر بچا ہی تھی کہ ”وہ بڑے اچھے ہیں“ بڑے سندر ہیں۔ بڑے بہادر ہیں۔ بڑے امیر ہیں۔ مگر دھڑوا بک مانے والا تھا۔ پوچھنا جانا تھا ”اچھا تو ان کے دشمن کب ہوں گے؟“ جب تم بڑے ہو گے، مگر کتنی ہی سال دیا +

ایک روز سنی بالکون نے دھڑوا سے پوچھا کہ اُس کا باپ کہاں ہے۔ بھولے بھالے دھڑوا نے کہا ”ماتا جی کہتی ہیں کہ وہ بہت امیر ہیں۔ بڑے بہادر ہیں۔ بڑے سندر ہیں اچھے ہیں۔ اور جب میں بڑا ہوں گا تو ان کے دشمن کروں گا۔“ ایک اور روز سنی بالکون نے اُس سے کہا ”دھڑوا اب تم بڑے ہو گے ہو گے ہو گے کہیں نہیں پہنچتے ہو۔ تم کو تمہارے ساتھ کھینٹے شرم آتی ہے۔“ دھڑوا اور ماما جی اپنی ماں کے پاس گیا اور جولا کو نے کہا تھا کہ کیا سنتی کے دل پر چوٹ لگی کہ ماما جہاں آدھن پا کا بیٹا اور وارث اور قن دھانکے کے لئے کھڑے ہو کر سے۔ مگر بچاری کرتی تو کیا کرتی اپنے رنج کو بچہ کی خاطر دل ہی میں رکھا۔ اپنی ساری کا ایک ٹکڑا بچاؤ کر اُس کو دھون کی طرح پہنا دیا۔ اور ہنسنے بولی ”لو میرے پیارے اب تو نمک ہے؟ تم بھی وہی پہنہ ہو جو تمہاری ماں +

دھڑوا پانچ برس کا ہو گیا تھا۔ ایک دن آشرم کے لڑکوں نے اُس سے کہا ”تو جولا بردہ دیکھ آئیں“ دھڑوا کبھی تپ و دن سے باہر نہیں گیا تھا۔ اس لئے خوشی سے فوراً راضی ہو گیا۔ لڑکے اپنے والدین سے رخصت ہو کر خوشی روانہ ہو گئے۔ نیا سفر تھا اور بچوں کا شوق۔ اس لئے رات لڑکے کے لڑکے کا راز +

”کچھ نہیں“ کہہ کر سر دبی فصد میں بھری مٹی اور کمرہ سے چلی گئی۔ اُس کی پرانی چلن پھرنا نہ ہو گئی اور وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ”مجھے پریشانی ہو دھوکا کیسے ہوا؟ اور اتنے دنوں کے بعد آخستہ دفون یہ کہاں رہے؟“ صرف ایک ہی بات سمجھ میں آئی تھی کہ اُس کی سنتی سنی زندہ ہے۔ اور جہاں کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے +

جتنگ آدھن باد پ و بن میں رہا سنتی گویا جت میں تھی۔ نئے نئے بیاد کے دن یاد آتے تھے جب اُس کا شوہر اُس کا تھا۔ اور صرف اُسی کا۔ پھر وہی پہلی محبت کی شیرینی تھی۔ مگر اب اس شیرینی میں جدائی اور پھر میں کی چاشنی بھی شامل تھی۔ آدھن پاد نے رخصت ہونے وقت سنتی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ پہنچے ہی اُس کے لینے کے لئے ایک لشکر بھیجے گا اور اُس کو پھر اپنی مہرانی بنائے گا۔ مگر آدھن پاد جیسے کمزور آدمی کا وعدہ ہی کیا۔ جب کمرہ دبی کا سامنا ہوا تو سارے وعدے اور ارا دے کا فور ہو گئے۔ سنتی کو ملانے کی سیطر چہت نہ ہوئی۔ وہاں سنتی اپنی نئی خوشی کے خواب میں انتظار رکے دن کا مٹی وہی دن سے ہتے ہوئے اور ہفتوں سے بیٹے مگر لشکر نہ آج آتا ہے نکل۔ البتہ کوئی اور آگیا جس پر ہزار لشکر قربان۔ یہ الفاظ دیکر سنتی ماں ہو گئی +

جب ماں نے اپنے بچہ کو دیکھا تو بیاد آئے اُس کے آنسو نکل پڑے مگر وہ آنسو رنج کے نہیں خوشی کے تھے۔ بچہ کو گود میں لے کر بولی ”میرا بیٹا میرے بچہ کو لکڑا امیری آنکھوں کا ابلا امیری زندگی کا سہارا تو تو میرا ہی ہے۔ صرف میلا۔ میری محبت میں تو کوئی اور شریک نہیں ہے۔ تجھ سے تو کبھی جدائی نہ ہوگی۔ دستہ نو نے میری دعا قبول کی اور تجھ کو میری تمنائی کا سہارا بنا کر بھیجا۔ تو اب شریک دیا ہوا ہے میری زندگی کا سہارا میری جان کا سہارا جو کچھ ہے تو ہی ہے +

لڑکے کی پیدائش سے اتنا تو ہوا کہ اُس روز سے پھر سنتی کو کسی نے رنجیدہ نہیں دیکھا۔ اُس کا دل خوشی اور شکر سے لبریز تھا۔ جد مرہہ نظر آتی تھی ہر چیز اُس کو خوبصورت دکھائی دیتی تھی۔ اور وہ خدا کے رحم و کرم کا بھرپور جی شکر ادا کرتی تھی +

منشی برے (جس کو سنتی چاہی کتنی تھی) بچہ کا نام دھڑوا رکھا۔ اور اُس کا بچپن اُن ہی کی زیر تعلیم و تربیت گذرا۔ مگر جب وہ بڑا ہونے لگا اور

کہہ چکی ہوں“۔

”ہاں، مگر میں آج ان سے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔ آج، ابھی۔۔۔ وہ میں کہاں؟ میں خود جاؤں گا۔۔۔“ منشی بالکوں نے بھی سب نے ہی کہا کہ میں سارا مال اپنے چاچا کو بتا دوں؟“
”سستی نے اُسے چھلتی سے لگا کر خوب پیار کیا۔ اور پوچھنے لگی۔“
”آخر ہو گیا؟ مجھ سے کہہ نہ دو“۔

دُستوہو نے سسکیاں لے لیکر اپنی ماں کو سارا قصہ سُنا دیا اور آخر میں کہنے لگا: ”اگر چاچا کو معلوم ہو تو ان کو بہت رنج ہو اور وہ ضرور مہارانی جی کو بتا دیں کہ میں فقیر کا لڑکا نہیں ہوں۔“

سستی، غریب سستی، دکھیااری سستی، اُدھوہو کی بھولی بھالی باتوں نے اُس کے دل کا کام تمام کر دیا۔ وہ خود دینا سے رو پوٹش ایک جھوپڑی میں پڑی ہے۔ اُس کا بیٹا ہمارا جہاد صحن پادک اصلی وارث اور اُس کی گدڑی کا حقدار ایک منشی بالک کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اس میں دنیا کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اور سردی میں اس کا منہ مارنے کی تدبیر کر رہی ہے۔ ایشوریا کیسی صحبت ہے وہ کیا کرے اور کیسے کرے؟ سستی کے تمام پیرائے زخم پھر اُبھر آئے۔ اور اب پہلے سے کہیں زیادہ گہرے اور پھیلنے لگے۔ پہلے تو خدا اپنا ہی رنج تھا، مگر اب اپنے لڑکے کا بھی غم تھا اور بچہ تھا تو یہ تھا کہ وہ بچہ بھی اُس غم سے واقف ہو گیا تھا۔ اسی بچہ کا خیال مانگ تھا کہ وہ موت کی دعا نہیں مانگ سکتی تھی۔ اسی کی تنہائی اور بچہ رگی کے خیال نے اُس کو ضبط اور رسالت کی قوت اُس وقت بھی دی +

اپنے آپ کو سنسنا لگا وہ اپنے بچے سے پھر مخاطب ہوئی ”اُدھوہو! میرے پیارے میری جان! اب ان باتوں کو بھول جاؤ۔ ایرا پانا کھانا کھاؤ۔“ مگر دُستوہو نے سننا ہی نہیں اپنی دھن میں پھر پوچھنے لگا ”اچھا ماما جی! یہ بناؤ کہ اگر میں چاچا کے پاس نہیں جاسکتا تو پھر کوئی اور ہے جو میرے جی کو اچھا کر سکتا ہے۔۔۔“ میرا جی اب خوش نہیں ہوتا +

سستی کے دل پر ایک تازہ اور کاری زخم لگا۔ دُستوہو کو اپنی چھاتی سے لگایا۔ اور اس زور سے دبا یا کہ بچہ پریشان ہو گیا۔ مگر بہت جلد اُس نے پھر اپنے آپ کو سنسنا لگا لہ لہنے لگی ”میرے بیٹے ذرا صبر کرو۔ تمہارے دلوں میں اپنے چاچا کے دشمن کو لوگے +“

”تو کیا کوئی دُشمن نہیں کر سکتا؟“

منہایت شان سے بے دھڑک داخل ہوا تھا وہ کوئی اور تھا۔ اب تو اُس بیچارے پر یکسی چھائی تھی۔ اور وہ مسرہ جھکا لے آہستہ آہستہ باہر کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کے ساتھی دروازہ پر اُس کا انتظار کر رہے تھے اور جیسے ہی وہ پہنچا اُس کو ہمدردانہ انداز سے گھیر لیا اور جو قریب تر تھے انہوں نے بڑے بھائیوں کی طرح اُس کے ہاتھ پکڑے اور دیکر چل دیئے۔ رات بھر یہی باتیں رہیں کہ اُدھوہو بیچارہ نے کیا خطا کی تھی کسی نے لڑنے لڑائی کی کہ مہارانی بڑی بیرحم اور خراب صورت ہے۔ کسی نے کہا کہ مہاراجہ کو اُس کو تنبیہ کرنی چاہئے تھی۔ ایک بولا کہ اگر مہاراجہ کے لڑکے ہونے کے یہی معنی ہیں کہ ایسی کٹر مائیں ہیں تو ان سب کو ایشوریا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ وہ راجا کا نہ ہوئے۔ دُستوہو اب سُنا گیا۔ مگر خود اُس نے ایک لفظ نہ کہا۔ اُس کا دل بھرا تھا۔ اور بات چیت کی تاب نہ تھی۔ جب لڑکے تپ و بن پہنچے تو جو بڑے اور سمجھدار تھے انہوں نے دُستوہو سے کہا ”آؤ کچھ کھلیں اور اُس سردورانی کو بھول جائیں۔“ مگر اُس نے کہا نہیں بھائی مجھے معاف کر دیر اسوقت بالکل کھیلنے کو بھی نہیں چاہتا ہے میں ماما جی کے پاس جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ جلدی سے اپنی جھوپڑی کی طرف بھاگ گیا +

سستی اپنے بچے کا دیر سے راستہ دیکھ رہی تھی۔ رات ہو گئی تھی اور اُس کا کھانا بہت دیر سے تھما ہو رہا تھا۔ دُستوہو آتے ہی اُس سے پہل گیا اور جھوٹ جھوٹ کر دے لگا۔ اُس کے لئے اس طرح سے رونا ایک غیر معمولی بات تھی سستی پریشان ہو گئی۔ کہ آخر یہ بات کیا ہے جس سے یہ بولا کہ شاید وہ تھک زیادہ گیا ہے۔ اس لئے اُسے گود میں لے کر جھوپڑی میں چلی گئی اور کہنے لگی ”یہ لڑکچہ تو تھک گیا ہے۔“ میں تجھے کھانا کھلا کر سلا دوں، دُستوہو کا رونا بجا بنے، کم ہونے کے اور زیادہ ہو گیا۔ نہیں ماما جی میں تھکا نہیں ہوں۔ چاچا کو بلا دو، میرے چاچا کو +

اُس وقت جھوپڑی کے دل پر گزری اسے سو ایک ماں کے اور کوئی جان سکا ہے۔ اور بھی ہر ایک ماں نہیں۔ جب سستی نے تھوڑی دیر بعد چوہا دیا تو اُس کی آواز میں ایک فیادہ اور خوف تھا۔ جو اُنک اُس نے کبھی پہنچا پر نہا ہر نہیں ہونے دیا تھا۔ ”میرے بچے۔ میرے بچے کے کمرے میں خاصہ جادوؤں گی۔ مگر جب تمہارا بیٹا ہو گے۔ میں کتنی مرتبہ تم سے

کو پونچھا اور اُس کو سمجھا سمجھا کر دلا سا دینے لگی۔ "میرے چاند میرے بچے کے ملنے سے اُم سے ایثار پانا کام اوصن پاد کی گدی پر لینا چاہتا ہے۔ وہی تم کو راستہ بتائے گا۔ اور سب بڑی باتوں اور آفتوں سے بچائے گا۔ یہ کہہ کر مستی اپنے شوہر کے ساتھ تپ دہن کو رخصت ہو گئی۔"

کہ تم راج نبھا لو اور مجھ کو زاد کردہ کہ میں تمہاری ماتا جی کے ساتھ آشرم چلا جاؤں۔ اور اپنی زندگی کے آخری دن ایثار کی یاد میں گزار دوں گا۔ دھروا کی آنکھوں میں آنسو بھرائے۔ مگر جواب صرف اتنا دیا کہ "بیٹے کا فرض ہے کہ باپ کا ہر حکم مانے گا۔"

اوصن پاد نے تخت و تاج چھوڑ دیا تھا۔ اور دنیا کو خیر باد کہہ دیا تھا تاکہ وہ اپنی زندگی کے باقی دن خدا کی عبادت اور اپنے اعمال کی صحت میں گزار دے۔ دھن دولت سب سے منہ پھیر لیا تھا صرف مشا ہی جواہرات میں سے ایک چیز اپنے ساتھ آشرم لے گیا۔ ایک مونیو کا ہار ایک خاص ہار اب اپنی کٹی پر پہنچے تو وہ ہار اُس نے سنتی کو پناہ دیا اور بولا "یہ ہار ایک مہاتما یا دیوی بہن سکتا ہے۔ جب سُر و جی نے اسے توڑ ڈالا تھا تو میں نے ایک ایک موتی بہن کو پھر اس کو گوندھا تھا۔ تب سے اسے رکھے ہوئے کٹا پڑے تم کبھی ل جاؤ۔ ورنہ ہار اب پھر تمہارا ہے تمہی اس کو پہن سکتی ہو۔ کچھ تم صرف خودی دیوی نہیں ہو بلکہ ایک مہاتما کی ماں بھی ہو۔ ایثار نے تم کو میرا رہنا بنا کر بھیجا ہے۔ میری آنکھوں کی روشنی میری زندگی کا سہارا تم ہی سب کچھ ہو گا۔ اوصن پاد اور سنتی کی تاؤ اب لونٹان سے نکل آئی تھی اور سائل پر پہنچ گئی تھی۔ بس اب وہ تھے اور آشرم کی جنت۔"

دھروا کی گدی نشینی کے سامان بڑی دھوم سے ہونے لگے۔ مہنتوں لگ گئے اور سہرہ چچی کو موقع مل گیا کہ وہ اپنی پرانی غلیلوں کو ان تھکاتے جان توڑ خدمت سے تھوڑا بہت دھولے۔ اوصن پاد نے اُس کو صاف تو کر دیا مگر یہ صاف ظاہر تھا کہ اُس کے دل اور اُس کے خیالات میں اب سُر و جی کا کوئی حصہ نہ تھا۔ سنتی کا دل بالکل صاف تھا۔ جب اپنے شوہر کے ساتھ تپ دہن جانے لگی تو اُس نے سُر و جی سے کہا "دھروا تمہارا لڑکا ہے۔ میں اُسے تمہارے ہی سپرد کرتی ہوں۔" سُر و جی نے عاجزی سے سر جھکا لیا اور دھروا کی خدمت کرنے کا وعدہ کیا۔ اُس کا غور و خیر ہو چکا تھا اور گو دھروا نے گدی پر بیٹھے وقت اعلان کر دیا کہ مہارانی سُر و جی اُس کے ساتھ راج کا مکی حیثیت سے رہیں گی۔ پھر بھی وہ عاجزی اور شرمندگی سے سر نہ اٹھاتی تھی۔

دھروا کا راج رعایا کی خوش قسمتی سے بہت دنوں راہد جب اُس کی دنیاوی زندگی ختم ہو گئی تو ایثار نے اُس کے لئے ایک نیا سو رنگ بنایا۔ اور یہ کہہ کر اُس کو دلوں کی گدی پر بٹھایا کہ "اس سو رنگ کا پرکاش (نور) ہمیشہ قائم رہے گا اور جو کوئی چھائی کی راہ تلاش کرے گا یہ پرکاش اُس کو راستہ دکھائیگا۔" ہندو اس سو رنگ کو دھروا کو لک "یا دھروا! ارہ کہتے ہیں۔ اسی کو قلب کہتے ہیں اور جب تک کہ کچھ بھی باقی ہے یہ چمکتا رہے گا۔ جب کچھ نہ رہے گا۔ ادھر چیز خا ہو جائے گی۔ تو یہ بھی ایثار کے پرکاش میں مل جائے گا۔"

اشفاق حسین

جدائی کا وقت بھی آگیا۔ وہ جدائی آنکھوں میں تھی۔ سنتی نے دھروا کو گود میں لے کر اُسے خوب خوب چھاتی سے گھلایا اور ہمیشہ پیچ کر پیار کیا۔ دھروا اُس کی گردن سے لپٹ گیا۔ "ماتا جی! میری اچھی ماتا جی! یہ تمہاری ہی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ مجھے ہر سربے اور اب پناہ جی کے دشمن ہوئے۔ اب میرے لئے دعا کرو کہ میں ہمیشہ نیک کام کروں اور اپنے تمام فرائض کو اچھی طرح سے انجام دوں۔ مجھے سب ہمیشہ سنتی بنتے کہیں گے۔ دعا کرو کہ میرے چلن سے اس نام کی ہمیشہ عزت رہے۔۔۔۔۔ ایثار تمہارے ساتھ ہے اور ہمیشہ تمہاری مدد اور حفاظت کرے گا۔ تم نے بہت دکھ اٹھائے۔ مگر اب تمہارے آرام اور خوشی کے دن آگئے۔" دونوں رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ سنتی نے پیار کر کے اُن آنسوؤں کو

دیو صاحب!

از جناب یوسف حسین خان صاحب

ضرور تھا کہ جب کبھی "انگے والا" زیادہ پیسے ایک بیٹھا تو ایک ڈانٹ بتلاتے تھے اور پتلا چلا کر کہتے جاتے تھے: "کیا پٹنے کو جی چاہتا ہے؟" اور ہر ہر لفظ پر مذہبی دینے جاتے تھے۔ یا مثلاً ہم میں سے کوئی کندیا کہ فلاں فلاں نہ مارا ہوں فلاں فلاں فغضب سے دیکھ رہا تھا۔ تو رستم جلدی سے جواب دیتے: "پھلو اچھا ہو اگر یہی اس پر نظر نہ پڑی!"

رستم جیاسی کی طاقت اور دلیری کا صحیح تجربہ ہمیں ایک روز ہو ہی گیا شام کا وقت تھا اور چونکہ ذرا گرمی تھی اس لئے سیر کرنے کرتے تھے "ان سردور" میں جا بیٹھے۔ کچھ اٹھوایا، میزوں پر کھانا اور انیس کریم کے لئے "آرڈر" دینے ہی والے تھے کہ میری نظر ایک شخص پر پڑی جو ہم سے تین چار میز پر سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں جھکتا ہوں کہ اس خدا قات کا ان انجک تو میری نگاہ سے گزرنے لگا تھا۔ علی العیوب لمے آدمی دہلے پتلے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ شخص چھٹ سے زیادہ ہونے کے باوجود استدرتندرت اور موٹا مٹا تھا۔ کہ اس پر کوئی مشہور پہلوان ہونے کا شنبہ ہوتا تھا۔ سر پر چھوٹے چھوٹے بال تھے۔ لیکن اس کے چوڑے چکے چہرہ پر صرٹ دو چیزیں نمایاں تھیں۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور لمبی بانجھیں جو خوب اچھی طرح "تاو" سے کر اور پڑھائی گئی تھیں اور اس کی وجہات میں غیر معمولی افراط نہ کر رہی تھیں۔ دو سکر افلاطون دہش بقول میرے "دیو قات" اور بقول رستم کے "محترم دیو قات" تھا۔

ابھی ہم مسانہ البیڑا ہی کر رہے تھے کہ سلیم کی بھاء اس لڑکی پر پڑی جو دیو صاحب کی جہل میں دوسری کرسی پر ایک دلریا باؤ ادا کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ "دیو صاحب کی" گراں ڈلیٹ" نے اس محترمہ جن کو اس بری طرح چبا لیا تھا کہ سلیم کی نگاہ پڑنے ہی سے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ اسے دیکھ کر اور اس کے ساتھ ہی سب نے گردنیں محال محال کر کھانکا شروع کر دیا۔ لڑکی کچھ شرمائی، کچھ ہانپی کچھ سہمی، لیکن جیہ ہم اپنی گوششوں سے باز

کا کج کی زندگی میں رستم جیاسی بھی میرے ایک دوست تھے! رستم ان کا اصلی نام تو نہ تھا۔ لیکن نہ معلوم کیوں انہیں ہر شخص اسی نام سے پکارنا تھا۔ (اور اگر کچھ پوچھو تو انہیں خود بھی یہ نام بہت پسند تھا کہ وہ کہ میں نے ایک مرتبہ کہیں ان کے اصلی نام سے انہیں مخاطب کر لیا تھا۔ تو بت دونوں تک وہ کچھ خفا سے رہے) اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا ور زشی جسم اور ڈبل دھل اگر انہیں رستم نہیں تو — ایک — ایک — رستم کا شاگرد ضرور ثابت کرتا تھا!

کروا کے لھا تا سے بھی رستم کچھ برے نہ تھے۔ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ میرے دوستوں میں سب سے زیادہ مخلص، دلچسپ اور پُر ذہن ان لوگوں کا تھا تو رستم۔ لیکن ان میں سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ ہمیشہ لڑنے کے لئے مستعد نظر آتے تھے۔ کم از کم ہم ہمہ ہر وقت یہی ظاہر کرتے رہتے تھے کہ لڑائی جھگڑے کو ان کا جی چاہتا ہے۔

کشتہ قوت کی بات ہے کہ ہم میں سے کسی نے بھی انہیں کبھی لڑتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ ان جب کبھی ان کی زبانی ان کی ایک آدھ سرگذشت سن لیتے تھے تو کھانا اور نہ میگوئی ہماری نظروں میں کوئی دھت نہ رہتی تھی۔ ہمارے خیال میں وہ نیاں مشہور ترین پہلوانوں کی میں خوش قسمتی تھی کہ رستم صاحب نے میدانِ عمل میں ابھی تک قدم نہ رکھا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ رستم کی موجودگی میں ہم شرارتوں کا ایک لانتنا جی سلسلہ شروع کر دیتے تھے۔ اور پھر بھی اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتے تھے۔

ان کا اور ہمارا ساتھ کچھ تو ہم جانتے ہوئے کی وجہ سے تھا۔ اور کچھ اس لئے بھی تھا کہ رستم ہر وقت ہشتابو ہشتابو رہتا تھا۔ لیکن زیادہ تر ساتھ رہنے کی ایک اور وجہ تھی کہ وہ بہت — دعوت نواز — واقع ہوئے تھے اور ہر وقت اپنے دوستوں کی خاطر داری میں مصروف رہتے تھے!!!

میں چلا کر چلا ہوں کہ رستم کو لڑتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا تھا۔ اتنا

نہ آئے تو بھاری نے جھینپ کر دوسری طرف متوجہ پھیر لیا اور دیوار پر لگی ہوئی ایک تصویر کو دیکھنے لگی۔ اب ہم بھی مجبور ہو گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔

سلیم بولا: ”یار ہے خوب!“

الطاف نے کہا: ”تم نے اس کے ہونٹ بھی دیکھے؟“

اعجاز کہنے لگا: ”دست آنکھیں بڑی لاجواب ہیں!“

مجھ سے بھی نہ رہا گیا۔ ”کاش میں تصویر بن کے دیوار پر ٹپک جاتا!“

— گریہ کجخت دیو زانو.....“

اب رستم کی باری تھی۔ اُس نے آنکھیں مٹکانے سے کہا: ”یہ

بھاری بھی کبھی نہیں آیا کہ یہ لنگور اس جوڑ کو کیونسلے اڑا؟“

دیو صاحب نے غائب یہ فقرہ سن لیا۔ کیونکہ رستم کا لہجہ نہایت بلند

اور تیز تھا۔ انہوں نے گردن پھیر کر رستم پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔ پھر سلیم اعجاز

الطاف اور مجھے گھور گھور کر دیکھا، لڑکی کو کچھ اشارہ کیا اور دونوں اٹھ کھڑے

ہوئے۔

ہم ان کی خون آلودہ نظریں دیکھ کر سہم سے گئے۔ چنانچہ جب دونوں

باہر جانے کے لئے ہمارے نزدیک سے گزرے تو ب کی نگاہیں ننگ

کی میز پر پڑیں اور مجھے یقین ہے کہ اعجاز اور الطاف دل ہی دل میں غلغلہ

کا در در کر رہے ہونگے۔ لیکن رستم —؟ رستم نے آنکھیں سے دونوں کو

دیکھا اور ایک فقرہ کس دیا!!!

دیو صاحب ذرا ٹھٹھکے ہیں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ نہایت غصہ

آلود نگاہوں سے رستم کو دیکھ رہے تھے۔ اور اُن کے چہرہ پر جس چیز

کے آئینہ تھے وہ صاف بتا رہے تھے کہ ”سمجھ بھگ! لیکن اس سے دیاؤ

دیو صاحب نے تجاؤ زند کیا۔ ایک سینکڑن یا شاید اس سے بھی کم وہ رُکے

پھر لڑکی کو اپنے بازو پر لئے ہوئے نہایت خاموشی سے باہر نکل گئے۔

بہت دیر تک جمہ طاری رہا۔

آخر کار میں نے سر اٹھا کر رستم کو دیکھا۔ اُس کا چہرہ باطل زند ہو چکا

تھا۔ ہاتھوں میں کسیندر تنفس کا تھا اور اگر اس وقت صبح کا تو کوئی نہیں بدلی

میں کا صحیح صداق کوئی ہو سکتا تھا تو رستم جیسا!

الطاف نے بھی اسے غور سے دیکھا اور کہنے لگا: ”جناب رستم

صاحب۔ اُس نے ابھی طرح سب کچھ سن لیا ہے۔ اور اب وہ ذرا لڑکی

کو چھوٹے کر گیا ہے۔ ابھی تھوڑی سی دیر میں آتا ہی ہوگا۔ پھر دیکھنا!“

رستم نے ایک قہقہہ لگایا لیکن بے روح!

میں نے کہا: ”بھشت“ اب وہ واپس نہ آئے گا؟

”آئیے کیسے نہیں؟ کیا وہ کسی سے ڈرتا ہے۔ یا اس میں جان

نہیں ہے؟ — کیوں — ذرا پانچ منٹ کے اندر اندر تم دیکھنا نہ سہی!

سلیم نے چپکے سے کہا: ”تم نے اس کی آنکھیں دیکھی تھیں؟“

رستم بولا ”خیر — اگر وہ لڑنا ہی پسند کرے گا تو مجھے کوئی

عذر نہیں ہے“

اعجاز نے فوراً جواب دیا: ”دوست وہ باز آنے والا کب ہے؟ —

اگر میں غلطی نہیں کرتا تو“ ان سرور“ ابھی دُراسی دیر میں اکھاڑا بن جائیگا۔

ان میز کرسیوں کا ہیتم بھی ہو چکا ہے یا نہیں؟“

ٹھیک اُس وقت اُنہیں کریم کی چھوٹی چھوٹی پلٹیں ہمارے سامنے

چنی گئیں اور ہم کھانے میں مشغول ہو گئے۔ جس کے دوران میں رستم اور

دیو صاحب کی کشتی۔ اس کا استقبال اور اسی قسم کی گفتگو پر ہر ہر پہلو سے

بحث کی گئی۔ یہ بھی طے ہو گیا کہ ہم سب فلاں کہنے میں فلاں میز پر بیٹھ کر

کشتی دیکھیں گے۔ اور اگر رستم نے دیو صاحب کو شکست دیدی (جیسا کہ یقین

تھا) تو دوسرے دن تمام عمارتیں شہر اور کالج کے اٹاٹ کو ایک عظیم الشان

دعوت دی جائے گی۔ دعوت کے خرچ کا اندازہ بھی ہو گیا۔ دعوت نامہ کا

ضمون بھی مرتب ہو گیا اور کوئی چیز باقی رہ گئی تو ان کا چھپنا جو اعجاز کے ذمہ

تھا۔ گفتگو نہایت گرمجوشی سے ہو رہی تھی لیکن رستم نے اس میں زیادہ

حصہ نہ لیا۔ اب تک اس کے ہاتھ کا پ رہے تھے۔ اور وہ اُنہیں کریم بھی ذہنی

سے نہ کھارہا تھا +

الطاف کا اندازہ غلط نکلا۔ پانچ منٹ کی بجائے پندرہ منٹ گزر گئے

اور دیو صاحب کا ایک پہنہ نہ تھا۔ چوں چوں وقت گذرنا جا رہا تھا ہمارے

اعلیٰان کے ساتھ رستم کی زندہ دلی بڑھتی جا رہی تھی۔ چہرہ کی سرخی واپس

آچلی تھی اور وہ بدستور باتیں بنانے لگا تھا۔ مثلاً — ”دیو صاحب بڑے

معتد تھے کہ واپس نہ آئے ورنہ بڑی پہلی سلامت لے کر واپس نہ جاتے

اور اگر ان فرض (اس کا بغرض کا خیال رہے) وہ ابھی جائیں تو پہلے اُن سے

دریافت کر لینا کہ وصیت بھی کرائے یا نہیں؟.....“

”کھٹ کھٹ!“

بھاری بھاری قدموں کی آواز ہوئی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو لاہ پنگا

”عالیٰ نسب“ اور ”نرستہ باطنی“ سے کام لے کر مجھے مناف کر دیں گے مجھ سے سخت بدتمیزی سرزد ہوئی!“

دیو صاحب نے رستم کو پھر گھورا (مجھے ایسا معلوم ہوا کہ رستم کو سخت شری لگ رہی ہے) اس کے بعد واقعی اپنی ”عالیٰ نسب“ اور ”نرستہ باطنی“ سے کام لے کر کسی قدر بھاری لہجوں میں دیو صاحب بولے: ”بابو — ام — ہندوستانی — ناہی — جاننا!“

یہ کہہ کر وہ اس میز کی طرف بڑے جھجھکے ہوئے تھے۔ زمین سے ایک نازک سارو مال اٹھایا۔ تھکر کے اقدیا ط سے جیب میں لکھا دھریں گھورتے ہوئے باہر نکل گئے۔

یوسف حسین خاں

(راخو)

کیونکہ وہ اوزہ میں دیو صاحب کے رُخسے ہم کو گھر گھر کر دیکھ رہے تھے۔ باری باری سب نے انہیں دیکھا اور کوئی بھی اسے ادا نہ تھا جو ان آلودہ نگاہوں کی تاب لاسکا ہو۔ رستم کا چہرہ سرور کے کی طرح نرم ہو گیا۔ ”بچو! اس کے ہاتھ سے جھوٹ کر گزرو۔ اور وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ سرخ ٹوپی جو گھٹنوں پر کبھی بھی فوٹ پر گر چڑی ہے!

اگر کھڑے تھے تو ان کے ہاتھ وہ جا کر دیو صاحب کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر پسینہ کی بڑی بڑی بوندیں نمودار ہو چکی تھیں اور وہ پورے طور پر ”بوکھلا“ رہا تھا اس نے نہایت ادب سے کہا: ”رج نہج ناب (جناب) ابھی ابھی جو کچھ ہوا اس کا مجھے انتہائی افسوس ہے مجھے اپنی حماقت کا احساس ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ جناب اپنی

خمسہ برقطہ حضرت لسان المعصر الکبر آبادی مومنونو

تو عزم کا تیشہ ہاتھ میں لے اور طبع کیوں دلیکس نہ کر
تدبیر کئے جا آخر تک بے حرمتی تقدیر نہ کر
دے پائے نظر کو آزادی خود بینی کو زنجیر نہ کر

جو بے خبر معبود رہے بیکار رہے بے سود رہے
کیوں رحمت حق مسدود رہے ناشاد تو کیوں محود رہے
رکھہ ذہن کو ساتھی فطرت کا بند اس پہ در تا شیر نہ کر

رکھہ حسرت دل دل ہی میں نہاں یہ راز کسی پر ہونہ عیاں
الفاظ میں یہ تاثیر کہاں کر قاصد جس نہ دل کو رواں
دل جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقسیم نہ کر

اس راہ سے لاکھوں کم ہمت گویا چلے اور شام چلے
ہستی کو شاگر چاہتا ہے ابوان جہاں میں نام چلے
ان خام دلوں کے غضب پر بنیاد نہ رکھہ تمسیر نہ کر

محمود اسرار بیگ

کتابی تصاویر یا مینچر پیٹنگ

از جناب مرزا عاشق علی بیگ صاحب خیال مراد آبادی

کاہل اور گوند کے مرکب سے سیاہ روشنائی بنائی جاتی تھی اور دوسرے رنگوں کو اٹھسے کی سفیدی، گوند یا سریشم سے ملا کر تیار کرتے تھے۔ چانچا اسکا رواج ایران میں اب بھی موجود ہے +

آہستہ آہستہ یہ کنائی گھلا رہی ترقی کر کے حیوانات کی نقاشی کی صورت میں تبدیل ہوئی۔ اس کے بعد کتاب کے موضوع اور مضمون کے لحاظ سے انسان، باغ، کوہ، دریا وغیرہ کی تصاویر بنائی جانے لگیں +

قدیم ترین مینچر، فرات مصر کی قبروں میں پائے گئے ہیں جن کی تاریخ تین ہزار سال سے کم نہیں۔ یہ بھی تصویروں پر نقش ہیں۔ علاوہ ان میں ایک قدیم ترین معروف کتاب موجود ہے جو دیموں کی یادگار اور چوتھی صدی عیسوی کی نوشت ہے +

پانچویں صدی عیسوی کی لکھی ہوئی دو کتابیں اور ہیں جن میں سے ایک فنِ لمب میں ہے اور دوسری کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے +

آئرلینڈ کے تارک الدنیا عیسائیوں نے ساتویں اور آٹھویں صدی میں حیوانات اور کھیلوں کی تصویریں بنانے میں کمال پیدا کر لیا تھا۔ ان لوگوں نے جب انگلستان کا چکر لگایا تو یہ فن انگریزوں کو بھی سیکھا دیا تھا۔ اس کے بعد یہ صنعت ہماری سوسائز میں، شمالی اٹالیا، جنوبی فرانس، ہالینڈ وغیرہ دیگر ممالک یورپ میں پھیل گئی۔ اس زمانے کے مینچر سازی کے نمونے لندن کے عجائب خانہ

بلا خوف تریدار کیا جاسکتا ہے کہ نیزنگ خیال نے انجی علی، دہلی، مہاراجہ کے علاوہ "تصاویر" کے جس بلند معیار کو اپنے ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے اور تصویر بنی اور تصویر بھی کے جس ذائقے سے پسند کیا ہے۔ وہ اس کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ اس سلسلہ میں انگریز انجی علی تحقیق کے منہج کو ناظرین کے سامنے پیش کریں، اور ان کے ذائقہ اور تصویریت کے لئے علی نقوی کا سامانی بیچا سکوں تو خالی از دھبی نہ ہوگا +

مینچر (تصویر کشائی) یا (MINIA TURE) لاطینی لکھ ہے اور گہرے قیونوم سے مشتق ہے جس کے معنی میں "چھوٹا سا" "مختصا" اس لفظ کا استعمال فعلی کتابوں کی نقش کاری کے واسطے ہوا کرتا تھا اعلیٰ والوں نے اس لفظ کے استعمال کو ترقی دی اور وہاں سے یہ لفظ دوسری زبانوں میں رائج ہو گیا۔ علمِ قدیم میں جبکہ کتب خانوں کا وجود نہ تھا، عیسائی رہبانوں کتابوں کو اپنے عبادت خانوں میں محفوظ رکھا کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے ان کتابوں کو "پوئل" (PAINTING BRUSH) یا آمینی قلم سے نقش کیا کرتے تھے۔ بس زمانہ میں اس نقاشی کو سرخ رنگ سے کیا جاتا تھا۔ اس واسطے اس کا نام راتیرا یعنی سرخ رنگ کی تحریر بھی مشہور تھا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں کاتب اور مینچر شے ایک دوسرے سے جدا تھے۔ یعنی یہ صنعت فنِ کثابت کا ایک جز نہ سمجھی جاتی تھی۔

Minia Turist کتابی تصویر بنانے کا ذکر دہلاکتاب دیکھیں اصل ایک پہاڑی امام کی جود میں دیا گیا ہے کہ اس واقعہ پر یہاں پوپ کاہل اور ایک سلاطین عمارت ہے جس میں عجائب خانہ آفریگیلی اور ایک کتب خانہ بھی موجود ہے +

پر بھی تصاویر نقوش کی جانے لگیں۔

اجتا میں مینچر سازی بہت سادہ اور معمولی تھی۔ اور اس نے فن کی حیثیت حاصل نہیں کی تھی۔ مگر چودھویں صدی سے لے کر سولہویں صدی تک یورپ کی تمدن افواہ نے اس کو بھی فن مناظر کے اصول و قواعد سے آشنا کر دیا۔ جس کے سبب سے اب یہ فن بہت ہی دلچسپ و دل آویز ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس فن پر یورپ میں بہت سی کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔

یورپ میں آجکل بھی سازی کا رواج ہے اور لا پیرنگ شہر میں ایک افسانہ کی وہ چھوٹی چھوٹی تصاویر موجود ہاتھی دانت پر بناتا تھا، بہت قیمتی اور نادر تصویروں کی جاتی تھیں۔

تھوڈا ضرر میں مینچر سازی تون و بلی کی طرح مشکل اور دشوار نہیں ہے۔ یہ فن بھی دوسرے فنوں کی طرح قواعد و ضوابط کے سلسلہ میں بکڑ گیا ہے۔ چنانچہ اوہ جاپان میں بھی اس فن کی تہذیب اور مخالفت کی جا چکی ہے۔ اور ان ملک سے ہر سال ایک معقول تعداد میں صنعت کاری کے نوٹے

یورپ اور امریکہ کو بھیجے جاتے ہیں۔

مرزا عاشق علی بیگ خیال

موجود ہیں۔ اور چودھویں صدی عیسوی میں اس فن کی یورپ میں بہت گرم ہار ہوئی نظر آتی ہے۔

قدیم ترین آثار جو جرمنی میں مندر ہوا، ڈیٹرنگ کے ایک راہب کا فریڈ کے موعظ کا کرشمہ ہے جو سولہ یا سترہویں صدی میں مکمل ہے۔ یہ بھی وقت کے عجائبات میں موجود ہے۔ ایک اور آفر بھی ہے جو ایک جرمن نقاش لینڈسبرگ نے ۱۵۱۱ء اور ۱۵۱۲ء میں تیار کیا۔ ایک اور کتاب جس کا نام ”عجائب عالم“ ہے ۱۳۵۰ء میں کبھی اور مصور کی لکھی۔ اور اس سلسلہ میں بہت اہم تصویروں کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اہم ترین خطی مصور نے جس کا نام ”رُومان گل سرخ“ ہے۔ اور جان لیم کی مخطوطہ نگری ہے۔ اس سلسلہ کی نادر و گامچھی جاتی ہے۔ ”د کتاب دعاے قیصر“ میکسٹین جس کو شہر جرمن نقاش البرکٹ دو زرنے ۱۵۱۵ء میں مصور کیا اور اب بیلجیج کے عجائب خانہ میں موجود ہے قابل دید چیز ہے۔

یورپ کے ہر محلہ میں جبکہ تمام فنون لطیفہ اوج ترقی پر تھے مینچر سازی بھی علمی کتابوں پر منحصر نہ رہی بلکہ دلی ہاتھی دانت، لکڑی

برسات کی ایک شام

مٹے جذبات سے بے رنگ دل کے آگینوں میں
عکسِ تانِ تنہا میں کوئی غنچہ نہیں بھلتا
اداسوں کے شگفتہ فکریں باغِ نزاکت میں
پسینہ بہا رہا ہے بڑیاں شاید پگھلتی ہیں
تپش سے رنگِ سولہاے ہوئے ہیں سرجینوں کے
نمی زخماں رنگوں پر عرفِ آلود پیشانی نہ
جنتِ مذبذب یہ ہو گئے آکر نفساؤں میں
رگِ کس میں نسیم سونے جائے اماں دیکھی
اجی ان ان تو ان ذرا ذرا تلملا رہا ہے
پرندے چونچے کھولے دم بخود ہیں آستیاؤں میں
شرابِ سرخ سنجاقوں پہ جھلکے ہوئے ہر سو
جبینوں پر غلط آفرید کی سرخی بھلتی ہے

اداسانِ کدوہلی

ہوائیں دم بخود ہیں دم گٹھے جاتے ہیں سینوں میں
خس و خاشاک میں تو نسنے ہوئے پتا نہیں ملتا
دلوں کے دولے خوابیدہ ہیں آنکھیں حسرت میں
مکانوں کے درو دیوار سے آنکھیں نکلتی ہیں
نظارے ہو رہے ہیں بام پر خلوت نشینوں کے
کہاں ہے دیکھ! ایدل بھولے بھالوں کی پریشانی
کپٹ دہکے ہوئے شخصوں کی آتی ہے ہواؤں میں
عکسِ تانوں کی زیب جب تپش سے نیم جاں دیکھی
ہجومِ یاس ہے یہ قصرِ دل بیٹھا جاتا ہے
اُداسی ہے جینوں کی نظر کی داستاؤں میں
فلک پر کالے کالے ابر ہیں چھائے ہوئے ہر سو
نکل کر جب نقابِ ابر سے کھلی چلتی ہے

آہ! خیف ہاشمی

ایک زندہ ان ادیب کی موت پر دوانسو

از جناب مہر محمد خاں صاحب شہاب بھٹی

مرجوم کی علالت شدید کی خبر یا کر میں نے ایک خط لکھا تھا جو جناب منصور ہی کی معرفت مرنے والے کے پاس پہنچایا نہیں معلوم کروہ خط ان عزیز کو بلا یا نہیں۔ مجھے اس خط کا معلوم یا دہے۔ اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ضیف مرض سل تو ظاہری مرض ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ تمہارا مرض اصل میں کیا ہے کہ تم نے مجھے خود دہلی میں اپنا راز دار بنایا تھا!

مرجوم ضیف عمر میں مجھ سے بہت چھوٹے تھے۔ لیکن ان کا خلوص ان کی سادگی۔ ان کا عزم راسخ اور دلوں کا راور ان کی طبیعت کی بلندی ہمیشہ میرے دل میں ان کے لئے ہذبات احترام پیدا کرتی رہی ہے۔ اب جبکہ وہ ماویٰ طور پر ہماری ماویٰ آنکھوں سے نہاں ہو گئے۔ میں ان کی یاد زندہ رکھنے کے لئے ذیل کی چند سطروں پر نیزنگ خیال میں لکھ رہا ہوں۔ کہ حق دوستی کسی حد تک ادا ہو سکے اور جو لوگ ضیف کو نہیں جانتے وہ جان لیں اور جنہوں نے نہیں دیکھا وہ ان الفاظ کے پردے میں دیکھ لیں کہ یہ نوخیز نوجوگر پر جوش اور محبت و عشق کا نذرہ اور قریل ادیب کیا اور کیا تھا +

۱۹۲۹ء کے ابتدا میں جب میں یوپی سے اپنے وطن الیگڑ میں اپنی توشا بد مارچ یا اپریل کا ادبی دنیا کو وہی اس کا پہلا نمبر بھی تھا۔ میرے ایک عزیز نے مجھے دکھایا۔ رسالہ کے اراکین ادارہ میں جو نام مندرج تھے ان میں "ضیف ہاشمی" میرے لئے نیا نام تھا کہ ایک میں نے یہ نام اپنی دنیا میں نہ سنا تھا۔ ان کے مضامین دیکھے تھے۔ تاہم نام دیکھتے ہی یہ خیال ہوا کہ اگر شہرت نہیں تو ادب و بیاد ہوگی (جن میں سے ایک ان کے

مجھے کیا معلوم تھا کہ ۲۹ رکتہ پرستہ کی شام کو پیش آنے ہوئے دہلی کے سٹیشن پر ضیف سے جو ملاقات ہوئی تھی وہ آخری ہوگی۔ اور باب ذوقنا عنوان کا افسانہ اس کے آخری منزل کو روانہ ہونے سے پہلے کا آخری بیان "آنا پشند و آنا لیرہ را چون +

میرے دو عزیز اور محترم کرم فرماؤں کے خط میرے سامنے ہیں جن میں مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ اردو کے نوخیز نوجوان ادیب برادر عزیز ضیف ہاشمی کا ۳۴ راج لانی سلسلہ کو اپنے اختیاری وطن جموں میں انتقال ہو گیا۔ ان میں سے ایک خط جناب محترم حکیم محمد یوسف سن جٹا مدیر نیزنگ خیال لاہور کا ہے۔ وردو سر خط جناب مکرم عشرت رحمانی راجپوری کا۔

غالب آج سے دو ماہ قبل میرے ایک استفسار ہی کے جواب میں برادر محترم جناب مولوی منصور احمد صاحب مدیر ہاپوں لاہور نے مرحوم ضیف کی علالت شہید کی اطلاع دی تھی۔ اور لکھا تھا کہ یہ ہونہار (آہ جاندار) مرض سل میں مبتلا ہے۔ تجھے دیکھا کہ جوانی میں ایسے اراض یعنی موت کا پیغام بد کرتے ہیں۔ اس لئے اگر دست بدعا رکھنا کر خوش مت موت کم از کم اس نوجوان کو تو اپنے حیات و باقیروں کا نشانہ بنائے۔ لیکن جبکہ جاری آرزوؤں اور تقاضاؤں میں ہمیشہ سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ اس لئے اگر میری یہ آرزو نہ مانی تو کچھ عجب نہیں۔ تاہم مرحوم کی سید وقت موت دل مجروح کے لئے سزید سامان جراحت فراہم کر گئی +

ایسا نکل نورستہ عین عالم شباب میں ترچھا کر جائے اُس کی طواری
عری ہی کیا ہو سکتی ہے۔ وہ جس کی زندگی کا پھول کھلتا تھا اور جس کا لہجہ
شیں کی مائیت کی جو صبح پر کام ہو گئی تو ایسی مختصر زندگی کے حالات ہی کیا ہو گئے
مگر چہرہ ہی ان ہی حالات میں ان کی زندگی کے واقعات جو ان کی زبان میں
ہوئے ہیں اس سرفراز پسر و کاغذ نگار ہوں +

میرزا خیال ہے کہ مرحوم کی عمر موت کے وقت پچیس سال سے یقیناً
زیادہ ہو تھی۔ کم البتہ ہو تو ہو۔ ان کے تین بھائی اور ہیں۔ جن میں برادر بزرگ
علیم ہیں اور اپنے والد محترم کے علم و عمل میں حائفین۔ ان سے چھوٹے سہ
کشمیر میں ہی کسی جگہ درس ہیں۔ اور تیسرے بھائی محمد شریف جن کا اوپر
ذکر ہو چکا ہے غالباً ابھی تعلیم پا رہے ہیں۔ مرحوم کے والد جناب علیم فرخ محمد صاحب
مرحوم جنوں کے مشہور طبیب تھے۔ جو دہلوی حکیم کے نام سے مشہور تھے
آپ کا اصلی وطن بنوہ علاقہ خیال ہے بسلسلہ ملازمت جنوں و کشمیر میں چلے
گئے تھے۔ و علوب میں کامل اور علوم رسید کے ماہر تھے۔ ان کی ملازمت کے ساتھ
اخلاق بھی اعلیٰ پائے تھے۔ اس لئے عام و خاص کی نظر میں محبوب و مرغوب
اور خیر و بخیر تھے جب حکیم صاحب موصوف کا انتقال ہو گیا۔ تو گھر اور گھر کے
کار و بار میں بھی انقلاب آ گیا۔ حکیم صاحب کو اپنے سب بچوں سے پیار تھا۔
اور یہ قدرتی امر ہے۔ مگر حقیقت سے خاص طور پر شفقت تھی۔ انہیں چھٹیں ہی
سے اہل علم و فن کی صحبت میں نظر استفادہ سمجھاتے۔ ان کی ذہانت کی باتیں
سننے اور ان کی خواہش پر خوش ہوتے۔ ابھی جبکہ حقیقت بچہ ہی تھے۔
آپ نے انہیں اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے پیر و کردار کا کفر و کج ابدان کا عملی سبق
ان سے حاصل کر لیں۔ حقیقت مجھ سے کہہ سکتے تھے کہ وہ معمولی اپریشن نیت
خوبی سے کر سکتے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد والدہ نے بھی تربیت کے
بارے میں کبھی اپنے فرائض سے غفلت نہیں کی۔ حقیقت نے مجھے بتایا
تھا۔ کہ کس طرح لڑکی کو والد نے ان چھوٹے بچوں کے دل میں فرض شناسی
کام کا جوش اور خدمت نیت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا +

حالات ہی انسان کے کام کو لیتے ہیں۔ مگر کے بدلے ہوئے حالات
ہی نے نوجوان حقیقت کو جنوں سے لاہور پہنچا دیا۔ اور لاہور آئے ہی اخبار
کشمیری کے دفتر میں معمولی معاوضہ پر کام کرنے لگے۔ وہیں کام کیا کرتے

دو تہہ ہونے کا خیال ہی تھا جن کی وجہ سے ایک بیک ایسے ادبی رسالہ
کے موقوفین پران کا نام با متیاد ثبت ہے جو بڑے بڑے ارادوں اور
اداموں کے ساتھ پبلک میں آ رہا ہے +

تھوڑے دنوں بعد حالات نے مجھے لاہور پہنچا دیا۔ اور پہلے ہی دن
حقیقت سے ملاقات ہوئی۔ وہ جس کی تصویر میں نے کیا سے کیا بنا رکھی تھی۔
دیکھ کر یہ کہ بالکل ایک نو عمر لڑکا جس کی نسیں بھیگ رہی تھیں۔ بالکل بولا پلا
سیانہ تھا۔ مگر تیر کی طرح سیدھا۔ بڑی بڑی شربی و خوبصورت آنکھیں۔ ایک
ستواں ناک۔ باریک ہونٹ۔ چہرے پر پہلے ہلکے چپک کے داغ۔ رنگ مو
سفید نہ تھا۔ گرا سے سافلا بھی نہیں کہہ سکتے۔ پشانی گھلی اور بھری ہوئی۔ سر
بڑا گردن چلی اور لمبی ماتہ خوبصورت۔ آنکھیاں لمبی لمبی۔ پس صاف ایسا
نظر آتا تھا کہ ایک تیر سے یا ایک پتلی۔ مگر غلام بلند۔ اپنے آپ کو عام سطح کو
کچھ اونچا سمجھتے تھے۔ اور دوسرے پر بھی یہی اثر ڈالنے کی کوشش تھی کہ وہ
ان کو سطح عام سے اونچا خیال کرے۔ لیکن اس میں شکست و تعنت کا شائبہ نہ تھا
چہرہ پر ہنس تھا۔ قہر بھی تھا۔ مگر ان سب میں ان کا خیال نظر انداز نہ ہوا تھا +

حالات ہی کا تقاضا تھا کہ ہم دونوں قریباً نو مہینہ تک ایک جگہ
ایک مکان میں۔ ایک چھت کے نیچے ساتھ ساتھ رہے۔ گو دن کا تو کچھ جھٹکائی
کے ساتھ بسر ہوتا تھا۔ مگر رات ہاری ہوتی تھی۔ اس رات میں علم کی باتیں۔
سیاست کی باتیں۔ تعلیم کی باتیں۔ روزگار کی اور روزگار و سفر پر وکل پش
دنیا کے تفسیر و فراز کی باتیں۔ لوگوں کے اخلاق و اطوار کی باتیں۔ دنیا اور
اہل دنیا کی دور گلیوں کے تذکرے۔ کبھی کبھی فلسفہ و مذہب پر بھی معرکے ہو
جاتے تھے۔ انہی باتوں میں کبھی کبھی ہمارے دوست مولوی منصور صاحب بھی
ہماری صحبتوں اور شام کی سپردوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ اس دور میں وہ
کی باتیں میں سے کچھ روز حقیقت کا چھوٹا بھائی شریف سہر بھی کہ ان دنوں
انہیں شاعت اسلام لاہور کے بانی سکول میں بڑھ کر تھا۔ ہماری اس نہیں
مختصر کا چھوٹا سا رنگین بنایا کرتا تھا۔ وہ ہماری باتوں کو سمجھتا اور اپنے فلسفہ
مفہومیت سے ہم کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا کرتا تھا۔ ان لمحات نورست میں ایک
تعلیم یافتہ نو مسلم عیسائی اور ان کے عیسائی بھائی بھی ہماری صحبتوں میں اکثر
شریک رہتے تھے +

حنیف پست ہمت نہیں بلند ہمت تھا۔ کوتاہ نظر نہیں وسیع النظر تھا۔ گو "مذہب" کے مصطلح احوال میں ہم سب کی طرح اس نے بھی پرورش و تربیت پائی تھی۔ تاہم وہ بلند یوں پر نظر رکھتا۔ وہ افغان کی قیود سے الگ ہو کر معانی کی حدود کو پتہ لگانا چاہتا تھا۔ فلسفہ اخلاق و مذہب اور روان اس کے موضوع مطالعہ تھے۔ علماء وہ ماتھے کو زمین پر گھسنے کی بجائے دل کو عبادت میں خفا اور بندوں کی اصلاح و فلاح کے لئے خاک میں ملا دینے کا قائل اور اسی پر ایمان خود حامل تھا۔ اس کا داغ مضبوط اور دل پر جوش تھا۔ مگر جسم نحیف تھا۔ جہاں داغ آسمان کی سیر کرتا تھا وہاں اس کا دل محبت و عشق کے دیوتاؤں کی پوجا یا حسن زادوں کی سیر کا بھی منتہی تھا۔ اس کا دل رموز عشق سے جگانہ نہ تھا۔ ہاں اس کا یہ دل گردہ اور قوت تھی کہ اپنی محبت کو چھپانے رکھے۔ نااہلوں سے چھپائے رکھے۔ حتیٰ کہ جسم ہو جائے یہی آگ جو اس کے سینہ میں دلی ہوئی تھی۔ اور اس کے نصف آخر میں پھونک اٹھی تھی کہ اس آگ کی پٹ بھٹی میں بھی مجھے محسوس ہوئی۔ وہ اسی آگ نے دل کو جلا کر مدافعت رفتہ کی شکل اختیار کر کے اپنی سوختہ سامانوں کے خاکستر کا ڈھیر دہلی میں مجھے دکھائی دیا تھا۔

رفا اکتی حسین اور مختصر شریح محبت ہے
نہ اس آگے تو دوزخ ہے جو اس آگے تو جنت ہے

حقیقت یہ ہے کہ وہ ادنیٰ جذبات سے آشنا ہی اور پناہ تھا۔ جتنی کہ اس کی طبع سلیم ادنیٰ آدمیوں کی سطح سے اوچی تھی۔ وہ بچپن سے محبت آشنا دل والا تھا۔ اور کدم قدم پر حوادث اسے پیش آتے تھے۔ چونکہ وہ اپنے لہانے کسی کو سناتا نہ تھا۔ لیکن قلم میں قدرت تھی اس لئے افسانوں کے رنگ میں اپنی ہی تصویر کھینچ پاتا کرتا تھا۔ اس کا زندہ ثبوت۔ مرحوم کا فاضلہ بابہ دوتا ہے جو لڑنے والے زمانہ بزرگ خیال میں شایع ہوا ہے۔ غالباً وہ اسی کی داستان تھی اور آخری بھی (جہاں تک مجھے معلوم ہے) آہ! وہ یہ داستان سنا کر حقیقتاً "باب فردوس پر نہیں حقیقی فردوس میں پہنچ گیا"۔

وہ بڑا خود دار تھا۔ لگو لگو کا عادی نہ تھا۔ بھوک سے مرہا جاتوں کو سکتا تھا۔ لیکن اپنی آہن بان میں فرق نہیں آنے دیتا تھا۔ ایک ایسے ہی موقع کی دہلی میں انہوں نے مجھے اپنی داستان سنانی تھی۔ کہ بیکاری نے ان کا

تھے کہ خدمت دین اور تکمیل تعلیم کے جذبے نے ان کو کوئی ادارت سے ہٹا کر انہیں اشاعت اسلام کے کالج کے طالب علموں کی صف میں بٹھا دیا۔ اسی کالج میں حنیف نے عربی پڑھی۔ فرانسیسی زبان سیکھی۔ انگریزی کا ذائقہ اور اعلیٰ تھا۔ لکھنے پر بھی قدرت تھی۔ بولنے میں بھی زبان طرار تھی۔ سنہ ۱۹۳۷ء کو انہیں اشاعت اسلام والے مرحوم کو ولایت بھیجنا چاہتے تھے کہ ان کے سامنے "ادبی دنیا" کی اشاعت کی سلیکٹر آگئی۔ اور جناب ماجور صاحب کے ساتھ ملکر انہوں نے ادبی دنیا نکالا۔ اسی میں ان کی ملاقات سر اقبال اور سر عبدالقادر صاحبان سے بھی ہوئی اور ہوتی رہی۔ اقبال سے حنیف کو عشق تھا۔ حنیف کے بیانات اور خط و کتابت میں کہ اقبال بھی حنیف سے خاص بزرگوار اور مریدانہ شفقت اور ملاحظہ فرماتے تھے۔

گلوایان اور شاہد کی بات زبان پر لانا گناہ نہیں ہے تو میں اپنے مختصر کجبر کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ادبی دنیا کو ادبی دنیا اس کی نوجوان کی دن رات کی نگاہ نا محنتوں نے بنایا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے صبح سے شام تک اور گھر کی راتوں میں رات کے بارہ بار ہبے تک چراغ کے سامنے ادبی دنیا کے لئے حنیف کو کام کرتے دیکھا ہے۔ میں نے متعدد بار کبھی حنیف صحت کا خیال رکھو۔ مجھے حنیف کو یوں کام کرنا دیکھ کر اپنے لوگوں کی بے بسی پر افسوس آیا کرتا تھا جو عام بڑے اور روشن چھوٹے کے مطابق دوسروں کے دل و داغ اور محنت و سعی کے بے ہوش ہو جاتے ہیں دنیا میں تیس مارغاں بنے پھرتے ہیں۔ ایسے ادبیت میں حنیف کا جواب ایک ہوتا تھا کہ میں ادبی دنیا کا لازم نہیں ایک حیثیت سے ایک حد تک مالک ہوں۔ یہ پرچہ میرا ہے۔ میں اس کی ترقی کے لئے سعی ہوں اور کام کرنے میں تو میرے لئے زحمت نہیں راحت ہے۔

آخری ایام قیام لاہور میں انہوں نے میرے سامنے تجویز پیش کی تھی کہ میرا نام بھی ادبی دنیا کے ادارہ میں بشرائط چند شایع ہو کر اسے خلا ایک یہ کہ فلاں فلاں رسالے میں میں منعمون نہ نکھوں۔ اور میں ان لوگوں سے ذاتی تعلقات کی بنا پر یہ شرط مان نہیں سکتا تھا۔ اس لئے میں نے انکار کر دیا۔ مگر میں یہاں اپنے حالات نہیں مرحوم حنیف کے حالات لکھنا چاہتا ہوں۔ اس لئے ان تفصیلات سے اجتناب اولیٰ ہے۔

عجم کا سرحدی راجہ کباجی لاہور میں جم سے فارسی میں باتیں کر کے خوش ہوتا تھا۔ اور جس لاہور میں شیرازی زبان سننے کا مزا آتا تھا۔ کہ اُس کی ماں شیرازی تھی۔ انہی کبابوں کے کثرت استعمال نے مجھے جبار الدلیا اور بہا بھی یاد کیا۔ بخار نے بومش گم کر دیئے۔ خدا شاہد ہے کہ اس علالت میں ضعیف اولن کے بھائی شریف نے بڑے ہی پیار سے میری تیمارداری کی۔ آہ ضعیف کے آخری مرض میں تیمارداری تو کیا مئے اس کو دیکھ تک نہ سکا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ضعیف اُن دنوں "ادبی دنیا" کی ادارت پر نازاں تھے۔ اور کہنا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص مجھ "بچے" کو دیکھے کہ "ادبی دنیا" کا ایڈیٹر "نور محمد کرا" ہے تو وہ کیا کہے۔ میں کہا کرتا تھا کہ ضعیف ہمارے بزرگ غلط نہیں کر گئے کہ "بزرگ بغض است نہ ببال"

حقیقت میں دل و دماغ کی قیمت ہے اور خدا کا شکر ہے کہ یہ دونوں چیزیں تمیز حاصل میں۔ تم ایک ادبی دنیا ہی نہیں کہی ادبی دنیاؤں کیلاس سے بہتر دنیاؤں کے ایڈیٹر بننے کی خواہش پر جو سکتے ہو۔ اور ہو گئے۔ لیکن خدا کے لئے بیٹے کی فکر کرو۔

وہ بھولا تھا اور شرافت و نجابت میں بھولا پن ضروری ہے۔ اُس نے فیض مکاروں اور قیادار پر بھروسہ کر کے دیکھ لیا تھا۔ کہ یہ لوگ قہر و دولت کے شکاری دوسروں کے پروں پر اُڑ رہے ہیں۔ مگر وہ اسی نجابت پھر بھی ایسے لوگوں کی مخالفت سے اُس نے اپنی زبان قلم کو کبھی اُتودہ نہ کیا۔ مجھ سے ضعیف نے ایک زمانہ میں ایک مضمون لکھوایا۔ لکھ دیوں گئے کہ ترجمہ کر لیا اور ترجمہ پر نوٹ لکھوایا۔ جب وہ ایک خاص پرچہ میں شائع ہوا تو میرے نام کی بجائے "مرغ زریں" پر کا نام درج تھا۔ میں نے خط میں شکایت کی کہ تم میرا نہیں اپنا ہی نام لکھ دیتے۔ مگر یہ خواہ مخواہ یعنی چر ضعیف نے خطوں میں تو جواب نہ دیا۔ مگر زبانی عزت اٹا لیا۔ کہ کیا آپ بھی دنیا کی چالاکوں اور مخلصوں کی مجبوریوں سے اتنے ہی واقف ہیں؟

انہیں اپنے بھائیوں خصوصاً اپنی والدہ کی خدمت اور جھوٹے بھائی کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال تھا۔ دولت پیدا کرنے کی بھی فکر تھی کہ جس سے وہ اپنے مقام مدعالی میں کامیاب ہو سکیں۔ مگر بھی تو زندگی کی ابتدا تھی۔

بتلا حال کر رکھا تھا کسی ضرورت سے انہیں پوسٹ آفس میں جانا پڑا اور وہی لوگوں کا ازدحام زیادہ تھا۔ کلرک ضعیف کو جانتا تھا۔ اُس نے انتظار کرنے کے لئے کسی میٹل کی کڑیٹھ جائیے۔ وہاں اور چند لوگ بھی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ کام ہو رہا تھا۔ اتنے میں ضعیف کو احساس ہوا کہ ایک ستر انگیزہ خاتون وہیں کھڑی ہیں اور دیر سے کھڑی ہیں کسی نے دھڑک دیا بھی نہ کی تھی مگر یہ اس احساس کے ساتھ فوراً کھڑے ہوئے۔ اور ادب سے موزر ت چاہتے ہوئے کسی خاتون کے لئے غالی کر کے الگ ہو گئے۔ اس خاتون پر بڑا اثر پڑا۔ اور وہ ان سے شفقت باری فرماتے لگیں۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ انہوں نے ایک بیکار کے بار بار جوئے تک خود بخود اس کی تادم ضرورت کی جبری ہی سہرت سے کفالت کی۔ اسے وہ لطیف غیبی سمجھتے تھے۔

جب میں اُن کے ساتھ رہتا تھا۔ تو ایک اور لطیفہ پیش آیا تھا۔ ان کے کمرہ کا کرایہ گیارہ پانچ روپیہ ماہوار تھا۔ میں نے اپنے خستہ کرایا دینا چاہا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ اس کمرے میں جینک چاہتے رہتے۔ ہمیشہ رہتے لیکن اگر آپ کو کرایہ دینا ہے تو رہنے کا دوسرا انتظام کر لیجئے۔ یہ ابتدائی ملاقات کی بات ہے۔ بعد میں تو ہماری چائے اہلکار کا ناہار ہی کیلئے مقرر ہوئی تھی۔ اور صاحب درویشان در دل کا مضمون رہتا تھا۔

وہ چائے کے بہت عادی تھے کہ شیر کی ربائش کا اثر تھا۔ لیکن صبح کے ناشتے کے ساتھ ضعیف کے اٹھ کر نئی ہوئی چائے اور جوتوں کی اتو فانی میرے لئے لاہور کی ٹی کی گرمی میں کچھ ضروری سی چیز ترا پار گئی تھی۔

لاہور میں ہم جہاں رہا کرتے تھے اس کے قریب ہی ایک نوجوان کباجی رہا کرتا تھا۔ پہلے بھی ضعیف دُن کبھی کبھی کھا لکھا یا کرتے تھے۔ وہی مجھے اس کے اُن لئے کر گئے۔ وہ اردو جانتا تھا۔ مگر اُس کی اردو اور ہماری فارسی میں شاید انہیں میں ہی بافرق ہو گا۔ تاہم میرے جاتے ہی اردو نصحت ہو گئی اور ہماری اُس سے فارسی میں گفتگو رہنے لگی۔ وہ میرے لب و لہجہ اور زبان کی روانی سے حیران ہو کر کہتا کہ تم ایران میں کتنا عرصہ رہے ہو۔ میں کہتا کہ میں نے تو ہندوستان سے باہر قدم بھی نہیں نکالا۔ خاک ایدوں کو میں نے نہیں دیکھا۔ اُن ایرانیوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق ضرور ہوا ہے۔ غرض وہ عرب

کرتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ ترجے کرتے تھے تو ایسے افسانوں کے جن سے ان کو سنا سبت اور دکھاؤ ہوتا تھا یا اگر مریعہ ناؤ لکھتے تھے تو ان میں اپنا ہی دکھ درد لکھ ڈالتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے افسانوں کا اوقاف یعنی دل پر ہوتا تھا۔ اور کوئی انسان ان کو پڑھ کر متاثر ہونے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ان کے محبت آتشہ ادلی نے کیا صورت اختیار کر لی تھی اور محبت نے ان کو کھانک اپنا بنالیا تھا! مجھے معلوم نہ تھا لیکن جب ستمبر ۱۹۳۲ء کے اپریل کے آخری دنوں میں وطن گیا اور دہلی میں ان سے ملاقاتوں نے مجھے اپنی زندگی کا وہ بڑا راز بتا دیا جو شاید کسی کو معلوم ہو یا چند خاص لوگوں کو اس سے آگاہ ہی ہو +

ان کے مکان پر۔ جہاں سے جامع مسجد دہلی، لال قلعہ اور ایڈورڈ پارک اور ان تینوں کے درمیان کا وسیع میدان حالت نظر آتا تھا ہم دو ٹو بیٹھے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ ان کی سادگی سے آریاستہ میز پر ایک نہایت پیاری جاری تصویر رکھی تھی جس میں مصوم کی تصویر سادہ کی جس کی تصویر تکمیل نہایت کی تصویر "فرشتہ کی سوانح" کی تصویر اس کے بالوں کی درازی کمرے نیچے تک تھی۔ اس کا چہرہ ہمہ کامل تھا۔ اس کی آنکھیں سین تھیں۔ گزراں میں زنگ یاں بھرا تھا۔ تبسم تو نہیں کدے کر کچھ ایسی ہی چیز لیوں پر تھی لیکن حرانیت۔ لے ہوئے۔ چہرہ پر خود داری کے ساتھ کچھ از خود رنگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ یہ تصویر دیکھ کر میں نے پوچھا +

حنیف یہ کیا ہے۔ یہ سب کدے ملیف آپ میں دکھایا آپ میں تھا۔ بہر حال بالکل خاموش حشرت و حرمان سکوت و بے زبانی کا پیکر تھا۔ تھوڑے وقفے کے بعد حنیف نے ایک مسودہ نکالا اور "الفت رفتہ" کے عنوان سے ایک افسانہ لانا شروع کر دیا۔ وہ سنارہے تھے اور میں سن رہا تھا اور ان کے چہرے پر خود کو جارہا تھا۔ ان کے لفظ لفظ میں جوش تھا اور ان کے لہجہ میں جوش تھا۔ اور چہرے پر ایک خاص رنگ اور خاص کیفیت تھی۔

کس کس کیں الفاظ و جملات کی تفسیر و تشریح پر بات کہیں سے کہیں چلی جاتی تھی۔ میں جب کچھ پوچھتا تو وہ بتاتے تھے اور وہ پوچھتے تھے تو میں کہتا تھا نہیں معلوم ہم دونوں اس بات کو کہ بچے تک جاگے رہے۔ اس صرح "الفت رفتہ" کی داستان الفت رفتہ کے مصنف ہی کی زبان سے میں نے سنی تھی +

اور یہ چیزیں جن کو ملتی ہیں۔ مدت و راز کی لگاؤ محنتوں کے بعد یا جا لال کوں سے ملتی ہیں۔ چالاک کا وہ غور نہ تھا۔ رہی زندگی تو ابھی اس کی آنکھ کھلی ہی تھی کہ بند ہو گئی اور ہمیشہ کے لئے +

اس کی زندگی اور محبت بھری زندگی کیا تھی؟ خواب کا لمحہ مختصر یا آنکھ کا جھپکنا +

حنیف نے اپنے آپ کو تبلیغ اسلام کے لئے تیار کیا تھا۔ مگر حالات نے انہیں بیرونی ممالک میں لے جانے کی بجائے ہندوستانی پریس کا رکن بنادیا تھا۔ آخر آخر میں تو وہ یہی چاہنے لگے تھے کہ ہمیں رہ کر اپنے فہم سے ہندوستان کی نئی رنگ میں خدمت کریں۔ اپنی دنیا سے علیحدہ ہونے کے بعد غائباً طلوع شرقی کے نام سے رسالہ نکالنے کی فکر میں تھے۔ کہ اسی دوران میں "نیزنگ خیال" میں کام کرنے لگے تھے۔ اور اس کے بعد ان کا تعلق اخبار ریاست سے قائم ہو گیا تھا۔ اور اس سے انقطاع کے بعد غرض آخرت کی تیاری میں مصروف ہو گئے تھے۔ جس پر ۱۴ جولائی ۱۹۳۲ء کو روانہ ہو گئے۔ اور یہ وہ سفر ہے جس سے کوئی پلٹ کر نہیں آیا +

جب وہ ریاست میں کام کرتے تھے اس وقت جناب حکیم یوسف صاحب دیرینہ زنگ خیال کے محاسن اور خوبیوں اور حسن معاملہ کی تعریف مجھ سے کرتے تھے جب حکیم صاحب سے تعلق ہوا تھا اس وقت وہ حسن خانہ کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ وہ انقلاب دوران کی نہروں کے تعبیر سے کہ انسان کسی پر یقین کرتے ہوئے ڈالے اور کسی پر بھروسہ کرنا ہوا تھا۔ اس سے۔ دشا دور آخر تک تجربہ ہوا ہے۔ آخر وقت تک حقیقت کے جواب میں وجہ ہے کہ کبھی کبھی ہم اپنے علم کو کاں نہیں کہہ سکتے۔ جوانی میں تو صرف ایک ضرب کے بعد دوسری کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔ مگر عمر کے بڑھنے کے ساتھ قوتوں میں کمزوری آئے لگتی ہے۔ اس وقت انقلاب سے خوف کھاتے اور مصائب کے نام سے گھبراتے ہیں +

ان کے صفات مختلف مختلف الفاظ اور مختلف رنگوں میں انہی کے ٹوٹے ہوئے دل کی صدا اور انہی کے لغز الفت کی الاپ ہوتی تھی۔ وہ قائل نہ تھے کہ کوئی ایسی بات لکھیں جس کو وہ خود نہ سمجھتے ہوں۔ نہ جانتے اور محسوس نہ

ہونے کی حیثیت سے کہہ سکتے ہیں اگر لکھنؤ میں مولیٰ باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے بسوائے اس زبان اور طرز بیان کے کسی اور زبان اور کسی اور زمانہ میں کہا جی نہیں جاسکتا تھا۔ بعض ترکیبیں اور خطاب کے الفاظ انگریزی کا صحیح ترجمہ ہیں۔ انگریزوں کا طرز خطاب ہمارے لئے اجنبی سی۔ مگر انگریزوں میں عام اور محبوب ہے۔ اور اگر ہم ان کے ”باب فردوس“ کو پڑھ کر انکی مجبوری کو سمجھیں تو پھر ان کی زبان اور ان کا طرز بیان قابل اعتراض نہیں رہتا +

ماسوا اس کے ابھی ان کی عمر ہی کیا تھی۔ اگر وہ کچھ اور جتنے رہتے تو پھر تھان کی زبان میں اور گھلاوٹ آجاتی۔ لیکن بات تو یہ ہے کہ ہمیں کوئی دکھائے کہ اس عمر میں ایسا مؤثر الہ پر جوش اور جذبات اصل کو نشانہ لکھنے والا اردو کی ادبی دنیا میں کوئی اور موجود ہے ؟

جو خطوط مرحوم نے مجھے لکھے ان کا بیشتر حصہ میرے پاس محفوظ ہو ان میں بھی وہی جوش و خروش ہے۔ ان خطوط اور ان کی گفتگو سے معلوم ہوتا تھا اور ان کے خطوط بھی شاہد ہیں کہ علامہ سر اقبال مدظلہ اعلیٰ پر شفقت فرماتے تھے حضرت اقبال کا شاندار برادری و قوم کے کاموں کی روح تھا۔ اور علامہ کی تعصبات جو خود و موصوت نے ضیف کو تیر کا ہے و مستحقوں کے ساتھ عنایت فرمائی تھیں۔ گواہ ہیں کہ واقعی اقبال ضیف مرحوم سے محبت و شفقت بزرگمانہ فرماتے تھے +

اب ضیف ہم سے جہانی طور پر جدا ہو گیا۔ وہ ہماری مادی اسگوں سے اوجھل ہو گیا۔ دیر یا میری ہم اس سے ملنے والے ہیں۔ مرحوم کی عظمت کو دیکھتے ہوئے کہ جاسکتا ہے کہ اس کی موت بھی اس فطرت بندگی و دھوت کا ایجاب تھا کہ ایسی بلند فطرت کے لوگ اس دنیا کے آب و گل میں زیادہ عرصہ نہیں رہا کرتے۔ بلکہ وہ اپنے اصلی مرکز کے لفظ بلند پر پیدا کر گیا +

اچھا ضیف تم جی جگہ سے اچھی جگہ پہنچ گئے۔ اپنے دوستوں کے استقبال کو تیار رہو۔ خدا سے مہربان تم کو اپنے قرب خاص میں استراحت آرام بخشے۔ آمین اللہ و ابیہ راجعون +

مرحوم خاں شہاب

فان پڑھ چکے کے بعد بتایا کہ یہ تصویر اس کی نہیں۔ بلکہ اس کی شکل سے لیتی جاتی ہے۔ یا اس میں کچھ شبہات ہے +

اس واقعہ کے بعد ان سے دو مختصر ”سراپے“ ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک ماہ اکتوبر ۱۹۳۲ء کے ابتدا میں وطن جاتے ہوئے اور دوبارہ اسی ماہ میں جہی واپس آتے ہوئے۔ دہلی سٹیشن پر جب میں بال بچوں سمیت بھی آ رہا تھا۔ اور میں نے اپنی آمد کی اطلاع ان کو دیدی تھی۔ اس وقت وہ ریاست سے علیحدہ ہو چکے تھے یا ہونے والے تھے +

دہلی آکر ان کے لباس میں ہلکی سی تبدیلی ہو گئی تھی۔ یعنی ترکی ٹوپی کی بجائے بیٹ پٹنہ لگے تھے۔ یہ تبدیلی کسی کی خوشی کے لئے روارکھی گئی تھی +

خلاصہ یہ ہے کہ مرحوم دین اسلام کی خدمت و تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ مگر نئے طریق سے۔ وہ دنیا کے اب میں شہرت کے طالب تھے۔ مگر ریلے ڈسٹنگ سے۔ ان کی بلند فطری حجت کے میدان میں بھی ان کو نادرہ روزگار دیکھنا یاد رکھنا چاہتا تھی۔ یہی ان کی انگلیں تھیں جن کی وجہ سے مجھے مرحوم سے ایک قسم کا عشق سا ہو گیا تھا +

میرا خیال ہے کہ اگر خاں سلیم یوسف حسن صاحب اس قبیل محبت ہوگا مرحوم ادیب کے مضامین کو جمع اور مرتب کر کے شائع کریں گے تو یہ مجموعہ واقعی اردو میں اپنے جذبات صحیحہ پر جوش انداز بیان کے لحاظ سے خاص چیز ثابت ہوگا۔ اسی ضمن میں اس بات کی تصریح بھی فرمادیں کہ میں معلوم ہوتی کہ مرحوم کا جن جن اخبارات اور رسائل سے تعلق رہا ان میں بعض مضامین ان کے نام سے ہوتے تھے اور بعض بغیر کسی کے نام کے اور بعض مضامین کے لئے مناسبت ضمن نام بھی تجویز کر لیتے تھے۔ ریاست میں جب کام کر رہے تھے تو ادیب خالد ہاشمی کے نام سے بھی متعدد مضامین آپ نے لکھے ہیں۔ بہر حال مسطورہ ضروری ہے جس قدر مضامین مل جائیں ان کا جمع ہو کر کتاب کی صورت میں آجائے بغیر مفید ہوگا۔

”میں نے لکھنؤ میں زبان“ نے مرحوم کی زبان پر اعتراض کیا ہے گو ہم یہ نہیں کہنے کہ مرحوم کی زبان بے عیب تھی۔ مگر اُن کے جذبات سے واقف

”غنیہ تبسم“ کے تبصروں پر ایک اور نظر

تصویر کا دوسرا رخ

از ————— نقادانِ ادب ————— لاہور

نیرنگ خیال کے گذشتہ نمبر میں نیازمندانِ لاہور کا ایک مضمون شایع ہوا ہے جس میں مخمور تبسم ٹیکن کاظمی کے تبصروں پر تنقید کی گئی ہے۔ اور باوجود یکہ ایڈیٹر صاحب نے اپنے نوٹ میں چار چھوڑ پانچ یا کمال ادبوں کا نام لے کر جوابی مضمون لکھنے والے کو ڈرایا ہے۔ ہم تبصروں نگاروں کی حمایت میں قلم اٹھاتے ہیں۔ ہم نیازمندانِ لاہور کی طرافت نگاری و مکتہ رسی کی داد دیتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ تبصروں نگار آغوشِ یوں لکھنے کے پیچھے پڑ جائیں۔ بچہ اس گناہیت کو در مشہر شہ نیازمند۔ چند ایک باتیں لے کر اس طرح بال کی کمال اُتارنا کہ تبصروں نے سے جا مل نظر آئیں۔ کہاں کا انصاف ہے +

عجب کو جگہ جگہ ہنر شہ نیازنگو پیشہ سدی کا قول نہی۔ صداقت سے نالی نہیں۔ سرسری نظر ڈالنے سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تبصروں نگاروں نے فی شعوری طور پر کسی پہنے کی بات بھی کہی ہے۔ چنانچہ مولانا نیاز اپنے دیباچے (اعلام) میں مولوی ٹیکن کے مجموعہ مضامین کے متعلق لکھتے ہیں: ————— ”جو نکر و دیکھ کر مقامی حالات، مقامی تہذیبیات، مہیا کی اصطلاح میں“ ملکی“ افراد و مناظر سے متعلق ہیں، اس نے ان کا پورا طبع اٹھا کر کسی غیر حیدر آبادی شخص کے لئے دھوا رہے۔“ ————— ادیب مقامی ”تشخصات“ بھی مصنف کی اپنی ”انجمن تائش باجمی“ کے ارکان ہوں تو مولانا نیاز کے قلم کردہ میا رطعت اندوزی کے مطابق فیہر حیدر آبادی تو

نیرنگ خیال کے گذشتہ نمبر میں نیازمندانِ لاہور کا ایک مضمون شایع ہوا ہے جس میں مخمور تبسم ٹیکن کاظمی کے تبصروں پر تنقید کی گئی ہے۔ اور باوجود یکہ ایڈیٹر صاحب نے اپنے نوٹ میں چار چھوڑ پانچ یا کمال ادبوں کا نام لے کر جوابی مضمون لکھنے والے کو ڈرایا ہے۔ ہم تبصروں نگاروں کی حمایت میں قلم اٹھاتے ہیں۔ ہم نیازمندانِ لاہور کی طرافت نگاری و مکتہ رسی کی داد دیتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ تبصروں نگار آغوشِ یوں لکھنے کے پیچھے پڑ جائیں۔ بچہ اس گناہیت کو در مشہر شہ نیازمند۔ چند ایک باتیں لے کر اس طرح بال کی کمال اُتارنا کہ تبصروں نے سے جا مل نظر آئیں۔ کہاں کا انصاف ہے +

عجب کو جگہ جگہ ہنر شہ نیازنگو پیشہ سدی کا قول نہی۔ صداقت سے نالی نہیں۔ سرسری نظر ڈالنے سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تبصروں نگاروں نے فی شعوری طور پر کسی پہنے کی بات بھی کہی ہے۔ چنانچہ مولانا نیاز اپنے دیباچے (اعلام) میں مولوی ٹیکن کے مجموعہ مضامین کے متعلق لکھتے ہیں: ————— ”جو نکر و دیکھ کر مقامی حالات، مقامی تہذیبیات، مہیا کی اصطلاح میں“ ملکی“ افراد و مناظر سے متعلق ہیں، اس نے ان کا پورا طبع اٹھا کر کسی غیر حیدر آبادی شخص کے لئے دھوا رہے۔“ ————— ادیب مقامی ”تشخصات“ بھی مصنف کی اپنی ”انجمن تائش باجمی“ کے ارکان ہوں تو مولانا نیاز کے قلم کردہ میا رطعت اندوزی کے مطابق فیہر حیدر آبادی تو

مولوی ٹیکن نے اس زبان کے عجب کو کھنی بنانے کی کوشش شروع کی اور لکھ دیا ہے کہ اہل زبان اور زبان دہاں ہونے کا وجود نہاد گھنی محاورے استعمال کئے ہیں۔ مگر جس تو ان کا مضمون ”دکھنات“ ہونا بھی مشکوک نظر آتا ہے۔ مولوی صاحب اپنے دیباچے (سرواٹاں) میں ایک گھنی شعر نقل کرتے ہیں۔ ۵

ترا ملک دکھن تو دکھنچ بول

تجھے کیا پڑائی تو اینچ بول

اور دکھنچ اور اینچ کے معنی ”دکھنی ہی“ اور ”آہنی ہی“ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ

کی ہے۔ لکھتے ہیں: ”عید کی نماز کو پڑھنے چلے۔“ جب مفعول فیرسر ذوی العقول ہو۔ تو ذوی العقول کے نزدیک کو کا استعمال قصص میں غلط ہے۔ مولوی صاحب نے نئے نئے انجیل بھی ایجاد فرمائے ہیں مثلاً موت پڑ پڑاٹا، کھانے کا ڈک ہے۔ غالباً پڑاٹھا مطلب ہے۔ موت پر پڑ پڑاٹھا کو چھوٹا لکھا ہے۔ نہ جانے یہ کیا چیز ہے۔ موت پڑاٹھا اور پھر ”ڈور اوٹ“ دوین بومبی پسیلیاں ہیں۔ موت پر لکھتے ہیں: ”اٹھو آپ نے قدم لکھا ادھر کیلا جھپٹا“ خدا جانے یہ جیسے والا کیا کاپی بلا ہے۔ ص ۱۶ پر جائے کی دکان کو ”کوسٹور ان“ لکھا ہے۔ اور جالی چلیں کے کسی تانے کو ”گولڈن ٹیش“ مگر یہ دونوں غلطیاں غالباً امریکی نہ جاننے کی وجہ سے سرزد ہوئی ہیں +

زیادہ قابل اعتراض وہ غلطیاں ہیں جن کا محاورے سے کوئی خاص تعلق نہیں جنھں اردو قواعد کے خلاف ہیں۔ مثلاً ”موت پر لکھتے ہیں“ لکھا ہے اور دو ایک جگہ ”موت لکھا ہے۔ اور اس کے ساتھ ”میت“ بھی۔ ”بعدہ اجاب سمیت“ ایسی غلطیاں پنجاب کے ہندو اخبارات میں تو کیا کھنڈیو نیوسپلی کے اخبارات میں بھی شایہ ہی نظر آتی ہوں۔ جو خرافات کی طرح اگر عوام ازراہ ظرافت کی گئی ہے تو داوین کی علامت ڈال دی ہوئی۔ مگر علی گوج کو سٹلے سے بذریعہ ”خوف“ اضافت تنک کو، نہ ظرافت ہے نہ جگہ نہ ہی، دانائی۔ ہم نے مولوی نمکین کے لئے گنجائش پیدا کر دی ہے کہ وہ ہر غلطی کو ”ظرافتی“ اور ”عہی“ کہہ دیں +

محاورات کا استعمال تو ”اکثر“ غلط ہے۔ ”اما میں جاگ پڑھیں۔“ ”پیٹ بھر کھانا کھایا۔“ ”شاہ صاحب تفریق فرماتے تھے۔“ ”میت نکل گئی“ اردو دان کے عام نمونے ہیں۔ ص ۱۶ پر تو لکھتے ہیں ”میت بھر گئی“ لکھتے ہیں: ”اردو کے قریب مکتے پھر میں گئے۔ مگر اپنے گریبان میں سر ڈال کے نہیں بچھیں گے۔“ مولوی صاحب کا مطلب غالباً گریبان میں سر نہ ڈالنا تھا۔ لیکن لکھ گئے ”سر ڈالنا“ ادبیہ نہ سمجھ کر گریبان میں سر ڈالنا محاورہ ہے۔ متفقہ ہونے سے یہ دو الگ الگ محاورے الگ الگ محل استعمال رکھتے ہیں۔ اور بیشتر فصحاء ”حال“ ان میں فرق کرتے ہیں۔ مثلاً میں یہ اتمان نہ تھا +

اس قسم کی سینکڑوں غلطیاں ہیں مگر جہاں ہمیں اہمیت دینا نہیں چاہی ہمارے غرض تو محض حضرت نیا نکی تنقید کی تصدیق تھی۔ یہ بتانا تھا کہ تصدیق

نیچ کی نفع صورت ہے اور پنجاب میں ایک متسل ہے۔ بیٹا نہیں یہ بیجان و بیچ نیچ میں جاتی ہے اور آگے چل کر نیچ کیا فرماتے ہیں تو لا ا بعد الخ اور حافظ محمود فریانی ”نیچ“ اس سٹے کے کہ اردو پنجاب سے لکھن میں گئی ہے۔ یا دکن سے پنجاب میں آئی ہے +

مولوی تمکین صاحب کو ”کھنڈیا“ کا ماہر مان لیا جائے تو بھی ان کا زبان کا دعویٰ باذنیوت تک نہیں پہنچا۔ ”مگر اصطلاح“ ہو اور وہ بھی ”مادری زبان“ کا اور لکھیں لیوں:۔۔۔۔۔ ”ہم جیسے پورھوں سے کون لکھا بیچا۔“ ہمارا پیٹ کیا چلیج۔۔۔۔۔ مضامین میں جس کثرت سے لکھتے ہیں ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے تو پیٹ چلنا کچھ مشکل نظر نہیں آتا لیکن مولوی تمکین غالباً پیٹ پٹنے کے معنی قوت مالا موت بستر ہونا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ محاورے میں اس کے معنی ہست آتا ہیں۔ دکنی محاورہ کچھ ہوا یا نہ ہوا مگر طرز تحریر کسی زبان داں سے عکس نہیں۔ اسی طرح ص ۱۶ پر کسی بزرگ کے متعلق پیش کرنا لکھا ہے۔ ”ذکر و تائیت تو باطل فوجی کوسوں کی سی ہے۔ ص ۱۶ پر لکھا ہے: ”آواز دوسے دیا“ ص ۱۶:۔۔۔ ”ہزار احتیاط کیا“ ص ۱۶:۔۔۔ ”بھوت بعض دقت افغان کو پھلتی ہے“ ص ۱۶:۔۔۔ ”میت“:۔۔۔ ”چکر کرنی پڑتی“ ص ۱۶:۔۔۔ ”بڑے بڑے خوراک“ ص ۱۶:۔۔۔ ”والد کی ماہوار منسوب“ ص ۱۶:۔۔۔ ”پیٹ اگر گئی ہے“ غرض یہیں ہی ”آمد کو“ ”مکتے“ فرماتے چلے گئے ہیں۔ غلطانے کے ہوتے ہوئے ان غلطیوں کو اور کتاب اس قسم کی لافواہ غلط سے بھری ہوئی ہے کتاب کے سرسبز تھو بجا جاسکتا۔ ایک حصہ میں صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ اگر کوئی غلط ہے تو وہ تمکین صاحب کی بشریت کا نتیجہ ہیں +

اپنا یہ حال ہے اور جابجا پنجابیوں کی اردو دان پر آواز سے کئے گئے ہیں۔ کوئی پوچھے۔ ”جہاں لکھتے ہیں جی بے بصری کو“ ”کھنڈیا“ کے پڑے میں چھپاتے ہو کر کوئی کہہ نہیں مان سکتے کہ جہاں ہیں جو اردو کا مرکز پنجاب کی تعلیم یافتہ لوگ تمکین صاحب کی سی اردو بولتے ہیں (تو پنجابی اپنے خاص محاورے کیوں نہ استعمال کریں۔ جب تم خاص پنجابی محاورہ ”میت“)

(ص ۱۶:۔۔۔ ”نہ کوئی چوڑے والی سے دل لکھیں گے“ اور نہ ہی شادی کریں گے) یوں بے خوف ہستے ہو تو کسی پنجابی جنے تے غلط لکھا تو کیا ہوا۔ مان یہ ضرور ہے کہ تم اس نہ ہی کے بعد پھر اردو کو مادری زبان نہ کہہ سکو گے۔ بالخصوص جب ص ۱۱ پر ایک اور ایسی ہی ”غیر مادری“ غلطی

نکاروں نے دیانت اور دانائی سے بھی کام لیا ہے +
مولانا تھاکر کی دیانت اور دانائی تو خیر زیادہ قابل تعجب نہ تھی۔ چنانچہ
سیدی بھی اپنے دیباچے (تقریب) میں ایک بامعنی بات کہ گئے ہیں۔
غضبناک ہو کر فرماتے ہیں: ”آج کل جو مرث [خود ہی اس کا ترجمہ
خوش مذاق کرتے ہیں۔ لیکن سیدی صاحب کا ترجمہ والا پہلو ڈرا کر ذائقہ
ہوا ہے۔ جب کہ تاثیر صاحب کی ”ارٹھ“ والی تنقید سے ظاہر ہے +
میں وہ تعافت و حدود سے جاتے ہیں جو ایک نقال یا مسخرے یا بھانڈے
میں ہونے چاہئیں۔“ زیادہ غضبناک ہو کر فرماتے ہیں: —
”غضب تو دیکھئے کہ آج ہر وہ شخص غرافت نکار بنا بیٹھا ہے۔ جو حد درجہ
کریے ہوئے اور ریک مذاق سے صرف لوگوں کو ہنسا دے۔“ —
نیا زمانہ ان لاہور غور نہیں۔ انصاف سے خدا لگتی کہیں۔ اس میں غلطی
ہے۔ کیا یہ صحیح معیار نہیں کہ مسودہ پن اور گری ہوئی باتیں یا مذاق کی نشانی
ہیں۔ غرافت نکاری اس سے کوسوں دور ہے۔ یعنی جو شخص فحش باتیں کہتا
ہے یا ماحولوں کی طرح اپنی ذلت و رسوائی کی طرف توجہ دلا کر لوگوں کو ہنسا
دے وہ ”جو مرث“ نہیں بلکہ خوش مذاق بھی نہیں۔ شہا پاد۔ پافا
نے ”شرا ہو کر دی رڈی بازی۔ زمانہ شہوت۔“ غلام۔ چنبا یا جانا۔ دن
مرید ہونا جیسے موضوع اعلیٰ غرافت سے بعید ہیں۔ ان پر ہنسی تو شاید سکتی
ہے۔ مگر اپنے چپتاے جانے اور زن مرید ہونے کا ذکر بھانڈے پن سے اور
دیگر ذکورات ریک اور بیکر گئے ہوئے مذاق کی نشانیاں ہیں +

سیدی صاحب نے معیار قائم کر دیا ہے۔ اب یہ ضروری نہیں کہ
وہ اپنے عزیز شریک تعینیت دوست کی تحریز کو اسی معیار کے مطابق
جائز کر دکھائیں۔ یہ ہمارا آپ کا کام ہے۔ چنانچہ ہم یہ فرض ادا کئے مہیتے
ہیں اور آپ سے مولوی تمکین صاحب کی خوش مذاق کی نہ سہی سیدی
صاحب کی خوش مذاق کی داہلہ کرتے ہیں۔ تمکین صاحب کے بیشتر
مضمون (مجلد اول۔ دن مرید۔ بدحواسی۔ چائی جیل۔) کو کھلا ہٹ مضمون
کہے گئے ہیں۔ ہم اور چارہ میحد و غیرہ وغیرہ ان مرید اور فاضلہ مادہ ہونے
کی حیثیت سے کہے گئے ہیں۔ جن میں بیوی۔ اتالیق۔ بیوی۔ جو مسر
کوڈل کا سندھوستانی ترجمہ ہے [کی بھونڈی سی نقل ہے۔ اور تمکین صاحب
بھگداس کی تقریر بازی اور بد مزاجی کا نوحہ۔ شش۔ غیر بیوی سے ڈرنا اور
اسکا اٹھا کر نا تو شاید میوہا حرکت نہ ہو مگر یہ عادت اس قدر فطرت ثانی

ہو چکی ہے کہ ہم اور چارہ میحد میں ایک رڈی سے صلواتیں سننے اور نکالوں
پر پٹا بچہ کھانے کا بھی ذکر ہے۔ اور اس غیر لگتی پر فرماتے ہیں۔ ع۔ ہمیں
جو دو کو اپنے دام میں لانا نہیں آتا۔ یہ تو محض مسخرے پن تھا۔ مگر ”غرافت صاحب“
میں تو مولوی تمکین نے تہذیب کا جامہ آمار کر پھینک دیا ہے۔ ۱۹۳۲ء پر
کوئی چارہ نو پاد کا روح پرور ذکر ہے۔ باقی مضمون میں غرافت صاحب کی خوش
مردمی کلمہ ہونے کا تذکرہ ہے۔ غلاموں کے لئے اور ان کی غفلت فرست
دی گئی ہے۔ شب زفاف اور غسل جنابت پھر لکھے ہیں۔ غرافت صاحب کی
بیوی کی شہوت کا بیان ہے اور اس پر خوب خوب داؤ سخن دی گئی ہے۔
واقعی بقول سیدی — ”آج ہر وہ شخص غرافت نکار بنا بیٹھا ہے۔ جو حد
درجہ کریے ہوئے اور ریک مذاق سے صرف لوگوں کو ہنسا دے۔“ یا ہنسانے
کی کوشش کرے +
اسی طرح ملامتوزی نے بھی کھری بات کہ دی ہے۔ لکھتے ہیں: —
”ہم مولوی کا غلمی کے قائل ہوئے تو اس لئے [یعنی اور کوئی وجہ نہیں کہ
جب دیکھا بھی کہ کس لکھ رہے ہیں، یعنی ان کی ”اکثر نکارش“ ہی وجہ
پسندیدگی ہے +
احسن مارہروی نے عادی ہے: ”ان کی شر کو بھی لسان العصر
اکبر مرحوم کی غلم کے برابر بقولیت نصیب ہوئی نیاز مند۔ ان لاہور بتائیں کہ
اس دعا میں ایسی کوئی مافوقیت ہے۔ بشر اواس سے بڑھ چڑھ کر
کہہ گئے ہیں۔ غالب نے یہاں تک کہ باغ تا خدا با ست بہا و شاد با ش۔
مگر سیدی صاحب نے کمال دیدہ دلیری سے اس میں تحریف کر دی ہے
احسن صاحب کی دعا مصلحت پر درج ہے اور سیدی صاحب مصلحت پر دواں
کی علامت ڈال کر حضرت احسن کی دعا کو قول قرار دے کر یوں نقل کرتے ہیں۔
— تمکین کی نشر اکبر الہادی کی غلم کی طرح بھانڈے دوام حاصل کرے گی۔ کہاں
دعا اور کہاں ادعا“ غصیب ہو، اور ”کہے گی“ ا۔ یا شاید یہ کوئی زبانی قول
ہے۔ جسے قبول و ہر کیا گیا ہے ا۔ — واللہ اعلم بالصواب۔
لیکن نیاز مند ان لاہور نے جو سب سے بڑی بے انصافی کی ہے
وہ حضرت تمکین کا غلمی سے کہے کہ ان کے دیباچے (اعلام کو انصافیت کا
مقلد قرار دیا ہے۔ بخدا انہوں نے نو کھلا ہٹ والے مضمون میں جس عاجزی
اور بے بسی سے حضرت تاثیر کی ”ارٹھ“ والی تنقید بلکہ تنقیص کی تائید کی
ہے اور جس فراخ دلی سے اپنی ہر غلطی کا اعتراف کیا ہے۔ اس صدی میں

نیرنگ خیال بک ڈپو کی لاجواب کتابیں خرید کر فائدہ اٹھائیے اور رسالہ کو بھی فائدہ پہنچائیے

عربی کتابیں	دیکھ چاہیے ناول	اسلامی مذہبی کتابیں
دو شیریں کنول سانس قیمت ۸۰	انقلابِ فرانس حجم ۲ صفحہ قیمت ۸۰	تاریخ اسلام پانچ حصوں میں حجم ۵۰ صفحہ قیمت ۸۰
مرحوم شہید دو لکھاون قیمت ۸۰	نواب ۲۱ صفحہ ۸۰	پانچ روپے بمحلولہ اک ۱۲
شبِ پیر پیر پیر عورت عورت عورت	خونی جنگ ۱۰ صفحہ ۸۰	عالمگیر فانی ۸۰
شبِ پیر عورت عورت عورت	ملک العزیز درجہ ۲۸ صفحہ ۸۰	تفسیر انقلاب ۸۰
میاں پیر عورت عورت عورت	برہم کی رہائی ۱۰ صفحہ ۸۰	اقوال زین ۳۰ رسالت نامہ ۸۰
دو لکھاون کے خطوط ۸۰	کفار عمل ۹۰ صفحہ ۸۰	رسالت نامہ ۸۰
میاں پیر کے خطوط ۸۰	سرباب عیش ۱۰ صفحہ ۸۰	بحال حسد ۱۰ فیضانِ قدسی ۸۰
جنت کے خطوط ۸۰	بہار عیش ۸۰	محبی اشارے ۸۰
پلو لیکل کتابیں	خوار عیش ۸۰	طبی کتابیں
تلاش حق مسیح مہاتما گاندھی ۸۰	انجم عیش ۸۰	طبی کتابیں
بم کا نسخہ ۸۰	شاہِ دغا ۸۰	صفت اکبر ۸۰

لئے کا پتہ :- نیچر نیرنگ خیال بک ڈپو شاہی محلہ لاہور

آپ دو مہینوں تک زندہ رہ سکتے ہیں

پیامِ تندرستی کیلئے تین گنے ہیں جو آپ کو دو سو برس تک زندہ رکھیں گے
تا دمِ مرگ انسان تندرست اور جوان رہ سکتا ہے۔ بیمار یا لایعشر کسی
دوائی کو پکے کے دور ہو جائیں گی۔ اور آپ کا آئندہ کیلئے بیمار ہونا ممکن
ہو جائیگا۔ اس کتاب کے مشعل شدوستان کے چوتھے اخبارات نے بہترین
ریویو لکھے ہیں قیمت مجلد صرف ۸۰ بمحلولہ اک ۱۲
اخبار قدرتی معالج۔ یورو اور امریکی قدرتی علاج کی محکمہ ہوں کے
نئے نئے تجربات ہر مہینہ پیش کرتا ہے۔ اس میں ایسے ایسے اصول درج
ہوتے ہیں جن پر عمل کر کے آپ ہمیشہ تندرست و توانا رہ سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں
مشتعلی معلومات درج ہوتے ہیں جن کے ذریعہ آپ غلط وقت میں لاکھوں روپیہ
نیچر نیچر کیور انسٹیٹیوٹ نمبر ۸۰ میکلوڈ روڈ۔ لاہور

اسلحہ جات



ہر ساخت اور ہر قیمت کے
ستے سے ستے سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ تک

رسالہ کا حوالہ دینے پر خاص رعایت + لائسنس دور کو درخواست کرنے پر فریڈ

پنجاب میں سب سے بڑی دکان

ایڈ کمینیٹیڈ محال روڈ۔ لاہور

سانا میرنگ خیال | ان دنوں جو بے حد مصروف ہیں۔ ”آریا سنے“ قلم کے طرز نگارش کا اعلان کرنا تو بے حد آسان تھا لیکن اس کے لئے مواد فراہم کرنا بہت مشکل تھا۔ اس پر میرنگ خیال کے افسانہ قلم نگار سانا میرنگ خیال کا سانا میرنگ خیال نے یوں دیکھ کر کے اسلامی دنیا

نمبر کا انتہام ہماری تمام قلوب جذب کئے ہوئے ہے۔ سانا میرنگ خیال انشاء اللہ حسب کسٹور دوسرے کے پہلے ہفتہ میں دی۔ پی جونا شروع ہو جائے گا۔ یہ دی۔ پی صرف ان کڑھماؤں کی خدمت میں بھیجا جائے گا جنہوں نے گزشتہ سال دی۔ پی وصول فرمائے تھے۔ جن اصحاب نے گزشتہ سال سالن مکر دی۔ پی وصول نہیں کیا تھا اور وہ سالن سالانہ خریدنا چاہتے ہوں۔ تو انہیں اپنا نام بنی انورہ مع رجسٹر کر لینا چاہئے تاکہ سانا میرنگ خیال جوتے ہی ہم ان کی خدمت میں بھیج دے۔ نئے خریدار کو بھی اس جانب بھڑی پوری توجہ دینی چاہئے +

نیز رنگ خیال کے ساتھ نام کا حجم دو دھنوں سے زیادہ ہوگا۔ اس میں رنگیں اور دیگر رنگ تھکا ہوا اس تعداد میں ہوگی کہ صرف اتنی تصویریں ہی ڈیڑھ روپیہ میں نہیں مل سکتیں مضافی کے لحاظ سے جس کوئی سا نام یا حوالہ نام یا ذکر کر سکے۔ تا کہ خیال بناتا نظر زیب اور دیر ہوگا۔ تا کہ وہ حلوہ رب نہ ہو جائے الغرض رسالہ کو بہتر بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ چار سے خیال میں سا ناسی رنگ خیال دس پندرہ روپیہ کی کتابوں سے زیادہ قیمتی ثابت۔ اب صرف ڈیڑھ دو روپہ باقی رہ گئے ہیں۔ اس لئے اہل قلم حضرات اپنے مضافیں بلدا رسائی فرما میں،

اردو ٹاپ ہم مدت سے سن رہے ہیں کہ ریاست حیدرآباد نے اردو ٹاپ کی ترتیب و اصلاح کے لئے خاص شعبہ قائم کر رکھا ہے۔ جس میں کئی ماہرین فنی کام کر رہے ہیں۔ اگر جیسا ہی اطلاعات درست ہیں تو ابھی تک یہ مجلس اردو ٹاپ کو تیار کر لینے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ جو غرض ہے کہ وہ آبادی ماہرین نے تیار کئے ہیں ان کو، پچھلے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستحکم اردو ٹاپ ایجاد کر لینا ان کے لئے ناممکن سی بات ہے۔ لہذا جس حضرت نازش رضوی مستحکم اردو ٹاپ ایجاد کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں اور ان کا تہہ کردہ نمبر ۲۵۰۰ حضرت سائلک مولانا، ضرار لاہور کے دیگر سربراہ اردو اصحاب ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ حضرت نازش رضوی کا ٹاپ نہ صرف مستحکم ہے بلکہ وہ اس قدر آسان ہے کہ ان کے بیان کے مطابق اس کے خدوش کی تعداد بھی کم ہے۔ اور ان کے جو بھی کم ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ حیدرآباد کی وہ مجلس جو اردو ٹاپ ایجاد کرنے کی فکر میں ہے حضرت نازش رضوی کی خدمات سے فائدہ نہ اٹھائے۔

تفصیح استمبر کے نیرنگ خیال میں حضرت یحییٰ کی ایک باہمی یوں شائع ہو گئی ہے۔
 منقول کا پتہ ہے نہ ٹھکانا معلوم
 کھو یا ہے ان کو کچھ پتا نہیں ہے
 کھو یا ہے انسان کو کچھ پتا نہیں ہے
 جب تک نہ ہو ٹھکانا معلوم
 کھو یا ہی نہیں تو کسے تو پتا نہ معلوم
 کھو یا ہی نہیں تو کسے تو پتا نہ معلوم
 اسے یوں پڑھے

اس کے علاوہ حضرت منظر مدنی کی نظم برطانوی جہ مغفہ، اربٹا لی ہوئی ہے۔ اُس میں مستند غلیاں رہ گئی ہیں۔ پہلے ہی شعر میں دو جگہ مکتہ وہ گیا ہے تیسرے شعر کے دو شعر میں شمع ہمارے کے بعد کا لکھ گیا ہے۔ آخری شعر میں ہندوستان میں نو نعت ہو نا چاہئے تھا۔ ہیں انکس ہے کہ مصلے نے یہ غلیاں ندمت کے بغیر پتھر چھاپ دیا +

نیرنگ خیال اور محکمہ تعلیم
رسالہ نیرنگ خیال قریباً ہندوستان بھر کے محکمہ تعلیم میں خرید جا رہا ہے۔ سب سے اوّل کئی سال گزرنے کے بعد اس پر ایک صاحبان نے اپنے اپنے اخبار کے اداروں اور لائبریریوں کے لئے نیرنگ خیال خریدنا منظور فرمایا ہے۔ حال ہی میں صدر بمبئی کے ڈائریکٹر آف پبلک انٹرکشن کی طرف سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ انہوں نے صدر بمبئی کے تمام اداروں اور لائبریریوں کے لئے جن آرڈر رسیدیں کو منظور فرمایا ہے ان میں نیرنگ خیال کو نامیاں جگہ دی گئی ہے۔ لطف یہ ہے کہ آج تک ہم نے کسی صدر کے محکمہ تعلیم سے درخواست انہیں کی۔ اور کچھ اس وقت تک، چاہے صرف نیرنگ خیال کے بلند میاں کے فیصل ہے +

ایک مبارک کام
پیکو آرٹ پریس لاہور جو آج تک ملاک سازی اور ہلاک چھاپنے کے لئے لاہور میں سب سے بہتر سمجھے جاتے تھے اب انہوں نے شائع کی ہے۔ یہ یادہ سورہ شریف تمام کی تمام ملاک کے ذریعہ ملاک کے ذریعہ سے چھاپی گئی ہے کاخذ مضبوط اور دبیر سے خط نہایت پاکیزہ اور صاف صفا و محلا یادہ سورہ شریف قریباً پانچ رنگوں میں طبع ہوئی ہے۔ جلد استی مضبوط اور خوبصورت کو لاتی جلدوں سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ یہ اس کا صرف ایک دوپہ ہے جو اس کی خوبیوں کے مقابلہ میں بالکل کم ہے۔ ہمارے خیال میں یہ یادہ سورہ شریف ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ اسلامی مدارس اور سلم یونیورسٹی کے ارکان کو یہ یادہ سورہ شریف مسلمان بچوں کو بطور نعامی کتب کے بھی دینا چاہئے +

پیکو آرٹ پریس والے قرآن شریف کی تیاری میں بھی مصروف ہیں جس کے متعلق آئندہ لکھا جائے گا۔ پارہ اوّل تیار ہے جس کا یہ ہر ہے۔ پتہ یہ ہے:- نیچر پیکو آرٹ پریس - بیرون موچی دروازہ لاہور +

بغداد پراویدنٹ انشورنس کمپنی لمیٹڈ لرحیانہ
ہندوستان میں واحد اسلامی کمپنی ہے جو ریلیف فنڈ کا کام سر انجام دے رہی ہے۔ گو اس کمپنی کو قائم ہونے سے قبل ہی گزرا ہے۔ لیکن اُس کے کمپنوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اب ہندو بھی اس کمپنی کے ممبر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی تخصیص لمیٹڈ کمپنیوں کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔ حال ہی میں اس کمپنی کا ایک ممبر کشمیر میں فوت ہو گیا۔ جس نے ابھی تک کمپنی کو صرف ساڑھے پانچ روپے ادا کئے تھے۔ کمپنی نے اطلاع پاتے ہی ایک سو روپے بذریعہ روارٹوں کو بھیج دئے اور بھایا رقم جو قریباً ایک سو کے اور ہو گی اُس کے وارٹوں کو مغرب بھیجی جائے گی۔ اس طرح سے وارٹوں کو دو سو روپے مل جائیں گے۔ جوں جوں کمپنی کے ممبر ہوتے جائیں گے۔ رقم وارٹوں کو ملے گی اُس میں اضافہ ہو تا جائے گا۔ ناظرین نیرنگ خیال پراسپیکٹس طلب کر کے اس مفید کام میں شامل ہوں۔ یہ بھی ایک قسم کی مادہ برادری ہے جس کا ممبر ہونا نفع سے خالی نہیں +

اسٹنٹ ایڈیٹر

ادبِ قدیم کے نادر نمونے

بلغ و بہار :-

شہنشاہ عزیز! میں بادشاہ و زادہ جگر سوز اس تعلیم نور کا ہوں۔ بادشاہ یعنی نیکو کسی نے میرے پیدا ہونے کے بعد نیکو اور نیک اور نیک جمع کئے اور نور پاک احوال شہزادے کے عالوں کا دیکھو اور جانچو اور جہم پتری دست کرہ اور جو کچھ ہوتا ہے حقیقت میں اس گھڑی گھڑی اور ہر پہر اور دن دینے بیٹھے بیٹھے اور برس برس کی منتقل صورت میں عرض کرو۔ بوجہ حکم بادشاہ کے سب نے متفق ہوا اپنے علم کے رو سے ٹھہرایا اور ساتھ کرالمن کیا کہ وہ ایک فضل سے ایسی نیک سادعت اور سچے جگ میں شہزادے کا تولد اور جہم ہوا ہے کہ چاہئے کہ سکہ کی سی بادشاہت کرے اور نور خیر وصال سا عادل ہو۔ اور بیٹے علم و ہنر میں اس کا دل بوجہ کام کی طرف دل اس کا مایل ہو۔ وہ بخوبی حاصل ہو۔ سخاوت و سخاوت میں ایسا نام پیدا کرے کہ تمام اور تمام کو لوگ بھول جائیں۔ لیکن چودہ برس تک سورج اور چاند دیکھنے سے ایک بڑا غلطہ نظر آتا ہے۔ بلکہ یہ دوسری ہے کہ جنونی اور سودا ہی ہو کہ بہت آدمیوں کا خون کرے۔ اور بسنے سے گھر اوسے جگ میں جگ آئے۔ اور چاند پر بندے کا ساتھ دل ہلا دے۔ اس کا خیال دے کہ کرات ابن آفتاب مانتا ہے کہ نہ دیکھے بلکہ آسمان کی طرف بھی نگاہ نہ کرنے پائے۔ جو اتنی مدت خیر و عافیت سے لکھتے۔ تو پھر ساری برکتیں جن سے سلطنت کرے۔

یہ سکہ بادشاہ نے اسی لئے اس کی باغ کی بنائی اور مکان متعدد دربار یک لفظ کے بنائے۔ میرے تین ترخانے میں پٹنے کا حکم کیا۔ اور اوپر ایک برج کھدے کا تیار کر دیا تو دھبہ اور چاندنی اس میں سے چھنے۔ میں دانی، دودھ لانی اور انکے چھوٹے کئی اوصاف کے ساتھ اسی جی نکت سے اس مکان عالی شان میں پرورش پائے لگا۔ اور ایک آستاد و ناچار آرمود واسطے میری تربیت کے متین کیا۔ تو تعلیم ہر فن اور ہنر کی اور مشق مہنت قلم لکھنے کی کرے۔ اور جہاں پناہ ہمیشہ جگر لال رہتے۔ و صدام کی کیفیت روز و رات حضور میں عرض ہوتی۔ میں اس مکان کو عالم دنیا جان کر لکھوں اور رنگ رنگ کے چھوٹوں سے لکھا کرے اور تمام جہاں کی لکھتیں کھانے کے واسطے موجود رہیں۔ جو چاہتا سو کھاتا۔ دس برس کی عمر تک جتنی صفیں اور قالیقین تھیں تحصیل کیں۔ (باغ و بہار صفحہ ۱۲)

میرامن دہلوی

حاتم طائی :-

دعوت ہونے کا کہ دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے دروازہ پر لکھ کر لکھا ہے کہ کینا کر اور دیا میں ڈال۔ یہ کیا بے حد ہے۔ اور اس نے کیا نیکی کی ہے اس کی خبر لا۔ اس شخص کے سنتے ہی حاتم اٹھ کھڑا ہوا۔ اور میں بانوسے پوچھنے لگا کہ وہ شخص کون ہے اور کس طرف کورتا ہے جس ہاتھ نے کہا میں نے اپنی دانی سے سنا ہے کہ اس کی جگہ آخر کی طرف ہے۔ پس اتنی بات دریا نت کر کے وہاں سے توکل بھلا چل نکلا۔ بعد ایک مدت کے کسی جنگل بہت ناک میں جا پہنچا اور شاہم کے وقت ایک درخت کے نیچے چپا ہو کے بیٹھ رہا کہ اتنے میں ایک آواز سوز ناک درد و آواز ساتھ آواز داری کے کسی طرف سے اس کے کان میں ایسی پڑی کہ جس کے سنتے ہی آنکھوں میں آنسو پھرایا اور بیچا پلٹے لگا۔ بے اختیار اپنے جی میں کہ اٹھا کہ اسے حاتم یہ بات جو افروزی سے دور ہے کہ ایک شخص بندہ خدا کسی آفت میں گرفتار ہو کر دوسرے تو اس کی آواز کٹر کٹر نہ کرے۔ اور اس کا احوال نہ چھے۔ اس کلام کو دل میں ٹھہرا کر اس طرف کا راستہ پکڑا۔ تھوڑی دور گیا چوگا اس جگہ جا پہنچا جہاں سے رونے کی آواز آتی تھی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک جوان خوبصورت سیم غاک پر بیٹھا گھبراٹک جھونے چشم سے اپنے گل رخسار ناز میں پر بہا رہا ہے۔ اور آہیں پر سوز بھر بھر کر یہ قلم پڑھتا ہے۔

قطع

جاہوں میں کہاں اور گوں کس سے عزیز

جو مجھ پر گزرتی ہے رقم کر نہیں سکتا

اور کہ بھی نہیں کھانا ذراں بیکری لال

حاتم نے کہا اسے جو ان معذرتیں کیا کچھ مشکل پڑی ہے جو اختیاریوں و پریشانی ہے۔ اس نے کہا اسے مانتوں سوداگر ہوں اور میں اسے بارہ کوس پر لکھتا ہے۔

وہاں صاف نام ایک سو اگر نہایت عمدہ و مالدار تھے۔ اور ایک لڑکی بھی یہی بیکر شکہ فر کرتا ہے۔ اتفاقاً ایک دن میں کسی طرف سے پھرنا پھرنا کچھ مال سوداگری کا لے کر اس شخص میں جانکار عاص کی مری کے بیٹے۔ رے دھوپ کے چٹھے گیا۔ بیکر میری نظر کوٹھے کی طرف جو گئی تو ایک عورت نامہ زمین میں نظر آئی۔ حالت میری تباہ ہو گئی۔ تب اس شہر کے لوگوں سے پوچھا میں نے۔ یہ کیوں ہے اندر کیس کی جڑی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ محل مارٹ کی بیٹی کا ہے۔ اور وہ بڑا مالدار ہے۔ میں نے پھر لکھ سے کہا یہ لڑکی شوہر رکھتی ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا اس کا باپ اس کا بیاہ نہیں کر سکتا۔ اور اس کا کچھ اس بات میں نہیں چلتا۔ یہ لڑکی اپنی شادی کرنے میں آپ مختار ہے اور یہ زمین سوال کرتی ہے۔ جو کوئی اس کے سوال پورے کرے گا۔ جیسی سے بیاہ کرے گی۔ اس بات کو سننے ہی میں اس کی ڈوڑھی پر گیا۔ دربان نے خبر کی۔ اس نے مجھے اندر بلوایا۔ اور ایک فرش پاکیزہ پر بٹھلا کر کہا بھئی کہ اگر تو اپنے عمدہ بیان پر قائم رہے تو میں اپنے سوالوں سے تجھے آگاہ کر دوں۔ میں نے کہا فریادے دل د جانی سے قبول کیا۔ اس نے کہا اگر تو کتنا میرا کرے گا تو میں تیری ہی ہو کر ہو گئی اور جو یہ مجھ پر نہ کھولے گا تو مجھے اپنا ہی جانو گئی۔ میں نے اس کو قبول کیا اور قول دیا۔ تب اس نے کہا پلا سوال یہ ہے کہ قریب اس شہر کے ایک غار ہے وہاں آج تک کوئی نہیں گیا۔ اور صلہ نہیں کر اس کی انتہا کا تک ہے۔ دوسرا یہ کہ شب مجھ کو ایک آواز دھل سے آتی ہے کہ نہ کیا وہ کام میں نے جو آج کی شب کام تا میرے تھیرا ہے کہ وہ تیرا جو صاحب کی بیٹھ پر ہے مجھے لادو سے۔ اس بات کے سننے ہی ہی اور بھی رہے تھے جو اس میرے گم ہو گئے۔ میں نے گم ایک پاؤں لکھ پڑا۔ اس نے دست لطف سے میرا مال و اسباب و زور و جوار ہر لٹا اور مجھ کو بھی اپنے شہر سے کھل دیا۔ میں لاچار ہو کر اس محل میں آچھا۔ ایک تو مال گیا۔ دوسرے رسوا ہوئے تیسرے غنیمت کے تیرے مجھ جیسی گروا۔ ہزار ہوں نے ساتھ چھوڑ دیا میں غور ہو گیا۔

سید حیدر بخش حیدری

ترجمہ گستاخ

حکایت۔ ایک دوست سے میں نے کہا کہ چپ رہنا میں نے اس سب سے اختیار کیا ہے کہ بولنے میں اکثر اوقات نیک و بد کا اتفاق ہو جاتا ہے اور آگاہ دشمن کی سزا دی گئی کہ وہیں دیکھتی۔ بلا وہ کہ اسے برادر دشمن وہی ہنر ہے کہ نیکی نہ دیکھے۔

پھل ہے سدی پہنچا نکھ میں دشمن کی غار

ہے بڑا چپ ہنر دشمن کی آنکھوں میں

بیت گویاں روشن ہے سوچ سے سدا

پر چھو کر نہ کی غفلت میں ہے برا

حکایت ایک بزرگ نے کسی برہمن کو گار سے پوچھا کہ خدائے عابد کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں کہ اکثر اشخاص اس کے حق میں معذہ آمیز باتیں کہتے ہیں۔ کہا اس نے کہ بظاہر اس میں کچھ حیب نہیں دیکھتا اور باطن سے آگاہ ہوا ہے۔

جس کو ظاہر میں متقی دیکھے

اُس کے حقوے کا تو نہ کرا نکار

کو ج مت کر کسی کے باطن کی

نفس را درونِ فسانہ چہ کر

ہاں نفسِ نفوذانِ خلک پر میں

یہ لازم ہے کہ کریں عیونِ قناعت

ہر اک کی شتوں کا بوجھ اٹھانا

ہے جسہ باکر اپنا بارِ محنت

حکایت۔ ایک نیکو شخص نے سنا ہے کہ نہ کی آگ میں بھلا پوند پر پوند کا شفا اور سلی اپنی غلطی کی وجہ سے کرتا ہے۔ ہاں نفسِ نفوذانِ خلک پر میں یہ لازم ہے کہ کریں عیونِ قناعت ہر اک کی شتوں کا بوجھ اٹھانا ہے جسہ باکر اپنا بارِ محنت کسی نے کہا اس سے کیا بچا ہے تو۔ نلانا شخص بس شہر میں ایسا صاحبِ ہمت ہے کہ سب کرم اپنا پس نے کھول دیا ہے۔ اور اپنی کر کو آزاؤں کی خدمت کیلئے باندہ لیا ہے۔ مگر وہ بہت حال پر تیری اطلاع بادے کو اپنے پرست رکھے اور تیری خدمت کرنی قیمت جلتے۔ کہا اس نے چپ ہو کر غیری میں مڑا اچھا ہے کہ عابد کسی کے آگے بھانا چنچ نہ کر گئے ہیں۔

پوند بھلا نہ۔ مہر کا کو نہ کرا نکار

پر انہی سے کر نہیں جاسم کی انجا

شل منہ باندہ ہے ہمایہ کے جب

بانا ترا جھنشی فردوس میں ہوا

فسانہ عجائب: جوگی سے ملاقات

وہ رات کی رات بہ ہزار عقوبات تڑپ تڑپ کر سوئی کہ نہاد صبح کے بعد پہاڑ کی راہ لی۔ چاروں میں چارواہ راہ لے کی۔ پہاڑ پر پہنچا بسنگ سفید کا تھا فہمیت آباد رمانت بہت جواں صاحب باطن سرخندہ اور مثال میں مخمور افرح افزا دل پند۔ در اسے فزاع نشا در روشن، جوشن نباتات در باصن ولالہ سے اور موشن مرغان خوش امان سے رشک سدگوش چپشہ۔ اسے سر و پھیریں جا بجا، فزاد کی رعب کا ٹھیکہ ہر دم سیاہیوہ در دخت قدرت حق سے آجھا۔ پھولا پھلا، پتھر ہر ایک معدن لعل، پر ہر چہرہ صاحب حسی چہال۔ یہ سیر کیا چلا۔ ایک طرف دخت گنجناں، گھنے پختہ مزار، میلداروں کے بنے۔ اور منہ جی کا گلاب گنبد گراں بنے ستون بہ جواب ناسر سول گراں۔ کھاروے کی جھنڈی پھر سیر لڑائی بھگت شہادت بخلائی لکھا، جب اس کے نزدیک آیا، دور در تک مکان نباتات گھٹتی شہادت پائی تھو کہ وہ در دخت کے تلے چوڑے کے اوپر ایک جوگی تنو اسو پر بس کا بن دسال مگر نہ کمال۔ اور مٹی نبات سے برمی، گرہ لگی، چٹا ہر ایک راکھ سے بھری، تدنیوں پر ہی رہا ٹوں میں پڑی۔ اہلکس و بدو حق ہیں کا اہلار چھپانے کو چشمہ حارس سے گرد نہ بچانے کو بونچوں سے طین جیم میں موج دریا کی طسرح بُھڑیاں پڑیں کہیں کر دھنی مٹی میں بان کی عجیب آن بان کی۔ گئے میں محمودی کی کھنی، حقہ بگھی منہ سے گئے۔ انیوں کی شکل شانے شیر کی کھال بھگتے بھگتے رمانے۔ اولہ وادہ سے لہن سڑا نہیں بندہ گردہ دل کھلا خوشحالی پندہ دل بون سوتا نہ جاگتا، اس ماسے دینا سے کنارے بیٹھا۔ پیٹھ پیٹھ سے لٹکا تیرا قدرت شل کمان خیدہ، گریہ چنگ نہ بچتا ہے۔ زار آسار گریں کھال سے پڑوں کے جو وضع نیاس نہاں، تہیج سیماں ایمان کی نشانی نبات میں ہر جو بھو بھو کیکہ کلام بات میں نشہ لٹکا ماتھے پر بندوں کا سا۔ اور بھگتے بھگتے بدہ کالی کی صورت نکلتا، زرد مٹی بدن میں مذکر قن دل و جن میں کھینکا مھنے پر سیر، و سجدہ کا گدہ کھی پکڑے کی کا نہا نہ بچی کسی کا پتھی کھل۔ دعویٰ رمی، دونوں سے راہ کھی، عجب رنگ کا نشان آٹھ صریح کہ نہا نہ مسلمان چھوٹا سوتا

سے کس کی منت میں گوں اپو تپا لے فیخ تو کے گھر مجھے گھر مسلمان بھو کہو

ایک طرف ٹیکے میں دو چار کیراں، بیٹے پٹیلی کی ہار لٹکا یاں، کہیں مرشدوں کے پھیر گزری جھڑی بنہ گوں کے مزاروں پر موسیٰ کے دخت، سایہ درو غطار نظار، دختوں کی آئینوں میں پتھر سے لٹکتے، باہر کھٹ کوئے لٹکتے، فاختہ کی کوکو، قمری کی حق سرو، کوکلا کے دم ستانے کا عالم کہیں مرگ چھلا لکھا، شیر چو کی دینا، دھنی لگی، لکڑے ملگتا، کسی جاگیر کی کھال کا بستر آجوسے صحرائی میں پریشا، اوداسا تو نہا بے جیندہ صحر ایک سمت بھوانی کا مٹھ بکسی کا پتھر ہر اہر، گریہ چشمہ کپانی چھڑا جاتے پچھ مکان رعب، دار مٹی خورد و کی جہا ہار، ایک طرف بھنڈا جاری، کڑھاؤ چڑھا، دین بھوگ لٹکا، کہیں ملاؤ قیلے کی تیار، بھنا ٹاٹ را تھا، کچھ منٹ ہانکے، کچھ مرید مال قال کے، کوئی پتلے میں بیٹھا کوئی دینا سے اتھ، آٹھائے کھڑا کسی کے غورہ دناج سر دتن میں، کوئی چو اگن میں، کہیں کھٹا موتی، کوئی دھنا کہہ رہا، ایک طرف ٹھنڈی کچی پٹنور پھرتا، بچھن ہوتے ایک سمت حلقہ مارتے کا بندھا نوہر پڑھ رہے، لوگ روتے عجیب وہ گرد مرشد، غروب پر مر پے چٹلے، دوزا کیہ دو کو ٹنڈا تیر سر سے جوئے دن عرس پیلے، حاصل کلام یہ کہ وہ عجیب ملے تھا، کہ دیکھا نہ تیار، یہ اجتماع فقینیں آرام میں سے، شرہ واسے کے پاؤں کی آہستہ جو پائی، مرد آمادہ دل درو شئی شیر سے پلک ہاتھ سے اٹھائی، آٹھ لکھ لائی، دے لال لال چہرے پر رعب ہرجال، جان عالم کو بغور دیکھا، اس نے ٹھیکہ کر تو بے سلاطینا، اس خوش تقریر شیریں مثال سے کہا، "بھلا ہوا کیا، بڑی مصیبت فلک نہ دکھائی، جو یہ صیرت پمانتک آئی، آؤ بھو گرو بھنا کرے مرشد کی وہا سے حق حاجت روا کرے، ہم تمہارے امانت دار ہیں۔ سواری کھڑی ہے، چلے کو تیار ہیں۔"

جان عالم تعجب ہو رہا تھا اود نہا نہ حیران ہوا، کہ یہ کیا اسرار ہے، پاس جا بیٹھا، جیگڑا اٹھا، چشمے میں جا کر دیکھا، گہرہ و اجا در پھینک سفید اور حمر عطر، جان عالم کے نزدیک آئے کہ نہ زبان پر لایا، "بابا ایک دن ذوق شوق کے عالم میں ہا سے مرشد گرد نے تیرے حال سے خبر دی تھی، کہ ایک شہزادہ، کا جہاز تیار ہو جائے گا، وہ بہ سرائف مطلب یہاں آئے گا، اس کا کام تجھ سے تیرا کام اس کے ساتھ ہو رہا ہو جائے گا، اس بات کے سننے سے شہزادے کو نہایت مسترت ہوئی، کہا، "جوگی جی تمہارے نام سے میری زندگی ہوئی، ورنہ وہاں دن میں گریبان مہر پاک ہو جاتا، سر پٹک کر ہلاک ہو جاتا"

خو بصورتی کا بھی عجیب مزا ہے، جہاں اس کا خیا ہے، عالم کو مرفوب ہے، طرح دارب کا محبوب ہے، پیر تغیر فریب، ایزہب کو مرفوب ہے، اس کا کھلا ہشتاد

سر ہاتھ ہے۔ جوگی سمجھائے لگا۔ کہ یہ اضطراب بیکار ہے۔ دیر آید رست آید۔ بابا دنیا کا یہ غم ہے۔ گدا خوشی کبھی غم۔ یہ دونوں اہم ہیں۔ آدمی جب رنج سے گھبرائے۔ اور غم شائبہ دوست جان ہونٹوں پر لائے۔ دل کو یہ شکنیں دے کر سمجھائے۔ چنانہ نامدینیں تیرہم سٹو اہمانہ خط۔ درپس ہرگز یہ آخوندہ بیت زندگی سے توڑناں کے بھی کرنا چاہیے دن۔ فضل گل جنوں کو پھرا گئے برس آگئی تو نے اُن دونوں بھائی جو توام پیدا ہوئے تھے ان کا قصہ ہمیں سنا کہ پچھلے آئوں نے کیا کیا مصیبت اٹھائی۔ پھر ایک نے سلطنت پائی۔ دوسرے کے ہاتھ شمشیر دی آئی۔ جان عالم نے کہا ارشاد ہو کیا کرے ؟

مرزا تاج علی بیگ سرور

طلم ہوش ربا

چالاک بن عمر کی عیاری اس طرح دکھائے ہیں کہ افسوس بے خانہ خراب گھر ملک کو بچھڑنے باغ سیلاب میں چلا گیا۔ پناہ چاہ کر کچھ رنج و الم آسمان کو جو تو پھر نہ مٹا کر حیرت ہوا اس طرح چالاک بن عمرو بادشاہ کو متوجہ میں آیا تھا جب اس نے سنا کہ نوا جتو بن آیت پر بزرگوار تین ہزار سیلاب نابکار سے رہا ہوئے ہیں یہ بادشاہ سے اٹھا کر میں بھی بلکہ کوئی کار نمایاں کروں۔ عرصہ کسی طوفان سے صحرا میں قریب دریا سے خون رواں ٹھہرا۔ حال اسکا کہ جوگا۔ لیکن نوا جتو جب دریا سے اس طرف آیا تو درے ایک ساحر ذوق کو بہ نواح شہر یادی محراب میں بیٹھا پایا۔ اسی طرف ہی چلا جب قریب اس ساحر کے پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہیں تین پیر بھائی بیٹھ کر ایک کب کا ہے۔ بادشاہ مذکور نے شہر اس سے پوچھا کہ کسے برہمن آج یہاں کیوں آئے جو اس نے کہا کہ اسے بادشاہ میں کوکب سے ناراض ہو کر یہاں آگیا تھا۔ اب اپنے گھر جانے کو تھا۔ آپ کو اتنے دیکھا ٹھہر گیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اگر تم اپنے باوجود دار کو کب کو چھو کر سیر سے باہر رہو تو کچھ دیر سے حاضر ہے۔ اور اگر غور کرو تو کچھ ہم میں اور اس میں ذہن نہیں ہے۔ ایک کتب کے دو شاگرد۔ ایک گھر کے دو چراغ۔ ایک درے دو داغ۔ ایک بھین کے دو شیر کا ٹھکر دو قرین۔ برہمن نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی اطاعت میں کیا اطراف حنا جی شاہان چھب کر غیور نگار۔ یہ کہہ کر اٹھا اور قدم پر گرنے چلا۔ بادشاہ نے سراسر کا اٹھا کر سنے سے لگایا۔ برہمن نے منہ میں سفوف جو پیش پھونکا کہ بادشاہ جھینک مار کر زمین پر گرا۔ اس وقت برہمن نے خود کیا کہ طلم چالاک بن عمرو نے خبر کچھ کچھ چلا تھا کہ سر کاٹ لوں۔ اس وقت پشت پرستہ نعرہ ہوا کہ باںش ہاں ہم سر پر عبادت گزار ہے۔ بہت جلد قریب اس کے پہنچے اور خبر کچھ کچھ آدھ ہوئے۔ چالاک بھی اڑنے لگا۔ لیکن عبادت گزار نے اڑنے لڑنے ایک بغیرہ جویشی کے دفع کا منہ پرٹ دیا وہاں کے مارا۔ بادشاہ کو بھی ہوش آگیا۔ چالاک یہ حال دیکھ کر جھٹ کٹاں بھاگ کر درہ کوہ میں مخفی ہوا اور عبادت گزار نے سب اجرا بادشاہ سے کہا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تو نے پہلے بمقابلہ بتاں بھی کار نمایاں کیا تھا۔ اور اب بھی وقت پر پہنچے۔ دونوں مرتبہ کا انعام میں تجھ کو بارگاہ حیرت میں مل کر دیا گیا۔ کیونکہ دونوں مرتبہ ساری نے تجھ کو باعث تیرے بچا لیا۔ اچھا تو جانب بارگاہ ملکہ مذکور چل۔ میں بھی آتا ہوں۔ عبادت گزار تسلیم کر کے روانہ ہوئی اور شاہ بھی اسی ٹر چلا۔ ادھر چالاک فکر عیاری میں اور روانہ ہوا۔ اس کا بھی ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ مگر حال شاہ و جادواں بیان ہوتا ہے۔ کہ یہ اس محرابے بزرگ سحر ہوا دار کٹاں لشکر حیرت میں آیا۔ ملکہ حیرت اور صورت و صورت نگارہ وغیرہ نے بارگاہ سے نکل کر استقبال کیا۔ اور انداز بارگاہ کے لاکر غلبت تمام تر تخت پر بیٹھا اور عرض کیا کہ اسے شہنشاہ سامری حضور کو سمیت خوشنور کے اول مرتبہ جو آپ تشریف لائے تھے تو بہت خوش تھے لیکن اس وقت چہرہ حضور کا بہت خوشنور معلوم ہوتا ہے۔ شاید پہلے کوئی تدبیر قتل کچھ امان دے گیا تھا۔ اب اس میں کچھ فرق پڑ گیا۔ یہ ماجرا کیا ہے۔ کہتوں سے بھی اور شاہ فرمائیے۔ کہ آپ کی خوشی سے ہم بھی خوشی کریں اور ان کے رنج کے شامل ہیں۔ بہر صورت دامن گل ہائے مراد و مقصد سے بھریں۔ بادشاہ نے یہ کلمات سن کر اک آہ کی۔ اور کہا کیا کہوں کہ یہی مرتبہ جو میں آیا تھا تو برآں دفتر کو کب کو زمان طلم میں تید کر آیا تھا۔ اور اس مرتبہ بھی سامری سے جھوکا تھا۔ دناشدی لڑکی بلائے دہی۔ بڑی دیر تک لڑی اور سب اختر مراد کے کچھ پر غالب آئی تھی وہ تو سب دناشدی بختاہ وقت پر پہنچی اور اس نے ہمیشہ کیا۔ میں اس کو قید کر آیا۔ اب تھر کچھ جھجھ جو اس کی بڑی حاجتی اور طرفدار ہے اور کوکب روغن فیرہ اس کا اس کو ایک داغ نمازہ میں نے دیا ہے۔ دیکھو تو کوکب کو وہ میرے زندان طلمات سے چھڑا لے جاتا ہے اور میرا کیا کر سکتا ہے۔ جب تو برآں بہت اچھٹی پھر تھی ویسا ہی میں نے اس کو قید کیا ہے۔ اب وہ مجھے قہر کا بھرنا اس کو معلوم ہوگا۔ بغیرہ باشت تو میری خوشی کا تھا لیکن اس وقت جس اور ہاتھ تو ادا میں اس طرح برہمن بنا ہوا چالاک بشارت کو کھوٹا۔ اور اس نے مجھ کو ہمیشہ کر دیا۔ جانتا تھا کہ قتل کرے۔ آج بھی عبادت گزار

وقت پہنچی اور اس نے سیری جان بچائی، میں سچ کہوں یہ چالاک وہ عیار ہے کہ اس نے میرا بچا لیا ہے، نیکم کوہ سے اس مقام تک بہت قیاریاں اس نے مجھ سے
کیں۔ سلیمان چادر کو میرے ہاتھ سے نقل کر لیا۔ سلطان و سرشار و فرہ کے مقام پر عیاری کر کے بھگدول لیا، جوش و انگھس نے مانا جب میں اس جالاک کو دیکھتا
ہوں خون آنکھوں میں اترتا ہے اور وہ مجھ ہی پرست رہی کرتا ہے کہ ساری کچھ کو کاٹتا ہے، وہ کلمات جو زبانی شاہ ملازمان نے کہنے سے، کما صوبہ سے
تصدیق اتر دوائی موئے شمشیر لگے ہی رہتے ہیں سچ ہے ساری جوش و شہنشاہ کے آڑے آجاتے ہیں، آج جو کچھ وعدہ ہمارا چلے وہ کم ہے، جہت نے پرست
حکم، یا کلا کے تصدیق کے نکلے لاؤ، لنگر جاری کرو دس ساعری کی ایتھ بھیجیں کس سب، انکلم ملازم محل میں لائے، تو بٹنے ملازم تھے، سب صدقہ آتا رہے گئے۔
کوئی تین ماں لایا کوئی نئے صدقہ کے لیا، حیرت نے برآن کے قید ہوئے کی بھی خوشی کی، اور باب شاہ کو بلوایا، جام شرب شرع کرشم میں آیا سب مصروف
عیش و نشاط ہوئے، اہلکار لشکر تفریح کے جو بزرگ یہاں حاضر رہے ہیں وہ جلوس اسلام کے سامنے صرخے آئے، یہاں رانی ہانے سے خواجہ عمر کے ہر
ایک خوش تر تھا، جلوس عشرت جمع ہوا تھا، شرب اب چلتا تھا۔ آج ہوتا تھا کہ ہماروں نے آکر جو گاہ پر سے تسلیم کی، اور وہ گاہ بھائے بادشاہی بھائے نظم

ناخن پیچنے والوں کے کچھ نہیں نہ کھل سکیں تیری شاہ جادو سحر کی قوس نے یار
میں تہ جہاں میں کہہ سے ترے نہیں کوئی شکستہ حال بجز تو زخماں
برساتا شاہ کرم پاں نہیں کراہ ہوتا ہے رنگ آنکھیں باقوت آباد

بعد اوائے و عا، شاہ جادو جادوئی شاہ جادو اس کے ساتھ عرض کیا۔ اس خبر کے سننے سے ہر ایک بدحواس ہو، عاری عالم پاس ہوا، جب عشرت درم برہم
صحبت عیش برہم کرا شعرا

ہوئی وہ بزم شادی بزم ماتم کمین خسانہ دل ہو گیا فہم
شعر اور غزل کی آفر خضرات بن میں یک ایک آئی حرات
ہم نے تھے تب انیس سے ہاتھ تھے لالچا، اس سے کیا ہے بات

برق و قمر عام قیام بھی یہاں موجود تھے جب انہوں نے صبح نہ ہوا کہہ کر روئے دیکھا، بہت کچھ ان کی تسکین و دلدادہ کی اور کما گیارہ انیس ہم ہمیشہ تم سے کہنے آئے
میں کمر باریج ہے، کوئی قیامت تک زندہ نہیں رہا ہے۔ پھر غم کیوں کریں، ہاں غم اس وقت کرنا چاہئے کہ جب بے غری کا ہوا شاہ جادو، وہ قوام اس سے کلام
کر کے مر جائے، پھر یہ مرنا تو زندگی و دیدہ ہو جب بیت

کہاں ہیں شجہا عاں خجہہ گداز قدا نام نیک ان کا ہے یادگار

بلکہ ہم چاہتے ہیں اور ہو سکتا ہے تو برآن عالی شان کو رہا کر کے لاتے ہیں، یہ کہہ کر دونوں عیار طرار غفلت سے درپیشا سے بانٹا لے جاری ہو کر آئے، وہ گرد و اذہ سونے

محمد حسین جاہ

ہنس کی پیدا پر تو میں مریا ہوں نطف کرتا تو کیا ستم ہوتا

تیرا تو شغل ہے فوایدات دن میں روز پیتے پیتے گریبان ٹھک گیا
جڑی کباب پلٹ پلٹ ہے کہم غلوے کرتے ہیں نری ضریر سے

نوبت غلام آشیان

پینٹ بہر ایکن فکے سننے آواہیں جوئے وغیرہ مدح کراوات۔ اکبر بریلوئی عاں شمشیر و شمشیر کی صحبت (ایک)

الف لیلا (اردو) — قصہ حجام کار و بر و جماعت کے

ہمدردی میں متصف رہا کہ جو اوروں میں متاجوں کی مشہور تھا۔ دستل قزاق گرد نواح قمر بغداد کے رہنری کرتے۔ اور ایک مدت سے اُن کے نظرسے وہاں کے باشندے ہلکی اودنالاں تھے۔ خلیفہ حال قزاقوں کا مسکندہ بہت فقہ میں آیا۔ اور کو تو ال کو فرمایا کہ جلد اُن دسوں قزاقوں کو گرفتار کر کے قید خانے میں رکھ دو۔ زنجیری گردن ماروں گا۔ کو تو ال نے کہ بہت ہوشیار تھا فوراً اپنے سپاہیوں کو اُن کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ اتفاقاً قزاق تارخ ذی الجہ کے کہ روز عرفہ کا ہے۔ قزاقوں کو گرفتاری پر سوار کیا اور عید کے دن علی اصباح اُن دسوں قزاقوں کو مرد آدمی سمجھ کر میں بھی بے گتے کشتی پر سوار کیا۔ جب کشتی کو یکے کر غیب کے محل کی طرف لے چلے۔ اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ سب قزاق تین۔ واسطے قتل ہونے کے پڑ گئے ہیں جب ہم سب کشتی سے کنارے پر اترے۔ سپاہیوں نے اُن کو ہم سب کو گھیر لیا اور ایک ایک کی مشکلیں باندھ کر غیب کے حضور میں لے گئے۔ اور میں بھی باندھا گیا اور کچھ دباں سے تہ بولا۔ عرض جب ہم سب غیب کے سامنے حاضر کئے گئے۔ اُس نے جلاؤ کو فرمایا ان دسوں مشکوں کی گردن مارے۔ اُس نے ہم سب کو ہمارے باندھ کر چٹا چیری خوش نصیبی سے جلائے مجھے آخر صفت میں چٹا چیرا۔ پھر سرے سے اُس نے گردن مارا شروع کیا۔ جب دس سرکات چھ میرے پاس آیا اور ہتھیر گیا۔ خلیفہ خفا ہوا کہ کیوں ایک کو چھوڑ دیا۔ جلاؤ نے عرض کیا کہ میں نے دس آدمیوں کو قتل کیا حضور مگر میں۔ بادشاہ نے دس مقتول کو دیکھ کر مجھ سے فرمایا کہ اسے مرد پر تو قزاق نہیں کیوں قتل میں آیا۔ میں نے عرض کیا خدا در میں دعو کے سے کشتی میں بیٹھ گیا تھا۔ خلیفہ بہت ہنس اہو برے چپ رہنے پر تعجب کیا۔ تب میں نے کہا ظالم نے غفلت اپنے چھ بھائیوں کے خاموشی اختیار کی ہے۔ جس کے سبب سے میں بہت معزز رہتا ہوں۔ بادشاہ بہت غمگین ہوا اور فرما نے دعا کہ کو کھائے اور بھائی اس صفت میں مش تمہارے چلے جائیں میں نے کہا ہرگز نہیں۔ وہ سب بکری ہیں اور غفلت میں بھی میرے اور اُن کے بہت فرق ہے۔ ایک کبوتر۔ دوسرا پتھر۔ تیسرا کتا۔ چوتھا اندھا۔ پانچواں بوجا۔ چھٹا غمگین کی طرح چلتا ہے۔ اُن کے حالات اگر سنیں تو اُن کے زنجیروں کو بچا نہیں۔ امپدار اجازت کا ہوں تا اُن سب کا حال تمہارا جلاؤ کرے۔ میں نے اس بات کو خیال کر کے کہ شاہ بادشاہ اجازت کہنے کی دے نہ دے جلد کن شروع کیا +

مولانا محمد حامد علی خاں صاحب

سے قتلوں میں الجھا گیا ہوں	کھلنے دے کے ہلا گیا ہوں
سے محسوس کیوں نہ جاؤں نہ چھوٹے	سبھی نخل سے اٹھایا گیا ہوں
پر چھو نہ حال چہ شہر لے آؤں بزار کا	کو لو نہ مازگوشش میل چہ سار کا
پنڈیاں آ رہے ہیں بزار وصال کے	سب پر نفس فراق میں خامد ہے بزار کا
کٹ جاتی ہیں پیا لوسی زنجیر امید کی	اندھے آؤ تو مرض افسار کا

شاد و غمیر آبادی

چگونہ یا بھوں کے کان میں۔ اور ان کی تمام بیاریوں پر ایک ہتھیار دار و فنی کلمات کی خوشی میں بربل چنڈ ستر سبلی بہت (ایڈیٹر) چنڈ

خوش طبعی

از جناب شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب آزاد

(مزاویہ مجاز حضرت غور سے پڑ ہیں)

خوش طبی کی تعریف میں یہ کہنا بہت مشکل ہے۔ مگر وہ کیا شے ہے۔ البتہ یہ کہنا آسان ہے۔ مگر وہ کیا شے نہیں ہے۔ میں اگر اس کی نسبت کچھ خیالات بیان کروں۔ تو اخطا طعن حکیم انہی کی طرح کہنا پڑے گا اور مستحارہ سے بیان کروں۔ اور غرافت کو ایک شخص قرار دے کر اس سے وہ منفیں منسوب کروں۔ جو کہ نسب نامہ مندہ جنوبیل میں وضع ہیں۔ یہ واضح ہو کہ سچ خوش طبی کے خاندان کا بانی سیانی ہے۔ اس گھرانے میں حسن ادب ایک نہایت معقول شخص تھا۔ اس کا بیٹا حسن بیان ہوا۔ اس نے ایک اپنے برابر کے خاندان میں شادی کی۔ اس کی دھن کا نام خندہ حسین تھا کہ آٹھ پہنسنی ہی رہتی تھی۔ چنانچہ ان کے گھر میں میان خوش طبع پیدا ہوئے۔ چونکہ خوش طبع سارے خاندان کا کتبہ باب تھا۔ اور بالکل مختلف طبیعت کے والدین سے پیدا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی طبیعت دو تھوں اور ٹوٹا ہوئی تھی۔ کبھی تو نہایت سنجیدہ اور معقول وضع اختیار کرتا تھا۔ اور کبھی دنگین یا نکون جاتا۔ کبھی ایسا بن کر نکلتا کہ باقی نہیں اقدامت یا شیخ الاسلام چلے آتے ہیں۔ اور کبھی ایسے سخرے بن جاتے۔ کہ بھانڈوں کو بھی طاق پر بٹھاتے۔ لیکن چونکہ ماں کے دودھ کا بڑا اثر جوتا ہے۔ اس لئے کسی حالت میں جو بول مکمل کو منہ سے بغیر نہ رہتا تھا +

اسی کے ہمسایہ میں ایک کمر باز جمل ساز بھی رہتا تھا کہ اس نے بھی خوش طبع اپنا نام رکھ لیا تھا۔ اور لوگ بھی اس پر ذات کو اسی کا نام مقام سمجھتے تھے۔ پس اس خیال سے کہ بنگ مرد۔ ناوہٹ اس کے دھوکے میں نہ آجائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کتاب کو چھپنے والے لوگ بھی کسی ایسے شخص سے طبع تو اس اصل نسل کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور دھوکے سے بچیں۔ مگر دور نزدیک کچھ کثرت اس کا سچ قبیلہ سے جالفا ہے یا نہیں۔ اور حقیقت میں وہ حقیقت ادب کے گھرانے سے پیدا ہو ہے۔ یا کسی اور سے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہی جمل ساز ہر وہ کہیں +

ایک پہچان اس کی یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی محفل میں پہنچا ہوتا ہے۔ تو اسی کے قبیلہ کا نام میں آتے ہیں۔ اور اگر اس کے منہ میں اور معقول لوگ خاص خوش بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اور جب غرافت اسی محفل آرا ہوتی ہے۔ تو آپ کمال سنجیدگی سے منہ می ہوتی ہے۔ مگر وہ اس کے سب پہنسنے میں +

بلکہ انتہی بات اور بھی کہتا ہوں کہ اگر اس کے خاندان میں خوش طبی یا خندہ حسین یا خوش سیانی کسی کی پونہ آئے تو اسے بھی وہی جمل ساز ہر وہ کہنا چاہئے جس پر وہ پہنچا نہ گائیں نہ ذکر کیا ہو۔ اصل میں جھوٹ کی اولاد ہے۔ اور جھوٹ حقیقت زلزل کا باپ تھا۔ زلزل کے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اُس کا نام سڑی مستان تھا۔ اسی طرح حاکف ایک جھوٹ صورت تھی اور اس کی ایک بیٹی تھی جسے سوزن دوائی کہتے تھے۔ اس سے سڑی مستان نے شادی کی۔ ان دونوں سے جب طرفہ سوزن پچ پیدا ہوا۔ جسے تم ہر وہ پہنچا نہ کہتے ہو۔ بعض اشخاص کو بعض اوقات اس کے کلام میں بھی خوش طبی یا خوش سیانی کی بُرا آتی ہے۔ مگر وہ حقیقت خلاف ہد اصل ہے۔ اب میں ان اہل کاتب نامہ کہتا ہوں :-

جھوٹ
زلزل
محسن
حسن بیان

جھوٹ
زلزل
سڑی مستان - سوزن دوائی

ظرافت بر اصل نقلی

یعنی بھول پر بھلائی

خوش بیع فائدہ - خندہ بینی بیانی

ظرافت مصلی یا خوش بھلی

میں اس استعارہ کو زیادہ تفصیل دیتا۔ اور ظرافت پہل یعنی بھرو پیے بھانڈ کی اولاد جو رنگ بیاں سے بھی زیادہ سب کا حال نام نہام بیان کرتا خصوصاً ان لڑکے لڑکیوں کا کچھ حال لکھتا ہے جس سے ملک وچوچ میں اس نے اپنی ناپاک نسل پھیلانی ہے۔ مگر اس سے جا بجا حسد کی آگ اٹھتی۔ اس لئے جی نہیں چاہتا۔ پھر بھی اتنا فروگر ہو گا کہ ظرافت مصلی اور ظرافت نقلی میں اتنا ہی فرق ہے جتنا آدمی اور بندہ میں۔ سب سے پہلے تو یہ ہے کہ اسے بندہ کی طرح جھوٹ موٹ کی دغا بازیوں اور دیسے جی نہیں کرنے کی عادت ہے۔ دوسرے اس قسم کے کام کر کے نہایت خوش ہوتا ہے۔ بلکہ دونوں باتیں آتے کیساں ہیں۔ خواہ رسوا کر دے۔ ابھی ایک شخص کو با محنت و احترام بنا دے۔ ابھی چنگیوں میں اڑا دے۔ کسی کی ناموسی و بدعتی دکھا دے کسی کی دانش و دانائی ستا دے۔ ابھی دولت و محنت کی کشتی پر بٹھا دے۔ ابھی کنگال فقیر بنا دے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جھوٹ کی تحصیل ہر وقت ہمیشہ کی طرح ہوتی ہے۔ ایسا کم بخت ہے کہ جو ہاتھ اسے رزق دیتا ہے۔ اسی کو کٹا کھا تا ہے۔ اور دوست دشمن دونوں کی برائیوں کا ہوتا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ ان بیت سے خارج ہے۔ اس لئے خوش مصلی کہتا ہے جیسی ہو سکے اور جہاں ہو سکے۔ نہ یہ کہ جیسی ہونی چاہئے۔ چوتھے جو کہ عقل سے بالکل محروم ہے۔ اس واسطے اخلاق یا صلاحیت کی نصیحت پر ذرا کان نہیں دھرتا۔ بچوں کو کہنسی چل کے سوا اور کسی قابل نہیں۔ اور ہر شخص پر فوقیت کی ہوس رکھتا ہے۔ اس لئے اس کا خیر ہمیشہ ذاتی ہوتا ہے۔ یعنی کسی صاحب معاملہ یا کسی صاحب تشبیب کی ذات سے منسوب ہوتا ہے۔ نہ کہ فقط اس کی قربانی یا اس کی تشبیب سے +

محمد حسین آزاد

جائے گشت تک اڑ کر نہ ہم بے بال و پر
ہم نے مینا کیا پایا۔ ہانی میں مزا
بیٹھا ہے منہ سدی لگا کر اپنے دست چاہیں تو
آج ہے اسے شوخ تجھ سے ہاتھ پائی میں مزا

حراسینہ سے مشرق آفتاب داغ جہراں کا
طلوع صبح محشر جاگ ہے میرے گریباں کا
ازل سے دشمنی طاؤس ماہر میں رکھتے ہیں
دل پر داغ کو کیونکر ہے عشق اس زلف پہچاں کا

یا مجھے افسر شاہ نہ بنایا ہوتا
یا مرا تاج گدا یا نہ بنایا ہوتا
جسٹوہ حسن چمن میں نہ دکھایا اس نے
روندہ بمبیل کو بھی پر داند بنایا ہوتا
روز معمورہ دنیا میں خرابی ہے غفلت
ایسی ہستی سے تو دیر نہ بنایا ہوتا

کیوں کہ میرے رونے سے دل نیم ہوا اس بت کا
تجسس میں کبھی پانی نا شیر نہیں کرتا
کیوں فکر عمارت ہے دنیا میں تجھے ناسخ
ویرانے میں گھر کوئی تعمیر نہیں کرتا

تو نے شہناز بھگہ کو جو ادھر چھوڑ دیا
ہم نے بھی عاتقہ دل باندہ گے پر چھوڑ دیا
امام شمس ناسخ

شہنشاہ ظفر دہلوی

کان کی تمام بیماریاں پر اکیسیر بے خطا اور مشہور دنیا داوا۔ روغن کلمات ہے۔ فی شیشی صبر لب ایند مشنری صلی صحت (پو۔ پی) پتھر

نامنڈب ملک اور نامنڈب گورنمنٹ

انجناب سر سید احمد خاں صاحب

جو سیکے یا اس ملک آس کی رعایا ترقی یافتہ حالت میں ہو یا وہاں کی رعایا کو اپنے تمام حقوق مالی و ذاتی حاصل ہوں۔ یا اپنے مال و ذات پر بالکل سنبھلتی ہو۔ یا حکومتی مصلحت کو غیر مستحق زور و کار کا اندیشہ نہ ہو +

ایسی قوم کی گورنمنٹ جو دینی اور دہری دونوں کاموں میں اپنے شیئیں پابندیہ مجبوراً احکام کو سمجھتی ہے جس کو اس نے مذہبی احکام تسلیم کر رکھا ہے۔ اس کا یہ عقیدہ ہو تا ہے کہ کوئی دنیوی کام بھی حیرت انگیز سند یا بدوں مذہبی اجازت کے نہیں کیا جاسکتا۔ اور جس طریقہ پر کوئی دنیوی کام چلے ہو چکا ہے۔ اس سے مختلف طریقہ پر کوئی دنیوی کام بھی نہیں ہو سکتا +

یہ لوگ اس بات کو بھی تحقیق کر انہیں چاہئے کہ درحقیقت اس مذہب میں جس کے وہ پیر ہیں وہ ایک اعلیٰ حکم ہے جس میں کچھ شبہ نہ ہونا چاہئے بلکہ وہ صرف اگلوں کی رائے یا فعل پر بلا درافت سبب کے اعتبار سے کہتے ہیں۔ اور اس کے برخلاف کہ مذہبی حکم کی بدافغانی سمجھتے ہیں بلکہ اصل حکم اس کا مذہب کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو اس قسم کے لوگوں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ اس بات میں بھی مذہبی مسند کی تلاش کرتے ہیں کہ برتج کوؤ بندوبست کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔ پھر اپنا کوئی رنگ و چہرہ دروی پھنانا درست ہے یا نہیں۔ جبکہ عرب میں دین بنا نا ظلمات مذہب سے یا نہیں یہاں تک کہ دین میں سوا رہنے کی نسبت بھی مذہبی اجازت کے خواہاں ہوتے ہیں +

ایسا ملک اور ایسی قوم جو بہت تنزل کی حالت میں پہنچی ہے۔ مذہب و شائستگی کی بوجھ وہاں نہیں جاتی۔ کوئی مستحکم قانون اس کے پاس نہیں ہو سکتا۔ محض کے حقوق محدود نہیں ہوتے۔ کوئی شخص مال سے پورا دولت مند حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ کبھی ملک میں امن ہو سکتا ہے +

اس سماج کو خوشنواں کہہ کر اس وقت دنیا میں موجود دین کا یہی حال ہے سب سے مقدم و مکرم مسلمان گورنمنٹ جو اس وقت دنیا میں موجود ہے وہ سلطان ترکی کی گورنمنٹ ہے۔ جس کو ملک سلطنت دروم کہتے ہیں۔ اگرچہ سلطنت ترکی نے

ملک جب نامنڈب ہوتا ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ گورنمنٹ میں بھی نامنڈبی آجاتی ہے۔ اور جب گورنمنٹ مذہب ہوتی ہے تو کسی قدر مذہب ملک میں آجاتی جاتی ہے +

ملک کا نامنڈب ہونا تو اس ملک کے باشندوں کا نامنڈب ہونا ہوتا ہے کیونکہ جب کہیں کہ انگلیڈ۔ فرانس۔ جرمن۔ امریکہ نہایت مذہب ملک ہیں تو اس کے معنی ہی ہوں گے کہ وہاں کے رہنے والے مذہب و تربیت یافتہ ہیں۔ ہندستان کو جو نامنڈب یا نیم مذہبی ملک بتایا جاتا ہے۔ اس کا یہی سبب ہے کہ یہاں کے رہنے والے نامنڈب یا نیم مذہبی سمجھے جاتے ہیں +

مگر ہم کو فکر کرنا چاہئے کہ گورنمنٹ کا نامنڈب ہونا کیا چیز ہے اسلانی گورنمنٹ جمہور میں ان کے نامنڈب ہونے کا کیا سبب ہے +

گورنمنٹ کا یہ فرض ہے کہ جس لوگوں پر وہ حکومت کرتی ہے ان کے حقوق کی خواہ وہ حقوق مال و جائداد سے مشعل ہوں خواہ سب و پیشہ و معاش سے خواہ آوازیں مذہب و آواز دینی رائے اور آوازیں زندگی سے ان کی نگاہ ہو غیر مسابری قوتوں سے کسی بر نقصان نہ پہنچے دے۔ مگر درستی کو غیر مستحق زور و کار سے بنانا میں رکھے۔ ہر شخص اپنی کمیت سے اپنے ہنر سے پورا پورا مستحق ہو +

اھ اس کا مذہب ہونا یہ ہے کہ ان تمام ذرائع کے برابر گئے تو قوانین اس کی سلطنت میں جاری ہوں ہر شخص ادنیٰ سے اعلیٰ تک یہاں تک کہ خود گورنمنٹ بھی آں قوانین کے تابع ہو اور وہ قانون ایسے ہیں کہ تمام رعایا کے حقوق اسکی آواز سے سادی ہوں۔ اور اس کے ساتھ وہ قوت بھی ہو (جس کو گورنمنٹ کہتے ہیں) اور جو ہر شخص کو ملکا کا خیریت آں قوانین کا پورا پورا مدافع کرے جس گورنمنٹ میں یہ چیزیں نہیں ہیں وہ گورنمنٹ نامنڈب و نام تربیت یافتہ مسلمان ہے۔ اور اس کے ملک میں کبھی امن نہیں رہتا۔ ملک کی مال کی دولت کی قوم کی رعایا کی کبھی ترقی نہیں ہوتی اس اصول کا نتیجہ تمام مسلمان سلطنتوں میں پایا جاتا ہے کوئی مسلمان سلطنت اس وقت مزایاں ایسی موجود نہیں ہے جس پر مذہب گورنمنٹ کا اثر ہو

دنیاں دو قسم کے امور ہیں۔ ایک روحانی اور دوسرے جسمانی۔ یا یوں کہو کہ ایک دینی اور دوسرے دنیاوی۔ سچا مذہب امور دنیاوی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ ہاں چند منظر باتوں کو جن کا اثر اخلاق پر زیادہ تر ہے اور گوروہ دنیاوی ہوں۔ بیان کر دیتا ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ اسلام بھی ایک سچا مذہب ہے انہی اصول پر بنی ہے۔ اور ہمارے رسول مقبولؐ یہ قول کرنا اکثر منہ پر دیکھ کر خذوہ وانا کم غنہ فاختوا۔ اس پر دلیل کامل ہے۔ اور قرب زمانہ نبوت میں اسی اصول پٹیل در آمد رہا۔ اور کچھ کچھ اُس کا اثر عہد خلفاء تک بھی باقی رہا جنہوں نے حد ساحت مقدمات کی ترس بریں۔ اور پھر زندہ برس۔ اور دعویٰ شیعہ کے لئے حد ساحت ایک مینہ مذہب کو ایک اور گروہ سے قسم لینے اور قرآن مجید اُس کے ہاتھ میں رکھنا بخیر کیا جس کی کوئی سند یا اجازت مذہب میں نہ تھی۔ مگر رشتہ رشتہ وہ عہدہ اصول بالکل نیا دنیا ہو گیا۔

انھنے زمانہ کے نیک اور متدین۔ مگر مذہب کی طرف زیادہ متوجہ عالموں نے یہ خیال کیا کہ جتنا تک ہو سکے ہر ایک کام کسی مذہبی منہ پر کیا جائے پس جو قدم یا امر پیش آتا اُس کے لئے نیک کر کے کر اُس کو کس مذہبی سند سے متعلق کریں۔ اور پھر خواہ مخواہ کھینچ تان کر ادویات اور استلالات دودھ کا کر کو کسی مذہبی سند سے متعلق کر دیتے تھے۔ یا کسی اصول عام کے جس کو خود انہیں نے قائم کیا تھا تابع کر دیتے تھے۔ ان علماء کے اقوال و استلالات رشتہ رشتہ بدون ہونے لگے۔ جن کی بدولت کتب فقہ و اصول فقہ ہمارے دل پہ ابھریں۔ اُس زمانہ میں تمام لوگ ان علماء کے اقوال و دست بیلان کو ایک واسطے زیادہ تر نہیں سمجھتے تھے مگر رشتہ رشتہ ان علماء کے اقوال و دست بیلان کے تصور ہونے لگے۔ اور پھر ایک زمانہ کے بعد وہی مذہب اسلام گنگا گنگا۔ اور شیعہ اُس کا نام ہو گیا۔ اور غیر مذہب انہوں نے شیعہ محمدی اس کا نام رکھا اور جتنی اُن میں منہ ہوئے اُس سے اسلام اس میں انہوں نے نقص سمجھے۔ حالانکہ اسلام اس سے بالکل بری ہے۔ اگر بالفرض تمام اجتہادات استلالات حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں نقص ثابت ہو جائے تو بھی اسلام میں کچھ نقص نہیں آتا۔ جبہ انداز کے ہاں سے آزاد رہا یہ پاک صاف ہے۔

سرسید احمد

۱۹۳۲ء

بہت سی باتوں میں تبدیلی کی ہے جس سے جاں بلب کی حالت سے کیتھد سنبھلی ہے۔ لیکن اب بھی اُن ہی اسباب سے مرض الموت میں گرفتار ہے۔ کوئی سال اس کا اُس میں نہیں گذرنا کیسی کرپٹ میں خفا ہے اور کبھی ختم میں۔ کبھی عرب میں تلواریں ہیں اور کبھی روانہ کے گناہ میں۔ زمانہ موجودہ میں اور صحر ہری جو باغی ہو رہا ہے۔ اور اور ہر دیا۔ کوئی قانون دہرائی یا نوہد کہ ہا موجود نہیں ہے۔ کوئی ایسا آزاد چکر جو ٹھیک انصاف کرے یہ انہیں ہے جو گنگے ملنے نام میں وہ خود اپنے احکام کی تعمیل میں۔ زیورات کے اجار میں مظلوم کو اس کا حق پہنچانے میں قادر نہیں ہیں۔ سچ جو قاضی گنگا میں آزاد نہیں ہیں۔ تمنا ہے اور ہر کے انفر کے پاس اعلیٰ اہل خاندان کے عرب میں پاسی باقت شخص کی سفارش کے ہندے میں اور ان سب پر خود اپنے تعصب مذہبی کے حال میں اور اس سے بھی زیادہ رشوت ستانی کی حالت میں جھٹے ہوئے ہیں۔ نیچو اس کا یہ ہے کہ کسی کو گورنٹ پر ملائی نہیں ہے کسی شخص کو اپنا حق پانے کی پوری توقع نہیں ہے کسی غیر مذہب والے کو پورا اہل انسان لئے کی امید نہیں ہے۔ ملک تنزل میں ہے۔ تجارت اثر حالت میں ہے۔ کوئی کمپنی تجارت کی اپنا کام جاری نہیں کرتی۔ ملک میں سونے چاندی۔ تانبے لوہے میں کی۔ کوئلے کی کاین کی کاین بھری بڑی ہیں۔ مگر کوئی کمپنی کھڑی نہیں ہوتی کسی قسم کی تجارت ترقی نہیں پاتی۔ تمام ملک کی آمدنی دیکھ کر ملک میں یا تو ضرر کے سوچیں یا ہتھیاروں کی خرید میں مل جاتی ہے تو قس پر گندمان ہے۔ وہ بھی اپنے ملک میں نہیں ملتا غیر ملکوں کی دھاریا سے بھرت و خوشامد لیا جاتا ہے۔ اور یہ شیعہ تمام اسی غلط خیال کا ہے جس کے بموجب دینی و دنیوی دونوں قسم کے کاموں کو مذہب پر مثال سمجھا ہے۔ زانم اعلیٰ اور دنیام کے جڑ کو چھوڑ دیا ہے۔

یہ حال تو ہم نے کھو کچھ سلطنت اسلامیہ روم ہی کا نہیں ہے۔ بلکہ ہم چھوٹی بڑی گورنٹوں کا یہی حال ہے۔ اور ان کا حال دیکھ لو افغانان و ترکستان پر نظر ڈالو ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کو دیکھو تو سب کو ایک سا حال ہے۔ انہیں مسلمان ریاستوں نے کیتھد جہی کی ہے۔ اور بقید تبدیلی کے کیتھد جہی حالت میں ہوتی جا رہی ہیں۔

بھٹی اچھا۔ آخر مجبوراً سی پر سیلا ہوا بچھونا، کھاکر لیٹ رہا۔ تھکا ہوا
تہ تھا ہی۔ کچھ نیند آگئی۔ رات کے دو بجے ہونے لگا۔ گرج کی آواز سے
آنکھ کھلی۔ بجلی چلی۔ اور سلا دھار پانی پڑنے لگا۔ پچھلا شروع ہوا۔ کبھی
چارپائی کو ادھر کبھی اُدھر کھینچا۔ عورتوں سے سننا کرتے تھے۔ نئے
دھار اور بدھار اور سہ پختے تھے کہ یہ کیا عمارت ہے۔ آج معلوم ہوا کہ شاید
اسی موقع کو کہتے ہوں گے۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ بارش
ذرا تخم گئی تھی۔ مسافر غریب نے اپنی راہ لی +

باقر علی داستان گو

بھٹیارہ - میاں آیا +
مسافر - بھائی یہاں تو مچکا لگا ہوا ہے +
بھٹیارہ - میاں آجکل ٹپکے کی کہو۔ بڑے بڑے آہستہ میں لگے ہوا ہے +
مسافر - ایک چارپائی تو لاؤ +
تھوڑی دیر میں ایک چارپائی آئی جس کے ٹوٹے ٹھوٹے بان بھگ
کرتی گئے ہیں۔ مکان نکلا ہوا۔ روپا یہ ادبچے دو نیچے بھٹیارہ نے
لاکر بچھائی۔ اور ایک ہاتھ سر ہانے کے پایہ پر دوسرا پائنتی کے پایہ
پر رکھ کر دوڑ کر ایک تو ایک چڑاٹا ہوا اور اپنے گھٹ سے بیچے گئے +
بھٹیارہ - میاں دو بیٹے ہونگے +

حضرت نجم الدین ولد اسد اللہ خاں بہادر غالب کا خط میر ہندی کے نام

کلیات اردو کا جمایہ تمام ہوا +

غلب کہی ہفتہ میں غایت اس بیٹے میں ایک نسخہ پیدل ڈاک نم کو پہنچ جائے
کلیات نظم فارسی کے جمایے کی بھی تدبیر اگر تو دل بن گیا۔ تو وہ بھی پھا پھانے کا۔ قاطع
برہان کے غائب میں کچھ فوائد بڑھائے گئے ہیں۔ اگر نقد و مساعدت کو اسے قاضی بے شکست
غیر اس کو عیب دانا۔ مگر یہ خیال محال ہے۔ میرے مقدور کی تیار کار کا حال مجھ پر کھیر کو
معلوم ہے۔ ذرا غلطی کا شئی قدیر۔ خدا کا بندہ ہوں۔ علی کا غلام۔ میرا خدا کریم۔ میرا خداوند
سچی۔ علی دارم جو غم دارم۔ و با کی کچھ مدد ہو گئی ہے۔ پانچ سات دن بڑا زور شور
پر سون خواہ مرزا دلخواہ جان من اپنی بی بی بچوں کے دلی میں آیا۔ کل رات کو
اس کا نو برس کا بیٹا ہفتہ کر کے مر گیا۔ آتا بندہ دانا ناہید رہی جنوں۔ اور میں بھی وہاں
اکثر نہ رہے۔ نہ تو ایک صاحب مر گیا۔ واقعی بے شکست و مہر مہر۔ زیادہ تر ترقی خواہ
اور مزاج میں اور مجھ میں متوسط تھا۔ اسی جرم میں مامور ہو کر مرا۔ خیر یہ عالم اسباب
ہے۔ اس کے حالات سے ہم کو کیا؟

(غالب)

مید صاحب کل بہون رہے تھا۔ ناظر چچا یقین ہے کہ اسی وقت یا غلام کو۔ میر
سرفراز حسین تھا۔ رہے پاس پہنچ گئے ہوں۔ حال مفکر کو کچھ ہے ان کی زبانی سنو گے
میں کیا لکھوں۔ میں نے بھی کچھ منہ سے انھوں سے سنا ہے۔ ان کا اسطرح کا کام پھر آتا
میری قضا اور میرے مقصود کے خلاف ہے۔ لیکن میرے عقیدے اور میرے تصور
کے مطابق ہے۔ میں جانتا تھا۔ کہ وہاں کچھ نہ ہوگا۔ سو روپے کی ناحق زبرداری ہوئی
چونکہ یہ زبرداری میرے بعد رہے ہوئی تو مجھے شرمساری ہوئی۔ میں نے اس چھپا سٹھ
پرس میں اس طرح کی شرمساریاں دیکھی ہیں۔ بہت اٹھائی ہیں۔ جہاں ہزار داغ
ہیں ایک ہزار ایک سہی میرے سر پر ترش بین کی زبرداری سے دل کو کھینچتے۔ و با کو
کیا بوجھتے ہو۔ قدر انداز تھا کہ ترش بین کی ایک تیریا قی تھا۔ قتل ایسا عام۔ لوٹ
ایسی بخت۔ کال ایسا بڑا۔ و با کیوں نہ ہو۔ سان الغیب نے دس برس پہلے فرمایا ہے
ہو چکیں غالب بلائیں سیام۔ ایک مرگ ناگستانی ہوئے

میاں شمس الدین چہری کی بات غلط نہ تھی۔ مگر میں نے وہاں عام میں مرنا
اپنے لائق نہ تھا۔ واقعی اس میں میری کسر نشان تھی۔ بعد رفع فساد ہوا مجھ لیا جائے گا

جادو

از نواب خان بہادر سلطان احمد صاحب آکسٹرا اسٹنٹ کمشنر گوبرنور الہوال

کے تحت اس کی حقیقت اور رواج پر روشنی ڈالی ہے +
پادروں نے خاص طور پر اس کو روکا اور بعض وقت اپنی سیاست نے بھی
اس کی مزاحمت کی۔ اکثر مواقع میں اس کی تحقیق کی گئی اور جن میں پرہیزگار
جواؤں کو سزا دی جاتی رہی +

اس طریق اور اس مزاحمت سے ثابت ہے کہ خاص خاص لوگ بھی اس
کی حقیقت کا اعتراف کرتے تھے۔ اور چونکہ اس کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے تھے اس
واسطے اس کے اثر سے بچنے کے لئے اس کی ہر ایک رنگ میں مزاحمت بھی کرتے
تھے۔ اگر ان لوگوں کو جادو کا یقین نہ ہوتا۔ اور ان کے خیال میں وہ اسکی حقیقت
محض وہم و خیال کرتے۔ تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اس سے یوں مقابلہ کرتے +
اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض تحلیف اور خیالات کا پیشان کرنا بھی ایک
جوہر ہو سکتا ہے۔ مگر حقدار کا خون اس نام سے ہوتا رہا ہے وہ ثابت کرتا
ہے کہ ان لوگوں کو حقیقت سے اس کا اعتراف تھا اور وہ اس سے ڈرتے
بھی تھے +

چونکہ کے ہر ایک موبہ میں جادو گرہوں کی تحریک اور تعویذ و تہذیر پر
زور دیا جاتا رہا۔ صرف تھوہسی میں ہی ایک دفعہ سات سزاؤں کو جلائے گئے
ہسبرگ کے صرف ایک استغ نے اس جرم میں چھ سزاؤں کو جلائے۔ وائر برگ
کے کلہاڑے ایک سال میں نو سزاؤں کو جلائے۔ ملک فرانس میں۔ پیرس۔ ٹوٹو
بورڈو۔ ریزو وغیرہ بارہ سینٹوں نے بوجہ نقصانات کے اعتراف کی ڈاگیاں دی ہیں۔
ٹوٹو میں جو محکمہ انتصاب کا صدر مقام تھا ایک ہی وقت میں چار سو۔ اور
ڈوٹے ایک ہی سال کے اندر پچاس آدمی قتل کئے گئے۔ تسمی کے بیچ میں کو اس
بات پر فخر تھا کہ سولہ سال کے عرصہ میں اس نے ۳۸ آدمی مروا دیئے۔ پیرس میں چند
مینیوں کے اندر اس قدر لوگ چھائی وے گئے کہ ایک صنعت اس کو لافندہ بیان
کرتے پر مجبور ہوا ہے۔ جو لوگ بھاگ کر اسپین چلے گئے ان کو وہاں کے محکمہ
انتصاب نے گرفتار کر کے جلا دیا۔ علت یہ تھی کہ ایک جادو گر کو جلا دیا گیا +

دنیا میں اگرچہ بعض باتیں اعتقادی رنگ میں کسی وقت ایک سمت
سے مانی جاتی ہیں۔ اور اس زمانہ میں ان کی وہی شہرت نہیں مگر پھر بھی کچھ
نہ کچھ ان کی ہستی پانی ہی جاتی ہے۔ کنابوں میں ہی نہیں بلکہ
بڑے بڑے لوگ بھی اس کے موبہ اور صدق بیان کئے جاتے ہیں یہ
فقرہ مشہور ہے :-

”جادو برحق کرنے والا کافر“

کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی نہ ہوگی جس میں کسی نہ کسی رنگ میں جادو
کی شہرت یاد کر نہ ہو بعض زمانوں میں جادو کی اہمیت اس قدر شہرت تھی کہ
عدالتوں میں لوگ ہنسی بہتے تھے کہ اس جادو گر نے اس پر یا اس کے
مشت دار پر جادو کر دیا ہے +

یاد رہے اس کہ اس زمانہ میں عقل و فراست کی استعداد و وسعت اور شہرت
ہے۔ پھر بھی جادو کے قائلین کچھ نہ کچھ پائے جاتے ہیں۔ یورپ میں بھی جادو
اس ادعا سے عقل و فراست اور تہذیب کے بھی اس کے معترف موجود ہیں
اگرچہ یورپ کی عورتوں میں تعلیم کی ترقی ہے مگر پھر بھی جادو اور منتر قافوں
کی ان میں سے اکثر گرویدہ ہیں اور یہ اعتقاد رکھتی ہیں کہ جادو اور منتر میں ایک
طاقت ہے۔ اکثر ایسے شہید باز اور جاوہر گراہے مستعدوں سے نکلے ہوئے
ہیں۔ لنٹن اور پیرس کی گلیوں میں بھی یہ تماشے دیکھنے میں آتے ہیں۔ اگرچہ
لندن اور پیرس میں بہت سے لوگ ایسی کمائیوں کی تردید اور نکتہ بیابانی
کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں۔ جادو اس کے کہ یورپ
کے ممالک اور اقوام میں خصوصیت سے سحر اور جادو کی گرم بازاری روکنے
کی خاطر بہت کچھ کشت و خون بھی روار کھے گئے۔ پھر بھی ایک مدت تک یہ
ٹوٹو چل ہی گیا۔ اگرچہ علمی رنگ میں جادو نے وہ جگہ نہیں لی جو دیگر علوم اور
فنون کوئی ہے اور خصوصاً آج کل کے دور میں تو اس کی جگہ بہت ہی پیچھے رکھی
گئی ہے۔ مگر چند سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے کہ یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ
جادو ہے۔ انجیل نے صاف طور پر اس کی اصلیت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور مختلف ادویات

بھیر بھی وہ جادو گروں کو قتل کر آتے تھے۔ یہ طریق عمل سخت حیرت خیز ہے۔ ایک طرف تعلیم کھانی کا ایک حصہ جادو قرار دیا جاتا تھا۔ اور دوسری طرف جادو گروں کو مروا یا بھیجا جاتا تھا۔

مذہب اسلام کے شروع میں اور خود بانی اسلام کے عہد مبارک میں جادو اور جادو گروں کے چرچے مختلف رنگوں میں ہوتے تھے۔ مگر کبھی جادو گروں پر وہ سختیاں نہیں کی گئیں جو یورپ میں یہود و ساقہ کی جاتی رہیں۔ اس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ اسلام جادو اور ایک قسم کی نفرت اور مخالفت کے بھی ایسے لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک رکھا کرتا تھا۔ اور اس قسم کے خیالات کے روکنے کے واسطے وہ کس قسم کے آلات سے کام لیتے یا جادو کیا فعل میں ادوار خفیہ کا ذکر ہے پھر بھی ان لوگوں کو تنگ کیا جاتا تھا۔ اور حال خفیہ کے قائل تھے۔ اسلام جادو اور جادو گروں کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا اور اس فعل کو کسی حالت میں بھی جائز اور مشروع قرار نہیں دیتا۔ بلکہ ان کی مذمت کرتا ہے۔ اور ایک فعل شیطانی قرار دیتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے اس قسم کی سختیاں بھی بائز نہیں رکھتا۔

بعض اوقات خود بزرگان اسلام کو یہ کہا گیا کہ خدا ان شخص آپ پر جادو کرتا ہے۔ اس پر بھی اس کے قتل کا حکم نہیں دیا گیا۔ اسلام کی تعلیم ہی کی بدولت لوگ رذیلہ اس قسم کے خیالات سے متاثر ہونے لگے۔ یورپ میں بڑا دل قتل چنے پر بھی یہ اثر نہ ہوا۔ اس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ تعلیم اسلام کی کچھ حالت ادنیٰ کچھ کشش ہے۔ اور وہ کتنا تکبد یا بھی ہے۔ جادو گری ایک عمل ہے۔ اور جو لوگ اس کے حامل ہیں۔ وہ گویا اپنے نقطہ خیال سے ایک عمل یا خدا خدا کے ذریعے دوسرے پر ہمار کرتے یا دوسرے کے دماغ اور ضمیر پر اثر ڈالتے ہیں۔ دوسری طرف ان کے ایسے تصرفات کو ہم بھی خیال کیا جاتا ہے۔ بایں حالات ان کے قتل پھاند دینا ایک بڑی کم کاری یا کم فہمی ہے۔ جس کے واسطے ملی رنگیں ایک تربیت یافتہ اور وہ ان مزیجات سے متاثر نہ ہو سکتے ہیں۔ اشاعت اسلام کے شروع میں ہی عرب کے ادبی جادو کا چرچا تھا۔ اسلام اور بائی اسلام لوہے پھر کھڑے جادو گروں کے قتل یا ان پر تشدد کا دور نہیں رہا۔

یہ کہنا اس کی شامت اور اس کے عملیات کو یہ اسلوبی روک دیا کہ ”وَمَا سَمِعْنَا مِنْكُمْ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ“ ”وَلَا نَجِدُ فِيكُمْ مِنْكُمْ“ ان چند کلمات نے اسلامی دنیا پر وہ اثر کیا کہ کبھی کبھی خون کی ضرورت پڑی اور یہ سخت گیر قانون کی۔ اور جادو گری کا خیال ہی رذیلہ تصور ہوتا گیا۔ سلطان احمد

مشرقا کو میدانے جادو کی بیچ کنی پر ایک کتاب بھی لکھی ہے اس پر ثابت کیا ہے کہ یہ کیا بڑا جرم ہے +

اس کے موافق مکتوب میں ایک ہی سال کے اندر لکھنؤ آدمی پھانسی دیے گئے۔ جنہو میں جہاں ایک استغاثہ اس وقت خیراں تھا تین ماہ میں پانچ سو جادو گریاں پھانسی دی گئیں +

کاسٹیس میں اور تائیس کو جلا یا گیا۔ سو بیس پوری کے مشر و ملائی میں انہی جادو گریاں جلائی گئیں۔ مشرق میں بنگالہ میں بنگالہ کی مشر و گریاں گرفتار ہوئیں +

کلیسا نے روم نے ہر ایک ممکن طریقہ سے جادو اور جادو گروں کی بیچ کنی اور روکنے کے واسطے استعمال کئے جو تلافی دینے پر بھی تھے۔ لوگوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ کسی جادو گروں کو پناہ دینا بڑا راستہ خدا کی جہنم کرنا ہے +

سال ۱۸۸۵ء اور ۱۸۸۶ء میں جو لیں خانی اور سال ۱۸۸۷ء میں ایڈریٹ شہر نے ایسے احکام صادر کئے جن میں جادو کی ہستی کو تسلیم کر کے حرمت اور روک کر گئی تھی۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی اس وقت تسلیم کیا جاتا تھا کہ جادو اور عالم جو ایسی بیچ کنی کا ایک حصہ ہے۔ ان سزاؤں اور تنبیہات کا یورپ میں وقت رفتہ پر اثر ہوا کہ لوگ جادو گری کے ادعا سے دور گئے لیکن ایک دوسری صوفت پیدا ہو گئی وہ یہ کہ ادوار خفیہ کا جو تسلیم کیا گیا۔ یہ عقیدہ مذہبی رنگ میں بھی مانا گیا۔ کیونکہ انہی شریعت میں ادوار خفیہ اور مسیح کے کہنے سے ان کا تعلق ایک الہامی کما فی تسلیم کی گئی ہے +

جہاں جہاں مذہب مسیحی گیا وہاں یہ کہانی بھی ساتھ لیا گیا کہ مسیحی کے بعد ادوار خفیہ کے ماننے میں بھی اشتباہ پیدا ہونے شروع ہو گئے اور لوگوں نے یہ پتہ لگایا کہ اس مسئلہ کے اعتقادات کی اصل وجہ کیا ہے جو جاتی ہیں +

اس ضمن میں ہم یہ بحث نہیں کرینگے کہ جادو یا جادو کی اصل حقیقت کیا ہے۔ یہ کسی اور مسئلہ پر چھوڑتے ہیں۔ صرف یہ کہیں گے کہ جادو اور جادو خیال ہر مذہب میں ہی نہیں بلکہ ان گروہوں اور ان قوموں میں بھی پایا جاتا رہا ہے۔ جو وحشی تھیں۔ ہندو مذہب میں بھی یہ خیال پایا جاتا ہے۔ اور مذہب اسلام میں بھی یہ مسئلہ آیا ہے۔ یورپ میں بھی اور ایشیائی جگہوں میں بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایشیائی حدوں یا ایشیائی قوموں میں جادو گروں پر وہ سختیاں نہیں ہوئیں جو یورپ میں تھیں۔ فرق یہی جاتی رہی ہیں۔ یہ ہے کہ ایک طرف ایسا تشدد کرنے والے یا ان قوموں میں جادو اور جادو کا اثرات کرتے تھے۔ اور اس کی حقیقت کے قائل تھے اور

ہیرامن توہما

از جناب مولانا عبدالحکیم صاحب ششدر

تو غلغلہ مچا نیرنگا محاصرہ کیا جو بہادر شاہ کا مستقر اور اُس کی قلعہ کا سب سے زبردست قلعہ تھا۔ اور سلطان بہادر کا معتد علیہ سپہ سالار و سرکش یعنی ناظم تو بچانہ رومی خان ہاتھوں سے مل گیا۔ اور اپنی سازش سے قلعہ پر حملوں کا قبضہ کر لیا۔ فتح کے بعد جب وہاں کا مال غنیمت ہاتھوں کے دربار میں پیش کیا گیا تو اُس میں ایک نہ بان دان تو تا بھی تھا۔ جو آدمی کی طرح باتیں کرنا اور سمجھ کر بات کا جواب دینا۔ سلطان بہادر اُسے اپنا چاہتا تھا کہ سونے کے بچے میں رکھتا تھا۔ شاہانہ انعام سے اُس کی داشت کی جاتی اور خلوت و جلوت میں سرگھڑی فرماندائے گجرات کامونس و محرم رہتا۔ جب وہ سہاروں کے سامنے پیش ہوا اور اُس کی صفت بیان ہو رہی تھی کہ چوہدریوں نے عرض کیا تو ہی خاں حاضر ہے! اُسے باریابی کی اجازت دی گئی۔ اور جیسے ہی وہ تخت شاہی کے سامنے آواں بجالایا۔ تو نے اُس کی صورت دیکھتے ہی کہا ٹیٹ پانی رومی خان عظیم! تو نے اسے اس کلمے کے ساتھ ہی رومی خاں کی انگلیں زحمت سے جھک گئیں۔ ساز و بار خیر ہو گیا۔ اور ہاتھوں نے کہا "رومی خاں چکنم کہ جا فرست ورنہ زبانش می بریدم" یعنی رومی خاں کیا کروں مجبور ہوں کہ جاؤں ہے ورنہ اس کی زبان کاٹ لیتا +

تو نے کی زبان اور دُوب زبان دانی کے صدمہ تھتھے جاری محبتوں میں مشہور میں جن میں چاہے کبھی بدسلوکی ہو۔ مگر اصلیت سے خالی نہیں ہیں خود ہمارے گھر میں ایک تو تا تھا جس کا بچہ دروازے کے قریب لٹکا رہا تھا جس دروازے پر کسی غیر نے صدمہ لگائی۔ وہ بے تکلف کہہ دیا کرتا۔ "شاہ جی تو جاؤ!" تو کسی چھوٹے بچے کی آواز خیال کر کے اُس صدمہ کی عین دینے لگا جیسی کہ بچوں کو دی جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے ہی یہاں کے ایک آدمی کو نے کا واقعہ ہے کہ گھر کے تمام رٹے ایک مخمزم بزرگ خاندان کو "بابا" کہا کرتے۔ تو تا بھی آج کو بائیں لٹکا۔ ایک دن اُس کا بچہ بالاناٹے پر لٹک رہا تھا کہ ایک بڑا بھاری بندر آ کے اُس کے بچے کو اٹھنے چلا۔ ساتھ ہی تو نے غل جچا

ہمارے شاعروں نے بیل اور پیٹھ و فیرو کی نغمہ سنجی و شہرہ بہ بیانی پر تو اپنے برسوں کا کام میں جا بجا غامدہ آٹھایا۔ مگر سرخ رو و مزدین پیرہن تو کی طرف کبھی توجہ نہ کی جو پری جلال مرصعینوں کا پیرانا میں صحت اور سچا محرم ہمارا ہے جو گو گلبیلی کے دلدادہ ہوں اُن سے اتنی بڑی اہم روگذا قابل معافی نہیں ہو سکتی +

تو تا اور تینا دونوں حسینوں کے پیار سے مصاحب اور مغل جاننا کے زبان آور و بذلہ سیخ قدیم ہیں۔ مگر ہشتی خلعت پہننے والے تو نے کو دلدادہ آفریں کی ہم جمعی کا حقد موقع ملا ہے۔ بھولی بھالی سید پوش مینا کو نہیں نصیب ہوا۔ ہندوستان کی مشہور و معروف موش پیادوت کا سب سے بڑا محرم و محرر اور دلدار کر کے والا مصاحب وہ عجیب غریب تو تا تھا جس کے لئے پہلے پہل "ہیرامن" (جو اہر طبع) کا خطاب تجویز کیا گیا۔ اور جس کی برکت سے اُس کی ساری نور یعنی ہر تو نے کا نام "ہیرامن" قرار پایا + اور تو نے وہ فتنے مٹنے مٹنے کے فقرے زبان سے ادا کر دیا کرتے ہیں مگر ہیرامن کو خدا نے زیر عقل سے استعدہ آراستہ کیا تھا کہ پادوت سے بے تکلف باتیں کرتا۔ اُس کی منتنا۔ اپنی کتنا۔ اور مشکل معاملوں میں مشورہ دیتا۔ اسبقہ نہیں۔ اس تو نے نے جتو کے راجہ رتن سین کے ساتھ اُس کی نسبت تھرائی۔ عالم حسن و عشق کا نامہ بر بنا۔ محبوب کا سفیر بن گیا۔ اور جواب دہا جن واقعات کو بھاکا کے جاویدان شاعر ملک مخرجا جانی اپنی مظلوم کتاب پیادوت میں تفصیل و تشریح سے بیان کیا ہے +

اس تو نے کے حالات کو اکثر لوگ ایک بے بنیاد کہانی خیال کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اب ہی ہو۔ مگر تو نے کی گفتگو میں اکثر کچھ اور ادوارہ پایا گیا ہے۔ اور بعض اوقات اُس نے ایسی ہوش و حواس کی باتیں کیں کہ سننے والے دنگ رہ گئے۔ چنانچہ تاریخ گجرات "مرآۃ السنہ" میں مذکور ہے کہ دولت مندیک کے نامور مشہدہ نشہ ہاتھوں نے گجرات کے نواز مراد بہادر شاہ پر فوج کشی کی

نہا رہے ہیں جس سے بات کر کے وہ خوش ہو رہی ہے۔ عشرت کہہ کر ان میں وہی اس کا دل بٹانے والا مونس تھمائی ہے۔ اور اسی پر اس کے دل کے جذبات آشکارا ہوتے ہیں +

مجموعوں کے ایسے رفیق و انیس کی طرف سے حسن پرست شاعروں کا استعداد غافل ہو جانا بڑی حیرت کی بات ہے۔ کیلواہ سے اپنا رقبہ کچھ؟ ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لئے کہ رقابت کا دم ادنیٰ ادنیٰ چیزوں اور معمولی باتوں پر ہو جانا بڑا سہ ہے۔ دل اسکو مشکل سے گوارا کرتا ہے کہ جسے ہم چاہتے ہیں وہ کسی اور کی طرف متوجہ ہو۔ ایسی دوسرے باتیں کرے لیکن ایسا تھا بھی تو تو نے کی شکایت کیا کرتے۔ ہمارے عاشق زراعت قریب سے جلتے ہیں۔ اور جلتے ہی کی وجہ سے اس کی شکایتوں کا دفرہ کھول دیا کرتے ہیں۔ مگر قوت کی رقابت میں کیا خصوصیت ہے کہ اس کا نام بھی نہیں لیا جاتا +

غرض ہمارے نزدیک اس کی کوئی صحیح توجیہ نہیں ہو سکتی۔ اور دراصل عاشقانہ شاعری کی یہ بڑی فوگداشت ہے۔ لہذا ہمارے شعر اکو چاہئے کہ اپنی اس غلطی کا اعتراف کریں۔ اور آئندہ تو نامضامین حسن میں ضرور شامل کر لیا جائے +

تو نامضامین کا محرم راز ہونے کے خود بھی حق کا ایک مکمل نمونہ ہے اس کی سرخ باقوت کی سی چوچ جو پری جھانوں کی ناک کے مقابلہ ہے۔ استعداد خوبصورت ہے + اسکی نازک انداز کی کسی بدکش ہے اور پھر اس نزاکت پر اس کا ہشتی سبز حلقہ جو ظاہر کرتا ہے کہ وہ خاص جنت سے حوروں کے ہاتھ سے بسایا ہوا جوڑا ہیں کے دنیا میں آیا ہے اور جنت سے نہیں آیا تو کسی ناز آئروں و خنجر طبع محبوب نے اسے اپنا رھائی دہ پڑا دیا ہے۔ یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ اس نازک اندام و خوش جمال طائر کو بچانے خود ایک محبوب دلربا ثابت کر رہی ہیں +

عبدالحلیم شرر

”ارے بابا! ارے بابا! سب کو غیر موٹھی اور پتھر اچندر کے ہاتھ سے بچنا گیا +“

یہ واقعات بتا رہے ہیں کہ تو مافوق لوہاں نہیں سیکھتا۔ بلکہ بعض اوقات اس میں اتنی عقل آجاتی ہے کہ سمجھ کے بات کا جواب دینے لگتا ہے۔ یا اپنی یکمی ہوئی بولیوں کو ٹھیک موقع اور صحیح محل پر استعمال کرنے لگتا ہے۔ انگریزوں میں بھی ہمارے یہاں کی طرح قوت کے باتیں کرنے کے صد ہا واقعات مشہور ہیں۔ چنانچہ رابن کروس کے افسانے میں جو بعض لوگوں کے نزدیک تاریخی واقعہ ہے۔ ایک تو نے کی باتوں کا ذکر ہے۔ جس نے غربت و یکس میں اس کی مدد کی تھی +

اسی وجہ سے یورپ کی مروجین دلربا میں بھی قوت کی دلدادہ ہیں۔ دربار حسن میں تو نے اپنی باتوں سے ایسی خصوصیات حاصل کر لی ہے کہ ہر پرہیزگار نازنین کا محبوب دوست اس کا تو تا ہی ہوا کرتا ہے۔ فسانہ عجائب ایک فرضی قہقہہ ہے اور اس میں داستان کا آغاز تو بے جی سے ہوا ہے بلکہ عالم نے ایک ہونٹا تو نامول لیا۔ گھر میں لایا۔ اس کی لگائے اپنے حسن پر ناز کیا۔ تو نے اس کے حسن کی مذمت کر کے ایک دوسری مہر میں انہی آرا کے حسن کی تعریف کی اور بلکہ عالم کو اس کا عاشق بنا کے دیوانہ بنا دیا +

اس قصے میں تو نے کا خیال غالباً پداوت کے واقعے سے لیا گیا ہے۔ لہذا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی حسن و عشق کے عالم میں تو کیا کیا چیز ہے۔ اور حسیوں کے ساتھ اس کی کسی خصوصیت ہے۔ اسی کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ جس طرح ہنر وستانی دیوالا میں حسن و دیویوں کے خاص خاص شعار اور بانے منور کر دیتے ہیں۔ مثلاً کسی دیوی کا شعار رو رہے کسی کا شعار یہ ہے کہ اٹھی اس پر ہاتھ چڑھا رہا ہے۔ اسی طرح یہاں کی عام دیوالا نازینوں اور پری و شمع جینوں کا شعار اور بانا اکثر تو قرار لیا گیا ہے۔ اگلے مصور نے اگر کسی مشوق کی تصویر بنائی ہے۔ تو اس کے پاس ایک تو نام بھی

نیرنگ خیال کا افسانہ نمبر

دھیر میں نیرنگ خیال کے سالانہ کے علاوہ نیرنگ خیال کا دھیر نمبر بھی شائع ہوگا۔ جو مستقل خزینہ اروں کو حسب دستور مفت بھیجا جاتا ہے۔ اس نمبر میں کم از کم تین دلچسپ افسانے ہوں گے۔ جو مشرق اور مغرب کے مشہور افسانہ نگاروں کے شاہکار ہوں گے۔ ناظرین دلچسپی سے انتظار رکھیں + منجھو

حضرت امیر احمد صاحب امیر مینائی کا خط فیض الملک فی اب زباں صاحب دہلوی کے نام

بندہ نواز سلام نیاز

ایک تو رہا آپ کی تحریک کے باب میں پہنچ چکا ہوں۔ امید ہے کہ اس کا جواب آتا ہوگا۔ آج حیدرآباد کا ملازم قدیم میرے پاس آیا۔ مجھے اس کے بکھتے ہی وہ زمانہ یاد آگیا۔ جب آپ یہاں تھے۔ اور اس کی یاد کی لذت میں۔ جس نے اسے مجھے لگا یا۔ اور اس کی آنکھوں کو جن سے وہ دس بارہ دن پیشتر آپ کے جمال جہاں آرا کو دیکھا کرتا تھا۔ میں دیر تک حسرت کی تکلیف سے دیکھا کرتا تھا۔ اور بار بار آپ کے حالات اور ضبط اوقات کے کیفیات دیکھا اور سنا لیا۔ اتنا غصے میں معلوم ہوا کہ آپ کے داماد جن کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں ہے۔ انھوں نے قہقاری کی کہ ان کی جوان مری اور اس نوع و خور نیک تنگی چوگی کے حد سے میرے دل کو چر کر دیا۔ اتنا بندہ دانا، ایہ راجہ جہاں کے سوا اس داغ کا کوئی مرہم نہیں۔ اس لئے کہ آج وہ نہیں کل ہم نہیں۔ اتنا قہقاری آپ کو اور اس بیوہ و در سب اعقاب کو صبر و جزائے صبر عزائت فرمائے۔ اور اس وقت کیا لکھوں۔ بارگاہ ارحم الراحمین میں رتھ کی التجا کرتا ہوں۔ اپنے اور آپ کے اور سب عزیزوں۔ و دوستوں کے واسطے دعائیں مانگتا کرتا ہوں۔ اس کی رحمت سے امید ہے کہ بگڑے کام دین و دنیا کے سب ہن پائیں +

پیارے داغ! افسوس کہ میں نے حیدر سے کوئی ساعت آپ کی خدا کی طرف شغولی کی نہ سنی میں نے حدیث میں دیکھا ہے کہ قیامت کے دن شخص کی عمر کی ساعتیں فی ساعت ایک خزانے کے طور پر اس کے سامنے پیش کی جائیں گی۔ کسی ساعت کے خزانے کو تو وہ دیکھنے والا گونا گوں اوزار سے لہریز دیکھے گا۔ اور اب خوش ہوگا

کہ اگر اس خوشی کو دوزخوں پر تقسیم کر دے تو دوزخی عذاب نامی بے خبر ہو جائیں۔ ہر دوسرے خزانے کا دوزخہ کھلے گا۔ اس میں بی بی طاہرہ عفت ہوگی۔ کہ اس کو اس سے سخت نفرت ہوگی اور ایہ معلوم ہے کہ اگر اس عمر کو اہل جنت پر تقسیم کر لے۔ تو ملتی لوگ دوزخوں کی طرح ہونے لگے ہر ایک حیدر اور دوزخہ دوسری ساعت ہر کا کھلے گا۔ وہ بالکل غالی ہوگا۔ ہمیں تو رہی ہوگا۔ نہ غفلت نہ خوشبو ہوگی۔ نہ عفت۔ اس کو دیکھ کر اتنا حسرت ہوگی۔ الغرض اس حدیث سے ثابت ہے کہ ہر انسان کی لذت و عروج اور عمر کی ہر ساعت ایک خزانہ۔ ساعت طاعت و عبادت وہ خزانہ ہے اور افسوس ہے۔ اور ساعت عیبت وہ خزانہ ہے جس میں غفلت اور غفلت کا ذکر ہوا۔ اور ساعت عمر طاعت و عیبت دونوں سے غالی بنی۔ اس کا خزانہ غالی دیکھا گیا۔ جس کے رانجھان ہونے کی حسرت ہمیشہ رہے گی۔ اسے میرے اقدار مجھ نامع بے معنی کو جو خود غنی ہے۔ اور داغ کو نصیحت کر رہا ہے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے مرضیات میں کوشش کی توفیق دے۔ اور میرے سب عزیزوں۔ دوستوں کی عمروں کا خزانہ بھی اپنے اوزار رحمت سے بھر دے آئین۔ پیارے داغ میرے لکھنے کا پیرا نہ ناتنا۔ خوشامد کرنے والے تھکے سیکڑوں میں۔ طاعت کرنے والوں میں ایک مجھ ہی کو رہنے دو۔ میرا خطاب اتھاروی طرف ہے۔ مگر حقیقت اپنے نفس کو طاعت کرتا ہوں بڑھاپے میں کہ منعم حقیقی کی نعمتوں کا شکر ضرور کرتا ہوں۔ خلق کے حق میں بدگمانی کرنا بڑا عمدہ ٹھیک ہے۔ اس سے بھی قلم زبان دل کبھی نہ ٹکے فرزند ان فقہ اور جلیو خزان و احباب سلیم گزار میں +

(امیر فقیر، یکم اگست ۱۹۳۱ء)

فسانہ آزاد: ایک چور کو شاہ جی کا نسخہ

انجمن رتن ناتھ صاحب سٹار

حضرات ناظرین ذرا ہنسی کو ضبط کیجئے گا۔ کچھ سمجھے ہی۔ وہ بوٹی کی تھی
نیک چکنی ارے اُف غضب کیا دلشہ باجیس آجیس جیس جیس۔ ادھر
عس آرا خواب پریشان سے بیدار ہوئیں۔ ادھر لب لعل اور کھڑی سے چمک
کی آوازیں آ رہی ہیں۔ حیران کیا کسی یہ کیا زار ہوا ہے۔ چور گھر کو کھڑی
سے نکلے تب حسن آرا بھاری کانپنے لگی کہ خدا ہی بچائے۔ چور کو اس وقت
اپنی ہی ناک کی پڑی تھی۔ اگر ممکن ہوتا تو ناک کاٹ کر پھینک دیتا۔ اتنے
میں حسن آرا بنگ پرستے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور غل بچانے لگیں کہ چور۔ چور۔
کاہنچی جاتی قیص اور غل بچاتی مسپر آرا بھی بائیں بائیں خرقہ سے کہی ہوئی اُٹھ
بیٹھیں۔ اور گھر بھر میں باگ ہو گئی۔ لینا لینا۔ چور۔ چور۔ آپ چاہئے ایک
ہی آستانہ بک کروہ ہو رہا۔ دروازہ کھولا۔ اور نوک کر چھا بک کے باہر۔
چوک۔ ار اور خان صاحب اور دربان سب پیچھے پیچھے جاتے ہیں۔ مگر اس کے
سایہ کو بھی نہیں پاتے۔ لیکن دس قدم بڑھا اور آجیس۔ وہ جانا ہے وہ جاتا
ہے۔ چور بے تحاشا کھٹ بھاگتا تھا۔ مگر چمک آنی لہ لگوں نے غل
بچایا کہ وہ سے وہ ہے۔ پھر نظر سے غائب۔ تھوڑی دور تک جھپٹ کے محل
گیا اور پھر جھپٹا وہ گیا۔ وہ گیا۔ لینا لینا۔ آؤ کار ایک مقام پر اس چمک
نے دھروا ہی دیا۔ پرکسے گئے حضرت۔ لوگ گرفتار کر کے تھانے پہنچے
جائے تھے کہ اتنے میں کانٹیل مل اور چوکی پر لے چلا ۶

چور اپنے دل میں سوچتا تھا کہ کبھی واہ اچھے شاہ صاحب ہیں
اسٹا۔ دلشہ کیا اچھی بوٹی دی ہے۔ ناک نے اس وقت ناک
میں دم کر دیا ۷

رتن ناتھ سٹار

ایک ذات شریف ایسے بھی نازل ہوئے جنہوں نے شاہ جی کا ناک میں دم
کر دیا۔ یہ حضرت برستے نامی گویا چور تھے۔ شاہ جی سے کوئی بچا کس بارہ بھڑا
کی کو ضرور اسلئے خدا کے کوئی ایسی ترکیب بتائیے کہ جس کھلے ان چوری کرنے
جاؤں اس کو غلط نہ آؤں۔ شاہ جی نے سمجھا کہ میں ہمارے پاس ایسا نسخہ
ہی نہیں۔ ہم تم کو کیا دیں۔ اس نے ایک ذاتی بیخدا جی نے جب دیکھا کہ
باری ماننا ہے نہ جیتی۔ تو کبھا اچھا۔ جس روز کسی کے گھر پر اندھم سے غلام
کو لے لینا۔ ہم ایک بوٹی دیں گے۔ چور اتنا ہوشوشل کر مار لیا۔ بس اب کیا بچنا
ہے۔ جس آرا مکان کا اور مال اور کچھ کڈل میں تھان لی کہ آج شب کو نہیں
کے ہاں پناہ چاہئے۔ رقم کٹیرے لگی۔ پورا ہوا ہیں۔ غلام کو شاہ جی کے پاس
گئے اور کہا کہ حضرت آج ایک گھر بچانے کی نیت ہے۔ لائے پھر کچھ بوٹی
دوٹی دلوائے۔ شاہ جی نے ایک دو بیوی اور کہا کہ اس میں بوٹی ہے۔ مگر فیذا
بیک مال کے گھر میں نہ پہنچ۔ ہرگز قصہ نہ کرنا کہ اس کو کھلو۔ جس وقت
دباں داخل ہوا جاؤ۔ ڈیو بیک کھول کر بوٹی کو نکالو اور خوب زور سے سوٹو۔ لوگر
چاہئے سمجھت ہی کیوں نہ ہو۔ چار باغ مرتبہ خوب زور سے سوٹو کچھ پاں
اس کے غلات نہ کرنا۔ چور نے ڈیو بیک میں بھی اور کوئی کیا۔ دھبے کے وقت
کنڈا اُل کھٹ سے کوٹھے پر ہوا۔ خیر ایک گھنٹے تک کوٹھے پر جا کر دیکھا جی
رہا اس کے بعد جب سب سو گئے۔ تو حضرت دے پاؤں اُترے۔ جب چپ اور
اتفاق سے اسی کمرے میں گئے جن میں آرا اور سپرہ آرا سو رہی تھیں۔ جا کر سب
کے پیٹے تو لپ کو گل کر دیا۔ بعد ازاں کوٹھری کا غل توڑا۔ وہ دونوں غافل سوئی
تھیں۔ پھر آہ جائیے اُٹھی جی کی نیند غل توڑ کر حضرت دن سے کوٹھی
میں داخل ہو گئے۔ بسم اللہ کہہ کر وہاں ڈبیا بھائی۔ اور اس میں سے بوٹی
اُدرے کر خوب زور سے سوٹھی ۸

پنٹ بہارن ادکلان کی تمام بیماریوں کی ایک بے خطا اکسیر وہ روغن کرامات۔ فی شیشی عہد۔ طبائذ سنز پالی سیت (بوٹی)

علم کی حقیقت

از حضرت مولانا شبلی شمعانی

(۱) محض احساس بالفعل مثلاً ہم ایک سبب کو دیکھ رہے ہیں (۲) احساس سابق اور احساس بالفعل دونوں مثلاً ہم نے سٹیک کو دیکھا اور اس کا مزہ جو چلنے ہم نے چکھا تھا اس وقت یاد آگیا تو اس کی رنگت کا اور ایک موجودہ احساس کے ذریعہ سے اب مزہ اور ایک گذشتہ احساس کی یاد ہے۔ (۳) محض تصور مثلاً ہم نے شہد کو کبھی سوچا اور چکھا تھا۔ اب شہد ہمارے سامنے نہیں ہے لیکن ہم کو یاد آگیا اور اس کے ساتھ اس کا رنگ مزہ خوشبو سب یاد آگئی۔ قوانین سے کوئی چیز موجود بالفعل نہیں۔ بلکہ احساس سابق کا تذکرہ ہے۔ اور اس محذور سے وقت ہم کو شہد کا محض تصور ہی نصیب ہے +

یہاں یہ نکتہ خاص لحاظ کے قابل ہے کہ جو علم احساس بالفعل سے حاصل ہوتا ہے وہ قطعی اور یقینی ہے۔ جس میں گذشتہ احساس سے کام لینا پڑتا ہے وہ یقینی نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ گذشتہ احساس کی یاد میں ہم نے غلطی کی ہو۔ اور ایک اور احساس کی نوعیت کے متعلق ایک عام غلطی کی جاتی ہے کہ جب ہم مثلاً سبب کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ کچھ سبب کا علم ہوا تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مسلم بری ہے۔ کیونکہ بالذات حواس ظاہری کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے لیکن اس میں غلطی یہ ہے کہ سبب کا علم یہاں صرف حواس سے نہیں حاصل ہوا ہے حواس نے صرف رنگت اور شکل محسوس کی ہے۔ باقی اس کا مزہ اور خوشبو تو چونکہ اس کا احساس پہلے ہو چکا تھا اس لئے ہم نے قیاس کو لیا کہ جب صورت اور رنگ وہی ہے تو مزہ اور خوشبو بھی وہی ہوگی۔ اس لئے محسوس بالفعل صرف شکل اور رنگ ہے۔ باقی گذشتہ محسوس کی یاد ہے۔ اب جبکہ ہمارے سامنے سرے سے ایک شے موجود نہیں لیکن اس کے مختلف آثار ہم پہلے محسوس کر چکے ہوں۔ اور اس لئے اس کا خیال ہمارے ذہن میں آئے تو یہ تصور ہوگا۔ اس بناء پر تصور کی تعریف یہ ہوگی کہ کسی شے سے گذشتہ احساس کی یاد +

ان بیانات سے ثابت ہوگا کہ تصور کی تعریف جو یونانیوں نے کی تھی

علوم جدیدہ کے مسائل بعض ایسے ہیں جو بالکل حالی کی ایجاد ہیں۔ دیکھئے زمانہ میں ان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ بعض ایسے ہیں جو پہلے بھی موجود تھے لیکن آج ان کی تشریح جس طرح کی جاتی ہے۔ انہوں نے نہیں کی تھی۔ اس سلسلہ کی ابتداء ہم پہلے اسی قسم کے ایک مسئلہ سے کرتے ہیں کیونکہ اس سے قدیم و جدید کے موازنہ کا موقع بخوبی مل سکتا ہے +

علم کی حقیقت یونانیوں نے یہ بیان کی تھی کہ کسی چیز کی صورت جو زمین میں حاصل ہوتی ہے اس کا نام علم ہے۔ اس کے متعلق حصوں، حصوری حصول اشیا بالفعلہ اور باشاہما کی دلیل طویل، تجزیہ تمام متداول کتابوں میں مذکور ہے + حکمائے حال نے علم کی جس طرح تشریح کی ہے اسے کسی تفصیل حسب ذیل ہے انسان کو خدا نے مختلف حواس دیئے ہیں اور ہر حواس کے درجات پیدا ہیں۔ قوت سامع صرف آواز کو محسوس کرتی ہے۔ اجسام رنگ اور خوشبو وغیرہ کو ادراک نہیں کر سکتی۔ شامہ آواز صورت کا احساس نہیں کر سکتی +

اکثر چیزیں مختلف چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ جو مختلف حواسوں سے محسوس ہوتے ہیں مثلاً شہد میں لڑجیت ہے جس کو لامعہ محسوس کرنا ہے۔ رنگ ہے جو آنکھ سے محسوس ہوتا ہے خوشبو ہے جس کو شامہ سے متعلق ہے۔ وزن ہے جس کا ادراک لامر کی استعانت سے ہوتا ہے + جب ہم کسی چیز کو مختلف حواس سے محسوس کرتے ہیں تو جو کیفیت محسوس ہوتی چھن دو ہمارے حافظہ کے خزانہ میں جمع ہوتی ہیں۔ اب ان میں سے جب کسی ایک کا احساس ہوتا ہے۔ تو اس چیز کی باقی کیفیتیں ہم کو یاد آجاتی ہیں مثلاً ہم نے کسی وقت شہد کو دیکھا چکھا اور سوچا تھا۔ اس سے شہد کی نسبت ہمارے حافظہ میں جن کیفیتیں جمع ہوئیں۔ رنگ مزہ خوشبو۔ اب فرض کرو کہ ہم نے دوسرے شہد کو دیکھا اور اس کی خوشبو یا مزہ ہم کو محسوس نہیں ہوا۔ تاہم اس کا مزہ اور خوشبو خود بخود ہم کو یاد آجائیگی۔ اس بناء پر احساس اور ادراک کے متنبہ ہائیں ہیں +

کلیات کا ہوا رک اس طرح ہوتا ہے کہ ہم بہت سے جزئیات کو دیکھتے ہیں۔ ان سب میں بعض چیزیں مشترک پاتے ہیں۔ یہ قدر مشترک کوئی موجود خارجی نہیں ہے۔ نہ کسی خاص خاص موجود خارجی کے مطابق ہے۔ لیکن ایک قسم کا وجدان ہے جو بہت سے جزئیات کو دیکھنے اور ادراک میں سے بعض اوصاف کے مشترک پانے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس وجدان کا کام تعقل ہے۔ اور اسی کو کلیات کا ادراک کہتے ہیں +

منطق میں جس چیز کو تعقل کا جانا ہے وہ تصور نہیں بلکہ یہی تعقل ہے۔ کیونکہ تصور کے لئے صورت کی ضرورت ہے۔ اور کلیات کے ادراک میں کوئی خاص صورت نہیں حاصل ہوتی بلکہ بہت سے جزئیات کے استعارے سے اس طرح مشترک ہو کر اسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کلیات کو صرف کرتے جانتے ہیں اور ایک مفہوم عام پیدا کر لیتے ہیں۔ پہلے زیادہ بڑا کر دیکھا۔ ابھی ہوا تک اچھٹھ خصوصیتیں تھیں مثلاً قومیت وطن اجماعی ترکیب وغیرہ وغیرہ سب کو حد تک کہتے تھے تو صرف انسانیت ایک ایسی چیز باقی رہی جو سب میں مشترک ہے۔ یہ انسانیت خارجی میں موجود نہیں۔ اور اس لئے وہ کسی خاصے سے محسوس نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جزئیات کے دیکھنے سے مشترک ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو تصور نہیں بلکہ تصور بلکہ تعقل بلکہ اچھٹھ

مشابہتی

یعنی کسی شے کی صورت جو ہم میں حاصل ہو وہ کئی لحاظ سے غلط ہے + پہلی غلطی تو یہ ہے کہ وہ ہمیں باطن کوئی بات ہی نہیں ہے جس میں صورت کا انداز یا الطباع ہو۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ تصور کے وقت کوئی نئی صورت حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک حاصل شدہ صورت کا تکرار ہوتا ہے۔ ہمارے حافظہ میں بہت سے معلومات ہیں۔ جب ہم ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ ہم نے ان کا تصور کیا۔ اب اگر تصور کی حقیقت وہ ہو جو حتمی نئی بیان کرتے ہیں تو معنی یہ ہونگے کہ اس وقت کوئی نئی صورت حاصل ہوئی ہے حالانکہ اس وقت کوئی نئی صورت حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ ہم صورت پہلے سے حاصل تھی اسی کی طرف ہمارا ذہن متوجہ ہوا ہے۔ کیونکہ کسی شے کی صورت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ شے ہمارے حواس کے سامنے موجود ہو + اس صاحت کیا وہ یہ ہے کہ کسی شے کی حاصل شدہ صورت کی یاد دلانے کا بڑا ذریعہ بہت ہے۔ اور صورت میں اشیاء کی صورت آنکھ کے پردہ میں منعقد ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں بعضی میں جو صورت حاصل ہوتی ہے۔ وہ تصور نہیں بلکہ تعقل کی پیدائش والی ہے۔ لیکن یہ تمام ادراکات یعنی احساس باطن احساس مرکب تصور بعض سب ادراک کے ابتدائی درجے ہیں یعنی سب جزئیات کے ادراک کے طریقے ہیں +

نیرنگ خیال بکد پو میں نئی کتابوں کا اضافہ

ستمبر کے مہینہ کی کتابیں

ایک نیا نیا مولانا غفلت علی حسرت لکھنوی۔ ایک دلچسپ تاریخی ناول ہے جس میں نجد و حجاز کے دلکش مناظر جنگ و جدل لکھے گئے ہیں۔ لیکن مختصر سے بے ادبی مسلمانوں پر مشتمل مجاہدین کی آغوش اور جن دشمن کی دلوں میں انسانیتیں ہیں ہم دوسروں کو تبت عزیز تہذیب کی سرگزشت۔ حضرت سائر غلامی کا دلچسپ افسانہ ہے۔ حجم ۱۰۰ صفحوں قیمت ۸ روپے بیوی کے خواتین۔ میاں اور بیوی دونوں کے لئے قابل مطالعہ۔ قیمت ۸ روپے مولانا محمد علی کی سوانح حیات۔ قیمت ۸ روپے - مولانا محمد علی کی تقاریر۔ قیمت ۸ روپے مفتاح الصحب۔ مہاتما گاندھی کی مشہور کتاب شاہراہِ تندرستی کا جواب ہے۔ قیمت ۱۲ روپے شمس الطیب۔ علاجِ عیسیٰ کا پورا پورا گرام۔ یعنی صرف رنگوں اور سورج کی شعاعوں سے ہر مرض کا علاج۔ قیمت ۸ روپے

لئے کا پتہ: نیچر نیرنگ خیال بکد پوشا ہی محلہ لاہور

کارخانہ قدرت

پیشوا العلماء مولانا حافظ مذہب احمد صاحب

پتے چرکے اس کو ایک خاص طرح کا خانہ واحدہ دیا گیا ہے جس میں کئی کئی ہفتوں کے لئے کھانا پانی بھر لیا ہے۔ کیونکہ جیسے ملک میں وہ پیدا کیا گیا ہے وہاں کئی کئی دن تک متواتر پانی پارے کا نہ ملنا کچھ تعجب نہیں۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کو باں کا گودام ہے۔ کہ اگر اس کو ایک عرضہ خاص ملک کھانا پینا کچھ بھی نہ ملے۔ تو کو باں کی چربی بدل یا قتل کا کام دے۔ بہرین وغیرہ جنگلی جانوروں کی ٹانگیں چلی سکی ہیں۔ تاکہ شکاری جانوروں سے بچنے کے لئے چھری کے ساتھ جھاگ سکیں۔ انہی کے ایک سونڈ ٹنگ رہی ہے جس سے وہ آٹھ کا کام لیتا ہے۔ پرندوں کے نچلے تک ہیں۔ تاکہ ہوا میں اڑ سکیں۔ دریا کی جانوروں کے پنجے کھال سے جڑے ہوئے ہیں۔ گویا کہ ہر ایک کے پاس قدرتی چوڑ ہیں۔ گوشت خواہ جانوروں کے پنجے اور دانت ان کی غذا کے مناسب ہیں۔ نباتات میں پھل بیجوں کی حفاظت کے واسطے کٹنے میں بد پوست ہیں۔ خول میں سرد ملک کے جانوروں کی اون بڑی بڑی اڈھنی ہے۔ کہ جانا نہ کھائیں۔ جتنے جاندار و صرف تلف ہیں۔ ان میں تو الدن سال کی کثرت ہے تاکہ نسل معدوم نہ ہو مثلاً ایک ایک پھل لاکھ سے زیادہ اٹکے دیتی ہے۔ آدمی چونکہ ابقائے حیات کا سامان عقل کی مدد سے ہم پہنچا سکا ہے۔ سیگ اچھٹے اور اون اس قسم کے سامان قدرتی اس کو نہیں دیتے گئے۔ جس ملک میں نباتات کی کثرت ہے وہیں ہر ماں بھی زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ملک پانی کا محتاج ہے۔ انسان اگر اپنی ہی نباتات میں غور کرے۔ تو اس کا ایک ایک ذوال صانع قدرت کی کمال دانشمندی اور عنایت پر گواہی دے رہا ہے۔ اس کے جسم میں ایک چمچ اور آسان سا جڑہ ہاتھ ہے۔ کہ دنیا میں جھنڈا انسان کے تعزفات میں اور انسان کی بساط پر غور کرے۔ تو ان تعزفات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ سب اسی پرندے کے ہیں۔ اہل یورپ نے عقل کے نور سے بڑی بڑی عمر میں بنائی ہیں۔ اس میں ملک نہیں کہ ان کو ان سے عقل انسانی کی قوت بڑی قدرہ کے ساتھ غائب ہوتی ہے۔ مگر جو کچھ وہ دیکھیں ان کو ان کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ایک کیڑا ہے کہ کیڑوں زمین پر پھیلا ہے۔ کیڑوں پرندے ہزار ہا پتہ ہیں۔ پتے۔ چرساں۔

کسی کتاب میں نظر سے گزرا کہ زمانہ حال کو کئی فلسفی غور و چین میں پانی کی ایک بوند کو دیکھ رہا تھا۔ سو سے زیادہ طرح کے جاندار تو وہ اس ملک کو بیڑ میں گل نشان کر کے آخر تک کر بھڑا۔ ایک بوند میں جتنی مخلوقات ہو۔ تو تمام کرہ تب میں جو زمین جو تعالیٰ میں کو اٹھانکے ہوئے ہے۔ کتنی خصوصیات ہو گی؟ خدا ہی کو خبر ہے۔ پھر زمین کے گواہ اگر وہ ہم میں کے دل کا ہوا کی کڑا ہے۔ اور اس میں بھی جانداروں کی (ایسی ہی یا اس سے زیادہ کثرت ہے۔ ہر جگہ کارخانہ قدرت الہی کی عظمت و شان نعمت سے فارغ ہے۔ مگر جس طریق پر میں نے اظہار بیان کیا۔ اگر کوئی آدمی جو اڑا و متعل مدوں ملک طور کر رہا ہے۔ فوضوہ اس کے دل میں اپنی بے متعین اور نامدگی اور بے وقوفی کا نتیجہ پیدا ہوگا۔ جس کو وہ دینی داری کی بنیاد پر تسلیم نہ کرے۔ اس کے بعد دین کو اس حرف متوجہ کرنا چاہئے۔ کہ اتنا بڑا کرنا یا عقل کیسی مدگی اور کیسی مضبوطی کے ساتھ چل رہا ہے۔ کہ عقل ننگ ہوتی ہے۔ آدمی عقل کے اتنے اتنے بڑے بے شمار گولے۔ کہ خدا کی بناہ اور خود میں سب چکر میں ہیں۔ خدا جانے کب سے؟ اور کیوں؟ اور کب تک؟ اور نہ آپس میں مار مارے ہیں۔ اور نہ بال برابر اپنی رفتار بدلتے ہیں۔ اب جو آدمیوں کو قہر معلوم ہو گیا ہے۔ سو سیکڑوں ہزاروں برس پہلے سے ہشتنگی ہو سکتی ہے کہ فلاں تارہ فلاں وقت فلاں مقام پر ہوگا۔ اور وہیں ہو جائے۔ حساب میں اگر عقلی ذہن۔ تو منت اور مگر کیا اسکند کے ہزاروں برس کی قدر بھی آکا ہیچ نہیں ہو سکتی۔

ہاں روئے زمین پر ایک بیگنہ۔ ایک دانے۔ ایک پھل۔ ایک پتھر۔ گھاس کے ایک پتھر۔ چھوٹی سے چھوٹی پور اونٹنی سے اونٹنی چیز کو بھی نظر غور سے دیکھو تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر چیز کی کچھ نہ کچھ غرض و غایت ہے۔ جس کی انہیں کا پورا پورا سامان اس چیز میں موجود ہے۔ مثلاً ریشمائی علاقوں میں اونٹ پیدا کیا گیا ہے۔ چھاس کے پاؤں کے نڈے سے چوڑے اور استیع کی طرح پہلے میں کہ ریشم میں بندھیں۔ اس کی گردن بہت لمبی ہے۔ تاکہ اپنے بدنوں کے

اس نظر سے دیکھنا چاہئے۔ کل میں نے آیت اللہ کا سبق سنا وہ عجیب قدر پڑھا ہے کسی شخص نے سچیں غلطی میں سے بعض مفاد میں چھانٹ کر اوروں میں ترس کر دیئے ہیں۔ اسی میں سمجھا تھا کہ پھر کے منہ کے آگے جو ایک بتلی سو ڈیسی ہوتی ہے۔ وہ حقیقت میں ایک نلوا ہے۔ اس نلے میں تین اونڈا ایک توفانی جس کو پھر رسام میں داخل کرتا ہے۔ ایک آدمی کو سام کو جوڑا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس سے کام لے۔ اور ایک نیگی جس کی راہ خان چوسنا ہے۔ اس میں اتنی بات اور بھی تھی کہ اس شکل خاص میں پھر کی دت جات صرف تین دن کی ہے۔ ایک مقام پر تھا کہ میٹری کے ایک بڑے میں کھڑی کی طرح تین ہزار دیولیں ہیں۔ اس طرح کی باتوں کو اگر ان سرسری طور پر نہ سنے جیسی کہ اس کی عادت ہے تو ہر ذرہ اس بات کی گواہی دیکھا کہ اس کو کسی بڑے قدرت والے دانشمند ہر ذرا حاضر ناظر سمیع و بصیر نے کسی مصلحت سے جان بوجھ کر کیا یا ممکن نہیں کہ ان میں ہم قلوب سے موجودات عالم سے خود اور غرض کرے اور اس کا دل اندر سے نہ بولنے لگے، کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ باں عذکی و انضباط خود بخود باقاعدہ طور پر تو نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ افعات اتفاقی کی شان ہی دوسری ہوتی ہے۔ ان میں قاضی کا کیا ملتا۔ اور انضباط کیا کیا کوہ اور عہدہ انضباط بھی کیسا؟ کہ دنیا کی ابتدا سے تیز رفتاری کی گھڑی تک اس میں رقی برابر فرق نہیں پڑا۔

فیضان احمد

کہانیاں خدا جانے دنیا بھر کے کیا کیا سامان جمع کئے ہیں۔ تب کہیں جا کر وہ ایک مطلب حاصل ہو سکتا ہے جس کے لئے کل بنائی گئی ہے۔ یہ تو آدمی کی بنائی ہوئی مخلوق کا حال ہے۔ اور ایک ادنیٰ سی کل خدا کی بنائی ہوئی ہے۔ یہی آدمی کا ہاتھ کہ ہزار ہا قسم کے کام اس سے نکلے ہیں۔ اور جو کب و دیکھو تو ایسی سلیس اور مختصر کہ ایک کفن دست ہے اور تین تین جوڑی کا بیچ انھیں۔ انشاؤ پر بلاؤ انسان کے بدن میں ایک اور ذرے بھر کی چیز آکھ ہے۔ اس کی ساخت میں جو اندرونی مکینیں ہیں۔ ان سے بالاسیعیاب ایک کن باب بن سکتی ہے۔ مگر خارج کی احتیاطوں کو تو دیکھو۔ کہ پہلے گویا ہڈیوں کا لادراک ہے جس میں نیچے کی طرح آکھ تعبیر کی ہوتی ہے۔ اب ہڈیوں کا چھتے دار سامان۔ سامنے پونوں کا پردہ پردے میں ہڈیوں کی جھار۔ پھر ہڈیوں کے اندر منافذ ہیں جن میں سے آئینہ چشم کے صاف رکھنے کو ہمیشہ ایک خاص طرح کی رطوبت برستی رہتی ہے۔ یہ وہی رطوبت ہے جو زیادہ ہو کر آنسو بن جاتی ہے جتنی خدا انسان پاک بھیکتا ہے۔ گویا اتنی سی غذا آئینہ پر پہنچا پھر رہا ہے۔ گروہ اور دعوین اور کتب کی صورت میں بے اختیار آنسو بننے لگتے ہیں جس کے یعنی بن کے شجر ادا کی نہیں۔ بلکہ آئینے کو دھونے کی ضرورت ہے۔

میرا تو کیا منہ ہے کہ موجودات عالم میں جو کسرا بہت مضر ہیں ان کا ایک گوشہ بھی بیان کر سکوں۔ مگر میری غرض اسی ہے کہ دنیا کے کارخانے کو

یادِ گل

از ذاکر عبد الرحمن صاحب پختہ دی مرحوم

وہ گالوں پہ زردی کہ جوں زلفراں پڑی تھیں جہاں اور تہاں پٹیاں
اُڑی ایک اتنے میں سوئے نہال دیا اپنی باہوں کو گرون میں ڈال
وہ پتی نہ تھی بلکہ تھی تینتری تصور میں تھی گل کا منہ چومتی

محببت

ملکہ محبت

از جناب مولانا راشد الخیری صاحب دہلوی

چاند تارے جو آج تمہارے سامنے ہیں ان کے سروں پر بھی تھے۔ قدرت کی تمام کچھیاں جن کی توں ہیں۔ نگہ اس کی بہار دیکھنے والے بدل گئے! عینہ کے مترالے جن کے دمیر پیش نظر ہیں اس فراق ابدی سے خوش نہ تھے! جاگ سکیں تو ان کو اٹھاؤ اور ان سے پوچھو۔ کس دل سے گئے اور کس حال میں رہے۔ بڑی طاقتور تھی وہ چیز جو ان غریبوں کو ایسی چل پھل سے اٹھالائی اور اس جھلکیاں میں لاٹا پاتا فاختہ کی کوکونے ان نووارد دھانوں کو کوڑی اعلیٰ اور نیم کی قبائل ان کو تھکے تھکے لگے! گو یہ پیاری صورتیں ہمیشہ کو چھوٹ گئیں۔ ان کے شکوے شہیت سب ختم ہوئے۔ اور اب ہمیں ان سے بات کرنے کی بھی ذرہ نہیں۔ گہمیں۔ کبھی تو ان کی بھی خاطر حضور تھی! زندہ کی لافشاہت لعنت توہمت اٹھایا۔ آؤ آج ان مردوں کی صحبت میں بھی شریک ہوں +

کیسی بارون مغل جی ہوئی ہے۔ چھوٹے بڑے بڑے جوان ایک لباس۔ ایک وضع ایک قطع۔ ننگے سر ننگے پاؤں اپنے اپنے کارناموں پر فخر کر رہے ہیں۔ بہت سے خلق و محبت کے بندے ہیں۔ جو انہی پیش ہانڈی گھروں پر نشان کر گئے! گو غالی ہاتھ رہے اور غالی ہاتھ آئے۔ مگر ایسے خزانے اپنے ساتھ لائے جو کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ کیسے مستغل مزاج لوگ تھے! معتبین تھیں۔ آنتیں تھکتیں۔ مجلس بڑے تلاش مرے۔ مگر غلوں کے لہلہاتے پھول جو ان کے پیٹ سے لائے تھے! نہیں نہ مر جانے دیا۔ دیکھو اور نظر غور سے دیکھو۔ زندگی کا سہرا انہیں کے سر پہ جیتے جیتے تو ان کی کچھ وقعت نہ تھی۔ مگر آج ان کی صورتیں دیکھنے کے قابل ہیں۔ بڑے بڑے عبادت گزاروں کی ٹھکانی ان کے چروں پر بندھی ہوئی ہے اور یہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ حاصل مردوسرل کی نذر کر دیا۔ عزت کے خواہاں رہے۔ نہ دولت کے عاہل۔ ان کی عمر زمان کے ارمان۔ ان کی خواہشیں ان کی تمنگیں جو کچھ تھیں۔ جو تھیں کردہ دوستوں کا دم بھرتے

یادوں کا نام لیتے دنیا سے رخصت ہو جائیں! خوش نصیب تھے یہ آپ اور شفیت تھی ان کی زندگی!

جھل جانے والو! گو ہم سے رخصت ہو گئے اور ایسے رخصت ہوئے!

آفتاب و اجنباب کچھ کے کچھ ہو جائیں۔ زمانہ کی ریشا ریشوں اور کوسوں آگے بڑھ جائے۔ آسمان کروٹوں پر کروٹیں لے اور زمین چکروں پر چکر بھڑے! مگر قانون قدرت کے سنہلے پھاڑ اپنی جگہ سے سرکنے والے نہیں۔ چاند کی آب و تاب تاروں کی چمک دمک سورج کی طلوع و غروب کی تھیں جو آج سے ہزار برس پہلے تھیں وہی آج ہیں اور اُس وقت تک اس طرح رہیں گی جب تک کسی ستارہ کی فکریہ یا صانع صفتی حکم ان تمام اسباب کا خاتمہ نہ کر دے +

کائنات دہر کے متضاد نتائج حیات انسانی کی مختلف حالتیں انواع و اقسام کے تھانے رنگ رنگ کی کیفیتیں پیش نہیں ہیں اُس انقلاب کا جو عمر کے بانی حتمیں ہونے والا ہے۔ اور جہریں ہیں اُس وقت کی جب جسد خاکی ان تغیرات سے بے تعلق ہوگا +

یہ واقعات اگر سنت تسلیم کر لے جائیں تو لاجرم اس کے مبالغہ مانا پڑے گا۔ وہ پھر مبالغہ مانا۔ مگر اس استاد کی قائل ہیں کہ باعتبار ضرورت پارس جاکر بھیجا اور کن کن بنا کر چھوڑا۔ کچھ لایا کچھ پی کے سامنے میں دھکا لاکر اس جات لاپتہ رہا۔ کبھی کبھی اور کبھی ہی پڑا پڑا کیوں نہ گزریاں آفتوں پر آئیں آئیں۔ مسیتوں پر مسیتیں ٹوٹیں۔ چاہو کہ اس پیر زوال کی نیزنگیوں سے دل اُٹتا جائے ممکن نہیں +

اسی منزجہ و راحت و عیش میں جہاں باجے حاجے کے غل فغانے سے کان پڑی آواز نہ آتی تھی۔ وہاں شہرے باہر ایک کونڈ میں چھوٹا سا قریبی قریبی بھی سے جیسوں ٹوٹی چوٹی پہاڑی قریب ان خوشیوں کی بے ثباتی کا پتہ دے رہی ہیں! یہ بستی ہوئی صورتیں جو آج اس نسلان میدان اوروں کے عالم میں پتھر پڑی ہیں بلکہ اسی منزجہ میں شادان و فراعان چھری تھیں! قارغ البالی کے چنور ان کے سروں پر سایہ کئے تھے۔ اور حیات مستحضران پر حیات امینا کے چھل پر سایہ تھی۔ عزیز و اہل علاقہ کا اصرار تھا کہ تم پر ہے۔ ایسا ہی ان پر بھی تھا۔ صلیح شہادے دلوں میں ارمان ہیں۔ ان کے جوتے تھے۔! باد صبا کی آنکھیلیں جس طرح تمہارے ساتھ ہیں اس طرح ان کے ساتھ بھی تھیں۔ یہی

رہا ہے۔ وہ رو یہ گھلوں کی قطاریں رنگ برنگ کے پہول متناہیں
دکھا رہے ہیں۔ سہرا نے نگ مرمر کا ایک پتھر ہے جس پر
کندہ ہے "ملکہ محبت کی آرامگاہ" +

راشد الخیری

اب نظر نہ آؤ گے۔ گزشتہ تو تمہاری۔ اور انسان تھے تو تم۔ یہ چوتھی ہی دہائی
ہے میں ملک جو آج شہری کھڑے ہیں تمہارے پاس آرام کر رہی ہیں۔ تمہارے
بی قابل تھی۔ اب اس کے قدر وہاں کہاں اور پوچھے واسلے کدھر خدا جانے
کس صورت شکل کی عورت ہوگی۔ جس کی قبر پر یہ کچھ نو برس

شہید جفا

از جناب حکیم تہنا صندیر صاحب فراق دہلوی

بادشاہ سلامت۔ تم غاطر جمع رکھو۔ میں انشا و اللہ تعالیٰ دوسری سادی ہی
نہیں کرنے کا جو تمہارے پیچھے سوئی آئے اور تمہارے بچوں کو ستائے +
ممتاز محل۔ بھلا قسم تو کھائے +

بادشاہ سلامت۔ خدا کی قسم۔ رسول کی قسم میں +

ممتاز محل۔ ہاں ہیں۔ اب مجھے یقین آ گیا۔ اور اب میں اطمینان کے ساتھ خدا
کے ہاں رسداری ہوں۔ لوائے جلی + یہ کہتے تھے ممتاز محل کا دم نہوا ہو گیا +
ممتاز محل ہانتا کے کارن اولاد کے آرام کے لئے کیا کیا بندوبست نہ کر گئی۔
گرو خدا کے سامنے کسی شہنشاہی کی سپردی چلتی ہے نہ کسی ملکہ کی۔ ممتاز محل کو
اس عید کی فرزند بھی کہتری کو کہ سے پیدا ہوئے بچے جن سب نے تیرے ہی
پیش میں پاؤں پھیلائے ہیں جو سگے بھائی ہیں کہلاتے ہیں ایک دوسرے
کے بچنے کے لئے سائب کے پسولنے اور اڑدے میں جانیں گے۔ اور ایک ایک
کے خون کا پیسا ہوگا۔ بھائی بھائی کا گلہ کاٹے گا۔ سہلی پر چمٹائے گا۔ بھگتو کو
نکھو کر پاؤں سے زور دے گا۔ عین غمزدگی کو بازووں اور گھج کو چھو میں گھسٹوئے گا۔
جو کچھ کر بلا میں چھاپا ہے وہ وہی آگڑے میں بھر ہو گزرتے گا۔ بوٹھا چاہا شاہجہان
آگرہ کے جیل خانہ میں نوجوان اور شک قبر بڑوں کی سناؤنی پر سناؤنی شہید آؤ
ہوں نہ کر سکیگا۔ اس اہل کی نفیل سم کیا کھیں۔ اسکرل کے اردود پرستے
والے بچے بھی جانتے ہیں کہ حضرت عالمگیر حق اور درویش مفت بادشاہ نے
دارا لکھنؤ امیر زراشتہاں "میرزا محمد فرخ" کے قتل کرنے میں جس بے رحمی اور شکر کی
سے کام لیا اس کے تصور سے بدن چکر لڑاؤ لڑے ہوئے ہیں اور کچھ نہ کھا جا
ستے رہتا ہے کہ وہ ادا کنندہ کے دے دیئے تھے۔ ایک کام چھوڑ دیا۔

پائی تیغ عشق سے ہم نے کیس پناہ
قرب حرم میں بھی ہیں تو قربانیوں میں ہم

۳ جنوری ۱۶۶۱ء

شاہجہان بادشاہ کی چاہتی ہوئی جس کا خطاب ممتاز محل صاحب
مرنے لگی اور اس کا دم کچھ کم سنہ میں آ گیا تو لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہنے لگی
اچھی ذرا کوئی جہاں پناہ کو تو میرے پاس بلا لائے مجھے کچھ وصیت کرنی چاہی بادشاہ
سلامت، اسی وقت محل میں تشریف لائے۔ اور ممتاز محل کو جہاں کنی کی حالت میں
دیکھ کر نار و قطار رونے لگے۔ ممتاز محل نے کہا جہاں پناہ! میں نے اپنے بچوں کو
بڑے چاڑھوں سے پالا ہے۔ اور ہاتھوں چھاؤں کی ہے۔ اگر میرے پیچھے
یہ بچوں ہوئے تو مجھے قبر میں پہنچنی ہوگی۔ خدا کو مان کے ان کو چھین نہ دینا۔ اور
ان کی ہر طرح دلداری کرتے رہنا +

بادشاہ سلامت۔ بیگم! تمہاری اولاد تو میری آنکھوں کا تارہ اور کلبجہ کا
شکر ہے۔ تمہارا کہہ کر خیال ہے۔ میری جان تک ان کے لئے حاضر ہے۔
ممتاز محل رضوخدا کے آپ ٹھیرے مرد مردوان باتوں کو نہیں جان سکتے۔
سو کن کو سو کن کی اولاد ایک آنکھ نہیں جانتی ہے اور میاں کی پہلی ہوئی
کے بچوں کو جن سناؤنے رہی ہیں نہیں۔ بی ساتھ نے بی عاجزہ کے جینے ہی حضرت
اسٹیل کو حضرت ہارم کے ہاتھوں نسان بھل میں علی جیستی ریت پر چھکوا دیا تھا
اور سوئے پیچھے تو کن کسی کا گانا ہے اور گئی تو نہ دارا بادشاہ میں کون اور
تو کن۔ دیکھتے میری آنکھ بند ہوتے ہی ان پر کیا گزرتی ہے۔ اور میرے لاٹھے
بچوں کو کس کس کے آگے بٹھیلانے پڑتے ہیں +

پتا اور قول کا ساتھ تھا۔ وہ عالمگیر کے کس ڈر او سے کبھی خاطر میں نہ لایا اور سلیمان شکوہ کو نہ سمجھتا تھا اور نہ سمجھتا تھا۔ اور نگ زیب کے دل میں بھیجیے کی زندگی کا سننے کی طرح کھنکھاتی تھی۔ اُس نے اُس کے کپڑاؤں کا بکنا سے کیواسے ایک اور محل کھلیا اور ایک آؤر چکر جوڑا اور اُڑھیل تھا۔ اور سری گروڈا راجہ سے اُس کی دانت کا ٹی روٹی تھی بیچ میں ڈالا اور سلیمان شکوہ کے بھیجیے کی اُس سے سفارش چاہی۔ مدد تیرا راجہ نے اس کام کا بیڑا اٹھا اور دیکھ کر ایسا جھاندا یا کہ اُس نے بے گناہ سلیمان شکوہ کو پایہ زنجیر کر کے دیوڑا کر دیا۔ سلیمان شکوہ کا دلی میں داخل ہونا حضرت یوسف علیہ السلام کے پہلے پہل مصر میں داخل ہونے کے برابر تھا۔ بازار دلی میں خلعت کے بیچم ٹھہر گئے تھے۔ تمنا کی پھنکھو تسروں پر سی جاتی تھی۔ تل دھرنے کو جانے بھی نہ درو دیوار اور حجت اور کوٹھوں پر غور تھی اور بیچے پٹے پیسے تھے اور اُس نامراد کی توجہ اتنی پر آٹھ آٹھ اٹھو اور سب تھے۔ جب اُس کی سارے شہر میں تشہیر ہوئی تو نواب سعد اللہ خاں وزیر کو حکم ہوا کہ تم جاؤ اور اُس لالچی کا سراپے اور بڑ کٹو اگر ہمارے سامنے لاؤ۔ مگر جب سعد اللہ خاں نے جاکر سلیمان شکوہ کی پیاری حیدرت دیکھی تو جی جان سے اُس پر فدا ہو گیا اور اُس کا دل بھرا آیا۔ کئی گھنٹہ تک اس سوچ میں رہا کہ اس یوسف ثانی کو کیسے سبب ہے وہ کیوں نہ جلائے کے حاملہ کر دیوں۔ آخر کار رحمت وزیر ایک منصوبہ سوچ کر حضور میں حاضر ہوا اور دست بستہ عرض کی۔ جہاں پناہ قیدی سے حسب دستور پوچھا گیا کہ اگر کوئی ارمان یا حسرت تیرے دل میں ہو تو بیان کر۔ قیدی نے کہا کہ میری آخری آرزو یہ ہے کہ مرنے سے پہلے ایک بار بادشاہ محل اللہ کا دیا رکھ لوں۔ جو کہ محبت شری بھی اس لئے اُس کے قتل میں درگ کی گئی۔ اب جو حکم سلطان ہو بجا لائیں +

عالمگیر (ناک بھول چڑھا کر) خیراب تو مغرب کا وقت خرب ہے۔ اس وقت ہم اُس ناشدنی کو اپنے سامنے نہیں ملا سکتے۔ کل دس بجے دن کے اُس کو اور جلا دے دوں گے اور باہر میں حاضر کرو۔ سعد اللہ خاں سلام کر کے دل میں خوش ہوتا ہوا پیچھے ہٹا اور رات کی رات سلیمان شکوہ کی جان کٹی گئی۔ سعد اللہ خاں نے یہ تدبیر محض اس صفت سے کی تھی کہ شاید عالمگیر اپنے بھتیجے کے حسن و جمال کو دیکھ کر کبھی سبب جائے اور اس نے بے خفا کی خلاصات ہو جائے۔ بات کی بات میں جمع ہو گئی اور اگلے دن کسی مقول جہاں کے ماتم میں اپنا نازک پیر میں چاک کر ڈالا۔ اور باغ کا پتہ پتہ اُس کے آنسوؤں سے روئے میں مشغول ہوا۔ آنکھ نکل آیا اور اُس کی لمبی کر سن چرخ کی تیرنی سے کر کے زمین پر پھینچ تو یہ معلوم ہوا کہ اُس کی

کا نام سلیمان شکوہ تھا۔ پہر شکوہ نے داراشکوہ کا مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا اور داراشکوہ کی شہادت کے بعد وہ گوالیار کے جیل خانہ میں مدت تک جیتا رہا سلیمان شکوہ جان بچانے کے لئے بے نام و نشان ہو گیا۔ اور عالمگیر کے ہاتھ نہ لگا۔ میسوں ہنگریا بایوں میں پڑا پھر تاربا۔ انسان کی صورت سے ایسا ڈرتا تھا جس طرح جنگلی پہلے پر جھانپیں سے بھرتا ہے۔ تمنا و قدر اُسے سرنگی کی سرحد میں سے پہنچی صبح کا سہانا وقت تھا ایک چپڑے کے کنارے پتھر کے صہارے سے گھاس کے فنی بچھوئے پر بیٹھا ہوا اپنی صورت پانی کے آبدار آئینہ میں دیکھ رہا تھا کہ سری گروکارا راجہ پریشک گھوڑے پر سوار تھا نہ لیا اس پہنے ہتھارے کے آئینہ پر بازو تھکے شہر لکھتا ہوا اتفاقاً ان پہنچا سلیمان شکوہ کی دلفریب شکل بری بری تیوری غارت دار انھیں۔ سیاہ اور گمان جیسی کھنکھاتی تھی۔ ان کی ناک چھوٹا۔ ہاتھ پتھوٹ۔ لال لال رخسار چاندی پٹائی۔ سر سے پاؤں تک نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا۔ دیکھ کر حیران رہا راجہ۔ تم کوں جو۔ اور کہاں سے آئے ہو +

شاہزادہ۔ سچ کچھ بول، جوت +

راجہ۔ سچ ہی کہو۔ سچ دنیا میں بری چیز ہے +

شاہزادہ۔ سچ کہنے میں مجھ جان کا خوف ہے +

راجہ۔ جان کا خوف دل سے نکال دو۔ اب تم سری لگی کی حد میں آؤ +

ہو۔ خدا چاہے تو تمہارا بال بھی بیٹا نہ ہوگا +

شاہزادہ۔ میرا نام سلیمان شکوہ ہے۔ شاہجہان بادشاہ دلی کا پوتا اور داراشکوہ کا بیٹا ہوں۔ مگر قسمت کا بیٹا ہوں۔ باپ کا قتل۔ بھائی کی گرفتاری۔ بچا کی غارتگری اپنی مصیبت اس طرح سنائی کہ راجہ روئے روئے دیوانہ ہو گیا۔ اور بری تغیر ہو کر یہ شہر میں لے گیا اور خاص کل میں ٹھہرایا اور فرمایا جب تک میری جان میں جان ہے میں آپ کا حامی اور مددگار ہوں۔ آپ پاؤں پھیل کر بے کھاسوئے اور جو کچھ وال دیا موجود ہے۔ وہ کھائیے۔ سلیمان شکوہ نے کچھ کم تین برس بسرا لٹکے گھنٹہ میں کاٹے اور سری لگی میں رہ کر راجہ کی بدولت خوب خوب پیش کئے۔ مگر عالمگیر اس کی فکر سے غافل نہ تھا۔ اور آخر اُس نے معلوم کر لیا کہ یہ لاشا رسری گروکارا راجہ لے آٹا ہے۔ پختہ تو صلح و آسشتی کے خدا پر ہو بھیجے کہ ہمارا آپ کا دادا مدد حاصل ہے۔ اچھے دل پر سے ذکر داور سلیمان شکوہ کو میرے پاس بھیج دو۔ مگر جب دیکھا کہ راجہ کیسے نرم نہیں ہوتا اور محاسن جہاں دیتا ہے تو شکر کشی کی دھکی دلی۔ مگر راجہ بات کا

نوجوان خوشنود زمار کا سر نیزہ پر چڑھایا گیا ہے۔ جس کی شہرگوں سے خون ٹپک رہا ہے۔

دیوان عام میں اورنگ زیب عالمگیر نے تخت جواہر نکاح پر جلوس فرمایا وزیر، امیر، منشی، ہفت ہزاری، پنجہزاری، خاص و عام اپنے اپنے رتبہ اور عہدہ کے مقاموں پر دست بستہ کھڑے ہوئے جس وقت سلیمان شکوہ جس سپاہیوں کی ہراست میں تلواریں کے سایہ تلے دیوان عام کی تیسری سیڑھی پر پہنچا تو اتفاقاً اس کی پہنی چڑی پتھر سے جا لگی اور اس کی جھکڑ سے سارا دیوان گونج اٹھا۔ چڑی زبان حال سے نفرت کا یہ شعر پڑھا کہ عالمگیر کو کتنا آتی تھی۔

پائے کو باں کوئی زنداں میں نیا جو مچا آتی آواز سلاسل کھسی ایسی تو تھی حکم ہوا کہ چڑی کاٹ دی جائے صرف ہاتھوں میں سونے کی زنجیر پڑی رہے سلیمان شکوہ نے جب اپنے تئیں عالمگیر کے آگے اور جلاؤ کو تنگی تلو اسٹے پہنچے دیکھا تو تھر تھکا پٹنے لگا۔ چاند سے جھرے کو گھنٹن لگ گیا بدلتے اندر زبان خشک ہو گئی۔ مہنوں پر پیڑیاں بگم گئیں۔ دل دھڑکنے لگا۔ سر پھرنے لگا۔ سارا دیار پیکر تصویر بن گیا تھا اور اس مظلوم کا منہ ٹک رہا تھا۔ عالمگیر نے جھٹاکر سلیمان شکوہ سے کہا۔ کو بیرونہ دار کیا حال ہے؟

سلیمان شکوہ۔ (شعر)

حال میں از بجز دار کثر از بقربایت ادبہر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام عالمگیر۔ سوائے خداں تم نے دیکھا موت سر نہ سبیل رہی ہے اور خواں

وہ دست میں کدھر نصیب ہو رہے ہیں۔ اور جو زندگی کی کچھ دلیوں آس ہو تو آس آسان کے پاس تو لاس، یہ زندہ رکھنے کے قابل ہے؟ تو بہ تو بہ! انہی کشتی کو بچاؤ اور آتش را کھاؤ۔ دشمن کا ہنر و متدراں نیست، بہت اچھا اگر آپ آبا جان کے فراق میں بے چین ہیں۔ تو ہم آپ کو بھی ان کے پاس مایوں کے مقبرہ میں بہت دست پہنچوا گئے دیتے ہیں۔

سلیمان شکوہ۔ عالمگیر سے مخاطب ہو کر شعر

ہیں زندان گزائی بے عزت برضاریں بطعیر تو خوش مستانہ بغیر، غبار میں عالمگیر جلا دے مخاطب ہو کر۔ ہوں گے ساتھ پیچھے سے جلاؤ کی تلوار سلیمان شکوہ کی گولان پہنچی۔ اور اس کیس کا سر تن سے جدا ہو کر بار قدم دور جا پڑا۔ انا لیتہ ذلتا ایرزا جوتن +

میری جان! یہ جھوٹی کمانیاں نہیں ہیں۔ سچے قہرے ہیں۔ اگر آپ کو تیرے نہ ہو تو میرے ساتھ مایوں کے مقبرے میں شہر لے چلے۔ مقبرے کے صحن میں سبک مرگم عزاء کے پاس جو دراصل دارا شکوہ کا مرقد ہے۔

میں آپ کو اس آواز کی قہر دیکھا مسکا ہوں جس پر حسرت کا شایانہ نکہتا ہوا ہے اور یاس و الم کی جھلک رہی ہے۔ داغ حسرت برس رہی ہے ہمارے مزار پر کہتے ہیں سب یہ قبر کسی نوجوان کی ہے

ناصر نذیر فراق

نیرنگ خیال کے خاص نمبر

عِلم و ادب کا بیش قیمت معدن

سالنامہ نیرنگ خیال سالانہ عید نمبر ۱۹۲۹ء ۱۴۰۰ عید نمبر ۱۹۳۱ء

عید نمبر ۱۹۳۲ء ۱۴۰۱ عید نمبر ۱۹۳۳ء ۱۴۰۲ عید نمبر ۱۹۳۴ء ۱۴۰۳ عید نمبر ۱۹۳۵ء ۱۴۰۴

منیجر سالانہ نیرنگ خیال شاہی محلہ لاہور

گل کی فریاد

از جناب پنڈت فیروز خان صاحب ششمین ایڈووکیٹ

میری فریادیں :-

۱۔ جب تجھے کسی بدو یا پیر زنیقہ مرقد سے انجاکرئی ہوتی ہے، اُنکی خوشنودیا فریاد معلوب ہوتی ہے۔ مجھ غریب کی جان پر ہن آتی ہے۔ زین چڑا دے کام دیتا ہوں +

۲۔ جب تجھے دارنگاہ کی تربت پر جانے کا موقع ہوتا ہے مجھ میکس کو سروروں کے سینے پر محمود آتا ہے۔ میری بیوی میں ہوائی تربت میں جاتی ہے +

۳۔ جب تجھے کسی اپنے سے بنگ بنی نوع انسان کی تکریم و تحمیں منگو ہوتی ہو مجھ پر پھانٹ آئے لگتی ہے۔ میرا ہی دل جانا ہے جس طرح سے میرے سینے میں سونیاں جیسو جیسو کرنا رہنا ہے جاتے ہیں۔ اور علا لمان رجبہ اولی کے شریک ٹھکرتے ہیں +

۴۔ جب آہمی دیا دیا غنای کو کرتے ہیں تو باریان محاب و بارش گل شریف ہو جاتی ہے اور تجھ کس پیرس کی شامت آتی ہے۔ کہیں میرے پر لٹک رہا ہوں کہیں گھر کے میں میلا ہوا ہوں کہیں سیچ میں پا کھل ہوا ہوں +

۵۔ واہ میرے تیری آسائش پندی، تجھ میں اتنی محبت نہیں کہ تو میرے پاس آکر میرے حسن و جمال سے خواہ حاصل کرے نہیں۔ تجھے غنی سے تو دینے کا دستہ بنا گول کروں اور کھانے کے کدوں میں رکھ دیتا ہے۔ جہاں مجھے مرگ مغالعات جلد آ جاتی ہے تیری خود غرضی پہاٹک سے کہ نہ بنو بلکہ تجھے جن ہول میں لگا کر تجھ نیم مرہ کر سنے سے لگائے رکھتا ہے۔ واہ میرے تیری فرد محبت !

۶۔ تو کن کن غرضوں کے ساتھ مجھے ہم آغوش کرتا ہے کبھی تلون میں مجھے ہم خواب کرتا ہے کبھی سرسوں سے میری سمجھت ہوتی ہے تاکہ میرے جو ہران میں منتقل ہوں۔ میری روح ان کے جسم میں داخل ہو۔ اور بقول تیرے وہ تیں جائیں اور میں غائب رہا ہوا ہوں +

۷۔ کبھی تو مجھے وہ فوٹوں میں مل کرتا ہے میرا رنگ زائل کر دیتا ہے۔ جس کی کہ ہوا عینہ تجھ پر اثر نہیں کرتی میری روح تن سے ہے۔ اگر کہ تجھے

اے حضرت انسان تو اشرف المخلوقات ہونے کا مدعی ہے۔ میری دانش میں تو سخت خود غرض اور نفس پرور ہے۔ وار میرے محال سے تو تو سخت ظالم ہے۔ تجھ کو یہ غرہ ہے کہ کائنات میں جو شے موجود ہے۔ وہ سب تیری آسائش و استعمال کے لئے ہے۔ یہ خیال دراصل غلط ہے۔ فی الحقیقت ہرچیز میں ہر شے کے لئے اپنا اپنا کام مقرر ہے اور اُس کی سستی اپنے لئے ہر ذہن سستی یا غلے سے کسی کام کا شوق نازل کرنا اشرف المخلوق کے رتبہ سے تجھے گرا دیتا ہے۔ میں نیل کو تجھ سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ دیکھ واہ میرے رنگ و بو پر کسی دلدادہ ہے۔ مجمع و شام میرے گرد منڈلاتی رہتی ہے۔ میری پہاٹس سے اپنے دل و جان کو تازہ کرتی رہتی ہے۔ فی الواقعہ وہ ارباب معنی سے ہے۔ اُس کی شرافت دیکھ کہ وہ مجھے غنی سے جہا نہیں کرتی۔ میرا جوں ہوتی ہے لیکن کس غرض اسلوبی سے۔ اُس مشی کا لے کھوٹے بھگنے کو دیکھ جسے لوگ ہونو ناکتے ہیں کس طرح وہ ارگرد وارانہ اور گردش کرتا ہے۔ تجھے صاف قدرت کی ایک حسین مخلوق سمجھ کہ میرے لطافت میں سرور رہتا ہے۔ اپنی حالت میں مست ہے۔ موسیقار کے مانند لگانا ہر وقت وجد میں رہتا ہے۔ میری ایا کے درپے ہونا تو قدر کار میرے گن گمار رہتا ہے تو اس سے بچا سکتے ہیں +

او ظالم! تجھے بتلا دیا ہے کہ میرے فار میری حفاظت کے لئے بنائے گئے تھے۔ تو انیس بھی تو زور دیتا ہے۔ تیرا چاقو بے نایں جانوروں کی جان لینے سے نہ ہلا تو میں کس غنی میں ہوں۔ کیا یہ ظلم تیرے لئے کافی نہیں کہ کو میری جو باس سے فردوس و باغ بنا دے میری خوش رنگی سے جنت کھاد۔ شاہینک مجھے غنی سے جدا کر +

او ظالم! میری شکایتیں بیکار ہیں۔ کاش میری فریاد سننے والا کوئی ہوتا تو وہ دل سنا سنا ہوا تھا۔ تاہم تجھے ہی سنا ہوا ہوں مگر شاپہ پتہ نہیں دل نہم ہو۔ مگر یہ کہ تو بھی ذہن سستی سے باز آ جاتے۔ آخر میری ذہنی حمایت نہ تو ہے۔ غرضی چند گھنٹے ہے۔ کاش تو مجھے نہ تجھنے دے۔ اب

میں ڈالنا ہے۔ اور ان معدود کی ادا کرتا ہے جن میں تیرے نغمے اور
ذی روح ہاک کر کے داخل کئے ہوئے ہیں +

۱۰۔ اوبے رحم آدمی زاد۔ تو تو انسان بھی کھلانے کا سخی نہیں بشرط الخوفانی
تو تیری لذات میں شہونا چاہئے۔ حق تو یہ ہے کہ تیرا کیا قصور ہے۔ یہ سنا
کسی کی کچھ میں نہیں کہ کیوں کسی کی اذیت میں دوسرے کا عیش ہو۔ اور مجھے تو

ذوق کا یہ شعر پڑھنا کافی ہے سہ

اگر یہ جانتے ہیں کہ ہم کو تو دینے تو کل کبھی نہ نمنائے رنگ و بو کرتے

شیم

روح میں مفید کر دیتا ہے۔ اس قرط العی کا نام تو نے ملکہ کہ چھوڑ دیا ہے
۱۔ کبھی تیری رحمتی اس درجہ تک پہنچی ہے کہ مجھے قطع اہنق میں خلل آتی ہے

سوزاں پر رکھ کر جو کشش دیتا ہے۔ اس پر بھی میر نہیں۔ پھر دو آتشہ
کرتا ہے۔ اس پیادے کا اخبار کا نام عرف ہے۔ اوفالم! تیری جہیں پر
کاش عرف الفضل آتا۔ مگر کہاں +

۹۔ اوفالم! تو مجھے میری موت کے بعد بھی نہیں چھوڑے گا۔ تجھے یقین نہیں آتا
کہ میں کما حقہ مرا ہوں۔ میری پتیاں منکھاتا ہے۔ پھر مجھے نسون اور بھون

”برق“

از جناب مولانا اظہر علی صاحب آزاد

اتھلا کے ادا سے منہ چھپانا
تو اور یہ تیری بقیہ راری
بوٹی بوٹی پھڑک رہی ہے
طراری کے یہ سارے انداز
چھیل بل میں تو آتشی پری ہے
چھٹنے میں سحاب کی تھوں سے
یا ہے آب رواں کی چسار
فالوس میں یا ہے شعلہ طور
بکتوں کو کر کے گشتہ نماز
تڑبانہ دکھا دکھا کے جساوا
کرتی ہی رہی تو آنا کافی
اُس کا بھی نسبت کا رواں تھا
تشبیہ میں بھی تھی تجھ سے عاری
مسکن ہی نہیں کہیں مقصد
خفت کے سوا نہ تھ کچھ آئے
بادل کو جو ابسا نے والی

آزاد

اے برق تیرا مسکرا نا
یہ تیری تڑپ یہ افشہ راری
اک نور بینی چمک رہی ہے
حسن بے پردہ پر ترا نماز
سرعت تری سحر سامی ہے
جاوے تیرے حسن کی جھلک کے
ہے پھلکا سحاب منہ پر
ہے جس سے برس رہا ترا نور
یہ تیری ادا یہ تیرے انداز
ساری خلقت کو کر کے شیدا
اور اک نے لاکھ خاک چھانی
پیچھے تیرے دم گوداں تھا
مشتاق کے دل کی بقیہ راری
اللہ اللہ راری پھلتے
ڈھونڈے تو کہاں تجھے کوئی پائے
قابو میں تھی کس کے آنے والی

ندی کاراگ

نیرنگ خیال مولانا ظفر علی خان صاحب

۹

چشم زندن میں سیل بلا کی طرح جھپٹ کر آتی ہوں
کر ڈلیں لیتی ہونی وادی پہ پہنچ کر شور مچاتی ہوں
کتنی ٹیکروں اور ٹیلوں کے تلوے سے سہلاتی ہوں
سینکڑوں پل ہیں تنہی میں دل جن کا چرالاتی ہوں
جا کے چھلکتے دریا کو میں شہریت وصل پلاتی ہوں
جھکودیکھو کہ ایک روش پر صبح وصال پلاتی ہوں

ریزہ سنگ سے تار آب پہ دلکش زخم لگاتی ہوں
چشم چھو کرتی ہونی آپ اپنے سن پہ میں اتراتی ہوں
نہایتوں کا ڈھوا آتی ہوں منہ سیدانوں کو میں تھلاتی ہوں
ساغنا پہ بھڑکے بھٹ اور سن کو پلاتی ہوں
جا کے چھلکتے دریا کو میں شہریت وصل پلاتی ہوں
جھکودیکھو کہ ایک روش پر صبح وصال پلاتی ہوں

ساحب ناموں پر جس دم پل کھاتی ہونی اٹھلاتی ہوں
گودیں میں رومو کو کبھی چھلکتے کو کبھی میں کھلاتی ہوں
مارتی ہوں میں حجاب کو گاہے اور کبھی اسکو علاتی ہوں
میں ٹکڑے کسی چہرے پر پسی چھینیں اڑاتی ہوں
جا کے چھلکتے دریا کو میں شہریت وصل پلاتی ہوں
جھکودیکھو کہ ایک روش پر صبح وصال پلاتی ہوں

سبزہ قر کو چھیڑتی ہوں اور بیدوں میں لہرتی ہوں
میٹھی ہنند سے گدگد لے کر چلتے چلتے جھکاتی ہوں
میں کبھی ہلی اور کبھی رہتی اور کبھی آنکھ رواتی ہوں
رقص میں لا کر ذہرہ کو افلاک پہ میں شہر پلاتی ہوں
چاند اور تاروں کو میں اپنا میٹھا راگ سناتتی ہوں
اپنے کنارے کی بوٹیوں سے دم بھر کو میں ملہلاتی ہوں
جا کے چھلکتے دریا کو میں شہریت وصل پلاتی ہوں
جھکودیکھو کہ ایک روش پر صبح وصال پلاتی ہوں

بگلوں اور چوں کے نشیمن سے انکل کر ناگہاں
سبزہ کے فرش استبرق پر مثل درارے غلط
کتنی گھاٹیوں کے دامن کو راہ میں آئی جھٹک کر میں
میدوں گاؤں اور قصبوں کے پہلو سے بجلی منک کر میں
زید کے کھیت کے نیچے سے تھوڑی سی دور پہ آخر کار
زید و عمر کی ہستی کیا ہے صبح آئے گئے شام سدھار

ننان کھرج کی یا بچیم کی چھیسڑتی ہوں بخود نوکر
پاؤں پہ جھانچھ بھنور کی پینے اور سے لطافت کی چادر
بن کر میں منہ بٹھ کبھی اٹھاتی ہوں گیسو سے ساحل
اور کبھی ساتی بن کے مر تب کرتی ہوں سبزہ کی محفل کو
گھاتی بجاتی جشن مناتی تھوڑی سی دور پہ آخر کار
زید و عمر کی ہستی کیا ہے صبح آئے گئے شام سدھار

زیب بدن کر کے آب رواں کا پاک لباس
اپنے آنچل میں بھراتی ہوں میں کہیں مٹی کو کہیں گھاس
کھٹ کے غنبر میں رنگ کے گالے مجھ پہ کہیں ترے ہیں
لوٹے لوٹے رستے میں مہر پہ سنہری کنکروں سے
بہتی بہتی اس انداز سے تھوڑی سی دور پہ آخر کار
زید و عمر کی ہستی کیا ہے صبح آئے گئے شام سدھار

بشت نور دی باد پہ گزری کرتی ایک انداز سے میں
الار و سبل کو جو منظر عاشق و معشوق کے میں
اڑتی ابا بیلوں کے ساتھ آزادی اپنی تیر و دم
سورج کی کرنوں کو میں اپنے ریت کے ٹاپوں پہ یہ ہم
جھاڑوں میں جھکا دوں میں صھراؤں میں ویراؤں میں سدا
اپنے ریت کے مینڈوں پر کچھ دیر میں لپٹی ہوں سدا
کائناتی ہوں اک ٹکڑا تھوڑی سی دور پہ آخر کار
زید و عمر کی ہستی کیا ہے صبح آئے گئے شام سدھار

نیرنگ خیال

انحطاط

ان زنجاب میر افضل علی صاحب ایم اے

میرانی اسے جس آخری سال تھا۔ طالب علمی کی فہمی کچھ بیوں میں آیا
محو ہو چکا تھا کہ اس زندگی کی ابتدا عقد موت ہی پر سمجھنا تھا۔ جسے ہوش
سنبھالا لکبت کی درسی مشق میں عمر گزاری۔ کچھ دیر سے دیر سے چلنے
نما عادی ہو گیا۔ اس لئے دیگر جماعتوں کی تیز رفتاری پر حیران ہو کر اٹھا۔
مگر خود اسی پہل سے چل رہا تھا۔ کچھ کی زندگی سے ایسا مانوس ہو گیا تھا۔
کوئی اس کے امتحان کی تیاری کے وقت بعض دفعہ اپنے دل میں کہا
کوئی تھا ایسا اللہ کیسے پاس ہی نہ ہو جائوں؟ آخر وہی حادثہ پیش آیا۔ جس کا
دعتر کا تھا۔ مگر وہ کامیابی نے مجھ پر اثر کیا۔ اب تک میں والدین
پر احسان کرتا تھا۔ کیونکہ ان کی آرزو کے تعلیم کو کاوش داغ سے پورا کر رہا
تھا۔ ذرا وقت تحصیل کے بعد مجھے ان کے احسان کا احساس ہوا۔ تلاش
محاش کی عبت مسمی کے بعد ان سے چند سال مشقت دہری کے صد میں نہیں
کا خواہش تھا۔ مگر وہ دے ہی دے ہی فراغ مطلق سے گھبرا کر ایم اے
کی تعلیم کا دھکوسلا کھڑا کچھ راج میں ہوا۔ دل ہوا۔

شعر نگار ہونے پر جس میں فہمی کا نام نہ ہوتا تھا۔ محکمہ
کرتا تھا میں ذرا اسی خوشی کے موثر پر تمام ہو رہا تھا کہ کوئی
کر کے بہم نشاوار آراستہ کیا کرتا تھا جس میں شاعرانہ مشق کے تمام لوازمات
بکس ترتیب مینا کئے جاتے تھے۔ چونکہ سنجیدہ مزاج طلباء کو ایسی مجالس سے
نظر ہوا کرتا تھا۔ اس لئے ہماری زیر ذمہ زندگی سے محو نہ رہتی تھی رنج کے
موثر پر میر کی تعلیم کا میں سخت مخالفت تھا۔ اور علمی فہم و اہلیں ساتھ جا کر گذر
پر خوب ائے تھے چنانچہ میر سے جذباتی کیفیات میں نیز ارجح بلاغت شہر
ہر حال میں مجھ سے چھڑا تھا۔ ایک دفعہ میں نے انیس حسرت کا شعر سنایا
ستم کرتے نہ تھا غالب میں تم سے میرانی کا
گلوں بنے مٹی نے نفٹ کھو یا نہ دھوئی کا
شعر نگار ہونے پر جس میں آئے کڑی سے آئے کر کے میں نہیں
لگے۔ دم بہ دم قدم تیز پڑتے تھے۔ ہر سے سے جنوں کے آثار نمایاں ہوتے
تھے میں نے کب خوش کرو اور کب کو مچا دیا۔ کہنے لگے۔ میں آج سے تم ہو
ہو گئے۔ مجھے بھی کچھ سنا ہوا۔ کیونکہ اس سے پیشتر باہم اٹھے ناچ کوہ
کوہ و شعروں کی داد دیا کرتے تھے ہم کبھی کبھی شام کو قرآن مجید کا درس
سننے کے لئے مغرب کے وقت اہل اللہ کے مدرسے میں بھی شامل ہو جایا کرتے
تھے۔ ایک روز میں بلاغت کربا تھوٹا کے وقت میز پر سے میں مٹا کر نہیں
آیا۔ تو مجھے ایک دیر میں جب کا رتہ ملا لکھا تھا کہ میں ہر روز صبح وقت
شاہد سے سے چل کر کہاں پہنچا ہوں۔ لیکن حبیبہ بکوس واپس جا ہوں
میں نے بلاغت سے کہا چلو تو ذرا ان کے مکان پر ہوا آئیں۔ مجھے خیال تھا
بلاغت انکار کریں گے۔ اور اذیت کی زحمت سے میں بکاؤں میں لیکن بلاغت
فردہ تیار ہو گئے۔ اب میں نے سوچا کہ کیا میں صبح نہیں گئے۔ اس وقت انہیں
کیا بے آرام کرتا ہے؟ بلاغت کہنے لگے واقعہ تم بولے ہو گئے ہو۔ ہر ایسی
خواہش کے پیدا ہونے کے بعد جو نریل شان نہ ہو انکا حصول بڑھاپے کی نشانی ہوتا
مجھے معلوم ہوا کہ میں والدین بڑھاپا ہو گیا ہوں۔ اللہ یہ بڑھاپا آج سے

میرانی اسے جس آخری سال تھا۔ طالب علمی کی فہمی کچھ بیوں میں آیا
محو ہو چکا تھا کہ اس زندگی کی ابتدا عقد موت ہی پر سمجھنا تھا۔ جسے ہوش
سنبھالا لکبت کی درسی مشق میں عمر گزاری۔ کچھ دیر سے دیر سے چلنے
نما عادی ہو گیا۔ اس لئے دیگر جماعتوں کی تیز رفتاری پر حیران ہو کر اٹھا۔
مگر خود اسی پہل سے چل رہا تھا۔ کچھ کی زندگی سے ایسا مانوس ہو گیا تھا۔
کوئی اس کے امتحان کی تیاری کے وقت بعض دفعہ اپنے دل میں کہا
کوئی تھا ایسا اللہ کیسے پاس ہی نہ ہو جائوں؟ آخر وہی حادثہ پیش آیا۔ جس کا
دعتر کا تھا۔ مگر وہ کامیابی نے مجھ پر اثر کیا۔ اب تک میں والدین
پر احسان کرتا تھا۔ کیونکہ ان کی آرزو کے تعلیم کو کاوش داغ سے پورا کر رہا
تھا۔ ذرا وقت تحصیل کے بعد مجھے ان کے احسان کا احساس ہوا۔ تلاش
محاش کی عبت مسمی کے بعد ان سے چند سال مشقت دہری کے صد میں نہیں
کا خواہش تھا۔ مگر وہ دے ہی دے ہی فراغ مطلق سے گھبرا کر ایم اے
کی تعلیم کا دھکوسلا کھڑا کچھ راج میں ہوا۔ دل ہوا۔

حدیثِ عشق

افغان بہادر میرزا مرسلی صاحب دہلی

نہ فرسکے نہ تر عشق کے لکھ ڈالے۔ کیوں نہیں بولتے؟ اور شیخ سعدی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم سے اس سلسلہ میں اس لئے دریافت کیا جاتا ہے کہ تم کو زمانہ کا حال بہت معلوم رہا۔ اور گو تم کسی پر مرسے یا نہ مرسے مگر وہ سے یہ تماشا خوب دیکھا۔ شیخ نے جواب دیا کہ مجھ جیسے رہیوں نے بس ہوئے کو عشق سے کیا تعلق؟ بس مسکایں میرا تو عقیدہ فلسفیانہ ہے۔

چنانچہ سانسے شد اندر عشق

کہ یاراں فراموش کردند عشق

میری تو عمر صرف اس فکر میں گئی کہ خط مراناں پر یہ کفش برسرِ بزمِ ان اس پر جو امانی عشق بولے کہ اگر تمہیں اس کا حال معلوم نہ تھا تو محنت میں بایں بچم کہاں سے آیا؟ شیخ نے اس بات کو اس طرح نالانہا پا کر کہ

دراں مدت کہ مرادقت خویش بود

ز جہرت شش صد و پنجاہ و شش بود

ہجرت سے جتنے برس اُس طرف گزرے تھے۔ اُس سے زیادہ اب گزر گئے۔ وہ زمانہ نہیں۔ بلکہ مدت ہوئی کہ بھشتیں بدل گئیں۔ اس پر ابھی کچھ کہہ دیکھنے والے بولے کہ زمانہ بدلے تو بدلے مگر دل نہیں بدلے۔

گویم بے وفا دل را کہ میسر نجد دل نہیں

سختِ سخنِ سبیلے حسبِ محزون است و مہنی

وہی بات جو تیلی جہون بر شیریں و فراد میں تھی۔ یہ بات نے چوڑ کی لڑائی میں۔۔۔ اچھے اور میرے پنجاب میں کہ کھائی۔ لیکن اس بحث میں وہ سوال رہا جانا ہے کہ عشق کے کھتے ہیں؟ لوگوں نے فقیہ سے کہا کہ تم کہہ نہیں بولتے؟ فقیہ نے جواب دیا کہ بیٹا کا ذکر آئے تو مجھ سے بولا جائے۔

سوالے کرد از ہمیں نوید کہ بر عشق ذاتِ ناپید گزرتے

خدا می خواہی گفت بے کسے کہ در ہر ذرہ اش حیرت ہے

عشق کی تعریف ہی کیا اس کا حال تو دی جانے ہو کسی پر مرسے اور حضرت سعدی کے فرمانے کے مطابق ”زیر آ پند کشن نہ کشن“ محبت کے مارے

اگر کتابِ الفت بہ نظر رسیدہ باشد

در سقے شمرودہ باشی و خط کشیدہ باشی

فارسی میں عشق و محبت کی داستانیں اس دھوم سے لکھی گئی ہیں کہ یہ مضمون زیادہ تر اسی زبان کا حصہ ہو گیا۔ اردو میں بھی یہاں کے شاعروں نے اسے خوب بنا دیا۔ لیکن ہندی میں اس مضمون کو جس خوبصورتی سے ادا کیا۔ اہل ہند کا حق تھا۔ یہاں تک اور اب تک تو جو کچھ ہوا سو ہوا جسے پنجرانہ شاعری کا نام نکلا ہے۔ عشق و محبت کا نام شایاں ہے۔ زلف و شہل کے ذکر سے پریشانی ہوتی ہے۔ خود حال سے جی گھبرا رہا ہے۔ نئی تمدن والے نہیں جانتے کہ نظم میں عشق و محبت بغیر چارہ نہیں اور سحر میں بھی اس کا ذکر بڑا نہیں ہے۔

احوال ما اگر چہ کمر مشنیدہ

سو گئے خوریم کہ کمر مشنیدہ

جی چاہتا ہے کہ آج اسی ذکر سے دل بھلائے اور اس طرح حال باندھے کر شاہانِ خیال نگاہ گمان آئینہ شوق نہیں۔ وہ اچھی صورتیں جو انسانوں میں شیش لٹائی جائیں اور عشق و محبت کے ذکر چھڑیں۔ اب دیکھئے آئینہ خیال کی بدولت کیسی کبھی پاکیزہ فطرتیں اور دلکش صورتیں دیکھتے ہیں آری ہیں۔ آئینہ دار سے دل عالمِ لغارہ کن از من نیرس دیمن و نادیدن کے

عرب سے تیلی اور عجم سے زلیخا۔ مغرورانِ فارس میں شیرینِ عذرا بتان ہندی میں سے حسن و پدیم۔ ان کے چاہنے والے ان سے کب جدا رہ سکتے ہیں۔ فراد و جہون و حسن اور آن کی گرمی بالہ کے باعث محبت جاتی و سعدی اور فیضی طرف اس فن کے سب اہل کمال جمع ہوئے۔ اور عشق و محبت کا ذکر شروع ہوا کسی نے پوچھا کہ عشق کیا چیز ہے؟ جانتی نے فرمایا کہ اس کا حال تو تمہارے پوچھو۔ سب سے پہلے شہادتِ سعدی انہیں کی ہے۔ جسے تمہیں ”القص“ کہتے ہیں۔ زلیخا نے جواب دیا کہ یہ لوگ جنوں

ہیں۔ آج کل اپنے شوہروں کے ساتھ وہ بھی درمیان پر ہیں۔ سب سے
لوہنگی میری عید فاسمی مرنے کی ہو جائے گی۔ انہیں میری تو کا ہے کی بڑی
تھی۔ اپنے بیٹے کی خاطر یہ ساری باتیں تھیں۔ ان کی اس طرح کی ہمت سے میری
ابھی بڑھی۔ غرض آتو جی بولیں سرکار اسم اللہ کریں۔ اصل خیر سے مدد کرنے
کو کہیں۔ پلٹتے وقت کیوں کل کل کی اور ناحق کی ناکریں۔ آپ اجازت دیں
غرض اجازت ملی۔ میں نے کہا کہ کہیں آپ بھی بیٹے۔ کہنے لگیں تم تو حسیلی پر
سرسوں حاقی ہو۔ جلا وقت کے وقت اب میں کیا انتظام کروں۔ بھرا پرا
گھر خیر سے کس پر چھوڑ جاؤں۔ مجھے لے جانا چاہتیں تو پہلے سے کہتیں۔
میں نے کہا کہ آتاں جان ابھی تو بہتر وقت بڑا ہے۔ کپڑے نکھوادیجے۔
اور آج نہیں تو کل ڈاک سے روانہ ہوں گے۔ لیکن چلیں آپ بھی پھر
بولیں کہ چھی چلتے کو تو چلی چلیں لیکن ٹھیکے کہاں۔ کوٹھی کا کوئی انتظام
نہیں ہوا۔ ماشاء اللہ اس دھارے کے دھارے کو کوئی ٹھیکہ ایسا کہاں
تھامی اور تھام سے میاں کی اور بات تھی کہ اپنے ماموں کے ہاں جا ٹھیکہ
لیکن میرا جاناکسی صورت سے مناسب نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر میرے
ماموں میں تو آپ کے بھی تو چچا زاد بھائی ہیں۔ کوئی غیر تھوڑی ہیں۔ دوسرے
میں نے سنا ہے جس کو ٹھی میں وہ ٹھیکے ہیں اس کے برابر ہی ایک
اور کوٹھی کوٹھی پر پری مل ہے۔ وہ ہم لے بیٹھے۔ اور ایک آدمہ دن کی
ہماری مہمانی ان کو وہ بھر ہوگی۔ اور آپ ابھی ان سے تارہ لوادیں۔
وہاں وہ سب کو ٹھی کا انتظام کر لیں گے۔ بولیں میری کوئی منتنا ہے اور
میری بات ہی کوئی ملتی ہے۔ تم خود ہی کہدو۔ یا طعن کی بات میری طبیعت
کے تو خلاف ہوتی۔ لیکن رفع شر کی وجہ سے اندہ بنی اندر گھول کر رہ گئی اور
بہت بہتر لکھ رہاں سے اپنی طرف آئی۔ اس دن کا جانا تو یوں ملتے ہی ما
ماروار دلو دلو سارا انتظام کیا۔ میری تو ساری چیزیں بند گئی تھیں۔
جو جو ساتھ لے کے چلتے کی چیزیں تھیں وہاں جان لے انکے بندھا دیں۔
ناشتہ تیار ہوا۔ نہ لے کی ٹھوڑاں۔ سلوئے۔ سموئے فیجہ بھرے۔ دھیری
پراٹھے۔ کھڑا نہ اور سیرینک کا مرفوبہ یہ سب چیزیں ناشتہ دان میں
میں بھر میں کچھ ناشتہ بیٹی میں کہیں۔ آتو جی ان کی پوتی سفر کی آتاں
اور خالان سب کا انہی جان نے اپنے ساتھ لیا۔ باہر کے آدمیوں میں سے
رجم بخشی اور ب اللہ خاں یہ دونوں چلے۔ چھاٹیاں آئیں سارا سامان لودا
سب سوا۔ ہوئے اور ٹھکے کی طرف روانہ ہوئے۔ دس بجے ڈاک آئی

میں اور وہ آٹھ جان کو دونوں دوسرے درجہ میں بیٹھے۔ وہ مرد اسلئے تو
میں چلے گئے۔ کھینچنے کے بعد میں نے ان کی فردست کی چیزیں وہاں بھول
میری سطلانی تو بے جا ہی سیدھی ساری تو کون کے درجہ میں بیٹھ گئیں۔
لیکن آدھی اور ان کی پرانی وہاں رہائیں۔ دونوں ڈیڑھ گھنٹے درجہ میں
گئیں۔ غرض کہ وہی روزانہ ہوئی۔ رات کا وقت تھا۔ ہم اپنی اپنی کھیتوں
پر اپنے اپنے بستر کے کچھا پڑے۔ امان جان تو سو گئیں۔ لیکن میری
پاک سے پاک نہ چھکی۔ نیند نے آنے کی قسم کھانی تھی۔ ایک چپکے کا وہی
رہی تھی۔ بھٹ مٹی دار و غرائف کو لئے کھڑے تھے۔ میں دیکھ کر نہال
ہو گئی۔ داروغہ نے جا ہا کہ فیمنو کو تو جی کے پاس بٹھائے۔ لیکن بی بی فیمنو
پہلے پڑیں کہ میں امیر کی بیٹی ان فریبینوں میں ہرگز نہ بیٹھوں گی۔
میں نے کہا کہ میں ہیں تم جا مانا کی بیٹی میں میرے پاس آؤ۔ غرض وہ
اتنا ہی ہوئی میرے پاس آن بیٹھی۔ دیر نہ مٹا کہ جڑے سے بچنے کی پھر
جوتی کھلا دی چڑھنے کا سیدھا چھار۔ زعفرانی بابر سیٹ کی نرم کمری
کھنسی پر دو تادی پیک مٹی۔ آپ رواں کا زعفرانی رو پڑ۔ چلی کا چاند
ٹھپے کی گوت مٹی۔ کانوں میں پھولوں کی دیاں۔ دانتوں میں مندی پند
انگوٹھی جھلا۔ مٹی کا جوڑا نکلائے۔ پان کی گوری منہ میں اڑائے
مطر میں بس رہی تھی۔ میری پڑھنے والیاں گئیں گی کہ کوئی بیٹھو گئے
دن کی کوئی زندہ ولی امیر گھرانہ کی بیوی ہوگی جو کھنوسے کا وقت ہو گیا
باہر والی چوڑوں کی خاطر گھنسی ہوں۔ کہ اب فیمنو کی عمر بچا سی جیسا ہی رہا
کی ہے۔ ہائی بیٹ رنگت جیسے بد ہواں جانور۔ آگے کے وقت ڈٹے
مٹھا ہوا ڈپٹی۔ مدد دتہ۔ ہاتھی بے مثل۔ کالے بھونڈے ہال۔ پھیلے ہوئی
ناک چھوٹی ٹھیکس سیاہ۔ پنہاں۔ لیکن آنکھ کے ڈبیلے نڈ۔ چوہے پر
جھڑیاں نام کو کھنسی جوئی کا بڑا خیال۔ ہر وقت کی مانگ پٹی ہانگ
چرے چرے کے دو اسکل چلی ہو گئی ہے۔ اور چند صیاد کے ہال کڈ گئے ہیں۔
چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں۔ بڑی شکر چنگ۔ چال کا لے صاحب جو چلی
سبحا کی حضرت بہہ۔ غاء بادشاہ کے ہر تھے۔ ان کے ہاں کی یہ کھنسی
جھوکی خبیثی لیل کی ہے۔ اب پر جی میں ہمد ہمد صاحب تلو کے
ہاں جو ان کے پاس سے ہیں۔ اس کی آدھ وقت ہے۔ اور اب کھانکھنا
بھائی گئی ہے۔ (ہائی آئینہ)

ہی۔ آج کل اپنے گھر میں کے ساتھ وہ بھی دہلی ہمارے ہی۔ سب سے
فرنگی میری جیہ لاسی خوسے کی ہو جائے گی۔ اب میں میری تو سب کی ہونگی
تھی۔ اپنے بیٹے کی غلطی ساری باتیں تھیں۔ ان کی سب طرح کی کھنسی
الکھی تھی۔ غرض آدھی دہلی میں سرکار میں ملنے کر۔ اصل خیر سے مسکا
کو گئیں۔ چلتے وقت کیوں کل کی اور تاح کی ناگہی۔ آپ اجانت وہی
غرض اجانت ملی۔ میں نے کہا کہ میں آپ بھی چلتے گئے گئیں تو قہر سے ملی
سرسوں جاتی ہو۔ بجلا وقت کے وقت اب میں کیا انتظام کروں۔ میرا
گھر خیر سے کس پر چھوڑا ہوں۔ مجھے نے جانا جا تھیں تو چلتے سے کہیں۔
میں نے کہا کہ امان ابھی تو پیشہ وقت پڑا ہے۔ کوہے نکھوایے۔
اور آج نہیں توکل ڈاک سے روانہ ہوں گے۔ لیکن میں آپ بھی پھر
بولیں کہ ابھی چلے کو تو ملی ہیں لیکن ٹھیکے کیاں۔ کوٹھی کا کوئی انتظام
نہیں جہا۔ مٹا دالند اس دھانڈے کے دھانڈے کو کوئی ٹھیکہ کیاں
نہا دی اور تھانڈے میلان کی اور بات تھی کہ اپنے ہاں کے ہاں باغیچہ
لیکن میلا جاکسی صورت سے مناسب نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر میرے
ہاں میں تو آپ کے بھی تو چھنا نہ بھائی ہیں۔ کوئی فرخ ہوئی ہیں۔ دوسرے
میں نے سنا ہے جس کوٹھی میں وہ ٹھیکہ ہے۔ میں نے اس کے برابر ہی ایک
اور کوٹھی کھنسی پر پڑی ہے۔ وہ ہم نے بیٹھے۔ اب ایک آدھ دھانڈے کی
پہا دی تھائی ان کو وہ پھر ہوگی۔ اور آپ ابھی ان سے ٹانڈو لو اور۔
وہاں وہ سب کوٹھی کا انتظام کریں گے۔ بولیں میری کوئی سنتا ہے اور
میری حالت کسی کوئی جانتی ہے۔ تم خود ہی کہند۔ پانوں کی بات میری طبیعت
کے کوٹھاں ہوئی۔ لیکن رخ شرکی دے رہے اندھ ہی اندھ گول کر رہ گئی اور
بہت بہتر لکھ وہاں سے اپنی طرف آئی۔ اس دن کا جانا قریب غنسی کا
نارہ اور دھانڈو سا انتظام کیا۔ میری تو سب کی چیزیں نہ رہ گئی تھیں۔
جو جو ساتھ کے چلتے کی چیزیں تھیں وہ ہاں جانے لگے اندھ میں۔
بہشت تیار ہوا۔ نہ کے کی بھڑاں۔ سونے۔ سوئے۔ میرے۔ میری
پراسٹے۔ کھانڈو۔ اور کھنسی تھیں۔ اور خوب سیب چرس آفتہ دان میں
میں میری۔ کچھ ناست۔ پٹی میں کھنسی۔ آدھی ان کی موتی سترگی دان
اور خالان سب کوٹھی جانے لگے۔ اپنے ساتھ لیا۔ باہر کے دوہیں میں سے
میرم غنسی اور بھٹہ خالان۔ دوہوں چھوٹا ڈانڈاں میں سارا دان اور
سب ہوا۔ جوئے کے کھنسی کی طرف مدد ہوئے۔ دس بجے ڈاک آئی

از مولانا عظیمت اللہ خان مرحوم

دل ٹوٹ کے آتا ہے دل ٹوٹ بھی جاتا ہے

[احساس کا دوسرا نام زندگی ہے، جسے عمل و رد عمل کا تانا بانا کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے ممکن کا یہ کہنا کہ موت اور نفرت ساتھ ساتھ ہیں ایک اٹلی سچائی اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ بہشت نصیب خان صاحب نے اس نظم میں زندگی کا یہی پہلو پیش کیا ہے۔]
خوبصورت، خوب سیرت شاعر نے سوچ، ترقی اور آرٹ کی خوشنما جھلکیوں میں ایک کافر کو بتایا ہے کہ :-
”دل ٹوٹ کے آتا ہے دل ٹوٹ بھی جاتا ہے“

مگر بات میں بات پیدا ہو کر بات یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ بلند خیال شاعر چاہت لم پالیتا ہے :-

”چاہت ہی صداقت ہے“

”چاہت ہی عبادت ہے“

”چاہت ہی شہادت ہے“

سچ پوچھو تو شاعری ان ہی منوں کی حکمت ہے ! سید وزیر حسن [

احساس کا دھندلا ہے الفت کا یہ بند ہے

— (۲) —

چاہو تو تمہارا ہے

چاہت کا یہ مارا ہے

چاہت کا ستارا ہے

دل ٹوٹ کے آتا ہے دل ٹوٹ بھی جاتا ہے

لہجہ پر بچھڑ جائے

تیور پہ بچھڑ جائے

(۱)

یہ دل جو ہمارا ہے

مانا کہ تمہارا ہے

چاہو تو یہ پیارا ہے

دل ٹوٹ کے آتا ہے دل ٹوٹ بھی جاتا ہے

اک بات میں ہٹ جائے

اک بات سے کٹ جائے

اک بات پہ پھٹ جائے

دل ٹوٹ کے آتا ہے دل ٹوٹ بھی جاتا ہے
ٹسوؤں سے اٹک جائے
نظروں سے کٹک جائے
ہنسیوں سے ہٹک جائے
احساس کا دھندلہ ہے الفت کا یہ بند ہے

(۵)

چاہت ہی صداقت ہے
چاہت ہی عبادت ہے
چاہت ہی شہادت ہے
دل ٹوٹ کے آتا ہے دل ٹوٹ بھی جاتا ہے
اک بھول پہ رک جائے
اک چوک پہ ہٹک جائے
پھر قہر ہی ٹپک جائے
احساس کا دھندلہ ہے الفت کا یہ بند ہے
غلت انشعاع

اک حرف پہ مر جائے
احساس کا دھندلہ ہے الفت کا یہ بند ہے

(۳)

کیا کھیل ہے دلداری ؟
یہ کھیل نہیں پیاری
ہے کام بڑا بھاری
دل ٹوٹ کے آتا ہے دل ٹوٹ بھی جاتا ہے
اک آن میں لڑ جائے
اک پل میں اکڑ جائے
اک دم میں بگڑ جائے
احساس کا دھندلہ ہے الفت کا یہ بند ہے

(۴)

یہ دل کا لگانا ہے
یہ خود کا مٹانا ہے
دل ہاتھ میں لانا ہے

کلام گرامی

ریب دی ازمن و بادتمی برداختی رستی
زدی شستی، شکستی، سوختی، انداختی رستی
بے اندوختی رستی بے انداختی رستی
گرامی

بے ہنگامہ ہا در دل کہ برہم ساختی رستی
مجت این چنین عاشق نوازی این چنین باید
ہزاراں دہ ہزاراں بلان و دل افتادہ در راہت

نغمہ سحر

از جناب امیر حسن صاحب ناز

پڑے کرلوں سے ہلکا ہوا میں۔ سبزہ خود دھکی ڈانگ۔ دھون نے فتنہ جاری سے بالیدگی حاصل کی اور دست ہو کر لہلہا نے نکا۔ تکرارت نہا کی افسردہ کر دینے والی گردشوں سے ستائے ہوئے کچھ تنہائی کے شائق ان کے آب رواں کے جذبہ انگیزہ راگوں کو ٹٹا۔ اور اس کے آئینہ کے شور و غنیمت کی پریشان کن صداؤں سے جھکے ہوئے کانوں نے ایک ایسی راحت کا اس کیلے جو صرف فطرت کی رنگین کیفیتیں ہی عطا کر سکتی ہیں۔ اس کے دل میں سب کو گھبراہٹوں نے تھکا دیا تھا۔ اطمینان کا تازگی کا ذرہ چھا۔ اور اس کی آنکھوں نے دنیا کو ایک ادبی سرور سے ہمیشہ رہنے والی تسکین سے مہر پیا +

دل غمیدہ کی حسرت بھری حالت پر خون کے آئینہ روئے والے شاعر نے اپنے نونائیدہ نغموں کو جو خیال اور تفکر کی دستوں میں پٹے ہوئے جذبات عشق کی فراوانیوں کے گھلے ہوئے رہے تھے۔ دل کی گہرائیوں سے باہر نکال کر نذری کے کنارے پر ڈال دیا۔ کچھ واپس آنے والے بے پانیوں کی فوٹو گریز رواںوں سے تاثیر حاصل کر کے تین دہلیں کو تڑپا دیں۔ جن کی مشہور عالم بے نیازیاں اکثریوں کی زندگیوں کو دیا کرتی ہیں +

اور۔ نغموں کی دیوی؟ وہ تو اپنے منہمک ہونوں سے فکری کو دائمی سکون کے فیض میں منتہر تھی۔ اپنی رواںی میں تفسیرات کا خواندہ سہیتی ہوئی۔ سرسبز سرخزادوں کے دل کٹا گودوں میں کھیلتی ہوئی کناروں کو میٹھی نوریاں سناتی ہوئی۔ اپنے وسیع نغموں کے فراخ آغوش میں مضطرب لہروں کو خوش آہنگ صداؤں سے تسکین دیتی ہوئی تیری اور سہمت کے دامنوں پر آنکھیں کھلیں کرتی ہوئی غمزدادادوں سے آگے بڑھی اور قہر و راز فاصلہ پر سمندر کے عہد آباد میں صحت اپنے نغموں کے فنا ہو گئی +

امیر حسن ناز

تغش آفتاب کے حسن کی منہد شامیں برت کبار اور سفید پینے پر چھٹی ہوئی بنیں۔ سچ کی سائیں اور نوجوانوں میں ایک جنبش پیدا ہوئی۔ کرون نے ادبی چھیڑا۔ اور لو۔ سرہنگدار پروں کی بے شمار آنکھوں سے پانیوں کے ننھے ننھے جھپٹے نکلا۔ اور ہر کے پھروں نے خشک پانی کی ان پتلی پتلی دھاروں کو آتشیا کی گودوں میں اٹھا کر نچلے پھروں کے آغوش شوق میں ڈال دیا۔ جنہوں نے اس وہایت کو خلوص کے ہاتھوں سے اپنے دوستوں کے حوالے کر دیا رواںی کے مضارب نے اپنی لڑائیوں کو حکم دیا۔ اور بل کھا کر پینے والی نڈیاں دھیسے سرور میں گنگنا لگیں۔ چٹاؤں نے فراطرب سے اپنے بازو کھول دیے۔ وادیوں نے شوق کے وسیع آغوش کو کوا کوا۔ کونانغموں کو جنہیں چٹانوں کی لہریں نے فراخ سطح پر پھینکا تھا ایک محدود رقبہ میں اٹھا کر لیں۔ شجرہ نغموں کی بے شمار لہریں آنکھیں کھلیں کرتی ہوئی مسکراتی ہوئی مختلف نغموں سے آئیں۔ اور اپنے آپ کو وادی کی قدی سبز چادر پر ڈال دیا۔ خود وہ چوں شے شہیم ہوئی۔ سبزہ لہلہا اور جھپٹ قدرت کی جاندار تھیں۔ اپنی دھن میں مست۔ وادی کی زمینوں سے طراح احمق واصل کرتی ہوئی آتے جیسی رتہ ہر گے سطر نڈوں سے جھکا رہتی ہوئی ارد گرد کی اونچی چٹاؤں کوکل میں چٹا خان کے دروازے پر سناتی ہوئی میدان میں داخل ہوئی۔ بڑے بڑے چھین پھروں کی بلندیاں اپنی بار و لمبیتوں کے سبب قبول نہیں کرتیں۔ شوق کے ہر دس سے ڈھکڑے۔ گہاڑوں کی اس سفید پری کی ہینائیوں کو جو میں۔ ساحل کی خاموشیوں نے حرکت کرنے والے راگوں کو ٹٹا اور ساکت ہو گئی۔ نہایت تاثیر لگنے کی خوش انگیزہ کیفیتوں کو سینوں میں لٹے ہوئے ہمبرے اور نور آفتابان سے موسیقی سے بھری ہوئی لہروں کے قدموں پر بوٹ بوٹ کر ٹٹ گئے۔ تھوڑوں نے اپنی پڑا سطرابہ جنبشوں سے متحرک لہروں میں ایک نیا جوش بھرا دیا۔ سبزہ والے ننھے ننھے رزناں سرور میں گنگنا لگے۔ کنارے پر گہمت دھن میں آکر چھوڑ دیا۔ اگلی کے سائے جذبات سے مجبور ہو کر کلاپ کلاپ کر کر زرد کر

ادبائے قدیم کے طرزِ نگارش

حصہ نظم

صبح تو جام سے گزرتی ہے شب دل آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر نہ جانے اب تو آرام سے گزرتی ہے
ابو العفوف گوہ شاد عالم ثانی بشارت نازی آفتاب

لوٹتے ہیں وہ چہرے نقت استھان لب دیدار ہے
تم سے ساری غذائی مل گئی جس کلمہ ہوا سکو کیا در ہے
یہ مدیٰ سن صاحب احسن کلمہ نوی

خود کھتے کے اشلے سے سر پام تھے کو کے مرث کو لب غنہ سے پر نام تھے
آنکھ نیچی ہوئی ہواں کی سری مہر سے راکشن سر نہ گئے کجا پٹھو جھانگے دوسے
خوشی دوا پر بشارت اب آفتاب کلمہ نوی

غیم سے دل کو نسیم عشق نے ڈاکر دیا میں مرغیں ہوش تھامتی نے اچھا کر دیا

نفس کے تابع ہوئے ایمان نصرت ہو گیا وہ زمانے میں گئے مہمان نصرت ہو گیا
تیا اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی

پر یوں کی بخت میں ایک سال سے در فونک فرزند ہوا تو کیا دیوانہ ہوا تو کیا
مینا نے عالم میں مدھول میں دلا لیکس ہشیا رہا تو کیا مستانہ ہوا تو کیا
یہ آغا حسن صاحب میرزا غفری واقف

نثر و نثر سہی گرا لے طبع غور کر کتنا لطیف طبع تھا وجہ بگناہ کا

کسی صورت سے لے جان پہ تو جان پہل ہوتا
تو جائے سب جہیز بے کوشی رخسار داں ہوتا
اگر تو مسر ہاں ہوتا تو عالم میراں ہوتا
کر کوئی آن میں کوں دستان ہی لامکان ہوتا
شمس العلما - دوی محمد حسین آزاد دہلی

کیا: حواں و حال اس سی سوا کسی ہے تیر لب
وان خال لیسے اسے داں میں باتوں کتاہ
تیری حمور نسی نے قتل اک عالم کیا
اسکی باتوں سے کلچر چین کے چھلنی ہو گیا
لب ہانا رو برو قائم کے ہے ترک ادب
احسان اللہ مولانا عبد غلام علی دہلی بگلائی آزاد

پلاس تیا نئے خنک آب میں کہ تھمتی نہیں قویہ متاب میں
گیب دین کیسا حضور نسا ز وہ یا آئے اردو جو محراب میں
لے کچھ تو زخم جگر کا مزہ سمجھ کر رکھا تیغ زہر آب میں
اکھی فلک جس سے پھٹ جائے دے وہ تا شیر آہ جگر تاب میں
بلند ہشتیا فزں پہ کبھی گری جو نیچے تھے وہ بے وہ سیلاب میں
وہ عریاں ہیں سرا میں تھی جن کی شب گزرتی ستور اور سنجاب میں
نہ آئے ہوں آزدہ پنا خنجر پڑی دھوم یہ سارے پنجاب میں
افضل اصلا مولوی مفتی صدیق خٹک آزاد

کچھ کہنے کہنے رہے کچھ ہم کہنے کہنے اس ککلیش میں ٹوٹ گیا رشتہ باہ کا
فل ہو کبھی یوں فوج کوڑتے نہیں دیکھا مقتل میں دن ایسا کبھی جڑتے نہیں کھیا
میر جبرعلی انیس

انصراط بخودی شب کس کے گھر پر چلا میں چلا میر کو لے کر جھکو رہ میرے چلا
سے پرست تو دیکھنا میرا دل نامک نہ ہو آج زاد توڑے کو جام بچھنے چلا
دل لگی کا ہو میرا کیا اُمغانیں دیش غیر کے گھر ساتھ جو کو دہست ہو لے چلا
مرزا عبدالغنی صاحب ارشد نور مانی

وہ کہتے ہیں شب و عار میں کس کے پاس تھا تجھے تو ہوش ہی اسے فاناں زاری تھا
کلیں مشکر کرد حضرت تک نہ ہوش آتما ہوں یہ خبر کہ وہ شوق بے نقاب نہ تھا
امیر اشعر افغانی نئی امیر لکھنؤ امیر شنائی

جنت کا مارنا نہ مصیبت میں چاہئے تھوڑا سا جو صد بھی طبیعت میں چاہئے
سجائے راہ راست پہ کا تو ترا مزاج اک بندہ خدا تری خدمت میں چاہئے
ما تم کا دل ہو دولت کا دل ہو غرض لے داغ یہ کسی کی محبت میں چاہئے
دل دو طرح کا تیری محبت میں چاہئے راحت میں ایک ایک مصیبت میں چاہئے
کچھ لاگ کچھ لگاؤ طبیعت میں چاہئے دونوں طرح کا رنگ محبت میں چاہئے
اپنا بھی کام نہ لے دماغ میں نہ ہوں ایسے مزے کی بات خیالات میں چاہئے
نواب میرزا خاں صاحب مرغ دہری

لگا کے برف میں ساقی سراچی لے نا جگر کی آگ بجے جلد جس سے وہ شے لا
قائم کو با تھکاتا ہوں اُٹھ کہیں گھر چل خدا کے واسطے اتنے تو پاؤں مت چھینا
نکل کے داوی خدمت سے دیکھ لے تیروں کہ روز و صوم سے آتا ہے ناقصہ میلا
گرا جو ہاتھ سے فرادے کہیں تیشہ در دن کوہ سے نکلے صدائے وادیا
نزدائیت اس محل دفائی دیکھو دفقا نسیم صبح جو چو جائے رنگ ہو میا
میدانک دائرہ فاناں آفتاب

تعلیق میں چشمہ کو سندھ سے ملا دوں قند کو جو دوں آب تو گو مہ سے ملا دوں
گلدستہ سخی کو سننے کو سناتے ملا دوں ایک بھول کا سنوں ہو تو سو گتے ملا دوں
صخرہ جوں صفا آصفیت لشکر چوڑا افغان کی تیزی کو کہنے کوئی متواہ
نکلتے ہیں جو حاصل تو افس خیر جو خواہ نہ کے کہیں پر بھیجی تو کول کے اک بار

تینے اور کو دیکھو دل کی سیر کو دیکھو تیرے کو دیکھو میرے بے سگر کو دیکھو
دیکھو نہ آئینے میں اپنی نظر کو دیکھو حالت ہے کیا ہماری پہلے اور کو دیکھو

میر جعفر زلفی

مردانہ کے قاتل نے کہا
گرئی خوں کی مری تاثیر دیکھ
سر کے کٹنے کا مجھے کچھ غم نہیں
سیر میں روزن مری لکھا ہوا
میں لا مرنان لگے گھڑا دی ہوئی
بعد مومن میرے لاشے کو تدبیر
مردانہ است علی ما دب تدبیر

رو دریا سے میرے اناں پناہ مانگے
بد سے شام غم سے رنگ سحر کو دیکھو
بیدشامن علی جلال کمنوی

بارانہ و الم کا کہیں ہلکا ہو جائے
پھر بار آئے اسی میں سودا ہو جائے
عرش سے فرش ملک چھائی ہوتا کی چل
آگ دنیا کو بجھا دو تو اچھا ہو جائے
غلام ہستی کا عزیز بشر ہے کیا چیز
یہ وہ تلو ہے جو میرے جا تو دریا ہو جائے
یوں نہ انسان کا پرستہ تقدیر ہو جائے
میں اگر بھول اٹھاؤں تو وہ بھول ہو جائے
بندت درج نرائن صاحب کیل چکیت

جنگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا خلف جہر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی سسی بی
ہم نے سو سو تیرے سر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
بس حرف تھے تاکہ جہر دیکھا
خواجہ میر جو در دہوی

خج ہاں تو تیرا دیکھا نظارہ افروز میں چین ہیں
نہیں وہی میں دان تعلق زمر قمری میں بیا دیکھا
جولا کہ میں ایک پکیں کچھ کھلا بھی گشت کچھ تیرا
بلات کھوج اسکا پھر کسی کو ہزار دھونڈا ہزار دیکھا
گنہیں تیری نکل گئی جو نہ چمکے روئے پر خطر سے
گئے وہ کو دیکھ نہ کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا
خبر نہیں یہ کہ کیسے کیا ہو گئے، اور تو کہاں ہے
یہ اپنے میں اور تیرے میں ہم نے علاقہ اک استوار دیکھا
سلوک میں تیرے سے کیاں بگڑتے ساہوکار دیکھا
نہ ان سے کچھ تیرا میرا یا نہ لے کچھ تیرا بیا دیکھا
شمن علما نواب اعانت میں صاحب عالی

وقت پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں
پھر مجھے ملے چلا ادھر دیکھو
دل فنا نہ رہا بک باتیں
دو غلام چھوڑ ذکریت و حور
کو ترس رہا بک باتیں
نشتے ہیں اُن کو پھر میرے ہم
کس نے سے قلاب کی باتیں
سچے محراب میر صاحب ذوق دہوی

بتوں کے در پہ سب کی جہد سائی ہوتی جاتی ہے

انہیں کے تفسیر میں بتوں تصانی ہوتی جاتی ہے

تسا ہے آج گردبان نے تو کل وہ بھی سن لینگے

مری باتوں کی اب آن کد سائی ہوتی جاتی ہے

خدا جانتے ہے یہ کی جید کیا ہو جائے اسے کافر

جہر تو ہے اُدھر ساری غلطی ہوتی جاتی ہے

امید وصل کیا جو عاشق نا کام کو اس سے

سراج یار میں اب پار سائی ہوتی جاتی ہے

یہنا کار زلفت میں دل عمر بھراؤں کی بلار کھے

ایسی ہوتی جاتی ہے رانی ہوتی جاتی ہے

بندت رتن ناتھ مسرشار

قابل دید ہے یہ رسوائی
ہم تماشا ہیں وہ تماشا
ایکے یہ جوش کا عالم ہے
ہو رہی ہے ہمارا رسوائی
تم کو خروہ ہو میکہ و احو
اودی اودی ہے پھر گشتا چھائی
ہیں کسی کے خیال سے باتیں
یوں پینا لگئی ہے تنہائی
قابل دوا شعر اپنے حقیقت
لوگ کرتے ہیں عزت افزائی
حافظ محمد علی صاحب حقیقتا جو نبوی

دفن کراچہ کو کو نہ یار میں
تقریب کی بنے محزاریں
اپنے یوسف کا عزیز دہوں حکام
چاہے مجھ کو بچے بازار میں

شذرات

نیا زمندان لاہور کے نام دکھنی بھائیوں کا پیغام | شذرت ہوئی تھی۔ اس تنقید کا بھی تنگ کسی طرف سے جواب نہ وصول نہیں ہوا۔ اس کے بعد دیباچہ نگاروں کی حمایت میں ایک مضمون ”نقادانِ ادب لاہور کی طرف سے شذرت کو اجازت میں کسی نہ کسی دیباچہ نویسوں کی حمایت کی گئی تھی۔ مگر نتیجہ تبصرہ کی وہ معنی پیدا ہوئی کہ جس شخص نے اصل کتاب نہ پڑھی ہو وہ اس مضمون کو دروغ و غلبے فروغ بھی سمجھے کیونکہ کسی ایک کتاب میں اس قسم کی اتنی غلطیاں کبھی دیکھنے میں نہیں آئی ہوتی۔

حیدر آباد میں ایک روزنامہ ”نور“ کے نام سے شذرت ہوتا ہے۔ اس کے ”لیل و نهار“ کے کالم کی تحت میں نیا زمندان لاہور کے نام ایک پیغام دکھائی دیا۔ اس کی طرف سے درج ہے جس کی نقل ”نیا زمندان لاہور“، ”نقادانِ ادب لاہور“ اور انٹرنیشنل نیرنگ خیال کی اطلاع کے لئے درج ذیل کی جاتی ہے:-

”نیا زمندان لاہور سے“

”ہم نے نیرنگ خیال لاہور میں ایک چند سلا مضمون دکھا ہے۔ جہاں کتاب کے پانچ دیباچوں پر تنقید ہے۔ تنقید کیا ہے یہ کہنے کو دیباچہ نویسوں اور مصنف کی بغض دیکھی گئی ہے۔ یہ کتاب اتفاق سے ایک ایسے حیدر آبادی مضمون نگار کے ذریعہ مسلمان کا تجزیہ ہے جو ہندوستان کے تمام ”نکار اور نیرنگ خیال کے قبل رسائل کی مدت سے اسپیری کر رہے ہیں۔ ہم ”نیا زمندان لاہور“ کے اس مضمون کی اکثر باتوں سے اتفاق رائے رکھتے ہیں۔ اور تسلیم کرتے ہیں کہ ایک چھوٹی سی کتاب پر پانچ گونا بار دیباچوں کا لکھنا ”کتاب کا جہول“ کا نکتہ ہے برا ہے۔ اور پھر چند عار و نیا زمندان کی تنقید سوسنے پر مسکاکے اکثر لکھتے ہیں۔ جس نے ہم کو بھی اس غلطی کی اہمیت کی طرف متوجہ کر دیا۔

ہم اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ ہمارے یہاں ذریعہ نگاروں کو تنقید تحریر رکھتے ہیں۔ اور ایسی تحریریں ہر کسی سمجھ دار آدمی کو اپنے بزرگوں کی تصویر کا جائز نہیں ہے۔ ہم یہ عرض بھی دیکھ رہے ہیں کہ لوگ ایسا ملک سوسائٹی لندن کے پتہ و بندہ نہ کرنا اپنے کام کے ساتھ ہم، اگر آپس میں انڈیا اسی طرح شان سے لگاتے ہیں گویا ”خاص جارج پنچم کے دست مبارک سے انہیں مسند ملی ہے۔ بیشک ہم آ رہے۔ میں کی وقت آرہیں۔ دی۔ پی کے کچھ بڑھ کر نہیں ہے۔ اور ہم اس بات کے بھی رازدار نہیں اپنے معمولی سے معمولی کام کو اپنے دوستوں سے تعریف کروا کے بازار میں وقت حاصل کریں لیلیں ہم ”نیا زمندان لاہور“ سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آخر یہ کمال کا اعزاز ہے کہ انہوں نے حیدر آباد کے ایک رسائی مضمون نگار کے ساتھ کام کرنا پسند کیا۔ اور دکن اور اہل دکن پر پیرایہ ملے حکمران دیار اگر کسی حیدر آبادی مضمون نگار میں ایسی شان امانت پیدا ہو گئی ہے تو اس کے اہل حیدر آباد ضروردار نہیں ہیں۔ یہ تو لاہوری رسائل کی خصوصیت ہو تو جو کہ محض چند خبریں اور چند مضامین کی فروجی کہنے والے مضمون نگاروں کو مشرے مولوی مولوی سے مولانا اور مولانا سے عامر بانیوں۔ اس کے مضامین پر بے پروا سے نوٹ لکھیں اس کو آسمان پر بٹھا دیں۔ اور پھر اس طرح بدزدنی کی تربیت دینے کے بعد اس کے نتائج خراب ہوں تو اس مضمون نگار کو چھوڑ کر اس کے ملک کو برا بھلا کہنا شروع کریں۔ نیا زمندان لاہور جسے ہم کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ”خاک لانا دکن کا اس طرح سمجھنے میں اس نے بھاری غلطی ہوئی ہے۔ یہی زبان اور اس پر اعتراض اس کا تو یہ غلط ہے کہ نہ لاہور دہلی اور کلکتہ۔ نے کا زبانی کر لیا ہے اور نہ حیدر آباد۔ البتہ دکن قدیم زبان اردو کا گواہ ہے جس کو محمود شیرانی نے پنجابی بنانے کی کام کو شمش کی تمام زبان ظاہر ہے کہ اردو کو کھسکی انداز میں نہ لاہور استعمال کرنے کا دعویٰ کر سکتا ہے نہ ہم۔ ہمیں یاد ہے کہ میرٹھ میں ہیں ایک پنجابی استاد تاریخ و جغرافیہ پڑھاتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے کہا ”تم لوگ“ نے استعمال غلط کرتے ہیں۔ آخر تمہیں کیا ہوا ہو ہے۔ تمام حیدر آبادیوں میں یہ فرض عام ہے ”ایک طالب علم نے جواب دیا ”صاحب

ہم نے "کاغذ استعمال" سے کہتے ہی نہیں۔ گھر پہ جہاں کہیں غلطی اس پر استادمہ صاحبہ جھجھکا کر کہنے لگے "ہم نے ایسا کیا ہوا ہے" اس طرح چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو نکال کر کسی ملک کے تمام ہونے والوں پر فقرے کشا کرنا انہمازی کے آئین سے بہت دور ہے۔ ہم تو برکشت مچھیرے۔ کدہ دینا ہمارا کام ہے۔ ورنہ ہمارا دنیا زندگی سے کوئی تعلق اور نہ "مجلوسوں" سے۔

خاکسارانِ دکن لاکھ رائے دکن نے "خشود" میں جوہیل و نواز، غریباوی کی ہے یہ ان کے تین مذاق کی دلیل ہے۔ یہاں تک کہ خیال ہے بیاض لٹا لٹا اور مولانا سے عقائد دیتے ہیں۔ یہ اہل لاہور کا اخلاق ہے۔ البتہ کسی "مولوی" کو "علامہ" بنادینے کی ذمہ داری نیرنگ خیال پر عاید نہیں ہو سکتی جہاں تک ہمارا غلط کام کرنا ہے۔ ہم نے "علامہ" کا لفظ آج تک کسی ایسے شخص پر لکھا ہے کہ نام کے ساتھ ہمیں لکھا جس کی قیادت ہمارے خیال میں صرف مضمون نویسی تک ہی محدود تھی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ بعض ایسے مضمون نگار بھی ہیں جن کے مضامین پیشتر نیرنگ خیال میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور اب شائع نہیں ہوئے۔ اس میں ہمارا قصور نہیں ہے۔ ایسے مضمون نگاروں کے لیے سرفروشی میں لکھا خاک کے مترادف ہے۔ ہمیں حال ہی میں دکن کے ایک اہل قلم نے فوج دلائی ہے کہ وہ فظان مضمون نگار کے تمام مضامین کو دوسروں کے مضامین کا چرچہ یا نقل ثابت کرنے پر تیار ہیں۔ ہم نے ایسے "مضمون نگاروں" کو مزید آسانی سے بچانے کے لئے اپنے کئی جاسوس کی خدمات شروع کر دیئے ہیں۔ انکے رکوڑا +

سالنامہ نیرنگ خیال سالنامہ نیرنگ خیال کے متعلق وقتاً فوقتاً ضروری اطلاعات نیرنگ خیال میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ سالنامہ نیرنگ خیال میں تین تین رنگ کے ٹھوس بلاک شائع ہو رہے ہیں۔ ہر تصویر کا سائز پورٹریٹ اور آٹھ سینچر اعلیٰ قسم کا ہو گا۔ اگر ان تصاویر کی قیمت ہی شمار کی جائے تو ڈیڑھ روپیہ سے زیادہ ہو گی۔ معاف میں کے متعلق ایک ملبیہ پمفلٹ آن آف اب کی خدمت میں پیش بھیج دیا جائے گا۔ جنوں نے گذشتہ سال سالنامہ کا دینی وصول کیا تھا۔ تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اس سالنامہ کی تکمیل میں کن کن اوجہوں نے حصہ لیا ہے۔ یہ پمفلٹ یکم دسمبر تک سالنامہ کے تمام غریب اراکوں کو پہنچ جائے گا۔ جن خیرداروں تک یہ پمفلٹ نہ پہنچے گا۔ ہم بھی لیں کہ ان کا نام کیسے درج رجسٹر ہونے سے رہ گیا ہے۔ اس لئے وہ دوبارہ درخواست بھیج دیں + دفتر نیرنگ خیال میں ہر آدمی جو قبول ہوتی ہے وہ سالنامہ کے لئے تمام درج کرانے والوں کی ایک نئی جماعت ساتھ لاتی ہے۔ اگر آپ نے ابھی تک نام درج نہیں کرایا تو دیر نہ کیجئے۔ آج ہی ایک کارڈ لکھ کر نام درج کروا دیجئے +

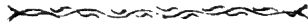
سالنامہ نیرنگ خیال یقیناً بہترین سالنامہ ہوگا دسمبر میں ہندوستان بھر کے دینی رسائل اپنے اپنے سالنامے شائع کریں گے۔ یہ جذبہ اورو زبان اور رسائل کی ترقی کے لئے جھجھکتی ہے۔ جب ہم دسمبر میں سالناموں کو دیکھیں تو ہمیں بے حد سرت ہوتی ہے۔ کیونکہ نیرنگ خیال ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے اوّل اس نے سالنامہ شائع کیے رسائل کی باطنی کی۔ اور نہ ان اور ان کی ترقی کے لئے نئی نئی راہیں کھول دیں۔ جہاں ہم دوسرے رسائل کے سالناموں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ وہ ان نیرنگ خیال کے سالنامہ کو سب سے بہتر حالت میں پیش کر کے اس حقیقت کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ "ایکجا دہارا حصہ ہے اور تقلید دوسروں کا"

ایڈیٹر

مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم و مغور آجائے قدیم کے عزیز نگار شمس میں شریف خلیل احمد صاحبی۔ اس نے قنارت کی تخت میں مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے حالات میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح کا محتاج ہے۔ فیصل صاحب نے مرزا سلطان احمد مرحوم کو مرزا غلام محمد صاحب کی دینی کار بار خود لکھ دیا ہے۔ حالانکہ آپ مرزا غلام احمد صاحب کے فوجدار و مجدد تھے۔ آپ سے کفر ظہر نہیں کر لیں گے +

دبچپ اور سبق آموز افسانے درج ہوں گے۔ اس کے بعد سالانہ مزاریع کوڈاک میں ڈالا جائے گا۔ اور صرف اُن اشخاص کو بھیجا جائے گا جنہوں نے وہی اپنی کی اجازت دی ہے۔ امسال وہی اپنی کی شرح دو آنہ کی جگہ تین آنہ ہو گئی ہے۔ اس لئے وہی اپنی بزرگ جگہ پر کام کر سکا۔ تاہم فوٹ کر لیں + پچھلے نیرنگ خیال کی تاریخ اشاعت ۴ مئی لیکن اب ۶ کر دی گئی ہے۔ کیونکہ کثرت اشاعت کی وجہ سے ۴ تاریخ تک پرچہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ پچھلے سال جو تھا اور ایک اپنی میں آتھ مٹھے تھے۔ اب چار مٹھے ہیں۔ گویا چھپائی پر دیوگنا وقت صرف ہوتا ہے۔ اس لئے نیرنگ خیال کی تاریخ اشاعت ۶ مئی چھپائے۔

جنوری ۱۹۳۲ء سے نیا اہتمام | ایک رنگ تھا اور تاریخ ہو کر لگی۔ بہت سے مضامین با تصویر شائع ہوں گے۔ نیز مضامین میں بھی خاص چیزیں پیدا کی جائیں گی۔ ان تمام کوششوں کا حکم ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ نیرنگ خیال سے اپنا تعلق دائمی رکھیں اور درست و اجاب کو اس کی توسیع اشاعت کے لئے توجہ دلاتے رہیں +



نیرنگ خیال کے ایجنٹ

یورپ میں حصار رسالہ اور اخبارات ایجنسیوں پر فروخت ہوتے ہیں اُس کا سولہواں حصہ بھی براہ راست نہیں خریدے جاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شہر اور ہر حصہ میں اخبار اور رسائل بیچنے والی ایجنسیاں قائم ہیں جہاں سے لوگ بغیر کسی تحریک و تحریر کے اپنے لئے پرچے خرید لیتے ہیں۔ یا ایجنسیاں خریداروں کی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے اُن کے گھروں پر رسائل پہنچا دیتی ہیں۔ دہاں تمام ایجنٹ مال نقد قیمت پر خریدتے ہیں۔ یا کم از کم اتنی رقم بلور ضمانت جمع کر دیتے ہیں جو اُن کے ایک مہینہ یا ایک سال کے بل کے برابر ہوتی ہے۔ ہندوستان میں بھی انگریزی اخبارات مثلاً پائونیر ٹیلیگراف، انڈیا اور رسول ملٹری گزٹ کا یہی قاعدہ ہے۔ بغیر نقد ضمانت یا پیشگی رقم کے وہ اخبار ایجنٹوں کے نام نہیں بھیجتے۔ مگر اور رسائل اور اخبارات کا خدا حافظ ہے۔ اردو جرنلزم کی حالت ابھی تک شیرخوار بچہ کی شکل ہے۔ اس سب طرح سے ان رسائل کی ایجنسیاں بھی شیرخوار کی حالت میں ہیں۔ رسالہ نیرنگ خیال اور تازیانہ روپو کو جب قدر مطلع تجربہ ہو چکا ہے۔ اُس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ سمجھ لیجئے کہ کم از کم دو ہزار کی رقم انی عالموں نے ہنسن کر رکھی ہے۔ اس پر ہم نے بددیانت ایجنٹوں سے قطع تعلق کر لیا۔ لیکن موجودہ حالت بھی یہ ہے کہ جن ایجنٹوں سے ہمارا تعلق ہے۔ ان میں سے نصف کے قریب تو خود بخود درتوم ہر ماہ بھیج دیتے ہیں۔ باقی نصف میں جو دو تین ماہ کے بعد کچھ بھیجتے ہیں۔ اور ایک معقول رقم ہمیشہ دبائے رکھتے ہیں۔ لیکن اس سے بھی بڑی شکایت ایک اور پیدا ہوئی کہ وہ بددیانت ایجنٹوں کی ”سیر کاریاں“ ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ ”سیر کار ایجنٹ“ چند رسالے خرید کر اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور اپنے اخبار خریدنے والوں کو پڑھنے کے لئے دیتے ہیں۔ جب وہ رسالہ پڑھ لیتے ہیں تو اُن سے ایک آنہ کرایہ وصول کر کے وہی رسالہ دوسرے آدمی کو بے دیتے ہیں۔ اس قسم کی ذلیل حرکت ایک اخلاقی گناہ ہے جس میں ایجنٹ اور رسالہ پڑھنے والے دونوں حصہ لیتے ہیں۔ یہ ”پریکس“ ذہنی میں دیر سے جاری ہے۔ اس لئے ہم دہلی میں اب کسی بھی ایجنٹ کو مان بھیجے کو تیار نہیں۔ اہل دہلی براہ راست دفتر سے وہی پی منگو لیں۔ ایک دو اور شہروں کے متعلق بھی شکایت آئی ہے۔ اُس کے متعلق بھی تحقیقات کی جا رہی ہے۔ اگر درست ثابت ہوئی تو رسالہ وہاں بھی کسی ایجنٹ کو نہ بھیجا جائے گا۔ یہ طریقہ اردو جرنلزم کو بے نقصان پہنچانے کا۔ اس لئے اخبار میں حضرات کو اس سے بچنا لازم ہے +

اسٹنٹ ایڈیٹر



اصول ادب

راہنہ راتھ تیگور کے ایک مضمون کا ترجمہ
(براہ راست بنگالی زبان سے)

از جناب ڈاکٹر ایم ضیاء الدین امرتسری

شہزادی کا محل بھی کسی سائنس کی تجربہ گاہ میں نہیں۔ اور نہ کسی ایکٹ کی سرگرمی سے۔ شہزادی کا محل شاہزادے کی دل کی منت میں ہے۔ جہاں وہ ہمہ جا کونہ وال نہیں۔ جہاں شاعر کے تخیل کے سایہ تلے سدا پھول کھلے رہتے ہیں +
جیسے شعلہ نہیں پہنچتی۔ جس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ جس کی قیمت اس کی ضرورت کے مطابق نہیں۔ جسے صرف دل ہی دل میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ وہ ادب میں مودنا ہوتا ہے۔ اور وہ جو لیاات کا نفع مضمون ہے۔ کوئی شخص بھی جسے سرور کی حس کا لکڑ حاصل ہے۔ وہ فن ادب پر کبھی یہ سوال نہیں کر سکتا۔ ”فن ادب تو کیا ہے؟“ کیوں ہے؟“ بلکہ وہ کہتا ہے ”ادب تو جو اور جو کچھ بھی تو ہے میرے لئے بس ہے۔ نہ یہ وہی بات ہے جو شہزادہ نے شہزادی کے کان میں کہی تھی۔ اور یہ انہی الفاظ کو جمع چا مہینا لگے گئے تھے۔“
نصائح شاہجہان نے تاج محل تعمیر کیا!

ہم صرف اُس شے کی تعریف کر سکتے ہیں جسے لپا جا سکتا ہے۔ اور جو کچھ ہمارے ہاتھ کی گرفت سے باہر ہے۔ اُسے تعذرا دریافت نہیں کیا جا سکتا۔ اُسے شاہد سے حاصل کیا جاتا ہے۔ آہستہ میں ہے ہم لکھو و جوتی کا قرب لفظ ہل کر حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم اور اراک سے اُسے جان سکتے ہیں اُسو ہم صرف باطنی، لنگھی سے پہچان سکتے ہیں۔ جس کا نتیجہ سرور ہے۔ اور جس کے ہوتے ہوئے خوف نہیں رہتا۔ ہمدی روح میں اُسے مشاہدہ جو جلد از جلد حاصل کرنے کی توفیق موجود ہے۔ اور یہ اُسی ذات کے مشاہدہ سے ہے کہ ہم اپنے آپ کو پہچانتے کے قابل ہوتے ہیں عشق، مراقبہ اور وہ مختلف جو اس سلسلے کو مشاہدہ ہے۔ ادب میں ظاہر ہوتا ہے۔ خوب انہی میں اس کا کشف حاصل ہوتا ہے +

پہلوں کی گمانی میں جاسکوس کا لڑکا۔ سوداگر کا لڑکا اور بادشاہ حرمہ۔ تینوں شہزادی کی تلاش میں خلوناک سفر اختیار کرتے ہیں۔ تین مختلف پہلوؤں سے تین قسم کی ذہنیاتیں اُس حقیقت کو جسے شاہزادی اپنی شخصیت میں پیش کرتی ہے۔ دریافت کرنا چاہتے ہیں +

ان میں سے ایک نوکریہ اور تقسیم کے ذریعہ حقیقت کی بھان میں کرتا ہے۔ شہزادی کے طلب اور تین بدن کے پوشیدہ راز کو بخونڈا پھینکتا ہے۔ شہزادی اس اصول تحقیق کے مطابق کسی دوسری لڑکی سے مختلف نہیں۔ وہاں اور شہزادہ کی میں اعتبار نہیں۔ جاسکوس کو جذبات سے تعلق نہیں۔ وہ جذبات خود فلسفی جو یا سا ناسدان اس کے نزدیک ضرورت اور محنت کی بھی قیمت نہیں۔ وہ صرف افس سوال کو دیکھتا ہے +

شہزادی کا ایک دوسرا راز بھی ہے۔ اس راز سے شاہدہ کر کے والا اُسے کسی ضرورت اور ذریعہ الواقع کے خیال سے دیکھتا ہے۔ خلافت ہند کی کا تھی ہے۔ کاروائی سے۔ اور تہی ہے۔ سوداگر شہزادی کا چہرہ پھرا دیکھتے ہے۔ کو لڑ پر میٹھے اُس کا بننا دیکھتا ہے۔ اور سیتے وقت اس کی سوئی کی حرکت کو دیکھتا ہے۔ سوداگر کی نظر میں بھی جذبات کی اہمیت نہیں اور نہ ہی اس کا مفید کسی سوال کا حل دریافت کرنا ہے۔ وہ بالکل بے گناہ ہے +

بادشاہ کا بیٹا ہر تعلیمات نہیں۔ غلط ہے بہرہ ور نہیں۔ اور نہ اُسے علم امتدادی کا کوئی امتحان پاس کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اُس نے جو کچھ بھی سیکھا کیا ہے وہ اس کا بیٹوٹاں پر جس ہے۔ اور صرف انھوں ہی میں پائی جانے والی جسمانی قوت۔ شہزادے نے بہت سے دشوار گزار راستے طے کئے ہیں۔ علم کی جس کے لئے تھیں۔ اور نہ ہی خزانوں کو لٹا۔ لگے لگے لکھ شہزادی کے لئے اس

کرتے ہیں۔ اور یہی وہ نقطہ سمجھا ہے جو کائنات فصاحت میں ہماری زبان میں ہمارے آداب و اخلاق میں اپنی بہار دکھاتا ہے۔ ہمارے اندازِ تکلم میں۔ ہمارے لہجہ میں۔ ہمارے رسم میں۔ ہماری خوش آمد میں۔ ہماری ادبی تحریر میں ہم اپنے دوست کو رنگین اور مرتع الغاظ میں باکرتے ہیں جن کا مقصد ان الفاظ کے معانی میں نہیں ہوتا۔ بلکہ ان الفاظ سے پیدا ہونے والے پیغام کے اس احساس میں ہوتا ہے جو الفاظ کے وزن اور ترقق کی گونج سے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ شکل اور کیفیت وہ صورت اور تحولات حواس۔ لال سے ثابت نہیں کئے جاسکتے ادب میں رُو نہا ہوتے ہیں +

انگریزی زبان میں بے (e e) صنفی کتے ہیں۔ وہ ہماری زبان میں (سازشک) خصوصیتِ ممتاز کہلاتی ہے۔ عام حقیقت یا واقعیت ایک بات ہے اور مخصوص حقیقت ایک دوسری چیز عام قسم کے حقائق میں تخصیص نہیں ہوتی۔ یہ صورتِ متاز حقیقت ہے جو مخصوص اور متعجب ہے۔ ہر قسم کے انسان ایک عام حقیقت کے زمرہ میں شامل ہیں۔ لیکن کسی خصوصیت کی بنا پر انتخاب ہو یا اولاد ان گزروں میں ایک ہوتا ہے۔ جب دایک نے اپنے جذباتِ رحم کی خد پیر غیب پرکٹ سے لفظ نکالنے پر مجبور ہوئے تو یہ صرف کشی ناؤ کی دوسے تھا کہ وہ ایک عام شخصیت کے انتخاب میں کامیاب ہوئے۔ جہی شخصی خصوصیت دایک کے اشعار کے وزن اور ترقق کی مسخری ترقی دایک جاسکتی تھی +

میرا یہ مقصد نہیں کہ امتیازی خصوصیت کا قلم اکر لکھے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جو شے میرے لئے کسی خصوصیت کے ساتھ حقیقی نہیں کسی شاعر یا فن لطیفہ کے لہجہ کی دینا کے حقائق اپنی حدود میں بہت وسیع ہوتی ہے۔ وہ چیزوں کی مختلف اقسام کے حقائق سے ان کی جدیدیت کو پیدا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر شے جس قسم کسی حد تک اپنے اندازہ کمال کا شاہد ہو کر تھیں وہ ہمارے لئے خصوصیت کے ساتھ حقیقی ہے۔ رنگ کا ایک ذرہ میرے لئے کچھ بھی نہیں۔ لیکن کنول یا بھول ایک یقینی قوت رکھتا ہے۔ گویا بان کی رنگ پر قدم پر میری قوت میں غل ہو۔ میرے پاؤں میں آجے پید اکرے۔ آنکھوں میں گرے حتیٰ کہ بے منت سے دانستہ پینے لگوں پھر بھی رنگ کا ایک ذرہ کوئی یقینی خصوصیت نہیں رکھتا۔ کنول کو میری ترجیح حاصل کرنے کے لئے ڈاکو میری آنکھوں میں گرنے کی زحمت گوارا نہیں کرنا پڑتی۔ میرا دل ہی کنول تک پہنچ کر خوش آمد پر عرض کرتا ہے میں ایک مثال سے تمہارے کہ ان انسان کہوں کہ ان میں جب کسی مطلب سے کوئی بات نہ کہتا ہے تو اس کے لئے رنگین الفاظ کا انتخاب کس احتیاط کے ساتھ

وہ تجاہد جو دلوں سے محسوس ہے میرا تجاہد ترقی و ترقی ہے۔ وہاں فرید و ترقی ہوتی ہے۔ وہاں زمین کا گویا گزروں کے حساب سے لیا جاتا ہے۔ اور دیا جاتا ہے۔ ہمارے آسمان میں شہر ہے ہیستار سے جلیگہ رہی ہیں۔ اس لامحدود فضا کا مشابہہ ہم اس ذوقِ نفس کی بدلت کرتے ہیں جبکہ خاصہ اور محسوس میں اس لطیف پائانت۔ یہ فضا لامتناہی یا ہیکڑا وسعت ہماری جسمانی ضروریات کے لئے محض بے کار ہے۔ وہ کمرے جو ذم کے اندر رہتے ہیں۔ اس ضرورت کی نفی کرتے ہیں۔ اسی طرح آدم کی ادلاؤنی بھی ہے جس کے لئے آسمان کا سر پر نہ ہونا چندان تکلیف کا باعث نہیں۔ ان کے دلوں کی دھڑلہ وہ جذبہ جو ضرورت کے نفس کی سناخوں سے باہر پڑ چکا ہو سکتے کے بغیر زندہ نہیں۔ سکتا ہو چکے۔ اسی قسم کے مزہ سے تھک کر شاعر یہ دعا مانگتے پر مجبور ہوا تھا۔ "اٹھی جھمے لیے جس اور ہنجر وہ جن کے سامنے لطیف اور مسرت و فراساں پیش کرنے کی مصیبت میں بند نہ کرنا"

لیکن کیا جہاد کا دل جس میں ہے۔ وہ شہزادی میں اسی لامحدود کو پاتا ہے۔ جو سدا جلیگہ لے لے آسمان میں ہے۔ شہزاد کا دل اس شہزادہ کا جواب بھی اسی انداز میں دیتا ہے۔ جو اس قسم کے کمیت کا حق ہے۔ لیکن دہرلوں کا مساک اور ہے۔ اگر شہزادی کی نفی کی ٹھوک اور اس کی تال کو پاتا ہو تو اس لئے ان کے لئے مصافق نہیں کہ وہ ایکٹین کی قوت کے لئے کھینچے۔ اور اگر جھمکے لے کہ وہ خود شہزادی کا اپنے ہاتھوں سے لکھا ہو۔ انکھیں میں۔ کے پیروں میں لفظ کو کر لیتا ہے۔ یہیں کہ شہزادہ کو بھی خواب میں بھی توجہ نہیں سکتا۔ کہ زمین کے کمرے شہزادی کے ہاتھوں میں ہونے جاتے ہیں۔ اگر با فرض حال وہ اپنا خواب دیکھے تو دہشت سے جو تک اٹھے اور جب وہ بیدار ہو جائے تو صرف اس موت میں کہ مونا روتے زمین سے ناپید ہو جاتا ہو۔ وہ خواب کی تلخی کو ناش کرنے کے لایچکا ہے

آپ، قیاس آسکتے ہیں کہ شہزادیت میں فضا کے کھلنے کی صرف توجہ کیوں لگتی ہیں۔ فرید و ترقی کی علامت ہے۔ ہاں جو اپنی اولاد میں اپنی محبت کی، ان کا پانی ہے۔ وہ اپنے کتب گھر کے جسم میں اپنے سرور کی اٹھا کر پانی ہے۔ اس شہزادی ہے۔ اس کا شہزادہ گرتی ہے۔ اپنے خد شہزادہ کو ہم ایک محمد و خلفائے آخر سے دیکھتے ہیں۔ اس کی خداوت و خداوت ہے۔ ایک نہ، وہ ہم قی ہے۔ لیکن دوست کو ہم ہمارے عزیز و دربار سے متاثر ہے

اور یہ حقیقت کہ وہ کھا جا بیت ہے اور مشیاہ و خرونی کا ایک ذخیرہ نکلتا ہے۔
 اس کی شخصیت کو کسی امتیازی خصوصیت سے مزین نہیں کرتی۔ یہ بات کہ اس
 شخص میں کوئی خصوصیت ہے وہ اس ملاقات کے کمرے سے نشر کرنا چاہتا ہے
 اور اسی لئے اس کمرے کی آرائش کی جاتی ہے +

علم الحیات کی رو سے انسان اور حیوان میں فرق نہیں۔ جدا نہ ظاہر
 ہے۔ بقائے نسل کی ضرورت دونوں کی زندگیوں میں موجود ہے۔ لیکن
 انسان ان حقائق میں اپنی امتیازی خصوصیت کو نہیں پاتا۔ بھوک اور پیٹ
 مرنے کی عادت انسان میں کیسے بڑھتی اور ہمہ گیر کیوں نہ ہو۔ علم ادب کو اس
 سے سروکار نہیں۔ کھانے پینے کی عادت کیسے بڑھتی اور کیوں نہ ہو اور کیسے
 مکار اور قوار کے ساتھ برائیوں نہ ہو بلکہ یہ وہ حقیقت ہے کہ انسان
 کی خصوصیت ظاہر ہو سکے۔ کھا پینا اور بھوک مرنے کو اس نفع کو اس نفع کے
 سامان میں سے نہیں ہے جسے لطیف کے فرد کس میں بدل سکے +

تقدات مرد و زن کا درجہ تاویل خدائی ضرورت سے پہلے ہی ان تقدات
 میں ایک باطنی رشتہ موجود ہے۔ جس کے باعث دونوں میں قرب اور وحدت
 حاصل ہوتی ہے۔ حیوانی رجحان زندگی کی بنیادی ضرورت کے لحاظ سے ایک
 دوسرے درجہ کی چیز ہے۔ یہ رجحان اپنی بنیادی ضرورت یعنی بقائے نسل
 کی اہمیت سے گذر کر انسان کی وسیع تر زندگی میں بلند تر درجہ کی اہمیت کو حاصل
 کرتا ہے۔ کیونکہ عشق انسان کی زندگی کو روشن کرتا ہے اس کے ظاہر باطن کو
 متوا کرتا ہے۔ آگہی کی لطیف ترین باریکیوں تک اسے پہنچاتا ہے۔ یہ روشنی
 حیوانی زندگی کی ضرورت بقائے نسل میں نہ جوتھیں۔ لہذا اس کی اہمیت

سائنس کی حدود میں محدود ہے۔ دل کے میل اور قرب میں جو حقیقت ہے وہ نفرت
 کی اس بنیادی ضرورت سے الگ ہو کر اپنی اہمیت طبعیہ قائم کرتی ہے۔ اسی
 لئے ادب اور فنون لطیفہ میں اس خیال کو مقدمہ دست حاصل ہے۔ انسان
 کے لئے اس کے نوعی تقدت کا مقصد توسیع نسل نہیں جیسا کہ ہمارے عقائد
 کا خیال ہے (پراق کارنٹھان) اس کا مقصد تو انسان کو جس حیوان ہے۔ مرد و
 زن کے تعلقات کا مقصد غرض سے۔ اور اسی عشق کے لئے اس سے انسانی تعلق
 معنوں میں ان ہے۔ میں ظاہر جان کوئی اندلی نقطہ نفرت سے متعلق
 کر رہا۔ بلکہ انسان کی مدہ کی خودت اس کے مراتب کے لحاظ سے حیوانی کیفیت
 اور انسان کے غرضاتی تعلقات کی مدہ کی سمجھتا میں ایک دوامیت سے
 سبقت لئے جانے کے لئے جدوجہد موجود ہے۔ اور جو دور کی نہیں ادب

کرتا ہے۔ سہا پن کا بھول خواہم رقی میں کچھ کم نہیں لیکن شاعر جیک وہ معمول
 کے پادشاہ کی تخت نشینی کا جشن مناتے تو اس بار میں اس بھول کے نام
 کا ذکر بھی نہیں کی تو میں سمجھتا ہے۔ شاعروں میں اب اس کی وقعت نہیں رہی
 کیونکہ وہ انشا و خرونی میں شامل ہو چکا ہے۔ اس لیے کد اور بگین کے بھول
 بھی شاعر کی دمچہ کے دروازہ کے باہر سر ہکا کے کمرے رہتے ہیں۔ طبع
 نے ان کی ذات اور نعل کو بگاڑ دیا ہے۔ شاعر ہی نہیں بلکہ شعرا کے مروج
 بھی اپنی زب و ذہنیت کے لئے ان کا استعمال جاری ہے۔ اگرچہ اپنا
 کے بھولوں کا کون بھول ان کی زخموں میں اٹکا ہوا لعلیہ بڑا دکھائی نہ دیکھا
 آگندہ اور گندے بھول اگرچہ کچھ ایسے خوشبودار اور شورش رنگ نہیں
 ہوتے۔ لیکن مغل کی زب و ذہنیت میں ان کے لئے راستہ کھلا ہے۔ ہمارے
 جسم کی بھوک نے انہیں بھوکا بنائے ہوئے دیا +

ان حالات میں مصوری کو ایک گوندہ صورت حاصل ہے۔ معتدرا و قوت
 کے بوٹے کی گنتی سبز پوشا کی بناتے وقت سمجھتا نہیں۔ جیک اس کے نام
 کا ذکر ہر شاعر کے قلم پر بار ہوتا ہے جن الفاظ کی آواز سے لعلیہ تصویریں
 نقش پیدا ہو لیا اوقات وقوع الفاظ کی حد سے ان کی حد و قیمت کو گرا دیا ہے
 کیونکہ خیال رنگ نہیں بگاڑتا اسے جو شاعری کی روح رواں ہے۔ نیچے
 شاعری کی رسم و رواج کے پابند ہونے کا نتیجہ مل نہیں۔ جب بھی قلم رونا
 الفاظ کو اکثر استعمال کرنا پڑتا ہے۔ یہ پھر پھر کا مقصد کواد اگر تاہوں کی کوئی
 لفظ اس استعمال نہ ہو پس پردہ زور کی ضرورت کا شہرہ پیدا ہوتا ہے۔ اس جگر
 یہ کہ نہ بجانہ ہو گا کہ غری شاعری اس عینا کی پائید نہیں ان کے بیان قصار
 میں لفظ اوام نام کا نہیں بلکہ معنی کا جگر ہے +

جو کچھ بھی ہو ایک تجربہ کی بات ہے کہ ہم اس نے کا کا خط مشاہدہ
 نہیں کر سکتے جو ہمارے روزمرہ کے استعمال میں آتی ہے۔ اس پر ہماری
 ضرورت کا سایہ پڑ چکا ہوتا ہے۔ ایک غامضہ کے لئے اس کا بار ہی غامضہ ایک
 ہر روز کی ضرورت کا کمرہ ہے۔ لیکن یہ وہ کمرہ ہے۔ جسے وہ عام نظروں سے چھپا
 کر رکھنا چاہتا ہے۔ اور اس کی ملاقات کا کمرہ جس کے بغیر وہ نہیں
 ایک ایسا کمرہ جس میں پردہ تمام سامان زب و ذہنیت ختم کرتا ہے۔ وہ اس
 میں قائلین سمجھتا ہے۔ تصویریں آویزاں کرتا ہے۔ خوبصورت انشاء کو قلم کر لے
 + کہ کس کمرہ کو ناگزیر بہت نصیب ہو سکے۔ وہ اپنے حقائق کے کمرہ کی دہانہ
 سے باہر کی دنیا میں پہنچا جاتا ہے۔ اور اسی میں اس کی شخصیت کی قدم قدم

ہے۔ جس طرح رشوریش کے جھکا رہ جان شہرانی تھا۔ اور وہ ادب میں کسی بلند مرتبہ کو حاصل نہ کر سکا۔ موجودہ زمانہ کی سائنس کے تعجبوں کی یہ شدت بھی قائم نہیں رہ سکتی +

ایک دقت تھا ہمارے ملک کی سوسائٹی میں آوارگی کا دور دورہ تھا۔ اور ہمارے ادب پر عرانی کی گھٹا چھائی جوئی تھی۔ لیکن یہ صرف ایک عارضی ٹھوکر تھی۔ موجودہ قارئین ادب اس مسئلہ کے ادبیات کو قابل اشاعت نہیں سمجھتے۔ اس لئے نہیں کہ اخلاق مانع ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اسے دائمی اہمیت نہیں دیتے۔ موجودہ نقادان ادب کچھ دنوں سے پھر وہی پرانی روشنی اغیار کر رہے ہیں۔ پرستش جسم کی بے اعتدالیان جو مغربی ادب سے ہمارے یہاں منتقل ہو کر آ رہی ہیں اس قسم کے ادب کو وہ انعام ادب کے کافستہ مادہ ادب میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن شاید وہ بھول جاتے ہیں کہ کچھ دائمی ہے وہ کبھی۔ بشری کی قطع تمدن نہیں کر سکتا۔ انسان کی ایسی نزاکت جس پر انسان کی حق پرستی کا مدار ہے۔ ادب کی یہی امیرانہ شکوہ ہی دائمی ٹھہرتی ہے اور یہ صرف سائنس کے سحر کی پابند جہودیت ہے۔ جو نزاکت ادبی کو کمزوری خیال کرتی ہے اور شہوات جسمانی کی گر سسگی کو ادب کی جان سمجھتی ہے +

موجودہ تہذیب کی اہمیت کی مثال مولیٰ کے اُس تنوار سے دیکھ سکتے ہیں جو چیت پور (کلکتہ) کے آوارہ گردوں میں رائج ہے۔ مولیٰ کے اس گیل میں یہ لوگ سرخ رنگ نہیں چھڑکتے۔ مگرتے نہیں۔ ہنسنے کیلئے نہیں۔ بازار کے کچھڑے ٹھکے ترکے کے ایک دو سے پر کچھڑ پھینکتے ہیں۔ راگزاروں کو کچھڑ سے آلودہ کرتے ہیں۔ ان کا مقصد رنگا نہیں بلکہ آلودہ کرنا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ یہ ذہنیت انسان میں موجود نہیں۔ علم فیت جدید کے ماہروں کو دعوت ہے کہ وہ اس ذہنیت میں غور و خیر ہو کر اس کی تخلیق کریں۔ نیزا و تراض و تعاون کی اس خواہش پرستہ وہ جبار کے خواہش میں ایک دوسرے کو آلودہ کرنے میں مصاہر کرتے ہیں (دیکھو تو انسان کی حق پرست طبیعت کا نتیجہ ہے) یہ نہیں کہ جو کچھ بھی۔ ایک کرتے ہیں۔ بیچ نہیں بلکہ یہ کہ مناسب نہیں +

وہ لوگ جو کہ ادب میں خرافات کی موجودگی کو بوجھنے میں لگتے ہیں ایک ذہنیت نہیں ہوتا۔ بالکل ایسا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہمارے جہود پورسی کے توار میں جب بتوا۔ پرستی کے عالم میں طبلوں کو پیٹ کر ایک لامتناہی طوفان برپا کرتے ہیں۔ اور ان کے جوانی غرے جو کسی ایک شہر کی بغیر شہر مال کے ایک لامتناہی گھوڑی سے۔ کیا یہ باطل و فخر دہی نہیں کہ ہم پڑوسیوں سے جا کر

اور نون لطیف سے اپنی فتح کے سہرے کی جگہ کریں۔ جدید علم فیت کے ماہروں نے ایک اور پیچیدگی پیدا کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حیوانی رجحان بھی انسان میں نہایت گہرا ہے اور انسان کی ذہنی زندگی کا مدار اسی پر ہے۔ سائنس کے اس معقولی کی اہمیت کچھ بھی کہوں نہ ہو۔ لیکن فی لطیف اور ادب میں اس جذبہ کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ ادب اور فن لطیف کا مقصد انسان کے ذاتی مینا کے مطابق حقیقت ازلی سے تعلق رکھنے والے جذبات مسرت زائد کے مختلف مدارج کا حصول ہے۔ یہی کیفیت اخلاق کی ہے۔ نوعی تعلقات کی بناء پر جو سوال ادب میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا حل سائنس یا اخلاق کی روش سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ جمالیات کی روش سے۔ اور اسی علم کو حق ہے کہ وہ فیصلہ کرے اس حقیقت کے کس طرح کی انسان پرستش کرے گا۔ اور اسے لازوال اہمیت حاصل ہوگی +

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر زمانہ میں چند واقعات ادب پر ایسے گزرتے ہیں کہ وہ ادب کی امتیازی خصوصیت کو عارضی طور پر چھپا لیتے ہیں۔ اس عارضی قسم کی ٹھوکر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے ادب میں اپنی بگڑ کا کھسکے۔ فی قسم کے حادثات کی طبیعت ہی پر واز کرنا ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے پانکی جنگ غلام نے وہاں کی شاعری کے پانی کو لگا لگا کر ہی دیا تھا۔ جب انسان میں عقائد کے بعد مطلق انسان کا دور آیا تو اس دور کے بحارات نے اس زمانہ کے ادب کی فضا کو بھی مکھڑ کر دیا تھا۔ لیکن یہ مکھڑ اپنی طبیعت کو بنا نہ سکا۔ یہ اسی روشنی کے وجود کو ثابت کرنا رہا جسے وہ پوری طرح چھپا نہ سکتا تھا۔ ازمنہ و مہل میں کلیاتی طاقت نے اس قدر غلبہ حاصل کیا تھا کہ وہ اس کو گھلا گھول کر مار ڈالنا چاہتی تھی۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ سائنس اپنی جگہ خاص اہمیت اور بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ اور مذہب سے بھی کسی رشتہ کی رشتہ نہیں۔ آج کے واقعات اس کے خلاف ہیں۔ اور ادب یہ سائنس نہیں ہے۔ جو ہمارے ذہنی کے ہر پہلو پر تسلط ہونا چاہتی ہے۔ اس نئی حاکم کی مولیٰ طاقت اور طاقت کی بناء پر وہ اپنی محدود سے باہر چھو کرنے سے بھی بکچھ سائنس کی کوئی شخصیت نہیں۔ اس کی صحبت فرما کر انداز تحقیق ہے جب ہی اس کا نفرتی اور عالمگیر ترستہ بند ریج ادب کو بھی مبتلا چلا جاتا ہے۔

انکار ادب کی ہر جانب داد نہ تعلق پر ہے۔ اس کا بلند چٹا غم خاص روی کے مطابق انتخاب کی آزادی ہے۔ اور سائنس اور اسی پر حاکم رہی ہے مغربی ادب جو کہ شہرانی تحلیلات سے محو ہے اس کا اندھ بھی سائنس ہی کی جلی جتجو

محبت اور شکستہ دلی

”از جناب“ عطار دہ

(۱)

زندگی سے کنارہ کش ہونے کے مترادف ہے (۲)

شکستہ دلی کے کئی اسباب و علل ہیں — تجارت یا کاروبار میں ناکامی، دوست احباب یا رشتہ داروں سے اُمیدی، اپنے سینہ جذبات کی مایوسی کے بحرِ سلاطین غرقانی وغیرہ — لیکن یہاں شکستہ دلی کے اس نتیجہ سے بحث کی جاتی ہے جو معاشقین، ناکامیابی سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو تمام نقصانات سے خندید ترین نقصان کی حامل ہے جس کی تلافی کو کسی طرح ممکن ہی ہے اور نہ اس کا احساس زندگی کی آخری سانس تک محسوس ہو سکتا ہے جب یہ تسلیم ہے کہ ہمیں اس سے بے لایہ مراد ہے، اس کی تکلیف اور کرب محسوس کرتے ہیں، اس کی انگو اعلیش سے جبراً راقم ہوتے ہیں، تو ہمیں وقت اس کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہمیں اس موقع پر یکدم رد تسکین، کتنی اعانت اور کبھی رفاقت درکار ہے +

بطور مثال ایک مست شباب کا مقدمہ لیجئے، یہی وہ زمانہ ہے جو عمر کے ایک حصہ میں نہایت دلچسپ اور رغوب ہوتا ہے، کیونکہ بوجھ کے بیشتر اس کی ذہنی اور جسمانی زندگی میں آن نماں تغیرات اور واقعات کا بھوم ستر میرا رہتا ہے جہاں اس کی فطرت کے روحانی اور جذبی اسرار آہستہ آہستہ رونما ہوتے ہیں اور بعد بوجھ کی انکشافات عملی دنیا میں کامل نمود کا پہلو اختیار کرتے ہیں۔ اسی زمانہ میں اس کا کسی کی محبت میں مبتلا ہونا اور محبت کی اسی موسم میں شکستہ دلی سے دست و گریبان ہونا بھی لازم ہو جاتا ہے، ان نہات کے بعد ”بعض اور رنگ“ کا معرکہ آرا حلقہ ہوتا ہے، ایسی حالت میں (اگر وہ) بھی فی الحال کتنا حسرت و حسرت سے اس کا اپنی جانی پر گریں جانے کی حسرت و حسرت داستان کا آنا یاد شکستہ دلی کے محرک کو موت کے گھاٹ اُٹھانے کا لہجہ شروع ہوتا ہے۔ وہ دل ہی دل میں گڑھنے لگتا ہے، اس کے تردد و تذبذب چہرہ پر نمودار ہوتا ہے، پشیمانی و شجون لہجہ سے اس کا دل کدڑا اور غافل کیہ ہو جاتی ہے۔ جس کی ذمہ داری اور غفلت سزا جی سود گردانہ کا بھی مرتبہ اور ہے

شکستہ دلی ایک ایسا ”جذبی ٹکڑہ“ ہے جس سے ہر انسان کو اپنی زندگی میں کسی کسی وقت سابقہ پڑتا ہے۔ اور ہمیں ایک نہ ایک دن یہ معلوم ہوگا کہ ”دل کے ٹوٹنے“ سے کیا مراد ہے۔ اور نظامِ کائنات اس امر کا شاہد ہے کہ انسان (خواہ محبت ہو یا مرد) اس ناکوار احساس سے ضرور دوچار ہوتا ہے — جو کبھی کبھی اس کے آئینہ دلی کو بالکل پائش پائش کر دیتا ہے۔ شکستہ دلی وہ تلخ ٹکڑہ ہے جس کے لئے لشکرِ حیات ہر وقت ”سامانِ سد سزا نکداس“ لئے رہتی ہے۔ یہ جذبہ انسان کی حیات علی کا ایسا اجمہ جز ہے جو جس کے دستِ گنغ سے زندگی بھات ہی پا سکتا ہے نہ مستقبل ہو سکتا ہے + لیکن لامل انگیز واقعہ تو یہ ہے کہ شکستہ دلی ناخود ارادہ مان کی طرح فروکش ہوتی ہے جس کی میرزائی کے لئے پہلے سے کوئی تیار نہیں رہتا۔ بلکہ بعض وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں اپنے ماحول سے یہ جذبہ جزا پیدا ہوتا ہے، اور ہم مجبوراً اسے قبول کر لیتے ہیں — کیونکہ اس کی نوعیت منجھواں تجارتی حیات کے ہے جو لہذا ملامع اظہام جذبات کو بری طرح اپیل کرتے ہیں — ایسی حالت میں انسان قطعاً قابلِ رحم اور بے بس ہو جاتا ہے۔ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو بالوس ہی نہیں ہوئے بلکہ اس جذبہ کی غلط فہمی سے خائف ہو کر دیگر ناگوار جذبات کی گھنگھول کی غیبات میں اور بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی افراد اپنی برائیوں کو چھپا کر حیات کے باسے میں ایک نفرِ زب تصور پیش کرتے ہیں۔ لیکن حیات ان کے ساتھ ستم ظریفی کرتی ہے۔ ان کے سرسبز احداث پوشیدہ عزت کی تہ تک پہنچ جاتی ہے، اور ان جذباتِ نہاں کے ساتھ ریشہ دوایاں کرتی ہے۔ جو دبے ہوئے اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں (بالفرض حیات اس قسم کی سرگردانی سے عاجز بھی ہے تو وہ ایسے ناگوار اثرات اپنے ہمراہ لاکھ لاکھ علم میں مزید اضافہ نہ کرتی ہے، جس سے بھر رہا

احساس کو محسوس نہیں کرتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان تاثرات سے کم متاثر ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے "مشق و حیات" کا تصور بھی جدا کا جدا ہے۔ ان کی زندگی کا نصب العین "طریقہ یا تماشہ پسندی" کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان کی حیات منہ مشق کی کامیابی میں اپنے معنی یا مطرب اور عہدہ کھلاڑی یا تماشہ پسند کی ضرورت ہے۔ ان کی حیات عام بھی نہیں ہے۔ کھیلو اور اچھے کھلاڑی بنو! کھیلو تماشے میں! کچھ بول! طفت اٹھادو! اور آگے دنوں ان کا تیرہویں ہونے ہے جس طرح یہ لوگ کھیل کے میدان پر ان فقرات کو مضیق کرتے ہیں۔ اس طرح میدان حیات پر بھی ان کو مطالبہ کرتے ہیں۔ اس طرح یہ زندگی کے ہر صحنہ کا خذہ روٹی سے تقاریر کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ سائنس دان کی جڑ و حیات ہے اس کا واقعہ ہونا یا بد ہے۔ اس کا نگرینہ عنصر کار کا چھوٹی میں شامل ہے۔ پھر کیوں زندگی کے بغیر دن اور رات کیوں کے گذار دیتے جائیں +

گرجیات کو ایسے لودھب کے اصول پر کار بند کرنا آسان نہیں اور نہ جیش فراخ دل سے اس بحث کو مرکز حیات قرار دینا سہل ہے۔ تاہم اس مسئلہ اس کھلاڑی کے مقابلہ ہے جس نے کھیل کے دو شاندار مقابلہ (میں شکست آٹھائی ہو۔ انجمنیاداد مارکر کی ہر دو خیزہ جو تا کام زرد ہے۔ غنایت دلچسپی سے ان قوانین کو نتیجہ کرتی ہے۔ وہ ہر وقت شوخی کساں خوش مع نظر آتی ہے کہ کوئی سمجھنے والا اس کی اداؤں کا گرویدہ ہو جائے۔ لیکن اس عریاں شوخی اور خوش طبعی کے پس پردہ اس کے کام احساسات اور مجروح جذبات ترپتے رہتے ہیں۔ جس کی بے چینی اور ہمتیاری کا پتہ تک نہیں چلتا۔ تاہم عہدہ مسٹ مشابہ اپنی رعنائیوں کی دنیا کو کھلنے والی سیر سے نامید یوں کا ہر گراں برداشت کرتی ہے +

کھلاڑا (میں شکست آٹھائی ہو۔ انجمنیاداد مارکر کی ہر دو خیزہ جو تا کام زرد ہے۔ غنایت دلچسپی سے ان قوانین کو نتیجہ کرتی ہے۔ وہ ہر وقت شوخی کساں خوش مع نظر آتی ہے کہ کوئی سمجھنے والا اس کی اداؤں کا گرویدہ ہو جائے۔ لیکن اس عریاں شوخی اور خوش طبعی کے پس پردہ اس کے کام احساسات اور مجروح جذبات ترپتے رہتے ہیں۔ جس کی بے چینی اور ہمتیاری کا پتہ تک نہیں چلتا۔ تاہم عہدہ مسٹ مشابہ اپنی رعنائیوں کی دنیا کو کھلنے والی سیر سے نامید یوں کا ہر گراں برداشت کرتی ہے +

بیان کرتی ہیں کہ وہ کیرل نامی ایک حسینہ دو خیزہ سے واقف تھیں۔ ایک دھند جب اس نے اس کو دکھایا تو اس بات کا اعزاز اگاہ کیرل کے حسن کی شہائیں آغوش عشق میں سمیٹتی ہوئی تھیں۔ اس کی مسسوم سترتیں سترتیں کر اس کے ہونٹوں پر ایک امید افزا عشرت کا نیا موان پدا کر دی تھیں۔ اس کی مسکراہٹ میں تمام کائنات کا عجز بھلاں چلا کر لیں تھیں۔ اس کی طے جتنی کا پسینہ ایک سینا دارا مارنے اپنے کو سنا گئی تھی۔ اس کی سحری اور تیرہویں سے آوازوں کا کس کا ٹوہڑا تماشہ پسند نہیں تھا +

سگواروں کے آئینہ پیدا کئے۔ تجمانی اور غزل نشینی کو موس بنالیتی ہے۔ وہ صرف لذت و عیش سے ہی منہ نہیں موڑتا۔ بلکہ حیات کو جلد از جلد ختم کرنے والا نہ ہر بلا گھن اپنے دل میں یہ درخش کرنا رہتا ہے۔ اس یوں زندگی میں گھل گھل کر قریب موت کے لئے خطرناک سامان بننا کرتا ہے۔ ایسی حالت میں خود کشی کا فکرات کے پھسپ کھیلوں میں موبلی اور سادہ کیل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کیس وقت یونان میں خود کشی ایک کھلونا تھی۔ اور ہر شخص جب چاہتا تو وہی مرگ سے بچنا رہا ہوا مادہ ایک استعارہ سے خود کشی کی لذت کو یوں بیان کرتے تھے :-

”جب کچھ اپنی ماں کے ایک پستان سے اچھی طرح میٹھیں
ہوتا۔ اسی وقت اس کو دوسری جانب لانت نصیب ہو جاتی
ہے۔“

اس طرح حیات بعد الموت میں مکالفت معائب — راحت و نشاء بن جاتی ہیں۔ اس ملک کے ماہرہ کے نشان قدم کرتے ہیں کہ ان کی نابت انہیں کس طرف لے جا رہی ہے۔ مگر کس سے پلٹنے والوں کے نشان قدم کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ دستور اس ہادیشہ کی حیات ہے جس کی مزاج چرسی کے لئے جتنے بھی گئے اگر کس کے لئے بچو خیزہ مار چھوٹ گئے [دور حاضر میں لوگ موت کو تیل از وقت نہ دیکھتے ہیں۔ ہر گز نہ دیکھتے ہیں۔ عہد جدید میں نوجوان افراد کا یہ دستور ہو گیا ہے کہ جب ایک شخص اپنے دل کے ٹوٹنے کے باوجود سیاب کی طرح نہ مضطرب و متناہ رہتا ہے اور نہ اپنے چہرہ سے پڑھو گی اور اس کی زندگی کے آئینہ ہوتا ہے۔ تو یہ ادائے خاص اس کے اتناے جس کے حق میں دلیل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ انسانی جذبہ کے شکار ہونے سے فاعلی جذبات میں گھوس رہنا ہر سہیتے ہیں۔ کیونکہ خوشی و غم سے زندگی بسر کرنا ہی سترت کا پسند ہے +

آپ آئی یا زائس کا کوئی روز ناچہ دیکھنے کے لذت و دھات کے کالم میں ہر دو کیس پٹ (عشق کے دیوانہ کی یادگار) پر کتنی جاں قربان ہوتی ہیں اور سترتوں سے عاجز ہو گئے ہمارا خود کشی کی تیغ پر پیدار ہوا کھاتے ہیں۔ (وہاں یونانیوں کے دستور کی پیروی اب بھی جاری ہے) مگر انجمنیاداد اور ترکیہ اس رواج کی پابندی خلاف فطرت سمجھتے ہیں۔ ان کے نظام حیات میں اس شیعہ کا دخل ہی نہیں اور نہ یہاں "کنجشہن حسرت" کی کوئی فہرست بھی مرتب ہوئی ہے۔ مگر اس کا مطلب نہیں ہو سکا کہ لوگ اس

کیرل! اس نے دلاسا دیتے ہوئے اٹھانا ادا کر میں کہا "مرزا نا تو بہت سہل ہے لیکن نا کام مردوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا مشکل ہے تم خوش نصیب ہو کہ تیرا سیزمیں ایک پر موزوں گدا نزل ہے"۔

(دراہل کسی وجود کی کچھ وقعت و قدر تھی نہیں۔ جب تک وہ کسی سے گفتگو نہ کرتا ہو۔ اور اس کو مالیشی، مبارزت میں غالب آنے کی کوشش نہ کرتا ہو۔ عیش بے انتہا س کی وسعت کو محسوس نہ کرنا اور صرف ایک ہی مقصد پیش نظر رکھنا۔ ایک ایذا ریزی اور باپس نخواست ہے۔ انسان کی حیات معاشقہ کا پہلا دور (خواہ وہ عیش و لذت کا دیوار بج و دم کا) بہت جلد ختم ہو جاتا ہے کوئی یہ یقین نہیں کر سکتا کہ ہمیشہ اس کی شش حیات طوفان فتنہ مند میں مبتلائے گرداب و آلام رہے گی اور نہ کسی کی زندگی اس امر کی ذمہ دار ہو سکتی ہے کہ وہ ہمیشہ راحت و مسرت کی گویوں میں کھینچی رہے گی)

تکارا کہتی ہے کہ کیرل اس کی گفتگو سے متاثر ہو کر خواب گاہ میں آرام کی خاطر چلی گئی جب تسبیح ہوئی تو اس نے درپچہ خواجگاہ سے طلوع آفتاب کی جھلکی شعاؤں کو دیکھ کر کہا:-

"آہ! آج دوسرا دن ہے..... میں خوش ہوں کہ میں زندہ ہوں؟"

اس واقعہ سے ہم کو یہ دکھانا مقصود ہے کہ کیرل در و درم کا تبادلہ کرتی ہوئی جذبات کی گفتگو پر غالب آگئی۔ خیالات کو طبع کیا سنا دلی کو حریف زندگی کے بجائے حلیف حیات قرار دیا۔ شکست دلی کی لذت کو محسوس کیا اور اپنے کو اس امتحان میں کامیاب ثابت کیا۔ اگر وہ ضعیف قلب اور کمزور خیالات کا فخر اٹھاتی تو یقیناً اس کا بھی نام "فدربست کشمکش حسرت" میں نظر آتا۔

پس اگر ہماری رائے خطا نہیں کرتی تو ہم یہ سفارش کرتے ہیں:- احساسات تلخ کا ذائقہ ضرور چکھیں۔ حیران کے آگوار اثرات کو کھارنا کریں۔ بلکہ خندہ روئی سے ان کیفیت کو بدلنے کی کوشش کریں، انہی افروغی پر غلبہ مزاجی میں تھول کریں۔

(۲)

افسانہ استاد نے عشق میں نہ کامیابی کی عذریہ ضرب کس طرح برداشت کیا "جب تم افروغ نہیں تو غور غشت کیا کرے" منشی افسانہ: اس کو لکھے تو وہ نہیں دیا کرے" اور گنگواری

آنکھیں کامیاب خوابوں کی نمایاں تیسیر سے لبریز نظر آتی تھیں۔ اس وقت وہ ایک شیریں کام اعتبار اور مخفی لذتوں کے مخلوط احساسات سے "غاذرہ پرخا" دکھائی دیتی تھی۔ چنگام خرامہ ایسی صدام ہوتی تھی کہ موسیقی کے مجسم میں روح کا لطیف نقشہ قلم کر رہا ہو۔ اس کا ہر قدم محکب انسانا طہر حرکت کیفٹ نواز۔ اس کا ہر راجہم خوشی کے گوارہ میں مچھول رہا تھا۔

تھیں نہیں معلوم کہ میں کسی کی شہیدانی ہوں؟ اس کے ان الفاظ میں ایک آہنا کار تر م تھا۔ لیکن ایک دن جب تکارا نے اسی کیرل کو دیکھا تو اس میں غضب کا حیرت انگیز انقلاب پایا۔ گویا اس کی دستاویز عشق کا ہر ورثہ پیرالم سرخیزوں سے ملبو تھا۔ اس کا حسن توں فرج کی آن بو قابو نہیں کے مانند تھا جس کی جھلک بادلوں کے نقاب میں چھپ گئی ہو۔ اس کا چہرہ دل میں جھپٹا لینے والے درون کا تصویر تھا۔ اس کی خنکازیں ایسی نقابت آگئی تھی جیسے ایک "تازہ فوہ" جس نے ہنوز تھوڑی سی ہن قدم بھی نہ رکھا ہو۔ اپنا تک جنگ کی اطلاع پا کر میدان کارزار کی حریت نہایت بے دلی سے چھوڑا۔ اس کی حرکت سے دلی کرب و مصیبت چمک رہی تھی۔ اور وہ مخصوص غم میں کھوئی ہوئی خاموش اچھا کر لیا جی ہوئی تھی۔ تکارا نے دھمکوس کیا کہ اس کو تب عشق سے نہایت نفع اور پرملاں دے گا۔ ابتدائی ملا تھا۔ اس نے کیرل کو جبراً اپنے دل میں ممان رکھا لیکن کیرل نے آہ یہ ہو کر ایک فنک لپٹ کر لیا۔

"خیزمیں! یہ مختلف کس صورت کے لئے؟ میں اس قسم کی زندگی سے قطعاً باز رہوں۔ میرا ضبط ناقابل برداشت ہو رہا ہے۔ میں اس دنیا میں بالکل تھما ہوں۔ اور مغرب اس دنیا کی بھی خاتمہ ہوا جاتا ہے"۔ تکارا نے اس کے ارادوں کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم محبت کے پہلے اذقہ کو استعارہ جد بے مطلق میں تبدیل کرنا چاہتی ہو؟ کیا تم ایسا ہی لڑکی جو اس قسم کے غم میں مبتلا ہو گیا تم اتنی خود غرض ہو گئیں کہ انہی زندگی سے سبکدوش ہو کر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو اپنے غم میں مبتلا کرنا چاہتی ہو؟ جبکہ تمہارا خیال ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ یہ جدا افتاد ہے؟ تو سن کر موت اس کا بھی خاتمہ کرنے والی نہیں ملے۔ نادان لکھ"۔ اب تو گویا کہ بکتے ہیں تو رہائیں گے۔ مگر کہہ جائیں رہا تو عمر بچائیں گے (واقعی

جاسے۔ لیکن اس معافی کے لفظ میں ایک دعوت مضمر ہے۔ خصوصاً جن کے لئے معافی کا انقباض ہوتا ہے۔ آپ اس سے احتراز کیجئے۔ اور ہر وقت خیال رکھئے کہ معافی صرف اس قسم کی جو رحم و رنجمن سکے۔ اس مرحم کی تلاش صرف غور کرنے اور سمجھنے پر موقوف ہے یعنی :-

”مجھ کو معلوم ہے کہ اُس نے کیوں ایسی حرکت سرزد ہوئی۔ جس سے مجھ کو تکلیف پہنچی۔ خیر! میں نے غور کیا اور معاف کیا!“

کسی شکستہ دل سے یہ کہنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کے رنج و فہم کے خاص اسباب میں سے اس کی ”غور و تجدید“ بھی ایک سبب ہے یعنی اس کا یہ بیان کہ تجھ پر میری زندگی میں جو کس قدر رہی ہے اور تیری بخائیں میں نے سہمی میں شاید ہی کسی کا تجربہ ہو۔ گو اپنے رنج و فہم کو کھلا کر کیفیت و کیفیت دوسروں کے درد و دکھ سے برتر سمجھنا۔ یقیناً یہ خیال بوجہ کی مقدار سے زیادہ رنجیدہ کرنے والا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا یہ کہنا (غور تو کیجئے) کس قدر صحت پر محمول ہے یعنی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اس کو جب مجھ سے محبت نہیں تو کیوں اتنی پیادو گری کی گئی؟ دراصل دنیا میں سب سے زیادہ شدید رنج اور کاری ضرب بجز اس کے اور کوئی نہیں کسی کو اُس کی محبت کے عوض مٹا سنا جواب دینا پڑ جائے۔ ایسے واقعات آپ کے اعتقاد و عقائد پر سکون نشا ط کی نہایت بے دردی سے سچ لکھی کرتے ہیں۔ غور طلب یہ ہے کہ ہر چیز سے اپنے مطلوب کی خاطر تواضع کی جائے۔ ہر زور و ایش سے خاطر خواہ تکمیل کی جائے۔ پھر اس کے سوا ذمہ میں یہ جو مسئلہ نکلن جواب ملے کہ ”آپ نے کیا کیا ہے؟“

لیکن اس درد کی دوا شاید یہاں ہر دست ہو جائے کہ — اس برتاؤ سے آپ کی وقت اُس کی نفروں میں داخل نہیں ہوتی۔ اگر آپ کو خود اپنی عزت و وقت کے زائل ہونے کا احتمال بھی ہو گیا ہے تو آپ سے کوئی پیار اور محبت ہی نہیں کرے گا۔ انسان بحقیقت انسان ایک قابلِ افکار اور مقدس وجود ہے۔ پھر کیوں نہ اپنے تقدس کا احترام کرے۔ اکثر جو شیئے احباب خود داری کے اصول کو نظر انداز کر دینے کے باعث تباہ ہو گئے ہیں۔ آپ خادم و محدود کے تعلقات تو قائم رکھ سکتے ہیں۔ مگر ”عشق و ملاقات“ (اور اندھا جمعی تعلقات) بغیر خود داری کے قائم نہیں رکھ سکتے۔ تجھ دوست کے ہر پہچانے میں آپ کی شان و توقیر دکھائی دے اور نہ گفت و گو سکتی ہے۔ کہ محبت ایسی کسوٹی نہیں جس پر ہمیشہ ہر چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا

اس موقع پر شاید کسی کے دہن سے بے محابہ یہ الفاظ نکل پڑیں کہ :-
”عشق جنوں خیز، عشق نہیں بلکہ وہ اختلال جذبات یعنی شہوت ہے“
کیا آپ ”محبت اور شہوت“ کی تجدید فرمائیں گے؟ کیا ان کے مابین اب اتنا زیادہ فاصل قائم کریں گے؟ لفظیات آپ کو چاہئے گی کہ ”محبت اور شہوت“ روحانی و مہمانی پہلو سے عشق کے مراد ہوں۔ نام ہیں جو بالکل گراں قدر گہاں مل سکتے ہیں کہ ایک حصہ کے دوسرا ہی اجزا معلوم ہوتے ہیں۔ پھر عشق کیا ہے؟ کیا کوئی کائنات میں اس کے وجودِ مطلق کو ثابت کر سکتا ہے؟
(۳)

جب آپ شکستہ دل کے مقابلہ پر پہنچتے ہو جائیں اُس وقت اپنے غم و اندوہ کا غائب کرنے سے مطالبہ کیجئے۔ — گھر پر جاننا نہ حیثیت سے — آپ کا مطلق تصرف ہی نہیں ہونا چاہئے کہ آپ اپنے کام کیوں کر بیٹھے؟ اور کیوں اُن پر اعتماد کیا گیا؟ بلکہ اس سے آپ کو اُلفت بھی اُس کے مطلق بھی غور کیجئے کہ کیوں اُس نے آپ کی امیدوں کا خون کیا؟ اس طرح کی غور و فکر میں آپ کو تسکین ہوگی +

لیکن جب آپ اپنے رنج و اندوہ کی وجہ پرکھی غور نہیں کریں گے تو سمجھ جائے کہ آپ کو اپنے سے نفرت پیدا ہو گئی ہے اور آپ اپنے عشق کو عداوت اور دنگائی میں مبتلا کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ سوا اُس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے مصائب میں مزید جھپٹوں کا اضافہ کر رہے ہیں۔ جبکہ آپ میرا محاسنات کی غمی اور ناگواری ہے آپ کو ہرگز تسلی میسر نہ ہوگی۔ اور جب ان جذبات پر قابو حاصل کریں گے۔ رنج و غم کو سمجھنے لگیں گے۔ اس وقت آپ پر روشن ہوگا کہ ایک ”مغیر“ نکل کر رہا ہے ایک فیہی اماد آپ کی اعانت کر رہی ہے۔ آپ ”درد و دل“ اس بھرنائی میں جھپٹیں بدل کر حمد دی اور موافقت میں ظاہر ہو جائے۔ اور ساتھ ہی عقل سلیم اپنے اور غیروں کے سمجھنے کے لئے حاصل ہوگی جو آپ کو فاضل اور شریف ترین کا سیاب انسان بنا دیگی۔
”کیا اس کا مطلب ہے اُن جنافوں کا بالکل بھول جانا اور اُن کی خطاؤں کو معاف کر دینا؟“

نہیں ہرگز نہیں۔ آپ اُن تجربوں کو ہرگز نہ بھولیں اور اُن کی یاد ہی شائے ہم کو خواہ کی قسم کا تجربہ ہو (جو دوسروں سے حاصل ہوتا ہے) ہرگز بھلا نہیں جاسکتا۔ بلکہ اُن کے سمجھنے اور قبول کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنی چاہئے۔ ہاں! ایسے تجربات کو ”نہ بھائے“ قرار بخش کر نہ ان کے معاف کرنا

اور علوتی ہے۔ آپ کو اس طرح نصرت ہوتے ہوئے ایک باگراں معلوم ہو گا۔ لیکن آمادہ ہو جائیے اور بلند چلنے سے کہئے، گوشت کا کچھ گزشت میں ایک نئی زندگی از سر نو شروع کرنے والا ہوں۔ یا اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے اور آپ کی تہذیب و معاشرتی جمود آپ کو ہار کرنے سے عاجز ہیں تو آپ اپنا ماحول یوں بھی تبدیل کر سکتے ہیں:-

نئی نئی پیچیدیاں پیدا کریں — نئے دوست اجاب سے متعارف حاصل کریں۔ نئے جوش و فلفلہ سے جیات کی رفتار میں تہم رکھیں + پہلے پہل یہ مشورہ آپ کو بڑھ معلوم ہو گا۔ مگر کیا کیا جائے، آپ کا دل لٹا ہوا دل از سر نو تعمیر کا محتاج ہو گیا ہے +

اگر آپ پاسیہ بی داف ہو گئے ہیں اور ان جگر خراش و لہو زخاوات کو برداشت کرنا چاہتے ہیں تو — قصور و معاف! یہ ارادہ سے نیک نیتی اور سلیم الطبعی کے تحت شامل نہیں ہو سکتے۔ چونکہ اپنے درد کا علاج آپ کی سمجھ ہی میں ہے۔ اس کا اس لئے بغیر سوچے سمجھے یہ بول اٹھے:-

”حسرت بھری زندگی بھی لطف سے خالی نہیں“ — اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلک عشق میں پاسیہ پہلو سے غضاب کیجئے۔ اس قسم کے ہر درد کو زندہ دل میں تبدیل کیجئے کیونکہ زندہ دل انسان کی فطرت میں داخل ہے اور نامیدی و مایوسی دنیا کے انقلابی تاثرات میں۔ انکشافات و متبادلات جاب آپ سے زیادہ نہیں +

پس اگر آپ کا دل کسی کی سنگ بے اتفاقی سے چر چور ہو گیا ہے تو آپ کسی دوسرے سے دل بٹائیے۔ (ان ان کو بعض ایسی چیزیں اختیار کرنی پڑتی ہیں جس کے مشعلق پہلے سے کوئی خاکہ اس کی زندگی میں موجود نہیں رہتا، گویا آپ کی سیاحت جیات میں اس ساحل کی فضا و فکوار نہ تھی۔ دوسرے ساحل پر اپنے سینہ سے جذبات کو لٹکا کر انداز کیجئے۔ مہمے ماں کو آپ کی جیات نظم کا مطلع حسرت و حراں، سوز و گداز کا ثبات لباب تھا۔ لیکن آگے چل کر عشق و وفا کا تجربہ بھی پرکھت ہو گا۔ آپ سے سے انہی سنگ گشت عشق کے جدول و عنوان بدل دیکھئے۔ جب اپنے کسی دیکھ کی نکتہ زدوش خوشبوئے محبت اور کینہ پرور صحن پاش قصا میں متوافق کر لیں گے تو آپ کو محسوس ہو گا کہ آپ اپنی اہل بیت کی مسلسل رانی بہت جلد ختم کرنے لگے ہیں۔ آپ کی حالت اس دوست کے مانند ہوگی جس کی ملاقات کا سخت انتظار ہے۔ وقت گزر گیا، لیکن انتظار جاری ہے۔

جانے! اگر کسی نے آپ کی محبت و دہی کی تو آپ کی مایوسی یا شکستہ دلی کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ:-

آپ امتحان محبت میں ناکام ہو گئے ہیں یا —

آپ میں صداقت معاشرت ہی نہیں یا —

آپ قابل محبت بھی نہیں — اس سے یہ بھی تو مراد

نہیں کہ

آپ جس مقابل کی نظروں میں جاذب نظر نہیں (جیسا کہ اس کے برعکس خیالات عالم یاس میں پیدا ہوتے ہیں) اس سے صرف یہ فایت ہے کہ

آپ اس خاص فرد کے لئے موزوں نہیں +

خوش قسمت ہیں وہ جن کی عقل سلیم اس راز سے واقف ہو جاتی ہے۔ مگر جو لوگ (کسی ایسے فرد سے جس پر خود تو نے رہتے ہیں لیکن ان کے حلقہ کو ان کی موت و جات سے کوئی واسطہ نہیں۔ کسی اثر کے تحت رشتہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس سمجھ جائیے کہ فطرت سے برسر پیکار ہیں۔ کشیدگی کو دعوت دی جا رہی ہے۔ محبت دعاوت میں منتقل ہونے کے لئے سرعت سے تکار رہا ہے۔ سمجھنا مخلص پر سرور و جلال کا سازنا نہ لگا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ ہر شخص پولیس نہیں کہ پولینڈ کی حسین بگم فالسکا کے داغ پر جگانے خانی اثرات جھٹائے۔ پیستنی ہے۔ پولین کی جیات سماشتہ جس کو شہوت رانی کا مناسب معلوم ہوتا ہے ویسے ہر شخص کی جیات عشقیہ نہیں

(۴)

شکستہ دلوں کو یہ بھی مشورہ دیا جاتا ہے کہ ”اپنا ماحول بدل دیں“ کچھ دلوں کے لئے ایسے مقام پر بود و بخش اختیار کریں۔ جہاں آپ کا کوئی شہنشاہ نہ ہو کہ کیونکہ جہاں آپ فی الحال مقیم ہیں ہر شے آپ کے مطلوب کے ساتھ ایسے گہرے غور و فکر میں لگتی ہے اور ایسے ملازمت و تصورات کے بیچ و خرم میں محسوس کرتی ہے جس میں آپ کے مطلوب کی ”چلتی دنیا“ نظر آتی ہے۔ یہ بالفاظ دیگر آپ کا موجودہ ماحول آپ کی مایوسیوں میں المیہ گزیرناظر کا اضافہ کرتا رہے گا۔ آپ کا حافظہ برباد اور ہر تصور سے بے طور گھٹاں بن جائے گا۔ لیکن جب آپ کچھ عرصہ کے لئے ان تمام غلامی اور رشوں کو انوار سے کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس وقت آپ ہر جدید و منکر سے تسلی بخش سفارشات محسوس کریں گے۔ اس طرح کا مفضل مقام بڑی بڑی نہیں بلکہ ضروری

ایک فرد کے لئے وقف ہیں۔ خواہ ان کا معلوب کسی اور کے ساتھ مشغول
عیش ہو یا کسی نے اس کو اپنی عروس زندگی بنالیا ہو۔ لیکن انہیں جب بھی
اسی کی رٹ لگی ہوئی ہے۔ اسی طرز کی عاشقی کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں بشرطیکہ
وہ کامیاب ہو اور اگر وہ یکطرفہ ہے یا وہ دیکھا بیت الخزن ہے یا جذبات
بہمی کا جنازہ لئے ہوئے ہے۔ تو ————— تکلف برطرف! ایسا عشق نہ فتن
آپ کو بنائے ہی بنا دیکھا بلکہ تدریج وار ہمارے دل کا علاج دلائیں بنا کر چھوڑ دیجئے
ایسی محبت مستحق لعنت +

اگر آپ کو ”مرہم شکستہ دلی“ نہ ہو دلی حیات اور لطیف زندگی کی تلاش
ہے تو کبھی نہ کبھی ایک مخصوص ”رفیق“ مل ہی جائے گا جو پہلے سے زیادہ
پختہ۔ مگر اسے اور سچے جذبات کی خوشگوار سرگرمیوں سے غفلت کرے گا۔ آپ کی
صبح زندگی کی لطافتیں نہمت تصورات سے سرگرمشایاں کرتی نظر آئیں گی۔
ایک نئی زندگی، کیف انگیز جسم کے ساتھ انگریزائی لے کر بیدار ہوگی۔ آپ کے
ریاض جذبات میں ایک تازہ ہوا خواہ محو گلشت ہو گا۔ جو خوشگوار انشائیں
ہر وقت پرورش پاتا رہیگا +

پس شکستہ دلی امیدوں کو قطع کرنے والی ہمارا دل کو خاک میں ملانے
والی نہیں بلکہ گراہی اور فطری کا ادا کرنے والی ہرابت، پامال فتنوں کو
اُچھارنے والی محو فطری منزل تک پہنچانے والی منہل راہ ہے +

”عطار د“

محمد گدائے والی سترتیں، شباب تمنائیں ہر وقت یہ پیغام دیں گی کہ محبت
کا معاملہ ہر ماہ ہے۔ جواب عشق کی تعمیر کی جارہی ہے۔ اس وقت
آپ یہ محسوس کریں گے کہ ایک ایسا لطیف نغمہ سمجھ کر رہا ہے جس کے الفاظ
ہی فریاد ہیں +

شاید اس بحث پر آپ یہ چرانا راگ الاچس کہ محبت، تانہی عمر
صرف ایک مرتبہ واقع ہوتی ہے۔ یہ بالکل بجا۔ مگر اس کی تاویل غلطی
گئی ہے۔ اور اب تک کثرت سے لوگ اسی معاملہ میں مبتلا ہیں۔ آپ
میں محبت کرنے اور محبت کو تھام رکھنے کی تمام خوبیاں فطرت نے ودیعت
کی ہیں۔ کیوں نہ ان قابلیتوں سے استفادہ حاصل کیا جائے؟

ڈاکٹر مرزا علی گشتی ہیں کہ جو شخص ہرگز و ناکس سے محبت
کرنے کا مدعی ہے کسی سے محبت نہیں کر سکتا! اس میں کوئی شک
نہیں۔ اس لئے کہ فرض کیجئے کہ آپ کی حیات معاشقہ صرف ایک فرد
واحد سے وابستہ ہے (مثلاً اہل) مگر جب آپ نے کسی دوست کو اپنی بے
اپنا عشق جتا یا تو یقیناً آپ کو شکستہ دلی کا تجربہ حاصل ہوگا۔ پھر ہم یہ کہہ
نہیں کریں کہ ”آپ کی محبت یا تو ایک غلام معروض سے اُٹھ گیا یا
عمر زہی جی — یا — ناکس طرح محبت کرتی چاہئے“ کی مشق میں
مصرف تھی +

اکثر لوگ اپنے کو ”تجربہ عشق“ کے مسئلے سے باز رکھتے ہیں۔ کیونکہ
ان کے خیالات صرف اسی معاملہ میں محسوس ہیں کہ وہ اپنی حیات میں صرف

کیا آپ کا نام سالنامہ کے لئے درج ہو چکا ہے؟

اگر یہ صحیح ہے تو سالنامہ شایع ہوتے ہی آپ کو بذلیہ دی پنی

بھیجا دیا جائے گا۔ اگر آپ نے گزشتہ سالنامہ دی پنی طلب فرمایا تھا تو اب نام درج کرنے کی ضرورت نہیں رہی لیکن
اگر آپ نے تو نام درج کر لیا ہے۔ نہ پچھلے سال دی پنی وصول کیا تھا۔ تو اس صورت میں آج ہی ایک کارڈ لکھ کر نام درج کرا دیجئے
اگر سالنامہ شایع ہوتے ہی دی پنی کو دیا جائے۔ قیمت پندرہ محصول و پیننگ و فرج و دی پنی ہر ماہ فریادہ ان نیرنگ خیال
کو دے گا دی پنی ہوگا۔ ایکٹ نہیں دی پنی بڑھ گئی ہے + فیبر سال نیرنگ خیال لاہور +

تنقید شعری

دندان تو جہلہ در دہان اند
چشمان تو زیر ابروان اند

پیر و دی :-

نظر آتا ہے۔ ذرا قصور کچھ ہے مگر ایک حسن ہے جس کا چہرہ چاند کو شرماتا ہے۔
رخسار گلاب کے چہول ہیں۔ ناک سموار کی ٹوک۔ ہونٹ عاقق کے زخم دل
کی مانند۔ ٹھوڑی نامشہ پاتی کا ٹکڑا ہے۔ اولہ انت انار کے دانے غریب
حسن و جمال ہر طرح سے کل ہے لیکن افسوس کہ جب وہ ہنستا ہے تو معلوم ہوتا
ہے کہ انار کے دانوں میں سے ایک دودا لے گئے ہیں۔ اب بتائیے کہ تاخیر صوفی
خاک میں مل گئی یا نہیں؟ اسی کی کو پر دار کرنے کے لئے ہمارے شاعر نے ب
سے پھلے ہی گندیا کر دہان تو جہلہ در دہان اند۔ تیرے تمام دافع منہ میں ہیں
کوئی دانت گرا ہوا نہیں +

اس میں ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے۔ تمام دانتوں کا منہ میں ہوتا
ظاہر کرتا ہے کہ محمود بڑا عارفین۔ لہذا جوانی یا کم سن ہوگا۔ کم سنی اور
شاب کے خیال کے آئے ہی سننے والے کی آنکھوں کے آگے ایک ایسی
تصویر پھر جاتی ہے جس میں حسن و جمال کے تمام لوازم بدرجہ اتم موجود ہیں
گویا یہ مصرع گنجینہ سخن کا ایک فلسفہ ہے۔ اس کے بعد مجرب کے کسی اور صفت
کی تعریف کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی +

”دندان اند“ پر زرا مزید غور فرمائیے۔ اس کے معنی ہم نے ”منہ
میں ہیں“ کہے ہیں۔ لیکن اس کے معنی ”منہ کے اند میں“ بھی ہو سکتے ہیں یعنی
تیرے تمام دانت منہ کے اند ہیں۔ کوئی دانت باہر نکلا ہوا نہیں۔ کوئی کٹا
ہی حین کیوں نہ ہو اگر اس کا کوئی دانت منہ سے باہر نکل کر پچھلے جوٹ کے اوپر
جلوہ فرما ہو تو اس کی شان مجربیت کو داغ لگ جائے گا۔ ہمارے شاعر
کا محبوب اس عجب سے بالکل پاک ہے +

اب دوسرے مصرع کو دیکھیں۔ چشمان تو زیر ابروان اند۔ یعنی تیرے
آنکھیں ابروؤں کے نیچے ہیں۔ آپہ کہیں گے کہ آنکھیں ابروؤں کے اوپر

آج ہم ایک ایسا شعر پیش کرتے ہیں جو اپنی غیر معمولی خوبی کی وجہ سے
شہرت و دام حاصل کر چکا ہے۔ سخن شاعری کی کوئی عمدہ کتاب دیکھ لیجئے۔ چل
بھی حقیقت شعری بحث ہوگی وہیں یہ شعر بطور مثال موجود ہوگا۔ اردو و فارسی
شاعری میں کبھی لینے والا شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جس کو یہ شرمایا نہ ہو
لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ یہ عام کس پر آتا۔ گویا شعری شہرت نے شاعر کے
نام پر بھی پردہ ڈال دیا ہے +

اس شعر کے پڑھتے ہی سب سے پہلی چیز جو دل پر اثر کرتی ہے وہ
اس کی سادگی۔ سلاست اور روانی ہے۔ نہ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے
جس کے لئے قاموس و معراج کی ضرورت پیش آئے۔ اور نہ کوئی ایسی ترکیب
جس کے سمجھنے کے لئے غائب کی روح سے استمداد لازمی ہو جائے +
دوسری قابلِ داد بات یہ ہے کہ شعر خوشنود و زواند سے بالکل پاک ہے۔
عام شعر کی طرح شعر کا وزن یا راکرنے کے لئے کوئی بصری کا لفظ نہیں ٹھوسا
گیا۔ شاعر نے صرف وہی الفاظ رکھے ہیں جو نہایت ضروری تھے۔ اور ان
کو بھی اس طرح کر کسی پر نہ بھایا ہے کہ کیا جمال جاپنی جگہ سے ڈال بھی ابھر
اُدرھاں لکیں +

تیسری بات جو پڑھنے والے کو داد دے گا کہ ”ٹھٹھے پر مجھو گرد دیتی ہے
وہ شعر کے الفاظ کلی ”موسیقی“ ہے۔ ذرا شعر کو ترمیم کا ساتھ ڈھرائیے اور
دندان۔ مند۔ مان مندگی آوازوں پر کان رکھئے۔ کیا ایسا معلوم نہیں ہوتا
کہ آپ محم رہے ہیں اور ساتھ ساتھ کوئی پیا تو بکار ہے؟

یہ سب تو جو ٹپ مفلطی خوبیاں۔ اب ذرا خاص مثنوی کی طرف توجہ کیجئے
دندان تو جہلہ در دہان اند یعنی تیرے تمام دانت منہ میں ہیں۔ بظاہر ان
انکھوں کی بات ہے۔ لیکن ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو ایک گنجینہ اسرار

صرف خواہ کچھ کہیں لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ اس میں ایک عجیب و غریب نکتہ پنہاں ہے۔ ”ان“ سے حیف و ابرو کی جھبہ ناکر شاعر نے ان میں زندگی بھردی ہے اور وہ کیفیت پیدا کر دی ہے جو گردش چشم، ”اور جنبش ابرو“ وغیرہ جیسی ترکیبوں سے پیدا نہیں ہو سکتی

اب دونوں مصرعوں کو ملا کر پڑھئے۔ اور معانی پر غور کیجئے۔ پہلا مصرع عالم سب اب اور جن سے عیب کی تعریف کرتا ہے۔ جو ایک عطیہ قدرت ہے۔ اور ان کے اختیار سے باہر مصرع ثانی جن کا قصص سے پاک اور موزنی اثرات سے محفوظ ہونا ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ ذاتی اختیار کا نتیجہ ہے۔ گویا دونوں مصرعے ملکر نہ صرف حسن و جمال کی ایک مکمل تصویر کھینچ دیتے ہیں۔ بلکہ فلسفہ حسن کی بھی بوجہ احسن تشریح کر دیتے ہیں۔ ذاتی حسن ایک خدا داد چیز ہے۔ مگر اس کا برقرار رکھنا صاحب حسن کی ذاتی کوشش یا عطیہ قدرت کا کچھ خاصہ ہے۔ نیز مشرقی حسن کی شان یہی ہے کہ مغربی سیاحت حسن کو محض نظرنہ بنائے +

حق تو یہ ہے کہ شاعر نے ایک مختصر سے شعر میں حسن کی دنیا بند کر دی ہے یہ شاعر کی تیار الہیاتی۔ نامور الہیاتی اور نقاشی قابل ہزار سخن و آفرین ہر وہ

الف میم

تعمومی ہوتی ہیں۔ جو یہ نیچے کی تخصیص کر دی گئی ہے۔ آپ غلط سمجھے۔ نیچے سے یہاں سمت کی تخصیص نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ آنکھوں کے اوپر ابرو بڑھ ہیں۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے حالات نیرنگ کی طرف توجہ کیجئے۔ یورپ میں بالعموم اور فرانس و انگلستان میں بالخصوص باریک ابرو ایک لوازمہ حسن سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے حسینانِ نیرنگ مصنوعی طریقوں سے ابروؤں کے بال اڑا کر انہیں ایک کبیر سی بنا دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات اسقدر باریک کر دیتے ہیں کہ وہ ”ہر چند کہیں کہیں کہیں نہیں ہیں“ کے مصداق بن جاتے ہیں۔ مغربی نقطہ نظر سے یہ کتنے ہی پسندیدہ ہوں مگر مشرقی مذاق سے ہمیشہ ایسے ابرو قابلِ تعریف ہیں جو پیوستہ ہوں تو کمان کی مانند ہوں اور پیوستہ ہوں تو بال کی مثال۔ شاعر جو مشرقی روایات کا علم دار ہے اپنے محبوب کو مغربی تصنع سے محفوظ رکھ کر داد دیتا ہے کہ اسے محبوب آفرین ہے کہ تو نے بتانِ مغرب کی تقلید میں ابروؤں کو کافی نہیں کر دیا۔ بلکہ تیری آنکھیں ابروؤں کے نیچے ہیں (چشمان اور ابرو ان کے الفاظ بھی غور طلب ہیں۔ فارسی میں چشمان کی جمع ”آئے“ سے ہوتی ہے اور جائداد کی ”ان“ سے۔ یہاں چشم ہائے اور ابرو ہائے کی بجائے چشمان اور ابرو ان کیوں کہا گیا؟ اہل

مرد و عورت کے تعلقات پر کتابیں

(۱) رجنیزہ باقتور۔ ۲۵۰ صفحے۔ ۳۰ روپے کی اور دونوں ہی تصاویر و ملاحظہ فرمائیں
بجہ قبول و معروف قیمت ۲۰۰

(۲) شب بخوشی۔ ۱۴۸ صفحہ۔ ۴۰ (۳) شب بچہ بوسی۔ ۱۴۸ صفحہ۔ ۴۰
(۴) عورت۔ ۲۰۰ صفحہ۔ ۵۰ (۵) مرد و عورت۔ ۱۱۲ صفحہ۔ ۴۰
(۶) زن و شوہر۔ ۱۱۰ صفحہ۔ قیمت ۴۰
(۷) دو لہذا دامن۔ ۱۲۸ صفحہ۔ ۴۰
(۸) عشق و نشاط۔ ۱۳۷ صفحہ۔ ۴۰
(۹) میان بیوی کے خطوط۔ ۷۲ صفحہ۔ ۴۰
(۱۰) دو لہذا دامن کے خطوط۔ ۷۲ صفحہ۔ ۴۰

پتہ: منیجر نیرنگ خیال بکڈپوٹاشی محلہ لاہور

نیرنگ خیال بکڈپوٹاشی نئی کتابیں

لیلائے نجد۔ از جناب مولانا غنیمت علی صاحب حسرت لکھنوی۔ ایک
دکچہ تاریخی ناول۔ حجم صحت و قیمت ۲۰۰

تہذیب کی سرگزشت۔ حضرت ماعون نقاشی کا دکچہ افشاء صحت و قیمت ۴۰
بیوی کے فرائض۔ حیاں اور بیوی دونوں کیلئے قابلِ ملاحظہ۔ قیمت ۴۰
مولانا محمد علی کی سوانح حیات۔ قیمت ۴۰
تقاریر۔ ۱۲

مفتاح بصوت۔ ماما گادھی کی شہر کی بنا پر اردو سندھی کا جواب ہے۔ قیمت ۱۲
شمس الملب۔ علامہ شبلی کا پورا پروگرام۔ یعنی صرف رنگوں اور سورج کی شام
سے ہر مرض کا علاج۔ قیمت ۴۰

پتہ: منیجر نیرنگ خیال بکڈپوٹاشی محلہ لاہور

ترجمہ زلمہ
"Solitary Sea-farer"

دہقان لڑکی

انسانے لطیف :-

دیکھو! دیکھو! اُس پہاڑی لڑکی کو دیکھو جو سائے والے کھیت میں فصل کاٹ رہی ہے۔ اور کچھ گاتی بھی جاتی ہے۔ کبھی خاموش ہو جاتی ہے۔ اور کبھی دبے پاؤں آگے نکل جاتی ہے۔ وہ اکیلی فصل کاٹ رہی ہے۔ اور اُس کی زبان پر ایک درد بھرا نغمہ ہے +
سنو! سنو! وادی کی گھراٹیاں نغمہ سے بھر رہیں۔ عرب کے۔ بیتے ملک میں تختوں کے درختوں پر تھکے مسافروں کے غیر نظام کے لئے کسی ٹبلبل نے ایسا نغمہ نہ گایا ہو گا +

جزائر ہر پیدائش کے اندر موسم بہار میں کوئی کی وہ آواز جو سمندر کی خاموش نشاؤں میں گونج اٹھتی ہے۔ اس سے زیادہ جنت انگیز نہیں ہو سکتی۔ خدا کے لئے مجھ کو کوئی یہ بتا دے کہ وہ کیا کھا رہی ہے۔ کیا وہ گندری جوئی باتوں پر زمانہ کی جگہ جویری داستان الپ رہی ہے۔ یا آجیل کے زمانے کا کوئی پروردہ واقعہ اُس کی زبان پر ہے۔ یا کوئی قدرتی غم درج چو آج بھی موجود ہے اور پھر بھی ہو سکتا ہے +
اُس راگ کا مضمون کچھ ہی کیوں نہ ہو لڑکی پر بڑی گاتی رہی۔ سلام ہونا تھا کہ اُس کا نغمہ ختم ہونے والا ہی نہ تھا +
میں نے دیکھا وہ کام کر رہی تھی اور گاتی بھی جاتی تھی۔ عمر بلی آواز اُس کی زبان پر تھی۔ میں سناتا تھا۔ اور خاموش کھڑا اُس سر پہ آواز کے مزے لوٹتا رہا۔ جب میں پہاڑ پر چڑھ گیا تو وہ پیاری دلکش آواز میرے دل کے ساتھ پہلی گئی۔ اس طرح شام ہو گئی۔ اور پیاری سربلی آواز کا نہ ہو گیا +
(درد و مسرت)

علیق الرحمن نعمانی ردو لوی

زندگی کی گاڑی

تمہاری زندگی کی گاڑی بہت تیز جا رہی ہے +
اس گاڑی میں دو گھوڑے لگے ہوئے ہیں۔ ایک نیکی کا گھوڑا ہے اور دوسرا بدی کا۔ تمہاری نیکی کا گھوڑا سست ردو کر رہا ہے۔ اور بدی کا گھوڑا جلتا۔
شریر اور تیز ردو ہے +
تم نے بدی کے گھوڑے کی گھام چھوڑ دی ہے۔ اور وہ تمہاری گاڑی کو ادھر ادھر کی گھٹنے لگے جا رہا ہے۔ وہ نیکی کے گھوڑے کو اپنے راستے پر گسیٹ رہا ہے +
تم نیکی کے گھوڑے کو مار رہے ہو۔ لیکن وہ نہیں بھاگتا ہے۔ تم اُس کی عنان کو جھٹکے دے رہے ہو اور وہ مرک مرک کر جا رہا ہے +

جس طرف نیکی کا گھوڑا چل رہا ہے۔ آدھرنہ کو کوئی درخت ہے اور نہ ہوا زرخیز۔ دیاں فن و فن گھاسیاں ہیں۔ اور بلند و سبب پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں۔ ایک سب سے اونچا پہاڑ ہے جس پر تم نہیں چڑھ سکتے۔ اُس کی سر قیفل چوئی تک نہیں پہنچ سکتے +
بہت دور ایک روشنی نظر آ رہی ہے جس کو تمہاری دنیاوی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ تم ایسے کھٹن راستے پر جانے سے ڈرتے ہو۔ مگر تم کو تو دیکھتے ہیں

اور میں جانب بدی کا گھوڑا چل رہا ہے اس سمت میں مرغزار اور پھر لہار دھت لہلہا رہے ہیں۔ ایک چشمہ پر چڑھ کر حسین و وزیرہ لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ چند گاڑی ہیں اور کچھ خار پی ہیں۔ اور بعض تینیں پکار رہی ہیں تم انہیں دیکھ کر شے تاب ہو جاتے ہو اور بدی کا گھوڑا قمار سی گاڑی کو اس طرف کھینچتا ہے۔ نیکی کا گھوڑا اسے بس ہو کر اپنی کانپنا چلا جا رہا ہے۔ تم اسے اور کوڑے رسید کر رہے ہو۔ تاکہ جلد از جلد چشمہ پر پہنچ جاؤ۔ اور لڑکیوں سے لطف اندوز ہو اور ایک کا ہاتھ بچھائی ہوئی ہے۔ اور اس میں ایک شیب شکل تمہیں فٹے سے دانت نکالے دیکھ رہی ہے۔ لیکن تمہیں اس کی معلق خبر نہیں + تم اندر سے کی طرح برابر گاڑی بانگے جا رہے ہو۔ تمہاری گاڑی مرغزاروں کو سرعت سے طے کر رہی ہے۔ وہاں پر مشیدہ گڑے بھی ہیں جن سے تمہاری گاڑی جھکے لکائی جا رہی ہے +

بدی کا گھوڑا بدک رہا ہے۔ تم دہکتے کمار سے ہو لیکن تمہاری پر شوق نگاہیں انہیں پرورد لڑکیوں کے جھوم پر ہیں تم ان سے ملنے کے لئے میقرا ہو اور تم خوشی سے چٹانے لگتے ہو +

لو! گاڑی چشمہ کے قریب پہنچ گئی۔ تم جلدی میں کود پڑے ہو اور نوہ کو ایک گڑے میں پاتے ہو۔ لڑکیاں لکھلا کر بننے لگتی ہیں۔ تم کچھ میں لت پت ہو کر باہر نکلتے ہو۔ تم اندر کی طرح سے بدنا ہو گئے۔ اس لئے تم شرم منانے کے لئے فوراً چشمہ میں نہانے لگتے ہو + اس وقت ایک آواز آتی ہے "او اندر سے انسان ہمیشہ دیکھ تیری موت قریب ہے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ نیکی کی راہ اختیار کر لو گئے کئی مصلحت آٹھانی پڑیں گی۔ منجبل جاور نہ تیرا انجام بہت برا ہو گا +

لیکن تم ہرے ہو چکے تھے۔ تم نے چند افغانوں سے اور دو مسک کان سے اڑا دئے +

اب تم لڑکیوں کے جھوم میں پہنچ گئے ہو۔ تمہارے بعد دیگرے سب کو آغوش میں لیا انہوں نے بھی تمہیں پیار کیا۔ انہوں نے تمہیں شرب پلا کر ست کر دیا۔ انہوں نے کامی کر تمہیں سحر کر دیا۔ انہوں نے تمہارے دل کو اپنے ناز و انداز سے مسح کر لیا +

تم بدی کے خواہمورت بچے میں گرفتار ہو۔ وہ بیچارہ آواز نہیں دے سکتا وہ بارہا مسکائی دیتی ہے۔ لیکن تم پیش سے نہیں چوکتے۔ تم غافل ہو گئے ہو + دیکھو وہ دوسرے گھٹا آٹھی۔ وہ تندر ہوا میں پٹے لگیں +

دیکھو چٹنے کا پانی آبلے گا۔ سنو وہ کھلی کر کی +

ہاں تم اب ہوشیار ہو گئے۔ ہاں تم نے آنکھیں کھول دیں۔ آف تم اس خوفناک سماں سے نرنے لگے۔ تم اپنے پکاؤ کے لئے چٹنے کو بدقت پار کر کے گاڑی کی طرف دوڑتے ہو +

معا بدی کا گھوڑا بدک کر چیخنے کے کنارے دوڑنے لگتا ہے۔ تم پاگل کی طرح بھٹکتے ہوئے گاڑی کو جالتے ہو۔ لیکن تم ابھی اس میں بیٹھے بھی نہیں پاتے کہ گاڑی ایک جہاں پر پھیل جاتی ہے۔ تم چٹنے میں اوڑھے منہ گر پڑتے ہو۔ اور ایک بھنور میں پھنس جاتے ہو +

تم نے بنور میں سے نکلنے کی بہت کوشش کی۔ مگر وہ کے لئے لڑکیوں کو پکارا لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ لڑکیاں غائب ہو چکی ہیں۔ البتہ ایک موت کا رائہ تمہیں مسکائی دے رہا ہے +

یکبارگی تمہاری نظریہ ان کی طرف پڑتی ہے۔ جہاں نیکی کا گھوڑا اطمینان سے چر رہا ہے۔ اسے نہ تو خوفان کا خوف سے اور نہ کچلی کا ڈر +

دوسری طرف بدی کا گھوڑا چنان پر تڑپتے ہوئے دم نوز رہا ہے۔ اور وہیں قمار کی زندگی کی گاڑی ٹوٹی پڑی ہے +

الو اب تمہارے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ دیکھو تمہاری آنکھوں سے اندھرا چھا گیا۔ آہ تم موت کے ہیبتناک فرشتے کو دیکھ کر چٹانے لگے +

تم موت کے بنور سے بچنے کے لئے آخری مرتبہ ہاتھ پیر دلتے ہو۔ مگر بھنور تمہیں دھریلے سانچوں کی طرح لپٹا ہوا ہے۔ دوسرے کس کو تم اب بے بس ہو گئے +

تمہاری آنکھیں بند ہوئیں اور موت کا درخت تمہیں بے جان چھوڑ کر چلا گیا +
آہ! یہ تھی تمہاری مختصر زندگی +

قیس حیدر آبادی

مصور

مصور حقیقت کا راز داں ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ صنایع عالم نے آسمان پر ناروں کو گس لے کر ترتیب سے بکھیر رکھا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہر انسان کے خط و خال۔ اوجھاٹ اور اوار ایک ہی جیسے ہوتے تو زندگی کس قدر دشوار ہو جاتی۔ اس لئے وہ تنوع سے آزاد ہو کر تخلیق کرتا ہے۔ اور ایک نیت میں اندھ کرنے کی بجائے ناز و اختراعات کرتا ہے +

ہر بالکل حقیقی مصور کسی نیا ہری خط و خال کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ نئے شاہکاروں میں ہی زندگی لاتا ہے۔ تصور کے اعضا و اطوار مصور کی انفرادی شخصیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہی اس کا پیغام ہوتا ہے!

مصور کا کام کا ثنات کے اسرار کو بے پردہ کرنا ہے۔ پریشانی کو ترتیب دینا ہے۔ اپنے افکار کو صورت پذیر بنانا ہے +
مصور کا پیغام نا لکیر جمعی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی تہذیب میں ایسا رچا ہوا ہر کردہ قدیم روایات کو اپنے مخصوص انفرادی رنگ میں بحال کرے +
مصور ایسے راہ عمل پر کامزن ہوتا ہے۔ جہاں ہر قدم پر کمکشاں کے مارے بکھرے پڑے ہیں۔ جہاں کے ذرے ذرے میں قوموں کا مستقبل اور ملکوں کی قسمت کا فیصلہ پوشیدہ ہے!

یہ قدرت کا پیغام ہر عین نازک سے ایک گرا لکڑ کھتا ہے۔ اور زندگی کے سارے سرمایہ کو بے دریغ قدرت کی اس پر اسرار نعمت پر قربان کر کے لئے آمادہ رہتا ہے۔ اور اس کے دیلے سے عالمگیر اوصاف 'آزاد من' اور نازک نازک نمیشیں اختراع کرتا رہتا ہے۔ جو ملکی اور قومی کاموں میں جمنا انقلاب کا باعث ہوتی ہے +

عبد الاحد شرف الدین پوری

ساحر کے نغمہ ہائے شب!

(۲)

(۱)

تمام نگساروں پر،
خاموشی طاری ہے!
درختوں کی سناخوں میں،
سکون جو ہے!

میدر آفتابوں میں خواب سے بکھتا ہوں!

تھر! اسے نگین ساحر۔ صبر کر تو بھی جلد انہی کی طرح سکون کی نیند سمیٹا گا!!
متر جبہ عظیم تر مرقعی

اے کہ تیری سحر آفریں آواز آسانی طہم گاہ سے تمام دکھ اور
غم و صرقتی کی جانب پھینچ لاتی ہے۔ اور آواز اس اور ظلم و دلوں کو بچاؤ
الم کے نئے اور تازہ تحفے بخشی ہے!!

آہ! مجھ سے اب صبر نہیں ہو سکتا!

یہ بغیرادی اور ویراگ کس لئے ہے؟!

خاید سکون آسمان سے اُتر رہا ہے!

آہ! لے سکون جلد! اور میری نگین روح کو اطمینان بخش!!

تنت

..... جس طرح چوموں کا چاندور یا کی گود میں چٹا ہے اسی طرح تو میرے دل کی گہرائیوں میں رہتا ہے — نسیم پھول کی خوشبو کو
دامن میں لے کر اترائی پھرتی ہے اسی طرح میرا خیال تیرے خیال سے ہم آغوش ہو کر پھولانیں سانا — اے میرے محبوب میرا
ہر سانس تیری محبت سے سمور ہے جب میں سوئی ہوں تو تیری یاد معاملہ فرشتہ کی طرح مجھے الگ نہیں ہوتی تو میرے تنہا لمحات کو
آباد کرتا ہے — اور مشغول وقتوں میں بھی میری رگ دہنے میں ساری ہوتا ہے کاش اے محبوب میرے مرنے کے بعد
بھی تیری محبت میری تربت کا پھول اور شمع مزار ہو !!!

شکیلہ خاتون اردول

نسیان

میں واقعات کو جلد ہی بھول جاتا ہوں — ہاں ایک خفیف سا، غیر معلوم سا، باریک اور غیر مبہم دھندلا سا اثر میرے دماغ پر برقرار
رہتا ہے۔ اور کچھ پوچھ تو یہ مجھے بہت لطف دیتا ہے +

آج میں بیٹھا ہوں۔ اپنے گزشتہ ایام۔ اپنی ماضی رفتہ کو یاد کرتا ہوں۔ تو میں کیا دیکھتا ہوں چند دھندلی سی تصویریں۔ چند ٹپے ٹپے اور آپس
میں الجھے ہوئے نقوش ہیں۔ اور رہیں! ہر چند میں اُن میں کچھ ربط کچھ تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ گراں اور اتنی پریشان کو ایک سلسلہ میں منسلک کرنے
میں ناکام رہتا ہوں — سوچتا ہوں اور بہت سوچتا ہوں۔ لیکن جذبے ربط نتائج پر میری کوششیں نتیجہ ہوتی ہیں۔ یہ ربط سے خالی۔ تعلقات سے
بری نتائج مجھے بہت لطف دیتے ہیں۔ اُن سے میری زندگی خوشگوار بن رہی ہے۔ اور میں اپنے ارگرد ایک عجیب دنیا پاتا ہوں —

وہ شخص جو واقعات کو کبھی نہیں بھولے۔ افکار و حوادث ان کے دماغ پر گہرے۔ نہ ٹپے والے نقوش بکر قسم ہو جاتے ہیں۔ ہاں وہ شخص میں
خیال کرتا ہوں۔ قطعی طور پر زندگی کی مسرتوں سے متغیر انداز نہیں ہو سکتے — ایک خفیف ہا اشارہ گزشتہ وارداتوں کو چٹائی پھرتی تصویر دل کی مانند اُن
کی آنکھوں کے سامنے متحرک کر دیتا ہے۔ ذرا اسی سوچ پر مبنی کے ایام رفتہ کے ہوا و غماض اور واقعات حقیقی رنگ میں اُن کے سامنے آ جاتے ہیں۔ اور
پھر آہ خودی سوچ کو۔ ان دنوں کی یادوں کے دل پر کھیاؤ کرتی ہوگی۔ وہ جذبات جو آج سے مدت پہلے اُن کے دماغ پر کاری دساری رہتے تھے۔ پھر
رگ رگ میں چٹکیاں لینے لگتے ہیں۔ پھر انہیں گھبراہٹ مسرور خیز یادداشتیں بنا دیتے ہیں +

جواذات اور واقعات دائمی چیز ہیں۔ ان کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ وہ ایک عرصہ عینتہ کے لئے آتے ہیں۔ اُنہیں یاد کر کے پھر انہیں تکلیف دہ یا سزا فرزا
واقعات کی یاد کا لطف اٹھانا چاہیے ہوئے کو لے کر چٹانا ہے +

..... ہاں میں واقعات کو جلد ہی بھول جاتا ہوں۔ باوجود تو سے سال عمر ہونے کے میں بھی خیال کرنا ہوں کہ اب کتنے عرصہ شہود چلا آیا ہوگا۔
کیوں؟ اس لئے کہ مجھے یاد آگ نہیں کہ میری ماضی رفتہ میں کون کون سی چیزیں وقوع پذیر ہوئیں۔ کون کون سی عینتیں مجھ پر ہوئیں۔ کون کون سی
مسرتوں سے میں متغیر ہوں +

ہاں اگر کچھ سوچ بگاڑ کے بعد کچھ قرائن اور قیاسات سے معلوم بھی کر لوں۔ تو وہ چند نقوش ہیں۔ نامعلوم اور دھندلے دھندلے سے۔ وہ تمام مصائب
جو میرے لئے بامان لگے ثابت ہوئے ہونگے۔ وہ تمام مسرتیں جو میں نے زندگی میں دیکھی ہوگی۔ وہ تمام واردات قلبیہ وہ تمام واقعات۔ وہ تمام م

خالق ارض و سما کا یہ فیصلہ من کر کے کس انسان چلا اٹھا ”نہیں! ہرگز نہیں!! ایسا کبھی نہیں ہو سکا!!“
 ”کیوں؟ میرے فیصلے میں کہاں کی بے انصافی ہے؟ آخر میں تجھے یہ سزا دینے میں کیونکر حق بجانب نہیں ہوں؟؟؟“
 ”وجہ؟ یہی کہ میں تمام عمر وہ زرخ بھی تو رہا ہوں!“
 یہ سن کر بدالہ اللہ خداوندی میں سرطوت خاموشی چھا گئی۔ اور سب حیران ہو کر پھر انسان کا منہ دیکھنے لگے +
 مفتی محمد افضل انور بی۔ اے
 (اسکو دلاؤ!)

غلط فہمی

”ایک لڑکی باہر آپ کو پوچھتی ہے +
 میرے نوکر نے دروازے سے اپنا نام مبارک چہرہ دکھاتے ہوئے حسب معمول سنجیدگی اور مشانت کے لہجے میں کہا +
 میں چلا اٹھا ”ایک لڑکی“
 وہ حیران تو ہوا۔ مگر صرف اتنا کہنا: ”باہر تشریف رکھتی ہیں“
 میں قفل خانے کی طرف دوڑا۔ منہ پر ایک چھپکے دیا۔ جلد جلد کپڑے پہنے۔ کانپتے ہاتھوں سے ٹائی باندھی۔ طبیعت کی بے چینی اور جذبات
 کے بھجان کی کوئی انتہا نہ تھی +
 سوچا تڑپا ہوگی۔ پھر خیال آیا۔ اتنی میری کہاں قسمت کہ وہ میرے گھر پر ملنے آجائے۔ پھر سوچا وہ لڑکی ہوگی جس نے سینا میں بار بار میری
 جانب پر انصاف نگاہوں سے دیکھا تھا۔ نہیں میری ہم جاوت رشید ہوگی۔ لیکن وہ تو مجھ سے گنگو گڑا بھی پسند نہیں کرتی۔ تو پھر کون ہو سکتی ہے؟
 کوئی محبت زدہ ہوگی اور مجھے اپنی حالت سے آکا دکھائے آئی ہے۔ ہاں کچھ عجیب تو نہیں۔ آخر میں ایسا بھی ہوا کیوں ہوں۔ میں.....
 آئینہ دیکھا تو چہرہ سرخ تھا۔ خوبصورتی کے آثار تو چنداں نظر نہ آئے۔ مگر دل نے کہا محبت کے لئے خوبصورت ہونا لازمی نہیں۔ خیر دیکھا جائیگا۔
 اوہو۔ خوب یاد آیا۔ وہ لڑکی نہ ہو۔ جس کو ایک دن میں نے اُس کی گری ہوئی کتاب اٹھا کر دی تھی۔ اُس نے ایک انداز دلتواڑ کے ساتھ میرا شکریہ
 ادا کیا تھا۔ شاید میری کوئی ادائیگہ تھی جو اُس کسی سے میرا پتہ دھونڈ نکالا ہو +
 ٹائی درست کی۔ لباس پرسینٹ چھڑکا۔ میلے پا چامے سے بوٹ دوبارہ صاف کیا اور سوٹ کے شکنوں کو درست کرنا ہوا باہر نکلا۔ گھبراہٹ بڑھ
 گئی تھی۔ ہاتھ کا نپ رہے تھے جسم کے ہر حصے میں برقی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ کیوں نہ ہوتا ایک لڑکی..... سے پہلی ملاقات.....
 چاب کا اٹھانا تھا کہ ایک سیلی کیلی لڑکیں اور دو دانگہ دائرستانی دی +
 ”محضور بھوکی مرنی ہوں۔ کھانے کے لئے.....“
 میں بائیس اوپر پڑمڑہ نگاہوں سے اپنے لباس کو تک رہا تھا +

محمد عظیم حسین

(ترجہ)

شہیدہ کے بودمانشہدہ!

[مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلی سے درخواست ہے کہ اس مضمون کا تعبدہ لکھیں۔ ایڈیٹر]

از جناب مرزا غلام بیگ صاحب چغتائی۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ (علیگ)

خط کیا تھا میرے لئے تھا شاہ تھا۔ بے تحاشا باغ کی افروزی۔ پھر
لٹی۔ برقعہ نفل میں دبا کہ کس کوئی بھلا مانس نہ مل جائے اور شاہ کی دیوار سے
نسل کر سانے کے کھیتوں میں داخل ہوئی۔ سامنے شاہ جی کے بنگلہ کا باغ نظر آ
رہا تھا۔ کھیتوں کی خوشگوار آواز سن کر میرا ذہن فراموش ہو گیا۔ شاہ جی کے بنگلے کی چابی
تھی چھتر زون میں شاہ جی کے بنگلہ کے گھنے باغ میں پشت کی طرف سے کھس
گئی۔ کیلوں کی قطار کے برابر برابر دوڑتی ہوئی سپید چٹت کے برآمدہ
میں پہنچی۔ ایک مالی کھڑے کھڑے کھڑا تھا۔ اس نے سلام کیا۔ جلدی سے میں نے
پوچھا ”شاہ جی میں“ واللہ اعلم اس نے کیا جواب دیا۔ مگر کھڑا کر کے کی طرف
اٹھادیا۔ میں جانتی ہی تھی کہ شاہ جی کا کمرہ اوپر ہے اور وہ بھی ہوگی +

تیر کی طرح دو دو سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ اوپر کے برآمدہ میں پہنچی تو
تو سامنے آئندہ کیم کر خیال آیا کہ کس قدر بد حالکس ہو رہی ہوں۔ کھیتوں کی دور
دوب سے چہرہ متعجب کیا تھا اور پھر سانس پھول گیا تھا۔ شاہ جی ہنسے گی۔ یہ
خیال کر کے دروازہ پر کھڑی کہ دروازے کا کھٹکنا آجائے۔ برقعہ برابر والی
کرسی پر رکھ دیا۔ اور پھر پچلے سے کمرہ کا پردہ سرکا کر جھانکا۔ کیا دیکھتی ہوں
کہ شاہ جی وہ شال اور سے مسہری پہن رہے ہیں۔ سامنے کی چھوٹی میز پر پنڈ اور
کھلا ہوا کھٹکنا پینڈ رکھا ہوا ہے۔ میں نے مشکرا کر اس میں کما کھٹکنا آج پیری
خبر لو گئی۔ شاہ جی کی عادت تھی کہ جیسے ہی وہ میرے آنے کی آہٹ پاتی۔ فوراً
سوکام چھوڑ سوتی بن جاتی۔ مرنے کے لئے لگتی۔ ادب میں جا کر اس کو اٹھاتی تو
ایسی ہنسی کہ جیسے عرصہ سے سو۔ جی ہے۔ مصنوعی ہونے کے لئے وہ یا تو کیم
میں منہ چھپا لیتی ورنہ موقع ہوتا۔ تو وہ شال یا چادر اور کھٹکنا لیتی کہ ہنسی آئے تو ہنسی
دکھائی نہ دے۔ شرارت یہ کرتی کہ بڑی شکل سے اٹھائے اٹھتی۔ ایسے ایسے
کمرہ کی کھٹکنا اوقات تختہ آجائے اور میں جب چار گھنٹے گھنٹے تک آجائی

ایک روز کا ذکر ہے کہ اتوار کا مبارک دن تھا۔ میں اتوار کو مبارک
کتنی ہواں کیونکہ اتوار کو ولایتی ڈاک آتی ہے۔ میرے پاس دنیا کے
عزیز ترین شخص کا نام محبت لاتی ہے۔ اتوار کے دن میں صبح تڑکے ملازم
کو دیکھا بھیج دیتی ہوں۔ اور خود بار بار پھاٹک کی طرف دیکھتی ہوں کہ ملازم
لاہر دہلی سے خط لے آئے۔ آہستہ آہستہ چلا آ رہا ہے۔ کجبت دور ملازم نہیں
بلکہ اکثر کسی دوسرے ملازم سے بات چیت کرنے لگ جاتا ہے +

تختہ مختصر اتوار کا دن تھا۔ انشخار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور خط میں نے
کا پیسے ہوئے ہاتھوں سے لیا۔ حسب ذیل عبارت تھی :-
”جوتو۔“

..... تمہارا جم اب ہندوستان آنے والا ہے۔ کیا جوتو
اس کا یہ چینی سے انشخار کرتی ہوگی۔ کیا یہ ممکن ہے؟ ہم کی
ایسی قیمت ہے؟

میں اگلے ماہ کی ساتویں کو یہاں سے روانہ ہونگا۔ ۹ مئی کی شام
کو پہلی چوتھو۔ اور پہلی مرتبہ جو جوتو کو دیکھو گلا تو.....
..... میں نے جس کو پرسوں خواب میں دیکھا تھا۔ خدا ہی جانتا
ہے کہ میں بیکسی تعارف کے دیکھتے ہی کد دنگا کہ وہ کون ہے۔
تصویر کا کیا کردگی۔ مجھے تو تمہاری تصویر کی ضرورت نہیں۔ اگر
ایسی ہی ضرورت ہو تو بھیج دو۔ جلدی۔ باقی بوقت ملاقات +

تمہارا جوتو
آپ کہیں گے کہ تمہارا نام جوتو کیسے ہو گیا۔ تو مجھے کہ جوتو سے ہوا جم
اور جوتو سے خود میرا نام جوتو رکھا یا +

.....

شہر ہل کے میں دینا سے پردہ کرتی تھی اور خصوصاً جان پہچان والوں سے بچھلنا بھی نے میرا ہاتھ چھلایا اور پھر میرا اقرار کر لیا +

”نہجی بھائی! ولایت سے بغیر میرا ہاتھ نہ لے۔ میں جم کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ میرے قریبی عزیز ہیں۔ بھائی ہیں۔ ساتھ کے کھیلے ہوئے + اچھا! یہ ہمارے جم والی جنوں میں۔ نہجی نے مسکراتے ہوئے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ مجھ سے تو یہ ویسے بھی پردہ نہیں کر سکتیں۔

ہاتھ ہٹاؤ صورت دیکھنے دو جی! یہ کہ کہہ رہا ہاتھ میرے منہ پر سے ہٹاؤ! کہا ”شاہجی تمہاری سہیلی ہیں اور پھر جم کی... جم کی جنوں! فقور کھل اور پھر میری انہوں نے آکر صبح صبح ناک مروڑ دی! پردہ درودہ کیسا... بس ایسے بیٹھو۔ مجھے بھی ہنسی آئی۔ مگر میں جھینپ رہی تھی۔ شاہجی بولی ”اچھا ہوا۔ روز آکر مجھے سونے میں دن کرنی تھیں آج تھیں گئیں!“

نہجی شہر آتا بولے ”تو کیا انہوں نے میری ناک تمہارے دھوکہ میں مروڑی تھی؟“

شاہجی نے کہا ”ہاں اور کیا“

”تو بیکرو“ نہجی نے شہر آتا کہا ”یہ تو خود ہنسی کا گول گھٹا ہو جی۔ انہوں نے جان بوجھ کر میری ناک مروڑی ہے... اور پھر... پھر میں چھڑاؤں تو چھوڑ نہیں بلکہ مجھے دبا بیٹھیں!“

”خدا کے لئے اب اس ذکر کو چھوڑیے۔ مجھے زیادہ حیران نہ کیجئے۔ میں نے شرمندگی کی انتہائی تکلیف سے کہا ”خدا ار اسس ذکر کو چھوڑیے!“

”میں کیوں چھوڑاں! نہجی نے کہا۔ مد میں کیوں اس ذکر کو جانے دوں۔ میں تو ایک ایک سے کہہ گا کہ ایک جلتی دکنی لڑکی آئی اور اس نے میری ناک مروڑ دی!“

”نہجی جانی! شاہجی نے بات کاٹ کر کہا۔ نہجی بھائی اب اسس ذکر کو جوٹھے میں ڈالنے اور کچھ جم کا ذکر کیجئے۔ وہ کل رات کہنے لگا تھا جم کی تصویر دکھائیں۔ آپ کے پاس ہے نا؟“

نہجی سے شاہجی نے میری طرف آنکھیں جھکا کر دیکھا۔ نہجی کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ میں شہر منہ تھی۔ میں نے کنکھیوں سے نہجی کے خوبصورت چہرہ کی طرف دیکھا۔ میرے دل میں خیال گذرا نہجی مراد حسن کی بہترین تصویر ہیں اور جم؟ جو تو بچہ خوبصورت فوجان ہیں۔ نہجی سے کہیں زیادہ خوبصورت ہیں۔ نے دیکھا نہیں۔ مگر سناسے۔ اب میں اس تصویر کو دیکھنا چاہتی تھی۔

اور وہ منہ نہ کھولتی تو میں بلکہ یہ کہتی مگر وہ میں خوب جانتی ہوں تو جاگ ہی ہے۔ نے اب میں جانی ہوں! ”یہ کہہ کر بیٹھے ہی میں کمرہ سے باہر جاتی وہ کھٹکھٹا کر نہیں بڑی۔ میری اس نے یہ چلے جانی تھی۔ مگر میں نے پھر پھر باڑوں کی کمرکیاں کھلی ہوتی تھیں۔ کمرہ میں خوشگوار جوا آ رہی تھی اور کوئی دہنیں کر ایسے خوشگوار موسم میں کوئی دوشالہ اوڑھ کر سونے میں نے دل میں کہا۔ وہ تو جا میں تھے ابھی ٹھیک کرتی ہوں! یہ کہہ کر اب میں کمرہ میں داخل ہوئی۔

میز کے پاس نہجی تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے خاکے والی ہی تھی۔ میں نے ہنس کر کہا میں خوب جانتی ہوں شہر میرا ٹھکانا ہو تو آٹھ دروازے تیری بڑی طرح خبر لوں گی! مگر جب وہ پردے درج کی شہر فر۔ جانتی تھی کہ تو ادا کا دن ہے جم کا خطا چھوڑنا آؤنگی اور کمر کے پڑی ہے۔ میں پاس نہجی۔ وہ کڑی مڑی ہی پڑی تھی۔ میں نے اندازہ لگا کر مثال کر معلوم کر لیا کہ اس شہر کی ناک کدھر ہے۔ پھر نہایت ہی ہوشیاری مگر جا بیکسی سے میں نے در سے اس شہر پر کی ناک پکڑ لی۔ تھوڑی دیر تک تو اس نے ہٹا لیا پھر ٹھیک لائی اور ٹھیک لکچھ ایک دم سے ٹپکی میں نے اس کو دبا کر ایک دم... خدا کی پناہ۔ زور کے ساتھ میرے ہاتھ کو بھٹکا گا۔ ایک مردانہ آواز کے ساتھ چاند وہ لڑی ”یون! کہہ کر ایک نوجوان شخص نے ٹپ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا پھر ہوش آؤ گئے۔ یا اللہ شاہجی کے کسائے یہ یون!!

ایک دم سے ایک ہاتھ سے میں نے منہ چھپا کر دھس کر ہاتھ کو جھٹکے سے چھڑانا چاہا۔ مگر وہ تو اتنی گنت میں تھا۔ اس نوجوان نے ایک قسم سے لگا لگا شاہجی ایک دم کمرہ میں داخل ہوئی +

”جو پیاری کہہ کر اس نے ایک ہنسی کی چیخ ادا اور مجھ سے آکر لپٹ گئی

”بھئی چھوڑ دو۔ ہماری جوت کو چھوڑ دو۔ یہ کہ...“

”واہ! خوب آپ کی پیاری جنوں ہیں۔ رات بھر کایں جاگا ہوا اور میری ناک آکر مروڑ دی۔ سونے میں!“

مارے ہنسی کے شاہجی کا برا حال ہو گیا اور وہ سمجھ گئی کہ مجھے اس کا دھوکا ہوا ہو گا۔ یہ کہہ کر وہ میرا ہاتھ پھڑکنے لگی تو انہوں نے کہا ”جی نہیں میں نہیں چھوڑوں گا۔ تاہنیکہ تم یہ نہ جاؤ کہ یہ میں کون بلا جو میرے اوپر اس طرح

میں صبح نزل چوٹیں +

پھر اس وقت کہ حال تھا؟ میں بیان نہیں کر سکتی۔ حالانکہ میں کا نا پردہ کی پانچ تھیں لیکن ملازمن خدا خدا مدد اپنی سہیلیوں کے حمایتوں یا

تھی +

”سبحان اللہ“ نجی نے ہنستے ہوئے شاہجی کو مخاطب کر کے پری طرف اشارہ کر کے کہا ”ذرا انہیں بکھینکا۔ آپ مجھے سے خدائے تعالیٰ ہیں۔ ہیں آپ کون؟“

خدا اُس نے نکال لیا تھا اور میری پریشانی ناقابل بیان شہی بیگر زبان میں لگتے آگئی اور بولا نہ گیا کہ نجی نے ہنس کر بڑھا ”بھئی ہمارا جوہر“ میں رو ہانس ہو کر بیچ پڑی۔ اور میں نے اپنا نہ دامن میں چھبایا۔ ”لا حول ولا قوۃ۔ لا حول ولا قوۃ۔ یہ لو۔ یہ لو۔“ یہ کہہ کر نجی نے خط چاک چاک کر دیا۔ ”تم تو وہی ہو۔ روئے لگیں۔ مجھے کیا شکایت۔ اپنے جسم سے شکایت کرو +

”جہیز انہوں نے یہ خدا آپ کو نہیں دیا ہوگا“ میں نے آنسو پلو جھتے ہوئے کہا +

”ہرگز آپ نے میری انگ دھو کر میں نہیں تولی ہوگی +“
کس جسٹنگل اور سوکھے منہ سے نجی نے یہ نہ کہ میں کلھکلانا نہیں پڑی درجہتی جسم والی جڑوں راضی ہو گئیں۔ راضی ہو گئیں۔ نجی نے مسکراتے ہوئے کہا ”اب یقین آگیا کہ جسم سے میرے کیا تعلقات ہیں اور میرے پاس اُن کی تصویر دیکھ سکتی ہے یا نہیں۔ اگر یقین نہ آ ہو تو اور ایک آدھ ثبوت دوں۔ مگر بصیرت تو یہ ہے کہ تم روئے لگو گی +“
”مجھے یقین ہے کہ آپ کے پاس تصویر ہے؟ میں نے مسکراتے ہوئے اُس شہریزگر خوبصورت چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا +

”کس کی؟ کس کی تصویر؟“

”جسم کی۔ میں نے جھپٹتے ہوئے کہا ”اور کس کی“

”مگر کیا دو گی؟“

”جو تم کو دوں گی“

روٹا ہی۔ سنٹی ہو شاہجی۔ تم منافقت کرتی ہو کہ میں جو انگوں وہ یہ دیں گی +“

شاہجی نے میری طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ میں بھی مسکرا رہی تھی ”بھدا؟“ اُس نے کہا۔ میں نے کہا ”وہی“

ایک بڑی سی تصویر نجی نے نکالی اور خود ہی اس کو دیکھ کر ایک پر

جہ کی تصویر کو کہہ گندہ میں اس تصویر کو دیکھنے کے لئے بیقرار تھی +
”نجی نے آہستہ سے کہا ”پیارے جسم والی جڑوں۔ میری ایک کپ مردوٹنے والی تیار سے جہ کی تصویر دکھاؤں نا۔۔۔ دکھاؤں تو کیا ہوگی۔۔۔۔۔“

”آپ مذاق کر رہے ہیں نجی بھائی آپ۔۔۔۔۔“

”خیر درجہ تم نے اب کی نجی بھائی کہا۔ بھائی بنا کر خواہ مخواہ اپنی چھڑائی ہو۔ ہاں تو بناؤ کہ جہ کی تصویر دکھاؤں تو کیا دو گی۔۔۔۔۔“

میری طرف نجی نے مسکرا کر عجیب انداز سے دیکھا۔ ان کے ہوسے بال بایں آنکھ کی طرف متقلب ہوئے تھے۔ جسم کے ایسے ہی بال بایں مگر اس سے کہیں اچھے۔ میں نے تحقیق سنا تھا۔ عرصہ ہوا کہ میں یوں نکلا ذکر سنا تھا۔ مگر مجھے بات یاد آگئی۔ میں نے نجی کے خوبصورت اور روشن چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا ”آپ کے پاس جسم کی تصویر کہاں سے آئی۔ آپ مذاق کر رہے ہیں“

”بھئی اچھ کی تصویر میں ابھی دکھاؤں گا۔“ سر ہلاتے ہوئے نجی نے کہا۔ ”تمہیں ایک نہیں معلوم کہ جسم سے میرے کیسے تعلقات ہیں۔ کیا تمہیں یقین نہیں +“

میرے چہرے کو نجی نے نبور دیکھا۔ میرا چہرہ کہہ رہا تھا کہ ممکن نہیں کہ تعلقات ہوں۔ مگر نہ ایسے۔ یعنی بے حد تعلقات نہیں تو وہ مجھے نہ کہتے +

ایک دم سے نجی کھڑے ہو گئے۔ میں نے اس خوبصورت شخص کو سر و قد دیکھا۔ مردانہ حسن کی تصویر تھا۔ معاً جسم کی خیالی تصویر یا کھوں میں پھر گئی۔ نجی نے جھٹ سے اپنا سوٹ کپس کھولا۔ اور اس میں سے ایک لفافہ نکال کر دونوں ہاتھوں سے منسوبی سے کو نہ تمام کر میرے سامنے کر دیا۔ ”اس خط کو پہچانتی ہو؟“ میں گھبرا گئی۔ چہرہ پر ایک رنگ آیا اور گیارہ ہاتھ خود بخود اس طرف بڑھ گیا۔ ”نجی نے مسکرا کر ہاتھ کھینچ لیا۔“ ”وا۔ جناب۔ یہ کہہ کر وہ لفافہ میں سے خط نکالنے لگے +

میری حالت ناقابل بیان تھی۔ یہ میرا خط تھا جو میں نے جسم کو لکھا تھا۔ اور مجھے یاد تھا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیسے انہوں نے یہ بھی کو یاد کیا +

”دیکھنے دیجئے“ یہ کہہ کر میں کھڑی ہو کر خط لینے بڑھی۔ میں پریشان

کس شوق سے ہاتھ بنا کر تصویر کو دیکھا۔ میری جان ہی تو بیل گئی۔ یہ تصویر خود بھی کی تھی میں نے جل کر تصویر بھٹا کر کونہ میں پھینکی۔ جل کر میں نے کہا ”آپ کو سوائے اُسے سید سے ذائق کے اور کچھ بھی آتا ہے؟“ انہی کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر بھی نے ردِ قائم آگے بڑھ کر مجھ سے نہایت ہی سنجیدگی سے کہا ”اور آپ کو....“ جری جم کی چپٹی آنکھ لے کے تصویر پر پھینک دی۔

یہ کہہ کر تصویر اٹھائی اور میرے سامنے تصویر جھٹک کر کہا ”کیا بھی دیکھا ہے۔ اتنا خوبصورت شخص کبھی خواب میں بھی دیکھا ہے۔ بوند۔ تصویر اٹھائی اور پھینک دی۔ جم۔ جم۔ بڑی جم دلی آئیں۔ جم کی صورت نہ شکل بھڑا میں سے نکل۔“

”مشر بھی بس“ میں نے سنجیدہ ہو کر کہا ”مشر بھی بس۔ میں آپ سے گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔ اور نہ میں اس قسم کی باتیں سننا چاہتی ہوں میں اس قسم کے بڑاؤ کی نادی نہیں۔“

”لکھنؤ۔“ بھی نے سنجیدگی سے کہا ”آپ اس قسم کے بڑاؤ کی عادی نہیں تو بوند بھی ”اس قسم“ کے بڑاؤ کا نادی نہیں“ لفظ ”اس“ پر بھی نے اپنی ناک مڑو کر بتایا۔

پھر مجھے ہنسی آگئی۔ تو بھی نے آگے بڑھ کر مجھ سے کہا ”است سنا اور ہاتھ پڑو مجھے اپنے سوت کیس کے پاس لاکھڑا کیا۔ اور کہا اب ذائق کو تو میں الگ رکھتا ہوں۔ جم نے ہمیں ایک خطا دی ہے وہ لے لو۔“

یہ کہہ کر مجھے ایک خطا دیا۔ جم کا خطا میں پہچانی ہوں۔ میں نے پتہ دیکھنے ہی پہچان لیا۔ میں نے خطا کھول کر پڑھا جو حسبِ ذیل تھا۔

”دو میرے دل کی جڑ۔ یہ میرے دوست بھی ہیں۔ اگر مجھ سے محبت ہے تو ان سے پہلے کرنا جم کے لئے۔ اور جم کی محبت کے لئے بھی لازمی ہے۔ بھی اور جس ایک ہیں۔ یک جان دو قاب۔ نہیں لکھ کر یک جان دیک قاب۔“

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم انیس تیس نہ لک جائے آگینوں کو

تو جرم کی عتوں ذرا اس آگین کو خیال رکھنا۔ میرا پہلا خط بھی انیس ساتھ ساتھ دیکھا اس میں میں نے صلیق اسکا ذکر نہیں کیا جب میں گئے تب....“ تمنا لاجم

دیا۔ میں کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔
”شاہجی تم ادھر آؤ۔ ادھر آؤ۔“ یہ کہہ کر شاہجی کا ہاتھ پکڑ کر بھی نے گھسیٹا اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر تصویر کو پاس سے دکھاتے ہوئے پوچھا ”بو بو کیسا حسین و رعنا جوان ہے؟“ مسکرا کر بھی نے شاہجی سے کہا ”شاہجی مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو کر سبھی پر جا پڑی۔ میں کہانی جو رہی تھی +

”آخر یہ کونسا مذاق ہے؟“ میں نے فرماتے ہوئے کہا
”ذائق تو میں دنیا میں ایک ہے۔“ بھی نے جرت۔ کہا ”بس ذائق تو ایک ہے اور وہ ہمارے جم کی جوں جانی ہیں۔ کہہ دیکھا جو کوئی اچھی صورت شکل کا آدمی اور اس کی ناک دھڑوڑی.... دھوکر.... دھوکر....“

شاہجی ویسے ہی ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ اور بھی اس کا مارے ہنسی کے برا حال ہو گیا۔ اور مجھے بھی خواہ مخواہ پھنسی آئی۔
”دیکھو جی.... ادھر آؤ....“ یہ کہہ کر بھی نے میرا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔ اور صراحت.... تو کیا تصویر دیکھنا نہیں.... آؤ.... یہ کہہ کر اُس نے میز کے پاس لاکھڑا کیا۔ تصویر اٹھی رکھ دی۔ جگ ہاتھ میں لے کر کہا ”مندھ دھو ڈالو۔“

میں کبھی کرنا یہ یونی سیر سے چہرہ کی جراتی دیکھ کر کہا ہے۔ میں مسکرائے لگی۔ پھر بھی نے اپنی خوبصورت اور مخمور آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا ”دھو ڈالو“ میں مسکرا کر بھی تھی اور میں نے دو چلو پانی سے اپنا چہرہ مٹھا کر لیا۔ دانی بڑی زور سے حاصل ہوئی +

”لازم میں پونچھ دوں“ یہ کہہ کر بھی نے تویہ لے کر ہاتھ بڑھایا + میں نے مسکراتے ہوئے تویہ لے لیا اور ہاتھ پوچھتی ہوئی گریسی پر آ بیٹھی +

”اب آپ نے منہ دھویا لہذا اب آپ جم کی تصویر دیکھ سکتی ہیں“ شاہجی میرے کان سے ہاتھ رکھ کے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ میرا کلیجہ جم کی تصویر دیکھنے کے شوق میں دھک دھک ہو رہا تھا۔ بھی نے ہاتھ دھو کر تصویر چپا کر بیٹھ صرت تصویر کے پیر دکھائے اور کہا ”بیٹھ تو ہوسے تو کر لو“ میں نے تصویر ہاتھ میں پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے بھی کا ہاتھ ہنسنے ہوئے منہ کی کوشش کی۔ اور تھوڑی جیت وقت کے بعد نہ معلوم

ہی اس شخص نے چائے کی پیالی معہ چائے کے گھٹیل کر زور سے زور سے
طرف مٹھا کر پھینکی۔ میں چیخ برسی۔ بال بال بچی۔ چائے فرشتے پر چری
چائے کی پیالی دیوار سے لگ کر گھل گھل کر گر گئی۔
”آخر یہ کونسا مذاق ہے؟“ میں نے ناپسندیدگی کے ہمراہ کہا۔
”اؤ جو میرے لگ جاتی؟“

ادھر شاہجی کا جڑا حال تھا۔ مارے ہنسی کے اسکو آچھو لگ گیا۔
اور وہ لال پیلی ہو گئی۔ برابر والے کمرہ سے بہن زادہ دھماکے دہی
تھیں۔ پردہ سے جھانک رہی تھیں۔ ”آن کی دو آنکھیں اور سر کا اوپر
کا حصہ شیشہ میں سے دکھائی دے رہا تھا۔“

میری بات کا تذخجی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اس طرف آنکھی
آٹھا کر پوچھا ”یہ کون ہیں؟“ جھٹ سے زادہ غائب ہو گئی۔ میں پہنچی اور
زادہ سے سلام تلک کی۔ وہ ابھی ابھی آنی تھی اور اس نے مجھے پوچھا
”یہ کون سا شخص ہے؟“ اتنے میں شاہجی بھی آگئی۔ اور اس نے کہا ”جو میں
تمہیں ان سے ملاؤں۔“

زادہ نے ہاتھ ہلا کر کہا ”نہن میں ان سے نہیں ملتی۔ میں ہر س و
ناکس کے سامنے نہیں آتی۔“

”تمہیں ہماری قسم۔ بڑے مزے کے آدمی ہیں۔ دنیا بھر کے سامنے
تو آؤ اور۔۔۔۔۔“

”نہ۔ نہ میں نہیں آؤں گی کوئی بات بھی ہے۔“
اتنے میں تجھی نے پکارا۔ ”جہ کی جتوں۔ جہ کی جتوں“ بڑے زور
زور سے۔

میں ڈر سی گئی اور دوڑی آئی اور کہا ”خدا کے واسطے زور سے مت
پکارے۔ کوئی کیا کھٹکا؟“

”تو بہت مشت نہیں کھیل گی۔۔۔۔۔ کہاں لگتی شاہجی۔۔۔۔۔ لاؤ آئے۔
۔۔۔۔۔ چپکے سے۔۔۔۔۔ ہاں کھجھ سے زادہ کے بارہ میں کہا تھ۔ یہ کون
میں۔ لاؤ انہیں پھیلانے کے جوا چھ صورت شکل کی ہوں۔ تو پھیل لاؤ۔“

مجھے بڑی ہنسی آئی اور میں نے کہا ”میں کیوں کسی کو پھیل لاؤں۔
۔۔۔۔۔ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔“

”یا کل تمہارے جہ کی سی کرتا ہوں۔۔۔۔۔ جہ کی سی۔“
”خدا نہ کرے۔ میرا جہ ایسی باتیں کرے۔“

میں نے پڑھ کر نجی کی طرف دیکھا۔ وہ بولے ”دیکھتی کیا ہو میری اور
جہ کی ناک میں کوئی فرق نہیں؟“

میں کھٹکلا کر نہیں پڑی اور نجی نے سفید رومال جیب سے نکال کر
میرے منہ کے سامنے کیا ”جو سو اس کو۔ لگاؤ اسے آنکھ سے۔۔۔۔۔
نہیں۔۔۔۔۔ لگاؤ آنکھ سے۔“ ”نہیں کیسے لگاؤ گی؟“ یہ کہہ کر زبردستی میری
آنکھ سے لگانے پڑے۔ میں نے مسراتے ہوئے اسے آنکھ سے لگایا
اور کہا ”یہ لیجئے۔ اس سے کیا مطلب؟“

”اس سے کیا مطلب؟ اسے یہ جہ کا ہے۔ لیلو نام اسے۔“ یہ
کہہ کر میرے منہ پر مار دیا اور کہا ”بجایا یہ جہ کا ہے۔ تم سو گھو اسے۔“
میرا دل پست پست پست پست سے دھڑکنے لگا۔ میں نے رومال کو اپنے
چہرہ پر سے ہٹا کر مٹھی میں لیا اور کہا ”اگر یہ جہ کا ہے تو مجھے اپنی جان سے
زادہ پیارا ہے۔“

”واللہ یہ جہ کا ہے انہوں نے کہا تھا کہ تم محض سو گھو کہ بتاؤ گی اس
نئے کہ اس میں سے بونے جھٹ تمہیں ضرور مٹے گی۔“ اب میں غل
کروں۔“

یہ کہہ کر نجی چلے گئے غل خانہ میں۔ میں نے ادھر ادھر دیکھ کر کوئی
نہیں رومال کو سو گھو اس کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ رہ رہ کر
میں نے اس رومال کو چوما۔ واقعی یہ جہ کا تھا۔ اس میں سے جہ کی میں میں
جنت آمیز خوشبو آ رہی تھی۔ اتنے میں شاہجی آگئی اور نجی کی باتیں
ہوتی رہیں۔ شاہجی نے کہا ”بہن خدا کے واسطے ان کی کسی بات کا برا
نہ ماننا یہ ایسے ہی شخص ہیں۔ ذرا لڑکیوں کو بہت چھیڑتے ہیں۔ اور تم کو
بھی بہت چھیڑیں گے۔ جہ کے بڑے گھر دوست ہیں۔“

اس کے بعد میں نے جہ کا خط دکھایا اور تصویر دی دیر دیر جہ کا خط اور
رومال چومتی ہوئی گھرواپس آئی۔ جہ کی تصویر غالباً ان کے پاس نہ تھی۔

(۲)

تیسرے پہر کو میں ویسے بھی شاہجی کے یہاں روزانہ جاتی تھی۔
درندہ میرے یہاں آتی تھی۔ آج اس نے فرض کر کے مجھے بلا بھیجا۔
نجی کے مسخرے پن سے دراصل میرا بھی جی بہت خوش ہوا تھا۔ اور پھر
مزید براں وہ جہ کے دوست تھے۔

میں جب پہنچی تو نجی اور شاہجی بیٹھے چائے پلے رہے تھے۔ مجھے دیکھتے

زاہدہ سے مخاطب ہو کر کہا +
 شاہجی ہنس کر بولی ”بڑی اچھی صورت شکل ہے +“
 ”کہاں ہے“ ”بجلی نے پوچھا +“
 ”برابر والے کمرے میں“ یہ کہہ کر شاہجی نے چپکے سے اٹھ کر
 بتایا ”اس کمرہ میں بیٹھی کہیں دیکھ رہی ہے +“
 ”بجلی نے فوراً باغ کی دوسری طرف رخ کیا تاکہ زاہدہ کو شبہ
 بھی نہ ہو۔ ہم دونوں تماشہ دیکھنے لگیں +
 ”کیا واقعی وہ کمرے میں گھس جائے گی“ میں نے شاہجی سے
 پوچھا +

شاہجی نے ہنستے ہوئے کہا ”دیکھ ہی جو رہی ہو نا“
 پیچھے سے بجلی اور سائے والے دروازہ سے ہم دونوں پہنچیں۔ زاہدہ
 نے ہم دونوں کو تھما دیکر دروازہ کھولے ہوئے کہا ”اور وہ مسخہ کہاں
 گیا؟“

بیس کچھ نہ پوچھو کیا لعنت آیا ہے جب بجلی نے پیچھے کے دروازے
 داخل ہونے ہوئے کہا ”بندہ یہ حاضر ہے۔ ارشاد +“
 زاہدہ ایک دم سے + (باقی)

مرزا اعظم بیگ

میں دعا مانگو۔ دعا مانگو۔ اتر کرے جھوٹ جو۔۔۔ چلو اب چلو +
 جھٹ سے میں تھک گئی۔ در نہ میری گردن پکڑی ہوتی۔ میں نے کہا یہ آپ
 کیا کرتے ہیں نا +
 جلدی سے میں بجلی کے ساتھ بیڈ روم کو ٹ پر آئی۔ ہم دونوں
 نے کھینا شروع کیا۔ ہر گنبد پر بجلی کہتے تھے ہمیں جم کی قسم جو واپس کی
 نہ میرے برا ماننے سے برا ماننے تھے۔ اور نہ خفا ہونے سے اور نہ ہنسنے
 سے میں نہیں کھیلتی یہ کہہ کر میں بلا چٹیک کر کر سی پر جا بیٹھی +
 ”میں بھی نہیں کھیلتا“ ”بجلی نے لا پر داہی سے کہا“ ”ساؤ ٹھیک چار
 کھینے والے نہ ہوں +“

اتنے میں شاہجی آگئی۔ بجلی نے آؤں تو اٹھی سیدھی میری شکایت
 کی۔ اور کہا بغیر جا رہی کے کھیل رہا ہے +
 شاہجی نے مجھ پر غصہ کرتے ہوئے کہا ”جو تمہا شخص ہے تو مگر
 تم سے پردہ ہے +“
 مجھے بھی خیال آیا کہ زاہدہ بہت اچھا کھیلتی ہے۔ میں نے یہی کہا
 ”ہاں زاہدہ اچھا کھیلتی ہے مگر۔۔۔“
 ”دکھاؤ قسم“ ”بجلی نے مجھ سے کہا“ ”دکھاؤ قسم اچھا کھیلتی ہے۔ دکھاؤ
 جم کی قسم۔۔۔ ہاں اور یہ بتاؤ کہ اس کی صورت شکل کیسی ہے“

تالیفات خواجہ عشرت

شاعری کا مکمل سٹ چار جلدوں میں۔ بے بدو استاد شعر کہنا آ سکتا ہے۔ قیمت۔۔۔ عمار
 تذکرہ آب بقا۔ شعرائے نامی و حال کا کلام منتخب اور حالات زندگی۔۔۔ عمار
 مشر و شعرا۔ ہندوستان کے مشہور شہد و شاعر و شاعر کا اردو کلام اور حالات۔ ۴۵ شعرا کی لافٹ۔۔۔ عمار
 لغات۔ اردو مکمل سیٹ چار جلدوں میں مصادر و مکرر مفردہ مصادر مع اسی لغات الخ و۔۔۔ عمار
 مضمون نویسی۔ اردو عبارت لکھنے کا قاعدہ مع قواعد علم بیان۔۔۔ عمار
 ترجمان پارس۔ اردو سے فارسی بنانے کا قاعدہ مع جدید فارسی۔۔۔ عمار

المستأخر میجر عشرت بکڈ لو۔ احاطہ خانہ ماں لکھنؤ

نوٹ۔ یہ کتابیں دفتر نیرنگ خیال سے بھی مل سکتی ہیں +

عشق کی گولیاں

از جناب مرزا غلام بیگ صاحب چغتائی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) مکمل چیف کورٹ اردو دار

ہے کہ بس مرا جا رہا ہے
اس کے بعد ہم لوگ ناصر کو ان کے محابک کے ساتھ باتیں کرتا
چھوڑ کر پہلے آئے پر مجبور ہوئے +

لوہے کو لوہا کا ٹھکانا ہے۔ یہ خلل آپ نے سنی ہوگی۔ سچ کی دعا
اور صحت کی مجھوت اور طب کا علاج غپ! کیا وجہ جو بھائی ناصر کو ایک
اچھا سبق نہ دیا جائے +

سیسٹر سبیل ایک نوجوان عورت تھی۔ آفت کا پر کالہ۔ بڑی
چالاک ہوشیار اور نہایت خوبصورت اور خوب سیرت۔ غرض بڑی
شام انداز کی چٹیلی اور کچھ کہہ رہی تھیں ڈاکٹر کو کو آؤ بنا چکی۔ اس کو
ناصر ختمہ عشق بنانا چاہتے تھے۔ ویسے وہ پیچھے برکاس ہے کو ہاتھ رکھنے
دیتی۔ اب یہ ترکیب ناصر کو بھی کہ آتھریکیوں نہ کس طرار کو اپنا
مفتوں بنالیا جائے۔ ٹھیک ہے۔ پورس کئی مرتبہ ناصر سے مانگ
چکی تھی۔ لہذا ناصر نے ہی عشق کی گولیاں میری معرفت خرید کر سبیل
کو دیو پلس (اصلاح جگر کی گولیاں) کہہ کر دیں۔ ”ایک صبح کھانا اور ایک
شام“ ناصر نے کہا ”اور روزانہ حال گنا“

نرس نے گولیاں شکریرہ کے ساتھ لے لیں اور ادھر ناصر نے سبیل
پر یہ مہربانی شروع کی تاکہ رات و راس سے زیادہ بڑے اور زیادہ دیر
مک ساتھ رہے۔ یہ انتظام کیا کہ جس مرتبہ کو بھی دیکھنے جاتے سبیل کی
خدمات کی وہاں ضرورت نما ہر کر کے اس کو بٹواتے اور حتی الامکان اپنی
فیس کے ساتھ اس کو بھی نہیں دلاتے۔ اب آپ خود ہی خود فرمائیے کہ
عشق کی گولیاں کیونکر سبیل پر اثر کرتی ناصر کو نہ معلوم ہوئیں۔ وہ ناصر سے

کھانا ہاقل ہے کہ عشق بھی ایک مرض ہے۔ جہاں کھاتے وہ انہیں
امراض کو کھنے کی پیدا کی ہیں۔ وہاں اس کو پیدا کرنے کی بھی ادویات
ہیں۔ اور یہ نظریہ موجودہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے۔ ”آنا شکر
بھائی ناصر کچھ ابرو سمیٹ کر بولے کہ ”بھئی یہ اصول تو موجودہ طب بھی
مانتی ہے۔ انکشن کے ذریعہ سے امراض پیدا کئے جاسکتے ہیں“
میں نے کہا تو ”پتلے پوری بات تو سن لو۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ تو یہ نظریہ
موجودہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی اصول پر یہ گولیاں
بنائی گئی ہیں۔ ان میں صفت یہ ہے کہ جو کوئی شخص ان گولیوں کو باقاعدہ
کھائے اس کو مرض عشق لازمی طور پر لاحق ہو جائے گا۔ کسی عیسیٰ کے
ساتھ کس کے ساتھ؟ لازمی طور پر اس کے ساتھ جو اس کے لئے چلنے
واپس میں سے سب سے زیادہ عورتوں ہے۔ لہذا قطعی ممکن ہے کہ آپ
کسی کو یہ گولیاں خفیہ طور پر کھلوانے میں اور خود اس کی طرف ذرا اپنی
وجہ کریں۔ لامحالہ کھائے والا آپ کے عشق میں مبتلا ہو جائے گا۔ ہفتہ بھر
کی خوراک کافی ہے قیمت مبلغ پانچ سو روپے۔ اور وہ بھی حسب دخل و
نتیجہ نکلنے کے بعد ورنہ کوڑی نہیں“
ناصر کچھ ٹیڑھے ہو کر بولے لا حول ولا قوہ کہاں کی غتیں سناتے
ہو۔۔۔۔۔“

میں نے کہا ”ہاتھ کلن کو تو دسی کیا ہے۔ اس سے زیادہ عذر شریف
اور قیمت ملنا ناممکن۔ اب کیا کوئی۔ آپ کے آگے سرکٹ کر رکھتے؟“
”میں ایک ہزار روپے لکھا بجائے پانچ سو روپے کے اگر یہ دعویٰ سچ نکلے“
ابھی ناصر کا چہرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ کسی مرض کی قیمت لے جو دھکا کھایا
تو ایک آدمی اس طرح آکر محفل و مصغلات ہو کر ”ڈاکٹر صاحب۔ ڈاکٹر صاحب۔
جلدی۔ جلد ہی چلئے اس زور سے میرے بھائی کے درد گردہ آٹھا

رات کے آٹھ بجے احسان اپنا موٹر لے کر میرے گھر پر آئے۔ چار
پانچ بار دوست بھی تھے۔ جو اس روز والی دعوت میں شریک تھے۔ جلدی
جلدی میں نے کپڑے پہنے اور ہم سب روانہ ہو گئے۔ بہت جلد شہر سے
باہر نکلے کوئی میں فٹ یا آدھ گھنٹہ کے بعد موٹر ایک طرف کچی ٹرک
پر موڑ دیا گیا۔ اور بہت جلد ہی مسجد کے کھنڈر پہنچ کر ہم اتر پڑے۔
قریب ہی کیا رہتے ہیں کہ امریکا موٹر کھڑا ہے۔ مسجد کے صحن میں داخل
ہوئے اور سرچ لائٹ گھمائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ میناں ناصر! ہیں! یہ کیا
آپ یقین ماننے کو میناں ناصر! ایک لنگوٹ باندھے مسجد کے صحن میں
چاروں شانے چت پر چوٹی کے جوئے پڑے ہیں۔ سارا منہ لال اور سیاہ
پتوں سے رنگا ہوا ہے۔ اور ان کے سب سے پہلے لکھا ہوا ہے "عشق کی گویاں"
"ارے میناں یہ کیا مصیبت؟" ہم سب نے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ
ہے۔ جوں توں کر کے ناصر کو کھولا۔ پاس ہی ایک دفعتی پڑی تھی۔ تیل اس کے
نہ ناصر کچھ اچال بیان کریں جس میں انہیں سخت تامل تھا۔ وہ دفعتی پڑھی ہیں
پر لکھا تھا۔

"میں اتوار کرنا ہوں کہ میں نہایت ہی پیٹی آدمی ہوں۔ نوکٹر
اسٹرکس میں نے ہرگز نہ کوئی ایسا موقع ایجاد نہیں کیا ہے کہ
جس کی ایک ہونٹ پلاہنے سے آدمی کی صورت بدل جائے میں
نے محض جھوٹ بولا اور جھک مارا تھا۔ اور نہ نوکٹر یا گوایت نے گویا
ایجاد کی ہیں میں نے ان دونوں نوکٹروں کے نام بھی نہیں سنے
میں اب تو بہ کرنا ہوں کہ آئندہ خواہ مخواہ اپنے دوستوں میں ٹھکر
بے سرو پا پس نہیں تراشوں گا جس سے دوستوں کی توہین
ہو کر یا کہ وہ بالکل گم سے ہیں فقط ناصر تعظیم نوکٹر"

بڑی مشکل سے ناصر نے مجھ کو کھڑا کیا۔ دھڑکیوں ہوا کہ سیسل
کو خط جو میں نے لکھا تھا اس کا جواب آیا۔ بید محبت آمیز اور اس میں
لکھا تھا کہ بد مغرب مجھے اس جگہ ملے۔ میں یہاں پہنچا تو چار دو گھنٹہ بعد میرے
اوپر ٹوٹ پڑے اور میری یہ گت بنا ڈالی۔ اور مجھ سے یہ تحریر زبردستی لکھوائی۔

ناصر صاحب وہاں گھر آئے۔ ہم لوگوں سے وہ انک کچھ کچھ کہتے
ہیں۔ ان کا سب سے پہلے کہ ہم لوگوں نے خدیجہ صبا نے جھوٹ موٹ ترس
سیسل کی طرف سے یہ خط نامہ آپ خدیجہ اور عزیز ہستخون کے لکھنا کہ فلاں

اپنے کڑھوں اور اداؤں کے ساتھ مجھ پر شکریہ ہو کر ملتی۔ ناصر اس کو کس کو کس
فیس پر بھی لے لیتے جس میں سیسل کی خدمات کی بھی ضرورت ہوتی۔ نتیجہ یہ
کہ ہفتہ بھر کے اندر ہی اندر ایک ہفتہ کا ڈر کو رس مشق کی گولیوں کا ناصر
نے لیا اور تاس تھے کہ بے حد اثر کر رہی ہیں +

میں روزانہ سیسل کے عشق کی رپورٹ سنتا۔ کس طرح آنکھیں چپکے
اور مسکرا کر آج اس نے ناصر سے بات چلایا۔ کس طرح اس کے تحسن اور
نازک بولوں پر بہتر قسم کر رہا تھا۔ کس طرح وہ آنکھوں ہی آنکھیں نہیں
ناصر کو دل میں لئے لیتی تھی۔ کس طرح وہ زبردستی ناصر کے پاس گھسی آتی
تھی۔ دسویں روز میں نے مجھ کو ناصر کو علاج دی کہ "ارے میناں اب
کیا ہو گیا ہے اب وہ تمہاری ہے۔ تم آج ہی تنہائی میں اس کے گلے
میں ہاتھ ڈال دو!"

ناصر نے مجھ سے کہہ کر بند کرتے ہوئے تیزی سے پکی پاتی ہوئی
آواز میں کہا "یار وہ تو... وہ تو ایک دم سے شش پر ہو کر رہ گئی۔ اس کا
چہرہ سفید ہو گیا۔ زبان بند ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور ایک دم
سے بغیر بات چیت کئے ہوئے وہ ایسی رونے لگی ہوئی کہ نہ توکل آئی اور نہ
آج۔ گویا اس نے اپنا سب کام بھی چھوڑ دیا۔ اور اب یہ خط آیا ہے۔"
میں نے خط کھول کر پڑھا۔ بہت مختصر تھا، لکھا تھا۔

"میں ناصر بنایا ہے آپ سے نہایت ہی محبت میں اور نہ معلوم
کن خیالات کے ماتحت یہ غلطی ہوئی ہے۔ میری اور آپ کی
مشترکہ پریکٹس آج سے ختم ہے۔ فقط"

میں نے خفا کی ظاہری خوبوں کو چھوڑ کر اب اس کا اصلی مطلب پیش
کیا کہ کس غم کے واسطے یہ نہ لکھ دینا کہ غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ اس کا
دل ٹوٹ جائے گا۔ ہرگز غلطی نہیں ہوئی بلکہ دیدہ و دانستہ تم نے ایسا
کیا ہے۔ سوچ سمجھ کر اور نیک نیتی سے اور مشترکہ پریکٹس ہمیشہ ہمیشہ از زندگی
رہے گی +

ناصر کو کچھ کھڑو یا تو میں نے کہا "یار لکھو تو تم لکھو تو یہ نہیں توں
لکھے دیتا ہوں۔ بھائی یہ گویاں ہی ایسی ہیں۔ تم لکھو اور اگر جواب بات
آئے تو میں سو روپے جرمانہ دوں گا"

غرض ناصر نے کانپنے ہوئے ہاتھوں سے لکھ دیا

”ہاں! پشیمانی اور — ضمیر کی سرزنش —“

”شائیں اپنا کام بھی کروانی خریدی ہے“

”بس مجھ سے کچھ نہ پوچھو“

”تمہارا کوئی بزرگ پیار ہے یا بچہ؟“

”اس ذکر کو نہ پھیرو“

”تمہارا بیٹا ہے یا شوہر“

”برائے خدا مجھ سے نہ پوچھو“

وہ خاموش ہو گیا۔ اس کا دل انسانی صددی سے لرزہ چک

دھک کر رہا تھا۔ ایک قلیل عرصہ کے بعد اس نے مٹین کی آواز سنی۔ اس کا

سہ چکارا تھا لیکن آواز نہ باقہ رہا۔ بواڑہ کرتی۔ جگر دوز۔ داغ

پاش۔ دنگواش — گھر گھر — گھر — جاری تھی +

”آٹ میرے خدا! آٹ میرے اللہ“ وہ بڑبڑایا۔ ایک بجلی سی اس کے

بدن میں دوڑ گئی۔ لڑکھڑاہتا ہوا تھا اور پھر مزید کے سامنے جا بیٹھا۔ نیزا خاں

— رسالوں اور کاغذوں سے لدی ہوئی تھی۔ جن کے درمیان ایک ماہوس

مریض کا چراغ بھی ٹٹورا تھا۔ سامنے کچھ سا داہ اور کچھ لکھے ہوئے کاغذ پڑے

تھے۔ اس نے ان پر نگاہ ڈالی۔ اور تہمت کر کے قلم اٹھایا۔ قلم کا غلغلہ

— اس معلوم ہوا تھا۔ کہ یہ لڑکھڑاہٹیں کی آواز سے پیدا ہو رہی ہے۔

لکھے ہوئے مسودے کے الفاظ مٹین کی آواز کے مطابق اس کی آنکھوں

کے سامنے اچھتے معلوم ہوتے تھے +

قلم کی لڑنٹ اس کے اٹھ کھڑے ہوئی۔ ہاتھ سے بازو میں سرایت کر گئی۔

اور بازو سے داغ میں — مٹین کی گھر گھر کر کے خاموش فضا

میں اچھتے ہوئے اٹھالیں — اس شکستہ دل کی رگ دھان میں —

اس کے داغ میں — ایک سحر انگیز اثر پیدا کر رہی تھی۔ وہ کیا لکھ رہا تھا؟

اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ اسے کچھ یاد نہ تھا! اس کے کاغذ پر — چھپتا ہوا قلم

— عجیب بہیم سی فطرت بنا رہا تھا۔ یا گاہے گاہے یہ آواز بھار رہا تھا —

اور وقت گزر رہا تھا +

وہ دروازے کی گھنٹی سے چونک پڑا۔ سویرے کی پہلی کرن دیر چھ کی درواز

سے اندر آ رہی تھی۔ اور دہنے کا شعلہ دم ہو چکا تھا۔ ”وہی ہوگا“ اس نے خیال

کیا۔ اور جھٹکتے جھٹکتے دروازہ کھلا۔ دروازہ کھلا اور تھوڑے کے ایک ٹھنڈے جھونکے

نے ٹھوکے کو سر کر دیا۔ ایک شخص اپنی جھپٹ کا لڑکھڑاہٹیں اٹھاتے ہوئے اندر

”اچھا تو صبح تک انتظار کرو میں صبح تک اپنا کام ختم کر دوں گی“

”اگر تم انتظار کرو تو؟“

”میں تو تباہی کی چل کر میں انتظار نہیں کر سکتی“

”لیکن میں بھی تو انتظار نہیں کر سکتی“

”تو پھر کسی دوسرے کام کرنے کی تکلیف گوارا کرو“

”میرے پاس بھی صرف ایک ہی کام ہے۔ اس کا دروازہ بالکل تھمے

کرے کی طرح برآمدے کی طرف کھلتا ہے۔ اگر اس کھلی ہوا میں بیٹھوں۔ تو میرا

زندہ رہنا محال ہے میری طبیعت — میں بہت طویل ہوں“

”بذہن صبر ابھی سخت آفسوس ہے“

”آہ! تمہیں آفسوس تو ہے لیکن محض آفسوس — اور جو کام کی بات

ہے وہ غائب — آفسوس تو روک دو گھنٹے بھر کے لمبی سی تو —“

”میں معافی کی خواستگار ہوں۔ اگر تم صرف جانتے کہ —“

”کیا جاننا“

”کہ اسی ایک گھنٹہ میں جو کچھ میں سی رہی ہوں ختم ہو جانا چاہئے —

ورنہ —“

”ہاں! ورنہ کیا ہوگا؟“

”بس بہنے دو۔ کچھ نہ پوچھو۔ مجھ پر رحم کھاؤ“

”تو تم پریشان چلانے چلی ہو؟“

”ہاں! چلانے چلی ہوں۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ مجھے مہذب سمجھو“

”اوہو! اگر تم نے پریشان چلائی۔ تو میرے لئے کام کرنا۔ ممکن ہوگا“

اور ایک گھنٹہ میں تمہاری طرح — بالکل تمہاری طرح — کیا تم مجھے

اپنا راز نہیں بتاؤ گی؟“

”برائے خدا مجھ پر رحم کرو“

”اور کیا تمہیں رحم نہ کرنا چاہئے“

”میں عورت ہوں“

”اور میں — میں مریض ہوں“

”آہ! بد قسمت میں تمہارے مجبور کرنے پریشان نہیں چلائی۔ لیکن یاد کرو

بعد میں پشیمانی اٹھانی پڑی گی“

”پشیمانی؟“

”میں جھوٹا اور نیک حرام ہوں؟ ہاں درست بالکل درست! ہاں میں اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ تم کہتے ہو درست کہتے ہو۔“ یہ کہہ کر نوجوان ایک یاس انگیز انداز میں کھانا۔ اور دوسرے نے پھر بلبلانا شروع کیا۔

”آف — میرا انبار تباہ ہو گیا۔ مجھے تم نے کیس کا نہ چھوڑا۔ دلے پڑھیں! آف کس قدر شرم کی بات ہے کہ کسی بے عزتی ہوگی۔ جو شخص تم لوگوں کو کام دے۔ تم پراحسان کرے۔ اُس کی نوازشوں کا صلہ لیں دیا کرتے ہو۔ خوب — یہ اجر ہے — واقعی محسن کش ایسے ہی ہوتے ہیں۔ خدا کی قسم مجھے انسان نہ کہنا۔ اگر میں نہیں سمجھی ایک جہہ کا کہ بھی دیا۔ تو کیا تم مجھ سے کسی قسم کی مروت کی امید رکھتے ہو؟ ہاں! آج ہی سے فائدہ مستی کا خواب دیکھو +

آہ — وہ مجھے چاہا باز — دعا باز کہیں گے۔ خدا جانے وہ اور مجھ سے کیا سلوک کریں۔ میں اپنا علم دے چکا تھا۔ میں کیسے نہ دکھاؤں گا۔ کیا ذلت ہے کیسی مصیبت ہے — خیرات — ایں بھیک ہی مانگتے پھر و گے۔ شاید — نہیں لی جانیے + وہ اپنے بڑے کوٹ میں چلی ناگوں سے زنگ بھرتا ہوا۔ ہزاروں صلیباں سناتا ہوا۔ دروازہ کو زور سے بند کر کے چلا گیا +

”جاؤ — اب بھیک مانگو! بھیک! ہاں خیرات کاؤ! خیرات!“ نوجوان میز کے سامنے کھڑا ہوا کہ یہ الفاظ دل میں دہراتا رہا۔ ”آج سے فائدہ مستی کے لطف اڑاؤ۔ اُس کے چہرے پر بشارت و پریشانی کے آثار نمایاں تھے لیکن تکنت و خوداری کا جذبہ ان دونوں جذبوں پر غالب معلوم ہوتا تھا + لیکن وہ منہ بند — وہ خرافات کا پلندہ — نہ لکھا گیا۔ اُس نے وہ کیوں نہ لکھا۔ کس وجہ سے؟ وہ معلوم نہ کر سکا۔ اُس نے اپنے ارد گرد نظر دوڑائی۔ روشندانہ ایک بندہ تھے۔ اُس کے کمرے میں اب تک رات تھی۔ چراغ سوئی اسی طرح اپنی دم شمع روشنی سے جھلکا رہا تھا اور کوپے میں — ساتھ کے مکانوں سے نرمی سے — محرمی آدمی آوازوں میں — کائنات خواب سے بیدار ہو رہی تھی یقین کی آواز اب خاموش تھی۔ پتھر کی دیوار اسی طرح گرد آلود مایوس کن معلوم ہوتی تھی۔ اس میں سے شرابی کے وہ الفاظ جو کہ اُس نے بانی سے دروازہ کھول کر منظر عورت کو کہے تھے۔ نوجوان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے تھے۔ اُس نے داخل ہوتے ہی جھلکا نہ لہجوں میں کہا تھا +

”دوپہر سے پہلے کھانا — نہ دیا — تو —

کو چھپائے داخل ہوا +

”کام ختم ہو گیا؟“ اُس نے ناخوشگوار آواز میں پوچھا +

”نہیں! کام نہ نہیں ہو سکا“ نوجوان نے مایوسی سے اپنے بازوؤں کو پھیلاتے ہوئے جواب دیا +

”مذاق کر رہے ہو کیا؟“

”سچ کہتا ہوں — مجھ سے کچھ نہیں ہو سکا“

”کیا کہا؟“ نہیں ہو سکا! تم مجھے بنا رہے ہو۔“ یہ کہہ کر وہ ایک کمری پر لاپرواہی سے بیٹھ گیا۔ اور اپنے بے نیلے کچیلے ہاتھ کوٹ کے اندر سے باہر نکالے۔ سبزی مائل آنکھوں کی چٹکیاں اُس کی سرخ جھوٹ کے نیچے غصے سے پھیلی ہوئی معلوم ہوتی تھیں +

”ممکن نہیں کہ نہ ہو سکا ہو؟“ اُس نے زور سے تیز یہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”اب تک تو انا بھی شایع ہو چکا ہوا ہے تھا۔ اور اگر آج“ ”حق! کے خلاف مضمون نہ نکلا — تو بس — میری شامت — کاش! کہ میں خود لکھ سکتا — میری ہستی! میری کے انتخاب کا بے فیصلہ گئی۔ دن تھا میں خوب روپیہ کما سکتا ہوں اور اس کی بجائے اب؟ اسکی بجائے اب وہ میری خوب گت بنا رہا گئے۔ وہ مجھے بھجوا دیا باز کہیں گے۔ یہی دراصل — درحقیقت — تم دعا باز ہو — تم ہر دم —

— بھجوا دے گا۔“

”نہیں جان! ذرا عقل سے کام لو۔ میں دعا باز کیونکر ہوں۔ میں اس مضمون کے لکھنے سے قاصر تھا۔ میرے غمخیز کی آواز نے جین لینے دیتی تھی۔“ ”حق! کی بابت میری رائے ہمیشہ اچھی رہی ہے۔ اور میں اُسے اچھا دیتی خیال کرتا ہوں۔ تاہم مجھے اپنے اس فرض منصبی کے ادا کرنے کا احساس ضرور تھا کہ میں اسے مفت میں بدنام کروں۔ اُس کی نیک نامی و شہرت بغیر جرم کے خاک میں ملاؤں لیکن جب میں ان جلی تہانوں — بچا و سر سربے بنیاد الزامات کی بارش دانیوں میں جھوٹا میرے دعا کرنے کا ہر کرنے سے جواب دینا میرے حواس قافیہ نہ رہے۔ میرا قلم رننے لگا — میں ایک لفظ بھی نہ لکھ میرے خیالات منتشر ہو گئے۔ اس میں میرا کیا قصور؟“

”جاؤ — جاؤ — یہ جیکے کسی اور کو دو۔ تم تو ہوتی سارے جہاں کے جھوٹے — بھجوا — نیک حرام — احسان فراموش — اور

ہم سب تمہیں خوب سمجھتے ہیں!“

جان لیا کرو وہ اُس سے بولنا چاہتی ہے۔ اُس نے جواب میں ایسا کوٹھکھٹایا +
پھر دونوں نے دیوار سے اپنا منہ لگا کر ایک ہی وقت میں کہا +

”وہ آپ کا شکریہ“

انفوس! یہ خوش کن الفاظ — دونوں میں سے ایک ہی نہ سن سکا۔
کیونکہ دونوں کے منہ دیوار کو ایک ہی وقت پر چبھ گئے۔ دونوں دیوار سے ٹکلتاے
ہوئے پیچھے ہٹے +

”نہیں! یہ وہ نہ تھی“

”نہیں! یہ وہ نہ تھا“

محمد عمر فاروق

(ماخوذ از اطالوی بواسطت انگریزی)

اب وہ بد تمنا ناخوشگوار گرمی مینہ میں مست تھا۔ عورت کپڑے نفل میں
دبا کر یاہر جانے کو تیار ہوئی۔ وہ خوش تھی کہ وہ اپنے بدکردار بد سماشس —
کم عقل و سینہ دوز شوہر کی بے خواہش کو پورا کر سکیگی۔ یاہر جانے سے پہلے
اُسے اپنے ہمسائے کا خیال آیا جس کو رات بے آرام کر کے اُسے تھکین
— اور شاید اپنی عزیز جان — حاصل ہوئی تھی۔ اُس نے دیوار ٹکھٹکھٹائی۔
شکستہ دل نوجوان اپنے خیالات کی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔ اُسے ایسا معلوم
ہوتا تھا کہ وہ کاغذوں سے باتیں کر رہا ہے۔ ”خیرات! لیکن خیرین نے مجھے
ایک شریف انسان کو بدنام کرنے سے روکا۔ اس پر بے سرو پا پھینکیاں
باندھنے سے باز رکھا +“

ساتھ کے کمرے سے عورت کی انگلیوں کی آواز آرہی تھی۔ اُس نے

غزل

(از جناب حکیم حافظ رحمت اللہ صاحب بنارس سی)

کس نے بے پردہ ترے صحن کا جھلوا دیکھا ہم نے کوئی نہ ترا دیکھنے والا دیکھا
تجھ میں اعجازِ عجب اے دلِ شیدا دیکھا جس کو ڈھونڈنا اے پایا جسے چاہا دیکھا
ہاتھ میں لے کے کبھی رکھ کے تھیلی پہ کبھی اُس نے پہروں دلِ بیتاب ہمارا دیکھا
پائے بوسی کا شرف ہم کو تو حاصل نہ ہوا اور پتھر پہ ترا نقشِ کعبہ پا دیکھا
کیا چھپائے گی بھلا حسن کے جلوے کو نقاب آپ کو دیکھ لیا آپ کا پردا دیکھا
حالِ کتنا ہوں تو آنکھیں وہ دکھاتے ہیں مجھے دل دکھاتا ہوں تو کہہ دیتے ہیں دیکھا دیکھا

وہ تجھے جان گیا وہ تجھے چچان گیا

حافظ رحمت اللہ

غور سے آ کے مرا جس نے سراپا دیکھا

نہٹ بہار پن۔ تھکے سننے آوازیں ہونے وغیرہ پر دغ و غن کرامات۔ اکیس خطا دوا ہے۔ فی شیشی ہم۔ بلب اینڈ سنسز بلی ہیٹ (یورپی)

عروسی ہمار

عروسی ہمار

ایک اٹالوئی فائن

(نوٹ:- تاثرین کی سہولت کی وجہ سے اٹالوئی زبان کے نام تبدیل کیے گئے ہیں)

از جناب نیل احمد صاحب بی۔ اے۔ - مشکفہ

ہو جائے گا کہ ہم ایک لڑی میں پروئے جا چکے ہیں۔ اس بار کو ایک لمحہ ہی اپنے پاس سے جدا نہیں کر دے گی۔ پیارے راجندہ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ میں تمہاری بہن اور تمہارے جو اور صرف موت ہم دونوں کو جدا کر سکتی ہے؟

”وہ کیا اچھا دن ہو گا جب تم اپنے ہاتھوں سے یہ بار مجھے پہناؤ گی اور اس وقت تمہیں مسرور دیکھ کر میں کس قدر شادمان ہو گا۔ تمہاری خوشی کو بلائے ہاں تم پہناتے کئے میں نے اپنی انتہائی قوتوں کو صرف کر دیا۔ پاری رکنی تمہیں اس وقت معلوم نہیں کہ حقیقی مسرت کیا شے ہے۔ ایشور کرے وہ دن جلد آئے جب تم حقیقی کامرانی اور خوشی سے آگاہ ہو۔ جس زندگی میں پریم رس نہ ہو وہ کس قدر بوناک زندگی ہے۔“

”لیکن محبت کے ساتھ استقلال اور قیام بھی ہو۔ دیکھو راجندہ پھر وہی شرارت کر رہے ہو؟ یہ غلاب کا بھول چکے کیوں دے رہے ہو؟ بارہ برس دہلی میں رہے اور بھاڑ بھونکتے رہے۔ تمہیں ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ عروسی ہمار میں غلاب نہیں پرویا جاتا۔ صرف نارنگی کے بھول ہوتے ہیں؟

ایک خادم داخل ہوا

”مذہب اور کل ڈاک گاڑی نہیں جائے گی۔ اس لئے شکار سے پہلے آپ تشریف نہیں لے جاسکتے؟

رکنی: ”شکار؟ کتنے ہیں شکار کو ستر نہیں کرنا چاہئے؟ اور پھر نہارت لہجی سے اپنے کام میں مصروف ہوئی۔ لیکن اس کے تفسر سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ راجندہ کی رواں گی کی تاخیر میں مسرور ہے۔

”تو کتنی! میرا خیال ہے کہ یہ تمہاری چال ہے کہ میں کسی طرح دو دن اور روک جاؤں؟

”آپ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ میری یہ دلی خواہش ہے کہ تم جلد جلد بھولنے پر آمادہ

”یہ ہمارے شام ہونے سے پہلے ختم کرنا ہے۔ اور تم مجھے خواہ مخواہ تنگ کر رہے ہو۔ تو بہت کم قدر شیطان ہو کر میرے پھولوں اور چوں کو ٹٹ ٹٹ کر رہے ہو۔ سرخ رنگ کے عوض او دے رنگ کے بھول میرے ہاتھ میں دبے ہو اور یہ خیال رہے کہ جب تک میں ہار ختم نہ کروں گی یہاں سے ہلنے نہ دوں گی“

یہ الفاظ نہایت تنگ مزاجی سے لیکن ہونٹوں پر نہایت دلاوریت سے سم کے ساتھ ایک مولہ برس کی حسین لڑکی نے اپنے قریب بیٹھے ہونے خوبصورت نوجوان کو لکھ کر اس سینہ کو تنگ کرنے میں لطف اٹھا رہا تھا۔ بار پروتے کبھی اس کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ کبھی چیزیں چھالنا کبھی جو چیز وہ چاہتی تھی اور لہجہ جہاں اس کا ہاتھ پہنچ سکتا۔ کبھی اس کے لیے لیے خوبصورت بالوں سے کھینچنا ”بس ناراض ہو نہیں۔ اچھا مجھ سے خطا ہوئی۔ معاف کیجئے گا۔ لیکن یہ یہ تو بتائیے ابھی سے ہار پروتے میں کوئی جلدی ہے۔ یہ بات صرف ایشور جانتا ہے کہ یہ ہار کب پہنا جائے گا۔ البتہ اگر آپ نے اسے کل پہنا ہے تو میں بھی دل و جان سے ہار پروتے میں وردہ تیار ہوں؟

”کچھ پروا نہ نہیں۔ یہ بھول اس دن کا انتظار کریں گے۔ جس قدر وعدہ کرتی ہوں کہ جب بھی وہ وقت آئے گا یہ بھول ایسے ہی نازہ نظر آئیں گے مجھے بھولوں کو امتیاز دے رکھنے کا طریقہ یاد ہے۔ اس دن تو ان کی نظریں یہ ہانک مولا ہار ہو گا۔ لیکن میری اور تمہاری نظروں میں یہ ایک آسانی تھا ہو گا۔ اس گوارہ کی جہاں ہماری فیر تھاپی محبت پل کر جو ان ہوئی ہے۔ ہار بار نازہ لگ کر گیا۔ علاوہ انہیں جب تم اپنے کمر جاؤ گے یہ میری زندگی کا سہارا ہو گا۔ غلط میں اس سے ہار نہیں کر دے گی۔ تمہاری یادیں آسے جو ہو گئی۔ آنکھوں سے لگا رہی کی سچے پر رکھوں گی۔ اس دن تک جب لوگوں کو ابھی یہ معلوم

اجازت لے کر آؤ گے تو اس وقت ہم دونوں دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت انسان ہوں گے۔

”سے روانہ ہو جاؤ“
”اچھا! اس سے تمہارا مطلب؟“

اس کے بعد گھنٹی کی آواز سنائی دی جو کہ رکتی کی ماں کے کمرہ کی طرف سے آئی تھی۔ رکتی جلدی ہے اٹھی اور بیارے راجندر میں بھی آتی ہوں۔
”کہہ کر اپنی والدہ کے کمرہ کی طرف بھاگ گئی۔“

راجندر ایک نہایت متمول، باجراکشا تھا۔ وہ اچھل اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا تھا۔ لیکن وہ تعلیم میں سے فہم و فراست اور گیان قوی ہو لیکن جس سے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے کی کبھی کبھی کوشش نہ کی گئی ہو۔ وہ اچھل ایک دینی فاضل تھے۔ کالج میں تعلیم پا رہا تھا۔ اس کی تعلیمی فضا اتنی بوسیدہ تھی جتنی کہ اس کی دیواریں۔ اس کو ثابت پایا گیا تھا کہ اس کے سینہ میں دل ہے۔ لیکن وہ جذبات اور احساسات جو سہل بے پناہ کی مانند اٹھتے اور گرتے رہتے ہیں کبھی کسی کتاب یا کسی استاد نے نہیں بتایا تھا کہ ان کا صحیح راہ چل کیا ہے کالج میں صرف اتنا بتایا گیا کہ شہ پند جذبات اور خواہشات کا مردانہ اور خالص کرے لیکن اس بات پر کبھی بھی روشنی نہ ڈالی گئی کہ وہ ان کے مقابلہ کے لئے کون سے ہتھیار استعمال کرے۔ اس کو تعلیم دی گئی تھی کہ نیکی سے محبت کرو اور بدی سے نفرت۔ لیکن کبھی بھی اس پر یہ روشن نہ ہوا کہ کبھی نیکی اور بدی کیا چیزیں ہیں۔ گورا چندر کی طبیعت میں انکس مزاجی اور شہ پند تھی لیکن وہیں وہ سلیم الطبع اور جلدی زیر ہو جانے والا تھا۔ قدرت نے اسے خوبیاں عطا کیں۔ لیکن سماجی زندگی نے وہ تمام خوبیاں چھین لیں۔ وہ ایک جہاز کی مانند تھا جو بیرونی جہازوں کے پانی کی سطح پر کبھی اوپر کھنکھرتا پھر اتار دیتا تھا۔

رکتی کے والد کے راجندر کے خاندان سے نہایت اچھے تعلقات تھے۔ چنانچہ جب وہ بنارس میں تعلیم حاصل کرنے کو گیا تو انہی کے گھر میں رہائش اختیار کی۔ راجندر ایک ہی نگاہ میں رکتی کو دل دے بیٹھا۔ رکتی نے بھی اس کی محبت کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ راجندر نے اپنی طبیعت کے تحت نہایت تیزی سے محبت کے عہد و پیمان کا اقرار کر دیا۔ رکتی کو اپنے ناچرخہ جاری کی وجہ سے یقین ہو گیا کہ جس خوش و خرمی کے ساتھ اس نے محبت کا اقرار کیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس کو استعمال ہوگا۔ اس لئے دل و جان سے اپنے آپ کو راجندر کے حوالہ کر دیا۔

راجندر کی تعلیم کا ایک سال ختم ہو چکا تھا۔ اور وہ اب رخصت پر گھر جا رہا تھا۔ رکتی کا والد دینا ناتھ بھی ایک بڑا تاجر تھا۔ اس نے نہایت چھوٹے پیمانے پر

”اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ مجھے تم سے کمال درجہ کی محبت ہے۔ چنانچہ اس دنیا میں مستزن نام بہار انسان کی روح کو ترو تازگی بخشتی ہے۔ وہاں تباہ کن غمراں بھی ایک پلیٹ ہیں۔ وہ ڈانک منظر پیش کر دیتی ہے۔ اور ان کو دنیا میں رہ کر فرض شناسی لازم ہے۔ اور فرض شناسی کا دور نام و روزہ الم رنج، غم ہے۔ اور ان کو بوجہ بوجہ اعلیٰ تعلیم ترین گناہ ہے۔ نئے میری ایک ہی بات تھی۔ دو سال ہوئے ایک شخص نے اسے محبت میں دھوکا دیا۔ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکی اور گھل گھل کر عالم غافل کی دھندھاری۔ ایک لمبے عرصے میں اس کا خیال میرے دل سے نہیں ٹھک سکتا لیکن پھر بھی جب تمہیں دیکھتی ہوں تو سوائے تمہارے سب کچھ بھول جاتی ہوں۔ تم سے بولتی ہوں تو بھتی ہوں کہ دونوں زبان کی دوستی میرے پاس ہے۔ میری مائیداد کہ وہ وقت قابل مدد ہیں۔ میں ان کی طرف عدم توجہی سے کام لیتی ہوں۔ ایک دن انہوں نے کہا ”تم ملاقاتی نہیں ہو“ آہ اس دن سے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ میں اپنے فرائض بھی کو بجالانے میں کوتاہی کرتی ہوں۔ بہت ہوں۔ تم سے مجھ پر راجندر جو شخص اپنے ادائیگی فرض پر مدھیان نہیں دیتا اس کو ہم انسان نہیں کہہ سکتے۔ تو میں کس لئے اس قدر کوتاہی کر رہی ہوں۔ صرف تمہارے لئے جب تم انکھوں کے سامنے آتے ہو تو مجھے کچھ باؤ نہیں رہتا۔ اور اس وقت میں یہی بھتی ہوں کہ تمہاری محبت ہی میرا سب سے بڑا فرض ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ تم جلدی چلے جاؤ۔ تاکہ میں اپنی بول چل مائیداد کے دھوکے میں شریک ہو سکوں اور فرض شناسی کی کسوٹی پر چٹک میں پرکھی نہیں جاؤں گی میں کس حرج تمہاری ”اچھی بیوی“ نکلا سکو گی۔ جب تم دور چلے جاؤ گے میرا کامل افتخار تمہارے ساتھ ہوگا۔ میری محبت تمہارے ہمراہ ہوگی۔ لیکن اگر تمہارا والد اس بات پر رضامند نہ ہوئے تو کیا ہوگا؟“

”آپ ایسے انداز ہناک خیالات دل میں مت لائیے۔ مجھے کامل امید ہے کہ جس بات میں میری خوشی ہوگی میرے والد ہرگز اس کو ٹھکرائیں نہیں گئے۔ اور اگر فرض مجال وہ ٹھکرا بھی دیں تو دو سال تک میں قانونی طور پر اپنی مرضی کو استعمال کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔“

”خدا کرے میرا یہ وہم دور ہو جائے لیکن میرے دل میں سبقت یہ خیال ایک غمراہت سی پیدا کر دیتا ہے۔ راجندر! جب تم اپنے والد سے اس امر کی

سانس بھر کر ایشور سے دعا مانگتی۔ رکعتی جلدی ہی نہیں بلکہ چھروں کی خدمت میں مشغول ہو جاتی۔ رکعتی نے والدہ کی خدمت کرنے میں رات دن میں کوئی تیز نہ کی۔ لیکن قسمت عورت کی روح بہت دنوں تک غم گینے کی تسخیر نہ ہو سکی۔
رکعتی کی والدہ کی زندگی کے آخری لمحات آسپتھے۔ آخری سانس لینے سے پہلے اس نے اپنی پیاری بیٹی کی طرف آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا۔

”پیارے بچہ میں جانتی ہوں کہ تمہیں راجندر سے کمال محبت ہے۔ ایشور انجام بخیر کرے۔ میرے پاس یہ ایک سو نے کا جڑاؤ تو بیڑے جس کی قیمت دس ہندو ہزار ہوگی۔ اس کو تاہم آخری سے لگاٹے رکھنا۔ غریب اور کیس ماں کی یاد اس سے تازہ رہیگی۔ میرے کس میں کچھ روپے اور کچھ پیرل بنک کے چک موجود ہیں۔ گوہ بہت بڑا سرمایہ نہیں تاہم آٹھ سو وقت تمہارے ہاں آسکیگا۔ اور اسی غرض سے میں نے آج تک تمہارے باپ سے چھپائے رکھا ہے۔“ کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن آخری سانس کی میناؤں ختم ہو گئی اور اس کا سر رکتی کے زانو پر پھر کبھی نہ اٹھنے کے لئے دھرا تھا۔

اس واقعہ کے چار ماہ بعد راجندر آگیا۔ اس کا والد ابھی تک رمضان نہ ہو سکا بلکہ وہ چھندنی امیدوں سے رکعتی کو ڈھارس دیتا رہا۔ دینا ناٹھ کو بھی اس عشق بازی کا راز لکھ چکا تھا۔ اس لئے اس نے راجندر کو گھر پر آنے سے روک دیا۔ لیکن رکعتی اور راجندر خندہ لاف تائیں کرتے رہے۔

راجندر کی محبت میں کافی تبدیلی ہو چکی تھی۔ اس میں پہلا سادہ جوش و خروش نہیں تھا۔ اس کی باتوں میں اب وہ سرگرمی نہیں رہی تھی۔ علاوہ ازیں شہر کے ہمسائوں سے اس کا رابطہ پیدا ہو گیا۔ قمار بازی سے اس کو ایک قسم کا عشق ہو گیا۔ باپ سے جو روپہ ہنگامہ آجڑا میں ارجانا۔ جس کس پہنے سے بھی باپ سے روپہ نہ منگوا سکتا تو رکعتی کے پاس جانا۔ بیچارہ وفائی پتلی سو کی بلکہ دو سو اس کے حوالہ کرتی۔ اور وہ روپہ کے اخراجات کا جھوٹا بہانہ کرتا تو وہ کہتی:-

”میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ میں تمہاری ہوں اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ بھی تمہارا ہے۔ آپ کیوں تفصیل سے کام لے رہے ہیں۔ بس اتنا کافی ہے کہ تمہیں روپہ پہنچے۔“

کاش وہ ان افواہ کو کچھ سکتا۔ اور اس مسموم لڑکی کے دلی کی تہ کو پہنچ سکتا لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوسکا۔ روپے کی طلب نے اس کے تمام حسیات کو بے حس کر دیا تھا۔ وہ اس لڑکی کی پاک بخت کی قربان کے درپے تھا۔ جن جون وہ

تجارت کا کام شروع کیا۔ بالآخر اپنی جانفانی۔ دیا تدار کی اگلا قدم فراست کی وجہ سے آہستہ آہستہ ایک کامیاب سوداگر بن گیا تھا اور اس وقت وہ کافی سرمایہ جمع کر کے بنگالہ سے متعلق ہر جگہ تھا۔ دینا ناٹھ طبیعت کا دلچسپ شخص اور تجارت کا کمر تھا۔ وہ محبت نہیں چاہتا تھا۔ دوسروں میں ڈر پیدا کرنا اس کا مقصد۔ وہ اپنے خاندان کا ایک ظالم حکم تھا۔ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان ہمیشہ کشیدگی سی رہتی تھی۔ غالباً اسوجہ سے کہ وہ بچوں کو شغف اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ کچھ اس غم سے اور کچھ بڑی لڑکی راجنداری کی موت کے غم نے رکعتی کی والدہ کو جاں لبب کر دیا۔ اور فالج کی مرض لاحق ہو گئی۔ اور وہ دبیر سہارے کے حرکت نہیں کر سکتی تھی۔

ایک اضعیف عورت محبت کی وجہ سے اس خاندان میں رہنے سننے لگی۔ وہ ایک دینا ناٹھ اور خیر خواہ عورت تھی لیکن خاموش اور ارد گرد کے ردوانہ جھگڑوں سے بے نیاز تھی۔ جب دینا ناٹھ نہایت درشت لہجہ میں گھر کو سر پرٹھا لیتا۔ تو اسے نہایت ناگوار لگتا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کا یہ رویہ اس کی بیوی کے لئے نہایت قاتل ہے۔ اور اگر وہ رکعتی کو اس کی موت کا باعث دہی ہوگا۔

رکعتی نہایت اندوہناک مراحل میں سے گزر رہی تھی لیکن وہ اپنے آپ کو طرح طرح کے کاموں میں مشغول رکھتی تھی۔ پھولوں کے باغبانے میں اس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ بڑے بڑے روسا کو جب نادار پھولوں کے باغ صلیب ہوتے تو وہ رکعتی سے درخواست کرتے اور وہ بخوشی منظور کرتی۔ راجندر کو آج بھست ہوا تھا۔ وہ مرضیہ کی چار پائی کے پاس آیا۔ رکعتی بھی وہاں بیٹھی تھی۔ مرضیہ کی وجہ سے گھر پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ رکعتی نے راجندر کی طرف دیکھا تو انکھیں نناک ہو گئیں۔ انکھوں ہی آنکھوں میں آنسوؤں نے ابودار کیا۔ اس کو بت کچھ کہنا تھا لیکن وہ خاموش رہی۔ وہ جا رہا تھا۔

ممکن ہے وہ پھر نہ آئے۔ پونہ سا ایک گمان اس کے دل میں پیدا ہوا۔ اور اسل انسان کا اپنا دل سب سے بڑا شینڈل ہے۔ رکعتی کا صدمہ دوسواکس نہ تھا۔ بعد میں یہ بات صداقت کا جامہ پہنکر دکھا ہوئی۔ اس کی والدہ زندگی کی آخری منزل میں تھی۔ اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے سر نہ سے نہ اٹھتی تھی کبھی اس کے غم بغیر خیال والدہ کے قدموں سے ڈر کر دور راجندر کی یاد میں محو ہو جاتے پھر اس کی والدہ انکھیں کھلتی اور اپنی پیاری بیٹی کو غم میں گھلتے دیکھ کر بھٹکا

روپیہ ہزار ہا ہزار کی محبت اُس کے دل میں بڑھتی جاتی تھی اور کتنی کے سوا اسے اور کہیں سے روپیے کی امید نہ ہو سکتی تھی۔ جو روپیہ اُس کی ماں مرتے وقت اُس کے لئے چھوڑ گئی تھی وہ تمام راجندر کی مذہب اور آدیسے سے زیادہ زور پر لگے، لیکن رکنتی نے اپنے باپ کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ وہ خوب سمجھتی تھی کہ راجندر ضرورت سے زیادہ روپیہ خرچ کر رہا ہے۔ لیکن اس کا یہ منصب نہیں تھا کہ وہ راجندر کو سمجھاتی۔ وہ محبت میں اندھی ہو جی تھی۔ وہ ایک دفعہ سمجھ چکی تھی کہ راجندر اُس کے تن و من کا مالک ہے۔ دیوتا ہے خدا ہے۔ وہ چھپ چھپ کر باتوں کو بیدار بنی اور جانفشانی سے عہدوں کے بار تیار کرتی۔ پہلے وہ قیمت نہ لیا کرتی تھی۔ لیکن اب وہ قیمت کے بغیر کسی کو ایک بار بھی نہ دیتی۔ اس کی سہیلیاں اس حرکت پر شدید کینہ عینی کرنے لگیں۔ کوئی کہتی: ”خدا جانے اسے ان کو کیا ہو گیا ہے۔ اب اس کے ہاتھ میں چھلہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔“ دوسری کہتی: ”دیکھئے کہ قدر کنجوس ہو گئی، ایک تو بیچنے لگی ہے۔“ لیکن رکنتی ان باتوں کی ذرا پروا نہ کرتی۔ وہ دل میں خیال کرتی ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ میرا سب سے پیارا زور راجندر ہے۔ زور کی محبت اُس کی محبت کے سامنے خاک ہے۔ میری محبت کا وہ دیوتا ہے۔ مجھے اُس پر زور بھجوا دیکر کرنے ہوں گے۔ بچہوں کے ہار تو کیا انہی جان بیچ کر اُس کے سپرد کرنا ہوگی۔ اگر میری صحت خراب ہوتی جا رہی ہے تو بلا سے جب اُس کو روپیے کی ضرورت ہے تو مجھے جھیک مانگ کر بھی اُس کی ضروریات کو پورا کرنا ہوگا۔ اور یہ سب باتیں خواب ہو جائیں گی جب وہ دن آئے گا۔ صرف اُس کا گھگھے میں ہاں ڈال لینا ان تمام تکالیف کو ایک مہموم خواب کی طرح محو کر دے گا۔

راجندر دن بدن مقروض ہوتا گیا۔ اور رکنتی کی گوشنشین اُسکی ضروریات کو پورا نہ کر سکیں۔ قرضخواہوں نے اُس کو عدالت کی دھمکی دی۔ وہ چار دن بازار پھر رکنتی کے پاس گیا چہرے کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ قمار بازی کی لہجہ نے اُس کے چہرے کو نہایت گھناؤنا بنا دیا تھا۔ اس میں وہ پہلا ساموہ کا فریاد تھا۔ رکنتی جان گئی تھی کہ وہ زندگی کی قبیح عادتوں میں گھل رہا ہے۔ لیکن وہ اس بات کو ہمت نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ وقت کا چکر اس کو راہ راست پر لے آئے گا۔ وہ کہے کہ اگر وہ دیکھ رہا تھا۔ لیکن شرم سے رکنتی کے چہرے کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ کچھ نا اکل الفاظ اُس نے جس کے اس کا مطلب تھا

اُس کے جانے کے بعد ہی وہ اپنے چٹا کے چروں میں گر پڑی اور پہلے کے لئے دعا خواست کی۔ لیکن اُس کے باپ نے صاف انکار کر دیا۔ رکنتی پر لاکھوں من بوجھ بڑ گیا۔ وہ بے یار و مددگار کیا کر سکتی تھی۔ اُس کے دل میں مایوسی کا ایک طوفان اُٹھ اُٹھ اُٹھ گیا۔ اُس نے جھلک دکھائی۔ مصیبت پرورد جذبات اُس کے دماغ میں پھرنے لگے۔ رات کے وقت تنہا اسی خیال میں غلطی اُسکی نگاہیں بیتناک اندام میں دو چکر کر گئی۔ آخر کار گناہ نے نفع پائی۔ وہ باپ کی چوری کرنے کو تیار ہو گئی۔ لیکن جن آہنی صندوقوں میں سونے کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ جس کی نگاہیں ہر وقت اُس کے باپ کے پاس رہتی تھیں اور ان کا قور نا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس معاشرے کا خوب کا خیال آیا۔ یہ ایک وہ انہی بیاری ماما کی نشانی کی بدنامی برداشت کر سکتی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے۔ اُس نے بیچو پر پتھر کر لیا۔ اُس کے لئے وہ سب کچھ قربان کر سکتی۔ بے یکن وہ تو ذہنی مخالفت کے لئے اُس ضعیفہ کے کوہ میں ایک میز کھدوان میں بند تھا۔ وہ برقی ٹیپ لے کر بیچوں کے بل چلتی ہوئی اُس ضعیفہ کے کمرے کے پاس پہنچی۔ اس کا دل اُس غریبی کی طرح دھڑکا تھا جو بلی کے بیچوں سے چڑھائی گئی ہو۔ درد دیوار پر اسے ہشتاک موتیں نظر آ رہی تھیں۔ کاپتے ہاتھوں سے اُس نے دروازہ کھولا۔ ذرا سا شور ہوئے سے اُسے ایسا معلوم ہوگا کہ تمام عمارت میں نلزلہ آ گیا۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہزاروں ہاتھ اُس کو پکڑنے کے لئے اذیت سے باہر نکلتے ہوئے ہیں۔ لاقعدا غوغا نک اُنکھیں دیواروں پر گڑی ہوئی ہیں۔ اُس نے میز کا دروازہ کھولا اور وہ بڑا قویہ باز آ گیا۔ اسی دراز میں اسے بہت سے امیریل بنک کے چک نظر پڑے۔ اُس نے ان پر ہاتھ ڈالا لیکن گناہ کا خوف اس پر اس قدر طاری ہو گیا کہ وہ جھپٹ جھپٹ کر پھر پڑی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ضعیفہ کمرے میں داخل ہوئی۔ رکنتی کو اس حالت میں دیکھ کر اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ قویہ ابھی تک اُس کے ہاتھ میں تھا۔ میز کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ضعیفہ اُسے جلدی ہوش میں لائی۔ رکنتی جب

چٹوں باڑوں کے کان بنے اور کان کی کامیابیوں پر ایک نینڈ زوار و غن کراتات جزئی شیشی ہم طلب اینڈ سفر تبلیہیت (یو پی) پڑھو

کا فہرنگال لپٹی۔ اور دنیا میں اس کے لئے صرٹ ہی ایک بڑھیا تھی۔ جس سے باتیں کر کے اس کو تسلی ہوتی۔ لیکن رکنی کی قسمتی سے بڑھیا کا آخری وقت آ پہنچا۔ رکنی سر بیٹ کر بیٹھ گئی۔ "اے ایٹور! کیا میری قسمت میں یہی ہے کہ میں جس سے محبت کروں وہ ہاتھوں سے چھن جائے۔ بڑی عزیز سے کمال محبت تھی وہ چلی بسی۔ انا جی بھی مجھے کراہتا چھوڑ کر گرباش ہو گئیں۔ راجد ہاتھوں سے نکل گیا۔ اب یہ بڑھیا میرا آخری سہارا تھا وہ بھی ملک عدم کو تیار ہے۔ لیکن رکنی کی گرہ واری کا رگزن ہوئی بڑھیا راجی ملک عدم ہو گئی۔"

جب بڑھیا کے کاغذات کی دیکھ بھال ہوئی تو اس میں سے ایک ویشٹ نامہ برآمد ہوا جس کی رو سے اس بڑھیا نے اپنی تمام جائداد رکنی کے نام وقف کر دی تھی۔ رکنی کو ایسا معلوم ہوا گیا اس کا شے سے کوئی دیوتا اس کی قسمت پھلے کو تر آیا۔ چھ سال کا عرصہ گزر گیا تھا راجد کے وعدے ختم ہونے کو نہ آتے تھے بس کے والد کی وہی ہٹ اور بچاری رکنی کا وہی انتظار۔ اب اس کو وہ تمام باتیں ایک خواب کی طرح نظر آنے لگیں۔ وہ اب امیر تھی۔ راجد کا والد ضرور رضا مند ہو جائے گا۔ یہ کس قدر مسرت انگیز خیال تھا۔ کچھ دنوں تک وہ محبت کی لکڑی بن جائے گی۔

اس نے ایک مول صاحب جس کے لفظ لفظ سے خوشی مٹتی تھی راجد کو کھانا اور اپنی اس خداداد دولت کا ذکر نہایت مسرت سے کیا۔ اس نے اب شادی کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے ان رنگوں کے کپڑے بنوائے شروع کر دیے جو راجد کو پسند تھے۔ وہی بار جو اس نے راجد کی موجودگی میں تیار کیا تھا۔ بار نکالا اور پین کرائیڈ میں دیکھا تو اس کی مسرت ناک انگ بھی اس عرش اعلیٰ تک پہنچ گئی۔ راجد کا جواب آ گیا۔ اگر کوئی شخص اس کو دیکھتا تو یقیناً اس کے روکے الفاظ سے کچھ اور نتیجہ نکالتا۔ اس نے کھارک وہاں بھیجا ہے۔ اور نادی کے متعلق ابھی کوئی تاریخ و غیرہ مقرر نہیں کر سکتا۔ لیکن رکنی کو ان الفاظ سے بایوسی نہ ہوئی۔ بلکہ پچھلے سے زیادہ اس کی امید مضبوط ہو گئی۔

کاشش اس کو یہ معلوم ہوا کہ راجد نے علالت کا صرف ہانا نہ کیا تھا۔ وہ فوراً ہانپور کو روانہ ہو گئی تاکہ راجد کی تیمارداری کرے۔ اور اسے یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ جب تک راجد صحت یاب نہ ہو وہ دین قیام کرے گی۔ بعد ازیں وہیں شادی کی تاریخ مقرر ہو جائے گی۔

وہ راجد کے مکان پر پہنچ گئی۔ نوکروں نے گول کرہ میں بٹھایا جب راجد گرہ میں داخل ہوا تو رکنی کو کچھ کر کے ایسا معلوم ہو گیا اس کے منہ پر

ہوش میں آئی تو اس نے اپنے آپ کو صغیفہ کے جنوں میں پھینک دیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے دیا بہہ رہے تھے۔ وہ صرٹ اتنا کہہ سکی۔

"مجھے صفا کرو! مجھے صفا کرو!"

صغیفہ نے اسے نہایت محبت اور شفقت کے لہجوں میں اس کو تسلی دی مگر لگایا پشانی پر بوسہ دیا اور صرٹ اتنا کہنا۔

"پیاری بچی! اموقت تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔"

"اما نا جی! مجھ سے کس قدر شرمناک فعل ہوا ہے۔ اے ایٹور! مجھ پر محبت کی حالت پر دم کر دو۔"

"رکنی! اس معاملہ کی بابت کل دیکھا جائے گا۔ اس وقت جاؤ اپنے بستر پر لیٹ جاؤ۔ میری بچی! کسی قسم کا حکمت کرو۔ ورنہ تمہاری صحت پر برا اثر پڑے گا۔"

رحمل صغیفہ۔ نہایت شفقت سے اسے کمرے میں پہنچا آئی صبح رکنی فرط غم کی وجہ سے بستر پر نہ آئے تھیں سکی اوشد بیکار سے اس کا بدن آگ کی طرح ٹھک رہا تھا۔ وہی صغیفہ اس کی تیار داری کرنے لگی۔

راجد کی باقاعدہ لیاں اس کے باپ کے کان تک پہنچ چکی تھیں اس نے اس کو داد و بکودیں بولا لیا۔ وہ تمام لوگوں میں بدنام ہو چکا تھا۔ وچھوڑ ہو گیا تھا کہ وہ اپنی گذشتہ سیساہ و کالیوں پر غور کر کے اپنے آپ کو نفرتیں بھیجے اور سمجھ رہا ہے کہ غم خیز ہو۔ اس نے کالج کو خیر باد کہا اور اپنے آبائی پیشہ تجارت میں مشغول ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد رکنی کو راجد کا پہلا خط موصول ہوا جس میں اس نے لکھا کہ میرا والد میری اور تمہاری مرضی پر رضامند نہیں ہوا اور وہ اس رکنی کو منتخب کرے گا جو بت ہی دولت ساتھ لائے۔ لیکن میں ہرگز کسی اور لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔ اور تمہیں وقت اور صحت کا اختیار دے رہا ہوں۔ اس کے بعد بھی اس نے کئی خط بھیجے۔ جن میں غم خیز تقریباً یہی تھا۔ رکنی اس قدر دوخت نہ تھی جتنا کہ راجد کے والد کی خواہش تھی۔ اس غم سے وہ اور بیمار ہوتی چلی گئی۔ کاش وہ اس وقت دوخت نہ ہوئی۔ اسے وہ کہہ کر بھی خیال آتا تھا۔ اس کی بیماری خطرناک صورت اختیار کر چکی تھی۔ اس رنج و الم کے مرحلہ میں اس نے رحمل صغیفہ کو اپنا ہر ذرا لیا۔

چار سال کا عرصہ گزر گیا اور رکنی اور وہ صغیفہ ایک پہل کے لئے بھی جدا نہ ہوئی تھیں۔ رکنی اس سے اپنے غم کی داستان سناتی اور اس طرح دن

ایک گھنٹہ باقی ہے۔ جاؤ اپنے والد کو مجبور کرو کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں وہ آگئی ہے۔ آہ چھ برس کا انتظار جلدی اپنے والد کو یہ خبر بھی نہ آوے۔ میرا دل ٹوٹا جا رہا ہے۔“

”یہ ناممکن ہے۔ حالات بالکل مستحکم صورت اختیار کر چکے ہیں۔ وہ لڑکی کلچر کے نہایت اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس وقت ناؤ مارچ چلنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔“

”اگر تم کو اس سے محبت نہیں تو پھر کیوں تمہیں اس کے باؤں کے خاندان کے بڑا ہم ہونے کا اہمیت ہے؟“

”ممکن ہے مجھ کو اس سے محبت ہو۔“ اس نے بہ زیوار بڑھا ہیں چائے ہوئے کے۔

”اگر تم کو اس سے محبت ہے تو تم انسانیت کے حرف پر دانا ہو۔ کوئی ہو۔ انسان کی شکل میں بیٹھا ہو۔ لیکن راجندر کیا تم وہ تمام وعدے اور نہیں بھول چکے ہو؟ کیا چھ سال کے بعد میں نے بھی الفاظ قہار سے منہ سے سننے تھے؟“

وہ قہر و خفت سے قیام ہو گئی۔ اور راجندر کے قدموں پر گر پڑی۔

”ہاں! ہاں! راجندر! مجھے یہ الفاظ کو کہیں لے تمہاری محبت کو پر کھینے کے لئے یہ الفاظ کہے تھے۔ مجھے جلدی تھی کہ وہ میرے سوا نہیں کسی اور سے محبت نہیں اور یہ دوسری محبت والا ایک من گھڑت افتنا تھا۔ تم اس گھر سے مجھے نہیں نکال سکتے۔ ایثار کے لئے وہ لفظ وہیں لو کہ تم کسی اور سے محبت کرتے ہو۔“

”رگمٹی میرے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ مجھے تمہیں یونہی رولانے میں کوئی لطف نہیں حاصل ہوتا۔“

”تم بے بس نہیں ہو۔ تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ وہ کوئی بات ہے۔ جو تمہارے درمیان حاصل ہے۔“

”میری عزت“

”عزت! کہاں تھی تمہاری عزت جب تم نے میرے ساتھ نہیں دے دے کہ وہ میرے لئے اور اس وقت تمہیں اپنی محبت اور عزت مانگ رہی تھی۔ جب تم نے الی پاک وعدوں کو توڑ دیا۔“

وہ رگمٹی! ایثار کے لئے ایسی بات نہ کرو۔ جس سے میں شہر کے لوگوں کو

کسی نے گھون مار دیا۔ وہ پیش قدمی رہ گیا۔ وہ بالکل تندرست تھا۔ بیماری کی کوئی علامت بھی اس کے چہرہ پر عیاں نہ تھی۔

”کیا اب بالکل صحتیاب ہو گئے ہو؟“ رگمٹی نے حیرت سے پوچھا جو راجندر کی گھبراہٹ کو بھی محسوس کر چکی تھی۔

”ہاں! یونہی طبیعت اساز ہو گئی تھی۔ اور آپ کے اس طرح چلے آنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔“

”ضرورت نہ تھی! راجندر! میری طرف دیکھو۔ کیوں اس قدر بچپن سے نظر آتے ہو؟ کیا اب مجھ سے محبت نہیں رہی؟ جلدی کہ صحت صحت بناؤ؟“

”نہیں یہ بات تو نہیں لیکن والد صاحب اگر تم کو اس طرح دیکھ لیں تو وہ کیا کہیں گے۔ یہ ایک ناگوار لڑکی کے شاہان نہیں۔ کہ وہ اس طرح بی بیٹرک چلی آئے جہاں وہ پہلے کبھی بھی نہ آئی ہو۔“

وہ تمہاری باتیں مجھے ہلاک کے درجے ہیں۔ کیا میں کس گھر میں داخل نہیں ہو سکتی۔ کیا ہم دونوں نے اس گھر میں عمر نہیں گزارنی؟ کیا اس گھر کا اختلاف ہم سب اہموں میں نہیں ہو چکا؟“

وہاں یہ صحیح ہے۔ لیکن آپ نے اپنی آمد کی خبر جیتز دینی تھی۔ تاکہ والد صاحب کو بھی خبر ہو جاتی۔ اس طریقہ سے ان کو تمہاری آمد کی خبر دینا حماقت ہے آپ کے لئے بہتر ہو گا کہ ایک دن کے لئے آپ شہر کے کسی ہوٹل میں ٹھہریں۔ اس وقت خادم داخل ہوا اور راجندر کو خطاب کیا۔

”آپ کی دہلیں آپ کو یاد فرماتی ہیں۔“

”رگمٹی کبھی راجندر کے منہ کی طرف کبھی خادم کی طرف دیکھتی جب خادم رخصت ہوتا تو اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا اور زار و قطار رونے لگی۔“

”راجندر! تمہاری دہلیں! یہ بالکل غلط ہے۔ مجھے تلی دو کہ جو کچھ خادم نے کہا وہ غلط تھا۔ ہاں کو کہ یہ بات کبھی صحیح نہیں ہو سکتی۔“

”لیکن وہ بات بالکل صحیح ہے۔ میرے والد کی مرضی اس طرح تھی۔ ایک گھنٹہ کے بعد میں کسی دوسری عورت کو بوی کھنے والا ہوں۔“

”اے میرے ایثار! کیا جو کچھ تم میں رہی ہوں میں صحیح ہے نہیں! نہیں!! تم غلط کہہ رہے ہو۔ راجندر! ابھی تک تمہاری شادی نہیں ہوئی۔ ابھی

کالان کی تمام باتوں پر اس کے بعد غلط افشہ مودینا دوا اور غن کر امانت ہے۔ فی خشی ہم بلب بلب ستر سلی بیت یونہی اجڑا

ہو گئی تو رکنی کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو چشمے بن گئے +

بد آه میرا

”رکنی! تم دہلوی بزم پرستش کے لائق ہو۔ ایک دفعہ پھر میں تمہارے تادموں پر نپیل چھینکتا ہوں۔ میں نہیں ہرگز نہیں جھوڑ سکتا!“

مرکنتی نے نہایت طہانیت کے ہمہ میں کہا : "راجندراب وقت گزر چکا ہے۔
 وہ تمہاری بیوی ہو چکی ہے۔ میرا دل تو ٹوٹ چکا ہے لیکن میں اس کا دل توڑنا
 نہیں چاہتی۔ یہ میرے دل سے ہو چکے کر شکستہ دل لوگ کس طرح زندہ مہتے

ہیں۔ ایشور میری میسر زندگی دشمن کو بھی نہ اے۔ وہ تمہاری بیوی ہے۔ جاؤ ستم
شادی کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو۔ وہ تمہارا انخلاف کر رہی ہوگی۔ اب مجھے تم
سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ ادھر تم مجھے اب کوئی شکایت کرنے کا حق نہ دے
اس بار میں سب کچھ تھا۔ وہ میرے انھوں سے گیا تو سب کچھ گیا۔ اوروں
بار ہمارا ہی بخت کا سامن تھا۔ اب جلدی چلے جاؤ۔ تمہیں اب میں دیکھنا نہیں
چاہتا، اور میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تم جلد ہی ستم شادی ختم ہو جائے گی۔
تو تم مجھے یہاں نہ لائے گے، تم کبھی بھی ایک دوسرے کو نہیں ملیں گے؟

راجندر کا رنگ زرد ہو چکا تھا۔ گھبراہٹ اور کچھنا یا ہوا نہایت ایسے
 محکم میں ڈالتا ہوا کہ وہ باہر نکل گیا۔

ایک گھنٹہ بعد رسم شادی ادا ہوئی جب برات شہر میں
گھومتی ہوئی ایک بڑی نر کے پل پہنچی تو ماہی گیر مچھلیوں کے
ٹوکے لئے کھڑے تھے۔ اور ان میں ایک لڑکی کی لباس بھی
تھی۔ وہ ماہی گیر شرمک پر کھڑے ہو گئے تھے۔ تاکہ برات گزر
جائے۔

”راجہ در اپنے اپنا سہرا اٹھکے اور اٹھا کر لاش کو دیکھا تو اس کے بدن میں عرش پیدا ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور اس میں سا جائے۔ لیکن برات آہستہ آہستہ گزر گئی۔ اور ایک بوم بوم بولی :-
”سامنے لاش ملی ہے۔ یہ دو لہاکے لئے اچھا ٹنگون نہیں ہے۔“

خیل احمدی اے

نشانہ بنوں۔ میں واقعی تنگ انسانیت ہوں۔ دھوکا باز اور دل کا کھوٹا ہوں
میں اس وقت تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ بتانا چاہتا ہوں
گو میں نہیں سمجھتا کہ میں کس طرح کہوں۔ وہ لڑکی ایک عرصہ سے میری پوی
ہو چکی ہے۔ رسم نکاح وغیرہ کی بات سے ادا ہو چکی ہے۔ اب یہ کسی طوطہ پر
شادی کی رسم ادا کی جا رہی ہے۔ لکھتی تھی مجھے معاف کر دینا۔ ادا اور اس وقت
تمہارا یہاں سے نفست ہو جانا مجھ پر آخری احسان ہو گا۔
”یہ ہرگز نہیں جاؤ گی۔ یہاں سے مرکر ٹھہریں گی۔“

اسے میں کسی کے پاؤں کی چاب پسنانی دی۔ راجہ جی کو معلوم ہو گیا کہ سوائے شام (میں کی نئی بیانتا) کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ مدعی سے ایک میز کے سامنے کھڑا ہو کر کھانا کھاتے بیٹھے میں مشغول ہو گیا۔ اور اس نے نہایت اہستہ سے کہا ”میں کہیں کا نہ رہا۔ ابھی میری عزت خاک میں مل جائے گی!“ (میر کرتی اپنے صند کو نکھول کر اس میں سے کوئی چیز نکالنے کے بجائے صرف ہر گئی)۔

دلہن داخل ہوئی اور ایک عورت کو دیکھ کر زرا جمجمہ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں جو ہار تھے +

”راجہ راہیں نے آپ کو بلوا بھیجا تھا۔ ان میں سے کوئی سارا آپ پسند کریں گے۔“

”نکستی فوٹو لائی مٹی“۔ یہ دونوں کچھ ایسے اچھے بنے ہوئے نہیں۔ یہ لیجنس آپ کے لئے ارا لائی جوں آپ کے شوہر نے مجھے ایک عرصہ پیشتر ارا بنائے کا حکم دیا تھا۔ اور شوہر کا سفر کسے کہ میں ارا کے ٹھیکہ دار بنتی ہوں اور غایب اس کو قبول کر لیا جا دے گا۔ میں نے یہ ارا بہت محنت سے تیار کیے۔“

”میں نے کہا ”بیگ باہ ان دونوں ہاروں سے خوبصورت اور علی
 ہے لیکن راجندر اپنے قواس ارکی نسبت مجھے پہلے نہیں بتایا“
 ”کبھی نے جواب دیا ”ان کو خیال نہیں رہا“

”میں آپ کی بہت مشکور ہوں آپ ہمارے لئے ایسا خوبصورت اور بخش بھلا عرصہ ہارلائی ہیں“ یہ کہہ کر وہ کھنی دالا اور لیکر باہر نکل گئی۔ یمنی کی نظروں اس دامن کے تقاب میں نہیں گئیں۔ جب وہ دامن آنکھوں سے سوناٹ

نپٹ بہاروں اور کالوں کی تمام بیماریوں کی ایک کچھ خطا کثیر اور غن کلمات ہے۔ فی فیشی عم رطب یڈ سنز پیل بھیت (یو۔ پی۔)

دہقان کی لڑکی

(ترجمہ درد و درد)

از جناب لالہ نواز داس صاحب پوری رفریڈ کوٹ

وہ دیکھو ایک لڑکی کچھ گنگنا رہی ہے
غلہ کو کاٹ کر وہ پولے بنا رہی ہے
پُرکیٹ وادیوں میں ہیں بے شمار نغمے
بلبل نے راگ ایسا میٹھا کبھی نہ گایا
ٹاپو کی کوٹلوں نے گا گا کے راگنی بھی
کیا گارہی ہے لڑکی کوئی مجھے بتا دے
مضمحل ہیں اس نوا میں جنگ و جدل کے قصے
ہے درخیز لہجہ غمناک ہیں صدائیں
شاندہارہی ہے اس دل کو یادِ ماضی
گا گا کے اپنے غم کو شاندہار رہی ہے
مضمحل اس کا کچھ ہوا تھی گیت میں روانی
جی بھر کے سن چکا میں جس وقت وہ ترانہ

اُس کھیت میں اکیلی اک گیت گارہی ہے
اور دردناک لے میں تانیں لگا رہی ہے
ہر گوشہ فضا میں ہیں بقیہ راز نغمے
عربی مسافروں کو جب سر کوئی سنایا
خاموشیاں نہ توڑی ہوں گی سنبھاروں کی
مضمحل اس کے سر کا کوئی مجھے سنا دے
شاندہار ہیں اس میں جو رفلک کے شکوے
ان میں چھپی ہوئی ہیں عید کن کی باتیں
یا ہے کوئی مصیبت اس دل پہ آنے والی
یا وہ خدا کو اپنا دکھڑا سنا رہی ہے
نغمے بھی تھے زباں پر چلتی بھی مدانتی
سیدھا پالیوں کی جانب ہوا روانہ

کانوں میں وہ ترنم گواہ نہ آ رہا تھا

وہ راگ میرے دل میں پھر بھی سارا تھا

نیرنگ داس پوری

برسات کا گیت

از جناب، روشن دین صاحب وکیل

(۱۹۲۲ء)

گو یا جن کی فطرت
ہوتی ہے آپ روشن
بن کر چراغ آفت
کالے کا جس طرح من

یہ سپرہ تازہ تازہ
یا بے شمار حویں
آتری ہیں آسماں سے
جن کو بلایا ہے
باراں کے خوشنوائے
پانی میں ہیں کمرنگ
روئے زمیں کا غار
پوشاک سبز تن میں
گلزار جاوداں سے
جن کو لبھا لیا ہے
آنی ہیں سب نہانے
اور قلب میں ہے ٹھنڈک

اس گلستاں کے اندر
ہے اس پر عشق بیجاں
بے جام پی رہا ہے
اک پھوس کا ہے چھپر
پھیلانے اپنا داماں
بے جان جی رہا ہے

اور سامنے ہے پیاری
بادل کے دھندلے میں
پھولوں کے کیا انساں کے
اک موتیا کی کیاری
دکھلا رہی ہیں کیلیں
جوں صبح کے ستارے

ہے پاس ایک کوٹھا
چاروں طرف گھلا ہے
اس میں خدا کا بندہ
خاعر ہیں جس کو کہتے
چشمے میں زمرموں کے
بیٹھا ترمک میں ہے
یہ گیت گار رہا ہے
قصر بہشت گویا
آتی خاک ہوا ہے
منہ سے لگائے حقہ
اور جس کے لب سے بتے
خوشیوں کے اور غلوں کے
مستی کے رنگ میں ہے
دل کو سن رہا ہے

ایک باغ و لکٹا ہے
برسات کا ہے موسم
بادل ہیں کالے کالے
ٹوہے ہونے نئے میں
اُٹھے ہیں لڑکھڑا کر
چلتے ہیں بے ارادہ
اور خود ہی مسکرانا
اور لہریں پھر آکر
رہ رہ کے تان بھرنا
یکلفت رخ بدنا
بے اختیار ہو کر
آنسو ہوئے روانہ
یہ وقت دوپہر کا
سے کائنات ہستی
خط بہشت کا ہے
میں پڑ رہا ہے جھم جھم
جادوچین پہ ڈالے
ہوں رند میکدے میں
جن ہے سوار سر پر
پی کر ذرا زیادہ
پھر تھمتھ لگنا
تالی بجا بجا کر
بے تال رقص کرنا
سین میں دل سلنا
اور بے قرار ہو کر
تاریک سے زمانہ
اور تھکتا پٹا سحر کا
غرق سیاہ مستی

آموں کا جھنڈ گویا
یا دیو کالے کالے
نشہ تار ہے ہیں
ہے خوشنما اندھیرا
بھر بھر کے مے سے چالے
اور لہلہا رہے ہیں

یہ بڑ جو ہے بڑا سا
ٹھیرا ہوا ہوا پر
اک شہر طایروں کا
ہے رقص کا سند

یہ ننھی ننھی لہریں
بہر طرف جوروں ہیں
گر گر کے ان میں قطرے
جوش طرب کی لہریں
موسم کی نغمہ خاں ہیں
اُٹھے ہیں پہلے سے

دیر گانہ

از میرزا یگانہ علیہ السلام

منظومات :-

وہ دل جسے لاگ ہو کسی سے نہ لگاؤ
اک خاک کا ڈھیر ہے جہاں چو پ نہ چاؤ
ٹھنڈی ٹہنی کا اک انوکھا اُستلا
پہلو میں ہیں کو دیکھ لو دُور نہ جاؤ
(اولہ)

دلی کی زبان کھٹو کیا جانے
میر و مرزا کی گفتگو کیا جانے
دل درد سے خالی ہے تو بوجہ اس فضول
خاموشی از زبانِ عشق تو کیا جانے

بہتیکے جوانانِ خوش اسلوب مے
بے موت بچھ بنم ہو گئے یا ڈوب مے
مرزا اس کا جو مر کے زندہ ہو جائے
مرنے کو مرے ہم بھی مگر خوب مرے
(اولہ)

یاد آگئی آوازِ دلِ گرمِ شتہ
بجنے لگا پھر سازِ دلِ گرمِ شتہ
پہنچا ہے کہاں خاک کا پتلا اور کمر
اندھری پروازِ دلِ گرمِ شتہ !

مرزا یگانہ لکنؤ، اے سب دھڑا دھڑا آؤ اور

رُباعیات ہادی چھلی شہری

ہنگامِ شباب کیفِ مستی دارد باشا ہومے دراز دستی دارد
پیری کہ حریفِ فکر ہر نشو و نماست بر رُغمِ خودی خدا پرستی دارد

اے پیر ترا کہ بود ہم حال خراب ایراد کن بفکرِ اربابِ شباب
خود کردہ را بسا داندا زو دگر در کس زمانہ رنگِ خود را دریاب

پیرے کہ ز آبِ سیرِ دغم نوش کن از گرمیِ دلِ ہمہ فراموش کن
بر زعمِ خیالِ ہر جوانِ دلِ خوش چوں رعایا بشو آید و جوش کن

اے پیر ترا کہ ہم جوانی بودہ اسبابِ نشاطِ زندگانی بودہ
ایراد چر اکنی بہ افکارِ شباب فکر تو ہمیں اگر ندانی بودہ

از ساحلِ موجِ تیغِ داری نہ خبر تہوارہ بود نویِ برائے تو منظر
سازو نہ بفکرِ نوجوانیِ پیسری شامِ است کیے دویگرے نورِ عصر

با دہر ہمیشہ رسمِ ورا ہے دگر است تہوارہ چشم تو نکاہے دگر است
با گرمیِ سہرِ دیش کے سازو در شب و شبِ رنگِ آہے دگر است

اے پیر شوہرِ یمنِ بہ فکرِ شباب آں مستقل است و این ز غلبِ غمنا
یک وقعہ دگر تمام ہے پاؤں راست یک منظرِ است و دیگرے از تو حجاب
ہادی

رُباعیت

منبر پر جو چڑھ کے وعظ فرماتے ہیں کیا غیب جو قومی چندے کھا جاتے ہیں
شیطان کے نام کا تو ملتا نہیں کچھ اللہ کے نام پر کما کھاتے ہیں

ہے عالم بے عمل گدھے کی مانند جس پر کہ لدی ہوئی کتابیں ہوں چند
بیچ پوچھو گدھا اس سے کہیں بہتر ہے اُسکو تو نہیں کتاب اٹھانا بھی پسند

پوچھا جو گدھے سے کیوں ہے لے باہت انسان کے لات مارنے کی تجھے لت
بولامرا خون جوش میں آجاتا ہے دیتے ہیں جو اس گدھے کو مجھ سے نسبت

نورنگہ

شاعر کا مقام

ایک دن مجھ سے بلا اک شاعر رنگیں کلام
ڈبلے پتلے زرہ چہرے سے عیاں حزن و ملال
سر کی ایرانی سیہ ٹوٹی بھی خاک آلود تھی،
سہ چکا تھا حاسدوں کے دشمنی کی سختیاں
تلخوں کے زہر سے لبریز تھا اس کا کلام
آشتی کے طرز خودداری سے کوسوں دور تھی
دیر تک سنتا رہا میں غور سے اس کا کلام
زجر کے کانٹوں سے چڑھی شعر رنگیں کی ہنس

دیر گزیریں غلیگڑھ میں تھا جب میرا قیام
گفتگو ہوئی، ہونی نظر میں پریشاں نخست حال
اس کے ہر انداز سے تسکین دل مفتوح تھی،
اس نے جھیلی تھیں بہت سی زندگی کی سختیاں
گھٹ۔ ہاتھ دل میں نا آسودہ جوش انتقام
لاف خود بینی سے اس کی شاعری معور تھی
ہو رہا تھا گو مرا ذوق سساعت تلخ کام
اس کے ہر مصرعہ سے تھی بے جا تعلی آشکار

شاعری کے رس میں تھی کچھ تلخی پنت دار بھی
خوشنما پھولوں میں شامل ہو گئے تھے خار بھی

دیکھ کر اس درجہ اس کو بے تکلف لاف زن
دل پر ایسی شاعری کے جو کہ سننا کفر ہے
کیوں تھا ہے؟ کس لئے کھاتا جو دلیں تیج ہ تاب؟
نہ نہ پیارے پائے سخن کیوں لنگ ہے؟
کیوں پھنسا ہے حاسدوں سے دائمی پیکار میں؟
تو سمجھتا ہے کہ دنیا بھر کو تجھ سے ہیر ہے
تو اس سے ٹھکان رکھی ہے خیالی دشمنی،
اس پر ڈھایا ہے تعلی نے تری ناز ہستم
اس سے روکھا پڑ چلا ہے شعر کا روئے جیل
بدنما پر دے چڑھے ہیں فکر کی قندیل پر
دل کی پراساں گہرائی کا سچا عکس ہے
دل اگر تاریک ہے تو شاعری تاریک ہے
خود پرستی میں بدل جاتا ہے جوش انتقام
کام لے روشن دلی سے چھوڑ یہ مہل خیال

سن کے اس شاعر کا یہ بر خود غلط طرز سخن
میں نے سوچا اب مرا خاموش رہنا کفر ہے
میں نے پھر بے باک ہو کر یوں کیا اس کو خطاب
چھوٹی چھوٹی رنجشوں سے کس لئے دل تنگ ہے؟
کیوں پیچھو لے بھوڑتا ہے دل بدلے اشامیں؟
عقل کا اس درجہ کچھ حال توازن غیر ہے
ہرزہ شاعر جو ہے ذرہ بھر بھی طینت کا دنی
کچھ تو یوں ہی ہو چکی تھی شمس کی تاثیر کم
یہ تو ہر تاسر ہے تیری کم بجائی کی وکیل
مردنی چھانے لگی ہے چہرہ تحسین پر
شاعری تواضع کی کیفیتوں کا عکس ہے
روح شاعرانہ سے استعد زنیوک ہے
دل میں جب ہوتا ہے محل رنجشوں کا اثر و حام
تو خدا را ذہن سے اس و ہم باطل کو نکال

چھوڑو بے سبب ہستم کی سبت منزل کا قیام
اور اے سودرے ہندی رہے شاعر کا مقام

ذوق

نیز خیال ہندستان بھر کے علمی ادبی رسائل میں سب زیادہ چھپتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ اس میں اشتہار دو

قیمت سالانہ بندیہ دی پی مع حصول چھ ہمالک غیرے۔ شنگ۔ بی۔ چھ ہریکپی بکسال پر ۶

اور تقلید دوسرے

ایڈیٹرز حکیم محمد یوسف حسن

لکھنؤ ہمارا حصہ ہے

تعداد اشاعت ۵۲۵۰

فہرست مضامین

دسمبر ۱۹۳۱ء

تعداد اشاعت ۵۲۵۰

افسانہ نمبر کے دلچسپ افسانے

- (۱) ردھیا - از جناب منشی کنسیال صاحب ایم اے ییل یل بی ایڈوکیٹ الہ آباد
- (۲) نقش بر آب - حضرت صیف ہاشمی مرحوم کا آخری افسانہ
- (۳) محض تماشا - از جناب یوسف خان صاحب
- (۴) مکافات .. از جناب غیل احمد صاحب قریشی بی اے
- (۵) دو بچے .. از جناب سران الدین احمد نظامی
- (۶) میری پتی .. از جناب سید فزید جعفری صاحب پھلی شری
- (۷) شام دروغ بانی - از جناب سلیم محمد عمر فاروق کرن مجلس اردو گوشت کالج لاہور
- (۸) داغ نسرت .. از جناب جلال الدین احمد صاحب بی اے ییل یل بی ایڈوکیٹ الہ آباد
- (۹) شنیدہ کے بودا مندر دیدہ - از جناب سید عالم ہاشمی - گلیوی -

دَمہ کی نوکھی دوا { کُتھال کی ایک ناک سے تانہ تانہ تھامے جو دوسری ناکوں سے کیا وہیں بھی نہیں ہونگا۔ سخت دودھ چھڑوں میں کاغذ ہو جاتا ہے۔ نیا پرانا خشک ترسہ ایک ہی شیشی کے گتھال سے جاتا رہتا ہے۔ پہلی ناک سے غلو خواہ فائدہ نہ ہو تو ام و پس کر کے اس کی قیمت مع دوا و دھواں ہم سے لے لیئے۔ نکیل ترسہ کو اسے دودھ کرکس نوٹا اور دوسری قیمت کا آواز نہ ہو پاؤں میں بھیجا جاتا ہے (نوٹ) گڑھ دشانہ کے مینا اور سنگلاوں نقصان دہی ہے قیمت پتھر سمجھ لیا۔ سنگلائے کاہتہ۔ مینہ کُتھال فارمیسی پلے و کٹوریہ پارک شہر نارنس

دیوان غالب مطبوعہ جرمی قیمت تین روپے۔ کتب خانہ جامعہ ملیہ دہلی سے طلب کیجئے

کری پر س لاہور دہلی شیراؤ امرکیت۔ باہام میر قدرت اللہ پرنس جیپا اور حکیم محمد یوسف حسن پرنس پشاور نے دفتر کُتھال ہاشمی علیہ لاہور سے شائع کی

شذرات

۱۹۳۱ء کا اختتام اور ۱۹۳۲ء کی ابتدا

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج ہم دسمبر ۱۹۳۱ء کا نیرنگ خیال شائع کر رہے ہیں۔ جو اس کی لمبی و بڑی کوشش کا ثمر ہے۔ سال گذشتہ میں جو چند داستان کی کاروباری دنیا میں گدا بازی کا سال تھا۔ ہم نے حتی المقدور نیرنگ خیال کو اس کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ گذشتہ سال آمدنی کے دیگر مینے جو نیرنگ خیال کی ترقی اور قیام میں مدد دیتے تھے بہت رفتاری کا نمونہ بنے رہے۔ کیونکہ ایک ڈیڑھ اور دو امانہ کی بیشتر آمدنی بھی رسالہ بری خرچ ہو جاتی ہے۔ یہ حال خدا کا شکر ہے۔ کہ ہم نے جو معاہدہ اپنے ناظرین سے کئے تھے۔ انہیں پورا کر کے ہماری کوششیں کامیاب ہوتی رہی ہیں۔ فلم نمبر۔ آدھے قلم کے طرز نگارش اور افشا نمبر ہم شائع کر چکے ہیں۔ اور ہر ملک نے انہیں بے حد پسند کیا ہے۔

۱۹۳۲ء کے خاص نمبر

اپنے اعلانات کے مطابق ابھی دو نمبر آئندہ سال میں شائع ہونے باقی ہیں۔ ایک جید نمبر حقیقی معنوں میں نیرنگ خیال کا خاص نمبر ہوتا ہے۔ یہ نمبر بہت پیچیدہ ہوگا۔ اس کی جد گاہہ قیمت ایک روپیہ ہوتی ہے۔ مگر نیرنگ خیال کے خیرداروں کو خدمت ملانے سے اس کے بعد جن میں نگارش لطیف شائع ہوگا جس کے نامزد مضامین خود قلم کے لکھے ہوئے ہوں گے اس نمبر کے لئے بڑا اجتماع کیا جا رہا ہے اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ یہ نمبر گذشتہ نمبروں پر سبقت لے جائے۔

ان دو خاص نمبروں کے علاوہ ہم سال آئندہ میں ایک تیسرا نمبر اور بھی شائع کریں گے۔ یہ وہی نمبر ہے جس کا گذشتہ سال سے ہم اعلان کر رہے تھے۔ مگر حسب منشا امور خارج ہوئے تھے۔ ہم نے اسے شائع کرنے سے استرا کیا۔ یہ اقبال جھیل ہوگا۔ ناظرین نیرنگ خیال کے سینکڑوں خطوط دفتر میں موصول ہو چکے ہیں۔ جس میں اس نمبر کا بار بار مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ آخر قلم کہ اب ہم اپنے کو اس پوزیشن میں پاتے ہیں کہ آئندہ سال اقبال نمبر نہایت نازک و انضمام سے شائع کر سکیں۔

اقبال نمبر کی خصوصیات نمایاں کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے اقبال نمبر کے لئے جن مضمون نگاروں کو دعوت دی تھی۔ ان سے مضامین حاصل کرنا جو بے شکر لائے کے مساوی ہے۔ انشاء اللہ اقبال نمبر میں آپ اہل قلم کی ایک نئی جماعت پھیلے گی۔ جن کے مضامین ابھی نیرنگ خیال میں شائع نہیں ہوئے۔

اس طرح سے نیرنگ خیال کے تین خاص نمبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوں گے۔ عید نمبر نگارش لطیف اور اقبال نمبر امید ہے کہ ناظرین نیرنگ خیال ان نمبروں کو پسند کریں گے۔ وہ خود بھی رسالہ کی خیرداری ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری رکھیں گے۔ اور دیگر اہل قلم کو توجہ دلا کر اس کی ترویج اشاعت میں حصہ لیں گے تاکہ ادوالم ادب کی جو خدمت ہم نے شروع کر رکھی ہے۔ اس میں آپ کی امداد بھی شامل ہے۔

جنوری ۱۹۳۲ء سے نیرنگ خیال کی خوبیوں میں اضافہ

جنوری ۱۹۳۲ء سے نیرنگ خیال کی خوبیوں میں مزید اضافہ کیا گیا ہے۔ سال گذشتہ میں تصاویر کے کبھی دو درجہ ہوا کرتے تھے اور کبھی ایک۔ جنوری ۱۹۳۲ء سے ہر ایک سے لے کر چار تصویروں شائع ہوتی ہیں۔ مگر قلم نمبر میں ہم نے ۱۰ تصویروں شائع کی تھیں اس لیے اب اختتام کیا گیا ہے۔ کہ جنوری ۱۹۳۲ء سے نیرنگ خیال میں تصاویر کے تین درجہ ہوں۔ ان ادراک کی قیمت میں کمی کی جائے گی۔

(۱) پہلی تصویر۔ رنگین۔ دو رنگ یا سیاہ رنگ یا چار رنگ (۲) دوسری تصویر عام طور پر آرٹ کی ہوگی۔

(۳) تیسری تصویر۔ پہلا حصہ شخصیات مشہور و معروف اہل قلم وغیرہ۔

(۴) دوسرا حصہ۔ آثار قدیمہ۔

(۳) تیسرا درج - آرٹ کی تصاویر کا ایک مجموعہ۔

(۴) دوسرا حصہ - کارٹون، مناظر قدرت وغیرہ وغیرہ۔

بعض محفلوں پر دو تصویریں اور بعض پر چار بھی ہوں گیں۔

اس طرح سے نیرنگ خیال کے ہر نمبر میں آرٹ کی تصویریں، قدیم مشہور عمارات کی تصویریں، قدرتی مناظر کا کارٹون، مشہور عالم شخصیتیں - اور کبھی کبھی فلم کے متعلق بھی ایک صفحہ وقف کیا جائے گا۔ گویا ہر مذاق کے لئے نیرنگ خیال میں تصاویر کا اجتماع ہوگا۔ ہم نے تصاویر کا اس قدر مواد جمع کر لیا ہے۔ کہ ستمبر ۱۹۳۳ء کے لئے پوری ۱۰۰ تصویریں ہمارے پاس مکمل موجود ہیں۔ اس کے علاوہ تصاویر کے متعلق مضامین کا بھی انتظام ہوگا تاکہ انکی اشاعت سے پبلک کو پورا پورا فائدہ پہنچے۔

نیرنگ خیال کی صحیح اشاعت

نیرنگ خیال کی صحیح اشاعت جس کے ہم نوائی طور پر ذمہ دار ہیں، ہر رسالہ کے ادوار کبھی جاتی ہے سال گذشتہ میں اشاعت پانچ ہزار سے بڑھ کر سو پانچ ہزار ہو گئی ہے۔ اگر ہمارے بعض حساس معادین جنہیں ایک خانہ کی دست بردگی وجہ سے رسالہ نہیں ملا ہم سے قطع تعلق نہ کر لیتے تو یہ اشاعت کچھ ہزار سے بڑھ کر جاتی لیکن پھر بھی خدا کا شکر ہے۔ کہ اس کا بازار کیلئے زمانہ میں نیرنگ خیال نے نہ صرف اپنی اشاعت کو قائم رکھا ہے۔ بلکہ اس میں اضافہ بھی ہوا ہے۔ اگر نیرنگ خیال کے معادین چھوٹی چھوٹی شکایات سے قطع نظر کر لیا کریں اور ہمارے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ہماری دفتری غلطیوں سے ہمیں آگاہ کرتے رہیں تو شکایات بہت حد تک دور ہو سکتی ہیں۔ ہمارے دفتر کا قاعدہ ہے کہ رسالہ نہ پچھنے کی شکایت موصول ہوتے ہی دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ ہم قربانی نہیں کر سکتے۔ اگر آپ نے دو پیسہ کا کارڈ لکھ کر دوبارہ رسالہ طلب کیا۔ تو آپ کو اس کا قلع چوتابے لیکن کبھی اس کا بھی اندازہ لیا ہے کہ میں آپ کے دو پیسہ کے جواب میں ہر سال دو بارہ بھیجنا پڑتا ہے۔

ڈاک خانہ کی چوریوں اور ہمارے فروگذاشتوں سے قطع نظر کیجئے۔ آپ کا تعاون ایک فحیم انسان کام میں ادا ہو چکا ہے۔ اس لئے جن احباب کو کسی قسم کی شکایت ہو۔ وہ اس کے رفع کرانے کے لئے ہمیں لکھیں لیکن رسالہ کی اشاعت اور ترقی میں کسی قسم کا رورائہ نہ لگائیں کیونکہ یہ تو ہماری میراث ہے۔ ہندی کے رسائل پندرہ پندرہ ہزار تک چھپتے ہیں اور ان کا چند ٹوڈل روپیہ سالانہ ہے مگر اردو کے شائقین تین چار روپے بھی سال بھر میں بہترین رسائل پر خرچ کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اس پر بھی اگر اردو رسائل زندہ ہیں تو یہ مجموعہ سے کم نہیں۔

نیرنگ خیال کی اشاعت واقعی سوچا پختہ رہے بعض معرین غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں۔ کہ ہم غلط انداز رکھتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ وہ کئی مضامین کے ساتھ اپنی اشاعت بھی پانچ ہزار بتا دیتے ہیں۔ ہم ایسے معاصرین اور دروغ گو احباب کو چیلنج دیتے ہیں۔ کہ وہ نیرنگ خیال کی اشاعت سوچا پختہ رہے یا اس تعداد سے جو رسالہ کے اوپر درج ہو کہ ثابت کر کے ایک ہزار روپیہ نقد انعام حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم یہ جمانہ غلط نویسی کے لئے ہر وقت ہوا کرتے کو تیار ہیں۔

وی پی کا خرچ بڑھ گیا ہے

ڈاک خانہ کے نئے قواعد کی رو سے اب وی پی کا خرچ سب ہو گیا ہے۔ نیرنگ خیال کا وی پی سال بھر کے لئے مجموعی ڈاک ہمتیں روپیہ چھ آنہ میں بیکار کرتے تھے۔ وہ آپ کو فیس منی آرڈر ملا کر بھر میں ملا کرتا تھا۔ اب ہم وی پی سے کھیلتے ہیں جو ہے میں آپ کو ملتا ہے بعض احباب کسی وجہ سے وی پی واپس کر دیتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ وہ اس طرح سے دفتر کو قرضہ نہ رکھنا نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ہندوستانی انیس بد اخلاقیوں کی وجہ سے دنیا میں دیس روکھیں۔ یورپ میں طلب کیا ہوا وی پی بھی واپس نہیں کیا جاتا۔ اور رسائل و اخبارات کے جنسے لوگ خود بخود وقت مقررہ پر مسمیٰ آرڈر کر دیتے ہیں۔ اور اگر انہوں نے وی پی بھیجنے کی حالت نہ کر دی ہو تو وی پی آجائے پر اسے وصول کرنا اخلاقی فرض سمجھتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں وی پی واپس کر دینا تو ایک معمولی کھیل ہے۔ ہم انہیں نیرنگ خیال کے معادین کا اخلاق کو کسی تعلیم یافتہ مغربی سے کم نہ ہونا چاہئے۔

سالانہ نیرنگ خیال نمبر اردو و سب میں ہماری مصروفیت کی کوئی حد نہیں رہی۔ نیرنگ خیال کا سالانہ نمبر نیرنگ خیال کا سالانہ نمبر اور تانی

ریویو کا سالنامہ تین پرچے تیار ہوئے ہیں۔ سالنامہ چند دن کے بعد آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس کو دی بی بی میں روانہ ہوگا جو آپ کو ایک غیر فریڈاڈ کو ہم میں بھیجا جائے گا۔ جہاں سے لے گا۔ تاہم ریویو کا سالنامہ نیزنگ خیال کے سالنامہ کے ایک ہفتہ بعد شائع ہوگا۔ انغرض مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ ہم ہی جانتے ہیں +

سالنامہ نیزنگ خیال ان احباب کی خدمت میں انہوں نے گزشتہ سال سالنامہ دی پی لمب کیا تھا۔ جن احباب نے بعد میں اپنا نام رجسٹر کرایا ہے۔ دی پی بھیجا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ دو وصول فرمائیں گے۔ جن احباب نے ابھی تک آرڈر نہیں دیا انہیں فی الفور وجہ کرنی چاہئے۔
(اسٹنٹ ایڈٹر)

نیزنگ خیال کے سائز کے متعلق ناظرین نیزنگ خیال سے استصواب کیا پرانا سائز بہتر تھا یا موجودہ سائز مناسب؟

نیزنگ خیال پہلے ۲۲x۲۹ سائز پر شائع ہوتا تھا جو ایک پسندیدہ سائز تھا۔ لیکن مغربی رسائل کی تقلید میں ہم نے اس کا سائز بڑھا کر ۱۸x۲۲ کر دیا (یہ موجودہ سائز ہے) لیکن ۱۸x۲۲ سائز پر سالنامہ شائع کرنے کے بعد یہ سائز عام طور پر نا پسند کیا گیا ہے۔ اس وقت ملک کے مشہور قلم رسائل اردو۔ ہندوستانی۔ ہمالوی۔ کار و معارف۔ جامعد کے سب یا تو ۲۲x۲۹ پر شائع ہوتے ہیں یا اس سے بھی ذرا چھوٹے سائز ۲۰x۲۶ پر۔ ذیل میں ہم ہر دو سائز کے متعلق صحیح خاتون پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین فیصلہ کر سکیں کہ کونسا سائز ہمارے لئے موزوں رہیگا +

$$\frac{۲۲ \times ۲۹}{۲} = ۲۵۰ \text{ چوکھٹہ سائز}$$

لمبائی پورے گیارہ انچ چوڑائی سات انچ
(صرف ایک انچ کم)

صفحہ بہن کے صفحات ۷۲۔

(پہلے ۷۰ صفحے شائع ہوا کرتے تھے۔ ہم ہمیں پڑھنا نہ کر دیئے)
تصاویر کے تین اور کبھی چار ورق

رسالہ ڈاک میں بغیر تنگ ڈالے نفاذ میں بند کر کے بھیجا جاتا ہے جس سے تصویروں کی دکھائی میں کسی قسم کا نقص واقع نہیں ہوتا۔

۷۲ صفحہ جمع ہونے کی وجہ سے دو نمائش دینا لگانے سے رسالہ وزنی اور خوبصورت ہوتا ہے نیز ۷۲ صفحہ میں نمایاں زیادہ آتے ہیں +

$$\frac{۱۸ \times ۲۲}{۲} = ۱۹۸ \text{ موجودہ سائز}$$

لمبائی پورے گیارہ انچ۔ چوڑائی آٹھ انچ

جمع۔ نمایاں کے صفحات ۵۲

تصاویر۔ دو ورق

رسالہ ڈاک میں بھیجتے وقت تنگ ڈال کر بھیجا جاتا ہے۔ جس سے تمام

تصاویر تباہ ہو جاتی ہیں۔

۵۲ صفحہ جمع ہونے کی وجہ سے رسالہ بڑا ہلکا ہلکا سا ہوتا ہے

ناظرین نیزنگ خیال مطلع فرمائیں کہ وہ کس سائز کو پسند کرتے ہیں

(جس سائز کے متعلق زیادہ رائیں دفتر میں موصول ہوئیں، اس سائز پر جوڑی کا

مینجر

پرچہ شائع کیا جائے گا)

افسانہ نمبر

مقدمہ

(از جناب پروفیسر محمد الدین صاحب تائیر ایم اے۔ اسلامیہ کالج لاہور)

ہیرودا فتح اسکندری بھی بیگز خیال ہی کے ذریعہ اردو میں متعارف ہو چکا ہے۔ یہودی کی کتاب حقیقت نگاری کا نقش ادیس ہے۔ عربی ترکی بدلت ایران میں فردوسی کا شاہنامہ لکھا گیا۔ اور اس میں ہر قسم کے قصے موجود ہیں۔ مغویہ کی سبکتوں سے زیادہ متبل الف لیلہ ہوئی۔ غالباً یورپ لے ایشیے زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور دیکھتا کیوں نہ۔ یورپ نے افسانے کو کہ مشرق کا زائیدہ ہے۔ اس طرح اپنا بنایا۔ کہ اب سب اس لے بانک کو منسوب کر دیتے ہیں۔ یوکیو کی کتاب کا اثر ہر ملک میں نظر آتا ہے۔ انگلستان میں شکسپیر اور اس سے پہلے جو حشر نے اس کے افسانے "اپناٹے" افسانوں کے ملک فرائض میں ناداد کی عکاسی کی ڈی کیسیرون کے انداز میں میٹیرن ... تصنیف کی مشرقی اثر افسانوں کے پلاٹ تنگ میں موجود ہے۔ یوکیو کی کتاب میں صلاح الدین ابوبی کے متعلق قصص ہیں۔ یہ ایشیا کا سایہ مشرقی ادب میں اب تک نظر آتا ہے۔ افسانہ دوسری صدی میں بیشتر مختار افسانوں کے پلاٹ اور حولی مشرقی چوہا تھا۔ اخلاقی کہانیاں سب اس انداز میں تھیں۔ چنانچہ فرانس کے مشہور ادیب اربووشل (۱۵۱۱-۱۵۸۳) کی کہانی سیلانی تھائی اس پر شاہد ہے اس کے قلم میں والیو واپسین اور پوسن نے بھی اسی انداز میں لکھا ہے۔

مغویہ مختار افسانے کسی خاص اصول کے تحت نہ لکھے گئے تھے۔ چلا چلا کر اس کی بات تھی۔ اختصار، رنگت، ایک اثری عموماً مستند یعنی زمانہ حاضر کا پستل مختصر افسانہ فرانس کے ناول نویس باؤک نے لکھا ہے۔ انگریزی دنیا میں اہمیت کا سہارا مرکب کے مجموعہ ہے۔ ابویں نقش ابھمگ اور پونکے ہیں۔ پہلے تو اس میں فن تھنیدی تعین کو بڑا ہے۔ مالک محقرہ اثر ایک متعین ماحول کو اس طرح تخلیق کرتا ہے۔ کہ آدمی اور دور کی دنیا کو فراموش کر دیتا ہے۔ چونکہ رومان نویس گویا (۱۸۶۲-۱۸۸۱) بڑی حد تک پورے متاثر ہیں۔ جے ددولہاں ہوتی باؤل کو رد و مزو کی پونے والی باتوں سے زیادہ ٹھوس اور واقعی بنا دیتے ہیں۔

بیگز خیال کی بدلت پندوی اب ایک افسانہ کہیں ہو چکی ہے جس کی حکیم محمد یوسف من ہر سال تجدید کرتے رہتے ہیں۔ اردو رسائل پر موماہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان میں بیگم خیال نہیں پائی جاتی۔ محض ایک سون مرگھٹے ہیں جن میں ہر قسم کے اجڑا لے ملے ہوتے ہیں لیکن ان خاص نمبروں کے ہونے ہوئے یہ اعتراض زیادہ دلیع نہیں رہتا۔ انکے مضامین کی اپنی قدر و قیمت پر بحث ہو سکتی ہے۔ بیگز بات ناقابل انکار ہے۔ کہ اس قسم کے خاص نمبروں سے بیگم میں بہرہ دلی اعتماد پیدا ہونے کا امکان ہے۔

زیر نظر افسانہ نمبر بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ قصے کہانی کا رواج ہر دور آدم سے چلا آتا ہے۔ ابویں صورتیں بچل کے افسانے۔ ہومر کے قصے غالباً تویم تریں نمونے ہیں۔ برٹش یویم میں مصر کی دفن شدہ یا گادوں میں افسانے بھی شامل ہیں۔ یہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے سولہ سو برس پہلے کے لکھے ہوئے ہیں ہندوستان بھی کسی سے کم نہیں۔ اور قیر بے ہر چیز کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔ بدھ کی پیدائش کے متعلق "جنگل" کہانیاں اس حد میں ہوں کہ چھٹی صدی میں یونانیوں نے انکے قلم میں نقان کی کہانیاں لیا رکھیں۔ یونان سے یونان روم کے رہنے والوں میں آیا۔ اور انہوں نے تاریخ میں داخل کر دیا۔ یونان ملک کہ تاریخ محض افسانہ نویسی بن کر رہ گئی۔ اور آج بھی تاریخ کے باقی بچاؤ پر سلمان تصور رکھتے جاتے ہیں۔ پہلے تاریخ اور قصے میں کم فرق تھا۔ یونانی پڑوس اور رومن وی کی کتب و تاریخ اس پر شاہد ہیں۔

یورپ میں حیثیت فن ابتدا ابویں کے نامور مصنفند و کا جو سے ہوئی۔ ۱۸۳۰ء کی دہائی کے قلم کاروں کا مجموعہ تیار کیا۔ جو بی حد تک عربی افسانوں کی مشور کتاب الفیلد کا اثر مشورہ اثر ہے۔ عربوں میں افسانہ کا شوق دیر سے ہے۔ نویں صدی کی اجمعی کی کتاب مشورہ آجنگ شوق سے پرمی جاتی ہے۔ اس کے ایک افسانہ کا ترجمہ عبدالنصور کا لکھا۔ بیگز خیال میں شائع ہو چکا ہے۔ عربی کے افسانے زبان زد عوام ہیں۔ انکا مشور

افسانہ نویس مان اور زو ایک اور انگلستان کے دو صاحب طرز نو زور دی اور سینٹرل روسی انڈا کے منبع میں کپلنگ کی بے رحم حقیقت نگاری کا اثر محض امریکہ ہی میں رہ گیا ہے۔ وہ بھی عامیہ میگزینوں میں ہے۔
اب زمانہ حاضر میں مختصر افسانہ نویسی کو ایک متقل فن کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ اس کی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ کئی نقاد ناول کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ زمانہ جھاگ دور کا ہے۔ عظیم الفرضتی کا ہے۔ ہر جگہ گہرہ مختصر گہرہ دکا ہے۔ لہذا مختصر افسانہ مقبول عام ہے لیکن ناول اپنی جگہ برقا تم ہے اور رہے گا۔ مختصر افسانہ ایک واقعہ ایک کردار ایک فضا کا ترجمان ہے۔ زندگی کے کسی ایک پہلو کو ظاہر کرتا ہے۔ اور ناول زندگی کے مختلف پہلوؤں کا حامل ہے اُلجھی ہوئی بُنت رکھتا ہے۔ اور کردار و واقعات کی تدوین کا ترجمان ہے غرض جب تک زندگی قائم ہے۔ ناول اور مختصر افسانہ پہلو پہلو برقیں گے۔

(تاتیر)

فرانس میں اگر مختصر افسانہ نویسی اپنی اصلی معراج کو پہنچی ہے۔ زولا ۱۸۴۰ء-۱۹۰۲ء حقیقت نگاری کو آخری حد تک لے جاتا ہے متنازعہ کی باتیں کہنے والوں کی نگاہ میں زمین کی طرف کیٹھن لانا ہے۔ ثریا سے ترے ایک پتہ لانا ہے لیکن اس کشمکش میں دو پتہ چھ لانا ہے۔ کہ لوگ حقیقت نگاری کے نام سے لکھا جاتے ہیں مویاساں (۱۸۵۰-۱۸۱۳) عشق کو شہوت سے اور دیکھتے۔ غرض فرانسیسی ادیب انسان کی نفسیات کی تہوں تک جا پہنچتے ہیں۔ اور تہ نشیں فاسد کو سطح پر لے آتے ہیں۔

فرانس سے یہ فن روس جا پہنچتا ہے اور ژرژینف (۱۸۱۸-۱۸۸۳) ٹامسائی (۱۹۱۰-۱۸۱۸) اور پوجوف (۱۹۰۳-۱۸۹۰) کے ہاتھوں دوبارہ زندگی پاتا ہے۔ اور بنی نوع انسان کی نفسیات کی بجائے ہمدردی کا آئینہ بناتا ہے۔ سوکھا افسانوں میں ہمیشہ ایک مقصد ہوتا ہے۔ اصلاح حالات مد نظر ہوتی ہے۔ زندگی کی سرگزشتوں میں کچلے جانے والوں کے لئے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ آج کل روسی اثریو پ کے ادبیات میں جا بجا نظر آتا ہے۔ جرمنی کے مشہور

بنجا کے مشہور ادیب ڈرامہ نویس

حکیم احمد شجاع صاحبی اے۔ سنٹ سکریٹری بنجا کونسل کی لاجواب تصنیفات

مدارس اور کالجوں میں پیش کرنے کیلئے بہترین ڈرامے

حسن کی قیمت - یہ تصنیف ہے جس پر سنٹ کو بھی ناز ہے۔ حجم ۱۹۲ صفحہ - قیمت ۶

تمارا - از جناب بابو کشنود چندر چرمی۔ کاجول اور مدرسوں میں کرنے کے لئے لاجواب ڈرامہ قیمت ۶

متوش - یہ بھی کاجول اور مدرسوں میں کھیلا جاتا ہے۔ قیمت ۶

رینا - یہ بھی طلباء کی شیخ کے لئے بے حد موزوں ہے۔ قیمت ۸

ڈرامہ باپ کا گناہ - دوسرا ایڈیشن زیر طباعت ہے۔ ناظرین انتظار کریں۔ قیمت ۸

مینجر نیرنگ خیال بک ڈپوشا ہی محلہ لاہور

”اے ایشور نے دیا ہے بیٹی!“
 ”تو ایشور ہم لوگوں کو کیوں نہیں دیتا نانی؟“
 ”ایشور غریبوں کو نہیں دیتا۔“
 ”کیوں؟“

(P)

(۳)

آج ایک بھانگہ خانے آئے تھے۔ ان کے ساتھ مانی بھی تھیں۔ وہ بہت سے سونے کے گئے چنے تھیں۔ انہیں کے نوکر نے مجھے چاڑیے دیے۔ اچھا مانی ایک بات بنا دیگی؟

مدھیانے کہا: "نانی یہ بخار تو تے کی آغ سے ہی زیادہ ہوتا جا رہا ہے
اچھا جاتی ہوں۔ دیکھو کہیں دودھ کے لئے چار پیسے لمبائیں۔"

"کچھ بھی نہیں ملا۔ نانی! اوگ کتے ہیں۔ کہ اتنی بڑی لڑکی ہو کر بیک
ماٹھی ہے! جا توڑی کر لے۔"

"بڑھی نے آٹھ بند کرتے ہوئے کہا: "ہاں بیٹی! تو توڑی کر لے۔ میں
بھی جاتی ہوں۔ میری توڑی پوری ہو گئی!"

"کہاں نانی؟"

"میاں کی توڑی سے طبیعت بھر گئی۔ وہاں کی توڑی کر کے جاتی
ہوں!"

روہیلہ کے بھروسے کچھ نہ آیا۔
اس نے گئی مرتبہ پوچھا: "کہاں نانی؟" مگر اسے کچھ جواب نہ ملا۔
تو بکا

پچھ لوگ ایسے ہی تھے۔ جو س پرچہ پڑھنے لگتے۔
آخر میں بچاری نا اسید ہو کر واپس چلی آئی۔ اب اسے بیک مانے
میں خرم آتی تھی۔
بڑھی نے نوٹے پھوٹے اٹھانوں میں کہا: "بیٹی آج کیا؟"

نقد نظر

جدید طبی کتب

مطبوعات دار الکتب سلیمانی { عظیم مولوی محمد عبد اللہ صاحب مصنف کتب طبع نے چند نہایت مفید رسائل لکھے ہیں۔ جن
میں ہندوستان کی بعض مشہور پیداوار کے طبی خواص اور استعمال درج کئے ہیں۔ ذیل میں ان کا
کے نام اور قیمتیں درج ہیں۔ نغیر نیزنگ خیال طلب دوا کار نامہ اٹھائیں۔

خاص لیکر	جم ۲۲ صفحہ ۵	خواص اک	جم ۳۲ صفحہ ۵	خواص انار	جم ۲۲ صفحہ ۲	خواص پیاز	جم ۱۰ صفحہ ۵
خاص مٹی کار	۴۲ ۵ ۹	خواص نیم	۵۶ ۵ ۶	خواص پیل	۳۲ ۵ ۵	خواص	۴۸ ۵ ۶
خاص ستیا ناسی	۴۲ ۵ ۵	خواص نمک	۶۶ ۵ ۲	خواص برگہ	۳۲ ۵ ۴	خواص پنگڑی	۶۶ ۵ ۵
خواص سوف	۶۴ ۵ ۶	خواص کنڑ لہوات	۶۴ ۵ ۶	خواص بھوسہ	۳۲ ۵ ۴	خواص قیت	۶۴ ۵ ۵

دار الکتب سلیمانی روڑی۔ ضلع حصار پنجاب کے طلب فرمائیں۔

لیڈی ڈاکٹر پرتیہ ستیہ تی شاستری۔ ایم۔ ایس سی او۔ ایم ڈی اینج امریکہ کی تصنیفات

دوہ کی بیماریاں اور ان کا علاج	جم ۱۶۲ صفحہ قیت ۵	حیض کی بیماریاں اور ان کا علاج	جم ۱۰۶ صفحہ قیت ۳
لیکچر یا مینی سیلان	۶۴ ۵ ۵	مغربی و گیان بینی فلسفہ و عمل	۳۶ ۵ ۵

مینجر رسالہ لیڈی ڈاکٹر امرتسر سے طلب فرمائیے

نقش براب

حضرت مفیت ہاشمی مرحوم کا آخری انسانہ

خاکر سکتا تھا۔ ان میں اسے حرمانِ نعیمی کی ادیتیں نظر آتی تھیں۔ اس کی نگاہیں حزنِ مجسم تھیں۔ اس کے آرزو انگیز ہونٹ لب خشک تھے خشک اور زرد۔ اس کا چہرہ چین تو تھا لاشائی طور پر چین لیکن اس پر حسرت و یاس کی طبع تھی۔ اس کی نگاہوں میں جوانی کی انگلیں تھیں لیکن درما نہ۔ وہ ایک شگفتہ پھول تھی لیکن گرم ہونے سے کسلا دیا تھا۔ یہ چہرہ تھا جس کی تصویر پروفیسر بنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا اسے یاد نہ تھا۔ اس نے یہ المناک چہرہ کہاں دیکھا ہے۔ یہ نشترِ شگستہ اس کے دل میں کہاں سے پیوست ہوا ہے لیکن یہ اس کے خوابوں کی ملکیت میں آیا در تھا او پروفیسر اپنی خیال کی دنیا نہ تھا اس کرنا چاہتا تھا کتنی بار اس نے اس امر کی کوشش کی تھی کتنی بار اس نے چاہا تھا کہ اس حضرت نصیب حسینہ کی پریشانی کو خطوطِ رنگین کا جامہ پہنا دے لیکن وہ ناکام رہا تھا۔ تصویر مکمل نہ ہوئی۔ وہ گستا بس اب چند خطوط باقی ہیں اور میرا خیال مجسم ہو جائے گا۔

لیکن اس وقت کوئی اتفاقی واقعہ ہوتا۔ اور تصویر پھر محو ہو جاتی۔ آرٹسٹ کا کام تخلیق ہے۔ وہ خالق ہوتا ہے ان جذبات کا جو اس کے دل کی گہرائیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کے لئے عظیم نعمت سماوی یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکے۔ پھر کسی تڑپا شدہ ٹکڑے میں برش کے ایک حیات آدھیں لیں اور لافاؤ کی سحر کا ترکیز ہے۔ اور پروفیسر کی روح بھی ایک آرٹسٹ کی روح تھی۔ وہ بھی اسی اظہار کے لئے بیتاب تھی۔ وہ اس تابناک خیال کو نہ تھا فراس کرنا چاہتا تھی۔ غم و الم کی اس ادیت اور اس لامحدود حسرت کو جو اس کے دل میں جاگزیں تھی جواب اس کے دل میں ہی تھی۔ لیکن وہ ناکام رہتا تھا۔ وہ ایک حسرتِ ناکہ چہرہ سرا پا درما ندگی اور حزنِ مجسم دیکھتا تھا۔ ہر جگہ دیکھتا تھا۔ ہوئی کے بڑے کمرہ میں جہاں ہر ذہنیت کے مہمانِ مشرت طعام کے لئے جمع ہوتے تھے وہ اس چہرہ کو دیکھتا۔ یہ سراپا الم چہرہ۔ آہِ ذمہ جہاں چہرہ حسرتِ نعیمی کا پیکر سے عین و جمیل

بادل گرنا۔ بجلی کرک کرک کرچک رہی تھی۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ گویا اس نے درختوں کو اکھاڑ دینے کا عزم کر لیا تھا اور اکھاڑ دینا ہی چاہتا تھا۔ ایک موٹی سی بوند بادلوں سے قسطاں پر پڑی۔ پڑے پر فیروز صاحب نے سراٹھایا۔ اس نے بادلوں کو دیکھا۔ ایک بادلوں کو جو مختصر سے عرصے میں آسمان کی دستوں پر چھانگے تھے۔ اس نے ان پر بھٹی ہوئی نگاہ ڈالی جو بہت دور سے اور بہت گہرائیوں سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ سر کی ایک خفیت سی حرکت کے ساتھ۔ اس نے درختوں کو دیکھا۔ ہوئی کے باغیچہ کی روش کے کنارے کے درخت جھوم رہے تھے۔ ہوا سے دست و گریباں تھے۔ ان کی شاخیں ستائے سے لہلہا تی تھیں بدستِ پیچاڑوں کی طرح نمودار درشت میں چورا در ان کے زرد اور پتھر دہتے ہندسی سے نصفا میں ایک آہو اندر نص کرے آئے اور سبز اور سرخ جگری کی روش پر گرتے۔

ہوا کا ایک اور جھونکا اور اس کے ساتھ بارش کا ایک جھینسا پروفیسر نے حسرتِ آمیز نگاہوں سے قسطاں تصویر کو دیکھا۔ بوندوں نے گر کر مختلف رنگوں کو مخلوط کر دیا تھا اور وہ تصویر ایک ذخیرہ لکی کا برسی آنکھوں والا تنگ چہرہ خراب ہو گیا۔ پروفیسر نے تصویر پر نگاہ جمائی پانی اس کے اوپر برس رہا تھا۔ وہ بے بیگ رہا تھا۔ وہ بے بیگ چکا تھا۔ اس نے ایک آرزو اور خاک شدہ تنائے ہوئے تصویر کو دیکھا اور ایک سرد اور حرمان انگیز آہ کے گتہ قلم ہاتھ سے روک دیا۔ وہ اپنے سفید سر کو اپنے چوڑے چوڑے ہاتھوں میں لئے کنبیاں گھسٹن پر لکے بیٹھا رہا۔ وہ دھڑک بیٹھا رہا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ کب تک بیٹھا رہے گا۔ اور حسرتِ داؤدہ کے ساتھ اس بیکہ حسرت اور اس رازِ مہرستہ کے مہم جو خط و خال کو دیکھتا رہے گا۔ جو اس کی تنقید کی تحقیق تھا۔

ہمیشہ ہی ہوا تھا۔ وہ تصویر بنانا چاہتا تھا جس میں چہرے کی ایک نفیر لڑکی کی تصویر جس کے سر کے بال پریشانی تھے جس کی آنکھوں میں غیر ادنیٰ سوز و گماں تھا۔ وہ رگیز المناکیاں اس کی نگاہ میں بڑھ چا پروفیسر اور محنت

نیرنگ غفلت، سبر ۱۹۳۱ء

اے احساس بھی نہ ہوا۔ وہ انہیں پال کر رہا ہوا تھا۔ وہ ہلاک کی غلین زمینوں سے غلام گردش میں اور پچھرا سہنی سڑکیوں سے دوسری منزل پر گیا۔ اس کے کپڑوں سے پانی کی ٹپیں ٹپک رہی تھیں اور ہونٹ کے سنگین فرش پر ان کا نشان پڑ رہا تھا۔ وہ آہنی زنجیروں سے چمٹ کر دوڑاؤ کے سامنے گھڑتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ خاموش اور سرنگوں اور اسی طرح پکر یاس بنا ہوا۔ خیالات میں متفرق چلا جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ گویا وہ موت کی سزا کے لئے جا رہا ہے اور مرتے دم سکون قلب کو براؤگنا نہیں جانتا آخر کار وہ ایک دروازے کے سامنے ٹھہر گیا۔ اس نے مڑ کر باہر کی جانب دیکھا۔ بارش اب بھی جوہی تھی اور ہوا کا سناٹا۔ خدا کی پناہ وہ درختوں میں سائیں سائیں کر رہی تھی۔ بجلی کڑکھاتی تھی۔ ایسی تیزی اور ایسی تندہی اور خیرہ کن چمک کے ساتھ۔ اور ہونٹ کے باغیچہ کے درخت بچاڑی سے جھوڑے تھے۔ ہری ہری گھاس پانی میں چھپ گئی تھی اور شربک کی بجری بھی جاری تھی۔

پروفیسر نے غیر شعوری طور پر دروازہ پر دستک دی۔ دروازہ کھلاؤ ایک حسین لڑکی کا شاداب چہرہ دکھائی دیا۔ اس نے پروفیسر کو رحم آمیز قسم لگا ہوں سے دیکھا اور اندر آنے کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ پروفیسر نے کہا: "میری بچی ————— ناہنجار بارش نے تصویر خراب کر دی!"

(وہ خواب میں گھٹکھوٹا معلوم ہوتا تھا)

"آہ! ————— صرف غلطو باتی ہوں گے!"

"اُں! ————— میری بچی درندہ نم دیکھتیں یہ مجھ حسرت نصیب کی شاہکا ہوتی لاثانی اور ادبئی۔ پھر اس نے کہا گویا کسی غیر مرئی مخلوق سے گفتگو کر رہا ہے۔"

یہ حزن بھم فیز لڑکی کون ہے۔ میں نہیں جانتا۔ مجھے یاد نہیں میں نے اسے کہاں دیکھا ہے لیکن اس کی نگاہیں۔ وہ نگاہیں جو میں تصویر میں دیکھتا ہوں اور اس وقت بھی جب وہ قریب سے دیکھ رہی ہوں تو مجھ سے کوئی راز نہیں کرنا چاہتا ہیں۔ شاید زندگی کا راز جس سے میں اپنی بہرہ دانی اور تفریطی کے باوجود محروم رہا۔ یا کوئی داستان ہے ماضی کی۔ کیونکہ وہ میرے پاس بچپن کی بھولی ہوئی بکاڑی کا مانند آتی ہیں اور مجھے فوراً احساس ہوتا ہے میں نے اسے کبھی دیکھا ہے۔ صرف دیکھا ہی نہیں اس کے خیالات کی گہرائیوں میں بھی آنکھیاں اور گویا رہا ہوں لیکن کب؟ یہ مجھے یاد نہیں۔

عمارتوں کے درمیان نظر آتا۔ وہ اسے ٹھنکی بانہ کر رحم آمیز نگاہوں کے ساتھ دیکھتا۔ یہ چہرہ اسے ہونٹ کے باغیچہ کی روش پر شہت نظر آتا تھا۔ شام کے بھینے میں خفا کی روش کے کنارے خراباں ہوتا۔ پوکھیں کے کسی بلند ثابت درخت کے سایہ میں شام کی کمرہیں غائب ہو جاتا۔ تاریکی میں اس کے پرنٹ بال فضا لے بعد میں لہرائے اور وہ آہستہ آہستہ تحلیل ہو جاتا۔

پروفیسر نہ جانتا تھا وہ کب سے وہاں بیٹھا ہے۔ وہ بھیگ چکا تھا۔ اس کے سر کے سفید بالوں سے پانی کی ٹپیں ٹپک رہی تھیں۔ اس کے روبرو حسرتناک آنکھیں تھیں اور گہری وحشت بارش زور کی جوہی تھی۔ درخت سائیں سائیں کرتے تھے اور سناکی روش کی سرخ بجری بھتی جاری تھی۔ درخت دھندلے نظر آتے تھے اور شربک کا راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہر چا طرف ایک دھواں چھا رہا تھا۔

پروفیسر نے بارش میں چھوڑ کر آہستہ سے اٹھا اور تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ سر جھکانے ہوئے ہونٹ کے ہلاک کی طرف چلا۔ وہ جا رہا تھا۔ سرنگوں اور حسرت و یاس کا پیکر بنا۔ بچاڑی اور ناگہانی کا مجسمہ ہر ایک قدم ایک خاص دفعہ کے بعد اٹھتا۔ نہایت ٹھنک کے ساتھ یہ ہزار دھواڑی اور پھر بجری کی سرخ شربک پڑتا۔ گراں باری کے ساتھ اور کہا مختصر وقفہ میں اس پر اٹھائیوں کی بے شمار بدینیں بیت جائیں۔ جن کو صرف جانتا تھا لیکن وہ اس غم ————— اس عظیم الشان غم کے اظہار کا قاصر تھا۔ جو خدا جانے کہاں سے اس کے دل میں اٹھا تھا اور کیوں اس نے ایک حزن و دایوس فیز لڑکی کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ایک فیز لڑکی کے سراپا کو غم سے کیا سنا بہت ہوسکتی۔ سنگ تراشوں نے بھی غم کے مجھے بنائے تھے۔ پیکر نگاروں نے غم کا تصور مند قریب کیا تھا۔ لیکن وہ ایک فیز اور حسین کا سنگیں مجسمہ یا پیکر لطافت نہیں تھا۔ وہ شب کا حال نہیں تھا۔ اس کا چہرہ حسین نہیں تھا۔ حسین جو بھی کیسے سکتا تھا غم کا چہرہ بھی ایک ہے۔ بہت ناگ طور پر بھی ایک اور کربہ۔ پروفیسر نے تھا۔ کہ اس غم کا تصور اس قدر میں کیوں ہے اور کیا میں ہی اس کے اظہار میں ملنے نہیں لیکن اگر اس کی روح میں جس ہے اگر اس کی زندگی کے ارباب کے تاروں میں غم کا ارتعاش ہے تو وہ ایک ترانہ مسرت نہ سہی۔ درد و کرب کی ایک پیچ پیدا کر سکتا ہے۔

وہ خفا کی روش سے ہوتا ہوا پھولوں کی کیا دیوں کو روختا ہوا چلا گیا۔ زلزلے اور لایقی ہمت کے پھولوں کے کئی پھول پال ہو گئے اور

اٹھتا ہے یاں وحراں کی تصویر کھینچتا ہے کہ پڑھنے والا زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے لیکن وہ زندہ رہتا ہے۔ دنیا کو ترک کرنے کا کبھی اسے خیال نہیں آتا لیکن میں ہوں کہ جذبات کے دھڑکنے سے مجھ پر تخلیق سے قاصر ہوں۔ میں جسے زندگی سے کوئی شے وابستہ نہیں کر سکتی۔ کوئی رشتہ نہیں کہ مجھے دنیا سے منسلک کرے۔

نوجوان لڑکی نے گھنٹی بجائی۔ ایک یورپین لڑکی آئی اور چادر کا آئروڑے کر چلی گئی۔ لڑکی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے ایک مفہم کتاب اٹھائی اور اس کے اوراق اٹھنے پھٹنے لگی۔

”کیا ہے میری بچی؟“

”یہ کتاب اٹانے بیٹھی ہے۔ پروفیسر آپ اپنی تعینیت مکمل کر لیں نہیں کرتے۔“ لڑکی نے سادگی سے کہا۔

لڑکی حسین تھی۔ سفید ساری میں ملبوس۔ بونجیوں کا سالیاس اور بال ہندوستانی وضع پر آراستہ۔ مشرق و مغرب کے محفوظ عقائد کا ایک پیکر۔ انداز میں مغربی بے تکلفی۔ نگاہوں میں مشرقی حیاء و انطوائی۔ مغربی سادگی۔ انداز گفتگو میں ایشیائی متانت و تفکر سادگی اور ہنسنا۔ یورپین لڑکی چادر لے کر آئی۔

”حمر! مجھے سرودی محسوس ہوتی ہے میری بچی۔“

”غریب پروفیسر! لڑکی نے کتاب رکھ دی اور ٹرے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

پروفیسر نے چادر کی پیالی نکالتے ہوئے کہا۔

”حمر! تین آئینہ ماہ جاز پر سوار ہو جانا چاہیے۔“

آئینہ مینے — ہاں پاسپورٹ آچکا ہے۔

”جرمنی؟“

”ہائل برگ“

”تم ننھا ہوئی حمر!“

”ابانے کہا ہے پروفیسر تھارے ساتھ ہوں گے۔“

”ہاں کیا رکھا ہے میرا ہندوستان میں!“

”پروفیسر تھارے کو نہیں؟“

”نہیں!“

”کوئی دوست؟“

”نہیں“

میں لڑکی نے اس کے خیالات کے سلسلہ کو منقطع کیا۔
”جہیز میں شے کے متعلق میں گمان ہوتا ہے کہ ہم اسے خیر نہیں دیکھ چکے ہیں کسی گذشتہ زندگی میں۔“
وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے پروفیسر کا گیلیا کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔

”محسوس ہوتا ہے ہم نے اسے کسی گذشتہ زندگی میں دیکھا ہے۔ کیا یہ حریف نصیب و خیر لڑکی کسی گذشتہ زندگی کا سایہ نہیں؟ لیکن پروفیسر اپنے خیالات میں کھویا رہا۔ اسے احساس ہی نہ تھا لڑکی نے کیا کہا ہے۔

”مجھے یاد نہیں میں نے اسے کب دیکھا ہے۔ لیکن میں اس راز سے آشنا ہوں جو وہ مجھ سے کتنا چاہتی ہے وہ راز کیا ہے۔ کیا ہے وہ حدیثِ اہل علم اور درویشوں کی اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں قدرت نہیں رکھتا۔ میں الفاظ تلاش کرتا ہوں اور ناکام رہتا ہوں لیکن وہ راز وہاں ہے۔ اس کی نگاہوں میں موجود ہے۔ وہ افسردگی و یاس کے لباس میں ملبوس ہے۔ اس کی کشادہ پیشانی کی ویرانی اور زندگی جتنس ہونٹوں کی پژمردگی میں۔ ستے ہوئے حسین چہرہ اور پریشان بالوں کی برہمی میں اور میں اسی پژمردگی اور ویرانی کا شاکھی ہوں۔ اسی سے مجھے شکوہ ہے۔ مجھے گلہ ہے تو اسی بے سرد سامانی کا کہ یہی میری قوت تنقید کو بے بس کر دیتی ہیں۔ میری قوت تخلیق ناکارہ ہو جاتی ہے۔ مجھ پر تمام تر وہی جذبات طاری ہو جاتے ہیں اور میں اپنے گرد و قریب کے رنگوں کی ایک دھند محسوس کرتا ہوں جو بیکار کر دیتی ہے میرے حواس کو میرے قلب و جگر کو خورد و ہوش کو۔

ایک نادار کارڈ رٹ ایک خانہ نغمہ موسیقار مثنوی۔ ایک سوکار شاعر اور ایک ناسموزیں غالب ایسی امتیاز ہے۔ آرٹسٹ ایک ایسے عرباں پیکر جن کو قدر قریب سے دیکھنے والے کے جذبات میں ایک ہنگامہ برپا کر دے طوفان اور آندھیاں لے آئے لیکن آرٹسٹ کا دل سکون کا گوارہ ہی رہے۔ مثنوی اپنے رقت انگیز اور فکر گداز نغموں سے بے پناہ انسان سے زندگی اور موت کے حدود کو ایک کر دیتا ہے اور تمام کائنات اس لمحہ ایک نغمہ بن کر رہ جاتی ہے۔ لیکن مثنوی خود — وہ اپنے تئیں فراموش نہیں کرتا اور شاعر ہونے کے مانند گلستاں میں پھرتا گلوں کو رنگ و بو بخشتا ہے۔ جذبات کا طوفان

”یہی؟“
 ”نہیں۔۔۔ میری بچی!“
 ”پروفیسر تم نے کبھی محبت نہیں کی، مگر اک چہرہ سرخ ہو گیا۔“
 ”جیہے یاد نہیں۔۔۔ میری بچی“
 ”تو۔۔۔ پروفیسر تم میرے پاس رہو گے ہمیشہ؟“
 ”حمر۔۔۔ میں چند روز کا مہمان ہوں۔“
 ”نہیں تم وعدہ کرو!“
 ”کیا“

”تم میرے پاس رہو گے۔“
 ”تم بھول جاؤ گی مجھے میری بچی!“

”غلط“
 ”مرا وقت آئے گا کہ تم بے پروا ہو جاؤ گی مجھ سے۔“
 ”نہیں میں کبھی بے پروا نہیں ہوں گی۔“
 ”ایک شخص اگر تنہا سے خیالات کا مالک ہو جائے گا۔ اور تم مجھے

فراموش کر دو گی حمر!“
 ”مرا شرما گئی۔“

”یہ تم کسی کی تصویر بنانا چاہتے ہو؟“
 ”ماضی کی تصویر میری ماضی میں۔“
 ”ماضی کی تصویر۔۔۔ شباب رفتہ کا تصور؟“
 ”نہیں۔۔۔ دیران و برباد گشتہ زندگی۔ وہ افسانہ جس کا مجھے کوئی ٹکڑا

یاد نہیں۔“
 ”یہ کوئی عودت تھی؟“
 ”میرا خیال ہے میں نے اسے کیوں دیکھا ہے۔“
 ”کہاں دیکھا ہے۔“
 ”یہ مجھے یاد نہیں۔“

”ابا کہتے ہیں تم دس سال سے تصویر بننا چاہتے ہو۔“
 ”ہاں۔۔۔ لیکن نہیں بنا سکا۔“
 ”کیا یہ تنہا ہے؟“
 ”نہیں۔۔۔ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے ضرور۔“

پروفیسر چار ختم کر چکا تھا یعنی سبھی یورپین لڑکی اندر داخل ہوئی
 ہوا کا جھونکا اندر آیا۔ ٹھکا ماندہ اور پروفیسر کو آسمان دکھائی دیا۔ بارش

ختم ہو چکی تھی۔ وہ اٹھ کر برآمدہ میں آگیا اور ادھر ادھر ملتا رہا۔ جنوب کی
 جانب بادل پھٹ چکے تھے اور سیاہی مائل نیلگوں آسمان کی سطح لارنس
 گاؤں کے گھنے پنجرہ پر نظر آرہی تھی۔ صبح غروب ہو گیا تھا اور درختوں
 پر تاریکی برپا تھی۔ بولپٹس کے درخت کے پاس جہاں پر پتھر
 کا قرطاس تصویر پر تھا کوئی کھڑا تھا۔ وہ ایک عورت کا سر ہاتھ تھا۔ انگوٹھی
 سمور کا ایک کوٹ پہنے سر پر نیلگوں ساری کا انپھل۔ خاک کے پودہ کا ساندہ
 لیکن چہرہ تصویر کی جانب۔ تصویر کے ماحول میں کھول دیا۔

اس نے ہونٹ کی طرف نگاہ کی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہے اور
 پروفیسر نے اس کے چہرہ کو دیکھ لیا ایک سوہم سہمی بھلک۔

”یہ وہی ہے!“ اس کے منہ سے نکلا اور وہ دیوانہ وار سبز زار کی
 جانب جھپٹا بیٹا پختہ نیلگوں زینوں کو جلدی سے عبور کرنا۔ پھولوں کی
 کیاریوں کو موندنا۔ بھری کی مرک پر بے نتانہ بھاگتا بیٹھا ہوا بولپٹس کے
 درخت کی طرف اس کی سانس پھول گئی تھی۔

ہوا کا جھونکا آیا۔ درختوں کی شاخوں سے سائیں سائیں کی آواز
 پیدا ہوئی۔ عورت نے مڑ کر دیکھا۔

”ہاں یہ وہی ہے وہی آنکھیں وہی حسرت و مایوسی۔ وہی صن
 بلے پناہ اور نگاہوں میں وہی عشق وہی ہے وہی ناخوار۔ جس نے مجھے
 پریشان کر رکھا ہے۔ جس نے نذر قرطاس ہونے سے بغاوت کی۔ مسلسل
 بغاوت اور میرے سکون کو تباہ کر دیا۔ لیکن یہ کون ہے یہ حسین
 جنہی خلوت۔ وہ مجھ سے کیا دار کھٹا جانتی ہے۔ کیا غم ہے جس کا وہ مجھے
 امانت دار بنانا چاہتی ہے۔ کیا وہ مجھ سے بیان کر دے گی۔ اب جبکہ
 میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔ جبکہ میں جان گیا ہوں۔ وہ ایک داہمہ یا
 فریب نہیں۔ ایک حقیقت ہے۔ ایک مجسم حقیقت ایک انسانی خلوت۔ آج
 یاس دھماں کی حامل۔ اسی حسرت پرستی کی پیکر۔

عورت نے پروفیسر کو دُری سہمی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ
 قرطاس پر آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ جو بارش سے محفوظ تھیں۔ اور ان میں
 اپنی روح کو کھسکنا پاتی تھی۔ لیکن اب وہ حیران تھی یہ مگر شخص کون ہے
 وہ اس کی طرف دانت پٹتا چلا آرہا ہے۔ ہاتھوں کی منبیاں بھینچنے پٹنے
 ہے۔ اس کے سر کے سیاہ اور سفید بال پریشان ہیں۔ داہمی کے بال
 بھی رزم ہیں۔ آنکھوں میں ایک دہشت ہے۔ خوشخواری شیطاں کا سا
 ایک عزم۔

آخری فطرے تک کو خشک کر دیا۔ پہل ویران ہو گئی اور اب وہ اس اباہی
 بوزمورگی کی ماتم گار ہے۔ وہ مجھے اس ویرانی اور براؤ گشتی کی دانش
 سنا چاہتی ہے۔ اس لئے کہ وہ کسی آواز کو نہیں سنا سکتی۔ کوئی نہیں ہے
 کہ اس کے خشک ہائے حسرت کو پانچے اور اس کے درد کو شرمندہ اتفاق
 کرے۔ ہیں اس افسانہ صرت کو سونگتا۔ ہیں اس غم کو جو میرے سپرد
 کرنا چاہتی ہے اپنے پاس امانت رکھوں گا اور اسے قبر میں بھی سنا نہ لے
 جاؤں گا۔ یہ حراماں نصیب چرو۔ یہ ارغوانی سمور والی حسینہ کون ہے؟ میں
 نے اسے دیکھا ہے؟ میں اس سے یوں محبت کرتا ہوں؟ محبت؟ ہاں
 نفرت نہیں۔ مجھے محبت ہے میں نے بھی محبت نہیں کی مجھے یاد نہیں
 میں نے کبھی محبت کی ہو۔ میں نے ہمیشہ حسینوں کی آہوانہ نظروں کو فریب
 مال بتایا ہے۔ ان کا حسن سرکار میرے لئے ہمیشہ ایک فریب اور مایا رہا
 ہے۔ ان کے اتفاقات کو میں نے ہمیشہ بناوٹ اور تکلف سے تعبیر کیا ہے۔
 جمال کی لطافتیں اور رعنائی کی شادایاں ہمیشہ میرے لئے شتہ بائے
 دم رہی ہیں۔ مجھے حسینوں سے ہر جانی ہونے کا تلخ ترس گلہ رہا ہے۔ ان
 کی خاموشی کو قریب ستانت اور حنن اتفاقات کو ظلم گناہ کہا ہے لیکن
 یہ کیا؟ ایک ارغوانی سمور والی حسینہ آئی اور مجھے اپنی محبت نہیں نہیں
 پر شوق شوق اور امانت الفت کا پرستار کر گئی۔ آخر وہ کون ہے؟ وہ
 کہاں گئی؟ میں کس کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہوں؟ درخت کیوں مائیں
 سائیں کرتے ہیں؟ مجھے کوئی کیوں پکارتا ہے۔ یہ کون ہے۔ یہ ارغوانی
 سمور والی حسینہ ہے۔ جو اپنے پریشاں بالوں کو اپنے جذبات پر وسیع
 کو دبائے آ رہی ہے۔ وہ مجھ سے کتنا چاہتی ہے۔ مجھ سے محض مجھ سے
 ————— نہیں یہ حمر ہے۔ حمر غریب لڑکی۔ بدیت کی ایک آواز
 بدیت اور عالم معدومیت۔ اس کو کیا معلوم ہے وہ پکارے ہے وہ میرے
 واہم کی تخلیق خیال کرتی ہے ایک زندہ مخلوق ہے۔ ہماری طرح گوشت
 اور پوست کی جذبات حسیات کی۔ خوف اور غم وہ بھی محسوس کرتی ہے
 اور اسکی زندگی ویران ہے۔ بر باد۔ سہت و اہم کا گوارہ۔ میں معلوم کر ڈنگا
 وہ کیا رہا ہے جو وہ مجھے سونپنا چاہتی ہے؟

پروفیسر پیکس کے بلند اور متعق و زحمت کے چھپے کھڑا بڑا ہوا
 تھا۔ وہ ایک تاریک سایہ معلوم ہوتا تھا۔ اور ہومل کے درپوں سے
 روشنی آ رہی تھی۔ بڑے کمرے میں دھن ہوتا تھا لیکن پروفیسر بے
 خبر تھا۔

پروفیسر قریب آتا جا رہا تھا اور وہ سہمی جا رہی تھی۔ کانپ رہی تھی۔
 وہ کسی اور جانب نہ دیکھ سکتی تھی۔ وہ پروفیسر کی آتش زدنگ ہوں کو دیکھ
 رہی تھی اور کانپ رہی تھی اور پروفیسر اب آہستہ آہستہ بڑھا چلا رہا تھا
 وہ اس کے قریب آگیا۔ اس قدر قریب کہ وہ اس کے تیز تر متغص کی
 آواز سن سکتی تھی۔ اسے اپنے چہرہ پر محسوس کرتی تھی وہ بے بس تھی
 اور پروفیسر کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے کچھ کنا چاہا۔ اس کا
 حلق خشک تھا وہ کانپ رہی تھی اور پروفیسر قریب آتا رہا۔ اب وہ ہاں
 کے دل کی حرکات سن سکتی تھی وہ محسوس ہو گئی تھی۔ پروفیسر کے چلنے اسکی
 مبی لمبی انگلیوں والے حشیانہ ہاتھ اس کے شانوں پر تھے۔ وہ
 انہیں پکڑ کر بھجورہے تھے۔ انہیں زور زور سے ہمارہے تھے۔ اور
 وہ خاموش تھی۔ آواز اس کے منہ میں بند ہو گئی تھی اور پروفیسر بھی یک
 لفظ نہ کہہ سکتا تھا۔ وہ تمام جذبات جو گذشتہ دس سال سے اس کے
 دل میں سکنا گزیر رہے تھے۔ وہ تمام حسیات جن کو اس نے محسوس
 کیا تھا۔ وہ تمام پریشاں خیالات جو اس کی تنہائیوں کے رفیق رہے
 تھے۔ اس وقت ہجوم کر آئے تھے۔ وہ ان سب کو دیکھتا تھا چاروں
 طرف اور اب جس محسوس عورت کا چہرہ ان میں چھپ گیا تھا۔ ہیرت
 آلود حسینہ چہرہ جنہی سایہ نفرت انگیز پیکر۔ پروفیسر نے اسے جھجھکاؤ
 پر ہزار وقت کہا "نہم کون ہو" اور اسے دھکا دے کر گرادیا۔ وہ بھاگ
 گئی۔ اس نے پھڑکھیا وہ بھاگ گئی۔

ہومل کے دروازہ میں اسے ایک نوجوان ملازم نے اس کا بازو
 تھام لیا اور وہ دونوں چلے گئے۔ پروفیسر نے انہیں مال کے طریق پر
 جاتے دیکھا۔ دوزخ۔ وہ ہومل کے دروازے میں اکھڑا ہوا اور وہ
 دریغ کے پاس جا کر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ وہ ارغوانی سمور کے گوش
 والی عورت۔ وہ حسین اور حیرت زدہ چہرہ اور اس کا جوان رفیق —
 خدا جانے وہ کون تھا۔ اور وہ کہاں چلے گئے؟

ہومل کی دھن گاہ سے محسوس کی آواز آ رہی تھی۔ ارغوانی کی
 مدھوشانہ نازوں پر دھن ہوتا تھا۔ پروفیسر پیکس کے یو لکس کے درخت
 کے نیچے کھڑا تھا وہ سوچ رہا تھا۔ آخر وہ واہم نہیں۔ وہ میرے خیال
 کا فریب نہیں حقیقت ہے۔ ایک عورت جیسے اگرچہ روح عظیم نے ایک
 پیکر الفت ایک میل اور ہست تخلیق کیا تھا لیکن کسی افتادے الفت سے

تیسرے روز پرودہ فیر سر ہیکل نے پھر تعویذ کی گھیل میں مصروف تھا۔
تعبیر تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ کٹا دہ پشانی قومی ابرو اور بھرے بھرے
گال۔ تراشیدہ گول گھڑی۔ اور وہی حسرت آگیں آنکھیں۔ وہ جن میں ایک
غیر ارضی سوز گواہ تھا۔ ایک زبا متقل یا نالہ ہم۔ ایک رفت آئینہ آرزو
اور ایک غوغا شدہ قلند۔ آہ ——— وہ مرقد آرزو آنکھیں کھلی ہوئی اور
حسرت زدہ حرمات نعیمی کا مزار۔ آج وہ پھر سیاہ اور گھنی پکوں میں مغموم
تھا۔ مظلوم غیر شعوری طور پر حرکت کر رہا تھا۔ پروفیسر کی آنکھوں میں غمزدگی
کی جھلک تھی۔ اور اس نے ارادہ کر لیا تھا۔ وہ سر نہ اٹھائے گا۔ اس وقت
تک سر نہیں اٹھائے گا۔ جب تک وہ اس ناشادہ نامراد حسینہ کے حسرت
آگیں چہرہ کو نذر قمر اس نہ کر دے۔ اس نے قسمیں ادا کر لیا تھا اور وہ
اس کا پابند تھا۔ تصویر ابھی ایک یاد و یا شاید تین برس کی محتاج تھی اور
وقت کا وہ نقد جب ایک فیر مرنے کا تھہر پروفیسر کی تحقیق کو خراب کر دیتا
تھا۔ قریب پہنچ چکا تھا۔

پروفیسر کو اپنی پشت پر ایک سایہ نظر آیا۔ ایک سایہ باریک مروکا
سراپا۔ نوجوان مروکا۔ اور پھر ایک عورت کا سراپا۔ وہی خنکے پودے
کا سا قد اور ارغوانی صورت کے کٹھ کی جھلک اور ایک مالوس کی سطح طرح
اس نے پہچان لیا۔ یہ وہی رنج تھی وہی عطر۔ چند روز پیشتر کی رنگائی۔
شام کی حرمات نعیمی کی خوشبو اور وہی خوبصورتی۔ اس نے غیر شعوری
طور پر سراپا اٹھا۔ وہی عمدت کھڑی تھی۔ خاموش اور اپنی تصویر کو اپنی کھلی
ہوئی حسرت آلود آنکھوں۔ اپنے پریشاں بالوں اپنے سیاہ آہوانہ ابروؤں
اور اپنی ایک جانب کی سیاہ گھنی پکوں کو دیکھ رہی تھی تصویر میں بھی
باریک ہونٹوں پر وہی استہزا آمیز مسکراہٹ تھی۔ وہی مسکراہٹ جھکا
کے دل کے عظیم تنفر و حارث کا پتہ دیتی تھی۔ اس میں انسانی سوائی
اور انسانی رسوم و عادات کا رکنان قضا و قدر کے خلاف ایک عظیم جذبہ
تھیقہ و تسخیر کا ایک پوشیدہ طوفان تھا۔ اور اس عورت کے ساتھ وہی نوجوان
تھا۔ شباب مجسم سراپا مسرت و شگفتگی اس کے ہونٹوں پر ایک زندگی
بخش مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں ایک فیاضانہ خندہ۔ اسے شفقت
آئینہ الفاظ میں پروفیسر کو مخاطب کیا۔ عورت خاموش رہی۔ پروفیسر نے
عموس کیا۔ نوجوان نے گفتگو کر کے اسے ایک حیات کو بخش دی ہے
اس کی زندگی کی تاریکیوں کو پاش پاش کر دیا ہے۔ وقت کا دریا بہت
گیا ہے۔ اور وہ پھر شباب کی دایوں میں محل بد اماں پھر رہا ہے۔ اس

وہ جاری تھی۔ وہی حسرت آلود اور حرمات آگیں آنکھوں والی حسین عورت
اور کشادہ چہرے اور سیاہ پکوں والی حسینہ۔ وہ جاری تھی۔ اس ارغوانی
سمور کے کٹھ میں وہ سطح آب پر چلتی معلوم ہوتی تھی۔ ایک شاہی راج
ہنس کی مانند اور لارنس کا رڈن کے گھنے گھرے سبز رنگ کے اشیا
کی فضا نے بعید لے اسے اور بھی حسین بنا دیا تھا۔ وہ اسی مایوسی اور حرمات
نعیمی کے سایہ میں ملبوس تھی۔ اس کی نگاہوں اور انداز سے وہی بچاؤ
برستی تھی۔ وہ بے بسی اور درماندگی کا پیکر تھی۔ وہ جاری تھی۔ بیک وقت
کے ساتھ اور اس کے ساتھ وہی نوجوان تھا وہی نوجوان۔ جسے اس نے
کل شام کو دیکھا تھا۔ وہ جوانی بزی لباس میں ملبوس تھا اور اس کے
ساتھ جا رہا تھا۔

عورت نے دُرتے ہوئے بھگتے ہوئے اور کھاتے ہوئے پکھٹیں
کے اس درخت کی طرف دیکھ کر پروفیسر دہی تھا۔ اسے ٹھنکی یا نہ دیکھ
رہا تھا۔ اس کا سینہ تنفس کے زبرد ہم سے گرتا اور ابھرتا تھا۔ سانس
کی رفتار تیز تھی اور سراپا سکوت بنا اس حرمات نعیمی کو دیکھ رہا تھا
عورت جا چکی تھی وہ ارغوانی سمور کے کٹھ والی عورت ایک موج
نیم کی طرح جا چکی تھی۔ پروفیسر کی ماٹیں لارنس کا رڈن کی روش پھیں
وہ اس طرح دیکھ رہا تھا ٹھنکی جائے اور یاد کرنے کی کوشش کر رہا
تھا کسی جھوٹے ہوئے افسانہ کو ماضی کے کسی لمحہ کو اپنے افسانہ جیتا
کے کسی قیامت بد اماں مکرے کو لیکن اسے یاد نہ آتا تھا
اس کو حیرت میں کس قدر وقت گزرا گیا۔ گم شدگی کی یہ کیفیت کتنے
طویل لمحے طاری رہی۔ پروفیسر نہ جانتا تھا۔ اسے کبھی معلوم نہ ہوا لیکن
جب اس نے پھر تصویر کو دیکھا تو رنگ آلود مظلوم حسینہ کے حسرت آگیں
چہرے پر ایک سیاہ نشان بنا چکا تھا۔ قیمت نے اس بار بھی دھوکا دیا
تھا اور حمر آلودہ و غیر معمولی "لٹی حمر" یونانی علم الاصنام کی علم کی دیوی
کی طرح اسے شفقت آمیز جلوں اور محبت آگیں الفاظ سے تسلی دیتی اس
درخت کے نیچے سے اٹھا کر لے گئی لیکن اسے ارغوانی سمور کے کٹھ
والی حسینہ کا کوئی علم نہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ پروفیسر کسی ذہنی عارضہ
میں مبتلا ہے۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا وہ ضرور طبی امداد طلب کرے گی
لیکن پروفیسر دلائل سے اس کے خیالات کی تردید کرتا تھا۔ وہ مباحثہ میں
"حمرائے زیادہ ذی ہوش تھا۔ حمر اس سے درس فلسفہ لیتی تھی اور کوئی
وجہ نہ دیتی کہ پروفیسر کی ہوشمندی پر یقین نہ کرتی"۔

دسدا مونا کے پاس میں اس بیچ پر تھیر کھڑی تھی۔ پر دھیرے سے اسے کہیں گیا تھا۔ اور وہ بٹا سکتا تھا۔ اس نے اسے کہاں دیکھا ہے۔ وہ ہر گز کی طرح تلا نہیں بھرتا۔ ایک نشست سے دوسری نشست پر کودتا۔ لوگوں کے شور و آواز بجلی کی خیرہ کن چمک کے درمیان کودتا اس بیچ پر پہنچ گیا۔

اس نے اپنی باہیں پھیلا دیں۔ اس کی آواز لرزتی ہوئی پھر بلند ہوئی۔
"سلما! — میری پیاری سلما! — تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا!"
خیر باد کہہ دیا۔

دقتر نیرنگ خیال میں افسانوں کی کتابیں

درس معاشرت۔ دس لچپ افسانے۔ قیمت ۸۔
سید گل (۱۲ افسانے) از جناب محمد عظم المرین صاحب ساکب ایم۔ اے۔ قیمت ۱۲۔
سید گل (کئی افسانے) از جناب علیل احمد صاحب دوائی۔ بی۔ اے۔ قیمت ۱۲۔
تُرکوں کی کہانیاں۔ قیمت ۴۔
زندگی کی صبح و شام۔ ایک درجن چھپ افسانے۔
تصویر معاشرت۔
عروج زندگی۔
علمی کہانیاں۔ ۱۴ صفحہ۔
سٹہ باب کی سرگزشت۔ از مولانا نذیر حسین پوری۔ حجم ۲۰۰ صفحہ۔
قیمت ۴۔
دل گداز افسانے۔ از کوثر چاند پوری۔ حجم ۲۰۰ صفحہ۔
طوفان زندگی۔ از دیکشن افسانے۔
درس عبرت۔ دس دیکشن افسانے۔

دقتر نیرنگ خیال میں مزاحیہ کتابیں

شرر ربوی۔ از جناب مرزا غلام بیگ صاحب چغتائی بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔
حجم ۸۰۔ ۱۰ صفحہ۔ جدو چپ اور مقبول قیمت ہر جلد پندرہ روپے معاف۔
مضامین پطرس۔ سید احمد شاہ بخاری ایم۔ اے۔ پروفیسر گزشت کالج لاہور کے لاجواب اور نیشل مزاحیہ مضامین کا مجموعہ جلد۔ قیمت ۴۔
انتخاب اور دھڑنچ۔ لطافت ہرے مضامین کا انتخاب۔ قیمت ۴۔
تذکرہ قیسم گل۔ جس میں ہندوستان کے ظریف شاعروں کا کلام جمع کیا گیا ہے۔ ۱۰۰ صفحہ قیمت ۸۔
چمنان لطافت۔ لٹنے اور چھلے۔ ۴۔
عاجی غلول۔ سید ساجد حسین صاحب کی تصنیف۔ مزاحیہ ناول۔ حجم ۱۳۰۔
صفحہ قیمت ۸۔
نکات رموزی۔ از ملا رموزی قیمت ۴۔
شادی۔ حجم ۴۰۰ صفحہ۔ از ملا رموزی۔ قیمت ۴۔
روح لطافت۔ انوکھی کی مصیبت اور دوسرے افسانے۔ از مرزا غلام بیگ صاحب چغتائی۔ زیر طبع۔
حضرت شوکت نھاڑی کی کتابیں بھی طلب کی گئی ہیں۔ آئندہ نمبر میں اشتہار ملاحظہ ہو۔

لے کا پتہ

مینجر نیرنگ خیال بک ڈپو۔ شاہی محلہ لاہور

محض تماشائی

(۱)

بگم اور جند نے شکل منہی ضبط کر کے بڑھایا "تم بھی نص کرو گے؟" شمیم نے منہ بنا کر کہا "نہیں تو! — اگرچہ نصرت نے مجھے نص سے منع کر دیا ہے میں صرف دیکھنے کے لئے جا بیٹھوں گا۔ بس یہ معلوم ہو گا جیسے کسی نے ایک خوبصورت بھول لاکر رکھ دیا ہے — کیوں زہرہ نے عذر پر نشان بھی لگا لیا یا نہیں — نہیں؟ تیار مطلب ہے کہ نشان لگا لوگی؟ شکریہ — بہت بہت شکریہ! ... اے نصرت صاحب بھی خراماں خراماں اسی طرف تشریف لا رہے ہیں۔ کاش تم اسے التو یہ بنے پر آمادہ کر سکو۔ میں تو بہت کم سن چکا!"

اس نے قہقہہ لگایا اور سلاخوں سے کود کر چھلایا!

اگرچہ زہرہ کے چہرہ پر ہلکا سا غصہ تھا لیکن گاہ شمیم کے ساتھ ساتھ تھیں وہ بہت اچھا لڑکا ہے لیکن اگر اس کے مزاج میں ایسی متانت اور شبیدگی ہوتی جو کپتان نصرت کو دگر سافروں کی نظروں میں ممتاز کئے ہوئے ہے تو وہ اور بھی اچھا ہوتا! ... کپتان نصرت کچھ اس طریقہ سے انکے پاس ٹھٹھا ٹھٹھا آیا گیا یہ ملاقات محض اتفاقاً ہو گئی تھی۔ وہ خاموش اور سنجیدہ مزاج تھا۔ تنہائی پسند تھا اور لازمی طور پر لباس سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جب وہ گردن جھکائے شاؤں کو کسی قدر ادب سے کئے غرض جواز پر ٹھٹھا تھا۔ نوکابل اور سستی اس کے ایک ایک منہ سے ظاہر ہوتی تھی۔ گو تھیتھا ایسا نہ تھا ایک محنتی جوتھی راؤ کا بیاب فوجی انجینئر کا سست ہونا ذرا محال ہے، اس کی گھنگھوڑی چسپ دھوتی تھی۔ اس کے لب و لہجہ میں کوئی انوکھی بات نہ پڑتی جاتی تھی۔ کسی نے اس کی زبان سے آج تک کوئی لطیف جملہ نہ سنا تھا۔

بادجہ اس کے زہرہ جیمن ہمیشہ نہایت خندہ پیشانی سے اس سے ملتی تھی اور نہایت محبت سے اس سے پیش آتی۔ اس کے نزدیک نصرت اس قابل تھا کہ دنیا میں نمایاں شہرت حاصل کر سکے۔

بگم اور جند شمیم کی تعریفیں مزید فرج زیادہ پسند کرتی تھیں۔ چنانچہ اس موقع پر وہ انہیں اور کسی قدر نشان کے ساتھ چلنے کے لئے آگاہ ہوئیں

شمیم مرشد جہاز کی سلاخوں پر بھول رہا تھا! اس نے جھولتے جھولتے اپنے دوستوں سے کہا "میں تو سلطانہ رضیہ ہو گیا۔" اور زہرہ کل جو تم سیاہ قمیض پہنے ہوئے تھیں وہ درجے دے دینا؟"

جہاز کے مسافروں میں سب سے زیادہ شوخ۔ شہزادہ اور باتونی لیکن اس وقت اس کے بچے سے متانت ٹپک رہی تھی۔ غالباً وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ محض نص میں حصہ لینے کے علاوہ اس وقت اس کے دل میں اور کوئی خیال نہیں ہے۔ یہ اس کی عادت تھی کہ اپنی شرارت اور شوخی کے باوجود جب اس کا جی چاہتا تھا تھیں بن جانا تھا اور اخراجات اس بھی شوخی بھرا جاتا! اور اسی متانت اور شوخی کے کچھ ہونے کی وجہ سے وہ عقاب ہند کا سب سے زیادہ ہر دلعزیز مسافر تھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ جہاز کی جان تھا!

زہرہ جس کو شمیم اختر نے ابھی مخاطب کیا تھا۔ بگم اور جند کے ہمراہ رنگوں سے وہ اس کی تھی اور یہ نامکون تھا۔ کہ دوران سفر میں کسی نہ کسی طرح شمیم سے اس کا تعارف نہ ہوا جو شمیم کی عادت تھی کہ وہ ہر کسی سے پہلی ہی ملاقات میں بے تکلف ہو جاتا تھا لیکن جب اس نے زہرہ سے بے تکلفی بڑھانی چاہی تو اسے یہ معلوم کر کے سخت تعجب ہوا کہ زہرہ اسے ہر وقت علیحدہ علیحدہ رکھنے کی کوشش کرتی ہے اور تعلقات بڑھانا نہیں چاہتی۔ نو جوان خیر میں تصنع نام کو نہ تھا۔ اس لئے وہ زہرہ کے اس برتاؤ سے ذرا سوچ میں پڑ گیا۔

زہرہ جیمن نے نہایت بے رخی سے کہا "اگر تمہیں قمیض کی ضرورت ہے تو لے لینا! شاید وہ اس سے بھی احتراز کرتی لیکن چونکہ شمیم جواب کا منتظر تھا۔ اس لئے ان الفاظ کی ضرورت پیش آئی۔

شمیم نے ایک ٹھٹھا امانس لیا۔ چلو خیر ایک بوجھ تو کم ہوا۔ اب ایک اور چیز باقی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم اپنے نظام الرقص سے عطا کئے دے سکو گی؟

پڑی۔ ایک عرصہ سے دونوں کے مابین کوئی گفتگو نہ ہوئی تھی۔ اس نے وہ عرشہ پر چل آئی۔ بار بار اس کے دل میں خیال آتا تھا کہ شمیم کے چہرہ پر نانا لباس پہننے کے بعد کس قدر نزاکت برسنے لگی ہے لیکن ماتہ راقہ وہ مضروب بھی تھی۔ کیونکہ اس کے گھر سے غیر معمولی طور پر مشائے اور بچہ لگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ آخر کیوں؟ باوجود کوشش کے زہرہ اس کے کمر کا مطلب سمجھ نہ سکی۔

شمیم اسے سلاخوں تک لے گیا اور خود ان سے سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

یہ ایک وہ تھا اور بے تابانہ اس کی زبان سے نکلا: "زہرہ!"

جلدی جلدی لیکن غیر مسلسل فقرہوں میں شمیم نے کہا: "زہرہ! — مجھے مجبور سمجھنا۔۔۔۔۔ آخر میں اسے کب تک چھپاؤں؟ مجھے — تم ہے۔۔۔۔۔ محبت ہے! عشق ہے۔۔۔۔۔ تم شاید اس سے واقف ہو، میرے بتانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔۔۔۔۔ زہرہ۔ آخر تم مجھ کو جس سے اتنی بدواشتہ خاطر رہتی ہو۔ جب میں تم سے ملنا چاہتا۔ تم ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال دیتی ہو۔ کیوں میری۔۔۔۔۔! زہرہ کا دل دھڑکنے لگا اور وہ کسی قدر گھبرا گئی۔ کم از کم شمیم اس مرتبہ مذاق سے کوسوں دور تھا۔ لیکن زہرہ کے تصور نے ایک ایسے شمیم کو پیش کیا۔ جس کے لبوں پر تسمکھیل رہا تھا اور جو غمگین زور سے ہنسنے والا تھا۔ محض تخیل کیونکہ تاروں کی دھندلی روشنی میں کوئی چیز صاف نظر نہ آتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس خیال نے انسانہ باوجود کہ زہرہ کے دل میں شمیم کے خلاف جس قدر قوتیں خوابیدہ تھیں۔ بیدار ہو گئیں۔ اسے غصہ آ گیا۔ ایسا غصہ جو ہر خطہ نئی کرتا جا رہا تھا۔ اور جس نے اسے انتہائی لمبے رچی اور سرد مہری پر آمادہ کر دیا۔

اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا: "آپ نے نہایت مناسب موقع تلاش کیا ہے۔ غالباً آپ کا خیال ہوگا کہ اس نانا لباس میں دیکھ کر کوئی آپ کی مخالفت کی جرات نہ کرے گا۔ کیوں؟"

شمیم نے نہایت سکون سے جواب دیا: "میں نے صرف موقع حاصل کیا ہے جو مجھے مل سکتا تھا۔ ہر کام موقع اور وقت سے ہوتا ہے۔ میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ اگر میں روزمرہ کے لباس میں ہوتا تو تم میرے ساتھ باہر نکل آنا بھی پسند نہ کرتیں!"

لیکن بہادر کرنا سوسائٹی کا ایک بہت بڑا اصول ہے اس لئے انہوں نے کہا: "میں ذرا چل کر دیکھوں کہ وہ بلبہ لباس کیونکر حاصل کرتا ہے۔ یقیناً یہ بالکل اٹوکھا ہوگا۔" جیسا کہ وہ خود ہے! زہرہ کا غصہ اور بڑھ گیا۔ کچھ غصہ اور کچھ حقارت دونوں ملے جلے تھے!

اس نے کہا: "شمیم کا کیا ہے؟ وہ تو مسخوڑ ہے! لیکن میری طبیعت تو اس بوقت کی خوش فطرتی سے اکتا جاتی ہے۔ ہر وقت مقصد لگانے سے آخر کیا نائدہ؟" اس نے اپنے رومال سے کیلپتے ہوئے کہا: "جو لوگ کسی بات کو بھی سنجیدہ طور پر نہیں لیتے میرے خیال میں وہ اپنی زندگی کامیابی کے ساتھ بسر نہیں کر سکتے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ اگر شمیم کو موت آئی تو وہ منت ہو امرے گا!"

یہ تم اور جند جو شمیم کی شوخیاں مادرائے نظر سے بھتی تھیں۔ مسکرا کر بولیں: "چلو یہ بھی اچھا ہے۔ عزیز من رونے سے ہمیشہ ہنسنے دہنا زیادہ تیر ہے۔ اگرچہ زیادہ آسان نہیں ہے!"

وہ زہرہ کے نقادانہ رویہ پر دل ہی دل میں مسکراتی ہوئی غصت ہو گئیں اور کپتان نصرت خاموشی سے زہرہ کے پاس کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ زہرہ نے صرف تسم سے اس کا غیر مقدم کیا۔ کیونکہ اظہار غیر معمولی ہونے۔ اور گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔ صرف وہ ہی ایک ایسی ہی تھی جو اس کی منانیت اور خاموشی سے نگہبانی تھی۔ اسے نصرت سے بہت کچھ اس تھا۔ اور اس کے خوش باش دوست (شمیم) کے ساتھ گفتگو کے بعد جو اثرات پیدا ہو جاتے تھے صرف اس کی خاموشی انہیں دور کر سکتی تھی۔ نصرت بھی معمولی باتوں پر گفتگو کرنے کا مادی نہ تھا۔ حقیقت میں وہ بات چیت کرتا ہی نہ تھا۔ لیکن زہرہ وہ لمحات جس قدر اطمینان قلب اور سکون کے ساتھ گذارتی تھی اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ طمانیت اس جنت میں ملنے کی توقع نہیں!

کپتان نصرت دوسروں کے لئے غیر دلچسپ ہوتا ہوا اس کے لئے نہ تھا۔ اور زہرہ۔ اس پر غور کرتی تھی!

(۲)

شمیم نے پچکے سے کہا: "ادھر عرشہ پر چلیں۔ وہاں کوئی نہیں ہے۔۔۔۔۔! انا پاس تھرمین شرب ہے!" زہرہ نے اس کا اٹوکھا لباس ایک نظر سے دیکھا اور بے اعتناء مسکرا

کی محبت کا معنی ہوا،

اس نے دریافت کیا، آپ کس طرح مجھے باور کرائیں گے کہ آپ کے الفاظ اور خیالات ایک ہیں؟ آپ کہتے ہیں کہ یہ تمام باتیں اخلاص پر مبنی ہیں اور آپ مجھے دل سے کہہ رہے ہیں لیکن — ہم دونوں خوب جانتے ہیں کہ سب زبانی جمع خرچ ہے۔ اب تناشت اور تنجیدگی سے کوسوں دور ہیں۔ آپ تفریح کے بندے ہیں۔ آپ نے زندگی بھر کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ جو قابل ذکر ہو۔ سوائے مذاق کے دوسرے لوگ کام کرتے ہیں اور آپ ہمیشہ ظاہری غاشلی کی فکریں رہتے ہیں۔ آپ محض ناشائی ہیں!

”ناشائی!“ — شیم نے یہ لفظ ایسے بوجھ میں دہرایا کہ اس کا مطلب زہرہ نہ سمجھ سکی۔ پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا، بلکہ نہایت چالاک اور ہنسنا۔ ناشائی..... جناب اگر میں نے کوئی کارنامیاں انجام نہیں دیا۔ تو اس میں میری کوشی خطا ہے یہ تو واقعات کا قصور ہے۔ یوں تو میں بہت سے کام کر سکتا ہوں۔ انجن بھی چلا سکتا ہوں اور گولیاں بھی کھیل سکتا ہوں لیکن کارنامیاں..... کیونکہ تمنا اور نقطہ نظر غلط ہے۔ انسان کے ظاہری افعال پر مت جاؤ یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو وہ کیا کرتا ہے۔ بلکہ یہ دیکھو کہ وہ خود کیا ہے۔ صرف یہی ایک مٹیاں ہے۔ ورنہ دنیا میں بیوقوف سے بیوقوف اور احمق سے احمق بھی بید ہو سکتا ہے!

زہرہ نے فرانسیسی افتدہ لگایا اور نہایت غارت سے کہنے لگی! ”ماشاء اللہ۔ کیا خوب؟“ انسان کے افعال پر نہ جاؤ۔ حضور انسان کے افعال ہی یہ بتانے کی قدرت رکھتے ہیں کہ وہ کیا ہے انسان اپنے لئے خود واقعات اور مواقع پیدا کر سکتا ہے اور انہیں معیص طور پر کام میں لا سکتا ہے۔ شیم آخر صاحب آپ صرف باتوں سے مجھے لہجہ نہیں دلا سکتے کہ آپ کسی قابل ہیں!

دراور کو خاموشی چھا گئی!

شیم کے دل میں ہلکے ہلکے شبہات موجود تھے لیکن نہ تو اس نے ان شبہات کو مٹانے کی کوشش کی اور نہ اس سوال کا جواب طلب کیا۔ جس پر اس کے مستقبل کا دار و مدار تھا بلکہ اس قدر تعجب ہے! — بلکہ ایک اس نے سر ہٹا دیا۔ جسم کو کسی قدر نرم کیا اور دھڑکے جلد قدم رکھنا ہوا چلے یا زہرہ نے رخصت کیا یہ اونکھلا نظر دیکھا جس میں بہت کچھ خود اوری اور خود پسندی کی اہمیزش تھی۔ لیکن پورے طور

اس کے بوجھ میں تشدد کی آمیزش اچلی تھی۔ جس نے زہرہ کو مارے غصہ کے کپکپا دیا گویا میرے الفاظ کوئی دقت نہیں رکھتے اور میرا قصہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ بہت جلد اپنی غلطی محسوس کر لے گا، اس نے ہنستے ہوئے کہا، خدا آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ آپ کا پیسہ پڑن اور سلطانہ رفیعہ کا لباس نہایت درجہ دلچسپ ہے اور قابل درگزر بھی؟ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی ہم خیال نہیں ہوں! شیم نے بے ساختہ کہا، دیکھو زہرہ۔ تمہیں ہر چیز اور ہر بات کے مختلف غلط فہمی ہوتی ہے۔ جو کچھ میں نے کہا وہ ہرگز ہرگز معزور نہیں ہے۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ کہ میں جو صورت اور ناک آئینوں سے کھیلنا نہیں ہوں۔ محبت ایک پاک شے ہے اور پاک چیزوں کا مذاق اڑانا میرے مذہب میں تو کیا کسی کے مذہب میں روا نہ ہوگا۔ میں غلوں سے ہر بات کہہ رہا ہوں۔ یاد رکھو غلوں سے!

اس کی آواز اس کے قول کے ہم زبان تھی اور زہرہ اپنے لہجہ میں نرمی پیدا کرنے پر مجبور ہوئی۔ لیکن ابھی تک اس کے دل میں غلوں کے جذبات بدستور موجود تھے۔ اس نے لا پر دہی سے کہا، ممکن ہے اب اس وقت غلغلہ ہو رہا ہو بہر بات کہہ رہے ہوں۔ اس سے پہلے تو ایسا نہ تھا اور میرے خیال میں اس کے بعد بھی شاید ایسا نہ ہو۔ یہ تو آپ کی عادت ہے کہ آپ جب جی چاہتا ہے غلوں اور تنجیدہ بن جاتے ہیں!

”خدا کے لئے۔ زہرہ۔ خاموش رہو!“ شیم کا لہجہ صرف سخت تھا۔ بلکہ ایک تنجیدہ مزاج انسان کی طرح اپنے ہمراہ ایک ارادہ لئے ہوئے تھا۔ اس نے کہا۔ ”تم غلطی کر رہی ہو میں ایسا نہیں ہوں جیسا کہ تم نے سمجھ رکھا ہے۔ یا کم از کم میں اس قدر غیر تنجیدہ نہیں ہوں!“

زہرہ نے انتہائے سرد مہری سے کہا، صرف آپ کے الفاظ ہی ایسا کہتے ہیں۔ ورنہ.....

زہرہ اس قدر بے مہری سے کبھی پیش نہ آتی۔ لیکن شیم کے مردانہ فہم نے زہرہ کو دیر کے لئے اسے جنگ پر آمادہ کر دیا اور آخر اس لڑکے نے — جو بیودہ زمانہ لباس میں اس کے پاس کھڑا تھا۔ کیونکر اتنی جرأت کی؟ اسے کیونکر ہمت ہوئی کہ اس وقت زہرہ سے زندگی کی نازک ترین شے کا ذکر کرے۔ اپنی محبت کا اظہار کر کے اس کے بدلے زہرہ

طرف آیا۔ شخص کی نگاہ اس پر جمی ہوئی تھی لیکن اس کا چہرہ ساکن تھا کسی قسم کی بے اطمینانی اور خوف کے آثار نہ دکھائی دے رہے تھے۔ بلکہ وہ مسکراتا تھا۔ اس نے جوم کو مخاطب کر کے کہا: آپ لوگ کیسا بڑے بڑے نہ ہوں۔ کوئی نگرانی بات نہیں ہے۔ انجن گھر میں ایک معمولی سا مادہ نہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے نفوذی دیر کے لئے انجن روک دیئے گئے ہیں۔ پاکستان صاحب امید کرنے ہیں کہ آپ اپنی تفریح کا حق نہ دینگے اور رقص پرستوں کو جاری رکھیں گے؟

مسافروں نے (جن میں سے بعض تین تین صدی پیشتر کے لباس پہنے ہوئے تھے) اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن وہ مسکراتا رہا۔ اس نے کہا: اگر مجھے اجازت ہو تو میں بھی رقص میں شریک ہو جاؤں۔ کیونکہ کپتان نے فی الحال میرے فرائض سے مجھے تھمتے کر دیا ہے۔ آپ ایک سادہ لباس دالے کو بھی شامل کر سکتے ہیں؟

وہ آہستہ سے کمرہ کی طرف چل دیا اور راستہ میں باجہ والوں کو پکار کر کہتا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صرف اسی شخص کی ذات میں سلامتی پوشیدہ ہے۔ کیونکہ سب کے سب بلا توقف اس کے پیچھے پیچھے چل رہے لیکن رقص — محل رقص ٹھنڈی ہو چکی تھی اور رقص میں اب کوئی لطافت یا نئی نہ تھی۔ انہوں نے جیسے سے ایک سادگی اٹھالی اور کچھ سوچ کر آہستہ آہستہ ہی نا شروع کیا!

اسی طرح وہ کچھ عرصہ تک بجری گیت سناتا رہا۔ رفتہ رفتہ غم فٹنے لگا۔ اور جب گاتے گاتے اس کی آواز بھرنے لگی۔ تو بیگم ارجمند نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔ غالب۔ اقبال۔ فانی۔ غرض کوئی شاعر ہی ایسا ہوگا جس کے ایک دو شعر اس وقت حاضرین نے بیگم ارجمند سے نہ سنے ہوں۔ ان کی دیکھا دیکھی اوروں کو شوق پیدا ہوا اور اسی طرح اچھی خاصی محض سرود منقذ ہو گئی۔ جو بوقت گذرتا جاتا تھا خوف و ہراس میں کمی ہوتی جاتی تھی۔ لیکن ایک حد تک — ان احساسات کا ایک دم مٹ جانا محال بھی تھا کیونکہ ہر شخص کو معلوم تھا کہ جہاز کا ڈاکٹر غیر حاضر ہے!

کوئی دو گھنٹے بعد جہاز میں پیداوی سی پیدا ہوئی۔ ایک ناٹس کپکا ہٹ ہلکی سی انجن کی تڑپ اور ذرا سی دیر بعد تمام باتیں جب معمول تھیں۔ انجن کی آواز رفتہ رفتہ تیز ہوتی گئی اور جہاز پھر زور و قوت سے چلنے لگا۔ نگہبان افسر کا چہرہ خوشی کے بارے میں چمک چمک

ہراس کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ عوشر پر پلٹتے پلٹتے اس نے اپنی حالت بیان کر دیا اور عظیم کی اس وضع کے معنی دریافت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بے سود +

گزشتہ لمحات اسے بے چین چھوڑ گئے تھے!

(۳)

ابھی زہرہ کو عوشر پر بیٹھے ہوئے کچھ عرصہ ہی ہوا کہ ایک ایک جہاز میں ایک تڑپ پیدا ہوئی۔ جس نے اس سرے سے اس تڑپ تک اس کے جسم میں ایک کیلکی پیدا کر دی۔ پھر خود بخود تمام انجن بند ہو گئے۔ بڑے کمرہ میں جہاں درجہ اول کے مسافر رقص میں مشغول تھے ایک بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ سب خاموشی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ ہوا اور پھر بعد ایک دوسرے سے دریافت کر رہا تھا۔ یہ کیا ہوا؟

کوئی شخص زہرہ کے سامنے سے بھاگتا ہوا چل کر طرف گیا۔ جہاں اس افسر کا دھندلا جسم نظر آ رہا تھا۔ جو جہاز کی نگہبانی کر رہا تھا چشم زہرہ میں ایک ہراس کی رو اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ وہ بڑا کراہٹ کھڑی ہوئی لیکن ابھی اس نے پہلے قدم اٹھے بڑھایا ہوگا کہ شیم تیزی سے بڑھتا ہوا آٹا ٹاٹا بیلی ننگ گیا اور پل بھر میں اس کو عبور کر کے نکلا۔ سے پوشیدہ ہو گیا۔ یقیناً یہ عظیم ہی تھا۔ کیونکہ گہری سے گہری تاریکی میں بھی وہ ان بیوہ کپڑوں کی سرسراہٹ سے اسے شناخت کر سکتی تھی +

قبل اس کے کہ زہرہ کو اس کی موجودگی کا احساس ہو وہ جا چکا تھا۔ دوسرے ہی لمحہ میں تمام مسافر عوشر پر نکل آئے اور ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے۔ کوئی اپنا خیال ظاہر کر رہا تھا اور کوئی زہرہ اپنی پریشانی کا افسار کر رہا تھا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن شخص کی ہی کوشش تھی۔ کہ کسی نہ کسی طرح وہ اندیشہ اپنے دل سے دور کرے جو ہر لمحہ اس کے دل میں جا بگڑ رہا ہوتا جا رہا تھا۔ زہرہ بھی اسی گردہ میں آئی۔ وہ مارے خوف کے کپکپا رہی تھی لیکن دوسروں کے ساتھ مل کر ایک اندیشہ کو عقاب نہ کرنا تھا ایسا کرنے سے بدتر جا رہا تھا!

مسافر بے آرامی سے اس کے ایک جگہ کھڑے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ جہاز کا کپتان پل کی طرف گیا اور نگہبان افسر کو بلا کر آہستہ سے اس کے کان میں کچھ کہا۔ وہ پل سے ان کو مسافروں کی

کی کوشش کی تو وہ مجھے گھر پہنچنے تک قید خانہ میں بند رکھے گا! بیگم ارجمند کی قوت مشاہدہ بہت تیز تھی۔ انہوں نے کہا! انا تمام انہیں گھر میں تھے۔ ذرا اپنی فیض تو دیکھو!

”اوہ۔ یہ؟“ تبسم نے یہ کہہ کر لا پرواہی سے فیض پر ایک نظر ڈالی۔ حقیقتاً یہ ناقابل استہمال ہو چکی تھی۔ دو تین جگہ سے تو اس کے بالکل پیٹھ سے اڑ چکے تھے اور دامن پر کسی چکنی چیز کے چند بڑے بڑے داغ صاف نظر آ رہے تھے۔ باوجود ان سب باتوں کے اس کی ابرو پر بل نک نہ آیا۔ اس نے خوش مزاجی سے کہا! ”اوندہ۔ سب ٹھیک ہو جانے گا۔ صبل دُر کے مارے میں سیڑھیں پر سے زلحک گیا۔ تنگ پا جائے اور ریشم کی لمبی لمبی قمیص بڑی ناکارہ ایجاد میں بھاگتے وقت مدد دینے کی بجائے اچھتی ہیں۔ بیگم ارجمند آپ نے دیکھا؟۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے تو یقیناً آہر ہی ہے اس لئے اجازت چاہتا ہوں... لیکن توبہ قومہ تو قبول ہی گیا۔“ یہ کہہ کر پھر کرسی پر بیٹھ گیا!

سب سکڑا کرے۔ بیگم ارجمند نے منہ پر دو بال رکھتے ہوئے چپکے سے کہا! ”معلوم نہیں آج اسے ہو گیا ہے۔ چہرہ تو دیکھو کتنا زرد ہو رہا ہے۔ میں نہ مانوں کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے۔“ لیکن زہرہ اس وقت بروکشتہ خاطر تھی۔ اس نے زیر لب کہا ”اس کا کیا ہے۔ وہ تو سحر ہے۔ سحر!“

زہرہ اپنی قمیص کی وجہ سے خاناہ نقی بلکہ اسماعیل شمیم کی غیر متعلق مزاج پر غصہ آ رہا تھا۔ جس قدر تنیدگی سے اس نے اظہار محبت کیا تھا اسی قدر سختی اور سنجیدگی سے اسے صاف اور کورا جواب مل گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ اپنی باپوسی کو اس قدر جلد اپنے دل سے محو کر دے اور اپنے لئے پھر وہی تقریر کی دنیا بنالے! غیر متعلق مزاج — غیر سنجیدہ اور محض تماشا! (۴)

دوسرے روز!

میو کرنا تنگ نے اپنا پنجابی لہجہ چھپاتے ہوئے نفرت سے دریافت کیا! کیوں نفرت۔ آخر کل رات قسمہ کیا تھا؟ میں نے آج صبح قمیص انجیر کے ساتھ دیکھا تھا۔ کو کیا کیا باتیں ہوئیں؟ تم نے تو سب حالات دریافت کر لئے ہوں گے؟“

وہ بے اختیار ہنسی مڑا۔ اس نے زور سے کہا۔ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ کہ سب خیریت ہے۔ میں ایک دوسرے کو مبارکباد دینی چاہئے! تو گویا ہم خلوہ میں تھے۔ کیوں کپتان صاحب؟۔ یہ سوال ایک بگڑا سا جھگڑا تھا۔ جو ہر وقت ہر بات معلوم کرنے کی خواہشمند رہتی تھیں۔

انہوں نے جواب دیا! محض انجینروں کا یہ خیال تھا۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے۔ وہ لوگ تو ہر معمولی بات کو خطرناک کہہ دیتے ہیں۔ بھر ہال ہم دے نیز گزشت کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں اب مجھے نصرت ہو جانا چاہئے۔ میں جا کر آپ کے لئے توہہ بھجوا ہوں۔

وہ اٹھا اور لا پرواہی سے شلتا ہوا باہر نکل گیا۔ خاموشی! — ایک لمبے سے قلعہ کی آواز بلند ہوئی۔ دروازہ کھلا اور سلطانہ رضیہ مستی ہوئی کہہ میں داخل ہو گئی برقع نے اس کی ہیئت کمانی کو عجیب لگا ہوں سے دیکھا۔ اس کا وہ نہ نائب تھا۔ سر کے تمام بال چہرہ پر ادھر ادھر پریشان تھے۔ اور فیض کی ایک آیتیں غائب تھیں کپتان نصرت اس کے ساتھ غلامی کے بہت پریشان نظر آتا تھا۔ دونوں دروازہ کے نزدیک کرسیاں لے کر بیٹھ گئے۔

لاحول ولا قوۃ! — سلطانہ رضیہ نے اپنے چہرے سے بال بٹاتے ہوئے کہا۔ ”استغفر اللہ!“

فلمس ٹوٹ گیا اور تمام کو فراموشی قلعوں سے گونج اٹھا۔ لیکن شمیم کی آواز کچھ جاری تھی اور اس کے لہجہ میں اس کی شخصیت ظرافت کا کوئی جزو شامل نہ تھا۔ اس نے کہا۔ بھئی بڑی یہ قسمی کا سامنا ہے! مجھے درگشت سے قلعہ میں نظر بند کر دیا تھا۔ بڑی مشکل سے نجات ملی ہے۔ میں امیر کرتا ہوں۔ کہ آپ کو انتظار کی رخصت گوارا کرنی نہ پڑی کیونکہ میں شلیک وقت پر پہنچ گیا۔ ابھی ابھی تو کوئی صاحب قومہ کا ذکر کر رہے تھے؟“

بہنو کرنا تنگ نے چلا کر کہا۔ ”اتھرتے کس نام؟ بڑی نالائق ہو — میں جانتا ہوں کہ تم نے کوئی شرارت ضرور ہی کرنی ہے۔ یہ ان کا پنجابی لہجہ تھا اور مسافروں کے عادی ہو چکے تھے۔

شمیم نے جلدی سے جواب دیا! میں نے؟ — میرے عزیز بہنو صاحب! آپ نے کپتان کے سامنے اس قسم کے شبہات ظاہر کرنے

نزدیک کسی مسافر کا ہن مھر میں جا کر وہاں خشیوں کو ہاتھ لگانا ذرا کار سے
دارد تھا۔ اور گپ سے وہ چھڑتے تھے۔ لیکن پھر بھی انہیں نصت
سے زیادہ یقین تھا کہ اس قسم کی کوئی حرکت ہوئی نہ ہو رہے۔ وہ
کچھ سوچتے رہے اس کے بعد چپکے سے اٹھ کر چل دیئے۔ ان کے
جاتے ہی شمیم نے زور سے ایک قہقہہ لگایا۔ اور کتاب بند کر کے
ایک طرف ڈال دی۔ دیکھا! میں نہ کتا تھا؟۔ اس نے نصت
سے کہا۔ تمہیں معلوم ہے۔ میو صاحب تشریف کہاں لے گئے
ہیں؟ انا اب کپتان سے خوب منہ در منہ مباحثہ ہوگا۔ میں نے
یہ پوچھا ہے کہ ان کے پنجابی لہجہ کی نقل تھی! میں نے یہ کہنا
جی! لیکن کپتان اسے ہوا بھی نہیں دے سکتا۔ وہ غریب بتا
کیا سکتا ہے وہ تو قول دے چکا ہے۔

نصت نے صرف سر ہلایا اس کی زبان بہت کم ہلتی تھی! اس
لئے شمیم اٹھ کر عرشہ پر اُٹھا۔ کچھ مسافر ایک خاص قسم کے کھیل میں
مصروف تھے اور یہ ناخن تھا کہ شمیم کو مدعو نہ کیا جاتا۔ جہاں تک
کیس کا تعلق تھا وہ بھی کسی انکار نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ قواعد بنانے
کے بعد اسے شریک کر لیا گیا۔ اور عرشہ جہاز قہقہوں کی صداؤں
کو بچنے لگا۔ زمرہ بھی سلاخوں کا سہارا لئے کھڑی تھی اور کیسٹے
داؤں کی ہمت بڑھا رہی تھی۔ جب شمیم اس کے نزدیک آیا۔ تو
اس نے دریافت کیا! ان کیوں خیریت تو ہے؟

شمیم نے جواب دیا! ہاں بالکل خیریت ہے۔ لیکن تم سے پوچھ
ہوئے آج در معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری فیض تمام ستیا ناس ہو گئی!
”آفرینیہ“

کیس ختم ہو گیا اور دونوں پہلو پہلو عرشہ پر بیٹھے گئے۔
شمیم نے اپنا بیان شروع کیا۔ لیکن ہنسی ضبط کرتے ہوئے
اس نے کہا! گزشتہ شب اگر میں نہ ہوتا تو جہاز داؤں کی جان کی
خیر نہیں تھی۔ جو خبی انجن بند ہونے بجھے فوراً خیال آیا کہ لاؤ ایک
نظر سے دیکھ تو لوں کہ انجنیروں کو تکلیف کیا ہے۔ اس کا فوری نتیجہ
یہ ہوا کہ ان کی تکلیف جاتی رہی۔ میری ایک استیس جاتی رہی۔
لیکن میں نے جہاز زندہ در گور ہونے سے بچایا۔ میں نے اور
صرف میں نے۔۔۔۔۔

وہ رک گیا اور پوچھا! تم اسے کب سمجھ رہی ہو؟

نصت نے جواب دیا! میں بتانے سے معذور ہوں اور۔۔۔ اگر
بتا بھی دوں تو شاید آپ کچھ نہ سکیں۔ صرف دو چیزیں تھیں۔ بھاپ اور
ظہر۔ جہاز کے دو انجنیروں کے ہاتھ بالکل جھلس گئے تھے اور ایک
کو ٹکڑے لائے والا بری طرح زخمی ہوا ہے۔ اس سے زیادہ میں نہیں بتا
سکتا!

لیکن میو کارنگ نے اپنے سوالات ختم نہ کئے تھے۔ مگر میں سب
سے بلند آواز انہیں کی تھی اور وہ ہمیشہ اسی طرح گنگٹھو کرتے تھے
کہ وہ سب بھی سن لے۔ انہوں نے پھر سوال کیا! کیا تمہارا مطلب ہے۔ کہ
بذات خود جہاز خطرہ میں تھا؟

کپتان نصت نے اپنے سامنے رکھے ہوئے رسالہ سے نظریا
ہٹائے لیکن جواب دیا! کم از کم میں تو یہی کہوں گا۔
میو صاحب نے کہا! شمیم صبح سے کہاں ہے؟

”ابھی زرا دیر ہوئی میں گیا تھا۔ تو وہ بستر پر لٹ رہا تھا۔ اب
زجانے کہاں ہوا!“

میں اسی وقت شمیم اختر بھی ملتا ملتا آج موجود ہوا۔
”ادھو!“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”سب موجود
ہیں؟ کئے میو صاحب کیا حال چال ہیں؟ میں تو آج کل مریضوں میں
شامل ہوں۔ کل میڈیٹھوں سے گزرتے وقت کلائی میں موج آگئی تھی۔
یہ دیکھئے نا۔“

اس نے اپنے بازو کو جنبش دی اور کلائی کو پچکا کر میو صاحب کو
دکھایا۔ پھر اپنے ہاتھ کا انگوٹھا گریباں میں اس طور پر ڈال لیا۔ گویا یہ
ایجاد ہی اسی لئے کیا گیا تھا۔ کہ اگر کسی کے جوت لگ جائے تو ہاتھ
کو سہارا مل سکے۔ نصت نے رسالہ سے لگا ہی ہنسا کر تنوؤی دیر
تک شمیم کو زور سے دیکھا اور پھر مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ لیکن میو
کرنا رنگہ خاموش نہ رہ سکے۔ انہوں نے فوراً کہا! دیکھو۔ بات
والے معاملہ میں مقدار ہاتھ ضرور ہے۔۔۔۔ اور مجھے اس کا یقین ہے!
شمیم نے بلا پس پیشی جواب دیا! اور مجھے اس سے کب انکا
ہے۔ کچھ اگر میں نہ ہوتا تو تم سب اس وقت سمندر کی تہیں بیٹھے
ہوا کھاتے!۔۔۔

یہ کہہ کر وہ نہایت اطمینان سے ایک کتاب لے کر کمری پر
دراز ہو گیا۔ میو کرنا رنگہ کچھ خفا سے معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ ان کے

بہر کو ایسا کام بھی کیا ہے جو قابلِ فخر ہو۔ کیوں شمیم اختر صاحب؟
 شمیم کو کسی غصہ ہو گیا۔ دکاش تم مجھے صرف شمیم کہا کرو! میں نے کل ایک کار نمایاں انجام دیا ہے۔ میں نے تم سے شادی کی درخواست کی تھی۔ کیا یہ قابلِ فخر کام نہ تھا؟
 زہرہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ لیکن وہ خاموش رہی۔ کیونکہ کھینکول سے دیکھ چکی تھی۔ کہ نصرت ملتا ہوا اس کی طرف آ رہا ہے!

(۵)

دنیا میں بہت وگ ایسے ہیں جن کو ایک نظر دیکھنے کے بعد کوئی شخص ان کی خوبیاں نہیں بتا سکتا!
 قمر بہادر افزا کے مکس آتشدان کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ زہرا کی جی بگم ہاروں اپنے شوہر سے امور خانہ داری کے متعلق چپکے چپکے کچھ گفتگو کر رہی تھیں۔ لیکن جب انہوں نے فیروز با رون کو یہ کہتے سنا۔ تو ان سے نہ رہا گیا اور وہ کہنے لگیں: فیروز بچ تو کتنا! میں بھی اس سے قبل فیروز کی ہم خیال نہ تھی۔ میں سوچتی تھی کہ انسان بہادری کا شاہد ہو۔ انسان دلیر ہو تو بھلا محال ہے کہ دوسروں کو معلوم نہ ہو لیکن پھر مجھے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ کیونکہ فیروز کے متعلق مجھے ہمیشہ سے بزدل ہونے کا شک تھا اور اس شک کے باوجود ایک روز بچ سمندر میں ہماری کشتی الٹ گئی۔ اس دن فیروز نے جس بہادری سے کوہِ ہماری جان بچائی ہے۔ وہ میں اب تک نہیں بھولی!

فیروز ہنس پڑا: تو بہ تم بھی کتنی بات بڑھانے کی عادی ہو! وہ بچ سمندر تھا یا کنارے سے ذرا سا فاصلہ؟
 زہرہ نے آہستہ سے کہا: کچھ بھی ہو میں ہرگز ہرگز تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ مرد بہادری کا کام کرے اور اسے فخریہ بیان کرنے کی کوشش نہ کرے!

فیروز نے کہا: تم غلطی پر ہو!

زہرہ اپنی بات پر جی رہی۔ کیونکہ وہ اس موضوع پر ایک نتیجہ اخذ کر چکی تھی اور جب نتیجہ اخذ ہو جاتا ہے۔ تو اس کو تبدیل کرنا ذرا فضول سی بات ہے۔

فیروز نے زور دیتے ہوئے کہا: میں ثابت کر سکتا ہوں کہ تم غلطی پر ہو۔ اچھا کل ہمارے ہاں جو صمان آ رہے ہیں۔ ان میں

زہرہ نے سر دھری سے جواب دیا: آپ کے خیال میں یہ بات قابلِ یقین بھی ہے؟
 شمیم نے جواب دیا: معلوم نہیں لیکن قاعدہ ہے دوست کی بات کا دوست اعتبار۔
 زہرہ نے قطع کام کرتے ہوئے کہا: مجھے علم نہ تھا۔ کہ آپ کو میری دوستی۔۔۔۔۔

”اللہ۔ خاموش رہو! تمہیں تو نہ جانے کیا ہو گیا ہے؟ میں اس سزا کا ہرگز ہرگز مستحق نہیں جو تم نے میرے حق میں تجویز کی ہے۔ پھر بھی مجھے میں خراب ہو جانے کا بہت رنج ہے اور اگر تم چاہو تو میں اس کی قیمت ادا کر دوں گا۔ ہر طرح مصیبت ہی مصیبت ہے غالباً نہیں اس کا بھی یقین نہ ہوگا۔ کہ میں سچ بچ پشیمان ہوں۔ زہرہ خدا کے لئے مجھ سے اس قدر بگاڑت کا برتاؤ تو نہ کیا کرو!“
 اس کی باتوں میں تنبیہ کی کی جھلک تھی۔ اور زہرہ دل میں اس میں سکر اپڑی۔ اس نے کچھ سوچ کر آہستہ سے کہا: خیر تفسیق کے معاملہ میں تو میں نہیں معاف کر سکتی ہوں تمہارا کوئی تصور نہیں ہے۔ لڑکے کے پیشِ شیر ہوئے ہی ہیں لیکن غضب تو یہ ہے کہ تم اب لڑکے بھی تو نہیں ہو؟

یہ کہہ کر اس نے شمیم کی طرف دیکھا وہ پشیمان نظر آتا تھا لیکن اس کی خصوصیت آنکھوں میں اس وقت بھی بسم کی ہلکی سی لہر موجود تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لڑکا تھا اور بہت عرصہ تک بیگا زہرہ عنوانِ شباب کے اس درجہ تک ابھی نہ پہنچی تھی۔ کہ ان بے باک جذبات سے غفلت اندوز ہو سکے اور انہیں قابلِ غور سمجھ سکے!

شمیم نے خوش مذاقی سے کہا: چلو تم نے فیض و معاف کی۔ ذرا رکھتے رکھتے۔ اور مجھے یقین ہے کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد تم میری خطا بھی معاف کر دو گی۔ خطا نہیں جرات۔

زہرہ کی ابرو پر پل پڑ گئے۔ اس نے آہستہ سے کہا: اس کے متعلق ہم فیضاً اختفا کر کے میرے خیال میں اتنا ہی اچھا ہوگا۔ اچھا یعنی سی لیکن نہیں اس کا احساس تو ہوگا۔ پھر وہی تنبیہ کی جی جھلک۔ کہ میں سنجیدہ تھا اور ہوں۔

زہرہ نے بے رخی سے کہا: جہاں تک کب کا تعلق تھا اور جہاں تک آپ سنجیدہ تھے اور ہیں!!! — خدا جانے آپ نے زندگی

دو ہزار دارہ پھرتا رہا لیکن بدستور اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ چند روز ہوئے مجھے اس کی خبر دعائیت ایک اور دوست سے معلوم ہوئی جو ایک جہاز پر کپتان ہیں۔ وسط سمندر میں ایک مرتبہ انجن خراب ہو گئے اور پھر چوٹی، جہاز کے دو انجنیر مجلس چکے تھے۔ لیکن بدقت تمام دونوں انجن ٹھہرے باہر آ گئے اندر ایک کو ٹکدھجھکنے والا پڑا رہ گیا۔ وہ بیچارہ تمام صلی چکا تھا۔ اور زخموں کے مارے اپنی جگہ سے ہل تک نہ سکتا تھا۔ میرا عزیز دوست — وہی ہیرو جس کا میں ذکر کر رہا ہوں — اسی جہاز پر سفر کر رہا تھا۔ صرف وہی ایسا تھا۔ جو تنہا اس جہنم میں گیا اور اس کو ٹکدھجھکنے والے کو نکال کر لایا۔۔۔ یہی نہیں وہ ایک اور انجنیر کو لے کر وہاں گیا اور جب تک انجن ٹھیک نہ کر لئے اس وقت تک دم نہ لیا۔ بالکل کے پھٹ جانے سے ہر خطہ خطرہ بڑھتا جا رہا تھا لیکن اس نے صرف دوسرے مسافروں کی جان بچانے کے لئے اپنی جان کی ذرہ بھر پر دانگی اور یہی نہیں جن لوگوں کو اس کا علم تھا کہ محض اس کی تندی اور جاں نشانی سے جہاز خراب ہونے سے بچ گیا۔ اس نے انکو تنگ کھانے پر مجبور کیا۔ کہ مسافروں سے اس کا کوڑک نہ کریں لیکن اس قدر عظیم الشان قربانی کو پس پردہ رکھنے کی کون کوشش کرتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر تم اسے دیکھو تو بادی النظر میں یہ اندازہ ہرگز نہیں لگا سکتیں۔ کہ وہ ایسا کام کر سکتا ہے — پھر کچھ سوچ کر — ”بس اس سے زیادہ میں نہ بتاؤں گا۔“

زہرہ نے کہا ”سرت بتاؤ۔ میں خود جانتی ہوں۔ میں نے اسی جہاز پر گزشتہ دنوں سفر کیا تھا۔“

”اے! تم بھی اسی جہاز پر تھیں؟ داہ بڑے مزے کی بات ہے۔ پھر تو کس تم اپنے پرانے دوستوں سے مل گئی۔ کیوں زہرہ؟ اور بہت ممکن ہے۔ کہ تم اس ہیرو کو جانتی بھی ہو۔ لیکن مجھے شبہ ہی ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ اس کا دوست ہونے کے باوجود بھی تمہیں اس کے اوصاف معلوم نہیں۔“

زہرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”بالکل قطعاً! بہت دن ہوئے میرا اس کا تعادب ہوا تھا۔ اور اسی وقت مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ اس میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں۔ اگرچہ وہ بہت خاموش طبیعت کا انسان ہے۔ لیکن میں یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکتی۔ کہ وہ ایک خاص کردار کا

ایک ایسی ہوتی ہے جو سب سے زیادہ شجاع اور میرے دوستوں میں غالباً سب سے بہتر ہے۔ میں اس کا نام نہ بتاؤں گا۔ بلکہ اس کا فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں۔ تم اگر معلوم کر سکتی ہو تو کر لینا کہ وہ ہے کون؟ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے تم کا خیال نہیں ہو سکتیں۔“

زہرہ نے جواب دیا۔ ”فیروز ختم لڑکپن کی باتیں کر رہے ہو۔ ایک تماشائی ایک اداہ گرد اور ایک حقیقی انسان کے مابین ہمیشہ امتیاز کر سکتی ہوں۔“

فیروز نے سر ہلایا ”کبھی نہیں۔ میں شرط لگا تا ہوں۔“

زہرہ مسکراتی — اس نے جلدی سے جواب دیا۔ ”مجھے تساری شرط منظور ہے۔ جو کچھ بھی ہو۔“

فیروز آرام سے کرسی پر راز ہو گیا اور ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔ ”صرف زبانی مع خراج اقم جاتی ہو کہ میری جیب میں شرط کے لئے پیسے پارو پیسے کبھی ہوتے ہی نہیں۔“ — پھر موضوع تبدیل کر کے — ”ہاں تم اگرچہ جوتیں اس سہتی کے کار نمایاں تفصیل تمہیں سناسکتا ہوں۔ پھر بھی شاید تم اس کا پتہ نہ بتا سکو گے۔۔۔۔۔ میری اس کی ملاقات جنگ آسام کے موقع پر ہوئی۔ اس نے دوسرے جنگ میں میری جان بچائی۔ ایک مرتبہ تو میرے بچاؤ کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ لیکن اس نے جس جاں جو کھولی سے مجھے بچایا ہے۔ وہ بیان سے باہر ہے۔ ہم نے ایک بہت بڑا جھل طے کر کے دشمنوں کے حملہ کیا لیکن ان پہاڑوں نے کیا حرکت کی کہ اپنے نصف آدمیوں کو قتلہ روکنے کے لئے چھوڑ دیا اور بقیہ نصف کو جھل میں آگ لگانے کے لئے بھیج دیا۔ افوہ جب ہمیں یہ خبر ملی ہے۔ تو فوج میں ایک آفت برپا ہو گئی۔ آگے دشمن کا ملک پیچھے جلتا ہوا سیل بھر لیا جھل۔ نہ جانے رفتن نہ پائے ماہن۔ وہ تو یوں کہو کہ ہمیں عین وقت پر خبر مل گئی۔ انسرود نے ایسی حکم دیا۔ اور تمام فوج اٹھ قدموں واپس ہونی شروع ہوئی۔ لیکن جھل میں داخل ہونے ہی وہاں جو گھنٹا شروع ہوا ہے تو اسی تو یہ۔ میں نے بھی ہو چکا تھا۔ اس نے برداشت نہ کر سکا اور وہیں گر پڑا۔ میرا دوست میرے ساتھ ساتھ تھا اس نے مجھے اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ اور دھوئیں اور آگ کا مقابلہ کرتا ہوا ان کے خلاف لڑتا ہوا آخر کار مجھے دشمن کے زخموں سے نکال ہی لایا۔۔۔۔۔ خاموشی! — جنگ کے بعد وہ اور

کے دم سے تمام کوفت جاتی رہتی ہے۔۔۔ آج کل دونوں بڑے دوست ہیں۔ عید تو دونوں نے کپتان نصرت ہی کے گھر گزاری۔ اب یہ معلوم نہیں کہ نصرت کے اور گھر والے کیسے ہیں؟ اگر اسی کی طرح مہم کم ہیں تو بس — باغریب شمیم پر کیا گزاری ہوگی۔ افوہ اس لڑکے نے بھی غضب کا مزاج پایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جلد تک کو ہنسنا سکتا ہے!

زہرہ نے کسی قدر گرم جوشی سے کہا! بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔

لیکن ایک اور خیال مد نظر رکھ کر اس نے ایسا کہا تھا اسے یقین تھا شمیم کے دماغ سے ناکامی کے تاثرات زائل ہو گئے ہونگے اور شمیم پھر وہی پھلا سا شمیم ہوگا۔ کیونکہ مستقل مزاجی آخری خوبی تھی۔ جو شمیم میں باقی جا سکتی تھی۔ کم از کم زہرہ کا خیال تو یہی تھا کہ اس نے غیر مستقل مزاجی کے باعث تمام گزشتہ واقعات بھلا دئے ہوں گے!

تیسرے پر کے قریب وہ ساحل سمندر کی طرف شہر کی غرض سے نکل گئی لیکن اسے یقیناً نصیب نہ تھا۔ یہ وہ کر اسے شمیم اختر کا خیال آتا تھا۔ اور وہ سوچ میں پڑ جاتی تھی۔ شمیم کے متعلق اس کا اندازہ غلط نہ تھا۔ لیکن جب وہ سوچتی تھی کہ کہیں میں نے یہ اندازہ لگانے میں غلطی تو نہیں کی تو وہ پریشان ہو جاتی تھی اور پھر شمیم سے ملاقات — وہ کیونکر انھیں چار کر سکے گی؟ — ان تمام صعوبات نے زیادہ پر کے لئے اسے اور پریشان کر دیا!

لیکن ایک اسے نصرت کا خیال آیا اور وہ بے اختیار مسکرائی۔ چلو یہ اچھا تھا۔ کہ نصرت موجود ہوگا۔ ورنہ شمیم کی تنہا موجودگی اس کے لئے بے معنی سی چیز تھی۔ وہ صرف ان لوگوں کو انتہا سے یاد چاہتی تھی۔ جو دنیا کا مشکل ترین کارنامہ انجام دے کر علیحدہ ہو جاتے ہیں اور نصرت وہ شخص کے حوفاں بے تیزی کی چپ چاپ گذر جاتے دیتے ہیں۔ فیروز نے اپنے ہیر کا جو غلطی خاکہ کھینچا تھا۔ وہ حرف بہ حرف نصرت پر صادق آتا تھا۔ اور اسی خیال نے نصرت کی عزت اور اہمیت زہرہ کے دل میں اور بڑھادی۔ یہ سوچتے ہی اس کے چہرہ پر سرخی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ایک ایک کر کے اس کے سامنے سے فیروز کے بتائے ہوئے واقعات گزرنے لگے۔ اور بالآخر تھیں۔

مکھ ہے۔ ہے نا؟ اگر وہ کل آرہا ہے تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کتاب اٹھائی اور ورق کوٹنے لگی۔ اس کے چہرہ پر سرخی کی لہر دوڑ چکی تھی۔ اور اس کا دل بار بار ان خاموشی سے ہلکے ہونے لگتا تھا جو اس نے عرشہ جہاز پر کسی کے ہمراہ گزارے تھے۔ فیروز بہت دیر تک اسے دیکھا کیا۔ پھر زہرہ نے گھبراہٹ سے بات کہی — تب تو زہرہ بہت دور اندیش ہے!!!

(۶)

دوسرے روز نصرت ہمارا افنا ہمارے کثرت سے کچھ بھرا ہوا تھا۔ بند توں کے کس۔ چھوٹے بڑے سوٹ کپڑے اور مختلف آٹا کے صندوق اس قدر تعداد میں جمع تھے۔ کہ نجیب ہوتا تھا۔ پھر ہونا کی سب سے گہری سبیلی حکم ارجمند کو اگر مدعو نہ کیا جاتا تو غلط تھا وہ آئیں اور اپنے ہمراہ ایک تازگی اور شگفتگی لائیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ زہرہ جہیں بھی یہاں مہمان ہے۔ تو بے حد مسرور ہوئیں اور کہنے لگیں! اہل شمیم اختر اور کپتان نصرت بھی آنے والے ہیں؟ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ ایک مرتبہ پھر ہم سب جہاز پر سوار ہیں۔ ابھی گزشتہ ایک شنبہ کو شمیم اور میں وہی زمانہ یاد کر رہے تھے۔ ہاں شمیم سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ شہر میں عبیر ہوا تھا اور مجھے اس کا اظہار کرنا تھا۔ مگر اس کی تعزیر اور مسوہ بن کہی نہ گیا۔ اور کپتان نصرت الہی پناہ۔ ایک روز شمیم چار کے لئے آئے ہمارے ہاں تحیث لایا۔ کیا بتاؤں کس قدر خاموش اور غیر دلچسپ انسان ہے!

یہ سن کر زہرہ سے نہ رہا گیا اس نے کہا! کپتان نصرت کو غیر دلچسپ کون کتا ہے؟ کم از کم اس وقت تو وہ ایسے نہ تھے۔ جب ہماری ملاقات ہوئی تھی۔

یہ حکم صاحبہ نے جواب دیا! عزیز من نہ صرف فیروز چپ بلکہ گنگا۔ بات تو کرنا چاہتا ہی نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ اس نے دوران گفتگو میں ایک مرتبہ اپنا منہ کھولا۔ اور وہ بھی شکر کے دونوں کی بجائے پانچ ڈبلے مانگنے کے لئے! اگر کوئی صرف نصرت ہی کی ممان نوازی کرے تو خدا جانے اس کا کیا مشرب ہو۔ وہ تو شمیم موجود تھا۔ ورنہ میں اس قدر خاموش انسان کہیں اپنے ہاں مدعو نہ کرتی۔ بس کیلئے شمیم

تو ہرگز یہ پائی قبول نہ کرتی میں نے اپنی آنکھوں سے ٹکر کے دس
ڈسے اس میں غائب ہوتے دیکھے ہیں!
نصرت نے اپنی نگاہیں انھیں لیکن زبان سے کچھ نہ کہا جہاں
اشاروں سے کام لے سکتا تھا وہاں وہ گہری ہوتا بھی نہ تھا، اور
غاموشی سے زہرہ کی گفتگو سننے لگا۔ ہمیشہ یہی ہوتا تھا کہ زہرہ بیٹھی
باتیں کہے جاتے اور نصرت سنے جاتے۔ اس کا چپ چاپ رہنا نہ
کو گراں نہ گذرتا تھا کیونکہ وہ اسے "محبت" سمجھا کرتی تھی!
بیگم ماروں نے کہا زہرہ تم اس بظاہر گھٹ کر یہ نام شیم کا علیہ
تھا، اپنے ساتھ کھانے پر بٹھانا۔ تم نے فریب پر کوئی جاؤ کر دیا ہے
تمہارے ساتھ یہ خوب کھل کر باتیں کرتا ہے۔

حقیقت بھی یہی تھی کیونکہ نصرت نے جب سنا کہ وہ کھانے پر
زہرہ کے ساتھ بیٹھے گا تو مسکرا پڑا اور اگرچہ اس نے میز پر بھی بہت
کم باتیں کیں لیکن زہرہ کو اس سے کیا شکایت ہو سکتی تھی۔ کھانے کے
بعد بھی دونوں ہاں کے ایک کوٹے میں علیحدہ جا بیٹھے۔ شیم منتظر تھا
کہ زہرہ سے تنہائی میں کچھ کہے۔ لیکن جب اس نے یہ دیکھا تو ناخوش
ہوئے اس نے گھر کی طرف چل دیا۔ بقیہ ہماں داں جمع تھے۔ شیم کی توجہ
نے چند ہی لمحات میں اپنا اثر جمایا اور کچھ دیر بعد تمام کمرہ تھنوں
سے گونجنے لگا۔

جس دیر تک یہی ہوتا رہا۔ اگر شیم نے کہا کہ "آکھ پوئی"
کھیلیں تو سب کے سب بچے بن گئے اور باغ میں آکھ پوئی ہوئے
گئی۔ اور اگر اس نے ایسا ہی کوئی اور کھیل ایجاد کیا تو سب نے اسے
ہی کہینا شروع کر دیا۔ اس کے بعد کچھ بعد دو بجے سب اپنے
اپنے کمروں سے بیٹھے اٹھالے اور دو گروہوں میں تقسیم ہو کر فنی
غامی جنگ عظیم شروع کر دی شیم کے تمام سامغی اسے چھوڑ
چھوڑ کر بھاگ گئے اور کچھ دیر تک مقابلہ کرتا رہا۔ لیکن بھاگتے ہی
بہن بڑی۔ جلدی سے نصرت کی خواجہ بہن گھس کر اندر سے دروازہ
بند کر لیا۔ نصرت آنکھوں کے پاس کرسی پر نہایت آرام سے لیٹا ہوا
رنگین پیڑا تھا۔ شیم نے جب اس سے داخل و مصولات کی صفائی
چاہی۔ تو اس نے جوابی لہجے میں اس سے کہا۔ کہ نہ رہائی دنا کر
کمرے سے نکل جائیے۔

شیم نے دروازہ سے کان لگا کر سنا۔ تو اس کے حریف بیڑوں

نصرت کا وہ حندلا سا خاکہ اس کے پیش نظر کر دیا۔ غاموشی اور بیگانگی کے
پس پردہ وہ ایسے نصرت کو دیکھ رہی تھی جو بیرونی تھا۔ اور سب سے
بالا و برتر!

کاش شرارت اور مذاق کا مجسمہ ہونے کی بجائے شیم ہی نصرت
جیسا ہوتا!

وہ پھر پھر پھر! غمی۔ آخر اسے بار بار شیم ہی کیوں یاد آ جاتا ہے؟
وہ اپنے آپ کو اگرچہ شیم سے علیحدہ رکھنا چاہتی تھی لیکن اس کی منہ
تھی کہ اپنے درجہ کا ناشافی ہونے کی بجائے شیم کو کچھ زیادہ نصرت
کا مالک ہونا چاہئے تھا!!!!

جب وہ واپس لوٹی۔ تو ہاں میں بہت بڑا مجمع تھا۔ سب سے
پہلے جو چیز اسے سنا دی وہ ایک خاص قہقہہ تھا اور پھر شیم کی
موجودگی کا احساس جو خوش تھا۔ تب تب تھا۔ اور ہر طرح مطمئن نظر آتا تھا
زہرہ کو دیکھتے ہی وہ کہیں گیا اور انتہائے شوق سے اس کی طرف
بڑھا۔

مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس نے کہا: "تین
یہاں دیکھ کر مجھے انتہائی سرور حاصل ہوا۔ زہرہ میں بہت خوش
قسمت ہوں!"

زہرہ نے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا اور اگرچہ وہ نہایت
سرد مری سے ہاتھ ملانا چاہتی تھی لیکن شیم کے گرم اور پر شوق ہاتھ
نے اس کے تمام ارادے زائل کر دیے۔ اسے یہ معلوم کر کے صدمہ
ہوا کہ شیم اس کی لطافت سے جنتا۔ اتنا ہی خوش ہوا جتنا کہ وہ کہ
رہا تھا تو کیا شیم بھی تک ماننی کو فخر و خوش نہ کر سکا؟ زہرہ نے اس
کے بعد اپنے دوسرے دوستوں سے ایک ایک کر کے مصافحہ کیا اور
سب سے آخر میں نصرت کی باری آئی۔ وہ سب سے پیچھے
کھڑا ہوا تھا اور جب زہرہ مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ زہرہ
نے نصرت قدم بڑھ کر استقبال کیا۔ اس کے چہرہ پر سرخیاں لگیں
جھلک موجد تھی۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ باوجود اپنی غاموشی اور بے
زبانی کے نصرت نے چہرے سے اپنے جذبات کا اظہار کیا!!!!

نصرت نے غاموشی سے ایک کرسی زہرہ کی طرف سرکادی اور
جب وہ بیٹھ گئی تو اپنے صدمہ کی پیالی بھی پیش کر دی بیگم زہرہ نے
ایک فرباشی قہقہہ لگایا اور کہنے لگیں۔ "زہرہ اگر میں تمہاری جگہ ہوتی

مناہیں تبارے ساتھ ہیں — بتا دینے کا شکریہ!
وہ بڑھا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا! اگر دوست
کی صلاح پر عمل کرنا چاہتے ہو تو زہرہ کی مرضی جلد از جلد حاصل کر لو!
یہ کہہ کر وہ کوتاہ چاندنا باہر نکل گیا اور اپنے پیچھے زور سے دروازہ
بند کرنا گیا۔

(۷)

بہار افزا سہ پہر دور ایک تاریخی مسجد کے کھنڈر تھے جو باوجود کہ
اتحاد زمانہ سے بال بال بوچکے تھے لیکن سیاحوں کی نظر میں اب بھی
وقوت رکھتے تھے۔ بیچ ماروں کے مساؤں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا۔
جس کے دل میں یہ کھنڈر دیکھنے کی تشنہ ہو اس لئے سب سے مشورہ
کر کے یہ طے پایا کہ اگلے روز زہرہ پر کو تمام صمان ساتھ لکڑیاں چلیں
حب ستمور شمیم نے نہایت گرجو جی سے اس میں حصہ لیا اور حب ستمور
چلے تو شمیم اور اس کا ایک اور ہم عمر ساتھی حمدی اگرچہ اس کا اہلی
نام حمید تھا، بیگم راجند کے ساتھ سب سے آگے آگئے تھے۔ بات
بات پر بیگم صاحبہ قلعہ لگاتی تھیں۔ جو دور دور تک سنانی دیتا تھا۔
نصرت اور زہرہ بہت آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ دونوں اپنے
خیالات میں اس قدر محو تھے کہ باقی سب لوگ بہت دور نکل گئے
لیکن کسی کو خبر نہ ہوئی۔ آخر زہرہ چونکی اور اس نے کہا! ہم کو ذرا قدم
بڑھا کر چلنا چاہئے۔ ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔

نصرت نے لا پرواہی سے کہا! کیا سچ بچ؟

زہرہ نے کہا! ہاں — آخر اس وقت پہنچنے سے کیا فائدہ

جب سب واپس آ رہے ہوں؟

نصرت نے کہا! تو ہم اس وقت جاتے ہی نہیں۔

زہرہ نے سر اٹھا کر دیکھا تو نصرت نہایت شوخ رنگا ہوں سے
دیکھ رہا تھا وہ نرم لہجہ میں کہنے لگی! یہ تو ذرا اچھی بات نہیں معلوم
ہوتی!

نصرت نے سادگی سے جواب دیا! اگر تم کل صبح میرے ساتھ چلنا
پسند کرو تو میں تیار ہوں۔

دور اسٹے سامنے تھے۔ ایک ساحل کی طرف جاتا تھا اور دوسرا
وہ جس پر تمام صمان گئے تھے۔ دیکھ کر نصرت رک گیا اور ہلچلیاں لگا ہوں
لے زہرہ کو دیکھنے لگا۔ وہ بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکی اور چپ چاپ کھڑی

سے اتر رہے تھے جب ان کے قدموں کی آواز غائب ہو گئی۔ تو وہ نہایت
الہینان سے واپس آکر نصرت کی میز پر بیٹھ گیا اور نہایت محبت سے کہنے
لگا! تم میرے عزیز دوست۔ میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اپنے
خود قیمتی لحاظ بھلے دے سکتے ہو؟

نصرت دوشٹ!

شمیم صحت کو دیکھنے لگا۔ بڑے سخی ہوا تھا۔ — جو معاملہ بہت بڑا
ہے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا تم سچ بچ کی کام کرنا چاہتے ہو؟ ام
تم پوری طرح مجروح ہوئے ہو یا نہیں اور تمہارے دل میں بھی وہی
ہے جو تم ظاہر کرنا چاہتے ہو یا نہیں۔ میرے مسکرانے پر خواست ہونا
ابھی اسی مطلب پوشیدہ ہے۔

کمرہ میں خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد نصرت اٹھا اور ٹیلے لگا۔
یہ ایک اس نے کہا! تم جو کتنا چاہتے ہو وہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں
بتر ہے کہ تم کمرہ سے چلے جاؤ۔

شمیم اس کی عادت سے واقف تھا اس نے کھلکھلا کر منہ پڑا
اور کہنے لگا! یار تم اس قدر جلد خاکیں ہو جاتے ہو اگر مجھے ایک سوال
کا جواب دیدو تو اس میں کیا نقصان ہے؟

نصرت نے سختی سے پوچھا! آخر تم دریافت کیا کرنا چاہتے ہو؟
شمیم نے نرم لہجہ میں کہا! حضرت اتنا کہ تم زہرہ جیسے سے شادی
کر دو گے یا نہیں؟

تو میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔

شمیم نے مسکراتے ہوئے کہا! بھٹے دور اندیش ہو دوست ...
میں جانتا ہوں کہ مجھے دریافت کرنے کا کوئی حق نہیں لیکن پھر بھی میں
معلوم کرنا چاہتا ہوں — اچھا تمیں زہرہ سے محبت ہے؟

نصرت نے تیزی سے کہا! تم کیوں یہ سوال کرتے ہو؟

شمیم کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے سر ہکا کر کہا! بیشک اس
قسم کی چھان بین کرنا بڑی رکیک حرکت ہو لیکن مجھے شبہ تھا۔ سچ
پوچھ تو میں اس شبہ میں اسی وقت سے گرفتار تھا جب ہم عقاب
بندہ پر ہم سفر تھے۔ تو یہ سچ ہے؟

ہاں — یہ سچ ہے!

شمیم اس کے بوجھ پر ہنس پڑا! اگر یہ سچ ہے تو بہت اچھی بات
ہے — خدا تمہارے مستقبل کو بابرکت بنائے۔ نصرت میری دلی تشکیا

تھیم نے چپکے سے کہا اُٹا لیا جیسے چاہتے تھے تمہیں مبارکباد دوں کیوں نصرت؟

نصرت نے ٹھٹھک ٹھٹھک سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"میں اگر ایسا کرنے سے تمہیں خوشی حاصل ہوتی ہو تو بے شک مبارکباد دے سکتا ہوں۔"

تھیم نے اسی انداز سے کہا "اُدھو۔۔۔ دست تم نہایت خوب انسان ہوا اور اسے خوش رکھ سکو گے۔"

نصرت نے جواب دیا "میں انسانی کوشش کروں گا۔"

تھیم صرف سکا دیا۔ اس کی لمبائی کا خون ہو چکا تھا اور ایک فریڈریکس ہاسپتال کے محل پر اس کا دل رو رہا تھا۔ لیکن اس نے اپنے کسی فعل سے دلی جذبات ظاہر ہونے نہ دیئے اسے زہرہ سے عشق تھا اور اگرچہ ایک مرتبہ زہرہ اس کی امیدوں کو ٹھکرا چکی تھی لیکن وہ امید اب بھی محفوظ نہ ہونی تھی شاید ایک دن۔۔۔ لیکن اب۔۔۔ ماں اب اس کے لئے وہ امید بھی باقی نہ تھی تھیم نے ضبط کیا اور اپنے جذبات کو مردانہ طور پر دبائے رکھا۔ نہایت جوش سے نہیں کھیلنے میں معروف ہو گیا۔ تعابیف فراموش کرنے کے لئے ہمیشہ کسی ایسی چیز کی ضرورت ہو کر رہی ہے جو وجہ سب سے بڑی طرف منتفع کر سکے یہی وجہ تھی کہ نصرت بار بار سوچتا تھا کہ وہ کیا بات ہے جو تھیم اس سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔ اور کبھی کے دوران میں بھی وہ یہی سوچتا رہا۔

مردی کا زمانہ تھا۔ لیکن دونوں پیسے پیسے ہو گئے۔ تھیم نے خوشی میں آکر استیں چڑھائیں اور بالاخر نصرت کو شکست دے کر پیچھے کر دیا۔ جب کھیل ختم ہو گیا تو اور لوگ جو ذرا دیر کے لئے آکھڑے ہوئے تھے تالیاں بجانے لگے تھیم نے مرکز دیکھا تو بیگم مارون اور نصرت پاس پاس کھڑے تھے۔ دوسری طرف فریڈریکس نصرت کی آگے منتظر تھا۔ تھیم اس قدر کبھ ہو کر کہیں رہا تھا کہ انکے آجانے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ فائنل انداز سے سکاٹا ہوا اپنی طرف دوڑا۔

اس نے بیگم مارون سے کہا "میں تو جب تک رات نہ ہو جائے آتشخان کے نزدیک بھی نہیں جاسکتا۔ آپ دیکھتی ہیں پسینہ کی کیا حالت ہے؟" یہی ہم ایک سیرت اور کھیلنے لیکن روشنی کافی نہیں ہے کیا آپ لوگ سیر کے لئے جا رہے ہیں کئے تو میں اور نصرت بھی

ہو گئی لیکن اتنا ضرورت تھا کہ ماہر کوشش کے وہ نصرت سے آنکھیں پائے نہ کر سکتی تھی۔ کیا ایک نصرت نے بیب سے ناخوش کر رہا ہو کر کہا؟
"زہرہ نہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔"

زہرہ نے تامل کیا لیکن رب نصرت کو منظر دیکھا تو اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ دوست بھریں پوچھا کیا نصرت آکر ماں تک؟

نصرت کے بہنو پتہ پھیل گیا اس نے کہا "اتنا سارا زہرہ نے مجھے ہونے دیا منت کیا؟ اور وہ کتنی دور ہے؟" ہمارے لگے ہوں سے بہت دور ہے۔ یہ جواب تھا۔ آؤ زہرہ ہم زندگی کی شاہراہ پر پیلوں پہلوں کی منزل مقصود کا پتہ لگائیں۔ آؤ

جب دونوں گھر واپس آئے تو کار کو بہت دیر ہو چکی تھی۔ دونوں چپکے چپکے داخل ہوئے اور جہاں تک ممکن ہو سکا اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے عین ایک کونے میں جا بیٹھے تھیم کی نگاہوں سے پھر بھی نہ بچ سکے اس نے انہیں دیکھ لیا اور بہت بے دردی سے ہاتھ دھو کر نصرت کے پیچھے پڑ گیا۔ وہ کہنے لگا "مالا نئی۔ بد مرتبہ اگر آئندہ ایسا موقع آئے۔ تو یاد رکھنا کہ تمہیں سب سے آگے چلاؤں گا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم دائمی بگڑ چکے ہو۔ دیکھنا جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ تم دونوں کیس کھک گئے ہو تو سب نے مجھے "بتانا شروع کر دیا۔ داندہ بدنام کر دیا۔ رسوا کر دیا۔"

وہ اسی طرح جانتی بننا رہا لیکن نصرت نے مصلحت کوئی استقامت نہ کیا۔ وہ بھی کیا کرتا تھا کہ تھیم جو کچھ اس کے متعلق کہتا تھا۔ ہمیشہ خاموشی سے سن لیا کرتا تھا۔ دربار بیٹھے کے بعد جب زہرہ اٹھ کر چلی تو تھیم ملتا ہوا نصرت کے پاس پہنچا اور کہنے لگا "ایڈیٹ کے کورٹ پرنس کے دو دو ہاتھ ہو جائیں ہیں اب تک اس پرنس نہیں کھیدا دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہ اس میں آخر کیا بات ہے؟"

پہلے تو نصرت نے انکار کیا۔ لیکن بعد میں راضی ہو گیا۔ جب دونوں اپنے اپنے جلتے بٹل میں دبائے روشنی جا رہے تھے تو

پہیں۔ کیوں نصرت چلو گئے؟

وہ پوچھنے کے لئے مڑا ہی تھا کہ زہرہ کے منہ سے ایک ہلکی سی جھنجھلی اور اس نے گہرائی ہوئی آوازیں کہا! میں شمیم تم سے اپنے بازو کو کیا کیا؟ اس پر یہ زخم کیا ہے؟

"کچھ نہیں کچھ نہیں" کہہ کر شمیم نے اسے اسٹینٹس کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ زہرہ نے روک دیا۔ وہ کہنے لگی! تمہیں بنانا پڑے گا۔ آج ہی زخم کیسے اودک دگا۔ بناؤ شمیم

فیروز نے مسکرا کر کہا! یہ نصرت کبھی نہیں بتا سکتے۔ نصرت سے دریافت کرو

شمیم پریشان سا ہو گیا۔ اور جلد ہی سے کہنے لگا! فیروز نصرت۔ اگر تم نے بتایا تو اچھا نہ ہوگا۔ یاد رکھنا اتنی مرمت کروں گا کہ کچھ نہ مل جائے گا۔ بسنی وہ سوچ مڑوب ہونے کے بعد جان تو کھل آئے کی کیا بری عادت پڑ گئی ہے۔۔۔ اب دیر ہو گئی اور اندر چلیں۔

فیروز نے اپنا مضبوط بازو شمیم کی کمر میں ڈالتے ہوئے کہا! "زہرہ میں نہیں بتاتا ہوں۔ یہ بالآخر اپنے میزبان کا سر تو نہیں توڑ سکتا۔ جہاں عقاب بندہ۔۔۔"

"نیروز!"

لیکن فیروز نے کوئی پرواہ نہ کی اور کہتا چلا گیا! عقاب ہند کے اسٹین گھریں شمیم کا یہ بازو جھلس گیا تھا۔ تم تو اسی جہاز پر تھیں۔ شاید تمہیں یاد ہو کہ ایک رات اسٹین خراب ہو گئے تھے۔ وہی پرانا قصہ۔ سمجھ گئی نا۔ اب یہ شخص قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ نصرت ذرا میری مدد کرنا! ماں زہرہ تم تو متی تھیں۔ کہ تمہیں سب واقعہ معلوم ہے اور تم عقاب ہند کے ہیرو سے بھی واقف ہو۔

زہرہ نے بھرائے ہوئے لہجہ میں کہا! مجھے یہ معلوم نہ تھا۔ میں نے یہ اندازہ قائم نہ کیا تھا!

اس کے بعد اس کی نظروں میں ایک تاریک رات۔ کمرے اور شمیم کا کھانا! اس میں ڈر کے مارے میں میز بھیسوں پر سے اڑھک گیا تھا! افوہ! اس وقت اس نے کتنا عظیم الشان کام کیا تھا۔ لیکن

۴۰۰۰۰

اس کے المناک لہجہ نے وقت ہیور پر سب کو پریشان کر دیا اور ایک جلدبوشی چھا گئی۔ شمیم نے آخری کوشش کر کے اپنے آپ کو چھڑا

نیروز چلا کر ہونا! جو وقت۔۔۔ پرے درجہ کا گدھا۔ دیکھو نصرت اگر تمہارے مجھے اتنا لگا تو اچھا نہ ہوگا۔ فیروز فیروز! حق نہ بخو۔ چوبیسے چھوڑ دو!

نصرت نے مسکرا کر کہا! شمیم تم اپنی خوبیاں ہمیشہ نہیں چھپا سکتے۔ یہ تم کوئی نمایاں کام کرو تو اس کے لئے بھی طیارہ جو مانا جائے گا۔ وگ اس سلسلہ میں تسلا نام ہیں!

فیروز نے بھی کہا! شمیم تم بوڑھے کو ٹوٹے مغز۔ اگر کوئی تمہیں اس وقت دیکھے تو یہ خیال قائم کرے کہ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانا پڑے شرم کی بات ہے۔ اسام میں بھی تسلا ہی حال تھا۔ جب کام ہو چلتا تو اس طرح غائب ہو جاتے۔ جیسا کہ گدھے کے سر سے سیلنگ ہر کوئی بھی سمجھتا تھا۔ کہ تم غصہ ناشانی ہو علاوہ اگر کوئی شخص بدگلو یا کر اس کا منتقل تھا تو تم کہتے۔

شمیم جلد جھکٹ ہیں کمرز! لیکن غصہ کے مارے پر احوال تھا۔ وہ کہتے لگا! تم کہتے ہو! اگر تم کسی کے کردار کا اندازہ ان افعال سے کرتے ہو جو جلد بازی میں اس سے سرزد ہو گئے ہوں تو مجھے یقین ہے کہ تم دنیا کے بدترین سیاہ کار کے سینہ پر دکھو! یا کہ اس آویزاں کر دو گے!

فیروز اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا! اسی ماں جلد بازی میں بندہ ہو گئے! عزیز دوست تم میں سے ہی کہا۔ بس جلد بازی ہی جلد بازی ہے۔ یہی سبب ہے کہ تم شکل سے منحل کام بھی اندھا دند کر۔ گذرتے ہو!

شمیم نے ہونٹ چبانے ہوئے کہا! جی میں اتنا ہے کہ تمہارا ایک لاث۔۔۔۔۔

(۸)

"شمیم اچھا جو تم مل گئے۔ میں تمہیں ڈھونڈ ہی رہی تھی!" زہرہ نصرت کے ساتھ سیر کر کے واپس آئی تھی اور گو اس کے چہرہ پر ہلکی جھکی سرخی تھی۔ لیکن خوبصورت آنکھیں دلی تکلیف کا اظہار کر رہی تھیں۔ جب نصرت لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔ تو زہرہ نے فیصلہ کیا کہ جس طرح ہو سکے شمیم سے مل لے۔ سگریٹ نوشی کے کمرہ میں وہ اس خیال سے داخل ہوئی تھی۔ کہ ممکن ہے شمیم وہاں ہو اسے یہ امید تھی کہ وہ مل ہی جائے گا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی

یہ فقرہ بے انتہا زہرہ کے منہ سے نکل گیا۔

شیمم کسی سے ایک پڑا اور دوا کیوں۔ مجھے کیوں ڈھونڈ رہی تھیں۔ آؤ! منتظران کے پاس آ جاؤ!

زہرہ چلی تو گئی۔ لیکن میٹھے کی کرشمش نہ کی بلکہ وہیں کا سناں کا سدا لے کر بھڑی ہو گئی۔ اس نے لٹے پھوٹے جملوں میں کہا۔ "میں تمہیں اس لئے تلاش کر رہی تھی کہ تم سے۔۔۔ سناں مانگوں تمہارے متعلق جو خیال میں نے قائم کیا تھا اور جو کچھ بھی تم سے کہا تھا اس پر بے دلچسپان ہوں۔ کاش وہ افلاطون ہی نہ ہوں۔ نہ ملنے میں نہیں آدھارہ اور مسخو سے زیادہ اہمیت مذہبی تھی لیکن اب مجھے سبق مل گیا ہے میں جانتی ہوں کہ تم مجھے صاف کر دو۔"

وہ چپ ہو گئی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے جن کو اس نے نہ دیکھ جانے کی کوشش کی اور نہ چھپ سکتی تھی۔ لیکن شیمم نے گویا اسے محسوس ہی نہ کیا۔ بلکہ زور سے ہنس پڑا اور پھر اپنا دانا ہاتھ بڑھا کر کہنے لگا "سناں کیسی؟ تم نے قصیدہ ہی کو لیا کی ہے۔ آؤ دوستوں کی طرح مسافر کر کے وہ تمام باتیں جو ان وقتوں نے کہی ہیں اپنے دل سے خاموش کر دو۔ تم خود جانتی ہو کہ میرے متعلق تم نے بالکل صحیح اندازہ لگایا ہے۔ میں صرف سوخہ ہوں مادہ اس میں جبہ بھر شبہ کی گنجائش نہیں۔ موضوع یاد دہانی کے لئے ہیں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ میں آج سے زیادہ مسرور ہوں کہ تم نے اور کچھ ان نصرت نے سمجھو نہ کر لیا ہے۔ میری طرف سے بہت بہت مبارکباد وہ بہت خوب آدمی ہے۔ ہر کام صاف کرتا ہے اور اپنے آپ کو جتن نہیں بنائے رکھتا۔"

یہ کہہ کر وہ مسکرایا۔ اس کو بہت دیکھ کر کون اندازہ لگا سکتا تھا۔ کہ ایک وہ وقت بھی ہوگا جب اس نے زہرہ سے وہی چیز طلب کی تھی۔ جن کے دوسرے کو اس جانے پر وہ اس قدر خندہ پیشانی سے بدھ مبارکباد پیش کر رہا ہے لیکن زہرہ کو اتنی ہی صدمہ تھا اور وہ زمین میں گڑی جا رہی تھی۔ آخر کار اس سے ضبط نہ ہوسکا اور وہ بولی "شیمم! آخر مجھے اس طرح کیوں دھوکا دیا گیا؟ تم نے مجھے تاریخ میں کیوں رکھا؟ مجھے بتا کیوں نہ دیا؟ اس قدر غلط اندازہ لگانے پر تم نے مجھے تنبیہ کیوں نہ کی؟ وہ بولا "ہاں!"

اس نے اسے دونوں بازو پھیل دیئے اور شیمم نے نرمی سے اس

کے ہاتھ پکڑ لئے کیوں ہمزوہ متہم تھا اس نے کہا "زہرہ چلو جانے ہی دو۔ تم جانتی ہو میں نے تمہیں جس دن وادفہ نمایا تھا۔ اس کے اگلے روز ہی بتا دیا تھا۔ مجھے تمہیں خراب ہو جانے کی کوئی وجہ بھی پیش کرنی چاہئے تھی۔"

شیمم کا مسکنا زہرہ کے لئے تکلیف دہ تھا اور اسے برداشت نہ کر سکی۔ اس نے غصہ میں آکر اپنے دونوں ہاتھ پھیر لئے اور اس مرتبہ اس کا بھج پر درد اور بھرا ہوا تھا۔ اس نے کہا "شیمم۔۔۔ تم کس قدر سنگدل ہو! اگر تم مجھے بتا دیتے۔ سمجھا دیتے تو یہ۔۔۔ کس لئے تیرے غمٹت ہوتے۔۔۔ مجھے تم سے نفرت نہ تھی۔ ایک طرح محبت ہی تھی۔ لیکن تم ناقابل سے نظر آتے تھے۔ شیمم میرا قصور نہیں۔ مجھے موقع ہی نہیں دیا کیا اور اب۔۔۔ اب۔۔۔"

یہ کہتے کہتے اس کا دل بھرا آیا اور وہ ہر جگہ کر سکیاں لینے لگی۔ شیمم کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ بہت دیر تک خاموش کھڑا دیکھا گیا۔ لیکن جب چٹکیاں برواحت سے باہر ہو گئیں تو وہ آگے بڑھا اور زہرہ کے نزدیک پہنچ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ سے کہا "زہرہ۔ خدا کے لئے رو مت۔ یہ ناقابل برداشت ہے۔ زہرہ زہرہ خدا سے دے دے اپنے آپ کو سمجھاؤ۔"

اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے زہرہ کے شانے آہستہ سے دبائے اور کہنے لگا "تمہیں معلوم ہے تم ابھی ابھی کیا کہہ چکی ہو تمہیں مجھ سے محبت تھی؟" "اُٹ! میں جانتا ہوں کہ یہ سنی تمہاری زبان سے نکل گیا۔ ورنہ تم انکار نہیں کر سکتیں کہ تم نصرت کے لئے ہو۔ ابتدا سے لے کر اب تک تمہیں صرف اسی سے محبت رہی ہے!"

زہرہ نے انکار نہ کیا۔ بلکہ اور چٹکیاں لے لے کر رونے لگی۔ بین اس وقت دروازہ کھلا اور نصرت داخل ہوا آواز سنکر شیمم پھرتی سے مڑا لیکن نصرت ایک نگاہ میں معاملہ کی نہ تک پہنچ چکا تھا۔ اور جو کچھ اس کے چہرہ پر تھا۔ وہ حذر آج تک کسی نے نصرت میں نہ دیکھا تھا۔ شیمم اس کا ہاتھ روک کر کھڑا ہو گیا اور جلدی سے کہنے لگا "نصرت یہاں نہیں آؤ! آنا گھر میں آ جاؤ!"

لیکن نصرت نے انصاف تک نہ کیا۔ بلکہ سختی سے شیمم کو علیحدہ کر کے گدڑنا چاہا۔ شیمم نے زور سے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اور کہنے لگا: "نصرت! جو قوت نہ ہو۔ اسے دق کرنے سے کیا حاصل؟" وہ دھڑکی پڑی

ہے۔

نصرت نے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے دریافت کیا: "تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر تم نے کیا کیا کیا؟"

شیم نے کہا: "گوئی ایسی بات نہیں جو بتانے کے قابل ہو۔" پھر بھی نہیں بتانا پڑے گا۔

یہ کہہ کر نصرت نے نہایت سخت لگا ہوں سے شیم کی طرف دیکھا۔ نصرت ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اس نے آگے بڑھ کر شیم کے شانے اپنے مغبراء ہاتھوں میں زور سے پکڑ لئے اور جھلا کر کہا: "تمہیں سب باتیں ایک ایک کر کے بتانی پڑیں گی دیکھو تو کیسے نہیں جانتے؟"

لیکن شیم اس سے باہل متاثر نہ ہوا۔ بلکہ جپوں میں ہاتھ ڈال کر مسکراتا ہوا بولا: "نہیں میرے پیارے دوست میں ہرگز نہ بتاؤں گا۔ اگر تم کو تو میں تم سے حافی مانگنے کے لئے تیار ہوں لیکن اس سے زیادہ نہیں حق نہیں۔"

نصرت نے جواب دیا: "مجھے یہ معلوم کرنے کا حق ہے کہ تم نے کونسی ایسی بات کہی جس نے اسے اتنا پریشان کر دیا؟"

شیم نے کہا: "تمہیں کوئی حق نہیں ہے! — پھر کیا کیا اپنا طرز بدل دو۔ شاید وہ غصہ نہ کر سکے۔ لیکن نصرت کس قدر تعجب ہے

کہ تم اب تک اسے محسوس نہ کر سکتے۔ اچھا میں تمہیں بتاتا ہوں۔ زہرہ نے ہمیشہ کے لئے مجھے اس بنا پر ایس کر دیا تھا کہ میں — محض نمائندگی

تھا۔ میرا مطلب ہے کہ ہمیشہ تعزیر اور سخرہ بین میرا کام تھا اور میں نے کوئی کارناماں آج تک انجام نہ دیا تھا لیکن اس روز فیروز نے اسے

سب کچھ بتا دیا اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اگر زہرہ میری ہی سیدھی سچی کو اپنے خوبصورت آنسوؤں سے دھو دینا چاہتی تھی تو کونسا

ارام عائد رہا ہے۔ ذرا اپنے دل ہی میں انصاف کرو! — اعدائے کا ساتھ ساتھ نصرت کی گرفت بھی ابھی ہوتی تھی۔

تم بھی اس سے محبت کرتے ہو؟

شیم کے دل پر چوٹ لگی اور اس نے لمحہ بھر کچھ سوچا پھر کہنے لگا: "کیا ہم اس معاملہ کو اور طول دیں؟ نصرت میرے لئے میری ناکامی کافی

ہے اس لئے بہتر ہو کہ تم بہ باتیں بھول جاؤ۔ اس سے کچھ نہ کہنا۔ کیونکہ محض پریشانی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

وہ بے تابانہ کہو میں نے کہنے لگا: "پھر نصرت کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا

نصرت نے زور سے اپنا بازو پھرا لیا اور بولا: "میں تم سے تھوڑی دیر بعد گھٹو کر دوں گا۔ فی الحال تم یہاں سے دُعا ہو جاؤ۔"

شیم کو بازو سے علیحدہ کر کے وہ سیدھا زہرہ کے پاس پہنچا۔ اس کا چہرہ غصہ کے مارے لال ہو رہا تھا اور وہ دانت پکچا رہا تھا۔ شیم

کے لئے زندگی بھر کی دوستی میں نصرت کے غصہ کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ نصرت نے نہایت اتفاقات سے زہرہ کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے کہا: "زہرہ

— میری پیاری کیا بات ہے۔ آخر ہوا کیا؟ لیکن زہرہ کچھ بتانے کی بجائے اور نہ لگی۔ شیم نے اللہ تعالیٰ

پار کرنے کی کوشش کی اور بلا پس و پیش گفتگو پھیر دی۔ اس کی آواز پکپکا رہی تھی لیکن جب وہ بولا تو اس نے اپنا لہجہ ہمت کچھ سنبھال

لیا تھا۔ اس نے کہا: "نصرت یہ سب کچھ میری نظر ہے۔ مجھے اپنے گناہ کا اعتراف ہے لیکن تساری اور فیروز کی بھی غلطی ہے۔ تم اسے جانے

دو میں سب کچھ بتا دوں گا؟" نصرت نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور زہرہ سے کہا: "زہرہ

تم جاؤ تمہیں لباس تبدیل کرنا ہے ورنہ کھانے پر دیر ہو جائے گی تم بے فکر رہو میں سب طے کروں گا؟"

زہرہ نے اپنا چہرہ اٹھایا اور اپنی سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ ایک لمحہ تک اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن نہ

کہہ سکی۔ آخر فری اور نہایت آہستہ آہستہ کمرہ سے باہر چلی گئی۔ نصرت نے سوچا کہ زہرہ کا اعتراف سننے سے قبل شیم سے گفتگو کرنا زیادہ مناسب ہوگا

اس لئے جب شیم دروازہ بند کر کے اس کی طرف آیا۔ تو وہ ہمدرد نظر نہ

تھا۔ شیم نے کہا: "تم اعتراف چاہتے ہو؟ اچھا سو۔ اس روز تم نے اور فیروز نے میرا راز افشا کر دیا تھا۔ اس سے قبل زہرہ مجھے نہایت معمولی

— نہیں غیر معمولی نصرت کا انسان سمجھتی تھی۔ میں اس کی غلطیوں میں ایک اجنبی سے زیادہ وقعت نہیں دیکھتا تھا۔ اسے لازمی طور پر خیال ہوا

کہ میرے متعلق اندازہ لگانے میں اس نے بہت ساری غلطیاں کی ہیں۔ زہرہ نہایت نیک دل لڑکی ہے چنانچہ وہ میرے پاس آئی اور افسانہ

انوس کیا لیکن مجھے افسانہ لگیا اور میں نے نہ جانے کیا کیا کیا کیا کیا — یہ ہے تمام قصہ!"

خدا کا ہی تھا اور کچھ تو نہ تھا؟

حمدی نے بے تابی سے کہا: "ماں! اہاں خدا کا ہی تھا اور دی خدا جو عوامنا جاز دالے حبیب کے دقت چھوڑا کرتے ہیں۔ تاکہ دیکھنے والے اگر ہو گئے تو وہ دیکھنے چاہیں۔ اور کچھ نہ تھا۔ کیا میں اتنا بڑا ہوں؟"

لیکن ہم نے کسی قسم کی آواز نہ سنی؟

آواز! — اس قدر تندرست تھا اور اتنے شور و شغب میں کیا کام سناؤ دینا؟ اچھا اب فراخ خواہ وقت ضائع نہ کرو کہہ کر وہاں ہوں کہ مجھے یقین ہے چلنا ہے تو چلو!

فیروز نے جواب دیا: "ڈنا میرا کرو۔ اگر ایسا ہے تو پیسے ایک سوڑ کو کیوں نہشتیں کے آئیں پر بیچ دیا جائے۔ یہاں سے کوئی وہیل ہوگا۔ بہت ممکن ہے وہ اس آفت سے بے خبر ہوں۔ اس لئے تجھے ہم ساحل پر پہنچیں اتنے جان بچانے والی کشتیاں بھی نہ مل سکتی ہیں! یہ کتنے کتنے وہ کرہ بے باہر نکل گیا اور سوائے نعمت کے سب اس کے پیچھے ہوئے۔ نعمت کھڑی بند کرنے کی خاطر رکھا گیا جس کے سامنے وہ ایک لمحہ کر رہا کہ نظر دیکھنے لگا۔ رات نہایت تاریک تھی بار بار سرد ہوا کے جھونکے کرہ میں داخل ہونے لگے۔ نعمت نے کھڑی بند کر دی اور جلد جلد قدم بڑھاتا ہوا دوسروں سے جا ملا!

سب کے سب فیروز کے ہمراہ اندھیرے میں راستہ ٹھونٹتے ہوئے مسبل تک گئے جہاں سے ایک سائیس کشتیوں کے ٹیشن روٹ کر دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اختتام کیا گیا اور تمام گردہ ہوا کے پیچھے سے منہ پر رکھتا ہوا۔ (اندھی کا مقابلہ کرتا ہوا، سردی کے مارے دانت لکھتا ہوا ساحل سمندر کی طرف چل پڑا۔

سائل پر ناقابل بیان تاریکی اور دشت چارہ ہی تھی بڑی بڑی مریں جو اندھیرے میں انتہائی خوفناک شکل اختیار کر رہی تھی۔ بار بار چٹاؤں سے گزاری تھیں۔ ان کا اٹھ اٹھ کر نہایت سخت شور کے ساتھ پتھروں پر گر جانا ایک ایسا منظر پیش کر رہا تھا جو احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آج ہی یہ زمیں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گی۔

اس بند کے نزدیک جو گاؤں والوں نے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے بنایا تھا۔ بہت سے آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ تھکے

اور سرد آہ کھینچنے لگے! نعمت مجھے صاف کرنا۔ سب کچھ سی۔ پھر ہی یہ پلندہ پسے گا کہ شکل نہیں پڑے گی ملی ہے!

نعمت نے بڑھ کر اسے سینہ سے لگا لیا اور کہنے لگا: "غیر ذہت مجھے انتہائی قلق ہے۔ کاش میں یہ محبت قربان کر سکتا۔" لیکن شہم کی محبت قربان کا ہشت پر مقبول ہو چکی تھی!

(۹)

حمدی نے اپنے پاؤں آتشان کے سامنے نہایت آرام سے پھیلاتے ہوئے کہا: "افو۔ کتنی ہیبت ناک رات ہے! تعجب ہے کہ شہم اس وقت کہاں کھسک گیا۔ نصف شب گزرنے سے قبل سونے کا عادی تو ہے نہیں۔"

فیروز نے اونٹھتے ہوئے کہا: "یا۔ وہ سویا تو نہیں ابھی کیونکہ میں نے کوئی ٹھنڈا جبر ہوا اسے باہر جاتے دیکھا تھا۔"

"باہر؟" حمدی نے تعجب سے کہا: "اس طرح؟"

نعمت نے جو کوچ پر آرام سے دراز تھا جواب دیا: "کوئی نئی شراعت سو بھی ہوگی اور کیا؟"

فیروز نے قہقہہ لگا کر کہا: "اوہو نعمت صاحب ہیں۔ میں تو سمجھا تھا کہ سورہ ہے۔ اور تمیں سو بھی جانا چاہئے تھا نصف شب گزر چکی ہے چلو بھی اب جا کر سو رہیں۔ آخر صبح شکار کو بھی جانا ہے۔" حمدی جھومتا ہوا اٹھا اور کھڑکی کے پاس جانا بولا: "تو بکس قدر تندرست ہوا میں رہی ہے۔ آج سمندر خوب چرھا ڈیر ہوگا۔"

پردہ ہٹا کر وہ باہر تارکی میں جھانکنے لگا۔ لیکن سوائے لا محدود اندھیرے کے اور کیا نظر آسکتا تھا۔ ایک ایک اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ اس نے گھبرا کر کھڑکی کھول دی اور باہر جھانکنے لگا۔ ہوکا مرده جھونکا اندر آ کر تمام کرہ میں بھریں اور فیروز کچھ کہتا ہی جا رہا تھا کہ حمدی اس سے قبل ہی بول اٹھا۔ اس نے گھبراتے ہوئے خبریں کہا: "میں نے ایک دیکھا تھا!"

نعمت نے شکل جسمانی صند کے کہا: "توہ ہے۔"

حمدی نے جلدی سے کہا: "توہ دوہ کچھ نہیں ہے۔ کوئی جواز ہے۔" ارے بھائی! ان جنسی چٹاؤں کے درمیان کوئی جواز آگیا ہے۔ میری تحقیق کرنے جانا ہوں۔

فیروز بولا: "ارے مگر جاؤ! — اچھا حمدی تمیں یقین ہے کہ وہ

لیکن ان مشکلات کی وجہ سے جو درمیان میں حائل تھیں یہی فاصلہ میل سے کم نہ تھا۔ فیروز کو خیال ہوا کہ سنٹرل پر اسے کچھ انسانی مجھے نظر آ رہے ہیں لیکن بدقسمتی سے اسے یقین نہ ہوا۔ کیونکہ روشنی نہایت مدہم تھی۔

اتنے میں کسی نے اس کا بازو دوسرے پکڑ کر بلایا یہ حمدی تھا جو دلوں کی طرح چلا رہا تھا! اسے جانے نہ دینا! یہ حماقت ہے۔ پاگل پن ہے۔ اللہ اسے جانے نہ دینا۔

فیروز بہتی سے مڑا اس کے بالکل قریب شمیم اختر کھڑا ہوا تھا۔ اس کا سر برہنہ تھا اور بال کھڑے ہوئے تھے۔ جسم پر وہی لباس تھا۔ جو شام اس نے پہن رکھا تھا۔ موٹی رسکا کا ایک ڈھیر اس کے قدموں کے نزدیک پڑا تھا۔ جس کا ایک سرا اس نے اپنی کمر میں باندھ رکھا تھا۔ وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا: لوگو سنو میں فرد کو کشش کرں گا۔ جوں جوں میں آگے بڑھوں رسی چھوڑتے جاؤں۔۔۔ پانچ سو تک گنو۔۔۔ اگر رسی چھیلی رہے تو اسے کیچ لو اور اگر ایسا نہ تو مضبوطی سے پکڑے رہنا سمجھ گئے!

یہ کہہ کر وہ بلا پس دہشیں لوہے کے زینہ کی طرف بھاڑ رہا۔ زینہ بند سمندر تک پہنچنے کا واحد ذریعہ تھا، لیکن کسی نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔ شمیم نے مڑ کر دیکھا تو نصرت تھا۔ البین کی روشنی شمیم کے چہرہ پر پڑی اور نصرت نے دیکھا کہ وہاں اب بھی وہی تسمیر نقش کر رہا ہے جس نے شمیم کو ادھیم کے کردار کو مخصوص و ممتاز بنا رکھا تھا۔

شمیم نے اتنے سے کہا: موتوں کیوں ہو گئے جو بجائے چینی اماں سا بڑا کر کے کے اگر تم رسی والوں کی مدد کرو تو بہت اچھا ہوا!

نصرت نے اس کا بازو دوسرے پکڑ لیا اور کہنے لگا: تم ایسی افو حرکت نہ کرو۔ جان بوجھ کر موت کے منہ میں جانا کس نے بتایا ہے۔

شمیم نے نرمی سے اپنا بازو چھڑا لیا اور کہا: موت کے منہ میں جانا جرم نہیں ہے میں اس کا انتخاب کر رہا ہوں۔ دو سرول کی موت دیکھنے سے۔۔۔ دبا ہوتی ہے، یہ کہ اپنے سرموت لے لی جائے۔ میں اپنی زندگی کا مالک ہوں اور جان بوجھ کر اسے خطر میں ڈالتا ہوں۔ تم خواہ مخواہ کیوں بیچ میں پڑتے ہو؟

درا در تک وہ نصرت کو غور سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد مڑا اور تیزی سے سڑھیاں ملے کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔

نصرت نے ایک سرد آہ بھر کر کہا: اچھا یوں ہی!

دور پر ایک نرم ٹھٹھکی رشتی نظر آ رہی تھی لیکن اس کے اور اٹالوں کے درمیان سمند حائل تھا۔ ایک طوفانی ہیبت ناک جبروت سمندر جس کی غیر ساکن سطح پر جھٹک جھٹک تھے۔ فضا پر چند پھوٹے پھوٹے تارے بھی چمک رہے تھے لیکن باقی تمام آسمان گہرے تاریک دلوں سے پوشیدہ تھا!

فیروز کے بال کا ایک مانی وہیں موجود تھا۔ جس نے زور و روشنی کی طرف اشارہ کر کے بتایا اور اس کے کان کے نزدیک چلا چلا کر نا شروع کیا۔ اودیکھئے ہجور۔ اور جچا میں ناہیں؟ اودیکھئے بیچ میں ہے ہجور۔ لوٹ گیا ہے۔ چھوٹا سا دکھائی جابج ہے ہجور۔ اودیکھئے کاٹا کچھ بھرائے ہے متوئل ہے سرکار اور دیکھئے جری بھر جا کے سرکار! فیروز نے چلا کر دیکھا کسی کو پیشین پر بھی بیچ دیا ہے؟

جواب ملا: کوئی دو گھنٹی آگے اور جان سے سرکار گئے تھے۔ ہجور پرشتیاں کسی اور جگہ گئیں ہیں سرکار۔ کسے نہیں تو گھٹائیں ہیں جی۔ اودم کو ایک کشتی سوں لے جانا سکتے تھے پر کون جانا؟ کسی نے عامی نہ بھری۔ سب نے کہہ دیا کہ اس لوہیچان میں تو چٹانیں اتنی سی ہیں رشتی تو تار! الگ بھی کر دیں گی۔ جان کا اللہ جانج (حافظ)۔۔۔ اب تک واں تین ادھی دکھائی پڑے ہجور اوریاں سے کوئی سو گز سے زادہ دور نہیں۔ پیر یہ سو گز بھی موت کے سو گز ہیں سرکار کشتی تو جاسکتی نہیں۔ کوشش ہی کا ہے کو کرو؟

موت کے سو گز! اور اس قدر عظیم نشان خوف اپنے سرینے سے تین انسانوں کی جانیں بچ سکتیں ہیں۔ فیروز نے منہ پھیر لیا اور سوچنے لگا کہ آخر ان کے بچانے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ کس کی ہمت ہو کہ اس ادھی میں اس قدر سخت طوفانی سمندر کو عبور کر کے ان تینوں کو بچالائے۔ کیا سمندر اس باہمت انسان کو پاش پاش نہ کر دے گا؟ تھوہی سے اس کے رانگے کھڑے ہو گئے۔

ایک ایک طوفانی آواز کو چیرتا ہوا ایک شور سنائی دیا۔ پادل پھٹ پھٹے تھے اور آسمان پر اکثر تارے نظر آ رہے تھے جہاں بال آنکھیں مل مل کر اس ہیبت انگیز منظر کو دیکھ رہے تھے۔ دھندلی روشنی میں جہاز کا پھیکا سا رخ نظر آ رہا تھا۔ جس کا نصف حصہ خونی نہروں کی نظر ہو چکا تھا اور بقیہ قسمت سفید تھا گوں کا لٹن ہینکر لہندہ چٹانوں کے درمیان موت کی آمد کا خطر نظر آتا۔ سو گز سے زیادہ اونچیں

شور و غوغا کے باوجود لوگوں نے شمیم کا قہقہہ سنا۔ اس نے کہا: نہیں نہیں کوئی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ یہ میرا کام ہے۔ اور اسے میں ہی کر دینگا۔ اکیلا۔۔۔ اس کے علاوہ انہیں ٹھنڈا چاہئے۔ تمہاری ضرورت ہے؟ وہ دین پر کچھ دیر کھڑا رہا۔ تاکہ آنے والی کشمکش کے لئے تیار ہو سکے۔ چاند زمیں کے ایک کونہ سے جھانک رہا تھا اور اچھی روشنی ہو چکی تھی اس کی زد کو نہیں شمیم کے جسم پر پڑ رہی تھیں۔ اس نے ایک آخری نگاہ سے اس خوبصورت منظر کو دیکھا۔ ارد گرد ایک آخری نکلنے والی اور کونڈے والی جی تھا کہ دگ گیا اور مرکز نصرت کے کندھوں پر اپنے کپکپاتے ہوئے ہاتھ رکھ دئے۔

اس نے کہا: نصرت محض تماشائی ہی کیل سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اسے تمام وکال دیکھتے ہیں۔ میں ہی ان میں سے ایک ہوں۔ گو مجھے اعتراف ہے کہ ایک زمانہ میں میں نے کیل میں شریک ہونے کی کوشش کی تھی۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ تم بھی کیل میں شریک ہوئے اور رخ و نصرت تمہارے ہمراہ رہی۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ کہ مجھے تم سے کوئی بغض نہیں کوئی عناد نہیں۔ کیونکہ یہ اپنی اپنی قسمت ہے اس کے علاوہ تم مجھ سے کہیں بہتر ہو۔ وہ تم ہی کو چاہتی ہے اور ہمیشہ تم ہی سے اسے محبت رہی۔ یہی چیز تھی جس نے مجھے بتایا کہ دنیا میں میرا وجود کس لئے بنایا گیا ہے۔ اسی وقت سے میں اپنے مقصد حیات کی تکمیل کر رہا ہوں۔ اور خدا جانتا ہے کہ یہ میرے لئے کتنا آسان ہے! یہ کہہ کر وہ مڑا اور تیزی سے سیڑھیاں اٹے کرتا ہوا سمندر میں کود پڑا۔

لہریں واپس ہو رہی تھیں۔ طوفان کی حدت کم ہو گئی تھی اور تازگی بہت کچھ جا چکی تھی۔ جن لوگوں نے شمیم کو جانے دیکھا۔ ان کا خیال تھا۔ کہ طوفان کے شور سے لمبڈ تازہ انہوں نے شمیم کا قہقہہ سنا اور بہت دیر تک صرف وہی قہقہہ انہیں گونجتا رہا!

(۱۰)

زہرہ بہتر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ اور تمام رات نہایت کرب و بے چینی سے گزری تھی۔ لیکن اسے پریشانی کی وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ نہ معلوم اسے کیا ہو گیا تھا۔ وہ دیر سے سوئی تھی اور غلات معمول بہت سہجے سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ جب سے دل بہاؤ و ہرک رہا تھا۔ باہر سخت سردی تھی اور یہ بھی معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہوا تیزی سے ٹھنڈی رہی ہے۔

اس کے بعد انتظار کے سخت بے چین اور سہرا نامے آئے۔ آسمان صاف ہوتا جا رہا تھا لیکن طوفان میں کوئی کمی نہ تھی۔ رسی رک رک کر ادھر بھیجی جھٹکوں سے چھوڑی جا رہی تھی۔ نصرت سب سے آگے بکھڑا تھا اور اس کی نظریں طوفانی سمندر کو نگہ رہی تھیں۔ وہ اس اجنبی ہوئے بانی کو دیکھ رہا تھا جس نے ابھی کچھ دیر پہلے ایک عزیز ترین ہستی کو قتل کیا تھا۔ کیا شمیم پھر واپس نہ آئیگا؟ کیا اس کا دوست ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائے گا۔ کیا یہ اس شخص کا آخری لمحہ تھا جس نے اس قدر جان بھڑکائی میں پڑ کر جند انسانیاں جانوں کو بچانے کے لئے صرف اپنے آپ کو منتخب کیا؟

فیروز نے تھرتھرتے ہوئے کہا: "اس کے گڑھے نکلیے ہو جائیگے! رسی چلتے چلتے رک گئی۔ نصرت جا سوچا اس تک گن چکا تھا۔ اس نے نہایت سکون کے ساتھ پانچ سو تک گنا پھر اپنا بازو اٹھا کر کھینچنے کے لئے اشارہ کیا۔ رسی جھیل تھی۔ یکے بعد دیگرے سب مل کر اسے کھینچنے لگے لیکن وہ اس قدر آسانی سے کھینچی چلی آ رہی تھی۔ کہ نصرت کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے تار دیک بانی پر اپنی نگاہ جمادی اور غور سے دیکھنے لگا کہ کہیں چٹاؤں سے رگڑا کر رسی ٹوٹ نہ نہیں گئی؟۔۔۔ لیکن کوئی دھندلی سیاہ چیز عجیب طرح پر تیز رہی تھی! وہ مسما را لیتا ہوا پیچھے انرا اس کے قدموں کے پیچھے سیڑھیاں گھر تھرا رہی تھیں۔ نصرت نے آہستہ سے رسی اپنے نزدیک گھسیٹ لی۔ لیکن عین اس وقت ایک بڑی لہر اٹھی۔ اگر وہ تنہا ہی سے رسی نہ تھا! تینا تو یقیناً سمندر میں گر پڑتا۔ اس کے بعد اس نے ہاتھ بڑھا کر دو انسانوں کو جو سرد اور بے جان سے تھے پانی سے باہر نکال لیا اور انکو سمندر دے کر اوپر لے آیا۔

ان میں سے ایک شمیم تھا! لائین کی روشنی میں وہ اڑکھڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا سانس پھول ہوا تھا اور سر سے خون نکل نکل کر تمام چہرہ پر بہ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ سے خون صاف کرتے ہوئے کہا: "مجھے پھر۔۔۔۔۔ جانا پڑیگا۔۔۔۔۔ تم نے بہت جلد گھسیٹ لیا۔۔۔۔۔ ابھی وہاں دو اور بانی ہیں! وہ سانس لینے کے لئے رکا۔

"اُٹ۔۔۔۔۔ پرتم ہونو نصرت؟ اچھا! اوداع پیارے دوست! نصرت نے کہا! اس مرتبہ میں خود جاتا ہوں!"

یہ ایک کسی نے وہ دروازہ شکستیا اور اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے بیگم ارجمند کو کہہ میں داخل ہوتے پایا۔

اس نے تعجب سے دریافت کیا کیوں کیا بات ہے؟ وہ بڑی خوفناک رات تھی تعجب نہیں اگر کسی کو بڑی خبر سنانے آئی ہوں۔ بیگم ارجمند کا خوش و خرم چہرہ غیر معمولی طور پر خسرو تھا۔ وہ خاموش سے بستر کے کنارے آکر کھڑی ہو گئیں اور زہرہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا: عزیز من! کچھ نعت نے یہ فرض میرے سپرد کیا ہے کہ تمہیں تمام واقعات سے آگاہ کر دوں۔ رات ایک چھوٹا سا دغائی جہاز چٹانوں سے ٹکرا کر غرق ہو گیا۔ اس پر صرف تین آدمی زندہ بچے تھے لیکن طوفان اس قدر تند تھا کہ کسی طرح ان کی مدد نہ کی جاسکتی تھی کوئی جان بچانے والی کشتی بھی موجود نہ تھی اور معمولی کشتی کا بھلا دیاں کیا کام تھا۔۔۔

زہرہ نے بیگم ارجمند کے چہرہ پر اپنی خوبصورت آنکھیں جمادیں۔ اور کہا: آپ کسے جانتے!

بیگم صاحبہ نے بہت کوشش کے بعد کہنا شروع کیا: شمیم اختر ایک دسی کے ذریعہ ان تک پہنچا۔ ان میں سے ایک کو صبح و سلم نے بھی آیا۔ اس کے بعد چیر گیا اور — اور —

ان کی آواز بھرائی اور انہوں نے زہرہ کے ہاتھوں کو زور سے دبایا لیکن وہ سر نہ ہٹ گئے تھے۔ اور — دوبارہ وہ ان تک پہنچ گیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دسی چھوٹی پڑ گئی۔ اس نے کمر سے دسی کھول کر ان دونوں آدمیوں کو باندھ دیا اور وہ زندہ سلامت کنارے پر کھینچ لے گئے۔ لیکن — شمیم — شمیم کا۔۔۔ کوئی۔۔۔ پتہ نہ ملا! ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے ہنسل کہا: زہرہ — اے لوگ کتے ہیں کہ وہ ہنستا ہوا مارا!

زہرہ نے عجیب آواز سے کہا: اہاں — میں جانتی تھی کہ ایسا ہی ہوگا — میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا!

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اور بدن میں لہو کا نام نہ تھا۔ وہ اپنی بدقسمتی پر رو بھی نہ سکتی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ کہا: لیکن ایسا کیوں ہوا؟ — مجھے تعجب ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟

بیگم ارجمند نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہنے لگیں: زہرہ ہمیں یہ پوچھنے کی جگہ نہیں تھی۔ فدا کی مرضی میں کسی کو چارہ ہی کیا ہے۔ ہم

دغل و دروغتوں کرنے والے کون ہوتے ہیں؟

زہرہ نے کہا: میں یہ مت کہئے۔ مجھے یقین ہے کہ خدا اس قدر بے انصاف اور — ظالم نہیں ہے!

بیگم ارجمند خاموش ہو گئیں۔ آج سے دس سال قبل جب ان کے اپنے اکلوتے لڑکے کی موت ہوئی تھی۔ تو انہیں آنسو بند نہ ہوا تھا۔ جتنا اس وقت تھا۔ شمیم کی صورت اس کی باتیں اس کا ہر رنگ و گوہر خطہ انکے سامنے تھا۔ اور انہیں یقین نہ آتا تھا۔ کہ وہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے اٹھا لیا گیا۔ ان کا دل رو رہا تھا اور جوں جوں وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتی تھیں انہی پریشانی اور بے رحمی جلی جاتی تھی۔ زہرہ ہلستے رہی انہی اور کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہو گئی۔

بادل کے چھوٹے چھوٹے محوئے تمام آسمان پر بکھرے ہوئے تھے سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ لیکن جوا میں انتہائی سردی ابھی تک موجود تھی۔ اور افق پر سمندر کا ساکن پانی دھوپ میں جھلکا رہا تھا۔ زہرہ نے حسرت بھری نگاہیں اس نقطہ پر جمادیں جہاں محبت کے ناقابل جوہر سمندر کا پیرا گزشتہ رات اپنی جان سے ہاتھ دھو چکا تھا۔ بیگم ارجمند نے نرم لہجہ میں دریافت کیا: تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟

اس نے بغیر مرے جواب دیا: جی نہیں۔ شکریہ۔ مجھے نہ بچو دیکھئے! بس

بیگم صاحبہ چپ چاپ کمرہ سے باہر چلی گئیں۔ اپنی خواہگاہ میں پہنچ کر ان سے ضبط نہ ہو سکا اور کمپور پر سر رکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ مٹے کس قدر سبارا لگا تھا! اسی کے دم سے قصر بہار، فراہین، فنقی۔ وہی سب کو ہنسا رہتا تھا اور اسی کا مقصد تھا جو تمام مکان کو اپنے سر پر اٹھالیا کرتا تھا لیکن اب — اب وہاں کیا تھا؟ تمام گھر سسنا اور خاموش پڑا تھا۔۔۔ جب وہ تنگ گئیں اور آنسوؤں سے آنکھیں خشک ہو گئیں۔ تو انہوں نے منہ ہاتھ دھویا۔ آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر رنج و اندوہ کے نشان اپنے چہرہ سے مٹائے اور نیچے انکران مہالوں میں آئیں جو ناشتہ کی میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے کوئی کچھ نہ کھا رہا تھا۔ سب اپنے اپنے خیالات میں محو تھے۔ کمرہ کی فضا تک غمناک تھی۔

نصرت نے کہا: میں اب سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آئیے دوسرے

روہیں آجائے۔

لیکن کرہ میں داخل ہونے سے قبل ہی نصرت نے دریافت کیا۔
آپ نے اس سے کہہ دیا؟ جیسا اس خیر کا اس پر کیا اثر ہوا؟
اس کی مضطرب آواز نکلے منہ چہرہ اور سرخ آنکھیں نیم اور جند کے
نور میں ملی مرتزائی تھیں۔ اتوں نے جواب دیا: میرے خیال میں اس
رہب کو کشتہ ہو گیا!

خبر تم کو میں بے تپا نہ بیٹھنے لگا۔

اتر کا کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا: اس سے کہے کہ
راہیچے آجائے۔ سمجھا دیئے گا کہ دُشے کی کوئی بات نہیں ہے اور
مہ دیئے گا کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں اور یہ کہ بہت ضروری کام
ہے۔

یہ جگہ جند نے تامل کرتے ہوئے کہا: اس نے مجھ سے درخواست
لی تھی کہ میں اسے تنہا چھوڑ دوں!

نصرت نے کہا: غالباً وہ میرا نام سنکر انکار نہ کریگی۔ کم از کم کوشش
کریجیے۔

ان کے چلے جانے کے بعد نصرت ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور دونوں
اتوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ چند گھنٹہ شیشیم اسی کرہ میں اس کے ساتھ
موجود تھا۔ اور اس کے غضبناک تیور دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہی شیم
تھا اور وہی بیٹھی بیٹھی باتیں تھیں جنہوں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا تھا
سرت کو اس وقت احساس ہوا کہ جو قربانی مرحوم نے اس کرہ میں کی تھی
وہ اس قربانی سے ہزار درہم بیش بہا اور قابل قدر تھی۔ جو اس نے ساحل
سمندر پر کیا!

دردانہ پرہیزی سی آہٹ ہوئی۔ نصرت نے سراٹھا کر دیکھا تو زہرہ کھڑکی
تھی۔ اس کے چہرہ پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی اور وہ استقبال کے لئے
بڑھا۔ اس نے نرم لہجہ میں کہا: میں تمہیں ایک چیز دینا چاہتا ہوں۔
زہرہ نے استعجاب سے اس کی طرف دیکھا۔

نصرت نے اپنی آواز کو انتہائی کوشش کے ساتھ سنبھالتے ہوئے
کہا: وہ چیز میرے پاس اس وقت لائی گئی تھی جب یگم اور جند تم سے
تمام واقعات کئے گئے تھیں۔ اور میں خود تمہیں وہ چیز دینا چاہتا
تھا۔

زہرہ نے جلدی پوچھا: وہ ہے کیا؟

نصرت نے ایک ملفوف کاغذ آگے بڑھاتے ہوئے کہا: ایک خط جو
مرحوم کے کرہ میں مطالعہ کی میز پر رکھا ہوا تھا۔ اور جس پر تیار نام تحریر تھا
وہ مڑا اور کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا تاکہ زہرہ تنہائی میں اس خط
پڑھ سکے۔ کرہ میں خاموشی چھا گئی جو ہر غصہ بڑھتی جلی جامہ تھی۔ ایک ایک اس
نے ایک آواز سنی اور مرکز دیکھا تو زہرہ آفتان کے پاس فرش پر پڑی ہوئی
ہچکیاں لے رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحہ میں وہ زہرہ پر ہیکا ہوا اسے اٹھا
کی کوشش کر رہا تھا اور نرم لہجہ میں اسے تسلی دینا جا رہا تھا: زہرو —

زہرہ! — میری پیاری رو دوست — دیکھو میری اپنی زہرہ تم سمجھا
ہو۔ آخر کیا غائدہ اس طرح جان بھلا کر کرنے سے؟ — میری پیاری
رو دوست — آخر ہم سب کو بھی رنج ہے۔ وہ ہمارا بھی دوست تھا۔ اور
خدا بہتر جانتا ہے کہ ایسا دوست ہمیں اب نہ ملے گا۔ لیکن کیا کریں —
موسے صبرا صبرا صبرا کے۔ ہمارے آسوا سے داپس نہیں لاسکتے۔
زہرہ — میری جان —

اسی طرح وہ بہت دیر تک سمجھا رہا اور جب زہرہ کی طبیعت سکون
پذیر ہوئی۔ تو اس نے آہستہ سے اسے خط پڑھنے کے لئے کہا۔ نصرت
نے پہلے اٹھا کر کیا لیکن جب بار بار زہرہ نے کہا تو اس نے
خط کھول ڈالا بیغداد پریشیل سے کہے ہوئے الفاظ بتا رہے تھے کہ
خط جلدی میں لکھا گیا ہے۔ اور نصرت کے گفتگو کے بعد کی تحریر ہے۔
کہا ہے: —

عزیز زہرہ — تم بے فکر ہو۔ میں نے نصرت سے سمجھو نہ کر لیا ہے
اور اسے سب باتیں تمام و کمال سمجھا کر فیصلہ کر لیا ہے کہ ہمیشہ کے
لئے تم دونوں کی ٹکا ہوں سے اوصل ہو جاؤں تاکہ آئندہ کوئی
اور غلط فہمی پیدا نہ ہو سکے۔ میں کہاں جاؤں گا۔ فی الحال اس
سوال کا جواب خود بھی نہیں دے سکتا۔ یہ واضح رہے کہ میرے
اور نصرت کے درمیان کوئی ”فیصلہ“ نہیں ہوا ہے جس کی بنا
پر میں ایسا کر رہا ہوں۔ اور نہ اس نے مجھ سے کچھ کہا ہے بلکہ
ہم پرستور پرانے دوست ہیں!

اس واقعہ کو بھول جاؤ۔ شروع سے آخر تک یہ ایک غلطی
تھی بس!

مجھے خود احساس ہونا چاہئے تھا۔ کہ محض ایک مناشائی فی
سے زیادہ اور کسی چیز کی مجھے تنہا نہ رکھنی چاہئے پھر بھی

اور اپنے دل سے یہ بات بھلا دو کہ کسی اور نے بھی غناری
فاطر اپنے آپ کو کبھی بیوقوف بنایا تھا۔

تمہارا سچا دوست

نیرنگ

اس طرح ایک سادہ تحریر ختم ہوئی لیکن اس کا ایک ایک لفظ قابل
تحریم تھا عرف وہی ایک ایسی چیز تھی۔ جسے حقیقی طور پر مرنے والے
کی یادگار کرنا جاسکتا تھا۔ نیرنگ کے آخری الفاظ نے زہرہ کو ایک ایسا سبق
دیا تھا جو تمام عمر خاموش نہ ہو سکا لیکن نصرت نے بھی اس سے ایک سبق
حاصل کیا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی
کہ مرحوم اس کی بیوی زہرہ جبین کی نظروں میں کیا وقعت رکھتا ہے۔
اور ان دونوں درمیان مرنے کے بعد بھی کس کس قسم کے تعلقات ہیں !
محض تماشائی ! لیکن ابد الابد تک ایک نازک ہستی اس کی
پرستش کرتی رہے گی !

دوست حسین خان

(ترجمہ)

نے اپنے سے بالاتر درجہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس
کا نتیجہ بھی مل گیا۔ میں ایک ادنیٰ تماشائی سے زیادہ نہیں ہوا
تم کو اور تمہارے ساتھ نصرت کو میں اپنے مخلص جذبات
پیش کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری آئندہ زندگی نہایت
خوش و خرم ہوگی۔ اگر مجھے ایک دوستانہ اور مخلص مشورہ دینے
کی اجازت وہ تو یہ ہے کہ کسی شخص کے افعال کی غامری
ٹھیک ٹاپ سے متاثر نہ ہونا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ میران
جنگ میں باقی رہ جانے والا اور وہاں سے نہ ہٹائے والا ہی
ہیرو ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ دنیا نصرت جیسے انسانوں
ہی کے بل بوتے پر اب تک گھوم رہی ہے۔ ورنہ اور کچھ
نہیں۔ باقی سب کے سب تو ایسے ہیں جیسے نمائش کے ٹٹے
جھال اور سب نازک دی جاتی ہے۔ جو ہمیشہ اس وقت لگاؤ
کر لینک دی جاتی ہے۔ جب کسی نئی چیز کا وقت آتا ہے۔
زہرہ اس شخص سے شادی کرو جس سے تم کو محبت ہے

نیرنگ خیال بکٹ پوس نی کتابیں

لیلائے سجد۔ از جناب الانا غمت علی صاحب حسرت لکھنوی۔ ایک
دیکھ پ نارنجی ناول۔ حجم ۲۰۰ صفحہ قیمت ۴۰/-
تہذیب کی سرگزشت۔ حضرت ساؤنظامی کا دیکھ پ فساد منہا قیمت ۴۰/-
بیوی کے فرائض۔ میان اور بیوی دونوں کے لئے قابل مطالعہ قیمت ۸/-
مولانا محمد علی کی سوانح حیات ری قیمت ۸/-
تقاریر ۱۲/-
مفتاح الصحۃ۔ ماما گاندھی کی مشہور کتاب شاہراہ سندھ کی کا جواب
ہے۔ قیمت ۱۲/-
شمس الطب۔ علاج شمس کا پر پار و گرام یعنی مرنے والوں اور سونے کی
شعاعوں سے ہر مرنے کا علاج۔ قیمت ۲۰/-

مرد و عورت کے تعلقات پر کتابیں

- (۱) دو شیرہ باغیچہ۔ ۲۵۰ صفحے، ۲۰/- روپے، ۲۰/- روپے، ۲۰/- روپے، ۲۰/- روپے
- (۲) شب عروسی ۲۰۰ صفحہ۔ ۲۰/- (۳) شب پھر عروسی ۲۰۰ صفحہ
- (۴) عورت ۲۰۰ صفحہ عار ۵۰/- مرد و عورت ۱۱۲/-
- (۵) زن و شوہر ۱۱۰ صفحے قیمت ۸/-
- (۶) دولہا و دلین ۱۲۸/-
- (۷) عیش و نشاط ۱۳۶/-
- (۸) میان بیوی کے خطوط ۷۲/-
- (۹) دولہا و دلین کے خطوط ۷۲/-

مینجر نیرنگ خیال بکٹ پوس نی محملہ لاہور

مینجر نیرنگ خیال بکٹ پوس نی محملہ لاہور

مکافات

فرانسیسی زبان کا ایک پچپان

(از جناب خلیل احمد صاحب قریشی بی بی سنگری)

کاؤں میں ایک آواز پڑی کہ ہم اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارا اسٹنٹ سرجن ہے۔

میں مڑا لو ایک دراز قد دہلے جسم والا فوجی افسر تھا۔ اس کی آنکھیں سرخی مائل تھیں۔ اس کی ٹوپی اس قدر میسر می تھی کہ دائیں کان پر پڑی تھی۔ اس کا چہرہ نوٹانگوں کے درمیان لٹک رہا تھا۔ بے لکڑی لٹک لٹک تھا میں پھر نہ چاہتا تھا کہ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

”عوض آمدید۔“ ڈاکٹر! تمہیں ملکہ مجھے نہایت مسرت ہوئی ہے تم تھک گئے ہو گئے آئیے تھوڑی سی شراب پی لیں۔ مجھے مجبوراً اسکی دعوت قبول کرنی پڑی۔ ہم ایک مختصر سے فوجی ہوٹل میں داخل ہوئے اس نے جام کو اٹھایا اور میری صحت پر مینوشی کی۔

لیکن جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ لکڑی دہنی کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ پندرہ منٹ کے بعد جب ہوٹل کو شراب کی قیمت ادا کرنے کا وقت آیا۔ تو وہ اخباریں نہایت بڑی طرح منہمک ہو گیا۔ اور قیمت مجھے ادا کرنی پڑی۔

اس کے بعد ریمینٹ کے اور افسروں سے میں نے ملاقات کی ایک ان میں سے رہتا تھا اس نے مجھے بتایا کہ اس بھلے ناسٹنٹ نے اس کا بھی اسی طرح استقبال کیا تھا اور شراب کی قیمت پھر اس کو ہی ادا کرنی پڑی۔ وہ کہنے لگا۔

”میں اس قسم کے بلینٹ انسانوں سے نفرت کرتا ہوں۔“

دن گذرنے لگے حتیٰ کہ قسطنطنیہ میں ماہ جون میں بخارا پھوٹ نکلا فوجی مریضوں کے علاوہ شہر کے بہت سے بیمار ہمارے شفا خانہ میں داخل کئے گئے۔ اور مجھے قدرتی حنا غریبے دیکھتی لینے کی بہت تھوڑی فرصت ملی۔

کنا گنگ! اور تیرنڈن بھی سڑکی پر دھکے دے رہے تھے۔ کنا گنگ کو بخارہ تھا لیکن دل کی کڑواہٹ کے باعث شفا خانہ سا ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر تیرنڈن اپنی سرگزشت یوں بیان کرتا ہے۔ ششما میں میں فوجی ہسپتال کی محبت میں حیثیت سسٹنٹ سرجن تھا ہر تارہ میں تھا۔ وہ شفا خانہ ایک چٹان پر جو زمین سے تین چار سو فٹ کی بلندی پر بنا ہوا اب تک نظر آتا ہے۔ وہاں کھڑے ہو کر قافلو کا تمام شہر جنوبی نظر آسکتا ہے۔ اور ادھر گرد کے میدان جن پر دو رنگ نظر پڑتی ہے ایک عالیشان منظر پیش کرتے ہیں۔ میں اپنی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ جو کہ تارہ ہوائے کے لئے رکھی ہوئی تھی۔ پہاڑی کو تے اور گردھیں پہاڑی کے ارد گرد بھاڑکتے کرتے آنکھوں سے اوجھل ہو رہے تھے۔ میں نے باقی ماندہ سگا کھڑکی کے راہ سے باہر پھینک دیا۔ اور میری نگاہیں پہاڑی فضا کی فرحت ناک دلاؤ زریوں میں ڈوب گئیں ریش ریش جہات میں خاموشی چھانی پڑی تھی۔ اس کے بعد ڈوبی گئی کی آواز نے فضا میں ایک ہیبت ناک گونج پیدا کر دی۔

یہ میری زندگی کا معمول تھا۔ میں روزانہ درجیوں کے دائروں میں چکر لگاتا۔ ششما سے بخارا کرتا۔ اپنے جہیز میں روزمرہ کی یاد دہتیں درج کرتا۔ اور بعد ازاں اپنے کو اتر کو لٹاتا۔ اس کے بعد پھر میں اپنی کھڑکی کی چوٹ پر کھنی ٹیک کر کھڑا ہو جاتا اور گھڑیوں خردوس نگاہ منظر میں دیکھی لیتا۔ کبھی کبھی عربی قافلہ دور میدان میں گزرتا ہوا نظر آتا۔ اونٹوں کی ٹھالیں نہایت بھلی معلوم ہوتیں۔ چٹانوں پر قافلوں کے درخت افق کے ساتھ ملے ہوتے۔ جن میں شکاری پرندے اڑ رہے ہوتے نہایت دلچسپ منظر پیش کرتے۔

بارکوں میں چکر لگانا مجھے ایک اچھا نہیں بھانا تھا۔ اور یہ تمام دور کے نظارے اگر وہاں میرے آگے تو میری زندگی نہایت کھن ہو جاتی۔ کنا گنگ میرا دوست میری اس قسم کی زندگی کو پسند نہ کرتا تھا میں کنا گنگ سے کس طرح متعلق ہوا۔ مختصر بیان کرتا ہوں۔

جب میں قسطنطنیہ میں وارد ہوا اور گاؤں سے اتر آیا تھا کہ میرے

”مجھے ایک دن کی رخصت لکھ دیں۔ باہر گھومنے کو بہت دل چاہتا ہے۔“

”اس خیال بھی نہ کرو میں تمہارے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن ابھی باہر جانے کی رخصت نہیں دے سکتا۔“

”لیکن اب تو میں باہل تندرست ہوں۔ چار دن ہوئے میرا بخار ٹوٹ چکا ہے۔“

”یہ بات تو عجیب ہے لیکن شہر میں ابھی تک بخار کثرت سے ہے اور تم وہاں نہیں جاسکتے۔“

”ابھی صرف دو گھنٹہ کے لئے مجھے رخصت دیدیں۔ صرف اتنے جانے میں دو گھنٹے گزر جائیں گے۔ میں چند لمحوں شہر میں گزراؤں گا۔“

لیکن میں کسی طرح بھی رضامند نہ ہوا اور وہ نہایت یابوسی کی حالت میں ٹوٹ گیا کتنا تنگ بھی ہیں دور بہتر رہینا دینے سے بھاڑ بھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ جب میں اس کے پاس گیا۔ تو میں نے اس کی تیمارداری کی۔

”میں تندرست ہوں۔ کیا وہ ریختہ تھا۔ جو ابھی تمہارے پاس کھڑا تھا دو کیا چاہتا تھا۔“

”وہ مجھ سے باہر جانے کی رخصت مانگتا تھا میں نے انکار کر دیا۔“

وہ خوشی سے اچھل پڑا اور نہایت پر جوش آواز میں کہا۔ ”تو تم نے انکار کر دیا خوب ہوا۔“ میں اس کے جذبات کو نہ سمجھ سکا۔ اور اسی فکریں میں باہر نکل گیا۔

اسی رات وارڈ میں ایک مریض جاں بحق ہوا۔ میں نے بڑے کمرے میں اسکی لاش کا امتحان کے لئے چیرنا پھاڑنا شروع کیا۔ گھٹا ٹپ اندھیری رات تھی جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ایک لمپ میرا پس رکھا تھا میرے سامنے والی دو ٹوکھریاں کھنی تھیں۔ باہر پہرہ دار گشت لگا رہا تھا۔ اور اس کی قدموں کی چاپ گمرے سکوت کو توڑ رہی تھی۔ اس وقت پہاڑی آتش تیر انداز میں گوشت کی بو پر کھرمکوں کے سامنے بڑے بیٹھ گئے۔ ایک بڑے کمرے میں آدھی رات کے وقت اکیلے آدمی کا ایک مردہ جسم کا چیرنا پھاڑنا اور پھر گوشت خور جانوروں کا چکر لگانا اور چار سو عالمگیر خاموشی کا ہونا ایک نہایت دلکش منظر تھا۔

میں سینوٹ اور والے کمرے میں کچھ شور مچا رہا تھا۔ دوسرے کھڑکی کی طرف گیا۔ مجھے کسی شخص کے قدموں کی آواز سنائی دی جو کہ چٹان کی گوندھتی پر جا رہا تھا۔ میں حیران تھا۔ کہ ابھی تک پہرہ دار نے اس کو نہیں

اور ساتھ ہی تمام بدن میں خون ناک ریشہ پیدا ہو گیا جیسا کہ شراب کثرت سے استعمال کرنے والوں کو ہوتا ہے۔ وہ اپنے بترے اٹھ اٹھ کر تمام وارڈ میں دوڑتا اور کبھی اپنے بال نوچتا اور پھر بلند آواز فیکرہوں کی طرح آواز دے لگتا۔

”نامہ بانا ملہ!“

میں نے اس سے اندازہ لگایا۔ کہ کسی وقت وہ اس نام والی لڑکی سے محبت کر چکا ہے۔ اور غالباً اس کی کثرت مینوشی کی وجہ سے یہ ہے کہ وہ اس لڑکی کی محبت کو مارے سے جو کرنا چاہتا ہے۔ مجھے اسکی یہ حالت دیکھ کر نہایت ترس آیا۔ وہ نہایت خون ناک طریقہ سے کودتا ہوا کبھی ادھر جا کر کتا کبھی ادھر۔ اس کا چہرہ پسید ہوتا تھا اور کبھی کبھی اس کے دانت جڑ جاتے تھے۔ اس کی ہولناک آوازیں سن کر لاشا لرنہ بہ اندلم ہو جاتا تھا۔

”اوہ گھنٹہ کے بعد جب اسے ہوش آتا تو وہ مجھ سے پوچھتا۔ کیوں دم لگتا میں نے صفحان کی حالت میں کوئی بات تو نہیں کی۔“

”کچھ نہیں لکھتا!“

”لیکن کوئی نہ کوئی بات تو میں ضرور کہ گیا ہوں گا مجھے ضرور بتاؤ خدا کے لئے چھپاؤ نہیں۔“

”ہاں! تم نے کچھ نہ کہنا ضرور تھا۔ لیکن وہ بالکل بے نیکی سی باتیں تھیں اور اب مجھے یاد بھی نہیں تھے کہا کیا تھا۔“

”ابھی ابھی بے نیکی باتیں بتاؤ۔“

”اب نہیں پھر کسی موقع پر بتاؤں گا۔“

پھر وہ میری طرف گھور کر دیکھتا۔ گویا میری اندرونی دنیا کے نقص و عجز میں مصروف ہے۔ اور پھر یک بحث انھیں بند کر لیتا اور ہونٹوں کو کاٹتا اور پھر کھتا۔

”شراب کا ایک پیالہ مجھے اس وقت بچا سکتا ہے۔“ شراب پی کر وہ مردوں کی طرح لیٹ جاتا۔

دوسری صبح جب میں کتنا تنگ کے کمرے میں جا رہا تھا۔ تو رات میں مجھے ریختہ ملا۔

”ڈاکٹر! کیا آپ مجھ پر ایک احسان کر سکتے ہیں۔“

”اے! اگر میرے بس کی بات ہوئی تو میں حاضر ہوں۔“

دیکھا تھا۔ اس کے بعد کشتا گنگ کی آواز نے خاموشی کو توڑا۔
 ”رینڈ کہاں جا رہے ہو؟“
 اس آواز سے میرے روٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد پھر نے

کی آواز سنائی دی اور کوئی شخص اس تنگ گھنڈی پر زور زور سے
 سانس لے رہا تھا۔ مجھ پر اس قدر بے بسی واقع ہو گئی کہ میں دانا کھڑا
 کا کھڑا رہ گیا۔ مجھ سے آسان نہ ہو سکا کہ میں باہر نکل کر اس کا سبب دریافت
 کروں۔ مدد کے لئے چیخ دینا کرکوں۔

پھر ایک دردناک چیخ سنائی دی۔ میں بے ہوش سا کھڑا ہو گیا۔
 اس کے بعد ایک عمارت آئینہ نقشبہ کے ساتھ کشتا گنگ کی کھڑکی اس
 زور سے بند ہوئی کہ اس کے شیشے ٹوٹنے کی آواز میرے کانوں میں
 پڑی اور گہری خاموشی چھا گئی۔

خوف سے جو میری حالت ہوئی وہ میں کس طرح بیان کر دوں میرے
 تمام بدن میں لکڑی ہو رہی تھی۔ میں ابھی تک کھڑکیوں پر نظریں جمائے
 کھڑا تھا۔ اضطراب قلب سے میرا تھکا ہوا سینہ پر جانا۔ میں نے دیکھتے
 دیکھتے کھڑکیوں کو تنگ کیا۔ اور اپنے کمرے میں چروٹ کی طرح داخل ہوا
 سونے کی کوشش کی لیکن میرے کانوں میں ابھی تک اس شخص کے
 پھنکارے اور پھر کشتا گنگ کا زہر خندہ نقشبہ گونج رہا تھا۔ میں نے دل
 میں ایسا خیال کیا۔ کہ پتھروں سے کسی شخص کو ہلاک کرنا ایک خوفناک
 چیز ہے لیکن ایک نغمہ سے کسی کو چنان کی گہری غامیس پھینک دینا کس
 قدر دہشت ناک امر ہے۔

ان ہی ہیبت ناک خیالات میں محو میں تو یہاں رات کے تین بجے
 سو گیا۔ خواب میں بھی مجھے یہی نظارہ دکھائی دے رہا تھا۔
 جب میں اٹھا۔ تو آفتاب اپنی پوری روشنی میں چمک رہا تھا۔
 آسمان بالکل کھڑا ہوا تھا۔ اور رات کا دانتہ مجھے ایک خواب پریشان
 کی مانند معلوم ہوتا تھا۔ میں کپڑے پہن کر صبح مہولہ مہولوں کی تیار داری
 کے لئے باہر نکلا اور سب سے پہلے رینڈ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کوئی
 جواب نہ آیا۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ اندر نہ تھا اور بستہ پر رات کو
 کوئی شخص نہ ہوا تھا۔ دریافت کرنے پر کوئی سراغ نہ ملا۔ سب یہی
 کہتے تھے کہ وہ شام کو دیکھا گیا تھا۔

میں ہمت کر کے کشتا گنگ کے کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے
 پہلے میری نظر کھڑکی کے دو ٹوٹے ہوئے شیشوں پر پڑی۔
 ”رات کو کتنی خوفناک ہوائی کہ تمہاری کھڑکی کے شیشے بھی
 ٹوٹ گئے۔ وہ اپنے سر کو دو ٹوٹوں میں لئے ہوئے میز پر کرسیاں ٹیک
 کر بیٹھا تھا۔“
 ”یاں رات کو غلطی سے کھڑکیاں کھلی رہ گئی تھیں۔“
 میں نے اس کی تنبیہ کو چھوڑا۔ تم پہلے سے صحت یاب ہو چکے
 ہو۔ لیکن ابھی تک تمہارے دل میں بیقراری ہے۔ چار دن تک تم ناہل
 تھا یا اب ہو جاؤ گے۔“
 رات کا خوفناک بین میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ مجھے یقین تھا
 کہ رینڈ کی موت کا باعث کشتا گنگ ہی ہے۔ اس کی خوفناک آنکھیں
 مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ نبض دیکھنے کے لئے میں نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا
 تھا۔ تو مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ میں نے سانپ کو ہاتھ میں لیا ہوا ہے
 میں کانپ رہا تھا۔ میں جلدی اس کے کمرے سے نکل جانا چاہتا تھا
 دھند جب میں باہر نکلتے گا۔ تو پھر مرنا اور کاہنٹی ہوئی آواز میں
 اس سے پوچھا۔ ”رینڈ گذشتہ رات سے مفقود ہے۔ تمہارے کمرے میں تو
 نہیں آیا تھا؟“ وہ چونک پڑا گویا کسی نے سوئی جھجھادی۔
 ”رینڈ آئینہ میرے کمرے میں تو نہیں آیا۔ گذشتہ رات کوئی
 شخص میرے کمرے میں داخل نہیں ہوا۔“
 اس کا چہرہ اس کے جرم کا راز افشا کر رہا تھا لیکن بد قسمتی سے
 میرے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ میں خاموش ہو رہا۔ میں اپنے کمرے
 میں بہتیرا اس معاملہ پر غور کرتا رہا۔ اگر میں اس کا نام لے دوں کہ وہ
 رینڈ کا قاتل ہے تو یقینی امر ہے۔ کہ وہ انکار کرے گا اور اس کے
 انکار کی تردید کے لئے میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے اور وہ اس
 کے بعد میرا جان و دشمن ہو جائے گا۔
 چنانچہ میں خفیہ طور پر اس کی نقل و حرکت پر غور کرتا رہا۔ مجھے
 یقین تھا کہ کسی وقت یہ راز ضرور افشا ہوگا۔
 دوسرے دن عرب کا ایک قافلہ جو کہ فلسطین جا رہا تھا ہمارے
 پاس آیا اور انہوں نے بیان کیا۔ کہ انہوں نے ایک درخت پر کچھ کپڑے
 لٹکے ہوئے دیکھے اور گدھیں اور چیاں ہزاروں کی تعداد میں وہاں
 جمع تھیں۔ نزدیک آنے پر انہیں آدمی کی لاش نظر پڑی اور وہ بہت
 اٹھالے۔ یہ رینڈ کی لاش تھی۔
 فوجی نشان کے ساتھ اس کی لاش کو وٹا دیا گیا اور دو تین دن

دبچی نہیں۔

میں نے رقعہ پڑھا باطل مختصر تھا۔ ملاقات کی جگہ اور وقت نکھا تھا۔ بھر مجھے سنا خیال آیا۔ کہ کتنا لنگ بھی بیہوشی کی حالت میں فائدہ ناظرہ پکا رہا تھا۔ اس رقعہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ریمینڈ سے محبت کرتی تھی۔ غالباً اسی عورت کے ملنے کے لئے ریمینڈ مجھ سے رخصت مانگتا تھا اور جب میں نے رخصت دینے سے انکار کر دیا۔ تو وہ رات کے وقت پہاڑی پگڈنڈی کے خوفناک راستے سے اذھیرے کے پردے میں اپنی محبوبہ کے پاس جانا چاہتا تھا۔ پھر کتنا لنگ نے اس کو جابے ہوئے دیکھ لیا اور ریمینڈ کی موت سوانح ہوئی۔ یہ باتیں ایک عقدہ لائیکل بن گئیں۔

ہمارے احاطہ میں ایک شخص سیدی حمام رہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ جیسا رہو گیا تھا۔ اور تمام شہر کے طبیعوں سے ماوس ہو کر میرے پاس آیا تھا۔ اور میرے علاج سے وہ صحت یاب ہو گیا تھا۔ اس دن سے وہ مجھ سے بہت ماوس ہو گیا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ میں اس سے اس بات کا مشورہ کروں۔ میں سیدی حمام کے پاس گیا۔ وہ نماز ادا کر رہا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے کہا:-

”آپ کس طرح غریب خانہ پر تشریف لائے ہیں؟ کیا حکم ہے؟“

”کیا تم مجھے فاطمہ سے ملا سکتے ہو؟“

”فاطمہ! مصری لڑکی!“

”ہاں!“

”آپ کو اپنی جان کی قسم! اس سے ملاقات نہ کریں۔“

”کیوں!“

”اس نے بہت سے آدمیوں کو تباہ کیا ہے۔ اس میں کچھ اس قسم کا حسن جاذب ہے۔ کہ آدمی دیوانہ ہو جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اس کے پاس ایک تیغ بھی ہے۔“

”لیکن میں اسے ضرور دیکھوں گا۔ حسن اور جوانی ہمیشہ رہنے والی چیزیں نہیں۔ اس کو کہو کہ میرے پاس بھی ایک تیغ دینے جس سے حسن اور جوانی زائل نہیں ہوتی بڑھاپے کے آثار جیسے پر ہرگز نمایاں نہیں ہوتے۔ انسان کا حسن ہمیشہ برقرار رہے گا۔ چونکہ بڑھاپہ ہر ایک شخص پر آنے والا ہے۔ جوانی اور اس کی رعنائیاں دیر پا نہیں ہیں۔ اس لئے اس کو کہو کہ اگر وہ اپنے حسن کو غیر فانی بنانا چاہتی ہے۔“

لنگ ہر ایک شخص اسی واقعہ پر گفتگو کرتا رہا۔ اور ہر ایک اپنے خیال کے مطابق رائے قائم کرتا لیکن اس کے بعد جلد ہی لوگ اس واقعہ کو بھول گئے۔

وہ لوگ جو ہمیشہ خطرہ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ موت سے ہراساں نہیں ہوتے اور کسی کی موت پر ان کی ہمدردی نہایت قہوٹے رقعہ کے لئے ہوتی ہے۔ آج ایک کی موت واقع ہوئی ہے۔ کل اس کی جگہ اور آجانا ہے اور بات آئی گئی ہو جاتی ہے۔ فوج کی زندگی ہمیشہ موت پر محکمہ ادا رہتی ہے۔ کیونکہ زندگی میں ہی ان کے لئے سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ آج ایک کرنیل ہے کپتان ہے کل میدان و غایم مہنی کا ذکر ہے۔ فیصلہ ہوا۔ لوگ بھول گئے اس کی شخصیت و فناء دینے کے بعد ہی صفحہ دنیا سے محو ہو گئی۔

میری حالت نہایت دگرگوں ہو رہی تھی۔ قاتل میرے سامنے تھا اور اس بات کا صرف مجھے علم تھا۔ ضمیر مجھ پر ایک غیر معمولی بوجھ ڈال رہا تھا۔ میری خاموشی میرے لئے باعث گناہ عظیم تھی۔ جب کتنا لنگ مجھے نظر پڑتا۔ تو میں دل سوس کر رہ جاتا۔ غصہ کی وجہ سے میں اندر ہی اندر لکھا کر رہ جاتا لیکن میں مجبور تھا۔ کاش میں قاتل کو بدلہ اس کے قاتل کے کسی طرح سے لے سکتا۔

وہ بھی جب مجھے دیکھتا۔ اس کے چہرے پر ہر دنی سی چھا جاتی۔ اور اس کی تیز نظریں مجھ پر جمی رہتیں۔ میں نے خیال کیا کہ اس کو اس بات کا شک ہے کہ مجھے اس کا راز معلوم ہے اور اگر اسے اس پلٹنے کا یقین ہو گیا تو ضرور مجھ پر حملہ کرے گا۔

میں ہر وقت اسی خیال میں محو رہتا اور میرے دل پر افسردگی سی چھا جاتی رہتی۔ مجھے اس کا اشتہام کرنا نہایت ضروری تھا اور جب لنگ میں موجودہ حالت کا رخ نہ بدلوں میں ایک لمحہ بھی چین سے نہ رہ سکتا تھا۔ لیکن میں کس طرح اس پھبتی سے نجات پاسکتا تھا؟ آخر کار خدا نے میری مدد کی۔

ایک دن جب میں شفا خانہ کے احاطہ سے باہر نکل رہا تھا۔ تو ایک کارٹر دل میری طرف دھڑا ہوا آیا اور مجھے کاغذ کا ایک ٹکڑا دیا۔ جو کہ اس کو ریمینڈ کے کوٹ میں سے ملا تھا۔

”یہ ایک عورت فائدہ کا لکھا ہوا ہے۔ غالباً مرحوم ریمینڈ اس سے محبت کرتا تھا۔ میں یہ رقعہ آپ کے پاس لایا ہوں۔ کیونکہ یہ عالی از

ترجمہ سے تعویذ لے۔

اس کے چہرہ بظاہر ہوئی۔ کچھ دیر تو وہ مجھے دیکھتی رہی۔ پھر مخاطب ہوئی۔
”سیدی ہمام نے مجھے آپ کی تشریف آوری کی خبر کی دی تھی۔
میں آپ کی نہایت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھ پر کرم فرمایا کی اور میرے
لئے دائمی جن کا تعویذ لائے ہیں۔ میری عمر اس وقت تیرہ سال کی ہے
اور میں اس وقت اپنے آپ کو معترض خیال کرتی ہوں اور سمجھتی ہوں
کہ جلدی ہی میرے سن کی وہ عالمگیر کشش زائل ہونے والی ہے۔
مجھے اس وقت اس تعویذ کی نہایت ضرورت تھی۔“

میں اس وقت کچھ جھجک گیا۔ کیوں کہ یہ تعویذ کا قوصرف ملاقات
کا ایک بہانہ تھا۔ میں نے مطمئن آواز میں موضوع کو بدلتے ہوئے کہا
”واقعی فائدہ! جو کچھ تمہارے حسن اور عقل کی نسبت میں نے سنا
تھا۔ وہ حرف بہ حرف مضحک ہے۔“

”آپ نے کس سے سنا تھا؟“
”ریتندے“

اس نے نہایت بلند آواز میں کہا ”ریتندے“

”اں! ریتندے جو کہ کچھ دن ہوئے۔ پہاڑی سے گر کر ہلاک ہو گیا
ہے۔ غالباً تم کو اس سے محبت تھی۔“

”محبت! مجھے! انہیں یہ غلط بات ہے۔ کیا اس نے تم کو کہا تھا۔“
”نہیں! لیکن مجھے تمہارے اس رقعہ سے معلوم ہو گیا تھا۔ یوپی
رقعہ غالباً اس کی موت کا باعث ہوا۔ اور تمہیں ملنے کے لئے اندھیری
رات میں پہاڑی پر اس نے اپنی جان کھودی۔“

جونہی میں نے یہ الفاظ ختم کئے وہ دیوانہ وار اٹھ کھڑی ہوئی اس
کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی ”میری خادہ عائشہ نے جب مجھے
کہا کہ ریتندہ پہاڑی پر سے گر کر ہلاک ہو گیا ہے۔ تو فوراً مجھے خیال پیدا
ہوا۔ کہ اس شخص کی کارستانی ہے۔ وہ بدتماس ہے کیسہ ہے۔“

اس نے میرا بازو پکڑ کر زور سے کھینچا۔ اس کے چہرے کا رنگ بالکل
زر ہو گیا تھا۔ اور وہ چٹکی لگا ہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

”کیا آپ اس شخص کو کیفر کردار تک پہنچانے کی اپنی بوجی کوشش
نہ کریں گے۔ میرے لئے اور صرف میرے لئے اس شخص کے مرنے
مٹنے کے چیلوں کے آگے پھینک دینا چاہئے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ کس شخص کو؟“
”کے سنگ لنگ کو اور کس کو؟“

”بہت اچھا! آپ کل اسی وقت یہاں تشریف لے آئیں۔ تو
اکٹھے چلیں گے لیکن ایک دفعہ میں پھر نگاہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے حسن
سے دنیا کے ہرزد کو مسحور کر لیتی ہے۔ اور میں آج ہی اس سے پوچھ
لوں گا۔ تم فاضل جمع رکھو مجھ پر اس کا سخنیں چل سکتا۔ اور اپنا وعدہ
نہیں بھولنا۔“

میں نہایت بے قراری سے نمون کی اذان کا انتظار کرنے لگا
آخر کار قرآن کے روح پرور الفاظ شہر کی دیواروں سے ٹکرانے ایک
میںار سے دوسرے میںار تک اذان گونج اٹھی۔ تھوڑی دیر بعد ہمارا
داخل ہوا اور کہنے لگا۔

”جلدی چلئے فائدہ آپ کا انتظار کر رہی ہے۔“

”اگے اگے ہو گیا اور ہم شفاف آسمان کے تلے نہایت
سے قدم اٹھائے جا رہے تھے۔ شہر کی فلیک بس عمارتیں ایک عجیب
دہشت برسا رہی تھیں۔“

ہمام بغیر ادھر ادھر دیکھے آگے آگے جا رہا تھا اس کا لمبا چ
کبھی کبھی زمین کو چھوتا تھا۔ اور وہ عربی زبان میں کچھ پڑھ رہا تھا۔
وہ کوئی دعا تھی۔ پھر وہ ایک تنگ تاریک گلی میں داخل ہو گیا۔
پندرہ بیس سنت تک ہم اس تاریک گلی میں چلتے رہے۔ آخر کار
ایک دروازہ پر جا کر ٹھہر گیا۔ اور دستک دی۔ میں نے اس کو
سے کہا۔

”تم کو بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا اور میری ترجمانی کرنی ہوگی
اس نے میری طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

”وہ فرانسیسی زبان جانتی ہے۔“

اس وقت ایک سیاہ رنگ کی خادہ ماہر آئی۔ ہمام نے یہ
میں اس کو کچھ کہا۔ میں اندر داخل ہوا۔ ہمام باہر کھڑا وہ خادہ
ایک کمرہ میں لے گئی۔ جو کہ نہایت اعلیٰ درجہ پر آراستہ تھا۔ جلاہری
حریر کے پردے لگے ہوئے تھے۔ سرخ رنگ کے غالیچے پائینے
گلوں کے نہایت بچھے معلوم ہوتے تھے۔ اور چھت پر نہایت اعلیٰ
مینا کاری ہو رہی تھی۔ پھر ایک پردے میں سے فائدہ نمودار ہوئی۔
واقعی اس کا حسن نہایت دلنیز تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں پر
مٹی بلی پلکیں ایک سنسنی پیدا کر رہی تھیں۔ ایک سحرانگیز مسکراہٹ

بدکیر کردار تک پہنچائے۔ تھمارے لئے یہی بہتر ہو گا کہ تم اپنے ہاتھوں
اپنا کام تمام کر لو۔ صرف ایک دن کا تھیں وقفہ دیتا ہوں۔ کل اس وقت
میں زندہ نہ دیکھوں۔ ورنہ مجبوراً کمادڑ کے حوالے تھیں کرنا پڑے گا۔
میں نے یہ افراط نہایت جوش میں کہے اور کہتے ہی ہاتھ نکل آیا۔
وہ ایک پہرہ دار اس کے کمر کے سلسنہ متیقن کر دیا۔ اور اسے حکم دیا
کہ وہ کتھا تک کو کسی ہاتھ سے بھی باہر نکلنے نہ دے اور یہ بھی
ایات تھیں کہ وہ کتھا تک کی حرکات پر غور کرتا رہے۔

آج میں اپنے کمرے میں نہایت اطمینان سے بیٹا۔ مجھے معلوم ہوا
ماکہ سر سے ایک بڑا بھاری بوجھ اتر گیا ہے۔

مخزن نے اذان دی۔ آہستہ آہستہ شور و غلابات کی تاریکی میں
بہ چلیا۔ میں اپنے دروازے کو مضبوط لاکھا کر بیٹ گیا پھر اٹھا اور
رہی کے سامنے کھڑا ہو کر تازہ ہوا لینے لگا۔ اور گودشتہ پانچ دن میں
ہ کوخت ہوئی اسپر خیال دوڑانے لگا۔

دوپہر داہل بدل چکے تھے۔ لیکن ابھی تک میں کھڑکی کے سنے
رہا تھا۔ اپنا کسیر جیوں پر سے کسی کے اترنے کی آواز نہ سنی پھر بہت
بیرے دروازہ پر کسی نے دستک دی۔

مجھے یقین ہو گیا کہ کتھا تک ہے۔

پھر کتھا تک کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔ دروازہ کھولا۔
میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس نے دروازہ کو اپنے گندھوں سے زور دے کر کھولنا چاہا
لیکن دروازہ مضبوط تھا۔ اور وہ وہاں چلا گیا۔

میں نے اس خیال سے کہ وہ دوبارہ واپس آئے گا۔ دروازہ میں
دوبنی سا نہیں لگا دیں۔ اس کے بعد میں نے کتھا تک کو اسی خوفناک
پگھلی پر جس پر زندگی موت واقع ہوئی تھی جلتے دیکھے۔ وہ اپنی
مکڑیاں کے ساتھ رگڑ رگڑ کر چل رہا تھا۔ جب وہ اس راستہ کے
میر درمیان میں آیا۔ تو میں نے کہا۔

کتھا تک! کہاں جا رہے ہو؟

وہ یک سخت چومک پڑا اور کہنے لگا۔

آنا! داکٹر تم اندر ہی تھے میں ابھی وہاں آتا ہوں اور میں پس
میں ایک معاملہ کر لینا چاہتے۔ میں نے اپنے برقی لپ سے نیچے
والی اتھاہ عمارت کو کشنی ڈالی اور کہا۔

تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ اس شخص کو کسی طریقہ سے زہر دے کر مار دو
اسی نے مجھے ترغیب دی تھی۔ کہ میں بد نصیب ریتند کو کہاں جانے
کے لئے دفعہ لکھوں۔ میں نہیں جانتی تھی لیکن اس نے مجھے ڈرا
دھمکا کر اس کی طرف خط لکھوایا۔ اب مجھے معلوم ہوا۔ کہ یہ ایک سازش
تھی کتھا تک اس کی جان لینا چاہتا تھا۔

پھر اس کے بعد اس نے کتھا تک کی محبت کا غصہ سنایا۔ وہ
ایک وحشی تھا۔ اور غلطی کو اس سے سخت نفرت تھی۔

میں نے غلطی کو الوداع کہا۔ یہ قصہ سن کر مجھے نہایت قلق ہوا۔
میں اپنے تمام اسی راستے سے پھر واپس جا رہے تھے۔

صاحب آپ کا رنگ زرد ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ غلطی
اپنا دار کر گئی ہے۔ میں نے تو پہلے ہی آپ کو کہہ دیا تھا۔ کہ اس کے
پاس ایک شیطانی طاقت ہے۔

میں نے سکو اتے ہوئے کہا۔ تمام کوئی فکر کی بات نہیں۔
میں جانتے ہی کتھا تک کے کمرے میں داخل ہوا۔ مجھے دیکھ کر
وہ حسب معمول چومک پڑا۔

کہتے۔ اس وقت کیسے آنا ہوا؟

ایک بات میں کہنی بھول گیا ہوں۔ جب میں غلطی سے رخصت
ہونے لگا تھا۔ تو میں اس سے وہ خط لے آیا تھا۔ جو کہ کتھا تک نے غلطی
کو ریتند کو دعوت و غیر کی ترغیب میں لکھا تھا۔

میں نے وہ خط کھول کر کتھا تک کے سامنے کیا۔ اس کی آنکھیں
کھلی کی کھلی دھکیں چہرے پر ہوا نبیاں اڑنے لگیں۔ اور میری سخت
پرہیز سے مجھ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

میں نے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اگر تم نے ذرا بھی
توہین کی۔ تو میں نہیں کہتے کی موت مار دوں گا۔ تم بہترین انسان ہو۔
تم نے ریتند کو قتل کیا۔ جس رات تم نے اسے قتل کیا۔ میں سب

کچھ تم کے بڑے کمرے میں کھڑا رہا تھا۔ تم اس کا انکار نہیں
کر سکتے۔ جو کچھ تم نے اس لڑکی کے ساتھ سلوک کیا ہے وہ تمہاری
گندی ہے۔ اس کی تین دیں ہیں۔ ایک فرانسیسی افسر سے یہ ہرگز توقع

نہیں ہو سکتی۔ تم ہماری قوم میں ایک ناپاک روح ہو اور ہم گڑبگڑ میں
نہیں کہ نہیں۔ ارہنے دیا جائے بس تو میں نہیں جانتا۔ کہ میں نہیں
قانون کے ماتھے پر میں دیدوں اور وہ تمہیں نہایت ایذا رسانی کے

